تزکِ جہانگیری

جلد اوّل

شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کی خود نوشت سوانح عمری

ترجمہ و حواشی
اعجاز الحق قدوسی

نظرِ ثانی
سید حسام الدین راشدی
ستارۂ امتیاز، دارای نشان سپاس دولت شاہنشاہی ایران

مجلس ترقیِ ادب
۲۔ کلب روڈ، لاہور

طبع اول : جولائی ۱۹۶۸ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ لاہور

قیمت : [illegible]

مقدمہ

اس برصغیر میں مغلوں نے اپنے تین سو سالہ ایام حکومت میں ، بہت سی پائدار اور لازوال نشانیاں چھوڑی ھیں ۔ ایسی یادگاروں کی تعداد ان گنت ھے ، اور کم و بیش ھر شعبۂ حیات میں پائی اور گنائی جا سکتی ھیں ۔ اب تک یہ یادگاریں بہت کچھ مٹ مٹا چکی ھیں اور بہت سی ابھی باقی ھیں ۔ ممکن ھے ایک ایسا وقت بھی آئے کہ ان کے یہ تمام مادی آثار سب کے سب مٹ جائیں لیکن انھوں نے علمی دنیا کے لیے تین ایسی نشانیاں چھوڑی ھیں جو کبھی مٹ نہیں سکتیں ۔ جب تک چاند اور سورج کا طلوع اور غروب برقرار ھے ، اُس وقت تک دنیا کی کوئی طاقت اور زمانے کی کوئی گردش ان کو نہ مٹا سکتی ھے اور نہ آنکھوں سے اوجھل کر سکتی ھے ۔

وہ تین یادگاریں یہ ھیں :

۱- بابر نامہ

۲- ھمایوں نامہ

۳- جہانگیر نامہ ، جو ''توزک جہانگیری'' کے نام سے معروف اور مشہور ھے ۔

مغل دور حکومت سے متعلق بہت سی ضخیم کتابیں اور تاریخیں خود مغلوں ھی کے درباری مؤرخوں نے لکھی ھیں ۔ اگرچہ شک نہیں کہ ان میں کافی معلومات فراھم کی گئی ھیں ، لیکن یہ تین کتابیں اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے ان سب پر پھر بھی بھاری ھیں ۔ اگر یہ کتابیں نہ ھوتیں تو واقعات و کوائف کا نفسیاتی تجزیہ کرنا بالکل ناممکن بات تھی ۔ مغلوں کے تین بڑے بادشاھوں کا کردار ، ان کی اپنی شخصیتیں ، ان کے عادات و اطوار ، ان کی پسند اور ناپسند ، ان کا طریقۂ کار اور طرز عمل ، ان ھی تین کتابوں کے ذریعے ھمارے سامنے اس طرح روشن ھو جاتا ھے کہ ھم ان کی شخصیتوں اور ان کے ادوار کی آب و ھوا سے کلی طور پر آشنا اور متعارف ھو جاتے ھیں ، اور آسانی کے ساتھ ان ادوار کا

تجزیہ کر سکتے ہیں ۔ ان تین کتابوں کی وقعت اور اہمیت اس لیے اور بھی بڑھی ہوئی ہے کہ یہ کسی کی روایت نہیں ہیں ، بلکہ ان کے اپنے ہی موقلم کی تیار کردہ اپنی ہی داستان حیات کی تصویر ہے ۔

یہ تینوں کتابیں اس قسم کی سادہ زبان اور بے ساختہ عبارت میں لکھی گئی ہیں کہ واقعات اور مسائل پر لفظوں کی سج دھج اور فقروں کی تراش خراش کی کوئی آنچ آنے نہیں پائی ہے ۔ جب وہ شخصی واقعات لکھتے ہیں ، جب وہ ملکی معاملات بیان کرتے ہیں ، جب وہ گھریلو مسائل لاتے ہیں ، اس وقت پڑھنے والا ان کی شخصیتوں میں بالکل ضم ہو کر رہ جاتا ہے ، اور لکھنے والے اور پڑھنے والے کے درمیان مغایرت کے سارے پردے اٹھ جاتے ہیں ۔ اور اس کے بعد پڑھنے والا تاریخ کے اوراق میں ایک محرم راز کی طرح نہایت اطمینان کے ساتھ سیر کرنے لگتا ہے ۔ یہ یقیناً مغلوں کی عظمت اور بڑے ہونے کی دلیل ہے ۔ وہ اتنے بلند اور عظیم تھے کہ ہر چیز کو انہوں نے جس طرح سمجھا یا دیکھا ، بالکل اسی طرح کھلم کھلا اور برملا کہہ دیا ، کسی ڈپلومیسی اور ملک رانی کے کسی قاعدے اور رکھ رکھاؤ کو پیش نظر نہیں رکھا ۔ علم کے اور خاص کر تاریخ کے سلسلے میں یہ بات بڑی دیانت اور پائے کی کہی جا سکتی ہے ۔

بابر نامہ ، بابر کے اپنے ہی قلم سے لکھی ہوئی داستان حیات ہے ۔ ہمایوں نامہ ، ہمایوں کے سوانح ہیں ، جو ان کی اپنی بہن گلبدن بیگم نے ذاتی مشاہدات کی بنا پر قلم بند کیے ہیں ۔ جہانگیر نے توزک میں اپنی روزمرہ کی زندگی کو تقریباً تاریخ وار بیان کیا ہے ۔[1]

مؤرخوں نے جب کبھی مغلوں کی تاریخ پر قلم اٹھایا ، تو ان تینوں کتابوں کا دامن سب سے اول تھاما ہے ۔ یہی سبب ہے کہ ان کو شروع ہی سے قبول عام حاصل رہا اور کئی ایک علمی زبانوں میں ان کے تراجم کیے جا چکے ہیں ۔

اُردو زبان میں ''بابرنامے'' کا ترجمہ کئی سال ہوئے دہلی سے شائع ہو چکا ہے ۔

۱- سترہ برس کے حالات جہانگیر نے خود لکھے ہیں اور بقیہ سالوں کا روزنامچہ اپنی نگرانی میں معتمد خان سے لکھوایا ہے ۔

ہمایوں نامے کا اردو ترجمہ ابھی تک میری نظر سے نہیں گزرا ۔ توزک جہانگیری کا ایک ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری نے ۱۲۹۱ھ میں نظامی پریس کانپور سے شائع کیا تھا ، اور آٹھ برس ہوئے کہ مجلس ترقی ادب لاہور نے دوسرا ترجمہ شائع کیا ، جو چند سالوں کے اندر ختم ہو چکا ۔

میرے محترم بزرگ جناب سید امتیاز علی تاج ، جن کی ذاتی دل چسپی اور شغف کی وجہ سے مجلس ترقی ادب لاہور نے ، لاتعداد علمی اور ادبی تحفے اہل دانش کی جھولی میں ڈال رکھے ہیں ، تقریباً تین برس ہوئے مجھ سے فرمائش کی کہ توزک کا ترجمہ دوبارہ از سرنو یا تو میں خود کر کے دوں یا اپنی نگرانی میں کسی اور اہل علم سے کرا کے ادارے کے حوالے کروں ۔ سید صاحب کا یہ محض کرم تھا کہ انھوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور مجھ پر اعتماد کر کے یہ کام میرے سپرد کر دیا ۔

عدیم الفرصتی کی وجہ سے میرے لیے تو مشکل تھا کہ میں خود ترجمہ کروں ، لہٰذا میں نے اپنی نگرانی میں ترجمہ کرانے کی ہامی بھرلی اور ترجمے کے لیے یہ کتاب پاکستان کے مشہور اہل قلم مولوی اعجاز الحق صاحب قدوسی کے حوالے کر دی ۔

مجھے خوشی ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے ترجمے کا کام بڑی دیانت داری کے ساتھ شروع کر دیا ۔ ترجمہ اگرچہ اطمینان بخش طریقے اور پوری علمی ذمے داری کے ساتھ ہو رہا تھا ، لیکن میں نے مزید احتیاط کے لیے جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی سے ، جن کا پایہ تاریخ دانی اور تاریخ نویسی میں مسلم ہے ، درخواست کی کہ وہ بھی ایک ایک لفظ کا مقابلہ اصل سے فرماتے جائیں ، اور اس کے بعد میں خود بھی امتحاناً بہت سے اجزا وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا ، اس طرح یہ ترجمہ دو برس کے عرصے میں تکمیل کو پہنچا ۔

ظاہر ہے کہ نقل میں اصل کا لطف لے آنا تو مشکل ہے ، لیکن میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ یہ ترجمہ ایسا ضرور ہے کہ تحقیقی کام میں اپنی فارسی اصل سے بے نیاز کر دیتا ہے ، اور ترجمے کی کامیابی کی یہی سب سے بڑی دلیل بھی ہے ۔

میں نے شخصیات اور مقامات سے متعلق ہر باب کے آخر میں کثرت سے حواشی لکھوائے ہیں ، تاکہ عام پڑھنے والے کو مطالعے کے دوران اگر کسی

شخصیت یا مقام کے متعلق وضاحت اور معلومات کی ضرورت پڑ جائے تو کسی دوسری کتاب سے رجوع کیے بغیر، ضروری حد تک وہیں معلومات مل جائیں۔ چنانچہ یہ حواشی علمی تحقیق کرنے والوں کے لیے بھی بڑی حد تک کارآمد ہیں، کیوں کہ ہر حاشیے سے متعلق مصادر کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

کتابوں کی اصل عبارتوں کو "خورد برد" کیے بغیر ترجمہ کرنے اور وضاحتی حواشی لکھنے کی وجہ سے، کتاب کی ضخامت اور حجم بڑھ گیا ہے، اس لیے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ ویسے اصل کتاب بھی دو ہی حصوں پر مشتمل ہے: پہلا حصہ بارہ سال کے حالات پر اور دوسرا حصہ دس سال کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اسی صورت حال کو ترجمے کی دو جلدوں میں برقرار رکھا گیا۔

توزک جہانگیری کا فارسی متن دو مرتبہ شائع کیا گیا ہے۔ پہلا ایڈیشن سرسید نے ۱۸٦۳ء میں اپنے ذاتی پریس علی گڑھ میں خود تصحیح کر کے شائع کیا تھا۔ دوسرا ایڈیشن اسی نسخے کو سامنے رکھ کر ۱۹۱۴ء میں نولکشور نے لکھنؤ سے چھاپا۔ یہ دونوں ایڈیشن قدیم طریقے پر شائع کیے گئے ہیں۔ چنانچہ سرسید کے مطبوعہ نسخے میں کئی ایک نازک غلطیاں رہ گئی ہیں، جو نولکشوری ایڈیشن میں بھی اسی طرح موجود ہیں۔ زیر نظر اردو ترجمہ سرسید کے متن سے کیا گیا ہے۔ مسٹر راجرس آنجہانی کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ، جو خطی نسخے سے براہ راست کیا گیا ہے اور بہت سے مفید تاریخی حواشی سے مزین ہے، مزید احتیاط کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے۔ بہرحال ہر امکانی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ مستند اور پورے علمی لواحق سے مزین ہو، غرض کہ امکانی حد تک جو کچھ ہو سکا اور بن پڑا ہے۔وہ اہل علم اور اہل نظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اصل متن کی طرح یہ ترجمہ بھی قبول عام حاصل کرے گا۔

آخر میں یہ عرض کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو ترجمہ ہو تو گیا، لیکن علمی ضرورت اب بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی، جب تک کہ اصل فارسی متن کا ایک صحیح اور علمی ایڈیشن نہ چھاپا جائے۔ پرانے طریقہ پر شائع شدہ غیر علمی متون سے کیا ہوا ترجمہ، صحیح معنوں میں علمی پیاس نہیں بجھا سکتا!

ہمارے ملک میں توزک کے کئی مستند خطی نسخے موجود ہیں ۔ خود ملتان میں جناب سید رمضان علی شاہ صاحب گردیزی کے کتب خانے میں توزک کا وہ خطی نسخہ موجود ہے جو خود جہانگیر نے سال ۱۰۲۷ھ میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو دیا تھا ۔ علاوہ ازیں کئی اور نسخے بھی پاکستان اور یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ اگر اس کے باوجود بھی ہم توزک کے علمی متن تیار کرنے سے قاصر رہیں یا اغماض برتیں تو یہ نہ فقط بہت بڑی کوتاہی ہے بلکہ درحقیقت بدقسمتی ہوگی ۔

سید حسام الدین راشدی

کراچی ۷ - اپریل ۱۹۶۸ع

کچھ ترجمے کے متعلق

اعجازالحق قدوسی

دو سال کی کاوش و محنت کے بعد توزک جہانگیری کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے . ترجمہ فی نفسہ تالیف و تصنیف سے بھی زیادہ ایک مشکل امر ہے . کسی دوسری زبان کے مفاہیم و مطالب کو اپنی زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ اصل زبان کی دلکشی بھی اس میں باقی رہے ، اور کسی لفظ کا ترجمہ بھی چھوٹنے نہ پائے ، بڑا دشوار کام ہے .

بہترین ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ دونوں زبانوں کا جاننے والا قاری مطالعے کے وقت یہ محسوس کرے کہ وہ اصل زبان کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا ہے ، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ زبان کی روح ترجمے میں اس طرح منتقل ہو ، جو حشو و زوائد سے پاک اور سلاست و روانی میں اپنی مثال آپ ہو . توزک کا ترجمہ اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے . میں نہیں جانتا کہ میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں ، صاحبان اہل نظر اس کو خود جانچ اور پرکھ لیں گے ، لیکن اس کٹھن راہ میں مجھے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ، وہ توزک کے ترکی الفاظ ہیں ، جو اس کے صفحات میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں ، اور ہمارے متداولہ لغات میں بہت ہی کم پائے جاتے ہیں . مجھے ان الفاظ کے صحیح معانی اور موزوں ترجمے کی تلاش و جستجو میں بڑی دقت اٹھانی پڑی . ان الفاظ کے تراجم میں ترکی اور انگریزی لغات سے مدد لی گئی ، اور بعض مواقع پر توزک کے انگریزی تراجم روجرز اور بیورج سے بھی استفادہ کیا گیا . اسی طرح مقامات ، مواضعات اور اشخاص کے ناموں کی صحت میں بھی بعض اوقات دقتیں پیش آئیں ، جن کو اقبال نامۂ جہانگیری ، اکبرنامہ ، منتخب التواریخ اور بیورج کے انگریزی حواشی کی مدد سے حل کیا گیا .

سب سے اہم اور دشوار کام توزک کے رجال پر حواشی کا تھا ، جو ہر جشن

کے بعد دے گئے ہیں ۔ ان کی تلاش و تحقیق میں بڑا وقت صرف ہوا ۔ اس کام سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ذخیرۃ الخوانین ، مآثرالامرا ، بادشاہ نامہ ، منتخب‌التواریخ اور دوسری تاریخوں ، تذکروں اور جناب محترم مولانا علم الدین سالک کے ان حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے ، جو موصوف نے توزک جہانگیری کے بعض اشخاص ، رجال اور مقامات پر لکھے تھے ۔ میں نے جہاں بھی حواشی میں مولانا موصوف کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے ، وہاں قوسین میں (س) لکھ دیا ہے ، باایں ہمہ میری یہ تمنا پھر بھی پوری نہ ہو سکی کہ توزک کے متن میں جس قدر نام آئے ہیں ان سب پر وضاحتی نوٹ اور حواشی قلم بند کرتا ۔ لیکن اس راہ میں میرے لیے سب سے بڑا سنگ راہ خود مغل امرا کے تذکروں کی کمی اور کم یابی تھی ۔ پھر بھی جہاں تک میری دست رس تھی اور متداول تذکروں میں جن اشخاص و رجال کا مواد مل سکا ، وہ میں نے تلخیص اور ترجمے میں ڈھال کر حواشی میں دے دیا ہے ۔

میں اپنے محترم بزرگ جناب عبدالمجید صدیقی سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا بے حد ممنون و شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری گزارش پر میرے اس ترجمے کو تمام تر اصل متن سے لفظ بلفظ ملا کر دیکھا ، اور حسب ضرورت بعض مقامات پر مناسب اور مفید ترمیم کر کے میرے ترجمے کو مزید جلا بخشی ۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر آخر میں ، میں جناب سید حسام الدین صاحب راشدی کا شکریہ ادا نہ کروں ۔ صاحب موصوف نے اس ترجمے کے دوران میرے کام پر کڑی نگرانی رکھی ۔ جب کبھی ان کی نگاہ دوربیں نے میرے ترجمے میں کہیں کوئی جھول یا فروگزاشت محسوس کی تو کبھی مشفقانہ انداز میں اور کبھی سخت لیکن پُر خلوص طریقے پر مجھے اس پر متنبہ کیا ۔ اور جب تک وہ خامی یا کسر دور نہ ہو گئی ، اس پر صاد نہیں کیا ۔ واقعہ ہے کہ میں نے سالہا سال ان کے ہمراہ کام کیا ہے ۔ میرا تجربہ شاہد ہے کہ نجی تعلقات میں ان جیسا دوست اور علم و ادب کے باب میں ان سے زیادہ اجنبی میں نے کسی کو نہیں پایا ۔ توزک کے ترجمے کے معاملے میں بھی ان کا یہی رویہ رہا ، اور میں :

جورِ اُستاد بہ ز لطفِ پدر

کا لطف محسوس کرتا رہا ۔ شروع میں وہ اس ترجمے کو لفظ بلفظ دیکھتے ، اور

اس کے پروفوں کو خود پڑھتے تھے ، لیکن جب ان کی عدیم‌الفرصتی اور علمی مشاغل نے اسے ناممکن بنا دیا تو وہ صرف پروف دیکھنے لگے ، اور جب یہ بھی دشوار ہو گیا تو بشرط فرصت گاہ بگاہ پروفوں کا مطالعہ جاری رہا ۔ پھر اپنی فطری احتیاط اور ذمے داری کے تحت اپنے مفید مشوروں سے اِس طرح نوازا کہ پروفیسر عبدالمجید صاحب کا تعاون حاصل کیا ، تا کہ وہ ترجمے کا متن سے لفظ بلفظ مقابلہ کریں ۔ چنانچہ صاحبِ موصوف نے اس کام کو تقریباً ایک سال میں انجام دیا ۔ اس طرح یہ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔

میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس ترجمے کو حسنِ قبول کی دولت سے نوازے ۔ آمین ! بجاہ سیدالمرسلین و آلہ الطاھرین ۔

قدوسی منزل ے ۳۵/۵ کراچی نمبر ۱۹
۱۵ جنوری ۱۹۶۸ع

اعجازالحق قدوسی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

تخت نشینی

عنوان	صفحہ

عنوان — صفحہ

پہلا جشن نوروز

عنوان	صفحہ

دوسرا جشن نوروز

عنوان | صفحہ

تیسرا جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان — صفحہ

چوتھا جشن نوروز

پانچواں جشن نوروز

عنوان | تا بہ صفحہ

چھٹا جشن نوروز

عنوان صفحہ

ساتواں جشن نوروز

عنوان — صفحہ

آٹھواں جشن نوروز

عنوان — صفحہ

نواں جشن نوروز

دسواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

گیارہواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان — صفحہ

مانڈو کی عمارتوں کی سیر

عنوان — صفحہ

بارھواں جشن نوروز

عنوان	صفحہ

عنوان	تا صفحہ

عنوان	صفحہ
شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری	۶۴۳
سلطان مظفر	۶۴۴
باغ فتح	۶۴۶
چنپا کے درخت کاٹنے پر سزا	۶۴۷
ایک عجیب و غریب چور	۶۴۷
شاہجہاں کی قیام گاہ پر تشریف آوری	۶۴۸
ریاست خورد، کی فتح	۶۴۸
احمد آباد سے کوچ اور تالاب کا کریہ کے کنارے قیام	۶۵۰
دریائے احمد آباد کے کنارے قیام	۶۵۱
مزار قطب عالم پر حاضری	۶۵۱
سید مبارک بخاری کا مقبرہ	۶۵۱
موضع موده میں نزول	۶۵۲
موضع جرسیا میں نزول	۶۵۳
مان سنگھ سیوڑہ کے جہنم رسید ہونے کی اطلاع	۶۵۳
گجرات اور ہندوستان سے سیوڑھوں کے اخراج کا حکم	۶۵۴
مشائخ گجرات پر نوازش	۶۵۵
احمد آباد میں داد و دھش	۶۵۶
کوکب ولد قمر خاں کی گرفتاری	۶۵۶
بارہ سینور میں نزول	۶۵۸
کشمیر میں وبا	۶۵۸
دریائے مہی کے کنارے قیام	۶۵۹
تالاب جھسود کے کنارے قیام	۶۶۰
تالاب بدر والہ کے کنارے قیام	۶۶۰
عظمت خاں گجراتی کی وفات	۶۶۰
چھوئی موئی کا پودا	۶۶۰
شیر کا شکار	۶۶۱

عنوان	صفحه

اشاریه

تورک جہانگیری

جلد اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

وہ بادشاہ واحد و یکتا بے حد حمد و ثنا اور بے شمار تعریف کا مستحق ہے جس نے دنیا کے حکمرانوں کی با برکت ذات کو مخلوق کے اطمینان کا ذریعہ اور بندوں کے دائمی انتظام کا وسیلہ قرار دیا ہے ، تا کہ وہ اپنی آب دار شمشیروں اور شعلہ بار نیزوں سے بد بخت سرکشوں اور طاقتور کافروں اور بدکاروں سے معرکہ آرا ہوں ۔ اور ان کی انتہائی کوششوں اور اجتہاد کی برکتوں اور مفسدوں کے قلع قمع سے سلطنت کا نظم و نسق اور شریعت کا حال مستحکم ، ہو اور اہل دنیا اُن کے راحت بخش زمانے میں امن و امان کے بستر پر چین کی نیند سوئیں ۔

بے شمار درود اور صلوات حضرت خاتم المرسلین اور سید النبیین پر ہو ، کہ جن کی بے مثال ہستی ، دین محکم کے رواج کا موجب ہے ، اور جن کی عدالت اور انتظام کی تلوار ، ہر قسم کے زنگ اور آلودگی سے پاک و صاف ہے ۔

اور مسلسل اور متواتر سلام راہ ہدایت دکھانے والے خلفا اور تمام آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین پر ہو ۔

وجہ تصحیح و تالیف :

اما بعد ، چونکہ اس شکستہ دل ، ناچیز ، خاکسار ، کم نصیب ، محمد ہادی (راقم دیباچہ اور مؤلف کتاب) کا ، بچپن کی ابتدا اور نشو و نما کے آغاز سے آج تک ، کہ عمر کے ساٹھ برس گزار چکا ہے ، فطری رجحان علم تاریخ اور فن سیر کی طرف رہا ہے ، اور انبیا و مرسلین اور ذی حشمت سلاطین کے حالات و واقعات کی اکثر کتابوں کا نگاہ عبرت سے مطالعہ کر چکا ہے ۔

منجملہ ان کے حضرت جنت مکانی جہانگیر بادشاہ جو تیموریہ خاندان کے

نامور فرد اور ہندوستان کے عظیم بادشاہوں میں تھے اور شان و شوکت اور دلیری میں مشہور اور سیاست و عدالت سے موصوف تھے ، کی سوانح عمری ہے ، جس میں اُنھوں نے اپنی فرماں روائی کے اٹھارہ سالہ(۱) حالات پورے شرح و بسط کے ساتھ کتابی صورت میں لکھے ہیں ، جو اس مجبور کی نظر سے گزرے . چونکہ یہ سادہ اور بے تکلفانہ انداز میں لکھے ہوئے تھے ، مجھے مرغوب اور پسند آئے ، میں نے انھیں اپنے قلم سے نقل کیا .

نقل کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ جب تشنگان تاریخ ، کتاب کے اس مقام پر پہنچیں گے ، تو بعد کے واقعات اور حالات زندگی تحریر نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے پوری طرح فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے . اس لیے میں نے اُنیسویں سال جلوس سے لے کر اس خسرو جم جاہ کے آخری ایام حیات تک کے حالات کو ، چند معتبر تاریخی کتابوں سے جمع اور تالیف کر کے ، سوانح کو مکمل کیا . [2] نیز خود جہانگیر نے اپنے حالات تاریخ جلوس سے لکھے ہیں ، راقم سطور نے ان کی پیدائش سے تخت خلافت پر بیٹھنے تک کے حالات کو ، اصل نسخے میں اضافہ کر کے ، اس حیثیت سے بھی کتاب کو مکمل کر دیا . اس طرح اللہ نے اپنی مدد اور توفیق سے مجھ پر احسان کیا .

نسب نامہ :

حضرت شاہ جنت مکانی جہانگیر کے آبا و اجداد کرام کے القاب اور بزرگ ترین نام اس ترتیب سے ہیں :

ابو المظفر نورالدین محمد جہانگیر بن جلال‌الدین محمد اکبر بن نصیرالدین محمد ہمایوں بن ظہیرالدین محمد بابر بن عمر شیخ بن سلطان ابو سعید بن سلطان محمد بن [جلال الدین] میران شاہ بن قطب‌الدین صاحب قران امیر تیمور گورگان .

اکبر کی تمنا :

حضرت عرش آشیانی اکبر ، کارخانۂ سلطنت و جہانبانی کی بقا کے لیے ، ہمیشہ خدائے تعالٰی کی بارگاہ میں دعا کرتے رہتے تھے کہ : خدائے تعالٰی ان کو ایسا فرزند عطا فرمائے جو تخت و تاج کے لایق اور علم و دانش کی مسند کو آراستہ کرنے والا ہو . اور مقربان درگاہ صمدیت اور مقبولان بارگاہ احدیت کو اس

خواهش کا وسیلہ بنا کر ایسے ستارے کے طلوع ہونے کے منتظر رہتے تھے جو جہان کا روشن کرنے والا ہو۔

مصاحبین کا مشورہ :

یہاں تک کہ ایک دن بعض پایۂ تخت کے سامنے کھڑے ہونے والے مصاحبین نے عرض کیا کہ : شیخ سلیم (۲) نامی ایک درویش ، جو صفائی ظاہر و باطن میں اس شہر کے خدا پرستوں میں ممتاز ہیں ، اور ان کی ذات قبولیت دعا میں مشہور ہے ، اور سلسلۂ نسب سات واسطوں سے شیخ فرید شکر گنج (۳) سے جا ملتا ہے ، قصبۂ سیکری میں ، جو دارالخلافہ اکبرآباد سے بارہ کوس پر واقع ہے ، رہتے ہیں ۔ اگر آنحضرت (اکبر) اس آرزوے گرامی کو ان کے سامنے پیش کریں ، تو امید ہے کہ آرزو کا درخت ، ان کی دعا کی آبیاری سے ، پھل لائے ، اور چہرۂ مقصود آئینۂ ظہور میں ، جلوہ گر ہو ! ۔ چنانچہ آنحضرت (اکبر) شیخ سلیم کے گھر گئے اور بصدق و نیاز اور عقیدت و خلوص کے ساتھ شیخ کے سامنے اس راز کو ظاہر کیا ۔ آگاہ دل اور روشن ضمیر شیخ نے بادشاہ (اکبر) کو برج خلافت میں ایک ستارے کے طلوع ہونے کی خوش خبری دی ۔ عرش آشیانی (اکبر) نے اس خوش خبری کو سن کر شیخ سے فرمایا کہ : میں نے نذر مانی ہے کہ اس فرزند کو آپ کے دامان تربیت میں ڈالوں گا ، تاکہ وہ آپ کی ظاہری اور باطنی تائیدوں سے بزرگی کی دولت اور دولت کی بلندیوں کو حاصل کر سکے ! ۔ شیخ نے قبول فرما لیا اور فرمایا : مبارک ہو ! ہم نے اس نونہال دولت و اقبال کو اپنا ہم نام بنایا ۔

جہانگیر کی ولادت :

نیت کی سچائی اور اعتقاد کی پختگی کی بدولت تھوڑی ہی مدت میں امید کا درخت خواہش کے پھل سے بارور ہوا ۔ جب وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو حضرت شاہ جنت مکانی (جہان گیر) کی والدۂ ماجدہ کو ، کمال عقیدت اور انتہائی اخلاص کے ساتھ ، شیخ کے گھر بھیج دیا گیا ! اس مکان مبارک نشان میں بدھ کے دن ۱۷- ربیع الاول ۹۷۷ھ (۳۰- اگست ۱۵۶۹ع) کو طالع میزان کے مطابق ، موضع فتح پور میں شیخ سلیم کے گھر اس آفتاب جاہ و جلال نے طلوع فرمایا ۔

جب یہ روح افزا مژدہ اور مسرت بخش خوش خبری دارالخلافہ اکبر آباد میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے کانوں تک پہنچی تو اس مسرت میں ایک جشن عالی اور عظیم جلسۂ شادمانی ترتیب دیا گیا اور ڈھیروں زر و جواہر نثار کیے گئے ، اور خدائے تعالیٰ کی اس بخشش کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بلا تخصیص ان قیدیوں کے چھوڑنے کا حکم جاری کیا گیا جو قلعوں اور شہروں میں زندانی تھے .

اسم مبارک :

طے شدہ قرار داد کے مطابق خلافت و جہانگیری کے اس فخر خاندان کا نام سلطان سلیم رکھا گیا .

اگرچہ شعرا اور فضلا نے اس کی مبارک ولادت کی تاریخ میں اپنے روشن قصائد میں اچھوتے مضامین اور نادر معانی نظم کیے ہیں جن میں سے ایک ــــــــــ در شہوار لجۂ اکبر ــــــــــ اور دوسری گوہر درج اکبر شاہی ــــــــــ ہے . لیکن خواجہ حسن مروی(۴) نے اپنی روانی طبع اور تیزی فہم کی بنا پر ایسا قصیدہ کہا ہے [3] جسے سخن وری کا ایک شاہکار کہا جا سکتا ہے . اس قصیدے کے ہر شعر کا مصرع اول آنحضرت (اکبر) کی تاریخ جلوس ہے اور دوسرا مصرع حضرت شہنشاہی جہانگیر کی تاریخ ولادت ہے . چنانچہ پورے قصیدے کو بالالتزام ان دونوں مشکل خصوصیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے رنگین معانی اور نازک الفاظ سے آراستہ کیا گیا ہے . یہ چند شعر اس قصیدے کے ہیں جو راقم سطور تحریر میں لاتا ہے :

للہ الحمد از پئے جاہ و جلال شہریار
گوہر مجد از محیط عدل آمد در کنار

طائرے از آشیان جاہ و جود آمد پدید
کوکبی از اوج عز و ناز گردید آشکار

گلبنی زین گونہ ننمودند بر دہر چمن
لالۂ زین گونہ نکشود از میان لالہ زار

شاد شد دلہا کہ باز از آسمان عدل و داد
باز دلہا زندہ شد کز مہر ایام بہار

آن ہلال برج قدر و جاہ و جود آمد برون
وان نہال آرزوی جہان شاہ آمد ببار
شاہ اقلیم وفا ، سلطان ایوان صفا
شمع جمع بے دلان ، کام دل امیدوار
عادل کامل محمد اکبر صاحب قران
بعد شاہ نامدار و کامجوی و کامگار
کامل دانای قابل ، عادل شاہان بدہر
عادل اعلیٰ و عاقل ، بے عدیل روزگار
سایۂ لطف اللہ آن لایق تاج و نگین
بادشاہ دین پناہ آن عالم عادل مدار
مجلس وی را سابے چارمین دان عود سوز
مرکب وی را سماک رامح(۵) آمد نیزہ دار
ثبین برج وجود و گوہر دریاے جود
از ہواے اوج دلہا شاہباز جہان شکار
بادشاہا! سلک لولوی لفیس آوردہ ام
ہدیہ از کان گرامی باز جوی و گوش دار
کس نیارد ہدیۂ زین بہہ ، اگر دارد کسی
ہر کہ دارد گو : بیا! چیزی کہ داری گو: بیار!
(مصرع) اول ز وے سال جلوس بادشاہ
از دوم مولود نور دیدۂ عالم برار
تا بود باقی حساب روز ہاے ماہ و سال
دان الحساب از سال و ماہ و روز دوران نامدار
شاہ ما پایندہ باد و باقی آن شہزادہ ہم
روز ہاے بے حساب و سالہاے بے شمار

سفر اجمیر :

جب مراد کی کلی امید کے پودے سے کھل چکی اور شاہد مقصود نے خواہش کے نہاں خانے سے جلوہ گاہ شہود میں قدم رکھا ، تو اس کے شکرانے

کے لیے عرش آشیانی (اکبر) اسی سال ولادت (جہاں گیری) میں بتاریخ ۱۲- ماہ شعبان ۹۷۷ھ (جمعہ ۲۰- جنوری ۱۵۷۰ع) کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی قدس سرہ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے پیدل اجمیر روانہ ہوئے اور سفر کی منزل بارہ کوس مقرر کی گئی۔ سترھویں روز روضۂ منورہ مقدسہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور اس آستانے پر جبین اخلاص جھکا کر مراسم زیارت اور لوازم عبادت بجا لائے۔ پھر خیرات اور بخشش کی طرف متوجہ ہوئے اور اس روضۂ اقدس کے اطراف میں اعتکاف کرنے والے زائرین کو اپنے ابر کرم کے چھینٹوں سے سیراب کیا۔

حالات حضرت خواجہ اجمیری :

اب مجملاً حضرت خواجۂ بزرگوار (معین الدین چشتی) کی ذاتی خوبیوں اور اخلاقی بلندیوں کو معرض تحریر میں لایا جاتا ہے۔ آپ کا مقام پیدائش سیستان ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو سجزی لکھتے ہیں جو سگزی کا معرّب ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں خواجہ معین چشتی کے والد بزرگوار نے، جن کا نام خواجہ حسن تھا، عالم قدس کی طرف رحلت فرمائی۔ شیخ ابراہیم مجذوب کی دوربین نظر کی برکت سے طلب معرفت الٰہی دامن گیر ہمت خواجہ ہوئی اور آپ ظاہری تعلقات منقطع کر کے عجلت کے ساتھ سمرقند و بخارا روانہ ہو گئے اور کچھ زمانے تک علوم رسمیہ کے حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ وہاں سے خراسان تشریف لے گئے اور اسی سر زمین میں (روحانی) نشو و نما پائی۔ پھر موضع ہارون میں جو کہ نواح نیشاپور میں واقع ہے، شیخ عثمان ہارونی(٦) کی فیض بخش صحبت میں پہنچ کر اور دست ارادت ان کے دامن[4] مبارک کی طرف بڑھا کر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور بیس سال تک ان کی صحبت میں رہ کر سخت ریاضتیں کیں۔ پھر شیخ کے اشارے پر سفر اور غربت کو ہمت کا نصب العین بنا کر بہت سے بزرگان وقت، مثلاً شیخ نجم الدین کبریٰ(۷) اور دوسرے مشائخ کبار اور اولیائے عظام کی خدمت میں پہنچ کر اپنے فطری زور بازو کے بل پر کنگرۂ مراد میں کمند ڈالی۔ حضرت خواجہ (معین الدین) کا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت شیخ مودود چشتی(۸) تک اور آٹھ واسطوں سے حضرت ابراہیم بن ادہم(۹) تک پہنچتا ہے۔ رائے پتھورا کے

عہد حکومت میں ، سلطان معز الدین سام کے آنے سے قبل ، خواجہ (معین الدین) اپنے پیر کی اجازت سے ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں مقیم ہو گئے۔ خواجہ قطب الدین اوشی اند جانی ، بماہ رجب ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ع) بغداد کی مسجد امام ابواللیث سمرقندی میں ، شیخ شہاب الدین سہروردی(۱۰) اور شیخ اوحد الدین کرمانی(۱۱) کی موجودگی میں ، خواجہ معین الدین کی ارادت سے فائز ہوئے۔ اور شیخ فرید الدین شکر گنج جو (پاک) پٹن پنجاب میں محو استراحت ہیں ، خواجہ قطب الدین(۱۲) کے مرید ہیں . اور شیخ نظام الدین اولیا(۱۳) نے ، جنھوں امیر خسرو(۱۴) کے پیر ہیں ، شیخ فریدالدین شکر گنج کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے ، اور تمام چشتی سلسلے حضرت خواجہ پر منتہی ہوتے ہیں .

دھلی میں آمد :

القصہ ، مبارک گھڑی میں اکبر کی عنان توجہ دار المملکت دھلی کی طرف منعطف ہوئی تا کہ اس عطیہ الٰہی کا تشکر ادا کرنے کے لیے وہاں بھی ان اولیاے عظام اور مشائخ کرام کے مزاروں کی زیارت کریں ، جو اس با برکت شہر میں آسودہ ہیں . مسافت اور منزلیں طے کرنے کے بعد رمضان سال مذکور ۹۷۷ھ (۱۵۷۰ع) میں سواری شاہانہ نے اس سعادت گاہ (دھلی) میں نزول اجلال فرمایا . اور متبرک مزارات کی زیارت کی رسوم اور جنت آستانی (ھمایون) کے مزار فائض الانوار کے طواف کی سعادت بجا لا کر ، توجہ شاہی دارالسلطنت (اکبر آباد) کی طرف متوجہ ہوئی ، اور ۹۔ ذی قعدہ ۹۷۷ھ (۱۵۷۰ع) کو دارالخلافہ اکبر آباد میں نزول اجلال فرمایا .

فتح پور کی بنا :

چونکہ جہانگیر کی مبارک ولادت سیکری میں ہوئی تھی اس لیے حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے اس موضع کو اپنے لیے بابرکت سمجھ کر اس سرزمین میں اپنے قیام کی بنیاد رکھی ، اور وسط ماہ ربیع الاول ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ع) کو اکبر کا حکم واجب الاطاعت شرف صدور لایا کہ : یہاں ایک وسیع شہر پناہ اور دلکش عمارات کی بنیاد رکھی جائے ، تمام عظیم المرتبت امرا اور ملازمین شاہی نے بھی اپنے اپنے مراتب اور حیثیت کے مطابق اس شہر میں اپنے اپنے محلات اور گھروں کی بنیاد رکھی .

الغرض تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑا شہر نہایت آراستگی کے ساتھ وجود میں آ گیا ۔ مساجد ، مدارس اور کار خیر کے دوسرے ادارے ، دکانیں اور بازار ، کمال نفاست اور تکلف سے سرخ پتھر کو تراش کر بنائے گئے ۔ قسم قسم کے بہشت آئین باغ اس عشرت گاہ کے لیے باعث طراوت اور نظارہ ہوئے ، اور یہ شہر فتح پور(۱۵) کے نام سے مشہور ہوا اور اس شہر کے قصر اقبال[5] میں قیام کرنے کے بعد ، اس مبارک نام کی نیک شگونی کی وجہ سے انصاف پسند بادشاہ کو تازہ فتوحات حاصل ہوئیں ۔

جشن ختنہ :

اسی مبارک سال میمنت فال ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ع) میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے جہانگیر کا جشن ختنہ منعقد کر کے زمانے پر مسرتوں کے دروازے کھول دیے ، اور جمعرات ۵ ۲۰ جمادی الآخر ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ع) کو اس پاک طینت والا گہر کی پذیرائی فرمائی ۔

رسم مکتب :

جب جہانگیر کی عمر گرامی چار سال چار ماہ اور چار دن کی ہوئی تو قدیم دانشوروں کے اصول اور نجومیوں کے ضابطے کے مطابق نیک ساعت میں بدھ کے دن ۲۲- رجب ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ع) کو اس سبحانہ تعالٰی کی مہربانیوں کے مظہر اور اس مادی اور روحانی دنیا کے طالب علم (جہانگیر) کو دانشوری کے مکتب میں بٹھایا اور دلکش جشن ترتیب دے کر عالم کے دامن امید میں زر و جواہر بھر دیے ۔

جہانگیر کی تعلیم برگزیدۂ دودمان فضل و کمال اور صدر نشین مسند افاضت و افضال مولانا میر کلان ہروی(۱۶) کے جو سلامتی نفس اور تہذیب اخلاق سے آراستہ تھے ، سپرد ہوئی ، اور قطب الدین محمد خان انکہ(۱۷) نے اس برگزیدۂ دین و دولت کی اتالیقی کا امتیازی خلعت پہنا ۔ جب وہ سرحد کی حفاظت اور نگرانی کے لیے نامزد ہوا تو میرزا خان خاناں کو اس منصب عالی کا اہل سمجھ کر یہ افتخار بخشا گیا ۔

شہزادہ جہانگیر کی سرفرازی :

۹۸۵ھ (۷۸-۱۵۷۷ع) میں جہانگیر کو دس ہزاری منصب سے نوازا گیا اور اکبر کی گوہر ریز زبان سے نکلا کہ نونہال دولت جہانگیر کی رضا جوئی، نیک سیرتی، بیدار دلی اور بردباری پر نظر کرتے ہوئے تمام آسمان شکوہ لشکر اس سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

منگنی :

جب جہانگیر کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو راجا بھگوان داس کی لڑکی کی، جو اکبر کے بڑے امرا میں تھا اور نامور راجاؤں کے زمرے میں شوکت و حشمت کے اعتبار سے امتیازی خصوصیت رکھتا تھا، اکبر نے جہانگیر کے لیے خواستگاری کی اور دولت خانۂ خاص و عام کو سجا کر جشن شاہانہ ترتیب دیا۔

راجا بھگوان داس کی لڑکی سے شادی :

بتاریخ ۵۔ اسفندار ماہ الٰہی ۹۹۳ھ (۸۶-۱۵۸۵ع) جب کہ نجومیوں کا (مقرر کیا ہوا) پسندیدہ وقت تھا، حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے اپنے قدوم میمنت لنزوم سے راجا کے محل کو آسمان کا ہمسر بنا دیا اور اس عفت و عصمت کی حجلہ نشین خاتون کا (جہانگیر سے) عقد کرکے محل سرا میں لے آئے۔ راجا نے اس نسبت کے شایان شان، جو اس کے اسلاف و اخلاف کے لیے سرمایۂ افتخار تھی، شادی کا جشن ترتیب دیا (۱۸) اور تمام عالی قدر شاہزادوں اور شاہی خواتین کو ان کی شان اور مرتبے کے مطابق ضیافت بھیجی۔ تمام احدیوں (۱۹) اور شاگرد پیشوں (۲۰) کے نام لکھ کر اور جوڑے اور خلعت دے کر اس سعادت کو حاصل کرکے ہمیشہ کا افتخار حاصل کر لیا۔

راجا اودے سنگھ کی لڑکی سے شادی :

۹۹۴ھ (۸۶-۱۵۸۵ع) میں حضرت شاہنشاہی (اکبر) نے راجا اودے سنگھ (جو شرافت و مرتبے، لشکر اور ساز و سامان میں ہندوستان کے تمام راجاؤں سے ممتاز تھا) کی دختر فرخندہ اثر کو (جہانگیر سے شادی کے لیے) نام زد کیا ؎

بساعتے کہ تو لا کند بدو تقویم

حضرت عرش آشیانی (اکبر) عفت مآب شاہی خواتین کے ساتھ راجا کے محل میں تشریف لے گئے اور دونوں (جہانگیر اور دختر راجا اودے سنگھ) کا عقد کر کے زمانے پر عشرت و کامرانی کے دروازے کھول دیے ؎

محتاج بود ملک بہ پیرایۂ چنیں
آخر مراد ملک روا کرد روزگار

[6] راجا اودے سنگھ اس راجا مالدیو کا بیٹا ہے جو معتبر راجاؤں میں صاحب شوکت تھا اور اس کے لشکر کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ رانا سانگا (۲۱) حضرت فردوس مکانی (بابر) انار اللہ برہانہ کے ساتھ جنگ کر چکا تھا اور حکومت و شان و شوکت میں وہ راجا مالدیو کے برابر تھا، لیکن اپنے ملک کی وسعت اور لشکر کی کثرت کے اعتبار سے راجا مالدیو رانا سانگا پر فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ کئی مرتبہ راجا مالدیو کے لشکر کے سرداروں کو رانا سانگا سے مقابلے کا اتفاق ہوا لیکن ہر بار راجا مالدیو کی جانب ہی آثار غلبہ و تسلط ظاہر ہوئے۔

سلطان النسا اور خسرو کی پیدائش:

اسی سال ۹۹۳ھ (۸۶-۱۵۸۵ء) میں راجا بھگوان داس کی لڑکی کے بطن سے جہانگیر کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام سلطان النسا بیگم رکھا گیا۔

اور ۲۴- امر داد ۹۹۵ھ (۸۶-۱۵۸۵ء) میں راجا اودے سنگھ کی لڑکی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے خسرو رکھا۔

سلطان پرویز کی پیدائش:

ماہ آبان کی انیسویں تاریخ ۹۹۷ھ (۸۹-۱۵۸۸ء) کو زین خان کے چچا خواجہ حسن کی لڑکی کے بطن سے جہانگیر کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا (جس کا نام سلطان پرویز (۲۲) رکھا گیا)۔

بہار بیگم کی ولادت:

۲۳- شہر یور (۹۹۸ھ (۹۰-۱۵۸۹ء) کو) راجا کیشو داس راٹھور کی بیٹی کے بطن سے ایک اور لڑکی ہوئی جس کا نام بہار بیگم رکھا گیا۔

خرّم (شاہ جہاں) کی پیدائش :

ماہ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ع) کی چاند رات جمعرات کی رات میں جو عہد جہانگیری میں مبارک شنبہ کے نام سے مشہور ہوئی ، رات کے پانچ گھنٹے اور بارہ منٹ گزرنے پر جبکہ طالع میزان ہند کے منجموں اور ستارہ شناسوں کے حساب کے مطابق قوس اور سنبلہ تھا ، دارالسلطنت لاهور میں راجا اودے سنگھ کی لڑکی کے بطن سے ایک اور لڑکا پیدا ہوا ۔ اس کی تاریخ ولادت میں کتنی ہی خوش خبریاں ہیں ۔

منجملہ ان کے اسی ماہ مبارک میں حضرت خیر البشر صلوات اللہ و سلامہ کی ولادت باسعادت ہے اور ولادت کی یہ مطابقت خوش نصیبی اور اقبال کی مساعدت کی بنا پر ہے ۔ اور سنت الٰہی کی بشارت کے مطابق ہر ہزار سال کے بعد اس عالم جہانبانی میں ایسا بادشاہ عالم وجود میں آتا ہے کہ جو توفیق الٰہی سے نافرمانی اور جہالت کی رسموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے ۔ چنانچہ اس واقعے سے پانسو پینسٹھ سال قبل اسرار خداوندی کے عارف افضل الدین حکیم خاقانی نے اس ستارۂ حکومت و اقبال کے طلوع ہونے کی اطلاع دی تھی اور اپنی زندگی میں اس دریافت سے محرومی پر اور اس ستارۂ حکومت و اقبال کے نہ پانے کی حسرت میں اس وقت یہ قطعہ کہہ کر صفحۂ روزگار پر یادگار چھوڑا تھا :

گویند کہ بر ہزار سال عالم
آید بہ جہان اہل کمال محرم
آمد زین پیش و ما نزادہ ز عدم
آید پس ازین و ما فرو رفتہ بغم

ولادت کے تیسرے دن حضرت عرش آشیانی (اکبر) جہانگیر کے دولت کدے پر تشریف لے گئے اور اس لڑکے کے جہان کے روشن کرنے والے جمال سے آنکھوں کی روشنی بڑھائی ، اور اس محفل میں ایک ایسا عظیم جشن ترتیب پایا کہ اس کے مشاہدے سے زمانے کی آنکھ نے حیرت کا سرمہ لگایا ۔ چونکہ اس نو مولود کی آمد بزرگ دادا کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث تھی اس لیے الہام غیبی کی بنا پر اس نو مولود کا نام سلطان خرّم رکھا گیا ۔

اُس زمانے کے خاص خاص واقعات :

آن دنوں کے خاص واقعات میں سے درگاہ حضرت جہانگیر میں خواجہ عبداللہ کی آمد ہے ۔ خواجہ کے آبا و اجداد بلند مرتبہ سادات میں سے تھے ۔ ان کے چوتھے دادا قبلۂ ارباب وجد و حال امیر سید عاشق تھے جن کے حالات کتاب حبیب السیر اور رشحات میں لکھے ہوئے ہیں ۔ خواجہ (عبداللہ) کی والدہ خواجہ حسن نقشبندی کی بہن تھیں کہ جن کے نکاح میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی بہن نجیب النسا بیگم تھیں ۔

خواجہ عبد اللہ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱-۹۲ع) میں اپنے دونوں بھائیوں[7] خواجہ یادگار اور خواجہ برخوردار کے ساتھ ولایت حصار سے آ کر حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی ملازمت میں منسلک ہوئے ۔ آں حضرت (اکبر) نے ان کے مناسب حال منصب عنایت فرما کر صوبۂ دکن پر متعین کیا ۔ چونکہ خواجہ عبداللہ کی شیر خواجہ (۲۳) سے قرابت تھی (اور وہ دکن میں متعین تھا) ، حکم ہوا کہ وہ بادشاہی خدمات میں بادشاہ کے رفیق ہوں گے ۔ ان عالی نژادوں نے دکن پہنچ کر جہاں بھی کوئی مرحلہ یا مہم پیش آئی ، اپنی بہادری اور جاں بازی کے جوہر دکھائے اور اپنی قابلیت سے سب لوگوں کو متاثر کیا ۔ چونکہ ان کی بلند پرواز ہمت کے معیار کے مطابق یہاں ان کی ترقی مراتب کا خیال دور دراز تھا ، اس لیے آستانۂ جہانگیری کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴-۹۵ع) میں جہانگیر کی خدمت سے وابستہ ہو گئے اور رفتہ رفتہ جہانگیر کی جوہر شناسی اور قدردانی کی بدولت ترقی کے عالی مدارج طے کرتے رہے ۔

اکبر کی دکن کی مہم پر روانگی :

۱۰۰۷ھ (۱۵۹۵-۹۹ع) میں سلطنت کے بہی خواہوں کی عرض داشتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ جب تک حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے فتح مند لشکر کوچ نہ کریں گے اس وقت تک دکن فتح نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے بتاریخ ۲۰ مہر جو نجومیوں کا پسندیدہ وقت تھا ، اکبر بادشاہ بہ نفس نفیس اس طرف متوجہ ہوئے ۔

صوبۂ اجمیر جہانگیر کی جاگیر میں :

اور اجمیر کے صوبے کو یمن و برکت کے طور پر جہانگیر کی جاگیر میں مقرر کرکے راجا مان سنگھ اور شاہ قلی خاں محرم اور بہت سے امرا کو جہانگیر کی خدمت پر متعین فرمایا ۔

رانا کی مہم پر روانگی :

اور اسی مبارک ساعت میں رانا کے فساد کی جڑ اکھیڑ کر پھینک دینے کے لیے جہانگیر کو روانگی کے حکم کا شرف بخشا ۔ اس مفارقت کے اختیار کرنے سے غرض یہ تھی کہ جب کہ سواری مبارک دور دراز ممالک کی طرف کوچ کر رہی تھی ، مسند خلافت شہزادۂ ولی عہد سے خالی نہ ہو اور رانا کا زیر اثر علاقہ بھی شاہی کیواں شکوہ لشکر کے ہاتھوں مغلوب ہو جائے ۔ اگرچہ راجا مان سنگھ کو جہانگیر کی خدمت میں مقرر کیا گیا ، لیکن اس کے التماس پر حسب دستور سابق بنگال اس کی جاگیر میں باقی رکھا گیا اور راجا نے وعدہ کیا کہ وہ خود تو جہانگیر کی ملازمت میں رہے گا لیکن اس کے فرزند اور گماشتے بنگال کا انتظام اور سربراہی کریں گے ۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے جگت سنگھ(۳۱) کو اس ملک کی نگہبانی کے لیے مقرر کیا ۔ اسی زمانے میں جگت سنگھ کو سفر آخرت پیش آ گیا ۔ راجا (مان سنگھ) نے اس کے بیٹے مہاسنگھ کو اپنا جانشین بنا کر بنگال کے انتظام کے لیے بھیجا ۔

رانا کی شکست :

جب خطۂ اجمیر جہانگیر کے جاہ و جلال کے سراپردے کی خیمہ گاہ بن گیا اور اس (جہانگیر) کی سمندر کی طرح موجیں مارنے والی فوجوں اور نصرت پناہ لشکر کو رانا(۳۲) کے قلع قمع کرنے کا حکم ملا ، اور چند دن کے بعد خود جہانگیر بھی سیر و شکار کرتا ہوا اودے پور تک پہنچا تو اس پریشان بے راہ رو راجا نے پہاڑوں سے نکل کر چند جگنھوں پر حملہ کیا ۔ شاہی لشکر کے بہادر اس کی طرف دوڑے تو وہ پریشان ہو کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گیا اور اس علاقے کے حدود شاہی لشکر سے پامال ہوئے اور بہت سے بد بخت کفار اس لڑائی کے میدان

میں ہلاک ہوئے اور ان کے بیوی بچے قید ہوئے۔ اسی زمانے میں بنگال کی شورش کی اور سہا سنگھ کی شکست کی خبر پہنچی۔

سلطان پرویز کی والدہ کی وفات:

۱۵۔ تیر ۱۰۰۷ھ (۹۶-۱۵۹۵ع) کو سلطان پرویز کی والدہ نے عالم آخرت کی راہ لی اور (جہانگیر کی) حریم خلافت کے پردہ‌نشینوں کو غم و اندوہ میں ڈال دیا۔

غلط مشورے:

چونکہ خوشامدی فتنہ پرداز (مصاحب) موقع بے موقع یہ سمجھاتے رہتے تھے کہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) دکن کی تسخیر میں مشغول ہیں اور اس ملک کو فتح کیے بغیر وہاں سے واپس لوٹنا عزم شاہانہ سے بعید ہے، اگر اس وقت آپ پلٹ کر اکبر آباد کے دریائے (جمنا) کے ادھر کے پرگنوں پر جو آبادی اور شادابی میں مشہور ہیں، قبضہ کر لیں تو ہوشمندی کی علامات اور نصیحت پذیری کی خصلتوں سے بعید نہ ہوگا۔

ادھر [8] شورش کے اس تازہ غبار کا بیٹھنا جو بنگال میں اٹھ رہا تھا، بغیر راجا مان سنگھ کے ممکن نہ تھا، اس لیے راجا مان‌سنگھ نے بھی جہانگیر کے لوٹنے کو اپنا مقصد جان کر اس ارادے کی تائید کی۔

مجبوراً جہانگیر رانا کی مہم بغیر انجام کو پہنچائے ہوئے الٰہ آباد کی طرف لوٹ گیا۔ اکبر آباد کے قلعہ‌دار قلیچ خاں نے جس کے سپرد اس آسمان سے باتیں کرنے والے قلعے کی حفاظت تھی قلعے سے نکل کر نہایت صدق و اخلاص اور انتہائی عقیدت کے ساتھ استقبال کی عزت حاصل کی۔ بعض ہنگامہ طلب شورش پھیلانے والوں نے بہت بڑھا چڑھا کر جہانگیر سے عرض کیا کہ اگر قلیچ خاں کو قید کر لیا جائے تو قلعۂ اکبر آباد لے لینا جو دفینوں اور خزانوں سے معمور ہے، بسہولت میسر ہوگا۔ چونکہ فتنۂ مخالفت ابھی خلق و مروت کے تکیے پر سر رکھے ہوئے تھا، اس لیے حضرت شاہی (جہانگیر) نے ان ظاہر بین لوگوں کی باتوں کو قبول نہ کیا اور خان مذکور (قلیچ خاں) کو قلعے میں واپس جانے کی اجازت دے دی اور خود دریا کے راستے سے الٰہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔

عرش آشیانی (اکبر) کی والدہ جو اس وقت قلعۂ اکبر آباد میں تھیں (جہانگیر کا یہ ارادہ معلوم کرکے) عزت کے ہودج میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں تاکہ خلافت کے اس سچے جانشین اور سلطنت کے تاج کے موتی کو اس ارادے سے باز رکھیں ۔ جہانگیر اس خبر کے ملتے ہی پہلے اس سے کہ اس کی والدہ حضرت مریم مکانی پہنچیں ، جلدی سے کشتی میں سوار ہو کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا ۔ مریم مکانی آزردہ خاطر ہو کر قلعے میں واپس لوٹ آئیں ۔

قلعۂ الٰہ آباد میں آمد :

یکم صفر ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰ع) کو جہانگیر قلعۂ الٰہ آباد میں اترا اور اکثر جگہوں پر جو اکبر آباد سے دریا (جمنا) کے ادھر تھیں ، قبضہ کرکے ان مقامات کو اپنے ملازمین کی جاگیروں میں دے دیا ۔ منجملہ ان کے صوبۂ بہار کو شیخ خدیو کو جو قطب الدین خان کوکلتاش کے لقب سے مشہور تھا ، عنایت کیا ۔ سرکار جون پور ، لالہ بیگ کو مرحمت کی اور سرکار کالپی ، نسیم بہادر کو عطا کی ، اور ساتھ ہی جن کے نام یہ جاگیریں کیں ، ان کو اپنی اپنی جاگیروں کو سنبھال لینے کا حکم دیا اور رائے کھنسور دیوان سے تیس لاکھ روپے خزانے سے لے لیے جو وہ صوبۂ بہار کے خالصہ سے محصولات کے جمع کرکے لایا تھا ۔

اکبر کو اطلاع :

جب ان واقعات کی اطلاع مکرر اور پے در پے حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو پہنچی تو انھوں نے فراخ حوصلگی ، بردباری اور انتہائی دل بستگی کی بنا پر ، جو وہ اس جانشین خلافت (جہانگیر) سے رکھتے تھے ، مطلقاً اپنے رویے کو نہیں بدلا ۔

جہانگیر کو نصائح :

اور عبدالصمد شیریں رقم کے بیٹے شریف کو جو اکبر کے خدمت گاروں میں تھا اور جہانگیر سے بھی بے حد اخلاص رکھتا تھا ، پند و نصائح اور شفقت و محبت سے بھرے ہوئے ایک فرمان کے ساتھ جہانگیر کو اپنے حضور میں طلب کرنے کے لیے بھیجا ۔

محمد شریف کی جہانگیر کی خدمت میں حاضری :

جب یہ مرحمت عنوان فرمان جہانگیر کے پاس پہنچا تو جہانگیر نے استقبال کے مراسم اور تعظیم و بزرگی کے لوازم بجا لانے کے بعد چاہا کہ وہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہو، لیکن کچھ غور کرنے کے بعد اس نے اپنے ارادے کو ملتوی کر دیا اور شریف کو روک کر واپس لوٹنے کی اجازت نہ دی۔ تھوڑی مدت میں شریف نے اپنی چاپلوسی اور خوشامدانہ باتوں سے جہانگیر کے مزاج میں اس قدر جگہ پیدا کر لی کہ وہ جہانگیر کا وکیل السلطنت ہو گیا۔

اکبر کی مہم دکن سے واپسی :

اب حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے گھر سے اٹھنے والے فتنے کو ختم کرنے کے لیے مناسب سمجھا کہ دکن کی مہم سے جو ختم ہونے کے قریب پہنچ گئی تھی، ہاتھ اٹھا لیں۔ چنانچہ ۱۵- اردی بہشت ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰-۱ع) کو اس مہم کی کامیابی اور فتح کو خان خانان کی بہادری اور تجربہ کاری اور علامی شیخ ابوالفضل کی صلاحیتوں اور جاں نثاری پر چھوڑ کر دارالخلافہ اکبر آباد کی طرف لوٹ آئے اور بتاریخ ۲۰- امرداد ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰-۱ع) کو دولت و اقبال کے شہر اکبر آباد میں نزول اجلال فرمایا۔ انہی دنوں شہزادۂ جہانگیر نے خواجہ [9] عبداللہ کو عبداللہ خانی کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

جہانگیر کی خود سری :

۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱-۲ع) کے مہینوں میں سے کسی ایک مہینے میں جب کہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) دارالخلافہ اکبر آباد میں تھے، جہانگیر تیس ہزار جنگجو سواروں اور نامدار ہاتھیوں کے ساتھ دارالخلافے کی طرف روانہ ہوا۔ اگرچہ ظاہر میں اس کا ارادہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضری کا تھا، لیکن باطن میں دوسری ہی فکر سلطنت حاصل کرنے اور ملک پر قبضہ کرنے کی دل کو لگی ہوئی تھی۔

جب حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو جہانگیر کے اس طریقے پر آنے کی خبر ملی تو وہ خوشی اور مسرت جو وہ اپنے بیٹے کے آنے کی رکھتے تھے، وحشت اور پراگندگی میں بدل گئی اور سلطنت کے بعض امرا جو نفاق آمیز باتیں

اس تاج سلطنت کے آب دار موتی (جہانگیر) کے متعلق اکبر کے کان میں ڈالتے رہتے تھے ، وہ بڑے فکر و اندیشہ میں پڑ گئے ، خصوصاً جعفر بیگ آصف خان کی لغو بکواس اور بیہودہ گوئی کی وجہ سے جو وہ جہانگیر کے متعلق کرتا رہتا تھا ، یہ حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ دہشت کی وجہ سے ان کی جان جسم سے نکل جائے ۔

جب جہانگیر کی شاہی سواری نے قصبۂ اٹاوہ میں جو کہ خان مذکور (جعفر خان) کی جاگیر میں تھا ، نزول اجلال فرمایا تو اس نے ایک قیمتی لعل اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ تحفۃً بھیجا ۔

اسی اثنا میں اکبر کا فرمان شرف صدور لایا کہ بیٹے کا اس کثیر لشکر اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ آنا ہمارے محبت بھرے دل کو دوسرے ہی وسوسے کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ بیٹے کا اپنے باپ کے گھر اس شان و شوکت سے آنا ایک ایسی رسم ہے جو فقط اس فرزند ہی سے ظاہر ہوئی ہے ۔ اگر اس سے مقصد فوج اور لشکر کا مظاہرہ تھا تو وہ ظاہر ہو گیا ۔ اب تمہیں لوگوں کو اپنی اپنی جاگیر کی طرف رخصت کر کے تنہا ہماری خدمت میں آنا چاہیے ۔ اور اگر ابھی کسی وسوسے کا شائبہ باقی ہے اور دل مطمئن نہیں ہے تو تمہیں الٰہ آباد لوٹ جانا چاہیے ۔ پھر جب توہم اور تفرقے کا نقش اس فرزند کے دل سے صاف ہو جائے تو ہماری خدمت میں اسے جلدی سے آنا چاہیے ۔

جب یہ فرمان واجب التعمیل جہانگیر کو ملا تو وہ نہایت حیران اور پریشان ہوا اور اٹاوے میں ٹھہر کر ایک مخلصانہ عرضداشت لکھ کر اکبر کے پاس بھیجی جس کا مضمون یہ تھا :

یہ عقیدت مند کعبۂ مقصود کا احرام باندھ کر سارے جہان کی نیازمندیوں اور آرزوؤں کے ساتھ جلد از جلد آستان بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا ، لیکن اٹاوے میں آپ کا فرمان پہنچا کہ قدم آگے نہ بڑھاؤں اور الٰہ آباد لوٹ جاؤں ۔ تعجب ہے کہ اس نیازمند کے اخلاص نے حضور کے قلب پر اثر نہیں کیا اور مٹھی بھر فتنہ سرشتوں نے جن کی طبیعت میں فتنہ ہے ، خدائے مجازی کو اس بندۂ حقیقی سے بد گمان کر دیا ۔ اس طرح اور بھی چند روز اس عقیدت مند کو خدمت کی سعادت حاصل کرنے سے باز رکھا ۔ امید ہے کہ اس نیاز مند کی باطن کی سچائی غیب سے آپ کے دل کے آئینے میں منعکس ہوگی ۔

اس کے بعد چند روز جہانگیر نے اٹاوے میں قیام کرکے الٰہ آباد کی طرف لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔

اسی زمانے میں اکبر کا فرمان پہنچا کہ ہم نے صوبۂ بنگال اور اڑیسہ اس فرزند (جہانگیر) کی جاگیر میں دیا ۔ وہ اپنے آدمیوں کو بھیج کر اس پر قبضہ حاصل کرے لیکن جہانگیر نے اس طرف لشکر بھیجنے میں مصلحت وقت نہ دیکھ کر معقول عذر پیش کیے۔

جب جہانگیر الٰہ آباد آیا تو سلطنت کے وہ لوازم جو عالی مرتبہ بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، عمل میں لایا اور اپنی بارگاہ کے ملازموں کو خانی اور سلطانی کے خطابات دیئے۔

شیخ ابوالفضل کا قتل :

اس زمانے کے اہم واقعات میں سے شیخ ابوالفضل کے قتل ہونے کا واقعہ ہے۔ اگرچہ وہ ہندوستان کے شیخ زادوں میں سے تھا لیکن نکتہ دان، عقل اور دقیقہ سنج طبیعت کی وجہ سے یونانی علوم و فنون کا نشہ اس کے سر میں سمایا ہوا تھا اور تہذیب [10] و اخلاق اور شاہی آداب بجا لانے میں وہ اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گیا تھا ۔ جب اکبر سے جہانگیر کی ناموافقت سب پر ظاہر ہو چکی اور عرش آشیانی (اکبر) کے تمام درباری مستقبل کو سوچ کر اور انجام پر نظر کرکے جہانگیر کی طرف مائل ہونے تو چونکہ اکبر شیخ ابوالفضل کو اپنے ساتھ یک رنگ اور جہانگیر کے ساتھ کھرا معاملہ کرنے والا سمجھے ہوئے تھا، اس لیے فرمان صادر ہوا کہ ابوالفضل لشکر اور تمام متعلقات لشکر کو دکن میں اپنے بیٹے شیخ عبدالرحمان کے سپرد کرکے جس قدر جلد ممکن ہو، ہم سے ملنے کی سعادت حاصل کرے۔

جب جہانگیر کو شیخ ابوالفضل کے طلب کرنے کی خبر ملی تو اس نے یقینی طور پر جان لیا کہ اگر شیخ ابوالفضل اکبر کے پاس پہنچ گیا تو وہ فتنوں کے اسباب کے ترتیب دینے میں مشغول ہو جائے گا اور جب تک اس کا قدم درمیان میں ہے، میری اپنے والد کے دربار میں پہنچنے کی کوئی صورت نہ بن سکے گی ۔ اس صورت میں اس جھگڑے کا علاج اس کے پیش آنے سے پہلے کرنا چاہیے ۔ اس صحیح نتیجے پر پہنچنے کے بعد جہانگیر نے راجا نرسنگ دیو

کو جو بہادری اور لشکر میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھا اور اس کا وطن ابوالفضل کے راستے میں پڑتا تھا ، شیخ ابوالفضل کے قلع قمع کرنے پر مقرر کیا ۔ راجا نرسنگ دیو بھی جی سے موقع کی تاک میں چھپ کر بیٹھ گیا ۔

جب شیخ ابوالفضل سرائے پرگنے میں پہنچا جو گوالیار سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے تو راجا نرسنگ دیو نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ جو سوار اور پیادوں پر مشتمل تھا ، شیخ ابوالفضل کو اس کے ملازموں کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تھے ، گھیرے میں لے لیا ۔ شیخ ابوالفضل نے بھاگنے کے ننگ کو ، جو یوں بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا ، پسند نہ کیا ، اس لیے مرنے کو ترجیح دے کر قتل ہو گیا ۔ راجا نرسنگ دیو نے اس کا سر کاٹ کر الٰہ آباد بھجوا دیا ۔

شیخ ابوالفضل کے مارے جانے سے حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو بیحد دلی رنج اور جہانگیر سے بری طرح بدگمانی ہوئی ۔ لیکن جہانگیر اس دلیری اور بہادری کے کارنامے کی وجہ سے بغیر کسی جھجک کے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور رفتہ رفتہ وہ کدورت جو باپ بیٹے کے دل میں تھی صفائی سے بدل گئی جس کا مفصل بیان مناسب موقع پر لکھا جائے گا ۔

صفائی :

چونکہ وہ عالی گہر تاج خلافت (جہانگیر) شیخ ابوالفضل کے قتل کے واقعے سے نہایت شرمندہ ہوا ، حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے سلیمہ سلطان بیگم (۲۵) کو جہانگیر کے پاس بھیجا تاکہ شاہانہ نوازش سے اس کی دلجوئی کرے اور اس کی شرمندگی کو دور کر کے اسے حاضر کرے اور فتح لشکر نامی ہاتھی اور خلعت اور خاصے کا گھوڑا جہانگیر کے لیے عنایت فرما کر بیگم کے ذریعے سے بھجوایا ۔

جب بیگم الٰہ آباد سے دو منزل کے فاصلے پر تھی تو جہانگیر اس کے استقبال کے لیے نکلا اور آداب بزرگی کو ملحوظ رکھ کر ملاقات کی اور حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی بارگاہ میں بہت سے مرحمتوں کے سجدے بجا لا کر نہایت شان و شوکت سے بیگم کے ساتھ شہر میں لوٹا اور سلیمہ سلطان بیگم نے اس خوش دل شاہزادے کو طرح طرح کی مہربانیوں کی خوش خبریوں کا امیدوار بنا کر توہمات کا زنگ اس کے دل کے آئینے سے صاف کیا اور جہانگیر اپنی محترم والدہ کی رفاقت میں اکبر کی بارگاہ کی طرف روانہ ہوا ۔

عرضداشت :

جب جہانگیر اور اس کی والدہ دارالخلافہ اکبرآباد کے قریب پہنچے تو جہانگیر نے ایک عرضداشت عقیدت مندانہ طریقے پر لکھ کر خواجہ دوست محمد کے ہاتھ اکبر کی خدمت میں بھیجی ، جس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ اس خداوند حقیقی اور خدائے مجازی نے اس بندے کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے لہٰذا یہ بندہ امیدوار ہے کہ حضرت مریم مکانی سے عرض کریں کہ فرزندی کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے اس نیاز مند کو اپنی خدمت میں باریابی کی اجازت سے مشرف فرمائیں تاکہ اس فدوی کے وہم دور ہوں اور حکم دیا جائے کہ بارگاہ شاہی کے منجم سجدہ کرنے کا بہترین وقت مقرر کریں ۔

اکبر کا جواب :

اس عرضداشت کے پہنچنے کے بعد عرش آشیانی (اکبر) نے اپنی والدۂ ماجدہ کے [II] دولت خانے میں تیزی سے جا کر اس عفت کے قبے کی رہنے والی (خاتون) تک جہانگیر کا پیغام پہنچایا ۔ جب جہانگیر کی خواہش نے قبولیت کے درجے کو پا لیا تو اکبر نے ایک فرمان مہربانیوں سے بھرا ہوا جو مریم مکانی کے استقبال کی خوش خبریوں پر مشتمل تھا ، اقبال مند بیٹے (جہانگیر) کے نام لکھا اور یہ رباعی جو جعفر بیگ آصف خان (۲۶) کی ہے اس میں لکھی :

اے جستہ ز ما برسم عادت ساعت
ادراک وصال را چہ حاجت ساعت
از وصل کند کسب سعادت ساعت
ساعت چہ کنی بہانہ ساعت ساعت

اور اس نوازش نامے کو خواجہ دوست محمد کے سپرد کر کے اس کو لوٹنے کی اجازت دی ۔

باپ اور بیٹے کا ملاپ :

اس شفقت سے بھرپور فرمان کے ملنے کے بعد جہانگیر بہ عجلت تمام دارالخلافہ (اکبر آباد) کے قریب پہنچا اور حضرت مریم مکانی اکبر آباد سے ایک منزل آس طرف پہنچ کر اس سلطنت کے تاج کے گوہر (جہانگیر) کو اپنے محل

میں لے کر آئیں اور ان کی دولت سرا میں دونوں باپ بیٹے کا مبارک ملاپ ہوا . جہانگیر نے اپنی نیاز مندانہ پیشانی کو اپنے قبلۂ حقیقی (اکبر) کے پاؤں پر جھکا کر، جن کے قدموں پر آسمان بھی جبیں سائی کرتا ہے ، اپنی دولت کی پیشانی کو بلند کر دیا اور حضرت عرش آشیانی (اکبر) اشتیاق کی آنکھ کو اپنے فرزند ارجمند کے جمال جہاں آرا سے روشن کرکے اسے اپنے دولت خانے میں لائے ، اور شاہی حکم سے مسرت اور شادمانی کے نقارے بجائے گئے جنہوں نے خوشی اور مسرت کی صدا کو دور اور قریب رہنے والوں کے کانوں تک پہنچا دیا .

جہانگیر نے بارہ ہزار اشرفیاں نذر کے طور پر اور نو سو ستتر ہاتھی اور ہتھنیاں تحفۃً پیش کیے جن میں سے تین سو چھپن ہاتھی قبول کر لیے گئے .

باپ کی عنایتیں :

دو روز کے بعد لون نامی ایک ہاتھی، جو دکن کی فتح میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا اور سبک روی اور خوش فعلی میں بے مثل تھا ، اکبر کی جانب سے جہانگیر کو عطا ہوا . اکبر نے اپنی شاہی دستار سر سے اتار کر بیٹے کے سر پر رکھی اور جہانگیر کو اپنی جانشینی کی نوید سنائی .

مہم رانا پر دوبارہ نامزدگی :

چونکہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے دکن کی طرف جاتے ہوئے جہانگیر کو ذلیل رانا کے مقابلے کے لیے رخصت کیا تھا اور وہ متذکرۂ بالا واقعات کی وجہ سے جن کا تذکرہ وقائع نویس کے قلم سے پہلے لکھا جا چکا ہے ، اس مہم کو ناکام چھوڑ کر الٰہ آباد چلا آیا تھا ، اس صورت میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی با صواب رائے کا تقاضا یہ ہوا کہ رانا کی مہم پر پھر اس کو نامزد کیا جائے اور مناسب یہی سمجھا گیا کہ اس کی ہمت کے بل بوتے پر یہ مہم تمام ہو . لہٰذا دسہرے کے جشن کے موقع پر اپنے والد بزرگوار کے حکم کے مطابق اس گوہر تاج سلطنت (جہانگیر) نے فتح کے جھنڈے اس طرف بلند کیے اور امرا کی ایک جماعت نوازش شاہانہ کی بنیاد پر اس گوہر تاج سلطنت (جہانگیر) کی خدمت کے لیے پابیور ہوئی جن کے نام یہ ہیں :

جگن ناتھ رائے ، رائے سنگھ ، مادھو سنگھ ، رائے درگا ، رائے ، رائے بھوج ، ہاشم خان ، قرابیگ خان ، افتخار بیگ ، راجا بکرماجیت ، موتہ راجا کے بیٹے سکپ سنگھ اور دلیپ ، خواجہ حصاری ، راجا شالباھن ۔ میرزا یوسف خان کا بیٹا لشکری ، آصف خان کا بھائی شاہ قلی اور شاہ بیگ گولائی ۔

جب جہانگیر فتح پور میں خیمہ انداز ہوا تو چند روز اسے اس مبارک شہر میں ضروری سامان کی فراہمی کے لیے ٹھہرنا پڑا اور اس نے اکبر سے خزانے اور لشکر کی جو اس مشکل کام کے لیے کافی ہو سکے ، گزارش کی ، لیکن ارباب اقتدار نے ان ضرورتوں کی تکمیل میں بے جا استادی کے ہاتھ دکھائے ۔ مجبوراً جہانگیر نے اکبر کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ[12] یہ ارادت مند آپ کے حکم کو حکم الٰہی کا نمونہ سمجھ کر پورے شوق کے ساتھ اس خدمت کی طرف متوجہ ہوا ، لیکن کفایت پر نظر رکھنے والے اس مہم کا سامان جس سے یہ مہم اچھی طرح سر انجام پا سکے ، نہیں کرتے ۔ لہٰذا فضول اپنے آپ کو ہلکا کرنے اور وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے ۔ مکرر آنحضرت (اکبر) کو معلوم ہونا چاہیے کہ رانا پہاڑ سے باہر نہیں نکلتا اور ہر روز کسی مضبوط (گھاٹی) میں پناہ لے لیتا ہے تا کہ جہاں تک ہو سکے اسے جنگ نہ کرنی پڑے ۔ اس کے لیے مناسب تدبیر یہ ہے کہ ہر طرف سے فوج آ کر اس کوہستان کو شکار گاہ کی طرح گھیرے میں لے لے اور ہر طرف فوج اس قدر ہونی چاہیے کہ جس طرف سے بھی اس مقہور رانا سے مڈبھیڑ ہو وہ اس سے عہدہ برا ہو سکے ۔ اگر اس سلطنت کے بہی خواہوں نے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ مناسب سمجھا ہے تو چونکہ فدوی کی فوج نہایت پریشان حال ہے ، اگر حکم ہو تو یہ نیازمند سعادت کی پیشانی کو اخلاص کے نور سے روشن کر کے تیزی سے اپنی جاگیر کی طرف چلا جائے اور اس مہم کے لیے مناسب سامان اور کثیر لشکر لے کر رانا کے قلع قمع کرنے کی طرف متوجہ ہو۔

جہانگیر کی الہٰ آباد کو واپسی :

جہانگیر کی اس عرضداشت کے پہنچنے کے بعد اکبر نے اپنی بہن بخت النسا بیگم کو اس سلطنت کے تاج کے گوہر (جہانگیر) کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ اگرچہ اے بیٹے ! تم نیک وقت میں روانہ ہوئے تھے لیکن نجومی

ستاروں کے بے میل ملنے کی وجہ سے جو عنقریب ملنے والے ہیں ، اس ملاقات کو پسند نہیں کرتے ۔ تمہارے لیے مناسب ہے کہ اس مبارک وقت میں سیدھے الٰہ آباد کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے بعد جب چاہو ملاقات کی عزت حاصل کرو۔

جہانگیر نے اس فرمان کے آنے کے بعد فتح پور سے کوچ کیا اور متھرا کے نزدیک سے جمنا کو عبور کر کے الٰہ آباد روانہ ہوا۔ اسی زمانے کے لگ بھگ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے روپ خواص کے ہاتھ کالی اور سفید لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی ایک ایک پوستین جہانگیر کے لیے بھجوائی ۔ جہانگیر نے اظہار تشکر کے طور پر ایک عرضداشت لکھی اور اس میں یہ شعر تحریر کیا :

گر بر تن من زبان شود ہر موی
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

اور یہ عرضداشت روپ خواص کے سپرد کر کے اس کو رخصت کی اجازت دی ۔

خسرو کی والدہ کا انتقال :

جہانگیر نے الٰہ آباد پہنچنے کے بعد چند دن مسرت و شادمانی کے گزارے تھے کہ اچانک خسرو کی والدہ کا انتقال ہوگیا ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس عفیفہ کے دماغ میں خشکی پیدا ہوگئی تھی اور سودا نے اس کے مزاج پر غلبہ پا لیا تھا ۔ چونکہ خسرو ہمیشہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے سامنے جہانگیر کی شکایتوں میں لگا رہتا تھا ، یہ غم اور بھی مرحومہ کے لیے سر کا بوجھ بن گیا تھا ۔ ایک روز جب کہ جہانگیر شکار کے لیے گیا ہوا تھا تو مرحومہ نے غلام اور کنیزوں سے چھپا کر افیون کھا لی اور وفات پا گئی ۔

چونکہ جہانگیر کی حرم سراؤں میں مرحومہ کا مرتبہ بلند تھا اور جہانگیر اس سے نہایت انس اور محبت رکھتا تھا ، اس لیے اس سانحے سے جہانگیر نہایت ملول اور بے حد غمگین ہوا ۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے جب اس غمناک حادثے کی خبر سنی ، تو اس پریشانی سے متاثر ہو کر انتہائی مہربانی اور غم گساری سے بھرا ہوا خط بھیج کر جہانگیر کو تسلی دی ۔

اس زمانے کے اہم واقعات :

اس زمانے کے اہم واقعات میں سے عبداللہ خاں کا حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے دربار میں چلا جانا ہے ۔ (اس کی صورت یہ ہوئی کہ) جب شریف خاں

وکیل السلطنت بنا تو عبداللہ خان سے اس کی نہیں بنی . وہ (شریف) ہمیشہ[13] جہانگیر کے سامنے مسلسل عبداللہ خاں کی شکایتیں کرتا رہتا تھا . مجبوراً عبداللہ خان نے خواجہ یادگار کے ساتھ اکبر کے دربار کا رخ کیا . اکبر نے خان مذکور کی پیشانی پر شرافت اور شجاعت کے جوہر دیکھ کر اور اسے اپنی تربیت کے قابل جان کر منصب ہزار و پانصدی اور صفدر خانی کے خطاب سے نوازا اور خواجہ یادگار خاں کی بھی منصب سے عزت بڑھائی .

جب سے کہ جہانگیر فتح پور سے الٰہ آباد کی طرف گیا تھا ، اگرچہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے ایک طرح اس کو روانگی کی اجازت دے دی تھی ، لیکن وہ دل سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک جہانگیر کی جدائی پر راضی نہ تھے ، بلکہ اس دوری کی وجہ سے نہایت آزردہ دل تھے . اور فتنہ پردازوں کی ایک جماعت جو ہمیشہ کسی واقعے کی گھات میں لگی رہتی تھی ، ہر روز ایک نیا شوشا چھوڑ کر اکبر کی پریشانیوں میں اضافہ کرتی رہتی تھی . اس زمانے میں یہ لوگ جہانگیر کی ہر وقت کثرتِ شراب نوشی کے متعلق ہمدردیوں کا پردہ ڈال کر شکایت کرتے رہتے تھے .

تین مجرم :

ان خود غرضوں کی آس وقت اور بھی بن آئی کہ جب ایک شاہی واقعہ نویس کی ایک خانہ زاد ملازم سے جو جہانگیر کی ملازمت میں منسلک تھا ، محبت ہوگئی اور وہ بے ادب ایک دوسرے خدمت گار پر عاشق ہوگیا اور یہ تینوں اتفاق کرکے بھاگ کھڑے ہوئے . ان تینوں نے ارادہ کیا کہ دکن پہنچ کر شہزادہ دانیال کے زیر سایہ اپنی زندگی کے دن گزاریں . جب یہ خبر جہانگیر کے کانوں تک پہنچی ، اس نے فوراً چست و چالاک سواروں کی ایک جماعت ان کے گرفتار کرنے کے لیے متعین کی ، جنھوں نے ان تینوں کو گرفتار کرکے ایسے وقت میں جب کہ جہانگیر کے قہر کی آگ بھڑکی ہوئی تھی ، ان کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا .

سخت سزائیں :

جہانگیر کے حکم کی بنا پر واقعہ نویس کی اس کے سامنے کھال کھینچی گئی . دوسرے خدمت گار کو آختہ کیا گیا اور تیسرے کی لکڑیوں سے کندہ کاری

کی گئی ۔ ان سخت سزاؤں سے لوگوں کے دلوں میں زبردست خوف بیٹھ گیا اور بھاگنے کی راہ بند ہوگئی ۔

اس خبر کو خودغرضوں نے خوب نمک مرچ لگا کر حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے کانوں تک پہنچایا ۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر) اس خبر کو سن کر بیٹے پر نہایت برہم ہوئے اور ان کی زبان سے نکلا کہ ہم نے آج تک ملکوں کو تلوار سے فتح کیا ہے اور کبھی ہم نے اپنے حضور میں ایک بکری کی کھال کھنچوانے کا بھی حکم نہیں دیا ۔ ہمارے لڑکے بھی عجیب سخت دل ہیں کہ اپنے سامنے آدمی کی کھال کھنچواتے ہیں ۔ ان بیہودہ گویوں نے بات بن آتی دیکھ کر فتنے کو اور بڑھانے کی غرض سے عرض کیا کہ جہانگیر شراب میں افیون ملا کر ، جس کا برداشت کرنا طبیعت سے باہر ہے ، پیتا ہے اور عین نشے اور سرمستی کے عالم میں جب کہ شورش مزاج پر غالب ہوتی ہے ، یہ شرمندہ کرنے والے احکام جاری کرتا ہے جن میں کسی کو مجال دم زدن نہیں ۔ ان احکام کے بعد اکثر (مقربان خاص) کونوں کھدروں میں چھپ جاتے ہیں اور ان میں سے چند کہ جن کے لیے راہ مفر ممکن نہیں ، کملی کے نقش اور صورت دیوار کی طرح ہوتے ہیں ۔

اکبر کی الہ آباد کو روانگی :

چونکہ شہنشاہ اکبر جہانگیر کے نگران حال تھے اور اس تاج سلطنت کے موتی (جہانگیر) سے بے حد دلی تعلق رکھتے تھے ، اس لیے ان کی صحیح رائے کا اقتضا یہ ہوا کہ وہ الہ آباد جا کر اپنے جگر گوشہ (جہانگیر) کو دارالخلافہ لے آئیں ۔

اس خیال کے تحت وہ پیر کی رات کو بتاریخ ۱۱ شہریور ۱۰۱۲ ھ (۳-۱۶۰۴ ع) کو الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے اور کشتی میں بیٹھ کر پیش خانہ کا رخ کیا ، جو شہر سے تین کوس کے فاصلے پر دریائے جمنا کے کنارے بنایا گیا تھا ۔ اتفاق سے کشتی راستے میں زمین رمین دھنس گئی اور ہر چند ملاحوں نے ہاتھ پاؤں مارے لیکن وہ آدھی رات تک بھی کشتی کو نکال کر پانی میں نہ ڈال سکے ۔ مجبوراً صبح تک دریا میں ٹھہرنا پڑا ۔ آفتاب طلوع ہونے کے بعد بڑے بڑے امرا نے [14] اپنی کشتیوں کو آگے بڑھا کر آداب شاہی بجا لانے کی عزت

حاصل کی اور غیب کے اسرار و رموز کے سمجھنے والوں کے لیے اس واقعے میں اشارۂ غیبی تھا کہ اس ارادے کو فسخ کیا جائے ۔ لیکن شاہی رعب منہ کو لگام دیے ہوئے تھا ۔ سب کے سب خاموش رہے ۔ مختصر یہ کہ اکبر نے وہاں سے روانہ ہو کر پیش خانے میں قیام کیا ۔

دوسرے روز شدید بارش ہوئی اور ساتھ ہی حضرت مریم مکانی (والدۂ اکبر) کی بیماری کی خبر پہنچی ۔ چونکہ وہ (حضرت مریم مکانی) اس سفر کے لیے راضی نہ تھیں اس لیے ان کی بیماری کو بہانہ سمجھا گیا ۔ ان دو تین روز میں بہت بارش ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اپنا خیمہ باہر نہ لگا سکا ۔ دولت خانۂ خاص اور دوسرے قریبی افراد کے پیش خانوں کے علاوہ کوئی دوسرا خیمہ نظر نہیں آتا تھا ۔ بدھ کی رات کو اطلاع پہنچی کہ حضرت مریم مکانی کی حالت نازک ہے اور اطبا مایوس ہو چکے ہیں اور انھوں نے معالجے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے ۔ شہنشاہ اکبر اس امید پر کہ وہ اپنی ماں کا آخری دیدار کر لیں واپس لوٹے اور اپنی والدہ کی مزاج پرسی کو گئے ۔ ان کی حالت نازک پائی ۔ ہر چند کوشش کی کہ کوئی نصیحت و وصیت اس عفت مآب خاتون سے سن لیں مگر ان کی زبان قوت گویائی سے محروم ہو چکی تھی ۔ مجبوراً خدائے تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوکر رنج و غم کے عالم میں خلوت میں بیٹھ گئے ۔

اکبر کی والدہ کی وفات :

پیر کی رات ۱۸- شہریور ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) کو ان کی والدہ اس کدورت خانۂ دنیا سے رخصت ہو کر جنت کو سدھار گئیں ۔ اس سانحے سے سارا جہان پریشان اور دنیا سوگوار ہوئی ۔ شہنشاہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے اس غم میں سر ، داڑھی اور مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور کئی ہزار امرا اور منصب داروں اور احدی اور شاگرد پیشوں نے شہنشاہ اکبر کے اتباع میں ماتمی لباس پہنا ، اور شہنشاہ اکبر نے دور تک جنازے کو کندھا دیا ۔ اس کے بعد امرا نے بھی باری باری جنازے کو کندھا دیا ۔ جنازے کو دہلی روانہ کرکے ملول اور اشکبار دولت خانۂ شاہی میں لوٹے ، دوسرے دن خود بھی لباس سوگواری اتار اور تمام لوگوں کا ماتمی لباس اتروا کر ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق خلعت عنایت کی ۔ حضرت مریم مکانی کا جسد مبارک پندرہ پہر میں دہلی پہنچا اور حضرت جنت مکانی ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا ۔

جہانگیر کی اکبرآباد میں حاضری :

جب حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے الہ آباد کی طرف روانہ ہونے اور حضرت مریم مکانی کی بیماری اور وفات کی وجہ سے ارادہ فسخ کرکے واپس لوٹ جانے کی خبر جہانگیر کو ملی تو بے تحاشا بغیر کسی سوچ بچار کے بہار کی حکومت شریف خاں کے سپرد کرکے اپنے والد کی زیارت کے لیے دارالخلافۂ اکبر آباد کی طرف روانہ ہوا، تاکہ کدورت کے غبار کو، جو بیٹھا ہوا تھا، اپنے والد کے آئینۂ قلب سے صاف کرے اور مریم مکانی کی وفات کے غم میں شریک ہو سکے۔

حضرت عرش آشیانی (اکبر) بیٹے کی آمد کی نوید کو اس غم کی تلافی کا سبب سمجھ کر باغ باغ ہوئے، اور جہانگیر نے مبارک ساعت میں باپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی، اور رسم نذر اور آداب بجا لانے کے بعد حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے اقبال مند فرزند (جہانگیر) کو اپنی آغوش محبت میں کھینچ کر غمزدہ دل کو فرحت بخشی۔ مخلصین کو اس سے خوشی اور منافقین اس واقعے سے شرمندہ اور غم گین ہوئے۔ جہان میں ایک نئی رونق اور تازگی پیدا ہوئی۔ [15] زمانہ جو شوریدگی کا سودا اپنے سر میں رکھتا تھا اس نے سکون اور آرام پایا اور فتنہ جو آنکھ کھولے ہوئے موقع کا منتظر تھا، غفلت کی گہری نیند سو گیا۔ خوشی کے نقاروں کی آواز بلند ہوئی۔

جہانگیر نے سو سو تولے کی سو مہریں اور پچاس تولے کی چار مہریں اور پچیس تولے کی ایک مہر اور بیس تولے کی ایک مہر اور پانچ تولے کی تین مہریں بطور نذر پیش کیں اور ایک ہیرا جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی اور چار ہاتھی بطور تحفہ گزرانے۔

اس مجلس سے فراغت پانے کے بعد حضرت عرش آشیانی (اکبر) دربار خاص و عام سے اٹھ کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔

نظربندی :

چونکہ جہانگیر کی بعض عادات و اطوار کی وجہ سے حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو کچھ گرانی تھی، چھپی ہوئی شکایتیں ظاہر ہوئیں اور زبان معجز بیان

سے چند عنایت آمیز باتیں کہہ کر فرمایا: بابا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شراب نوشی کی کثرت سے تمہارے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم کچھ دن ہمارے دولت خانے میں قیام کرو تا کہ ہم تدبیروں کو عمل میں لا کر تمہارے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے اور صحت بحال کرنے کی کوشش کریں۔

یہ کہہ کر جہانگیر کو عبادت خانے میں مقیم کر کے چند قابل اعتماد خدمت گاروں کو اس کی دیکھ بھال کے طور پر مقرر کیا۔ ہر روز جہانگیر کی والدہ اور اس کی بہنیں اس کے پاس آ کر اس کی تسلی اور دل جوئی کرتیں۔ یہاں تک کہ دس روز جہانگیر نے اس عبادت خانے میں گزارے۔

جب اکبر کو معلوم ہوا کہ جہانگیر کی کثرت شراب نوشی اور پریشان دماغی کی جو شکایتیں اس تک پہنچائی گئی تھیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں، تو اجازت دی کہ جہانگیر محل شاہی میں واپس چلا جائے۔ جب جہانگیر شاہی محل میں آ گیا تو اس کے وہ چند ملازم جو حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے ڈر اور خوف کو دل میں جگہ دے کر، ادھر ادھر چھپ گئے تھے، لوٹ کر جہانگیر کی خدمت سرگرمی سے بجا لانے لگے۔ اور جہانگیر ہر روز اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں کورنش بجا لا کر مراحم شاہی حاصل کرتا رہتا تھا۔

انہیں دنوں ہادی شاہ راہ (طریقت) شیخ حسین جامی کا خط اکبر کو ملا جو سلسلۂ عالیہ خواجگان بزرگ میں تھے، روحانی سوز و گداز اور مختلف فنون کے علما کا مرجع ہونے کے اعتبار سے بے مثل تھے، جس کا مضمون یہ تھا کہ میں نے حضرت خواجہ بہاء الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز (۲۷) کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ بہت جلد سلطان سلیم (جہانگیر) تخت سلطنت پر بیٹھ کر زمانے کو انصاف اور بخشش سے آباد کرے گا اور دنیا کے غم کے ماروں کو اپنی فیاضی اور دریا دلی سے شاد کرے گا۔

ہاتھیوں کی لڑائی :

اور اس زمانے کے عجیب واقعات میں سے جو رونما ہوئے ایک واقعہ یہ تھا کہ بادشاہ اکبر کا ایک گراںبار نامی ہاتھی تھا جو ہاتھیوں کی لڑائی میں بے مثل تھا۔ شاہی فیل خانے میں ایک بھی ہاتھی ایسا نہ تھا جو اس کی

ٹکر کے مقابلے میں ٹھہر سکے ۔ اسی طرح خسرو کے پاس بھی آب روپ نامی ایک ہاتھی تھا کہ وہ بھی ہاتھیوں کی جنگ میں نامی گرامی تھا ۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے حکم دیا کہ ان دو پہاڑوں جیسے ہاتھیوں کو آپس میں لڑایا جائے اور رن متھن نامی ہاتھی کو ایک خاص حلقے میں کھڑا کروا کر کمک کے لیے مقرر فرمایا کہ جب ان دونوں ہاتھیوں میں سے ایک دوسرے پر غالب آ جائے اور مہاوت ان کے قابو میں رکھنے سے عاجز رہے تو رن متھن ہاتھی کو حلقے سے نکالا جائے تاکہ وہ مغلوب ہاتھی کو چھڑانے میں مدد کرے ۔ اس مقصد کے ہاتھی کو ہاتھی والوں کی اصطلاح میں طبانچہ کہتے ہیں ۔ یہ طریقہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی ایجاد ہے جو لڑائی کے وقت گتھم گتھا سرکش ہاتھیوں کے جدا کرنے کے لیے انھوں نے تجویز کیا اور لودلنگر(۲۸) اور چرخی اور اوچاری بھی اکبر کی ایجاد ہیں۔

الغرض جہانگیر اور خسرو نے (اکبر) سے درخواست کی کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر نزدیک سے تماشا دیکھ سکیں ، جسے منظور کر لیا گیا ۔ [16] حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے جھروکے میں بیٹھ کر شاہزادہ خرم کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کے پاس بیٹھے ۔

دو کوہ آہنی از جائے جنبید
زمین گوئی ز سر تا پائے جنبید

بہت مار دھاڑ کے بعد گراں بار ہاتھی نے غالب آنے کے آثار ظاہر کیے اور اپنے مقابل ہاتھی کو عاجز اور زبوں کر دیا ۔ اس وقت طے شدہ قرارداد کے مطابق رن متھن نامی ہاتھی کو مغلوب ہاتھی کی مدد کے لیے لائے ۔ جہانگیر کے بعض ملازموں نے مہاوت کو اس کے سامنے لانے سے روکا اور کچھ پتھر اور ڈھیلے مہاوت کی طرف پھینکے ، لیکن مہاوت نے بے خوف و خطر شاہی حکم کے بموجب ہاتھی کو ہنکا کر سامنے کر دیا ۔ اتفاق سے ایک پتھر مہاوت کی کن پٹی پر لگا اور خون کے چند قطرے اس کے منہ اور سینے پر ٹپکے ۔ خسرو نے بیہودہ گویوں کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ اکبر کے سامنے آجا کر جہانگیر کے ملازموں کی گستاخی اور مہاوت کے زخمی ہونے کی داستان کو مبالغے سے اور رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کیا ۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے اس گستاخی اور بے باکی سے ناراض ہو کر شاہزادہ خرم سے فرمایا کہ اپنے شاہ بھائی (جہانگیر) سے جا کر کہو کہ شاہ بابا (اکبر)

رکھتے ہیں کہ یہ ہاتھی بھی درحقیقت تمہارا ہے، پھر تمہاری اس تلون مزاجی اور بے اعتدالی کی کیا وجہ ہے؟ شاہزادہ خرم اپنے دادا بزرگوار کے حکم کے مطابق دوڑ کر گیا اور نہایت لطیف پیرایے اور موزوں الفاظ میں یہ پیغام جہانگیر کو پہنچایا۔ جہانگیر نے جواب میں کہا: مجھے اس جھگڑے کا کوئی علم نہیں اور ہاتھی اور مہاوت پر پتھراؤ کرنے کے لیے نہ میں راضی تھا اور نہ میں نے اس کے لیے کسی سے کچھ کہا۔ شاہزادہ خرم نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو ہمیں حکم دیا جائے کہ ہم آتش بازی اور دوسری تدبیروں سے ہاتھیوں کو ایک دوسرے سے جدا کریں! اکبر نے خوشی سے اس کی اجازت دے دی اور شاہزادہ خرم نے چرخی اور بام چھڑوانے کا حکم دیا۔ لیکن جس قدر بھی تدبیریں عمل میں لائی گئیں کوئی نتیجہ ان سے نہیں نکلا۔ یہاں تک رن ستھن ہاتھی نے بھی بدحال ہو کر شکست کا رخ اختیار کیا اور دونوں گتھم گتھا ہاتھی دریائے جمنا میں گھس گئے۔ گران بار ہاتھی آب روپ ہاتھی سے الجھا ہوا تھا اور لڑائی سے باز نہیں آتا تھا۔ اچانک ایک بڑی کشتی ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور گران بار ہاتھی حملے سے رک گیا۔ شاہزادہ خرم دوڑ کر اپنے بزرگوار دادا (اکبر) کے پاس گیا اور آداب شاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ادب سے عرض کیا کہ یہ جرأت و گستاخی شاہ بھائی (جہانگیر) کی مرضی اور علم کے بغیر ہوئی ہے اور درحقیقت بیان کرنے والوں نے بات کو غلط طریقے پر بیان کیا ہے۔

اکبر کی بیماری:

انہیں دنوں میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی بیماری کا افسوسناک حادثہ پیش آیا۔ وہ بادشاہ کہ جس کی حکومت کے اکاون سالوں میں اس کے اقبال و دولت کے جھنڈوں کے پھریروں پر کبھی ناکامی کی ہوا نہیں چلی تھی اور جس کے اقبال کی خوش نصیبی ملازموں کی طرح اس کے گھوڑے کی رکاب تھامتی تھی اور جس طرف کا بھی ارادہ کرتا تھا، خوش بختی اس کے عرش فرسا قدموں کے تلے مثل تخت کے سر رکھتی تھی، آسمان اس کے مقصد کے مطابق گردش اختیار کرتا تھا اور زمین اس کے مقاصد کے سامنے فرماں بردار تھی، یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو گیا اور زمانے اس جم جاہ بادشاہ کو فرماں روائی کے تخت سے

اٹھا کر ناکامی کے تختے پر کھینچ کر لایا۔

اس حادثے کا مختصر حال، یہ ہے کہ پیر کے دن بتاریخ ۲۰ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) کو اکبر کی صحت بگڑ گئی اور سخت بخار ہو کر نوبت دستوں تک پہنچی۔

خرم کی تیمارداری :

شاہزادہ خرم انتہائی سعادت مندی کے ساتھ اکبر کی تیمارداری میں لگ گیا، اور حکیم علی (۲۹) جو اس دور میں سرگروہ اطبا تھا، علاج کے لیے مقرر ہوا۔ چونکہ نہ ٹلنے والے واقعے کا وقت قریب آ چکا تھا، ہر چند علاج [17] اور دوا کی گئی اور مختلف تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن ان سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور کامیابی کے کوئی آثار حال کے آئینے میں دکھائی نہیں دیے۔

سازشیں :

سلطان خسرو چونکہ راجا مان سنگھ کا بھانجا اور خان اعظم کا داماد تھا، اکبر کے عہد میں اور خصوصاً اس وقت میں امور سلطنت کا حل و عقد ان دونوں سے متعلق تھا۔ ان دونوں کے ناحق شناس ضمیر میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جہانگیر کے ہوتے ہوئے بھی خسرو جیسے ناخلف کو سلطنت کے لیے کھڑا کیا جائے۔ اس کے مد نظر وہ فتنہ و فساد کے اسباب کے ترتیب دینے میں مشغول ہو گئے۔

جہانگیر نے معاندین کی ان فتنہ پردازیوں سے واقف ہو کر حزم و احتیاط کی بنا پر جو جہان داری کے شرائط میں سے ہے، ایسے وقت میں اپنے آپ کو اپنے عالی قدر باپ کی خدمت کی سعادت سے محروم رکھ کر قلعے کے اندر آمد و رفت ترک کر دی لیکن شاہ زادہ خرم نے قوی دل اور مضبوط ارادے کے ساتھ دشمنوں اور مخالفوں میں گھر کر بھی اپنے دادا بزرگوار کی خدمت کی دولت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اگرچہ بار بار خرم کی والدہ اس کے پاس پیغام بھیجتی رہیں کہ اس طوفان بدتمیزی اور فتنوں کی موجوں اور تلاطم میں بسر کرنا مصلحت وقت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود شاہ زادہ خرم اپنے دادا کی خدمت کی بجا آوری میں قطب کی مانند جما رہا اور اپنے ارادے سے بالکل نہ ہٹا،

یہاں تک کہ اپنے دادا اور دادی کے فرمانے پر شاہ زادہ خرم تیزی کے ساتھ جہانگیر کے پاس گیا اور ہر چند اس نے جہانگیر کو لانے کے لیے بے حد کوشش کی لیکن وہ آنے پر راضی نہ ہوا اور جواب میں یہی کہتا رہا کہ جب تک تمہارے دادا بزرگوار کی حیات کی خوشبو مشام جان تک پہنچتی رہے گی، ان کی جدائی کا تصور تک ذہن میں نہیں آسکتا۔ چونکہ وہ محافظ حقیقی ہر حال میں اس کا محافظ تھا، ایسے طوفانی حوادث کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے جہانگیر کو نظر بد کے آسیب سے محفوظ رکھا۔

اس زمانے میں جہانگیر کی لونڈیوں کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے جن کا نام جہاندار اور شہر یار رکھا گیا۔

سازشیوں کی ندامت :

چونکہ قادر قدیر اور حکیم خبیر کا فیصلہ یہی تھا کہ حق حق دار کو پہنچے اور تاریک جہان وارث حقیقی کی خلافت سے روشنی حاصل کرے، یہ حق ناشناسوں کی جماعت اپنے باطل ارادوں پر نادم اور شرمندہ ہو کر سر جھکائے ہوئے جہانگیر کے پاس آئی اور دوسرے روز جہانگیر حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی زیارت کے لیے گیا اور نزع کے عالم میں دولت دیدار سے مشرف ہوا اور خرم کی ثابت قدمی سے بادشاہ اکبر کی خدمت کرنے پر تعریف کی اور اس سرو جوئبار خلافت (شاہ زادہ خرم) کو اپنے ہمراہ دولت خانے میں لایا۔

وفات :

بدھ کی رات ۱۳ ـ جمادی الاخری ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) کو اس اوج خلافت کے شاہ باز (اکبر) نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ دوسرے دن تجہیز و تکفین کے بعد سکندرہ باغ میں دفن کیے گئے۔ بادشاہ اکبر کی ولادت ۹۴۴ھ (۳۸-۱۵۳۷ء) اور تخت نشینی ۹۶۳ھ (۵۶-۱۵۵۵ء) میں ہوئی تھی۔

اکبر کی اولاد میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں :

(۱) شاہ عادل باذل نورالدین محمد جہانگیر : جس نے اکبر کے بعد تخت سلطنت کو زینت بخشی۔

(۲) سلطان مراد : جس نے ۱۰۰۷ھ (۹۹-۱۵۹۸ع) مطابق ۴۴ اکبر شاھی میں کثرت شراب خوری کی وجه سے دکن میں انتقال کیا .

(۳) سلطان دانیال : اس نے بھی کثرت شراب خوری اور بادہ گساری کی وجه سے ۱۰۱۳ھ (۵-۱۶۰۴ع) میں دکن میں وفات پائی .

بیٹیوں کے نام یه ھیں :

(۱) شاہ زادی خانم ، (۲) شکرالنسا خانم ، (۳) آرام بانو بیگم .

اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا ، وہ حضرت جنت مکانی جہانگیر بادشاہ کی تالیف ھے جسے انھوں نے [18] جمع و تحریر کیا ھے اور اپنی تخت نشینی کے انیسویں سال جلوس کے اوائل تک خود لکھا ھے ، اور پھر جہانگیر کی زندگی اور سلطنت کے آخری دنوں کے واقعات تک جس کی مجموعی مدت سلطنت اکیس سال آٹھ ماہ اور بیس روز ھوتی ھے اور حضرت صاحبقران ثانی شاہ جہاں بادشاہ کی تخت نشینی کے مختصر ابتدائی حالات ، جب وہ اپنے نامدار والد بادشاہ جہانگیر کی وفات کی خبر سن کر قلعۂ دکن سے دارالخلافه اکبر آباد کی طرف روانه ھو کر تخت سلطنت و فرمان روائی پر بیٹھا ، اس راقم سطور ، کم نصیب محمد ھادی نے اس کتاب کی تکمیل کی غرض سے لکھے ھیں ، جس کی طرف دیباچے کی ابتدائی سطور میں اشارہ کر دیا ھے . اگر موت نے مہلت اور فرصت دی اور دماغ نے مدد دی تو آرزو ھے که اس فریدوں فر ، جم جاہ بادشاہ کے مختصر حالات بھی جو ھندوستان میں تیموریه سلسلے کا سرگروہ تھا ، اول سے آخر تک لکھ کر اس کتاب میں شامل کر دیے جائیں تاکه تاریخ کے تشنه لب اور متجسس ، اظہار حقیقت کی شادابی سے سیراب اور لذت اندوز ھوں . اور ھر کام کی اعانت اور توفیق اللہ ھی کی جانب سے ھے .

شاہ زادگی کے دور کے وزرا :

سب سے پہلے رائے کھنسور جہانگیر کا دیوان تھا . اس کے بعد یه خدمت بایزید بیگ کے سپرد کی گئی . اس کے بعد خواجه محمد دوست کابلی جو جہانگیر کے عہد سلطنت میں خواجه جہانی کے لقب سے روشناس ھوا ، دیوان ھوا . اس کے بعد جان بیگ (۳۰) نے منصب دیوانی سے امتیاز حاصل کیا . لیکن اس کے

زمانے میں مشکل امور کا دار و مدار شریف خان پسر عبدالصمد خان شیریں قلم پر تھا جو جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد امیرالامرائی اور وکالت سے سرفراز ہوا ۔ پھر لب سنگھ کو خنداں کا لقب دے کر مسرور اور اس گرامی مرتبے پر فائز کیا ۔ پھر عرش آشیانی (اکبر) کے عہد حکومت کے دستور کے مطابق کچھ دن وزیر خان محمد مقیم کو دیوان کے عہدے پر بحال رکھا گیا ۔ تھوڑے دنوں کے بعد ممالک محروسہ کے نصف حصے کی وزارت وزیر الملک خان بیگ کو عطا کی گئی اور دوسرے نصف حصے کی وزارت میرزا غیاث الدین طہرانی کو اعتماد الدولہ کا خطاب دے کر دی گئی ۔ لیکن اعتماد الدولہ وزارت کے حقیقی اختیارات نہیں رکھتا تھا ۔ گویا وہ امیرالامرا کا پیش کار تھا اور بیرم خان امیرالامرا وکیل السلطنت اور معتمد علیہ تھا ۔ جب وہ دیرینہ بیماری میں مبتلا ہوا تو جہانگیر نے کابل روانہ ہوتے وقت ۳۔ صفر ۱۰۲۰ھ (۱۷۰۸ع) کو وکالت کا عہدہ جعفر بیگ قزوینی کو جس کا خطاب آصف خان تھا ، دیا ۔ آصف خان نے خواجہ ابوالحسن تربتی(۳۱) کے لیے جہانگیر سے درخواست کی تاکہ وہ شاہی دفاتر اور ضروری کاغذات کی دیکھ بھال کرے ۔ خواجہ ابوالحسن اگرچہ آدمی سچا ، کھرا اور کام کرنے والا تھا لیکن ترش رو اور سخت مزاج تھا ۔ اس کے بعد جب آصف خان شاہ زادہ پرویز کے ساتھ مہم دکن پر گیا تو ۲۷۔ جمادی الاول ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) میں اعتماد الدولہ دوبارہ خدمت دیوانی پر مامور ہوا اور وہ اپنی زندگی کے آخری ایام حیات تک اس عہدے کی اہم خدمات میں مشغول رہا ۔ اس کی وفات کے بعد دوبارہ خواجہ ابوالحسن نے خلعت وزارت پہنا ۔ پھر جب جہانگیر نے مہابت خان کو اپنے دربار سے خارج کر دیا تو اعتماد الدولہ کے لڑکے یمین الدولہ آصف خان کو ۱۵۔ صفر ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ع) میں وکالت کا بڑا عہدہ بخشا ۔ اسی طرح خواجہ ابوالحسن [19] دیوانی کی خدمت سرانجام دیتا رہا ، یہاں تک کہ حضرت جنت مکانی (جہانگیر) اس جہان فانی سے سرائے جاودانی کو روانہ ہوئے ۔

جہانگیر کی اولاد :

شاہ جنت مکانی (جہانگیر) کے پانچ عالی گہر بیٹے اور دو خوش نصیب بیٹیاں تھیں ۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں :

(۱) سلطان خسرو
(۲) سلطان پرویز
(۳) سلطان خرم
(۴) سلطان جہاندار
(۵) سلطان شہریار

بیٹیوں میں بڑی بیٹی سلطان نثار بیگم(۳۲) اور چھوٹی بیٹی بہار بانو بیگم تھی . خسرو ، جہاندار اور پرویز نے اپنے والد جہانگیر کی زندگی ہی میں وفات پائی . اس ملک بقا کے روانہ ہونے والے مسافروں کے حالات اپنی جگہ بیان کیے جائیں گے .

خسرو نے دو بیٹے اور ایک بیٹی اپنے بعد چھوڑی . جہانگیر کی وفات کے بعد خسرو کے دونوں بیٹوں نے وفات پائی ، جیسا کہ آگے لکھا جائے گا . بیٹی ابھی تک بہ قید حیات ہے .

سلطان پرویز کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی . بیٹا باپ سے پہلے مر گیا اور لڑکی شاہ زادہ دارا شکوہ کے عقد میں ہے .

شاہ جہان کے چار اقبال مند لڑکے اور تین لڑکیاں باپ کی آنکھوں کی روشنی بڑھانے والی ہیں .

اول : سلطان دارا شکوہ
دوسرے : سلطان شجاع
تیسرے : سلطان اورنگ زیب
چوتھے : سلطان مراد بخش

لڑکیوں میں پہلی لڑکی سریر بانو بیگم(۳۳) ، دوسری لڑکی جہان آرا بیگم ، تیسری روشن آرا بیگم ہے(۳۴) .

سلطان جہاندار کی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ رہا . سلطان شہریار کی ایک لڑکی ارزانی بیگم(۳۵) نامی ہے .

جہانگیر کے دربار کے علما :

ملا روز بہای تبریزی(۳۶)، ملا شکراللہ شیرازی بقاسری(۳۷) میر ابوالقاسم گیلانی ، ملا باقر کشمیری ، ملا محمد سیستانی ، ملا مقصود علی ، قاضی نور اللہ ، ملا فاضل کابلی(۳۸) ملا عبدالحکیم سیال کوٹی ، ملا عبداللطیف سلطان پوری ،

ملا عبدالرحمان بھورہ گجراتی ، ملا فاضل کابلی ، ملا حسن مراغی (۳۹) ، ملا محمود جونپوری ۔

جہانگیر کے اطبا :

حکیم رکنا کاشی ، حکیم صدرہ جس کا لقب مسیح الزمان تھا، حکیم ابوالقاسم گیلانی جس کا لقب حکیم الملک تھا ، حکیم موسناے شیرازی ، حکیم روح اللہ کابلی(۴۰) ، مقیم وید گجراتی ، حکیم تقی گجراتی(۴۱) ۔

شعرا :

بابا طالب اصفہانی ، حیا گیلانی(۴۲) ، ملا نظیری نیشا پوری ، ملا محمد صوفی مازندرانی ، ملک الشعراء طالب آملی ، سعیدائے گیلانی ، زرگر باشی(۴۳) ، میر معصوم کاشی ، قولشورہ کاشی ، ملا حیدر حصانی(۴۴) شیدا ۔

حفاظ(۴۵) :

حافظ ناد علی ، حافظ کیب فتحا(۴۶) ، حافظ عبداللہ استاد محمد مائی ، حافظ چیلہ ۔

گویے :

چتر خان ، پرویہ داد ، ماکھو ، خمرہ(۴۷) [20] ۔

نورجہاں بیگم سے شادی کا ذکر :

میرزا غیاث بیگ ، خواجہ محمد شریف طہرانی کا بیٹا ہے ۔ خواجہ ابتدا میں محمد خان تکلو حاکم خراسان کا وزیر تھا ۔ محمد خان کی وفات کے بعد وہ بادشاہ جم جاہ شاہ طہماسپ صفوی کے دربار سے وابستہ ہوگیا ۔ شاہ طہماسپ صفوی نے مرو کی وزارت خواجہ محمد شریف کے سپرد کی ۔ خواجہ محمد شریف کے دو بیٹے تھے (۱) آقا طاہر (۲) میرزا غیاث بیگ ۔

خواجہ محمد شریف نے اپنے بیٹے میرزا غیاث کی شادی علاء الدولہ بن آقا ملا کی بیٹی سے کی ۔ میرزا غیاث اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا ۔ قندھار میں ایک اور بیٹی حق تعالٰی نے اسے عنایت فرمائی اور فتح پور میں پہنچنے کے بعد اس نے

حضرت عرش آشیانی (اکبر) انار اللہ برہانہ کی (بارگاہ کی) زمین بوسی کی سعادت حاصل کرکے اپنی اخلاص کی پیشانی کو منور بنایا ۔ تھوڑی مدت میں اپنی مسلسل خدمت اور جوہر قابلیت اور کارگزاری کی وجہ سے دیوانی بیوتات کے عہدے پر فائز ہو کر سر بلند ہوا ۔ میرزا غیاث بیگ لکھنے میں اور معاملات کو سمجھنے میں نہایت زیرک اور تجربہ کار تھا ۔ شاعری میں قدیم شعرا کا شدت سے اتباع کرتا تھا ۔ اپنے زمانے کے یکتا سخن فہموں میں تھا ۔ خط شکستہ نہایت پُر شکوہ اور دیدہ زیب لکھتا تھا ۔ اپنی مفوضہ خدمات سے فارغ ہونے کے بعد اس کی فرصت کا وقت شعر و سخن میں گزرتا تھا ۔ اس کا حسن سلوک اور داد و دھش ضرورت مندوں کے ساتھ اس قدر تھی کہ کوئی بھی اہل غرض ایسا نہ تھا کہ اس کے گھر گیا ہو اور خالی ہاتھ لوٹا ہو ۔ لیکن رشوت لینے میں بہت دلیر اور بے باک تھا ۔

جس زمانے میں کہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) لاہور میں تھے ، علی قلی بیگ استجلو جو شاہ اسماعیل ثانی کا پروردہ تھا ، عراق سے آکر اکبر کے ملازموں میں شامل ہوگیا اور تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق میرزا غیاث بیگ نے اپنی اس لڑکی کی شادی جو قندھار میں پیدا ہوئی تھی ، علی قلی بیگ سے طے کر دی ۔ آخر میں علی قلی بیگ جہانگیر کی ملازمت سے وابستہ ہو کر شیر افگن کے خطاب سے سر بلند ہوا اور اپنے مرتبے کے مناسب ترقی کی ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد صوبۂ بنگالہ میں اسے جاگیر عطا کرکے اس طرف روانہ کیا ۔ انجام کار اس نا عاقبت اندیش کے ہاتھوں قطب الدین کے قتل ہونے کا واقعہ پیش آیا جو اپنی جگہ پر آئے گا ۔ مختصر یہ کہ جب شیر افگن اپنے جرم کی سزا میں گرفتار ہو کر راہی بادیۂ عدم ہوا تو جہانگیر کے حکم کی بنا پر بنگال کے کارپردازوں نے میرزا غیاث الدین کی بیٹی کو جسے جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اعتماد الدولہ کے خطاب سے سر بلند کیا تھا ، جہانگیر کی بارگاہ میں روانہ کیا اور جہانگیر نے اس کدورت کے غبار کی بنا پر جو قطب الدین کے مارے جانے کی وجہ سے اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا ، اس لڑکی کو اپنی سوتیلی والدہ سلطان بیگم کو دے دیا ۔ یہ لڑکی ایک مدت تک اس کے پاس اپنی ناکامی کے دن گزارتی رہی ۔ جب اس کی خوش نصیبی اور مراد کے ستارے کے طلوع ہونے کا وقت قریب آ گیا ، اقبال اس کے استقبال

کے لیے دوڑا ، سویا ہوا نصیب گہری نیند سے بیدار ہوا اور خوش بختی نے سامنے آ کر اس کی بارگاہ عیش کو آراستہ کیا ، زمانہ اس کی مشاطگی کی طرف متوجہ ہوا ، بہار اُمید بالیدہ ہوئی اور آرزوؤں کے پورا ہونے کے لیے ہر طرف سے ہجوم ہوا ، بند دروازوں کی کنجیاں مل گئیں اور دلوں کے زخم کے لیے دوا حاصل ہوئی .

حسن اتفاق اور نیرنگیِ فلک سے جشن نو روز کے دوران میں ایک دن جہانگیر کی دور بین نظر اس پر پڑ گئی اور وہ جہانگیر کو پسند آئی اور اسے حرم سرا کی کنیزوں میں داخل کیا گیا اور آناً فاناً میں اس کا پایۂ عزت و حسن قبول بلند ہوتا چلا گیا .

خطاب :

جہانگیر نے پہلے اس کا نام نور محل رکھا ، پھر چند روز کے بعد اسے نور جہاں بیگم کا خطاب عنایت ہوا . اس کے تمام رشتہ دار اور اقارب طرح طرح کی شاہانہ عنایتوں اور [21] نوازشوں کے مستحق قرار پائے . اعتمادالدولہ میرزا غیاث والد نور جہاں بیگم وکالت کل کے عہدے سے اور نور جہاں بیگم کے بڑے بھائی ابوالحسن اعتقاد خان کے خطاب اور خدمت میر سامانی سے سرفراز ہوئے اور خویشی کی وجہ سے اور خویشوں کی کامروائی کی وجہ سے اعتمادالدولہ کے غلاموں اور خواجہ سراؤں میں سے ہر ایک نے خطاب خانی اور منصب ترخانی حاصل کیا . برکت ری دائی جو دلارام کے نام سے مشہور تھی اور جس نے نور جہاں بیگم کو دودھ پلایا تھا ، حاجی کوکہ کے بجائے میر اناث مقرر ہوئی . عورتوں کو جو مدد معاش مرحمت ہوتی تھی برکت ری کی مہر سے صدرالصدور معتبر سمجھتا تھا .

کنند خویش و تبار تو ناز می زیبد
بحسن یک تن اگر یک قبیلہ ناز کند

سوائے خطبے کے دوسرے تمام لوازم سلطنت اور فرماں روائی عملاً نور جہاں کے ہاتھ میں آ گئے . وہ تھوڑی دیر کے لیے جھروکے میں آ کر بیٹھ جاتی تھی ، تمام اُمرا حاضر ہو کر کورنش بجا لاتے اور اس کے فرمان پر کان لگائے رکھتے

تھے ۔ نور جہاں بیگم کے نام کا سکہ ڈھالا گیا ، سکے کا نقش یہ تھا :

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

اور فرامین کے طغرے کا نقش اس طرح بنایا گیا :

(حکم علیۃ العالیہ نور جہاں بیگم بادشاہ)

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جہانگیر کی بادشاہت نام کی رہ گئی ۔ جہانگیر بار بار خود کہا کرتا تھا کہ میں نے سلطنت نور جہاں بیگم کو بخش دی ہے ۔ مجھے تو ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہیے ۔

بیگم (نور جہاں) کی خوبیوں اور نیک نامیوں کے متعلق کیا لکھوں ۔ اس کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر غالب تھیں ، بلکہ اس میں برائی تھی ہی نہیں ۔ جب کسی مصیبت کے مارے کو کوئی مشکل پیش آتی اور وہ بیگم (نور جہاں) کی خدمت میں پہنچ کر اپنی مشکل بیان کرتا ، بیگم اس کی ضرورت پوری کرکے اس کی مرادیں بر لاتی ۔ اور جو کوئی اس کی بارگاہ میں پہنچ کر پناہ لیتا تو وہ ظلم و ستم کے آسیب سے محفوظ رہتا ۔ جہاں کہیں بھی کوئی یتیم لڑکی نظر آتی تو وہ ثواب کی نیت سے اس کی شادی کرکے جہیز دیتی ۔ خیال ہے کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں پانسو لڑکیوں کی شادی کرکے ثواب حاصل کیا اور اس کے سلسلۂ عالی سے بے شمار فوائد اللہ کی مخلوق کو پہنچے ۔

حواشی دیباچه

(۱) واضح ہو کہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنی فرماں روائی کے حالات سترھویں سال کے وسط تک خود لکھے ھیں ، اس کے بعد اس نے معتمد خاں کو جو قابل اعتماد امرائے جہانگیری میں سے تھا ، حکم دیا کہ خان مذکور آئندہ سے مسودات تحریر کرے ، اور میری نظر اصلاح سے گزران کر شامل کتاب کرے ؛ چناں چہ معتمد خاں نے جلوس کے آنیسویں سال کی ابتدا سے مسودات کو لکھا اور اصلاح لی ۔ اس کے بعد میرزا محمد ھادی مؤلف دیباچہ نے جہانگیر کے آخر ایام حیات تک کے حالات کی تکمیل کی ۔ (سید)

(۲) شیخ سلیم : سلسلۂ نسب : سلیم بن محمد بن سلیمان بن آدم بن موسیٰ بن مودود بن فرید الدین مسعود اجودھنی ثم سیکروی (نزھۃ : ج ۴ ، ص ۱۲٦) ۔

شیخ سلیم ، شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے ھیں ۔ وہ ۸۹۷ھ (۹۲-۱۴۹۱ع) میں پیدا ھوئے ۔ ۹۳۱ھ (۲۵-۱۵۲۴ع) میں وہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ھوئے اور بلاد عرب و عجم کی سیاحت کے بعد سیکری آئے ، جہاں اُن کے والد اور بھائی اپنے قدیم وطن دھلی سے آ کر بسلسلۂ ملازمت بقیم ھو گئے تھے ۔ سیکری ھی میں اُنھوں نے اقامت اختیار کر کے شادی کی ۔ ۹٦۲ھ (۵۵-۱۵۵۴ع) میں ھیموں بقال کی بعض پیدا کردہ پریشانیوں کی وجہ سے وہ دوبارہ حرمین شریفین گئے ۔ پھر اس سفر سے واپس لوٹے ۔ ۹- رمضان ۹۷۹ھ (۱۵۷۲ع) کو شیخ سلیم نے اعتکاف کے عالم میں وفات پائی اور سیکری ھی میں مدفون ھوئے (اخبار : ص ۲۸۳ ، ۲۸۴) ۔

(۳) شیخ فرید شکر گنج : ولادت : ۵۸۴ھ (۸۶-۱۱۸۵ء)، وفات : ۵ محرم ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) مدفن : اجودھن . (پاک پٹن) (خزینہ : ج ۱، ص ۲۹۳ - اخبار : ص ۵۴) ، (ق) .

(۴) خواجہ حسن مروی : سمنان کے مشہور صاحب طریقت بزرگ شیخ رکن الدین علاءالدولہ کے صاحب‌زادے تھے . ملا عبدالقادر بدایونی نے اُن کے ذوقِ شعر و ادب کو سراہتے ہوئے لکھا کہ ''در وادی سلاست شعر و انشا و صنائع و بدائع و حسن تقریر و فصاحت و بلاغت و ظرافت و لطافت بے نظیر بود (بدایونی : ج ۳ ، ص ۷۷ ، ۱۷۸) اس قصیدے پر جس کے چند اشعار میرزا محمد ہادی نے اپنے دیباچے میں دیے ہیں، اکبر نے آپ کو دو لاکھ تنکے انعام دیے .

۹۷۸ھ (۷۱-۱۵۷۰ء) کو خواجہ حسن مروی نے اپنے وطن جانے کے لیے اجازت حاصل کی . شیخ فیضی نے جو اُن کا تربیت یافتہ تھا، ''دام ظلہ'' سے اس کی تاریخ نکالی . خواجہ حسن مروی جب کابل پہنچے تو میرزا محمد حکیم (بن ہمایوں بادشاہ) نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور شاہی مہمان ٹھہرایا . خواجہ حسن نے بہت سے تحائف جو وہ ہندوستان سے لے کر گئے تھے ، میرزا حکیم کی خدمت میں پیش کیے . جب محرر اُن کی فہرست لکھنے لگا . تو خواجہ حسن نے محرر سے فہرست چھین کر اس میں ہر ایک چیز کی قیمت بھی لکھنی شروع کر دی . میرزا حکیم کو اُن کی یہ حرکت ناگوار گزری اور سب تحفے اُسی وقت واپس کر دیے اور بے مزہ ہو کر مجلس سے اٹھ کر چلا گیا .

اس واقعے کے کچھ عرصے بعد خواجہ حسن مروی نے کابل ہی میں وفات پائی (س) .

(۵) سماک رامح : ایک ستارے کا نام ہے (غیاث : ج ۱، ص ۵۶۸) (ق) .

(۶) شیخ عثمان ہارونی : متوفی : ۶۱۷ھ (۲۱-۱۲۲۰ء) مدفن : مکۂ مکرمہ (خزینہ : ج ۱ ، ص ۲۵۵ - ۲۵۶) (ق) .

(۷) شیخ نجم‌الدین کبریٰ : نام احمد بن عمر خیوقی . متوفی : ۱۰- جمادی‌الاول ۶۱۸ھ (۱۲۲۳ء) (خزینہ . ج ۲ ، ص ۲۵۸ - ۲۶۱) (ق) .

(۸) شیخ مودود چشتی : نام : قطب‌الدین بن خواجہ یوسف . متوفی : ۵۲۶ھ

(۳۲-۱۲۳۱ع) (نفحات : ص ۲۹۹ - ۳۰۲) (ق) .

(۹) ابراهیم بن ادهم : سلسلۂ نسب : بن منصور بن یزید بن جابر ابو اسحاق تمیمی عجلی . وطن : بلخ . وفات : ۱۶۰-۱۶۶ھ (۷۷۶-۷۸۲ع) کے درمیان ۔ (حلیہ : ج ۷ ، ص ۳۸۸) مزار : جدۃالغربی (اغانی : ص ۷ : ۱۳) تصوف کے سلسلوں میں سلسلۂ ادھمی کے بانی تھے (مقالات : ص ۲۱۶ - ۲۱۷) (ق) .

(۱۰) شیخ شہاب الدین سہروردی : بن محمد بکتری . ولادت : ۵۳۹ھ (۴۵-۱۱۴۴ع) وفات : ۶۳۲ھ (۳۵-۱۲۳۴ع) (مشائخ چشت : ص ۱۳۱ ، ۱۳۲) (ق) .

(۱۱) شیخ اوحدالدین کرمانی : وفات : ۶۲۰ھ (۲۴-۱۲۲۳ع) (نفحات : ص ۵۳۲ - ۵۳۶ - خزینہ) (ق) .

(۱۲) خواجہ قطب الدین : ولادت : قصبۂ اوش (ماوراءالنہر) وفات : ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ع) مزار دھلی (خزینہ : ج ۱ ، ص ۲۶۷ - اخبار : ص ۲۶) (ق) .

(۱۳) خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی : ولادت : ۶- صفر ۶۳۴ھ (۱۲۳۸ع) بدایوں . وفات : ۱۸- ربیع الاول ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) - مزار : دھلی (خزینہ : ج ۱ ، ص ۳۳۷ - بزم صوفیہ : ص ۱۸۰) (ق) .

(۱۴) امیر خسرو : نام یمین الدین بن سیف الدین . تخلص خسرو . ولادت : ۶۵۱ھ (۱۲۵۳ع) قصبہ پٹیالی ، ضلع ایٹہ . وفات : ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) (اخبار : ص ۱۰۰ - خزینہ ، ج ۱ - ص ۳۴۰) (ق) .

(۱۵) فتح پور : اس آبادی کا نام فتح پور گجرات کی فتح کے بعد رکھا گیا (تزک : ص ۱) (ق) .

(۱۶) مولانا میر کلان ھروی : خراسان کے مشائخ میں تھے . محدث اور صاحب دل بزرگ تھے . جب اکبر نے شاہ زادہ جہانگیر کی رسم بسم اللہ خوانی ادا کی تو ایک زبردست جشن کے بعد یہ رسم ادا ہوئی ، اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق مولانا میر کلان نے اپنے شاگرد کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ، سب نے نعرۂ تحسین بلند کیا ، جواھرات اور موتی نثار کیے گئے . مولانا نے بھی قیمتی تحائف اکبر کی خدمت میں پیش کیے (

اکبر نے اس سے بڑھ کر تحائف مولانا میر کو عطا کیے۔ اس کے بعد مولانا نے شہزادے کو بسم اللہ اور کلمۂ شہادت تلقین کیا۔ اس پر رسم تسمیۂ خوانی ختم ہوئی (اکبر نامہ ج ۳، ص ۱۰۷ - بدایونی: ج ۲، ص ۱۷۳)۔

مولانا میر کلاں ہروی نے ۹۸۱ھ (۷۴-۱۵۷۳ع) میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک کیے گئے (بدایونی: ج ۳، ص ۱۷۳) (س)

(۱۷) **قطب الدین محمد خان:** جہانگیر کا پہلا اتالیق، اس کا رضاعی باپ شیخ احمد تھا، مگر تھوڑے ہی دن وہ اتالیق رہا تھا کہ اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد ۹۸۵ھ (۷۸-۱۵۷۷ع) میں اکبر نے قطب الدین محمد خان انگہ کو بیگلربیگی کا خطاب دے کر جہانگیر کا اتالیق مقرر کیا۔ (س)

(۱۸) **بدایونی** نے اس شادی کی تفصیلات دیتے ہوئے لکھا کہ شاہزادہ سلیم کی عمر سولہ برس کی تھی۔ بادشاہ اکبر مع امرائے دربار کے راجا بھگوان داس کے گھر گئے۔ قاضی، مفتی اور شرفائے اسلام مجلس عقد میں حاضر ہوئے۔ قاضی نے حضور میں عقد پڑھایا۔ دو کروڑ تنکے کا مہر مقرر ہوا، اہل ہنود کی بھی ساری رسمیں مثل پھیرے، ہون وغیرہ کے عمل میں آئیں۔ بادشاہ دلہن کے گھر سے دولھا کے گھر تک پالکی پر اشرفیاں نچھاور کرتے ہوئے لائے۔ راجا بھگوان داس نے کئی طویلے گھوڑے، سو ہاتھی، ختنی، حبشی، چرکس، ہندی، صدہا لونڈی غلام اور طرح طرح کے اسباب بے حد و بے شمار جہیز میں دیے۔ سارے امیروں کو ان کی حیثیت کے مطابق خلعت، گھوڑے مع سنہری، روپہلی زینوں کے دیے۔

(۱۹) **احدی:** جہاں پناہ (اکبر) اپنے ذاتی تجربے سے بعض جری اور قابل اشخاص کو منصب داری کا عہدہ نہیں دیتے تھے، لیکن ان اشخاص کو دوسروں کی ماتحتی سے سبک دوش فرما دیتے تھے۔ یہ سوار صرف شاہی فرماں بردار ہوتے تھے اور اس طرح اپنی خدمت کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز نظر آتے تھے۔ ان اشخاص کو ان کی خاص خدمات کے لحاظ سے تعلیم دی جاتی تھی۔ ان ملازمین کو احدی کا خطاب دیا گیا تھا۔ (ترجمہ آئین: ج ۱، ص ۳۶۲) (ق)

(۲۰) شاگرد پیشه : یہ اُس دور کی دفتری اصطلاح ہے ، جس سے مراد نجی خدمت گاران شاہی ہیں ۔ بہار عجم میں ہے کہ ''لفظی ست مستعمل دفاتر و دربار سلاطین ہندوستان و در ایران عملہ بجائے آن گویند'' ۔
لفظ شاگرد در اصل شاہ گرد یعنی بادشاہ کے گرد و پیش رہنے والے ملازم ، اس معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے ۔ یہ لفظ بہت پرانا ہے ؛ پہلوی میں اشا کرت تھا ، قدیم ارمنی میں جب یہ پہنچا تو اش کرت ہو گیا ، مگر معنی وہی رہے (نظام منصب داری) (س) ۔

(۲۱) رانا سانگا : یہ راجا عرف عام میں رانا سانگا کہلاتا تھا ۔ آگرے سے تیس میل مغرب میں کنواهہ کے قریب جو بیانہ کے توابع سے ہے بروز شنبہ ۱۳ جمادی الاخری ۹۳۳ھ (۱۵۲۷ع) اس کی جنگ بابر سے ہوئی ، جس میں رانا سانگا شکست کھا کر بھاگ گیا ۔ (اکبر نامہ : ۱/۱۰۶) پھر بروز چہار شنبہ ۷ جمادی الاول ۹۳۴ھ (۱۵۲۸ع) کو اس کا تمام علاقہ بابر نے فتح کر لیا اور وہ گرفتار ہو کر ذلیل ہوا (اکبر نامہ ۱/۱۱۲) (ق) ۔

(۲۲) میرزا محمد هادی صاحب دیباچۂ توزک جہانگیری نے یہاں پرویز کی والدہ خواجہ حسن کی بیٹی کو بتایا ہے ۔ صاحب مآثرالامرا کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (مآثرالامرا : ج ۲ ، ص ۳۶۳) لیکن یہ قول صحیح نہیں ، کیوں کہ جہانگیر نے خود توزک میں پرویز کی ماں زین خاں کی بیٹی صاحب جمال کو بتایا ہے ، (تزک : ص ۸) ۔
لیکن یہ حقیقت ہے کہ خواجہ حسن جو زین خاں کا چچا تھا ، اس کی بیٹی جہانگیر کے نکاح میں تھی (س) ۔

(۲۳) شیر خواجہ : سادات اتائی میں تھا ، اس کا نام نقشبندی بادشاہ خواجہ تھا ۔ اکبر نے اُس کی شجاعت کے جوہر دیکھ کر اُس کا نام شیر خواجہ رکھا ۔ شیر خواجہ نے ۱۰۳۷ھ (۲۸-۱۶۲۷ع) میں وفات پائی (مآثرالامرا : ج ۲ ، ص ۶۴۸ - ۶۵۰) (ق) ۔

(۲۴) رانا : امرائے ہنود میں بضمن جگت سنگھ اس رانا کا نام امر سنگھ تحریر کیا گیا ہے (امرائے ہنود : ص ۴۴ - ۴۵) (ق) ۔

(۲۵) سلیمہ سلطان بیگم : بیرم خاں کی بیوی تھی جو اُس کی وفات کے بعد

اکبر سے بیاہی گئی تھی۔ اس کی ماں کا نام گل رخ بیگم ہے جو بابر کی بیٹی تھی (ق)۔

(۲۶) جعفر بیگ : آصف خان قزوینی کے نام سے مشہور تھا ۔ میرزا غیاث الدین علی کا بھتیجا تھا ۔ عہد اکبری میں بخشیوں کے زمرے میں داخل تھا ۔ اس کی طبیعت شعر سے نہایت مناسبت رکھتی تھی ۔ (ترجمہ بدایونی : ص ۳۸۸) (ق) :

(۲۷) خواجہ بہاءالحق : آپ کا اصل نام محمد بن محمد بخاری تھا ۔ آپ نے روحانی تربیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حاصل کی تھی ۔ آپ نے شب دوشنبہ ۳- ربیع الاول ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ع) میں وفات پائی (لفحات : ص ۳۴۵ - ۳۴۹) (ق) .

(۲۸) لودلنگر ، چرخی ، اوچاری : یہ آتش بازی کی مختلف چیزوں کے نام ہیں (ق) .

(۲۹) حکیم علی : حکیم الملک کے بھانجے تھے اور حکمت میں بھی وہ اُن کے اور حکیم رفیع اللہ کے شاگرد تھے ۔ علوم نقلیہ میں شیخ عبدالنبی سے تلمذ تھا ؛ (ترجمہ بدایونی : ص ۴۷۱) (ق) .

(۳۰) سر سید ایڈیشن میں یہ نام خان بیگ مندرج ہے جو صحیح نہیں ، بلکہ صحیح نام جان بیگ ہے ، (دیکھیے اقبال نامہ : ص ۳۰۶) (ق) .

(۳۱) ابوالحسن تربتی : توزک جہانگیری کے سر سید ایڈیشن میں یہ نام ابوالحسن بربیتی ہے جو صحیح نہیں ہے ۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام ابوالحسن تربیتی ہے ؛ اس میں بھی سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ اصل میں یہ نام خواجہ ابوالحسن تربتی ہے (اقبال نامہ : ص ۳۰۷) (ق) .

(۳۲) سلطان نثار بیگم : ترجمہ اقبال نامۂ جہانگیری : ص ۲۱۴ پر یہ نام سلطان نساء بیگم ہے ۔

(۳۳) سریر بانو بیگم : یہ نام بھی سرسید ایڈیشن میں غلط ہے اس لیے کہ اس نام کی کوئی لڑکی شاہجہان کی نہیں ملتی ۔ اقبال نامۂ جہانگیری رائل ایشیاٹک سوسائٹی ایڈیشن ص ۳۰۶ پر یہ نام سریر بانو بیگم کی بجائے پرہنر بانو بیگم مندرج ہے ، لیکن اس میں بھی سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ اقبال نامۂ

جہانگیری کے نول کشوری ایڈیشن میں یہ نام پرھیز بانو بیگم مندرج ہے ، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے (اقبال نامۂ جہانگیری ، نول کشور ایڈیشن : ص ۲۷۷ .

(۳۴) شاہجہان کی اولاد کی یہ تفصیل اقبال نامۂ جہانگیری سے لی گئی ہے ، جو نامکمل ہے ، حالانکہ شاہجہان کے آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں ، جن کی ولادت اور وفات کی ترتیب حسب ذیل ہے :

۱- حورالنسا بیگم : ولادت : روز ہفتہ ۸- صفر ۱۰۱۳ھ (۱۶۰۵ع) وفات : بروز چہار شنبہ : ۴ ربیع الثانی ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) . مقام وفات : اجمیر .

۲- جہاں آرابیگم : خطاب : مستطاب بیگم : ولادت : روز ہفتہ ۲۱ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) .

۳- دارا شکوہ : ولادت : شب دو شنبہ ، ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع)

۴- محمد شاہ شجاع بہادر : ولادت : شب یکشنبہ ، ۱۸- جمادی الاخری ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) :

۵- روشن آرا بیگم : ولادت : ۲ رمضان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) .

۶- اورنگ زیب : ولادت شب یکشنبہ ، ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع).

۷- امید بخش : ولادت : روز چہار شنبہ ، ۱۱ محرم ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ع) .

۸- ثریا بانو بیگم : ولادت شب ۲۰ رجب ۱۰۳۰ھ (۱۶۲۱ع) وفات : ۲۳ شعبان ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ع) مقام وفات : برہانپور .

۹- ایک لڑکا : جس نے نام رکھنے سے پہلے وفات پائی . ولادت و وفات : ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۲-۲۳ع) .

۱۰- مراد بخش : ولات : شب پنجشنبہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ع) مقام ولادت : قلعۂ رہتاس .

۱۱- لطف اللہ : ولادت : شب چہار شنبہ ۴ رمضان ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ع) وفات : ۹ رمضان ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ع) .

۱۲- شاہ زادہ : ولادت : شب چہار شنبہ ۴ رمضان ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ع) وفات : ۲ رمضان ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۹ع) .

۱۳- ایک لڑکی : ولادت : رمضان ۱۰۳۹ھ (۱۶۳۰ع) اس لڑکی نے ولادت کے کچھ دن بعد وفات پائی ۔

۱۴- گوہر آرا بیگم : ولادت : شب چہار شنبہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۱ع) یہ شاہجہان کی سب سے آخری اولاد تھی (پادشاہ نامہ ؛ ج ۱، ص ۳۹۱-۳۹۳) ۔

(۳۵) اوزک بیگم : اقبال نامۂ جہانگیری میں اس جگہ یہ نام لاڈلی بیگم ہے (اقبال نامہ : ص ۳۰۶) لیکن اقبال نامے کا یہ نام صحیح نہیں معلوم ہوتا ، کیوں کہ لاڈلی بیگم شیر افگن خان کی بیٹی کا نام تھا ، جو شہزادہ شہر یار کی بیوی تھی (نسب نامہ پدری اور جہان ، مشمولہ مظہر شاہجہانی) (ق) ۔

(۳۶) ملا روز بہان شیرازی : (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) (ق) ۔

(۳۷) لفظ بقاسری اقبال نامۂ جہانگیری میں نہیں (ق) ۔

(۳۸) ملا فاضل کابلی : سر سید ایڈیشن میں یہ نام سہواً دو مرتبہ درج ہوا ہے (ق) ۔

(۳۹) ملا حسن فراغی گجراتی : (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) (ق) ۔

(۴۰) حکیم روح اللہ بروجی (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) (ق) ۔

(۴۱) حکیم تقی گیلانی (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) (ق) ۔

(۴۲) ملاحیاتی گیلانی (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) (ق) ۔

(۴۳) زرگر باشی کا لفظ اقبال نامے میں نہیں ، صرف سعیدائے گیلانی ہے ۔ (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) ۔

(۴۴) اقبال نامہ جہانگیری میں ملا حیدر حصانی کے بجائے ، ملا حیدر چغتائی ہے (اقبال نامہ : ص ۲۷۹) (ق) ۔

(۴۵) سر سید ایڈیشن میں یہ عنوان اس طرح ہے : ''ذکر حافظان کہ در خدمت بودند (توزک ۔ دیباچہ ، ص ۱۹) لیکن اقبال نامۂ جہانگیری ایڈیشن رائل ایشیاٹک سوسائٹی ، ص ۳۰۸ پر یہ عنوان اس طرح ہے : ''ذکر گوینده و سازنده که در زمان آنحضرت بودند'' اس عنوان سے اس کے تحت کی عبارت کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے (ق) ۔

(۴۶) سر سید ایڈیشن میں یہاں اصل فارسی عبارت میں خلط ہے ۔ سر سید ایڈیشن

میں اصل عبارت یہ ہے : ''حافظ ناد علی حافظ کتب مقامات اُخریٰ'' لیکن اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ عبارت اس طرح ہے : ''حافظ ناد علی حافظ کیب فتحا'' (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی قوال یا سازندے کا نام ہے ، اور سر سید ایڈیشن میں یہ عبارت خلط ہو گئی ہے ۔ ہم نے اقبال نامۂ جہانگیری سے یہ نام درست کر کے لکھ دیا ہے ۔ اقبال نامۂ جہانگیری بطبوعۂ نول کشور کا ایک اور نسخہ ہمارے سامنے ہے ۔ اس میں ایک عنوان اس طرح قائم کیا گیا ہے : ''ذکر حافظ ہا کہ در زمان آنحضرت بودند'' اس کے تحت جو نام دیے گئے ہیں وہ اس طرح ہیں : حافظ یاد علی ، حافظ برکت ، حافظ محمد عبداللہ ، اُستاد محمد ہادی (اقبال نامہ ، نول کشوری : ص ۲۷۹) اس میں ناد علی کی جگہ یاد علی اور محمد سالی کی جگہ محمد ہادی ہے ، باقی سر سید ایڈیشن میں جو نام اس عنوان کے تحت دیے گئے ہیں ، اس نسخے میں غائب ہیں (ق) ۔

(۴۷) ۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں یہ نام حمزہ مندرج ہے (اقبال نامہ : ص ۳۰۸) ۔

تخت نشینی

۱۸ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں اللہ تعالٰی کی بے انتہا مہربانیوں سے جمعرات ۸- جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) کو طلوعِ آفتاب کے ایک گھنٹے بعد دارالخلافہ آگرے میں اُنیس سال کی عمر (۱) میں تختِ سلطنت پر بیٹھا . میرے والد کا اٹھائیس سال کی عمر تک کوئی لڑکا زندہ نہ رہتا تھا . وہ ہمیشہ فرزند کے زندہ رہنے کے لیے اُن درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ، جن کو بارگاہِ الٰہی میں قرب حاصل ہے ، دعا کی التجا کرتے رہتے تھے . چونکہ خواجۂ بزرگ وار خواجہ معین الدین چشتیؒ اکثر اولیاے ہند کا سرچشمہ ہیں اس لیے میرے والد کو خیال ہوا کہ وہ اس کے لیے اُن کے آستانے کی طرف رجوع کریں . اُنھوں نے اپنے دل میں یہ بھی طے کیا کہ اگر اللہ تعالٰی نے اُن کو لڑکا عطا فرمایا اور اُس کی مہربانی ہوئی تو وہ حضرت خواجہ معین الدین کے روضۂ منورہ تک جو آگرے سے ایک سو چالیس کوس کے فاصلے پر ہے ، سرتا پا نیازمندانہ پیدل جائیں گے .

ولادت :

چنانچہ ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ع) بدھ کے روز ۱۷- ربیع الاول کو سات گھڑی گزرنے پر ، جب کہ طالع میزان چوبیسویں درجے میں تھا ، اللہ تعالٰی مجھے کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں لایا .

شیخ سلیم :

جس زمانے میں کہ میرے والدِ بزرگ وار فرزند کے لیے سرگرداں تھے ، شیخ سلیم نامی ایک صاحبِ حال درویش ، جو عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکے

تھے ، سیکری کے متصل ، جو مواضعاتِ آگرہ سے ایک موضع ہے ، ایک پہاڑ میں رہتے تھے ۔ اور اس نواح کے لوگ شیخ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ، چوں کہ میرے والد درویشوں کے عقیدت مند تھے ، اس لیے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے ۔

ایک دن عالم توجہ اور بے خودی میں انھوں نے شیخ سے پوچھا کہ میرے کتنے لڑکے ہوں گے ؟ شیخ نے فرمایا کہ بے احسان عنایت کرنے والا تمھیں تین بیٹے دے گا ۔ میرے والد نے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اپنے پہلے لڑکے کو آپ کے دامنِ تربیت اور توجہ میں دے کر آپ کی شفقت و مہربانی کو اس کا مددگار اور محافظ بناؤں گا ۔ شیخ نے میرے والد کی اس بات کو قبول کر لیا اور ان کی زبان سے نکلا : مبارک ہو کہ ہم نے بھی اس لڑکے کو اپنا ہم نام بنایا ۔

جب میری والدہ کے وضعِ حمل کا زمانہ قریب آ پہنچا ، تو والد نے ان کو شیخ کے گھر بھجوا دیا تاکہ میری ولادت اس جگہ ہو ۔

میری پیدائش کے بعد میرا نام سلطان سلیم رکھا گیا ۔ لیکن میں نے اپنے والد کی زبانِ مبارک سے ، نہ ہوش میں نہ مستی میں ، کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے مجھے محمد سلیم یا سلطان سلیم کہہ کر مخاطب کیا ہو ؛ وہ مجھے ہمیشہ شیخو بابا کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔

فتح پور سیکری :

میرے والدِ بزرگوار نے موضع سیکری کو ، جو میری پیدائش کی جگہ ہے ، اپنے لیے مبارک جان کر اپنا پایۂ تخت بنایا ، اور چودہ پندرہ سال کے عرصے میں وہ پہاڑ اور جنگل ، جو درندوں اور جنگلی جانوروں سے بھرپور تھا ، ایک شہر ہو گیا ، جو طرح طرح کے باغوں ، عمارتوں ، صاف ستھرے مکانوں اور دل کش تفریح گاہوں پر مشتمل ہے ۔ یہ موضع سیکری فتح گجرات ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ع) کے بعد فتح پور کے نام سے مشہور ہوا ۔

نام کی تبدیلی :

جب میں بادشاہ ہوا تو خیال ہوا کہ مجھے اپنا نام بدل دینا چاہیے ، کیوں کہ اس نام سے قیصر روم (ترکیہ) کے نام کا دھوکا ہوتا ہے ۔ ملہمِ غیبی

نے میرے دل میں ڈالا کہ بادشاہوں کا کام جہانگیری ہے ، اس لیے میں اپنا نام جہانگیر رکھوں ، اور چوں کہ میں [2] سورج نکلنے اور سارے عالم کے روشن ہونے کے وقت تخت نشین ہؤا تھا ، اس لیے اپنا لقب نورالدین اختیار کروں ۔ اس کے علاوہ اس لقب کے اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں دانش مندان ِ ہند سے سنا تھا کہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا زمانہ اور عہد ِ سلطنت گزرنے کے بعد نورالدین نامی امور سلطنت کا ذمہ دار ہوگا : ان وجوہ کی بنا پر میں نے اپنا نام اور لقب نورالدین جہانگیر بادشاہ رکھا ۔

خصوصیات ِ آگرہ :

چونکہ یہ اہم واقعہ آگرے میں پیش آیا تھا ، ضرورت ہے کہ مختصر طور پر اس شہر کی خصوصیات یہاں لکھی جائیں ۔

آگرہ ہندوستان کے پرانے شہروں میں ایک بڑا شہر ہے جو دریاے جمنا کے کنارے واقع ہے ۔ یہاں ایک پرانا قلعہ بھی تھا جسے میرے والد نے میری پیدائش سے پہلے گرا کر اس کی جگہ ایک ایسا قلعہ سنگ ِ سرخ سے بنوایا جس کے متعلق دنیا کے سیّاحوں کا قول ہے کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ۔ یہ قلعہ پندرہ سولہ سال کی مدت میں تعمیر ہؤا ، جو چار بڑے اور دو چھوٹے دروازوں پر مشتمل ہے ۔ اس کی تعمیر پر پینتیس لاکھ روپیہ خرچ ہؤا ، جو ایرانی سکّے میں ایک لاکھ پندرہ ہزار تومان ، اور تورانی سکے میں ایک کروڑ پانچ لاکھ خانی کے برابر ہوتا ہے ۔ یہ شہر دریاے جمنا کے دونوں طرف آباد ہے ۔ اس کے مغربی حصے کی آبادی اور رونق زیادہ ہے ۔ مغربی حصے کی آبادی کا رقبہ سات کوس ہے جس کا طول دو کوس اور عرض ایک کوس ہے ۔ دریا کے مشرقی جانب کی آبادی کا رقبہ ڈھائی کوس ہے جس کا طول ایک کوس اور عرض نصف کوس ہے ۔ عمارتوں کی کثرت اور نوعیت اس طرح کی ہے کہ عراق و خراسان اور ماوراء النہر میں اس جیسے فقط چند شہر آباد ہوے ہوں گے ۔ اکثر لوگوں نے تین منزلہ ، چار منزلہ عمارتیں بنائی ہیں ۔ کوچہ و بازار میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہے کہ مشکل سے چلا پھرا جا سکتا ہے ۔ یہ دوسری اقلیم کے آخری

مقامات میں سے ہے ۔ اس کے مشرق میں قنوج ، مغرب میں ناگور ، شمال میں سنبھل اور جنوب میں چندیری ہے ۔

آب و ہوا :

ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دریائے جمنا کا منبع کلند نامی ایک پہاڑ ہے جس سے شدتِ سرما کی بنا پر لوگوں کا گزرنا ممکن نہیں ، اور یہ منبع پرگنۂ خضر آباد کے قریب آ کر ایک پہاڑ سے پھوٹتا ہے ۔

آگرے کی آب و ہوا گرم و خشک ہے ۔ یہاں کی آب و ہوا کے متعلق اطبّا کا قول ہے کہ یہ آب و ہوا روح کو تحلیل کر کے کمزور کر دیتی ہے ، اور اکثر طبیعتوں کے لیے یہ آب و ہوا نا موافق ہے ، مگر سوداوی اور بلغمی مزاج رکھنے والے اس کے ضرر سے مامون رہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جو حیوان یہ مزاج رکھتے ہیں ، مثلاً ہاتھی ، بھینس وغیرہ ، اس آب و ہوا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں ۔

لودھی پٹھانوں کی حکومت سے قبل آگرہ ایک بڑا شہر تھا اور قلعہ بھی رکھتا تھا ؛ چنانچہ مسعود سعد سلمان (۲) نے اپنے ایک قصیدے میں جو اس نے محمود بن سلطان ابراہیم بن مسعود بن سلطان محمود کے اس قلعے کو فتح کرنے کے موقع پر اس کی مدح میں کہا ہے ، اس میں اس قلعے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :

حصارِ آگرہ پیدا شد از میانۂ گرد
بسانِ کوہ بروبارہای چون کہسار[۱]

۱- دوسرے متعلقہ بیت :

بحسن رتبت او نا رسیدہ دستِ قضا
نکردہ باوی غدری زمانۂ غدار
سپہ چو دائرہ پیچید گرد ، حصن ، ہمین
نمود حصن ازو ہمچو نقطۂ پرکار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جب سکندر لودھی دھلی سے ، جو ھندوستان کے سلاطین کا پایۂ تخت تھا ، گوالیار کو فتح کرنے کے لیے آگرے آیا اور اسے اپنے رھنے کی جگہ قرار دیا ، اس وقت سے آگرے کی آبادی ترقی کرتی چلی گئی ، یہاں تک کہ آگرہ سلاطینِ دھلی کا پایۂ تخت بن گیا ۔

باغِ گل افشان :

جب خداے تعالیٰ نے ھندوستان کی بادشاھی کا سلسلہ میرے خاندان کو عطا کیا ، اور حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ نے ابراھیم لودھی بن سکندر لودھی کو شکست دینے اور قتل کرنے ، اور رانا سانگا پر جو ھندوستان کے بڑے راجاؤں اور زمین داروں میں سے تھا ، فتح حاصل کرنے کے بعد دریاے جمنا کے مشرقی جانب ایک اچھی زمین کا انتخاب کر کے چار باغ[1] [3] لگوایا ، جس کی لطافت اور پاکیزگی کی مثال بہت کم کسی جگہ کے باغوں میں مل سکتی ھوگی ۔ اس باغ کا نام انھوں نے گل افشان رکھا ۔ اس میں ایک مختصر سی عمارت سرخ پتھر کو ترشوا کر بنوائی ، اور اس باغ کے ایک جانب ایک مسجد تعمیر کروائی ۔ ان کا خیال تھا کہ اس باغ میں ایک عالی شان عمارت تعمیر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بکار زار زدہ دست و کرم گشتہ نبرد
ز تیغ آهن سنب و ز تیر خارہ گذار
بخواب دید دگر شنب امیر آن جیپال
یکی بلندی و او بر سرش گرفتہ قرار

یہ قصیدہ فتح آگرہ پر لکھا گیا ھے ، مطلع ھے :

ایا نسیم سحر فتح نامہ ھا بردار
بهر ولایت ازان فتحنامہ‌ای بسیار

قصیدے میں جملہ ۱۹۵ اشعار ھیں ۔

(رک : دیوان مسعود از رشید یاسمی ، ص ۲۶۰ تہران)

۱- مغل اس باغ کو چار باغ کہتے تھے جس میں چار راستے ھوں اور ھر راستے کے کنارے درخت اور پھول لگے ھوئے ھوں ۔

کروائیں لیکن اُن کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ ارادہ عمل میں نہ آ سکا ۔

ان واقعات میں جہاں کہیں بھی صاحب قرانی لکھا جائے ، وہاں امیر تیمور گورگان مراد ہیں ؛ اور جہاں فردوس مکانی تحریر ہو ، وہاں حضرت بابر بادشاہ مراد ہیں ؛ اور جہاں جنت آشیانی مذکور ہو ، اس سے حضرت ہمایوں بادشاہ مراد ہیں ؛ اور جہاں عرش آشیانی لکھا جائے ، اس سے میرے والد بزرگ وار جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی مراد ہیں ۔

پھل اور پھول :

آگرہ اور اس کے اطراف میں خربوزہ ، آم اور دوسرے میوے کثرت سے ہوتے ہیں ۔ پھلوں میں مجھے آم سے زیادہ رغبت ہے ۔ عرش آشیانی کے دور حکومت میں اکثر میوے ، جو ہندوستان میں نہیں ہوتے ، ان کے پودے ولایت[۲] سے منگوا کر یہاں لگوائے گئے ۔ انگور کے مختلف اقسام مثلاً صاحبی ، حبشی اور کشمشی مختلف شہروں میں بھیجے گئے ۔ چنانچہ اس وقت لاہور کے بازاروں میں ، انگور کے موسم میں ، ہر قسم اور ہر نوع کا انگور جس مقدار میں بھی چاہیں ، مل سکتا ہے ۔

یہاں کے میووں میں سے ایک میوہ جسے اناس کہتے ہیں اور افرنگ کے ساحلی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے ، نہایت خوشبودار اور خوش مزہ ہوتا ہے ۔ یہ میوہ آگرے کے باغ گل افشاں (۳) میں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ہوتا ہے ۔

ہندوستان کے خوشبودار پھولوں کو ان کی خوشبو اور نزہت کی وجہ سے دنیا کے تمام پھولوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے ۔ چند پھول تو ایسے ہیں کہ پوری دنیا میں اُن کا نام و نشان نہیں ملتا ۔ مثلاً ان میں سب سے پہلے چنپہ کا پھول ہے جو نہایت خوشبودار اور لطیف ہے ؛ صورت میں وہ گل زعفران کی طرح ہوتا ہے لیکن چنپہ کا رنگ سفیدی مائل زرد ہے ۔ اس کا پودا نہایت موزوں قد ہوتا ہے اور اپنی شاخوں اور گھنے پتوں کی وجہ سے سایہ دار ہوتا ہے ۔ پھولوں کے موسم میں اس کا ایک درخت تمام باغ کو معطر کر دیتا ہے ۔ اس کے بعد گل کیوڑہ ہے جو اپنی خوش اندامی اور خوبصورتی میں اپنی

۱- ایران اور توران کو ہندی مغل 'ولایت' کہا کرتے تھے ۔

نظیر نہیں رکھتا ۔ اس کی خوش بو تندی و تیزی میں کسی طرح مشک کی خوش بو سے کم نہیں ۔ اس کے بعد رائے بیل ہے جو خوشبو میں سفید چنبیلی کی جنس سے ہے ۔ زیادہ سے زیادہ فرق یہ ہے کہ اس کے پتے دو تین تہوں میں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں ۔ پھر مولسری ہے ، اس کا درخت بھی خوش اندام ، موزوں اور سایہ دار ہوتا ہے ۔ اس کے بعد گل سیوتی ہے جو کیوڑے کی ایک قسم ہے ؛ فرق یہ ہے کہ کیوڑے کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ کانٹے نہیں ہوتے ۔ اس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے ۔ ان پھولوں سے اور گل چنبیلی سے ، جو ولایت (ایران و توران) کی سفید چنبیلی کی طرح ہے ، خوشبودار تیل نکالتے ہیں ۔

ان کے علاوہ بھی یہاں بہت سے پھول ہوتے ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے ۔

درختوں میں سے سرو ، صنوبر ، چنار ، سفید آڑو اور بید مولہ ، جن کا تصور بھی ہندوستان میں نہ کیا جا سکتا تھا ، منگا کر یہاں لگائے گئے ، اور وہ بڑی کثرت سے ہوئے ۔ صندل کا درخت جو فقط جزیروں کی پیداوار ہے ، یہاں کے باغوں میں بہت پھلا پھولا ۔

آگرے کے باشندے :

آگرے کے باشندے ہنر حاصل کرنے میں اور علم کی طلب میں بڑی کوشش کرتے ہیں ، اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اس شہر میں رہتے ہیں ۔

زنجیر عدل :

تخت نشین ہونے کے بعد جو حکم سب سے پہلے میں نے جاری کیا ، وہ زنجیر عدل کا نصب کرنا تھا ۔ اگر کارکنان عدالت ، ستم رسیدوں اور مظلوموں سے انصاف کرنے میں تغافل اور مداہنت برتیں تو مظلوم اور فریادی اس زنجیر عدل تک اپنے آپ کو پہنچا کر اسے ہلائیں تا کہ اس کی آواز سے مجھے آگاہی ہو ۔ اس زنجیر کی وضع اور ساخت یہ ہے کہ میں نے حکم دیا کہ ایک زنجیر خالص سونے کی بنائی جائے ، جس کا طول تیس گز ہو ، اور اس میں ساٹھ گھنٹیاں لگی ہوئی ہوں ، اس کا وزن چار من ہندوستانی ہو جو بتیس من عراق کے برابر ہوتا ہے ، اس کا

ایک سرا قلعۂ آگرہ کے شاہ [4] برج کے کنگرے میں ہو اور دوسرا سرا دریائے جمنا کے کنارے سنگ میل میں ، جو پہلے سے گڑا ہوا ہے ، باندھیں .

بارہ احکام :

میں نے بارہ حکم جاری کیے کہ تمام ممالک محروسہ میں اُن پر عمل کیا جائے اور انہیں 'دستور العمل' بنایا جائے :

اول یہ کہ تمغا اور میر بحری محصول اور دیگر غیر واجبی ٹیکس جو جاگیرداروں اور حکومت کے کارندوں نے اپنے ذاتی نفع کے لیے لگا رکھے ہیں ، بند کیے جائیں .

دوسرے یہ کہ جن راستوں میں چوری اور ڈاکے پڑتے ہوں ، اور وہ آبادی سے دور ہوں ، اُس نواح کے جاگیر دار اُن راستوں پر سرائیں ، مسجدیں اور کنویں بنوائیں تا کہ یہ راستے آباد ہوں ، اور لوگ اُن سراؤں میں آ کر مقیم ہوں ؛ اور اگر یہ راستے خالصوں سے قریب ہوں ، تو وہاں کے متصدّی یہ کام انجام دیں ؛ اور راستوں میں سوداگروں کا سامان بغیر اُن کی رضا اور اجازت کے نہ کھولیں .

تیسرے یہ کہ ممالک محروسہ میں جو کوئی کافر یا مسلمان مر جائے ، اُس کا مال و متاع اُس کے وارثوں کو دیا جائے ؛ کوئی عامل یا حکومت کا کارندہ اس میں دخل نہ دے ؛ اگر اُس کا کوئی وارث نہ ہو تو اُس کے مال کے ضبط کرنے کے لیے میر منشی اور خزانچی علٰحدہ مقرر کیے جائیں تا کہ اس طرح یہ مال مصارفِ شرعی ، یعنی مساجد اور سراؤں کی تعمیر ، ٹوٹے ہوئے پُلوں کی مرمت اور نئے کنوؤں کے بنوانے میں صرف ہو .

چوتھے شراب اور چاول دربھرہ (دلبھار ؟) شراب اور دوسری وہ نشہ آور چیزیں جن کی ممانعت ہے ، نہ بنائی جائیں اور نہ فروخت کی جائیں .

اگرچہ میں خود شراب پینے کا مرتکب ہوں اور اٹھارہ سال کی عمر سے اب تک ، جب کہ میری عمر اڑتیس سال کی ہو چکی ہے ، برابر پابندی سے شراب پیتا رہا ہوں . ابتدا میں جب میں شراب کے پینے کا

بہت شوقین تھا ، تو میں کبھی بیس پیالے تک دو آتشہ شراب کے پی لیتا تھا ، لیکن جب آہستہ آہستہ اس کا مضر اثر میری صحت پر پڑا تو میں اس عادت کو کم کرنے کی فکر میں پڑ گیا . سات سال پندرہ پیالے سے گھٹاتے گھٹاتے پانچ چھ پیالوں تک پہنچ گیا . میرے پینے کے اوقات بھی مختلف تھے ؛ بعض دفعہ شام ہونے سے تین چار گھنٹے پہلے پی لیتا ، اور بعض اوقات رات میں پیتا ، اور کبھی کبھی دن میں بھی پیتا یہاں تک کہ تیس سال تک اسی نہج پر پیتا رہا . اس کے بعد میں نے اپنی شراب خواری کا وقت رات کو مقرر کر لیا . ان دنوں میں شراب محض کھانے کو ہضم کرنے کے لیے پیتا ہوں .

پانچویں یہ کہ حکام کسی کے گھر مہمان نہ ٹھہریں .

چھٹے یہ کہ میں نے ممانعت کی کہ کسی جرم کی سزا میں کسی کے کان ناک نہ کاٹے جائیں اور خود بھی درگاہِ الٰہی میں نذر مانی کہ میں بھی اس سزا سے کسی کو عیب دار نہ کروں گا .

ساتویں میں نے حکم دیا کہ کوئی متصدی ، خالصہ یا جاگیردار رعایا کی زمین ظلم سے لے کر خود کاشت نہ کرے .

آٹھویں خالصہ کے عامل اور جاگیر دار ، جس پرگنے میں وہ ہوں ، بغیر اجازت حاصل کیے وہاں کے لوگوں میں رشتے داریاں نہ کریں .

نویں یہ کہ ہر بڑے شہر میں شفا خانے کھولے جائیں ، اور بیماروں کے علاج کے لیے طبیب مقرر کیے جائیں اور جو کچھ اس پر خرچ ہو ، اس کی ادائگی سرکاری خزانے سے ہونی چاہیے .

دسویں میں نے اپنے والد بزرگ وار کے طریقے کے مطابق حکم دیا کہ ہر سال اٹھارہ ربیع الاول (؟) سے ، جو میری پیدائش کا دن ہے ، میری عمر کے ہر سال سے ایک دن فرض کر کے ، اتنے دنوں تمام ممالک محروسہ میں ذبیحہ نہ کریں . ان دنوں کے علاوہ ہفتے میں دو دن اور بھی ذبیحے کی ممانعت کی ؛ ایک جمعرات کے دن کہ وہ میری تخت نشینی کا دن ہے ، دوسرے اتوار کے دن کہ وہ میرے والد کی پیدائش کا دن ہے . میرے والد اس دن کو اس وجہ سے بھی متبرک جان کر تعظیم کرتے تھے کہ یہ دن سورج سے نسبت رکھنے کے ساتھ

ساتھ دنیا کی پیدائش کا پہلا دن ہے ؛ نیز شروع ہی سے اسی دن تمام ممالک محروسہ میں ذبیحہ بند تھا ۔

گیارھویں میں نے عمومی طور پر حکم دیا کہ میرے والد کے زمانے کے نوکروں کے مناصب اور جاگیریں اسی طرح برقرار رہیں ؛ اور اس کے بعد ہر ایک کے منصب میں اس شخص کی حالت کے مطابق اضافہ کیا جائے ، یعنی جو دس بارہ کے تناسب سے کم اور دس چالیس کے تناسب سے زیادہ نہ ہو ، اور تمام احدیوں کے [5] روزینے کو دس پندرہ کے تناسب سے اور تمام شاگرد پیشوں کی تنخواہ کو دس بارہ کے تناسب سے بڑھا دیا جائے ، اور اپنے والد بزرگوار کے سراپردہ کے مکینوں کے وظائف اُن کی حیثیت اور اس نسبت کی نوعیت کے اعتبار سے ، جو وہ والد بزرگور سے رکھتی تھیں ، دس بارہ کے تناسب سے دس بیس کے تناسب تک بڑھا دیے ، اور تمام ممالک محروسہ کے رہنے والے ائمہ کی ، جوکہ دعا کا لشکر ہیں ، مدد معاش ، ان فرامین کے مطابق ، جو اُن کے پاس ہوں ، حسب سابق برقرار رکھی ، اور میراں صدر جہاں کو ، جو ہندوستان کے صحیح النسب سیدوں میں ہے اور میرے والد کے زمانے میں طویل مدت تک صدارت کا جلیل القدر منصب اس سے متعلق رہا ہے ، حکم دیا کہ ہر روز مستحق اور ضرورت مند لوگوں کی خبر گیری کیا کرے ۔

بارھویں : ان تمام قیدیوں کو جو طویل مدت سے قلعوں اور قید خانوں میں قید تھے ، میں نے بندی خانے سے رہا کر دیا ۔

سکّے :

نیک ساعت میں میں نے حکم دیا کہ سونے اور چاندی کے سکّے ڈھالے جائیں ۔ چنانچہ میرے حکم سے سونے اور چاندی کے مختلف سکے ، مختلف اوزان کے ڈھالے گئے اور ہر ایک کا میں نے الگ الگ نام رکھا : سو تولے کی مُہر کا نام نور شاہی اور پچاس تولے کی مُہر کا نور سلطانی اور بیس تولے کی مُہر کا نور دولت اور دس تولے کی مُہر کا نور کرم اور پانچ تولے کی مُہر کا نور مہر اور ایک تولے کی مُہر کا نور جہانی اور نصف تولے کی مُہر کا نورانی اور پاؤ تولے کی مُہر کا نام رواجی رکھا ۔

جو سکے چاندی کے ڈھالے گئے ، اُن میں میں نے سو تولے کے سکّے کا نام کوکب طالع ، پچاس تولے کے سکے کا نام کوکب اقبال اور بیس تولے کے سکے کا نام کوکب مراد اور دس تولے کے سکے کا نام کوکب بخت اور پانچ تولے کے سکّے کا نام کوکب سعد اور ایک تولے کے سکے کا نام جہانگیری اور نصف تولے کے سکے کا نام سلطانی اور پاؤ تولے کے سکے کا نام نثاری اور ایک تولے کے دسویں حصے کے سکے کا نام خیر قبول رکھا .

ان ہی وزنوں کے حساب سے تانبے کے سکّے بنائے گئے اور اُن میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نام رکھے گئے .

میں نے آصف خاں (٥) کو حکم دیا کہ وہ سو تولے ، پچاس تولے اور بیس تولے کی سونے کی مُہروں پر ایک طرف یہ شعر کندہ کرائے :

بخط نور بر زر کلک تقدیر
رقم زد شاہ نور الدیں جہانگیر

اور ان دونوں مصرعوں کے درمیانی فاصلے میں کلمۂ (طیبہ) نقش ہو اور مُہر کی دوسری طرف یہ شعر جس سے اجرا کی تاریخ نکلتی ہے ، کندہ ہو .

شد چو خور، زیں سکہ ، نورانی جہاں
"آفتاب مملکت" تاریخ آن ا
١٠١٤ھ

اور ان دونوں مصرعوں کے درمیان سکہ ڈھالنے کا مقام اور سال ھجری اور سال تخت نشینی ثبت ہو .

اور سکۂ نورجہانی پر جس کا معمولی مُہر کی جگہ چلن ہے اور وزن میں اس سے دس بارہ گونہ زیادہ ہے ، امیر الامرا کا یہ شعر کندہ کروایا :

روے زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ
شاہ نور الدیں جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

اس سکّے کے ایک جانب ایک مصرع اور دوسری جانب دوسرا مصرع لکھا گیا ؛ اور سکّے کے جاری ہونے کا مقام اور سنہ ھجری اور میری تخت نشینی کا سال نیز کندہ ہوا .

سکۂ جہانگیری کو ، جو وزن میں دس بارہ گونہ زیادہ ہے ، نور جہانی سکّے کے طرز پر ڈھالا گیا ؛ اور وزن میں ایک تولہ جو کہ ایران اور توران کے رائج اوزان کے حساب سے ڈھائی مثقال ہے .

سرسید نے مسٹر تھارن ہل (جج میرٹھ) کے ذریعے جہانگیری سکے حاصل کر کے مندرجہ ذیل عکس اپنے نسخے میں چھاپے ہیں:

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ماہ بہمن الٰہی ضرب سیسرام ۱۰۲۶

سکہ روپیہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ضرب
نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر بادشاہ
تیر الٰہی ضرب سورت سنہ

سکہ روپیہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ضرب
نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ماہ اردی بہشت الٰہی ضرب سیسرام

سکہ روپیہ
ز جہانگیر شاہ اکبر شاہ سنہ ۱۳
سکۂ قندھار شد دلخواہ

سکہ روپیہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ضرب حاپر
محمد جہانگیر بادشاہ غازی

سکہ روپیہ
جہانگیر شاہ اکبر شاہ
سکہ قندھار شد دلخواہ

سکہ اشرفی
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ
روئی زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ
۱۵ ضرب لاہور

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ماہ فروردی الٰہی ضرب جہانگیر نگر
سنہ ۵

سکہ روپیہ
ز نام شاہ جہانگیر شاہ اکبر نور
ہمیشہ باد ابر روئی سکہ لاہور۔ سنہ ۱۲

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
بہمن الٰہی ضرب برہانپور۔ سنہ ۱۰۲۰

سکہ روپیہ
نام شاہ جہانگیر شاہ اکبر نور۔ سنہ ۱۴
زہمیشہ باد ابر روی سکہ لاہور۔ ۱۰۲۸

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ماہ مہر الٰہی سنہ ۱۰۳۱—۱۸

سکہ روپیہ
ز نام شاہ جہانگیر شاہ اکبر نور۔ ۱۰۳۳
ہمیشہ باد ابر روے سکہ لاہور۔ سنہ ۱۹

سکہ روپیہ
نورالدین جہانگیر شاہ اکبر شاہ
ماہ آذر الٰہی ضرب سنہ ۱۰۳۲—۱۷

جلوس کی تاریخیں :

میری تخت نشینی کی جتنی تاریخیں کہی گئیں ، اُن سب کا لکھنا ضروری نہیں۔ میں فقط اُس تاریخ جلوس کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں جو مکتوب خاں داروغۂ کتاب خانہ نقاش خانہ نے ، جو میرے قدیم ملازموں میں سے ہے ، کہی تھی :

صاحب قرانِ ثانی ، شاہنشہِ جہانگیر
با عدل و داد بنشست بر تخت کامرانی
اقبال و بخت و دولت ، فتح و شکوہ و نصرت
پیشش کمر بخدمت بستہ بشادمانی
سالِ جلوس شاہی تاریخ شد ، چو بنہاد
اقبالِ سر بپائے ، صاحب قرانِ ثانی
۱۰ھ ۱۴

اُمرا کے مناصب اور تقرر :

میں نے اپنے [6] بیٹے خسرو کو ایک لاکھ روپیہ دیا کہ قلعے کے باہر منعم خان (۶) خانخاناں کے گھر کو اپنے لیے تعمیر کرائے۔

اور پنجاب کی عمل داری اور حکومت سعید خان (۷) کے سپرد کی ، جو میرے والد کے معتبر اُمرا اور قرابت داروں میں تھا ، اور مغل خاندان سے تھے اُس کے باپ دادا میرے باپ دادا کی خدمت کرتے رہے ہیں . اس کی روانگی کے وقت جب یہ چرچے ہوئے کہ اُس کے خواجہ سرا ظالم ہیں اور ماتحتوں اور مسکینوں پر ظلم کرتے ہیں تو میں نے اُسے پیغام بھیجا کہ ہمارا انصاف کسی پر ظلم کو روا نہیں رکھتا اور ہمارے انصاف کی ترازو میں چھوٹے اور بڑے کا فرق نہیں : اگر اس کے بعد اُس کے آدمیوں کی جانب سے کسی پر ظلم و ستم ہوگا تو وہ اپنی بے توجہی کی سزا پائے گا۔

شیخ فرید بخاری (۸) کو جو میرے والد کے عہد میں میر بخشی تھا ، خلعتِ مرصع اور شمشیرِ مرصع اور جڑاؤ دار قلم اور دوات دے کر اُسی خدمت پر بحال رکھا۔ اُس کی سر بلندی کے لیے میں نے کہا کہ میں تجھے صاحب سیف و قلم جانتا ہوں ۔

مقیم (۹) کو جسے میرے والد نے اپنے آخری زمانے میں وزیر خانی کا خطاب دے کر تمام ممالک محروسہ کی وزارت سے سر بلند کیا تھا، میں نے بھی اس کا وہی خطاب اور منصب قائم رکھا اور اپنی خدمت پر سرفراز کیا۔

خواجہ فتح اللہ (۱۰) کو بھی میں نے خلعت دے کر حسب سابق بخشی بنایا۔

اور عبدالرزاق معموری (۱۱) کو باوجود اس کے کہ میری شاہزادگی کے زمانے میں بغیر کسی سبب کے میری ملازمت چھوڑ کر میرے والد کے پاس چلا گیا تھا، میں نے حسب سابق بخشی بنا کر خلعت دیا۔

اور امین الدولہ (۱۲) جو میری شاہزادگی کے زمانے میں بخشی گری کی خدمت پر تھا اور میری اجازت کے بغیر میرے والد بزرگوار کی خدمت میں چلا گیا تھا، میں نے اس کے قصور کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے آتش بیگی (توپ چی) کی خدمت پر، جو وہ میرے والد کے زمانے میں انجام دیتا تھا، برقرار رکھا۔

اور میرے والد کے زمانے کے خدمت بجا لانے والے اور ان کی مہمات میں شریک ہونے والوں کو خواہ وہ باہر کے ہوں یا اندر کے، ان سب کو ان ہی خدمتوں پر کہ جن پر وہ میرے والد کے زمانے میں تھے، بحال رکھا۔

اور شریف خاں (۱۳) جو میرے بچپن سے بڑے ہونے تک کا ساتھی ہے، جسے میں نے اپنی شاہزادگی کے زمانے میں خانی کا خطاب دیا تھا، اور جب میں الہ آباد سے اپنے والد کی خدمت میں روانہ ہوا تھا تو اسے نقارہ، توغ (جھنڈا، علم) اور تومان (دس ہزار دینار) عنایت کر کے اور دو ہزار پانصدی کا منصب دے کر صوبۂ بہار کی حکومت اور اس علاقے کا نظم و نسق اس کے سپرد کر کے اسے وہاں روانہ کیا تھا، میری تخت نشینی کے پندرہ روز (؟)[1] بعد ۲۴ رجب ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) کو وہ میری ملازمت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آیا۔ اس کے آنے سے میرا دل بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ میرا ایسا خدمت گزار ہے کہ میں اس کو بمنزلہ اپنے بھائی، بیٹے، دوست اور مصاحب کے

---

[1]- بادشاہ کی تخت نشینی ۸- جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ کو ہوئی اور شریف خاں ۲۴- رجب کو اگر پہنچا تو ۱۵ روز کس طرح ہوتے ہیں۔

سمجھتا ہوں ۔ چونکہ میں اس کے اخلاص ، عقل ، دانائی اور تجربے پر کامل اعتماد رکھتا ہوں ، اس لیے میں نے اس کو وکیل اور وزیر اعظم بنا کر امیرالامرا کا خطاب دیا ، جس سے بڑھ کر ہمارے ہاں کوئی خطاب نہیں ہوتا ۔ اسی کے ساتھ اسے منصب پنج ہزار ذات و سوار سے سر بلند کیا ۔ اگرچہ اس کے عہدے اور منصب میں گنجائش تھی کہ اس میں اضافہ کیا جائے لیکن خود اس نے درخواست کی تھی کہ جب تک اس سے کوئی نمایاں خدمت سرانجام نہ ہو ، اس وقت تک اس سے زیادہ نہیں لے گا ۔

چونکہ میرے والد کے ملازمین سے ان کی صداقت اور اخلاص کا ابھی بظاہر کوئی مظاہرہ نہیں ہوا تھا ، لیکن ان میں سے بعض اپنی کی ہوئی خطاؤں ، بد خواہیوں اور برے ارادوں پر ، جن کا پورا ہونا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کو پسند نہ تھا ، خود بخود نادم اور شرمندہ تھے ، اس لیے میں نے اپنی تخت نشینی کے دن ان سب کو معاف کر کے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ ان سے گزشتہ امور کی باز پرس نہیں کی جائے گی ۔ پھر بھی جو کچھ خدشات ان کی جانب سے میرے دل میں بیٹھے ہوئے تھے ، ان کے سلسلے میں امیرالامرا پر مجھے بھروسا تھا اور میں ان کو اپنا محافظ اور نگہبان سمجھتا تھا ۔ ہر چند کہ [7] تمام بندوں کا نگہبان خدائے تعالیٰ ہے ، اور خصوصاً بادشاہوں کا کہ جن کا وجود دنیا کے لیے فلاح و بہبود کا سبب ہے ۔

شریف خان کا والد خواجہ عبدالصمد (۱۴) تصویر کشی میں اپنے زمانے میں بے مثل تھا اور اس نے حضرت جنت آشیانی سے شیریں قلم کا خطاب پایا تھا ، اور ان کی مجلس میں ہم نشینی اور مصاحبت کا مرتبہ رکھتا تھا ، وہ شیراز کے شرفا میں سے تھا اور میرے والد بزرگ وار اس کی دیرینہ خدمات کی وجہ سے ، اس کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے ۔

راجہ مان سنگھ (۱۵) جو میرے والد کے معتبر اور معتمد امرا میں تھا ، اور جسے میرے عظیم الشان خاندان سے نسبت اور رشتے کا شرف حاصل تھا ، یعنی اس کی پھوپھی میرے والد سے بیاہی ہوئی تھی اور اس کی بہن کی شادی مجھ سے ہوئی تھی ، میری اولاد میں خسرو جو میرا پہلا فرزند ہے ، اور اس کی بہن سلطان النسا بیگم اسی سے پیدا ہوئے ، میں نے اس کو حسب سابق صوبۂ بنگال کا حاکم بنایا ، باوجود اس کے کہ بعض امور اس سے ایسے سرزد

ہوئے تھے کہ جس کی بنا پر وہ اپنے حق میں اس لطف و کرم کا گمان بھی نہ رکھتا تھا ، اور اُسے خلعت چارقب اور جڑاؤ تلوار اور خاصے کے گھوڑے سے سرفراز کر کے صوبۂ بنگال کی طرف روانہ کیا جو پچاس ہزار سواروں کے قیام کی جگہ ہے ۔

راجا مانسنگھ کے باپ کا نام راجا بھگوان داس اور دادا کا نام راجا بہارا مل (۱۶) تھا ۔ کچھواھہ راجپوتوں میں سب سے پہلے میرے والد کی ملازمت کا شرف جس نے حاصل کیا ، وہ راجا بہارا مل تھا ۔ سچائی ، خلوص اور بہادری میں وہ پوری قوم میں خاص مقام رکھتا تھا ۔

رانا کی مہم اور پرویز کی روانگی :

میری تخت نشینی کے بعد چونکہ تمام اُمرا اپنے گروہوں کے ساتھ دربار میں حاضر تھے ، میرے دل میں خیال آیا کہ اس پورے لشکر کو اپنے فرزند سلطان پرویز کی ماتحتی میں رانا (۱۷) کے ساتھ ، جو ہندوستان کے بدکردار کافروں میں پلید ترین اور سخت ترین کافر تھا ، جنگ کرنے کے لیے بھیجا جائے ۔ میرے والد کے زمانے میں کئی مرتبہ اس پر فوجیں متعین کی گئی تھیں لیکن اُس کا دفعیہ نہیں ہو سکا تھا ۔

چنانچہ میں نے نیک ساعت میں سلطان پرویز کو قیمتی خلعت ، مرصّع تلوار ، جڑاؤ خنجر ، موتیوں کی ایک تسبیح جس کی لڑی میں قیمتی لعل پروئے ہوئے تھے اور جس کی قیمت بہتّر ہزار روپے تھی ، عراقی اور ترکی گھوڑے اور مشہور ہاتھی دے کر رخصت کیا ۔ اور تقریباً بیس ہزار سوار کیل کانٹے سے مسلّح ، نامی گرامی اُمرا اور سرداروں کے ساتھ اس خدمت پر متعین کیے گئے :

اول : آصف خان کو ، جو میرے والد کے عہد حکومت میں ان کے مقرّب ملازموں میں تھا ، اور ایک مدت تک بخشی گری کی خدمات انجام دینے کے بعد مستقل دیوان ہو گیا تھا ، اس کو ترقی دے کر امارت کے مرتبے سے وزارت کے مرتبے پر پہنچا دیا ۔ اور اُس کا منصب بھی دو ہزار پانصدی سے بڑھا کر پانچ ہزاری کر دیا ؛ نیز اُسے خلعت ، مرصّع تلوار اور گھوڑے اور ہاتھی سے سرفراز کر کے پرویز کا اتالیق مقرر کیا ، اور حکم دیا کہ چھوٹے بڑے تمام منصب دار اُس کے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کریں ۔ عبدالرزاق معموری کو بخشی اور آصف خان کے چچا مختار بیگ کو پرویز کا دیوان بنایا ۔

دوم : راجا جگن ناتھ (۱۸) بن راجا بھارا مل کو جس کا منصب پانچ ہزاری تھا ، خلعت اور مرصّع تلوار سے نوازا ۔

دیگر : رانا شنکر (۱۹) کو جو کہ رانا کا چچا زاد بھائی ہے ، اور جسے میرے والد نے رانا کا خطاب دیا تھا ، اور چاہتے تھے کہ اسے خسرو کے ساتھ رانا کے مقابلے کے لیے بھیجیں ، لیکن اسی زمانے میں انھوں نے وفات پائی ، میں نے اس کو خلعت اور مرصّع تلوار دے کر خسرو کے ہمراہ کیا ۔

اس کے علاوہ راجا مان سنگھ کے بھتیجے مادھو سنگھ (۲۰) اور راول سال (۲۱) درباری کو جو سیکھاوٹ کے راجپوتوں میں تھے اور ہمیشہ دربار میں حاضر رہتے تھے ، اور میرے والد کے قابل اعتماد خدمت گزاروں میں تھے ، ان دونوں کو جھنڈے عطا کیے اور یہ دونوں سہ ہزاری کے منصب سے سرفراز تھے ۔

نیز شیخ رکن الدین افغان کو ، جسے میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں شیر خاں کا خطاب دیا تھا ، پانصدی کے منصب سے بڑھا کر تین ہزار و پانصدی کے منصب پر ممتاز کیا ۔ شیر خاں خاندانی اور نہایت بہادر انسان ہے ،[8] ازبکوں (۲۲) کی لڑائی میں اس کا ہاتھ جاتا رہا تھا ۔

شیخ عبدالرحمن (۲۳) بن شیخ ابوالفضل اور راجا مانسنگھ کے پوتے مہاسنگھ (۲۴) اور زاہد خاں ولد صادق خاں (۲۵) ، وزیر جمیل (۲۶) اور قرا خان ترکمان دو ہزاری منصب رکھتے ہیں ، میں نے ان کو خلعت اور گھوڑے دے کر رخصت کیا ۔

منوہر (۲۷) جوکہ سیکھاوٹ کے کچھواہوں کی قوم سے ہے ۔ میرے والد اس کے ساتھ بچپن ہی سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے ۔ فارسی زبان جانتا ہے ۔ باوجود اس کے کہ اس کے پورے قبیلے میں ابتدا سے آج تک کوئی آدمی ذہین اور صاحب ادراک پیدا نہیں ہوا ہوگا ، لیکن یہ خود فہم بھی رکھتا ہے اور فارسی میں شعر کہتا ہے ۔ یہ شعر اس کا ہے :

غرض ز خلقت سایہ همیں بود کہ کسے
بنور حضرت خورشید پاے خود ننہد

اس کو بھی اسی مہم پر روانہ کیا ۔

اگر ان تمام منصب داروں اور لوگوں کی تفصیل بیان کی جائے جو مہم مذکورہ پر متعین کیے گئے ، اور ہر ایک کا حال ، اس کا تعلق اور منصب بیان

کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی ۔ مختصر یہ ہے کہ بہت سے قرابت داروں، نزدیکی خدمت گاروں ، اُمرا زادوں ، خان زادوں اور جنگ جُو راجپوتوں نے اس مہم میں شریک ہونے کی التجا کی ، ان سب کو متعین کیا گیا ۔ نیز ایک ہزار احدی (۲۸) بھی ، جن سے مراد یکّہ ہے ، مقرر ہوئے ۔ مختصر یہ کہ اس طرح سے فوج مرتب کی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی تو رانا تو کیا ہے ، ہر طاقت‌ور بادشاہ سے یہ لشکر لڑائی اور جنگ میں ٹکر لے سکے گا :

سپاهی فراز آمد از هر کران
برزم از یلانِ جهان جانستان

نه از مرگِ شان بیم بر تیغ تیز
نه از آب باک و نه زآتش گریز

بمردی یگانه بکوشش گروه
بر زخم سندان بر حمله کوه

مُہرِ شاہی کی سپردگی :

میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں انتہائی احتیاط کی بنا پر اپنی شاہی مُہر (اوزک) (۲۹) امیر الامرا (شریف خان) کے سپرد کی تھی ۔ پھر امیر الامرا کے صوبۂ بہار کی طرف رخصت ہونے پر میں نے یہ مُہر پرویز کے سپرد کی ۔ اب جب کہ پرویز رانا کی مہم پر روانہ ہوا تو میں نے حسبِ سابق یہ مُہر پھر سے امیر الامرا کے سپرد کر دی ۔

اولاد اور ان کی مائیں :

پرویز ، زین خان کی بیٹی (۳۰) صاحب جمال کے بطن سے ہے جو نسب میں میرزا عزیز کوکہ (۳۱) کے ہم مرتبہ تھا ۔ عرش آشیانی کی حکومت کے چونتیسویں سال اور خسرو کی پیدائش سے دو سال دو مہینے بعد کابل میں پیدا ہوا ۔ اس کے بعد بعض اور لڑکے ، لڑکیاں پیدا ہوئے اور وفات پا گئے ، پھر کرم سی (۳۲) سے ، جو راٹھور خاندان سے تعلق رکھتی ہے ، بہار بانو بیگم (۳۳) پیدا ہوئی ۔

شہزادۂ خرم کی پیدائش :

میرے والد بزرگوار کی تخت نشینی کے چھتیسویں سال ، جو ۹۹۹ھ (۹۱-۱۵۹۰ع) (۳۴) کے مطابق تھا ، لاہور میں موٹھ راجا کی لڑکی جگت گسائیں کے بطن سے شاہزادہ خرم نے پیدا ہو کر عالم کو اپنے وجود سے خرم بنایا ؛ اور آہستہ آہستہ عمر کے ساتھ ساتھ اقبال مندی کے آثار اس سے ظاہر ہوتے گئے ۔ وہ میرے والد بزرگوار کی ، میری تمام اولاد میں ، سب سے زیادہ خدمت کرتا تھا اور میرے والد بھی اُس سے اُس کی خدمت اور سعادت مندی کی وجہ سے بہت خوش اور شاکر تھے اور ہمیشہ خرم کی سفارش مجھ سے کرتے رہتے تھے ۔ بارہا اُنھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تمھاری دوسری اولاد کو اس سے کوئی نسبت نہیں ، میں اسے اپنا حقیقی بیٹا سمجھتا ہوں ۔

خرم کے بعد بعض اور بچے پیدا ہوے جو بچپن ہی میں رحمت حق سے پیوست ہو گئے ۔

جہاندار اور شہریار کی ولادت :

پھر ایک مہینے کے اندر اندر دو لڑکے میری خواصوں کے بطن سے پیدا ہوے ؛ میں نے ایک کا نام جہاندار اور دوسرے کا نام شہریار (۳۵) رکھا ۔

میرزا غازی کی بہن کی نسبت :

انھیں دنوں میں سعید خاں کی عرضداشت میرزا غازی (۳۶) کی ، جو ٹھٹھے کے حاکم زادوں میں سے ہے ، رخصت کے سلسلے میں پہنچی ۔ میں نے اُسے کہلوا بھیجا کہ میرے والد نے میرزا غازی کی بہن کو میرے لڑکے خسرو سے نامزد کیا تھا ، لہذا جب اُس کی شادی ہو جائے گی تو میں میرزا غازی کو جانے کی اجازت دے دوں گا ۔

بادشاہ بننے [9] سے ایک سال پہلے میں نے اپنے دل میں طے کیا تھا کہ میں جمعہ کی رات کو شراب نہیں پیوں گا ۔ بارگاہِ الٰہی میں میری دعا ہے کہ خدا وند تعالیٰ مجھے اپنے اس عہد پر آخرِ حیات تک ثابت قدم رکھے ۔

میں نے بیس ہزار روپے محمد رضا سبزواری کو دیے تا کہ دہلی کے فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرے ۔

وزارت کی تقسیم :

میں نے نصف ملک کی وزارت خان بیگ (۳۷) کو دی جسے میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں وزیر الملک کے خطاب سے سربلند کیا تھا ، اور باقی نصف ملک کی وزارت وزیر خان[1] کے سپرد کی ، اور شیخ فرید بخاری کا منصب چار ہزاری سے بڑھا کر پانچ ہزاری کر دیا ۔ رام داس کچھواہہ (۳۸) کو ، جسے میرے والد کے زمانے میں رعایتیں حاصل تھیں اور دو ہزاری منصب رکھتا تھا ، میں نے تین ہزاری کے منصب سے سرفراز کیا ۔

اور میرزا رستم (۳۹) بن سلطان حسین حاکم قندھار بن میرزا بہرام بن شاہ اسماعیل صفوی اور عبدالرحیم خانخاناں ولد بیرم خان کو اور اس کے بیٹے ایرج (۴۰) اور داراب (۴۱) کو اور دکن میں متعین دوسرے امرا کو خلعت بھیجے ۔

عبدالرحمٰن موید بیگ کے بیٹے برخوردار کو ، جو بغیر طلب کیے ہوئے دربار میں حاضر ہو گیا تھا ، حکم دیا کہ وہ اپنی جاگیر کی طرف لوٹ جائے ۔

از ادب دور است رفتن بے طلب در بزمِ شاہ
ورنہ پائے شوق را مانع در و دیوار نیست

میری تخت نشینی کو ایک ماہ گزرا تھا کہ لالہ بیگ نے جسے میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں باز بہادر کا خطاب دیا تھا ، حاضرِ خدمت ہونے کی سعادت حاصل کی ۔ میں نے اس کے منصب کو جو ایک ہزار پانصدی تھا ، بڑھا کر چار ہزاری کر دیا اور اسے صوبۂ بہار کی صوبداری سے سرفراز کیا ، اور بیس ہزار روپے میں نے اس کو دیے ۔ باز بہادر ہمارے گھرانے کے خاص آدمیوں میں سے ہے ۔ اس کے باپ کا نام نظام تھا جو حضرت جنت آشیانی کا کتاب دار تھا ۔

کیشو داس مارو (۴۲) کو جو میرٹھ کے راجپوتوں میں سے ہے اور اپنے ہم عصروں سے اخلاص میں سبقت لے گیا ہے ، میں نے ہزار و پانصدی کا منصب دے کر اس کے اصل اور مرتبے میں اضافہ کیا ۔

علما کو حکم :

میں نے علما اور علومِ اسلامیہ کے جاننے والوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مفرد نام ، جو یاد کرنے میں آسان ہوں جمع کریں ، تا کہ میں ان ناموں

کو اپنا ورد بناؤں ؛ اور ہر جمعہ کی رات کو عالموں ، صالحوں اور درویشوں اور گوشہ نشینوں کی صحبت میں رہوں .

قلیچ خاں (۴۳) کو جو میرے والد کے قدیم خدمت گزاروں میں تھا ، میں نے صوبۂ گجرات کی حکومت دی اور ایک لاکھ روپے مدد خرچ کے طور پر عنایت کیے .

میراں صدر جہاں (۴۴) جو میرے بچپن کے زمانے میں ، اس وقت جب کہ شیخ عبدالنبی (۴۵) سے کہ جن کے حالات تفصیل کے ساتھ اکبر نامے میں بیان کیے گئے ہیں ، چہل حدیث پڑھتا تھا اور انھیں اپنا خلیفہ سمجھتا تھا ، آج تک اخلاص اور یک جہتی کی منزل میں مستحکم تھا ، اس کا منصب دو ہزاری سے بڑھا کر چار ہزاری کر دیا . میری شاہزادگی کے زمانے میں میرے والد بزرگوار کی بیماری سے پہلے اور بیماری کے زمانے میں ، جب کہ حکومت کے ارکان اور صاحب اقتدار امرا کی رائے متزلزل ہو چکی تھی اور ہر ایک کے سر میں سودا سمایا تھا ، اور ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ ایسے اسباب اختیار کیے جائیں کہ جن کا نتیجہ حکومت کی بربادی کے سوا کچھ اور نہ نکلے ، اس زمانے میں بھی صدر جہاں نے دوڑ دھوپ اور خدمت گزاری اور جاں نثاری میں کوئی کمی نہیں چھوڑی .

غیاث بیگ (۴۶) جو میرے والد کی حکومت کے زمانے میں ایک طویل عرصے تک دیوان بیوتات تھا اور ہفت صدی کا منصب رکھتا تھا ، میں نے اسے وزیر خاں کی جگہ نصف ممالک محروسہ کی وزارت دے کر اعتماد الدولہ کا خطاب اور ہزار و پانصدی منصب سے سر بلند کیا ، اور وزیر خاں کو صوبۂ بنگال کی دیوانی پر متعین کر کے وہاں کے محاصل جمع کرنے پر لگایا .

پتر داس (۴۷) جس نے میرے والد کے زمانے میں رای رایاں کا خطاب پایا تھا ، اسے راجا بکرماجیت کا خطاب دے کر اپنا میر آتش (۴۸) مقرر کیا . بکرماجیت [10] ہندوستان کے معتبر راجاؤں میں تھا جس کے زمانے میں ہندوستان کے اندر رصدگاہ بنائی گئی تھی . میں نے حکم دیا کہ ہمیشہ اس ساتھ کے توپخانے میں اس کے ساتھ پچاس ہزار توپچی اور تین ہزار توپ گاڑیاں فرائض کے انجام دینے کے لیے ہر وقت مستعد اور تیار رہا کریں . بکرماجیت کھتری خاندان سے ہے . میرے والد کے زمانے میں وہ فیل خانے کے میر منشی سے ترقی کر کے

دیوانی اور امرائی کے مرتبے تک پہنچا تھا ۔ مردانگی اور تدبیر کے توشے سے یہ خالی نہیں ہے ۔

بیرم خان جو خان اعظم کا بیٹا ہے ، دو ہزاری منصب رکھتا تھا ۔ میں نے اس کا منصب بڑھا کر دو ہزار پانصدی کر دیا ۔

چونکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اکثر اکبری اور جہانگیری عہد کے خدمت گزار اپنے مقصد اور مرادوں میں کامیاب ہوں ، اس لیے بخشیوں کو حکم دیا کہ جو لوگ اپنے وطن میں جاگیریں چاہتے ہوں ان کی مجھے اطلاع دی جائے ، تا کہ توزہ (۴۹) اور قانون چنگیزی کے مطابق وہ مقامات ال تمغا کے ساتھ ان کو جاگیر میں دے دئیے جائیں ، جس کی وجہ سے وہ جاگیریں تغیر و تبدل سے محفوظ رہیں گی ۔

جاگیر دینے کا طریقہ :

ہمارے آبا و اجداد جس کسی کو جاگیر عطا فرماتے تھے ، بطور ملکیت کے عطا کرتے تھے اور اس کے فرمان کو ال تمغا کی مُہر سے مزین کرتے تھے ۔ ال تمغا (۵۰) وہ مُہر ہے کہ جسے شنجرف کے ساتھ کاغذ پر لگایا جاتا ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ مہر لگانے کی جگہ کو طلائی کر کے اس پر یہ مہر لگائی جائے اور میں نے اس کا نام التون تمغا (۵۱) رکھا ۔

میرزا سلطان (۵۲) میرزا شاھرخ کا بیٹا اور میرزا سلیمان کا پوتا ہے ، جو سلطان ابوسعید کی اولاد سے ہے اور ایک مدت تک بدخشان کا حاکم تھا ۔ یہ اپنے باپ کی قابل ترین اولاد میں سے ہے ۔ میں نے اپنے والد سے خاص التماس کر کے اسے اپنی خدمت میں لے لیا تھا اور پرورش کر کے بڑا کیا ۔ میں اسے اپنے بیٹوں کے زمرے میں شمار کرتا ہوں ۔ میں نے اسے ایک ہزاری کے منصب سے سرفراز کیا ۔

راجا مانسنگھ کے بیٹے بھاؤ سنگھ (۵۳) کو ، جو اس کی اولاد میں سب سے زیادہ قابل ہے ، میں نے ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز کر کے اصل اور اضافے سے ممتاز کیا ۔

مہابت خاں کا عروج :

غیور بیگ کابلی کا بیٹا زمانہ بیگ جو میرے بچپن میں میری چیزوں کے اٹھانے اور رکھنے کی خدمت انجام دیتا تھا ، اور میری شاہ زادگی کے زمانے میں احدی کے مرتبے سے پانصدی کے منصب تک پہنچا تھا ، میں نے اسے مہابت خاں (۵۴) کا خطاب دے کر ہزار و پانصدی کے منصب سے امتیاز بخشا اور شاگرد پیشوں کی بخشی گری کے عہدے پر اسے مقرر کیا ۔

راجا نرسنگھ دیو (۵۵) جو بندیلے کے راجپوتوں میں سے ہے اور جو میرے رعایت پائے ہوؤں میں ہے ، اور بہادری ، نیک مزاجی اور سادہ لوحی میں اپنے ہم عصروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے ، اسے سہ ہزاری کا منصب دیا ۔ اسے رعایت اور ترقی دینے کی خاص وجہ یہ ہے کہ :

شیخ ابو الفضل کا قتل :

میرے والد بزرگوار کی حکومت کے آخری زمانے میں شیخ ابو الفضل کو جو ہندوستان کے شیخ زادوں میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتا تھا ، اور جس نے اپنے آپ کو ظاہری خلوص سے آراستہ کر کے میرے والد سے بہت بڑی قیمت وصول کی ہوئی تھی ، اسے دکن کے صوبے سے میرے والد نے اپنے پاس طلب کیا ۔ چونکہ اس کا دل مجھ سے صاف نہ تھا اس لیے ہمیشہ میرے خلاف ظاہر اور پوشیدہ لگائی بجھائی کرتا رہتا تھا ، اور فتنہ پردازوں کی اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے میرے والد بزرگ وار کا دل انہیں دنوں مجھ سے صاف نہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر ابو الفضل ان تک پہنچ گیا تو وہ ان کی کدورت اور زیادہ کر دے گا ، اور مجھے ان کی ملاقات کی سعادت سے محروم ہونا پڑے گا ۔ چونکہ نرسنگھ دیو کا علاقہ ابو الفضل کے راستے میں پڑتا تھا اور اس کا شمار ان دنوں سرکشوں کے زمرے میں ہوتا تھا ، میں نے اسے پیغام بھیجا کہ اگر وہ راستے میں مفسد اور فتنہ انگیز شیخ ابو الفضل کو روک کر قتل کر دے تو میں اسے پوری پوری رعایتیں دوں گا ۔ توفیق اس کے شامل حال ہوئی اور جب ابو الفضل اس کے علاقے سے گزرنے لگا ، تو اس نے راستہ روک کر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس کے آدمیوں کو منتشر کر دیا اور شیخ ابو الفضل کو قتل کر کے ۱۰۱۱ھ میں اس کا سر الٰہ آباد میرے پاس بھجوا دیا ۔

اگرچہ یہ بات [11] حضرت عرش آشیانی کی رنجش کا سبب بنی لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے کسی دغدغے اور خدشے کے بغیر اپنے والد کے دربار میں پہنچ کر قدم بوسی کا ارادہ کیا اور میرے وہاں پہنچنے پر تمام کدورتیں صفائی سے بدل گئیں ۔

میر ضیاء الدین قزوینی (۵۶) کو جس نے میری شاہ زادگی کے زمانے میں بہت سی خدمات اور خیر خواہی کے بہت سے کام انجام دیے تھے، میں نے اسے ایک ہزاری کا منصب دیا ؛ اور داروغۂ اصطبل کو حکم دیا کہ ہر روز تیس گھوڑے انعام میں دینے کے لیے تیار رکھے ۔

میرزا علی اکبر شاہی کو ، جو دھلی کے عالی خاندان سے تعلق رکھتا ہے ، چار ہزاری منصب سے سرفراز کیا اور سنبھل کا علاقہ اس کی جاگیر میں دیا ۔

امیرالامرا کی حکیمانہ بات :

ایک روز امیر الامرا نے کسی تقریب کے موقع پر ایک بات مجھ سے کہی جو مجھے بہت پسند آئی ۔ اس نے کہا کہ ایمان داری اور بے ایمانی روپے پیسے اور جنس پر منحصر نہیں ، بلکہ اپنوں میں وہ اوصاف بیان کرنا جو ان میں نہ ہوں اور غیروں کی قابلیت اور خوبیوں کو چھپانا جو ان میں موجود ہوں ، یہ بھی بددیانتی ہے ۔ بے شک اس کی یہ بات صحیح ہے ، مصاحبوں کو چاہیے کہ وہ اپنوں اور بیگانوں میں فرق نہ کریں اور ہر ایک کا صحیح حال جیسا کہ وہ ہے ، بیان کریں ۔

پرویز کو نصیحتیں :

میں نے پرویز کو رخصت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر رانا اپنے بڑے بیٹے کرن (۵۷) کے ساتھ حاضر ہو کر اطاعت اور بندگی اختیار کرے تو اس کی مملکت میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے ۔ اس سفارش کے دو وجوہ تھے ؛ ایک تو یہ کہ ہمیشہ میرے والد بزرگوار کے دل میں ماوراء النہر کی مملکت کے فتح کرنے کا خیال رہا اور جب بھی انھوں نے اس کا ارادہ کیا ، کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آ گئی ۔ میرا خیال تھا کہ اگر رانا کی مہم کوئی مناسب صورت اختیار کر لے اور میرے دل سے یہ خدشہ دور ہو جائے تو پرویز کو ہندوستان

میں چھوڑ کر میں خود خدا کی مہربانی اور مدد سے اپنے موروثی ملک کا رُخ کروں گا ۔ خصوصاً آج کل کہ اُس سر زمین میں کوئی مستقل بادشاہ نہیں ہے۔

باقی خاں جو عبداللہ (اوزبک) (۵۸) اور اُس کے بیٹے عبدالمومن کے بعد وھاں کا مستقل حاکم بن گیا تھا ، وہ بھی مر چکا ہے اور اُس کا بھائی ولی محمد جو اس وقت وھاں کا حاکم ہے ، ابھی تک حکومت کو منتظم اور مستحکم نہیں کر سکا ہے ۔ دوسرے یہ کہ دکن کی مہم کو سر انجام دینا ہے ، جس کا ایک حصہ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا ۔ میرا ارادہ ہے کہ اس ملک کو حق سبحانہ تعالٰی کی عنایت و توفیق سے ایک بار اپنے تصرف میں لا کر ممالک محروسہ میں داخل کروں ۔ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ یہ دونوں ارادے پورے ہوں گے ؎

هفت اقلیم ار بگیرد پادشاہ
همچنان در بندِ اقلیم دگر

میرزا شاہ رخ کو ھفت ھزاری کا منصب :

میرزا شاہ رخ (۵۹) میرزا سلیمان ، حاکم بدخشاں کا پوتا جو میرے گھرانے سے قریبی قرابت رکھتا ہے ، اور میرے والد کی ملازمت میں اس کا منصب پانچ ھزاری تھا ، میں نے اس کو سات ھزاری کے منصب سے ممتاز کیا تھا ۔ میرزا بہت ترکانہ طبیعت کا مالک اور سیدھا سادہ انسان ہے ۔ میرے والد اس کی بہت عزت کرتے تھے ۔ جب کبھی وہ اپنے بیٹوں کو بیٹھنے کا حکم دیتے تھے تو اُسے بھی اُن کے ساتھ اس عنایت سے سر بلند کرتے تھے ۔ باوجود فتنہ و فساد برپا کرنے والے بدخشانیوں کے جنھوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا ، میرزا بدخشانیوں کے بہکانے میں نہیں آیا اور کبھی کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جو دلی کدورت کا باعث ہو ۔ میں نے اس کے لیے صوبہ مالوہ کو جو میرے والد نے اس کو مرحمت کر رکھا تھا ، حسب سابق برقرار رکھا ۔

خواجہ عبداللہ :

خواجہ عبداللہ جو سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے ، ابتدائے ملازمت میں وہ احدی تھا اور رفتہ رفتہ اُس کا منصب ایک ھزاری تک پہنچا ۔ وہ بے وجہ میری

ملازمت چھوڑ کر میرے والد کی خدمت میں چلا گیا تھا ، اگرچہ میں اس کو اپنی سعادت جانتا تھا کہ میرے ملازم اور میرے آدمی اُن کی خدمت میں جائیں ، لیکن چوں کہ اس سے یہ عمل میری اجازت کے بغیر سرزد ہوا تھا ، اس لئے میرے دل میں اس سے ہلکی سی گرانی تھی ۔ اس ناراضگی کے باوجود میں نے اس کے سابقہ منصب [12] اور جاگیر کو قائم رکھا ۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ کام کا آدمی ہے ، اگر اس سے یہ قصور سرزد نہ ہوتا تو وہ ایک بے عیب جوان مرد تھا ۔

ابوالنبی اوزبک (۶۰) کو جو ماوراء النہر کے سرکردہ لوگوں میں سے ہے اور عبدالمومن خان کی حکومت کے زمانے میں مشہد کا حاکم تھا ، ایک ہزار پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا ۔

مقرّب خان :

شیخ بہا (بھینا ؟) (۶۱) کا بیٹا شیخ حسن جو بچپن سے لے کر آج تک میری ملازمت اور خدمت میں تھا ، اور میری شاہ زادگی کے زمانے میں مقرّب خان (۶۲) کے خطاب سے سر بلند تھا اور خدمت کرنے میں وہ بہت چست و چالاک تھا ، شکار میں وہ میرے آگے میلوں پیدل چلتا تھا ؛ تیر اور بندوق خوب چلاتا ہے اور جرّاحی میں اپنے زمانے کے اہل کمال میں سے ہے ۔ اس کے باپ دادا بھی اس فن میں خوب مہارت رکھتے تھے ، میں نے تخت نشینی کے بعد اس اعتماد کی بنا پر جو میں اس پر رکھتا ہوں ، اسے اپنے بھائی دانیال کے اہل و عیال کو لانے کے لیے برھان پور بھیجا ۔ اور اس کے ذریعے سے خانخانان کو اونچ نیچ کی باتیں سمجھاتے ہوئے فائدہ مند نصیحتوں کا پیغام بھیجا ۔ مقرّب خان نے تھوڑے ہی عرصے میں اس خدمت کو مناسب طور پر سر انجام دیا ، اور اُن تمام وساوس و خدشات کو جو خانخانان اور وہاں کے اُمرا کے دل میں گھر کیے ہوئے تھے ، دور کر کے میرے بھائی کے متعلقین کو صحت و سلامتی اور اُن کے ساز و سامان اور مال و اسباب کے ساتھ لاہور لا کر میرے سامنے پیش کیا ۔

نقیب خان :

نقیب خان (۶۳) جو قزوین کے صحیح النسب سیدوں میں سے ہے اور جس کا نام غیاث الدین علی ہے ، میں نے اسے ایک ہزار و پانصدی کے منصب

سے سرفراز کیا ۔ میرے والد نے اس کو نقیب خاں کے خطاب سے امتیاز بخشا تھا ؛ وہ ان کی خدمت میں بہت تقرب اور اعزاز رکھتا تھا ۔ میرے والد نے اپنی ابتدائی تخت نشینی کے زمانے میں اس سے کچھ ابتدائی سبق پڑھے تھے (۶۴) اس مناسبت سے وہ اس کو اخوند کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔ علم تاریخ اور اسمائے رجال میں وہ اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتا ؛ آج اس جیسا مورخ دنیا میں نہیں ۔ ابتدائے پیدائش سے لے کر آج تک کے دنیا کے حالات اسے بر زبان ہیں ۔ ایسا حافظہ شاید ہی کسی کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے ۔

شیخ کبیر (۶۵) کو جو حضرت شیخ سلیم کے سلسلے سے تعلق رکھتا ہے ، اس کی شجاعت اور مردانگی کی بنا پر میں نے اپنی شاہ زادگی کے زمانے میں شجاعت خانی کے خطاب سے نواز تھا ، اس وجہ سے میں نے اسے اب ایک ہزاری منصب سے ممتاز کیا ۔

بھگوان داس کے بیٹوں کی ناپسندیدہ باتیں :

ستائیسویں شعبان ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۴ع) کو راجا مان سنگھ کے چچا راجا بھگوان داس کے پوتوں اور اکھیراج کے بیٹوں سے ایک عجیب حرکت سرزد ہوئی ۔ ان بد نصیبوں سے جن کے نام ابھی رام ، بجے رام اور شیام رام تھے ، نہایت بے اعتدالیاں سرزد ہوئیں ۔ باوجود اس کے کہ مذکورہ ابھی رام سے بہت سی ناپسندیدہ باتیں ظاہر ہو چکی تھیں ، لیکن میں اس کی خطاؤں سے چشم پوشی کیے ہوئے تھا ۔ مذکورہ بالا تاریخ کو مجھ سے بیان کیا گیا کہ یہ بد نصیب چاہتا ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو بغیر اجازت وطن لے جائے ، اور اس کے بعد خود بھی بھاگ کر شاہی خاندان کے بد خواہ رانا کے پاس پناہ لے ۔ میں نے رام داس (۶۶) اور دوسرے راجپوت امرا سے کہا کہ ؛ اگر تم میں سے کوئی ان کا ضامن ہو تو میں ان بدبختوں کی گزشتہ خطاؤں کو معاف کر کے ان کے منصب اور جاگیر کو بحال رکھوں گا لیکن ان کی بدباطنی کی وجہ سے کوئی بھی ان کا ضامن نہ ہوا ۔ میں نے امیرالامرا سے کہا کہ جب کوئی بھی ان بدبختوں کی روش اور رویے کی وجہ سے ان کی ضمانت پر راضی نہیں ہوتا ، اس لیے جب تک یہ ضامن نہ لائیں ، انھیں کسی درباری کی نگرانی میں رکھا جائے ۔ امیرالامرا نے ان کو ابراہیم خاں کاکڑ (۶۷)

جو بعد میں دلاور خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ، اور حاتم سرثانوی منگلی (۶۸) جس کا خطاب شاهنواز خان تھا ، کے سپرد کیا ۔ انھوں نے جب ان [13] جاهلوں سے ہتھیار رکھوانا چاہے تو مراتب ادب کا لحاظ نہ کرتے ہوئے انھوں نے انکار کر دیا اور اپنے ملازموں کو ساتھ لے کر جھگڑے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے ۔ مجھ سے امیرالامرا نے یہ واقعہ بیان کیا ۔ میں نے حکم دیا کہ ان سیہ بختوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے ۔ امیرالامرا ان کی مدافعت کی طرف متوجہ ہوا ، میں نے ان کے پیچھے شیخ فرید کو بھی بھیجا ۔ ان کے ملازموں میں سے دو راجپوت جن میں ایک کے پاس تلوار اور دوسرے کے پاس جمدھر (کٹار) تھی ، امیرالامرا کے مقابل ہوئے ۔ امیرالامرا کے ملازموں میں سے ایک ملازم جس کا نام قطب تھا ، جمدھر والے راجپوت سے بھڑ گیا اور مارا گیا ، لیکن حملہ آور کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور دوسرا راجپوت جو تلوار سے حملہ آور ہوا تھا ، امیرالامرا کے ملازموں میں سے ایک افغان نے اس کا مقابلہ کر کے اسے ختم کر دیا ۔ اور ابراہیم خان جمدھر (کٹار) کھینچ کر ابھی رام پر جو دوسرے دو آدمیوں کے ساتھ قدم جمائے لڑ رہا تھا ، حملہ آور ہوا لیکن وہ ایک کو جمدھر کا زخم پہنچا کر ان تینوں سے خود نو زخم کھا کر اسی جگہ گر گیا ۔ اسی اثنا میں امیرالامرا کے چند احدیوں اور دوسرے لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا اور ان خونیوں کو قتل کر دیا ۔ ان ہی راجپوتوں میں سے ایک تلوار کھینچ کر شیخ فرید کی طرف بڑھا ، شیخ فرید کا ایک حبشی غلام اس کے مقابل ہوا اور حملہ آور کو ٹھکانے لگا دیا ۔ یہ شورش دولت خانۂ خاص و عام کے صحن میں واقع ہوئی اور یہ سزا بہت سے ناعاقبت اندیشوں کی تنبیہ کا باعث ہوئی ۔ ابوالنبی اوزبک نے عرض کیا کہ اگر اس قسم کا واقعہ اوزبکوں میں رونما ہوتا تو ایسی جماعت کے پورے قبیلے کو تہس نہس کیا جاتا ۔ میں نے اسے جواب دیا کہ : چونکہ یہ لوگ میرے والد بزرگوار کی مراعات سے نوازے ہوئے اور پرورش پائے ہوئے ہیں اسی لیے میں رعایت سے کام لے رہا ہوں اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک شخص کے جرم اور قصور کی وجہ سے بہت سے لوگوں سے مواخذہ نہ ہونا چاہیے ۔

بشارت :

شیخ حسین جامی نے جو آج کل مسندِ درویشی پر متمکن ہیں اور شیراز کے ایک درویش کے مرید ہیں ، میری تخت نشینی سے چھ ماہ پہلے مجھے لاہور میں لکھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اولیاء اور بزرگان دین نے سلطنت کے کاموں کو (آپ جیسے) پسندیدۂ درگاہ الٰہی کے سپرد فرمایا ہے ۔ اس خوش خبری کو سن کر اس کے واقع ہونے کے منتظر رہیے ۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اس خوش خبری کے واقع ہونے کے بعد خواجہ زکریا کے قصور جو سلسلۂ احراریہ (۶۹) سے تعلق رکھتے ہیں ، معاف کر دیے جائیں گے ۔

تاش بیگ قورچی (۷۰) جو اس سلطنت کے قدیم خدمت گزاروں میں ہے ، اور میرے والد نے اسے تاج خانی کے خطاب سے نواز تھا ۔ اس کا منصب دو ہزاری سے میں نے سہ ہزاری کر دیا ۔

تختہ بیگ کابلی (۷۱) جو ایک ہزار و پانصدی منصب رکھتا تھا ، میں نے اس کا منصب تین ہزاری کر دیا ۔ یہ بہت جواں مرد اور مستعد انسان ہے اور عم بزرگ وار میرزا محمد حکیم کا مقرب اور معتمد تھا ۔

ابوالقاسم نمکین (۷۲) جو میرے والد کے قدیم خدمت گزاروں میں تھا ، میں نے اسے منصب ہزار و پانصدی سے اصل و اضافے کے ساتھ سرفراز کیا ۔ اولاد کی کثرت اور فرزندوں کی بہتات میں بہت کم کوئی اس کے مانند ہوگا ۔ اس کے تیس لڑکے ہیں ، لڑکیاں بھی اگر لڑکوں کے برابر نہیں تو نصف سے کم نہ ہوں گی ۔

اسلام خان :

شیخ سلیم کے پوتے شیخ علاءالدین (۷۳) کو جو مجھ سے قوی ربط رکھتا ہے ، میں نے اسے اسلام خان کے خطاب سے سر بلند کیا اور دو ہزاری کے منصب سے سر فراز ہوا ۔ وہ بچپن سے میرے ساتھ بڑا ہوا تھا ، ویسے مجھ سے عمر میں ایک سال چھوٹا ہوگا ؛ بہت جواں مرد اور شریف انسان ہے ۔ اپنی قوم اور قبیلے میں ہر حیثیت سے ممتاز ہے ؛ آج تک اس نے کسی نشہ آور چیز کو نہیں چکھا اور اس کا خلوص مجھ سے اس درجے پر ہے کہ میں نے اس کو اپنی فرزندی کے خطاب سے سرفراز کیا ہوا ہے ۔

سیف خان :

علی اصغر بارهه (۷۴) جو بہادری اور مستعدی میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتا اور سید [14] محمود خان (۷۵) کا لڑکا ہے ، جو میرے والد کے بڑے امرا میں سے تھا ، میں نے اسے سیف خان کا خطاب دے کر اس کے ہم جنسوں اور ہم عصروں میں ممتاز کیا . اس کی جواں مردی نمایاں ہے ؛ ہمیشہ شکار میں یا ایسی جگہوں پر جہاں صرف چند معتمد ہمراہ ہوتے تھے ، ان میں سے یہ بھی ایک تھا . اپنی عمر میں اس نے کبھی کوئی نشہ آور چیز نہیں چکھی اور اس عمل کا پابند رہا . عنقریب وہ بلند مراتب کو پہنچے گا . میں نے فی الحال اسے سہ ہزاری کا منصب عنایت کیا .

محمد قلی خان برلاس کے بیٹے فریدون (۷۶) کو جو ہزاری کا منصب رکھتا تھا ، میں نے دو ہزاری پر سر بلند کیا . فریدون چغتائی خاندان کے شریف زادوں میں ہے اور جرأت و مردانگی کی صفات سے خالی نہیں .

شیخ سلیم کا پوتا شیخ بایزید جو دوہزاری منصب پر فائز تھا ، میں نے اسے سہ ہزاری منصب عنایت کیا . جس نے پہلی مرتبہ مجھے دودھ پلایا ، وہ شیخ بایزید کی والدہ تھیں لیکن دودھ ایک روز سے زیادہ نہیں پیا .

پنڈتوں سے مباحثہ :

ایک دن پنڈتوں سے جو ہندوؤں کے عالم ہیں ، میں نے پوچھا کہ اگر تمہارے دین کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی پاک ذات دس مختلف جسموں میں حلول کے طور پر نزول کرتی ہے تو اہلِ عقل کے نزدیک یہ بات ناقابل قبول ہے اور اس سے یہ فساد لازم آتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ میں جو تمام تعینات سے پاک ہے ، لمبائی ، چوڑائی اور گہرائی پائی جائے اور اگر اس سے مراد ان جسموں میں نور خداوندی کا ظہور ہے تو خدا کا نور تو تمام موجودات میں برابر ہے ، اور ان دس جسموں کے ساتھ اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے . اگر اس سے مراد خدا کی صفات میں سے کسی صفت کا اثبات ہے تو اس صورت میں بھی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ، اس لیے کہ ہر دین و آئین میں اہلِ معجزات و کرامات ہوتے ہیں جو اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں سے علم و عقل کے اعتبار سے ممتاز تھے .

بہت کچھ بحث و تمحیص اور رد و قدح کے بعد وہ اس خدا کی خدائی کے قائل ہو گئے جو جسم اور جسمانیات سے پاک ہے ، اور یہ کہنے لگے کہ چوں کہ ہمارا فکر ذاتِ مجرد کی دریافت سے عاجز ہے ، ہم صورت کے وسیلے کے بغیر اس کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے ، لہٰذا ہم نے ان دس اوتاروں کو اپنی دریافت اور معرفت کا ذریعہ بنایا ہوا ہے ۔ میں نے کہا کہ یہ اوتار معبودِ حقیقی تک رسائی کا ذریعہ کہاں ہو سکتے ہیں ؟ (نہیں ہو سکتے) ۔

اکبر کا مذہبی ذوق اور حُلیہ :

میرے والد اکثر اوقات مختلف مذاہب کے علما ، خصوصاً پنڈتوں اور ہندو مذہب کے جاننے والوں کے ساتھ مجالست کیا کرتے تھے ۔ باوجود اس کے کہ وہ ان پڑھ تھے لیکن جب دانش وروں اور اہلِ علم کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوتے تو کوئی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اُمّی ہیں ۔ وہ نظم و نثر کی باریکیوں اور باریکیوں کی تہہ تک ایسی حد تک پہنچتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا ۔

اُن کا حلیۂ مبارک یہ تھا : وہ قد میں اوسط درجے کی بلندی و بالائی رکھتے تھے ۔ رنگ گندمی ، آنکھیں اور بھویں سیاہ ، اُن کی ملاحت ، صباحت پر غالب تھی ، سینہ چوڑا اور کمر پتلی تھی ، ہاتھ بازو مضبوط اور لمبے ، ناک کے بائیں نتھنے پر نصف چنے کے برابر ایک خال تھا جو نہایت خوش نما معلوم ہوتا تھا ، علم قیافہ کے ماہر اس خال کو قوی حکومت اور بلند اقبالی کی علامت قرار دیتے تھے ۔ ان کی مبارک آواز نہایت بلند تھی ، گفتگو اور اندازِ بیان میں ایک خاص قسم کی نمکینی تھی ، اور اپنے وضع و اطوار میں اہلِ عالم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ، اور فرِّ ایزدی اُن کے چہرے سے نمایاں تھی ۔

هم بزرگی در حسب ، هم بادشاهی در نسب
کو سلیمان تا در انگشتش کند انگشتری(۲۲)

اکبر کی اولاد :

میری پیدائش کے تین ماہ بعد میری بہن شاہزادی خانم ایک خواص کے بطن سے پیدا ہوئی جسے میرے والد بزرگوار نے اپنی والدہ حضرت مریم مکانی

کے سپرد کیا ۔

مراد کی ولادت : اس کے بعد دوسری خواص [15] کے بطن سے ایک اور لڑکا پیدا ہوا ۔ اس کا نام شاہ مراد رکھا گیا ، وہ **فتح پور** کے کوہستان میں پیدا ہوا تھا ، اس لیے والد اسے پہاڑی کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔ جس زمانے میں کہ میرے والد بزرگوار نے اس کو فتح دکن کی مہم پر بھیجا تو وہاں ناجنسوں کی مصاحبت کی وجہ سے شراب نوشی کی عادت کو اس حد تک بڑھایا کہ تیس سال کی عمر میں جالنا پور (علاقۂ بہار) کے نواح میں رحمت حق سے جا ملا ۔ اس کا حلیہ یہ تھا : سبزی مائل رنگ ، دُبلا پتلا ، قد مائل بہ درازی اور وضع قطع میں وقار اور خود داری نمایاں ، اور شجاعت و مردانگی اس کے اطوار سے ظاہر ہوتی تھی ۔

سلطان دانیال :

میرے والد کے ہاں بدھ کی شب میں ۱۰- جمادی الاول ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ع) کو ایک اور خواص سے لڑکا پیدا ہوا ۔ چوں کہ اس کی ولادت خواجہ بزرگوار **خواجا معین الدین چشتی** کے آستانۂ مبارک کے ایک مجاور **شیخ دانیال** نامی کے گھر ہوئی تھی ، اس لیے اس مناسبت سے اس کا نام دانیال رکھا گیا ۔ میرے بھائی **شاہ مراد** کی وفات کے بعد میرے والد نے اپنے آخری زمانے میں اسے دکن کی فتح کے لیے بھیج دیا تھا اور بعد میں وہ خود بھی اس کے پیچھے اس مہم پر روانہ ہوئے ۔ جس زمانے میں کہ میرے والد بزرگوار **قلعہ اسیر** کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ، تو **سلطان دانیال** امرا کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ مثلاً **خانخاناں** اور اس کے بیٹوں اور **میرزا یوسف خاں** (۷۸) اور دوسرے سرداروں کے ساتھ **قلعۂ احمد نگر** کی جانب بڑھا ۔ ادھر **اسیر** کا قلعہ فتح ہوا (۷۹) ، اور **احمد نگر** بھی قبضے میں آ گیا ۔

جب حضرت **عرش آشیانی** فتح و نصرت کے ساتھ **برہان پور** سے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوئے تو اس علاقے کی حکومت **دانیال** کو دی اور نظم و نسق کے لیے اسے وہاں چھوڑا ۔ اس نے بھی اپنے بھائی **شاہ مراد** کے ناپسندیدہ طریقے پر عمل کر کے کثرت سے شراب نوشی شروع کی ۔ چناں چہ تھوڑے ہی عرصے میں تینتیس سال کی عمر میں مر گیا ۔ اس کی موت بہت بری طرح واقع

ہوئی ۔ وہ بندوق اور بندوق سے کھیلے جانے والے شکار سے بڑی رغبت رکھتا تھا ۔ اُس نے اپنی بندوقوں میں سے ایک بندوق کا نام یکہ و جنازہ رکھا تھا ، اور یہ شعر خود کہہ کر حکم دیا تھا کہ اس بندوق پر کندہ کرایا جائے :

از شوق شکارے تو شود جاں تر و تازہ
بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

دانیال کی وفات :

جب اُس کی شراب نوشی حد سے بڑھ گئی اور اس کی اطلاع میرے والد کو ملی تو خانخاناں کو عتاب آمیز فرمان بھیجے ۔ چناں چہ اس نے اس کی شراب نوشی کی روک تھام کی طرف توجہ کی اور مخبروں کو متعین کیا کہ اس کی خبر رکھا کریں ۔ جب شراب پہنچنے کی راہیں بالکل بند ہو گئیں تو اُس نے اپنے بعض نزدیکی خدمت گاروں کو عاجز کرنا بلکہ اُن کے سامنے رونا شروع کر دیا ؛ اور کہا کہ میرے لیے جس طرح اور جس طور پر ممکن ہو شراب لائیں ۔ مرشد قلی بندوقچی سے جو اُس کے نزدیکی خادموں میں سے تھا ، کہا کہ یکہ و جنازہ بندوق (کی نال) میں شراب بھر کر لائے ۔ وہ بد بخت مستقبل کے انعام و اکرام کی اُمید پر اس جرم کا مرتکب ہوا اور اُسی بندوق میں جس کی نالوں میں مدت سے جلی ہوئی بارود اور اُس کی بو رچی ہوئی تھی ، دو آتشہ شراب بھر کر لایا ۔ شراب کی تیزی کی وجہ سے لوہے کا زنگ بھی شراب میں حل ہو گیا ، شراب زہر بن گئی ۔ چناں چہ ادھر اس نے پیا اور اُدھر مر گیا :

کسے باید کہ فالے بد نگیرد
وگر گیرد ، برائے خود نگیرد

دانیال موزوں قد تھا اور نہایت نمایاں طور پر متناسب الاعضا ، ہاتھی اور گھوڑوں سے اُسے بہت شغف تھا ۔ یہ ناممکن تھا کہ اگر وہ کسی کے پاس اچھے گھوڑے اور ہاتھی ہونے کی خبر سنے اور اس سے نہ لے لے ۔ ہندی راگ سے بھی رغبت تھی ۔ کبھی کبھی ہندوستان والوں کی زبان میں اور اُن کے ڈھنگ پر شعر کہتا تھا [16] جو برا نہ ہوتا تھا ۔

شکرالنسا بیگم کی ولادت :

دانیال کی ولادت کے بعد بی بی دولت شاد کے بطن سے میرے والد کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام شکرالنسا بیگم (۸۰) رکھا گیا . چوں کہ اس نے میرے والد بزرگوار کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اس لیے وہ بڑی ہو کر بہت اچھی نکلی . ذاتی نیکی اور عام لوگوں پر شفقت اس کی فطرت اور جبلّت ہے . بہت چھوٹی عمر سے لے کر اب تک اسے مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے ، ایسی محبت بہت کم بھائی بہنوں کے درمیان ہوگی . پہلی مرتبہ جیسا کہ طریقہ ہے کہ لڑکی کی چھاتیوں کو نچوڑا جاتا ہے اور اس سے دودھ کا قطرہ نکلتا ہے ، میری بہن کی چھاتیوں کو نچوڑا گیا تو اس کے ایک قطرہ دودھ کا نکلا . میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا کہ بابا ! دودھ کے اس قطرے کو پی لے تاکہ حقیقت میں تیری یہ بہن تیری ماں کے برابر ہو جائے . جس دن سے میں نے یہ دودھ کا قطرہ پیا ہے خدائے تعالیٰ جو دلوں کا بھید جاننے والا ہے ، جانتا ہے کہ بہن کی محبت کے ساتھ ساتھ میں وہ محبت بھی اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں جو ایک بیٹے کو اپنی ماں سے ہوتی ہے .

آرام بانو بیگم کی ولادت :

شکرالنسا بیگم کی ولادت کے کچھ دن بعد ایک اور لڑکی بھی بی بی دولت شاد کے بطن سے پیدا ہوئی . اس کا نام آرام بانو بیگم (۸۱) رکھا گیا . نسبتاً اس کا مزاج تند و تیز ہے . میرے والد اسے بہت عزیز رکھتے تھے . چناں چہ اکثر اس کی بے ادبیوں کو ادب سمجھ کر برداشت کر لیتے تھے . انتہا درجے کی محبت ہونے کی وجہ سے اس کی بے ادبیاں بھی انھیں ادب دکھائی دیتی تھیں . مجھ سے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ بابا ! میری خاطر سے اپنی بہن سے ، جو ہندوستانیوں کے عرف میں میری لاڈلی ہے اور جسے میں نے نازوں سے پالا ہے ، میرے بعد اسی طرح کا سلوک کرتے رہنا جیسا کہ میں اس سے کرتا ہوں ، اور اس کے ناز اسی طرح اٹھانا جیسے میں اٹھاتا ہوں . اس کی بے ادبیوں اور شوخیوں سے در گزر کرنا .

اکبر کے اوصاف :

میرے والد کے اوصاف حمیدہ تعریف اور توصیف کی حد سے بڑھے ہوئے تھے . اگر ان کی خوبیوں اور اعلیٰ اخلاق کے متعلق کتاب لکھی جائے تو بغیر

کسی تکلف کے اور قطع نظر باپ اور بیٹے کے رشتے کے میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے بے حد و بے شمار اوصاف میں سے عشر عشیر بھی بیان نہیں کیے جا سکتے. باوجود اس عظیم الشان سلطنت کے اور بے اندازہ اور بے حساب دولت اور خزانوں اور جنگی ہاتھیوں اور ترکی گھوڑوں کے، اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی اپنی عاجزی اور فروتنی میں ذرّہ برابر انحراف نہیں کیا. وہ اپنے آپ کو مخلوقات میں کمترین مخلوق سمجھتے تھے اور خدا کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوتے تھے :

دائم همه جا، باهمه کس، در همه حال
میدار نهفته، چشمِ دل، جانبِ یار

انسان ذات سے محبت :

مختلف مذاہب اور قوموں کے لوگوں کے لیے اُن کی بے نظیر اور وسیع سلطنت میں، بخلاف دنیا کی دوسری سلطنتوں کے کہ شیعوں کو سوائے ایران کے اور سُنیوں کو سوائے روم اور ہندوستان اور توران کے کسی اور جگہ رہنے اور بسنے کی تمام سہولتیں میسر نہیں (۸۲)، جس طرح کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کے وسیع دائرے میں تمام اقوام اور اہل مذاہب کے لیے جگہ ہے، اور یہ دیکھتے ہوئے کہ بادشاہ کا سایہ بھی پرتوِ ذات الٰہی ہوتا ہے، اپنے ممالک محروسہ میں جس کی حدیں دریائے شور کے کناروں تک ختم ہوتی ہیں، تمام اہلِ مذاہب اور مختلف عقیدوں کے لوگوں کو، خواہ ان کے عقیدے صحیح ہوں یا ناقص، رہنے بسنے کے لیے جگہ دے کر ایک دوسرے پر نکتہ چینی کی راہ کو بھی بند کر دیا تھا. سنی شیعہ کے ساتھ ایک مسجد میں اور یہودی عیسائی کے ساتھ ایک کلیسا میں اپنے اپنے طریقے پر عبادت کرتے تھے. اُن کا مسلک صلح کل تھا، ہر دین و مذہب کے اچھے لوگوں کے ساتھ مجالست کیا کرتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ اس کی فہم و استعداد کے مطابق التفات فرماتے تھے. ان کی راتیں بیداری میں گزرتی تھیں اور دن میں بھی بہت کم سوتے تھے. ان کا سونا دن اور رات میں ایک یا ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، اور رات کی بیداری کو عمر کا قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے. ان میں شجاعت، بہادری اور دلیری اس درجہ تھی کہ مست اور سرکش ہاتھیوں پر سواری کیا کرتے تھے، اور ایسے خونی ہاتھیوں کو مطیع کر لیتے تھے جو اپنی مادہ کو بھی اپنے

پاس پھٹکنے نہیں دیتے [17] . باوجود اس کے کہ ہاتھی کتنا ہی بد مزاج ہو ، اپنی مادہ اور مہاوت سے کبھی کجی اختیار نہیں کرتا ، لیکن جب کبھی کوئی ہاتھی اس حالت میں ہوتا کہ اس نے اپنے مہاوت اور مادہ کو مار دیا ہو اور اپنی مادہ کو اپنے پاس نہ آنے دیتا ہو تو وہ ایسے ہاتھی کو رام کر لیتے تھے ، اور کسی درخت یا دیوار پر سے ، جو اس سر کش ہاتھی کی رہ گزر میں ہوتا ، جب وہ اس درخت یا دیوار کے پاس سے گزرتا تو اس کی پیٹھ پر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کود کر سوار ہو جاتے اور فوراً اسے اپنے قابو میں لے آتے تھے ، اکثر و بیشتر یہ منظر دیکھا گیا . چودہ سال کی عمر میں وہ تخت پر بیٹھے .

ہیمو بقال سے جنگ (۲۔ محرم ۹۶۴ھ) :

جب حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) نے دہلی میں وفات پائی تو **ہیموں بقال** ، جس نے کئی افغان امرا شامل کر رکھے تھے ، بہت سی فوج اکٹھی کر کے ایسے فیل خانے کے ساتھ ، جو اس زمانے میں ہندوستان کے کسی حاکم کے پاس نہ تھا ، دہلی کی طرف چڑھ دوڑا . اس واقعے کے پیش آنے سے کچھ پہلے حضرت جنت آشیانی نے **پنجاب** کے پہاڑی علاقوں کے بعض **افغان** سرداروں کی سرزنش کے لیے اسی کو متعین کیا تھا . جب اس مصرع کے مطابق کہ جو حسب حال بھی ہے اور تاریخ رحلت و انتقال بھی : ع

ہمایوں پادشاہ از بام اُفتاد

ان کی وفات ہوئی تو یہ خبر فوراً میرے والد تک پہنچائی گئی . **بیرم خاں** (۸۳) نے جو اس وقت ان کا اتالیق تھا ، صوبے کے امرا کو اکٹھا کر کے میرے والد کو نیک ساعت میں پرگنۂ **کلانور**[1] میں جو نواح **لاہور** میں ہے ، تخت پر بیٹھایا . **ہیموں** (۸۴) جب دہلی کے قریب پہنچا تو **تردی بیگ خاں** (۸۵) اور بہت سے دوسرے امرا ، جو دہلی میں حاضر تھے ، اکٹھے ہو گئے اور اس کے مقابل صف آرا ہوئے . جب مقابلے اور جنگ کی پورے طور پر تیاری ہو گئی تو دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے . بہت کوشش اور جد و جہد کے بعد ، آخر **تردی بیگ خاں** اور مغلوں کو شکست ہوئی اور ظلمت کی فوج نے

۱۔ کلانور ضلع گورداسپور میں ہے ۔

نور کی فوج پر غلبہ پا لیا ۔

همه کار و پیکار و رزم ایزدیست
کہ داند کہ فرجام فیروز کیست ؟
ز خونِ دلیراں و گردِ سپاه
زمیں لعل گوں شد ، هوا شد سیاه

تردی بیگ خاں اپنے شکست خوردہ ساتھیوں کے ساتھ میرے والد کے لشکر میں پہنچا ۔ چوں کہ بیرم خاں کا اس سے بگاڑ تھا لہٰذا اس نے اس کی شکست کو اس کے جرم کا بہانہ قرار دے کر اس کا کام تمام کر دیا ۔

دوسری بار پھر اس غرور کی بنا پر جو مذکورہ فتح سے اس کافر ملعون (هیموں بقال) کے دماغ میں پیدا ہوا تھا ، اپنی فوج اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ دھلی سے نکل کر آگے بڑھا ۔ حضرت عرش آشیانی بھی پر شکوہ لشکر کے ساتھ کلانور سے نکل کر اس کی مدافعت کی طرف متوجہ ہوئے ، پانی پت کے نواح میں کفر اور اسلام کی فوجوں کا یہ اجتماع ہوا ۔

جمعرات کے دن ۲- محرم : ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ع) کو دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا ۔ هیموں کی فوج میں اس وقت تیس ہزار جنگی سپاہی تھے اور غازیوں کے فتح یاب لشکر کی تعداد چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی ۔ اس دن هیموں ہوائی نامی ہاتھی پر سوار تھا ، ناگاہ ایک تیر اس کافر کی آنکھ میں لگا اور اس کے سر کے پیچھے سے باہر نکل گیا ۔ اس کی فوج نے یہ حالت دیکھ کر شکست کھائی ۔ اتفاق سے شاہ قلی محرم (۸۶) چند بہادروں کے ساتھ اس ہاتھی کے قریب پہنچا جس پر هیموں زخمی سوار تھا ۔ ان لوگوں نے چاہا کہ مہاوت کو تیر سے ہلاک کر دیں ۔ مہاوت چلایا کہ مجھے نہ ماریے ، هیموں اسی ہاتھی پر سوار ہے ۔ اس کو اسی حالت میں گرفتار کر کے حضرت عرش آشیانی کے پاس لایا گیا ۔ [18] بیرم خاں نے عرض کیا کہ مناسب یہ ہے کہ حضور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی گردن مار کر غزیٰ کا ثواب حاصل کریں ۔ اس طرح آپ کے فرامین کے طغریٰ میں غازی کا لفظ آپ کے نام کا جزو ہوگا ۔ بادشاہ اکبر نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہوں ۔ پھر بیان کیا کہ میں کابل میں ایک دن خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے سامنے تصویر کشی کی مشق کر رہا تھا ، میرے قلم سے ایسی تصویر بن گئی کہ جس کے اجزا ایک

دوسرے سے جدا اور متفرق تھے ۔ اس وقت میرے مصاحبوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ تصویر کس کی ہے ؟ میری زبان سے نکلا کہ یہ تصویر ھیمو کی ہے ۔ مختصر یہ کہ میرے والد نے اس کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہیں کیا بلکہ خدمتگار کو حکم دیا کہ ھیموں کی گردن مارے ۔ شکست خوردہ لشکر کے مقتولوں کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ شمار میں آئی ۔ اطراف و جوانب میں جو لوگ مرے ہوئے پڑے تھے ، وہ ان کے علاوہ تھے ۔

گجرات کی فتح (۹۸۱ھ - ۱۵۷۳ع) :

میرے والد کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ گجرات پر حملہ اور اس کی فتح ہے ۔

جس زمانے میں کہ میرزا ابراھیم حسین اور محمد حسین میرزا اور شاہ میرزا (۸۷) (ابنائے سلطان ویس بن بایقرا ثانی برادر سلطان حسین بایقرا) حکومت سے بغاوت کر کے گجرات چلے گئے تھے اور تمام گجراتی امرا اور اس علاقے کے دوسرے فتنہ پسند لوگوں کو متفق کر کے قلعہ احمد آباد کو کہ جہاں میرزا عزیز کوکہ شاہی فوجوں کے ساتھ مقیم تھا ، گھیرے میں لے لیا تھا ، تو حضرت عرش آشیانی میرزا عزیز کوکہ کی والدہ جیجی انگہ کی بے چینی دیکھ کر فوراً ہی دارالخلافہ فتح پور سے گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور یہ دور دراز راستہ جو دو مہینے میں طے ہونا چاہیے تھا ، نو دن کے عرصے میں کبھی گھوڑے پر ، کبھی اونٹ پر اور کبھی گھوڑا بہل (گھوڑے کے ذریعے چلنے والی گاڑی) پر طے کر کے سرنیلہ پہنچے ۔

جب بتاریخ ۵ - جمادی الاول ۹۸۰ھ (۱۵ ستمبر ۱۵۷۲ع) کو دشمن کے لشکر کے قریب پہنچے تو جنگ کے متعلق سلطنت کے بہی خواھوں سے مشورہ کیا ۔ بعض نے رائے دی کہ دشمن کے لشکر پر شب خون مارنا چاھیے ۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ شب خون مارنا بزدلوں کا کام اور مکاروں کا شیوہ ھے ۔ چنان چہ اسی وقت جنگ کے نقارے بجوائے اور سواروں کو جنگی نعرے لگانے کا حکم دیا ۔

جب سابرمتی (سا برمتی) کے کنارے پہنچے تو حکم دیا کہ لوگ ترتیب سے دریا کو پار کریں ۔ محمد حسین میرزا شاہی فوج کے گزرنے کا شور

سن کر پریشان ہوا اور صورت حال معلوم کرنے کے لیے باہر نکلا ۔ ادھر سبحان قلی ترک بھی شاہی فوج کی جانب سے چند بہادروں کے ساتھ دریا کے کنارے دشمن کا حال معلوم کرنے پہنچا ۔ میرزا محمد حسین نے اس جماعت کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی فوج ہے ؟ سبحان قلی ترک نے جواب دیا کہ جلال‌الدین اکبر بادشاہ اور ان کی فوج ہے ۔ اس بدبخت نے اس بات کا یقین نہ کیا اور کہا کہ میرے جاسوس آج سے چودہ روز پہلے بادشاہ کو فتح پور میں دیکھ کر آئے ہیں ، تم صریح جھوٹ بول رہے ہو ۔ سبحان قلی نے کہا کہ آج نواں روز ہے کہ حضرت فتح پور سے یلغار کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں ۔ میرزا نے پوچھا کہ ہاتھی کس طرح پہنچے ہوں گے ؟ سبحان قلی نے جواب دیا کہ اس کو ہاتھیوں کی کیا ضرورت ہے جس کے ساتھ پہاڑوں کے سینے چیر دینے والے بہادر جوان یہاں پہنچے ہیں ، جو نامی گرامی اور مست ہاتھیوں سے کہیں بہتر ہیں ۔ اب تجھے اپنی شیخی اور سرکشی کی حقیقت معلوم ہوگی ۔

میرزا یہ بات سن کر دہل سا گیا اور اس جگہ سے ہٹ کر اپنی فوجوں کے ترتیب دینے میں مصروف ہو گیا ۔ حضرت نے اس وقت تک توقف فرمایا جب تک کہ جاسوسوں نے اطلاع نہیں دی کہ دشمن کی فوجیں ہتھیار بند ہو گئی ہیں ۔ اس کے بعد خان اعظم (میرزا عزیز کوکہ) کو چند لوگوں کے ذریعے سے ہدایت بھیجی کہ وہ قلعے سے نکل کر آگے بڑھے ، لیکن خان اعظم نے قلعے سے باہر نکلنے میں پس و پیش کرتے ہوئے کہلایا کہ دشمن طاقتور ہے ۔ جب تک گجراتی لشکر قلعے سے نہ نکلے اس وقت تک آپ کو بھی دریا کے اسی پار ٹھہرنا چاہیے ۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم نے ہمیشہ اور خصوصاً اس یورش میں اللہ تعالیٰ کی تائید پر بھروسا کیا ہے ۔ اگر ہماری نظر [19] اسباب ظاہری پر ہوتی تو اس بے سر و سامانی کے ساتھ اس یلغار کے لیے نہ آتے ، اب کہ دشمن جنگ پر تیار ہے ، ہمارا ٹھہرنا مناسب نہیں ۔ یہ کہہ کر انھوں نے فطری توکل پر بھروسا کرتے ہوئے چند خاص لوگوں کے ساتھ ، جو بنیادی طور پر ہم رکابی کے لیے مقرر کیے گئے تھے ، دریا میں گھوڑے ڈال دیے اور گہرائی کے باوجود سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا ۔ حضرت نے دریا کو عبور کر کے اپنا خود (دو بلغہ خود) طلب کیا ۔ خود دار کے ہاتھ سے گھبراہٹ میں حضرت کے سامنے پہنچ کر خود گر گیا ۔ مصاحبوں نے اس کو

بد شگونی پر محمول کیا لیکن حضرت نے فرمایا کہ یہ شگون بہت اچھا ہوا ۔
اسی اثنا میں برگشتہ بخت میرزا حسین صفوں کو آراستہ کر کے اپنے ولیِ نعمت سے جنگ کرنے کے لیے آگے بڑھا :

بسا ولی نعمت ار برون آئی
گر سپہری کہ سرنگوں آئی !

خان اعظم کو مطلقاً گمان نہ تھا کہ اتنی جلدی اور تیزی کے ساتھ حضرت خود وہاں پہنچ جائیں گے ۔ جس کسی نے حضرت کے آنے کی اطلاع اسے پہنچائی ، اس نے یقین نہ کیا تا آنکہ قراین اور دلائل سے اسے حضرت کے آنے کا پورے طور پر یقین ہو گیا ۔ اس کے بعد وہ گجراتی لشکر کو آراستہ کر کے قلعے سے باہر نکلنے کے لیے تیار ہوا ۔ اسی اثنا میں آصف خان نے بھی اس تک اطلاع پہنچائی لیکن جب تک خان اعظم کی فوج قلعے سے باہر نکلے ، اس سے پہلے دشمن کی فوج درختوں کی آڑ سے نمودار ہوئی ۔ خدا کی تائید کو اپنی ہمت کی دستاویز سمجھ کر حضرت مقابلے کے لیے روانہ ہوئے ۔ محمد قلی خان توقبائی اور تردی خان (دیوانہ) (۸۸) نے آگے بڑھ کر کچھ بہادروں کے ذریعے تھوڑی سی کوشش سے دشمن کے حملے کو روکا ۔ حضرت نے راجا بھگوان داس سے کہا کہ : دشمن کی فوج بہت ہے اور ہمارے لوگ کم ہیں ، ہمیں چاہیے کہ متفق و متحد ہو کر دشمن پر حملہ کریں کیوں کہ بندھی ہوئی مٹھی کھلے ہوئے پنجے سے بہتر ہے ۔ یہ کہہ کر انھوں نے تلوار لٹکائی اور اپنے فدائیوں کے ساتھ اللہ اکبر ! اور یا معین ! کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے :

بپرید ہوش زمانہ ز جوش
بدرید گوش سپہر از خروش

شاہی فوج کے دائیں بائیں (جرانغار و برانغار) بازو دوسرے بہادر ہجوم کر کے داد شجاعت دینے لگے ۔ کوکبہ جو کہ آتش بازی کی ایک قسم ہے ، دشمن کی طرف سے چھوٹا لیکن تھوہر کی جھاڑیوں میں اٹک گیا اور اس کے شور سے دشمن کی فوج کے ایک مشہور ہاتھی نے بدک کر دشمن کی فوجوں کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا ۔ اسی اثنا میں شاہی فوج کے ایک انبوہ نے پہنچ کر محمد حسین میرزا اور اس کے لشکر کو ، جو بھگدڑ میں مصروف تھا ، تلواروں کی زد میں لے لیا اور فتح پانے والے بہادروں نے اس شمشیرزنی میں نمایاں کارنامے

دکھائے ۔ مان سنگھ درباری حضرت کے سامنے اپنے مقابل پر غالب آیا اور راگھو داس کچھواہا نے بھی جان نثاری کے جوہر دکھائے ۔ محمد وفا ، جو اس حکومت کے خانہ زادوں میں تھا ، دادِ شجاعت دیتے ہوئے زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا ۔ بندوں پر نوازش فرمانے والے خالق اور بادشاہ کی ہمت اور اقبال کی بدولت دشمن کی فوج منتشر ہو گئی اور شکست نے ان کے لشکر میں انتشار پیدا کر دیا ۔ اس عظیم فتح کی خوشی میں کریم و کارساز کی بارگاہ میں (حضرت) سرِ نیاز جھکا کر لوازم شکرانہ بجا لائے ۔ اسی اثنا میں ایک کلاونت نے عرض کیا کہ سیف خاں کوکلتاش (۸۹) نے زندگی کے سرمائے کو دولت خواہی کے سلسلے میں نچھاور کر دیا ہے ۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جب محمد حسین میرزا نے چند اوباشوں کے ساتھ ہجوم کر کے حملہ کیا ، اس وقت اتفاق سے سیف خاں اس کے مقابل ہوا اور دادِ مردانگی دیتے ہوئے شہید ہو گیا ۔ نیز میرزا محمد حسین بھی بہادروں کے ایک [20] ہجوم کے ہاتھوں زخمی ہوا ، سیف خاں کوکلتاش ، زین خاں کا بڑا بھائی ہے ۔

اس جنگ کی عجیب باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جنگ سے ایک روز پہلے جب کہ حضرت عرش آشیانی کھانا کھا رہے تھے ، انھوں نے ہزارہ سے جو علمِ فال کا جاننے والا تھا ، پوچھا کہ فتح کس کی طرف ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ فتح آپ کی جانب ہے ، لیکن آپ کے لشکر کے امیروں میں سے ایک امیر شہید ہوگا ۔ اسی اثنا میں سیف خاں نے اس کی بات سن کر کہا کہ کاش یہ سعادت میرا مقدر ہو :

بسا فالے کہ از ما آنچہ برخاست
چو اختر می گزشت آن فال شد راست

القصہ (شکست کے بعد) میرزا محمد حسین بھاگ کھڑا ہوا تو اس کے گھوڑے کا پاؤں تھوہر کی جھاڑیوں میں پھنس گیا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا ۔ گدا علی نامی ایک شاہی احدی اس کے مقابل ہوا اور اس کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر حضرت کے سامنے لے آیا ۔ جب دو تین آدمیوں نے اس کی گرفتاری میں شریک ہونے کا دعوی کیا تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے گرفتار کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے نمک نے ۔ یہ سن کر حضرت نے حکم دیا کہ اس کے پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہاتھ کھول کر آگے باندھے جائیں ۔ اسی اثنا میں

میرزا محمد حسین نے پانی مانگا ۔ فرحت خان (۹۰) نے جو قابل اعتماد غلاموں میں تھا اس کے سر پر دوھتھڑ مارا ۔ حضرت نے اسے روکا اور خاصے کا پانی منگا کر اسے پلوایا ۔ اس وقت تک میرزا عزیز کوکہ اور اس کا لشکر قلعے سے باہر نہیں نکلا تھا ۔ میرزا محمد حسین کی گرفتاری کے بعد حضرت آہستہ آہستہ شہر احمد آباد کی طرف روانہ ہوئے اور میرزا محمد حسین کو رائے رائے سنگھ راٹھور (۹۱) کے سپرد کیا جو راجپوتوں میں سر برآوردہ تھا اور حکم دیا کہ وہ اسے ہاتھی پر ڈال کر همراہ لائے ۔

اسی اثنا میں اختیارالملک جو گجراتی باغیوں کے سرداروں میں تھا ، پانچ ہزار کے قریب فوج لے کر نمودار ہوا ۔ اس کے نمودار ہوتے ہی شاہی فوج میں سخت پریشانی پھیل گئی ۔ حضرت نے اپنی اعلیٰ اور جبلّی شجاعت کی بنا پر جنگ کا نقارہ بجانے کا حکم دیا ؛ شجاعت خان (۹۲) راجا بھگوان داس اور دوسرے اُمرا نے دوڑ کر دشمن کی فوج کا مقابلہ کیا ۔ اس وقت رائے رائے سنگھ کے لوگوں نے اس خدشے سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کی فوج میرزا محمد حسین کو اپنے قبضے میں لے لے ، انھوں نے رائے سنگھ سے مشورہ کر کے میرزا محمد حسین کا سر تن سے جدا کر دیا ۔ میرے والد بزرگوار اس کے قتل کرنے پر ہرگز تیار نہ تھے ۔

تھوڑی دیر میں اختیارالملک کی فوج درہم برہم ہونے لگی اور خود اس کا گھوڑا تھوہر کی جھاڑیوں میں جا پھنسا ۔ سہراب بیگ ترکمان نے اس کا سر کاٹ لیا ۔ محض خدائے تعالیٰ کی عنایت و کرم سے تھوڑی سی فوج سے اتنی بڑی فتح حاصل ہوئی ۔

بنگال کی فتح :

اسی طرح ملک بنگال کی فتح اور ہندوستان کے مشہور و معروف قلعوں مثلاً قلعۂ چتوڑ اور رنتھنبور سر کرنا اور خاندیس کے ملک کو فتح کرنا اور قلعۂ اسیر ہر تینبہ اور دوسرے ملکوں کی فتح ہے جو فیروز مند فوجوں کے ہاتھوں عمل میں آئی اور دیگر ملک جو سلطنت میں شامل ہوئے ان کا حساب شمار سے باہر ہے ۔ اگر ان کے حالات تفصیل سے بیان کیے جائیں تو بات طویل ہو جائے گی ۔ چتوڑ کی لڑائی میں جتمل کو ، جو اس قلعے کے لوگوں کا سردار تھا ، اپنے ہاتھ سے

(حضرت نے) بندوق سے مارا ۔ وہ بندوق کے چلانے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے ۔ جس بندوق سے انھوں نے جتمل کو مارا تھا اس کا نام انھوں نے سنگرام (۹۳) رکھا تھا ۔ یہ بندوق نادر روزگار بندوقوں میں سے تھی ۔ اس بندوق سے انھوں نے تین چار ہزار چرندوں اور پرندوں کا شکار کیا ہوگا ۔

میں بھی بندوق کے چلانے میں اپنے والد کا شاگرد رشید کہلایا جا سکتا ہوں ۔ شکاروں میں اس شکار سے جو بندوق سے کیے جاتے ہیں ، میری طبیعت مائل ہے ، میں نے ایک دن میں اٹھارہ ہرنوں کو بندوق سے مارا ہے[1] ۔

گوشت سے پرہیز :

میرے والد بزرگوار نے جو ریاضتیں کی ہیں ، ان میں ایک حیوانی غذا کو چھوڑ دینا تھا ۔ تمام سال میں صرف تین مہینے گوشت [21] کھاتے اور نو مہینے درویشانہ غذاؤں پر قناعت کرتے تھے ، اور ہرگز قتل اور حیوانوں کے ذبح کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے ۔ ان کی حکومت کے مبارک زمانے میں سال کے بہت سے دنوں اور مہینوں میں حیوانات کا ذبح کرنا ممنوع تھا ۔ ان دنوں اور مہینوں کی تفصیل کہ جن میں وہ گوشت نہیں کھاتے تھے ، اکبر نامے میں موجود ہے ۔

دیوانِ بیوتات :

جس تاریخ کو میں نے اعتمادالدولہ کو دیوان بنایا ، اسی تاریخ کو میں نے دیوانِ بیوتات کا عہدہ معزالملک کو دیا جو سادات باخرز سے ہے اور میرے والد کے زمانے میں کر کراق خانہ کا داروغہ تھا ۔

میں نے اپنی تخت نشینی کے بعد ایک دن کے اندر اندر اکبری اور جہانگیری عہدِ حکومت کے ایک سو امرا کو مناصب اور جاگیروں سے سرفراز کیا ۔

پہلی عید :

رمضان کی عید کو ، جو میری تخت نشینی کے بعد پہلی عید تھی ، میں عید گاہ گیا ۔ عید گاہ میں بہت بڑا اجتماع تھا ۔ میں عید کی نماز پڑھ کر اور

۱- آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ جہانگیر نے کتنی تعداد میں اور کیا کیا شکار تمام عمر میں کھیلے تھے ۔

خدا تعالی کی عنایتوں کا شکریہ ادا کر کے اپنی دولت سرا میں لوٹ آیا، اور بمقتضائے اس کے کہ:

از خوان پادشاهان نعمت رسد گدا را

میں نے کچھ دولت خیرات و صدقات میں دینے کا حکم دیا؛ اس میں سے کئی لاکھ دام (۹۴) دوست محمد کے حوالے کیے کہ فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرے اور میر جمال الدین حسین انجو (۹۵) اور میران صدر جہاں اور میر محمد رضا سبزواری کو ایک ایک لاکھ دام دیے کہ شہر کے اطراف میں خیرات کریں؛ اور میں نے پانچ ہزار روپے شیخ محمد حسین جامی کے درویشوں کے لیے بھیجے اور حکم دیا کہ ہر روز ایک منصب دار پانچ ہزار دام فقرا میں تقسیم کرے۔

تلوار کا ایک مرصع قبضہ خانخانان کو بھجوایا۔ میر جمال الدین حسین انجو کو تین ہزاری کے منصب سے سر بلند کیا۔ دستور سابق کے مطابق صدارت میران جہاں کے سپرد کی گئی۔ اور حاجیانی (۹۶) کوکہ کو جو میرے والد کے کوکاؤں میں سے ہے، میں نے حکم دیا کہ مستحق عورتوں کو زمین یا نقد امداد دینے کے لیے شاہی محل میں میرے روبرو پیش کرے۔ زاهد خاں ولد محمد صادق کا منصب ایک ہزار پانصدی سے بڑھا کر دو ہزاری کر دیا؛ علاوہ ازیں ہر ایک کو ہاتھی یا گھوڑا بھی عنایت کیا۔

جلوانہ کی ممانعت:

یہ کچھ رسم بن گئی تھی کہ نقیب اور میر آخور (داروغۂ اصطبل) ان لوگوں سے جن کو ہاتھی یا گھوڑا عنایت کیا جاتا تھا، بطور انعام کے جلوانہ (۹۷) لیتے تھے۔ میں نے حکم دیا کہ یہ رقم سرکاری خزانے سے دی جائے تا کہ لوگ اس گروہ کے مانگنے اور تقاضے سے چھٹکارا پائیں۔ سال باھن انہی دنوں میں برہان پور سے پہنچا اور میرے بھائی دانیال مرحوم کے ہاتھی اور گھوڑے لا کر میرے ملاحظے میں پیش کیے۔ ان ہاتھیوں میں سے جو وہ لایا تھا، ایک ہاتھی کا نام مست الست تھا۔ وہ مجھے بہت پسند آیا اور میں نے اس کا نام نورگنج رکھا۔ میں نے اس ہاتھی میں ایک عجیب بات دیکھی؛ وہ یہ کہ اس کے دونوں کانوں پر دو ابھار چھوٹے تربوز کے برابر تھے۔ اور جیسا کہ مستی کے

کے زمانے میں ہاتھیوں سے پانی ٹپکتا ہے ، اس کے ان دونوں ابھاروں سے ٹپکتا تھا؛ اور اسی طرح اس کی پیشانی پر بھی ابھار تھا کہ اتنا بڑا ابھار میں نے دوسرے ہاتھیوں کی پیشانی پر نہیں دیکھا . اس کی وجہ سے وہ بہت خوش نما اور قوی ہیکل نظر آتا تھا .

جواہر کی ایک تسبیح میں نے اپنے بیٹے خرّم کو عنایت کی . مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیٹا ظاہری اور باطنی کمالات کی بلندیوں پر پہنچے گا .

کابل سے زکواۃ کی ممانعت :

چوں کہ میں نے زکوٰۃ کی وصولی ، جو کروڑوں روپے سے بھی متجاوز تھی ، اپنی سلطنت میں معاف کر دی تھی ، اس لیے کابل اور اطراف کابل کی زکوٰۃ بھی معاف کر دی کیوں کہ وہ ہندوستان کی طرف آنے والے راستے کا مشہور شہر ہے . اس سے ایک کروڑ تیئیس لاکھ دام وصول ہوتے تھے . میں نے یہ سب معاف کر دیے . دونوں علاقوں ، ایک کابل اور دوسرے قندھار سے زکوٰۃ کی مد میں جو رقم وصول کی جاتی تھی ، وہی در اصل ان دونوں علاقوں کی اہم ترین حاصلات تھیں . [22] میں نے یہ پرانی رسم ان دونوں علاقوں سے اٹھا لی اور اس حکم سے پورا نفع اہل ایران و توران کو پہنچا .

آصف خاں کی جاگیر کی تبدیلی :

آصف خاں کی جو جاگیر صوبۂ بہار میں تھی ، وہ میں نے باز بہادر (۹۸) کو مرحمت کی اور آصف خاں کے لیے میں نے حکم دیا کہ اسے صوبۂ پنجاب میں تنخواہ کے طور پر جاگیر دی جائے . جب میرے علم میں لایا گیا کہ ایک بڑی رقم آصف خاں کی جاگیر میں وصول کرنی باقی ہے ، اور اب جب کہ اس کے تبادلے کا حکم ہو گیا ہے ، اس رقم کا وصول ہونا مشکل ہے ، تو میں نے حکم دیا کہ ایک لاکھ روپے شاہی خزانے سے آصف خاں کو دے دیے جائیں اور بعد میں یہ رقم باز بہادر سے وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کی جائے .

شریف آملی :

شریف آملی (۹۹) کے مرتبے کے لحاظ سے اصل میں اضافہ کرتے ہوئے میں نے دو ہزار پانصدی منصب کا اضافہ کیا . وہ بہت پاکیزہ فطرت اور

خوش مزاج انسان ہے ۔ باوجود اس کے کہ علوم مروجہ سے بے بہرہ ہے ، اکثر اوقات وہ بلند اور عارفانہ باتیں کرتا ہے ۔ فقر اور درویشی کے لباس میں اس نے بہت سے سفر کیے اور بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہا ۔ وہ ارباب تصوف کی بہت سی باتیں بیان کرتا رہتا ہے لیکن اس کی یہ باتیں قولی ہیں ، حالی نہیں ۔ اس نے میرے والد بزرگوار کے زمانے میں درویشی اور فقر کا لباس اتار کر امارت اور سرداری کے مرتبے کو پایا ۔ اس کی گفتگو دل پزیر اور نہایت موثر ہوتی ہے ۔ اس کی باتیں باوجود اس کے کہ وہ عربی کے مبادیات سے بھی قطعی ناواقف ہے ، نہایت فصیح اور پاکیزہ ہوتی ہیں ۔ اس کی تحریر بھی چاشنی سے خالی نہیں ۔

شاہ قلی کا باغ :

آگرے میں شاہ قلی خان محرم کا ایک باغ تھا ۔ چوں کہ اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی وارث نہیں تھا اس لیے میں نے وہ باغ ہندال میرزا کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم (۱۰۰) کو ، جو میرے والد بزرگوار کی حرم تھی ، کفالت میں دے دیا ۔ میرے والد نے میرے بیٹے خرم کو پرورش کرنے کے لیے رقیہ سلطان بیگم کے سپرد کیا تھا ۔ وہ اس سے اپنے حقیقی بیٹے سے ہزار گونا زیادہ محبت رکھتی تھی ۔

حواشی

(۱) سرسید ایڈیشن میں جہانگیر کی تخت نشینی کی تاریخ ۸ - جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ مندرج ہے جو کمپوزنگ کی غلطی ہے ۔ تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۱۸ - جمادی الثانی ہے ، کیوں کہ اکبر کی وفات ۱۲-۱۳ جمادی الثانی کی درمیانی شب ، مطابق ۲۵-۲۶ اکتوبر ۱۶۰۵ع کو ہوئی تھی ۔ اس نے اکاون برس نو مہینے حکومت کی اور ۶۴ برس گیارہ ماہ کی عمر میں وفات پائی ۔

بعض نے اکبر کی وفات کی تاریخ ۱۵ - جمادی الثانی بھی لکھی ہے ۔ پریزیڈنٹ وان دینٹ بروک (۱۶۲۸ع) نے اکبر کی موت کے سلسلے میں عجیب و غریب داستان لکھی ہے ، جو فرضی معلوم ہوتی ہے ۔ اس نے لکھا ہے کہ اکبر ناراضی کی بنا پر میرزا غازی ترخان کو زہر دے کر مارنا چاہتا تھا ۔ اس (اکبر) نے شاہی طبیب سے دو گولیاں ایک طرح کی بنوائیں جس میں ایک زہریلی تھی ۔ اس کا خیال تھا کہ غیر-زہریلی گولی خود کھائے اور زہریلی گولی میرزا غازی کو کھلائے ۔ اتفاقاً زہریلی گولی خود کھا گیا جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوئی (رک : سمتھ ، ص ۳۲۵) ۔

(۲) مسعود سعد سلمان : پاکستان کا پہلا فارسی گو شاعر جو لاہور میں پیدا ہوا ۔ اس نے ۵۱۵ھ (۱۱۲۱ع) میں وفات پائی ۔

(۳) گل افشان : اس باغ کے لگانے کی تفصیلات کو بیان کرتے ہوئے بابر نے لکھا ہے کہ : ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ نہر نہیں ہے ۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ لگا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے ۔ آگرے میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کیے ۔ ایسے اجاڑ اور گندے مقامات تھے کہ بڑی کراہیت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا ۔ گو ایسی جگہ چار باغ بنانے کو دل نہ چاہتا تھا مگر

آگرے کے قرینے کوئی اور جگہ بھی دل خواستہ نظر نہ آئی ، اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے . پہلے ایک بڑا کنواں ، جس سے حام میں پانی لیا جائے بنوایا ، پھر وہ قطعۂ زمین جہاں املی کے درخت اور مثمن حوض ہے ، درست کرایا . اس کے بعد بڑا حوض اور اس کی پٹری بنی ، پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے وہ اور بارہ دری بنائی گئی . یہ بن چکے تو خلوت خانے کا باغیچہ اور اس کے مکان بنائے ، پھر حام تیار ہوا : غرض اس بے ڈھنگی اور خراب جگہ پر ہندوستانی وضع کے خوب صورت باغ اور عمارتیں تیار ہوگئیں . ہر ٹکڑے میں معقول چمن بن گیا ، ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے (رک : ترجمہ تزک بابری ، دہلی : ص ۲۹۶) .

(۴) یہ تعجب انگیز امر ہے کہ جہانگیر اپنی تاریخ ولادت ۱۸ - ربیع الاول قرار دیتا ہے حالاں کہ تمام تواریخ سے اس کی تاریخ ولادت ۱۷ - ربیع الاول ظاہر ہوتی ہے . ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سہو کتابت سے بجائے ۱۸ - شہریور کے ۱۸ - ربیع الاول لکھا گیا ہے ، کیوں کہ اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۳۴۴ پر اس کی تاریخ ولادت ۱۸ شہریور مندرج ہے جو ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ تھی . دیکھیے دیباچہ محمد ہادی صفحہ ۲ ، اور اس سے چند سطریں اوپر خود جہانگیر کا بیان (بیورج ، ج ۱ ، ص ۹) .

(۵) آصف خاں ولد اعتماد الدولہ : اس کا اصل نام ابوالحسن تھا . وہ نورجہان کا بڑا بھائی تھا . جہانگیر نے نورجہان سے شادی کے بعد اسے اعتقاد خانی اور خانسامانی کے خطاب سے سرفراز کیا ۱۰۲۰ھ (۱۲-۱۶۱۱ع) میں اس کی بیٹی ارجمند بانو جس کا خطاب ممتاز محل تھا ، اس کی شادی شاہزادہ خرم سے ہوئی . آصف خاں نے ۱۰۵۱ھ (۴۲-۱۶۴۱ع) میں لاہور میں وفات پائی "زہے افسوس آصف خاں" سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے .

۱۰۵۱ھ

(بیورج ، ص ۱۱ - رک : ماثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۵۱ - ۱۵۸) .

(۶) منعم خاں خانخاناں : ہمایوں کے امرائے عظام میں تھا : بیرم خاں کے بعد اسے خان خاناں کا خطاب ملا . چودہ سال تک وہ وکیل اور امیرالامرا

رہا ۔ اکبر کے عہد میں بھی اس نے نمایاں خدمات انجام دیں ۔ منعم خان نے ۹۸۴ھ (۷۷-۱۵۷۶ع) میں وفات پائی (ذخیرۃ الخوانین ، کراچی ص ۲۴ ، ۲۵) ۔

(۷) سعید خان چغتہ : یہ ابتداً شاہزادہ سلطان دانیال کا اتالیق مقرر ہوا ۔ جلوس اکبری کے بتیسویں سال اسے اکبر نے بہار کی حکومت اور منصب پنج ہزاری عطا کیا ۔ ۱۰۱۱ھ (۳-۱۶۰۲ع) میں اکبر نے بکھر اور ملتان اس کی جاگیر میں دیے اور عہد جہانگیری میں اس نے وفات پائی ۔ وہ سرہند کے ایک باغ میں مدفون ہوا ۔ (ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۴۰۳ - ۴۰۵) ۔

(۸) شیخ فرید بخاری : سادات موسوی میں سے تھا اور بچپن سے اکبر کی خدمت میں رہ کر اس نے غیر معمولی ترقی و امتیاز حاصل کیا تھا ۔ وہ اگرچہ اکبر کے عہد میں بخشی کے عہدے پر تھا لیکن وزارت کے امور انجام دیتا تھا ۔ کئی سال تک وہ دفتر تن کا جو خدمت دیوانی سے متعلق تھا ، نگران رہا ۔ شیخ فرید نے عہد جہانگیری میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں ۔ اس نے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) میں وفات پائی ۔ اس کی تاریخ "مغفرت ساب" سے نکلتی ہے (اقبال نامہ ، ص ۴ - ذخیرۃالخوانین
۱۰۲۵ھ
ص ۱۴۶) ۔

(۹) مقیم : اکبر کے آخری عہد میں وزیر خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر کے عہد میں پہلے جان بیگ وزیر الملک کی شرکت میں ممالک محروسہ کی وزارت پر فائز ہوا ، پھر بنگال کی دیوانی سے ممتاز ہوا ۔ جب جہانگیر نے شاہزادہ سلطان پرویز کو دکن میں متعین کیا تو یہ شاہزادے کے ہمراہ بھیجا گیا اور آخر وقت تک شاہزادے کے ساتھ رہا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ - ص ۹۳۲ ، ۹۳۳) ۔

(۱۰) خواجہ فتح اللہ بن خبیب اللہ کاشی : یہ جلوس اکبری کے بیسویں سال فوج کی بخشی گری پر متعین ہوا ۔ اکبری جلوس کے اڑتالیسویں سال شہزادہ سلیم کی سفارش پر جب کہ سلیم الہ آباد میں تھا ، منصب ہزاری سے سربلند ہو کر اس کے پاس متعین کیا گیا ۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں بھی وہ بخشی گری کی خدمت پر متعین رہا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۶۹-۶۷۱) ۔

(۱۱) عبدالرزاق معموری : صحیح النسب سادات کے خاندان سے تھا ۔ عہدِ اکبری میں شیخ فرید بخاری کے ساتھ صوبۂ بنگال پر متعین ہؤا اور جہانگیر کے عہدِ حکومت میں دوست محمد خواجہ جہان کے ساتھ بخشی دوم مقرر ہؤا ۔ میرزا غازی ترخان کی وفات کے بعد ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲-۱۳ع) میں ٹھٹے پہنچا اور ۲۲-۱۰۲۳ھ (۱۶۱۳-۱۵ع) میں ٹھٹے کا صوبہ دار رہا ۔ آخر میں صادق خان کا نوکر ہوگیا تھا اور جمع بندی کے لیے اس کے پرگنات پر متعین تھا ۔ وہاں کے عامل نے اس کو مار ڈالا ۔ (رک : ذخیرۃالخوانین ، ج ۱ ، ص ۶۰۶ ، ۶۰۷ - مقالات الشعرا ، ص ۳۴۸) ۔

(۱۲) امین الدولہ : اس شخص کا صحیح نام امین الدین ہے ، جس کے متعلق صاحبِ اکبر نامہ نے تحت سال ۹۹۴ھ لکھا ہے کہ : ماہ دے کی ۹ تاریخ کو اکبر نے اسے بخشی گری کے عہدے پر مقرر کیا (رک : اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۴۷۴) ۔

(۱۳) شریف خان : عبدالصمد شیریں قلم شیرازی کا بیٹا تھا ۔ شریف خان کو اکبر نے دو صدی کا منصب دیا ۔ جب جہانگیر اکبر سے خود سری اختیار کرکے الہ آباد میں مقیم ہوگیا تھا تو اکبر نے اس خیال سے کہ شریف خان جہانگیر کا ہم مکتب اور دوست ہے ، ایک تفہیمی فرمان کے ساتھ اسے جہانگیر کے پاس بھیجا ۔ اس نے بجائے تفہیم کے جہانگیر کو خوب بھڑکایا اور اس کی طبیعت میں اس قدر رسوخ پیدا کر لیا کہ جہانگیر نے اس سے وعدہ کر لیا کہ اگر وہ بادشاہ ہو جائے گا تو نصف سلطنت اس کو دے گا ۔ جب باپ بیٹے میں صلح صفائی ہوگئی تو شریف خان اپنے انجام کو سوچ کر پہاڑوں میں چھپ گیا ، یہاں تک کہ جہانگیر بادشاہ ہؤا ۔ اس وقت یہ جہانگیر کے پاس پہنچا اور اس کی ملازمت میں منسلک ہوگیا ۔ جہانگیر نے اسے امیرالامرا کا خطاب اور منصب وکالت دیا ۔ آخر میں دکن میں متعین کیا گیا اور وہیں اس نے اجلِ طبعی سے وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۶۲۵ - ۶۲۹) ۔

(۱۴) خواجہ عبدالصمد شیریں قلم : شیراز کے مشہور علمی خاندان سے تھا ۔ اس کے والد خواجہ نظام الملک ، شاہ شجاع والیِ شیراز کے وزیر تھے ۔ ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ع) میں وہ کابل میں ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہؤا اور

اس کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا ۔ ہندوستان آنے کے بعد ہمایوں نے اسے شاہزادہ اکبر کے ساتھ متعین کیا ۔ اکبر اس سے مصوّری میں اصلاح لیا کرتا تھا ۔ اکبر نے اپنے عہد حکومت میں اسے اپنے ندیموں میں شامل کیا اور چہار صدی کا منصب بھی دیا ۔ جلوس اکبری کے بائیسویں سال وہ امین دارالضرب فتح پور سیکری مقرر ہوا اور جلوس کے اکتیسویں سال ملتان کا دیوان مقرر ہوا ۔ وہ اپنے وقت کا بہترین خطّاط اور خوش نویس تھا ۔ اکبر نے اسے 'شیریں قلم' کا خطاب دیا تھا ۔ (تذکرۂ خوش نویساں ، ج ۳ ، ص ۳۱۰ (س)) ۔

(۱۵) راجا مان سنگھ : ۹۶۸ھ (۶۱-۱۵۶۰ع) رتن پور میں اپنے باپ کے ساتھ دربار اکبری میں حاضر ہوا اور اس کے امرا میں منسلک ہو گیا ۔ عہد جہانگیری میں وہ اپنی خواہش سے مہم دکن پر گیا ، اور دو برس تک وہاں خدمت بجا لانے کے بعد اس نے ۱۰۲۳ھ (۱۵-۱۶۱۴ع) میں دکن ہی میں وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین ، ص ۱۰۳ - امرائے ہنود ، ۳۱۴ - ۳۲۲) ۔

(۱۶) راجا بھارا مل : بن راجا سرتھی راج ۔ ان کی راج دھانی آنبیر میں تھی ۔ ۹۶۸ھ (۶۱-۱۵۶۰ع) میں اکبر نے اسے درباری امرا میں شامل کیا اور ۹۶۹ھ (۶۲-۱۵۶۱ع) میں بمقام سانبھر اس کی بیٹی سے عقد کیا ۔ یہ سب سے پہلی ہندو خاتون تھی جو مغل حرم سرا میں داخل ہوئی (رک : امرائے ہنود ، ص ۷۴-۷۸) ۔

(۱۷) رانا : یہاں رانا سے مراد رانا امر سنگھ ہے جو میواڑ کے رانا پرتاب کا سب سے بڑا بیٹا تھا ۔ یہ اپنے والد کی وفات کے بعد گدّی پر بیٹھا ۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں اس کی طرف پوری توجہ کی اور کئی مہمیں تسخیر میواڑ کے لیے روانہ کیں ۔ آخر جلوس جہانگیر کے نویں سال جب شاہزادہ خرم کو تسخیر میواڑ کے لیے متعین کیا ، خرم نے اس کو صلح پر مجبور کر دیا اور وہ حاضر ہو کر اپنے بیٹے کرن سنگھ کو دربار میں روانہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا ۔ خود جہانگیر نے بھی تُوزک جہانگیری میں آٹھویں جشن نوروز کے ضمن میں اس کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں ۔ رانا امر سنگھ نے جلوس جہانگیری کے

چودھویں سال ١٠٢٨ھ (١٦١٩ع) میں وفات پائی (رک : امراے ہنود ، ص ٢٩١-٢٩٦) ۔

(١٨) راجا جگن ناتھ ولد راجا بھارا مل : یہ اپنے والد کے ساتھ اکبر کے ملازموں میں منسلک ہوا اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ جہانگیر نے اپنے جلوس کے پہلے سال اسے سلطان پرویز کے ہمراہ رانا کی مہم پر متعین کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ٢ ص ٥١٣-٥١٦).

(١٩) رانا شنکر : راجا اودے سنگھ کا بیٹا تھا ۔ ان کے بھائی رانا پرتاپ نے جب اکبر کی مخالفت کی تو یہ ملازمان اکبری میں شامل ہوا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اسے پرویز کے ساتھ رانا کی تادیب کے لیے مقرر کیا ۔ جلوس جہانگیری کے دوسرے سال اسے علم اور منصب دو ہزاری و پانصدی دیا گیا (رک : امراے ہنود ، ص ٥٨٢) ۔

(٢٠) مادھو سنگھ : راجا بھگوان داس کا چھوٹا بیٹا اور راجا مان سنگھ کا بھائی تھا ۔ گجرات کی یلغار میں اکبر کے ساتھ شریک تھا - ٣٠ جلوس اکبری میں بادشاہ کے ساتھ بنگال کی مہم میں شریک ہوا - ٣٨ جلوس اکبری میں منصب سہ ہزاری ذات ، دو ہزار سوار سے سر بلند ہوا (رک : امراے ہنود ، ص ٣٣٣ - ماثرالامرا ، ج ٣ ، ص ٣٣١-٣٣٢) ۔

(٢١) راول سال درباری : راجا سرجا کا بیٹا اور رائے رائے سل کا پوتا تھا ۔ اکبر نے اسے حرم سراے شاہی کا محافظ مقرر کیا ۔ چوں کہ یہ ہمیشہ بادشاہ کے حضور میں حاضر رہتا تھا اس لیے درباری کے لقب سے ملقب ہوا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہو کر اس کے منصب میں اضافہ کر کے راجگی کا خطاب دے کر صوبۂ دکن پر متعین کیا ۔ راول سال نے دکن ہی میں وفات پائی (رک : امراے ہنود ، ص ٢٠٥ ، ٢٠٦) ۔

(٢٢) ازبک : بیورج کی رائے میں یہاں لفظ ازبک غلط ہے ، بلکہ امر ہے ، جس سے مراد امرسنگھ ہے جو اودھے پور کا رانا تھا ۔ اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ شیر خان نے رانا کی لڑائی میں اپنا ہاتھ کھو دیا تھا (رک : بیورج ، ص ١٧) ۔

(۲۳) شیخ عبدالرحمٰن : شیخ ابوالفضل کا بیٹا تھا جو ۹۸۹ھ (۸۲-۱۵۸۱ع) میں پیدا ہوا ۔ جہانگیر نے اسے اس کی کارکردگی اور فرمان برداری کی بنا پر افضل خاں کے خطاب اور منصب دو ہزاری سے سرفراز کیا تھا ۔ عبدالرحمٰن نے جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ (۱۵-۱۶۱۴ع) میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۱۵ ، ۱۱۷) ۔

(۲۴) سہا سنگھ : راجا جگت سنگھ کا بیٹا اور راجا مان سنگھ کا پوتا تھا ۔ ۱۰۰۷ھ (۹۹-۱۵۹۸ع) میں اکبر نے اس کے باپ کے مرنے کے بعد اسے صوبۂ بنگال کی حکومت پر متعین کیا ۔ سن ۲ جلوس جہانگیری میں وہ مہم بنگش پر مقرر ہوا ۔ سن ۱۱ جلوس جہانگیری میں وہ منصب سہ ہزار و پانصدی سے ترقی پا کر مہم دکن پر متعین ہوا ۔ ۱۰۲۶ھ (۱۷-۱۶۱۶ع) میں اس نے کثرت شراب نوشی کی وجہ سے بیمار ہو کر بالا پور میں وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۲۴) ۔

(۲۵) صادق خاں : ابتداءً بیرم خاں کا رکاب دار تھا ۔ اس کی نوکری میں ترقی کرتے کرتے منصب پانچ ہزاری کو پہنچا ۔ بیرم خاں کی وفات کے بعد اکبر کے زمرۂ امرا میں شامل ہوا اور شاہزادہ مراد کا اتالیق مقرر ہوا ۔ اس نے دھولپور کو اپنا وطن بنایا تھا (رک : ذخیرۃالخوانین ، کراچی ، ص ۱۷۶) ۔

(۲۶) وزیر جمیل : ابتداءً اکبر کے منصب داروں میں تھا ۔ ۹ جلوس اکبری میں خانخانان منعم بیگ کے ساتھ وہ بنگال گیا ۔ جہاں بہت اچھی خدمات انجام دیں ۔ کچھ دنوں وہ حکومت کے مخالفوں سے مل گیا تھا ، مگر جلوس اکبری کے انتیسویں سال اس نے اکبر کے دربار میں حاضر ہو کر پھر اس کی ملازمت اختیار کی (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۹۲۸) ۔

(۲۷) منوہر : رائے منوہر داس کچھواہا (میرزا محمد منور) رائے لون کرن کا بیٹا تھا ۔ رائے لون کرن ہمیشہ اسے فخر سے میرزا محمد منور کہہ کر پکارتا تھا ۔ اکبر نے آنبیر کے قریب جہاں اب موضع موتھان آباد ہے ، ایک پرانے برباد شدہ شہر کو آباد کر کے اس کا نام منوہر پور رکھا اور وہاں کی حکومت اسے دی ۔

جہانگیر نے تخت نشین ہو کر جلوس جہانگیری کے دوسرے سال اسے منصب ہزار و پانصدی ذات و شش صد سوار دیا اور دکن کے صوبے پر متعین کیا ، وہیں اس نے وفات پائی (رک : أمرائے ہنود ، ص ۳۳۴ ، ۳۳۵) ۔

(۲۸) احدی : شریف خاندانوں کے سپاہی اور ایک خاص طبقے کے سوار ہوتے تھے ۔ یہ لوگ عموماً بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی وفاداریاں کسی اور سے وابستہ نہ ہوتی تھیں ۔ بدایونی کے بیان کے بموجب اکبر کے عہد حکومت میں اصلاحات سے پہلے دو اسپہ ، ایک اسپہ اور نیم اسپہ احدی ہوتے تھے ۔ نیم اسپہ دو احدیوں کے درمیان ایک گھوڑا ہوتا تھا اور وہ تنخواہ جو چھ روپے ہوتی تھی ، اس میں بھی یہ دونوں برابر کے شریک ہوتے تھے ، لیکن آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احدیوں کو پانچ سو روپے ماہانہ سے زیادہ تنخواہ ملتی تھی ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد احدیوں کی تنخواہوں میں پچاس فی صد اضافہ کر دیا تھا ۔

احدیوں کے فرائض اُن لوگوں سے ، جو شاہی محافظ کہلاتے تھے ، مختلف اور متنوع تھے ۔ بلاخ مین کے بیان کے مطابق شاہی دفاتر کے بہت سے محرر ، درباری مصوّر اور کارخانوں کے داروغہ وغیرہ اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے ، اور بہت سے احدی مختلف دفتروں ، مال خانوں اور شاہی کارخانوں میں مامور تھے ۔ نیز مکتوب نگاری اور احکام پہنچانے کی خدمات بھی انجام دیتے تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں احدیوں کے فرائض مختلف رہے ہیں ؛ مثلاً شاہجہان کے عہد میں ان سے جنگی خدمات بھی لی گئی ہیں ۔

احدیوں کے لیے ایک علیحدہ محکمہ ، ایک دیوان ، ایک بخشی اور متعدد کارندوں پر مشتمل تھا ۔ اس محکمے کا افسر اعلیٰ بڑے اُمرا میں سے ہوتا تھا ۔ اس کے اُمیدوار راست شہنشاہ کے حضور میں پیش کیے جاتے تھے ۔ انتخاب ہو جانے کے بعد حسب معمول یادداشت اور تعلیقے وغیرہ کی کارروائیاں عمل میں آتی تھیں ۔ ہر ایک کے متعلق تفصیلی کیفیت تیار کی جاتی ، پھر تنخواہیں مقرر کی جاتیں ، اس کے بعد ضمانت لی جاتی اور

پھر ایک بار احدی کو شہنشاہ کے حضور میں پیش کیا جاتا اور بادشاہ عموماً مقرر شدہ تنخواہ میں اضافے کا حکم دے دیتا تھا۔

ملازمت کے شروع میں احدی اپنے ذاتی گھوڑے کے ساتھ حاضر ہوتا ، لیکن اگر بعد میں ضرورت پڑتی تو حکومت اسے مفت یا قیمتاً گھوڑا فراہم کر دیتی تھی۔ متوفی احدیوں کے گھوڑے اکثر ان احدیوں کو دے جاتے تھے جن کے گھوڑے ضائع ہو جاتے تھے۔ ہر چار ماہ بعد احدیوں کی حاضری اور جائزہ لیا جانا ضروری تھا۔

اکبر کے زمانے میں احدیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ معلوم نہیں ہو سکا ، مگر جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت ان کی تعداد ۱۴۴۴ تھی ، لیکن ھاکنس نے ۵۰۰۰ لکھی ہے۔ بادشاہ نامہ ، ج ۲ ، ص ۷۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان کے بیسویں سال جلوس کے اواخر میں ان کی مجموعی تعداد ۷۰۰۰ تھی۔

(رک : The Mansabdari System and the Great Mughul Army by Abdul Aziz. Page 199 ، 203.)

(۲۹) اُوزک یا اوزک : تاتاری لفظ ہے ، جس کے معنی انگشتری کے ہیں ، جس پر کچھ کندہ ہو۔ یہ گول چھوٹی انگشتری تھی۔ (رک : بلاخ مین ، ص ۵۲۔ راجرس ، صفحہ ۱۸)۔

(۳۰) بقول راجرس ، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطے میں ، جس سے سید صاحب نے متن تیار کیا ہے ، ''صبیہ'' کا لفظ ہے ، لیکن انڈیا آفس کے دو خطی نسخوں میں ''صبیہ'' کی بجائے لفظ ''خویش'' آیا ہے اور ارسکن نے اسی کو صحیح سمجھا ہے۔ محمد ھادی نے لکھا ہے کہ شاہزادہ پرویز کی والدہ خواجہ حسن کی بیٹی تھی جو زین خاں کوکہ کا چچا تھا۔ ذخیرۃالخوانین کا مؤلف لکھتا ہے کہ یہ خاتون زین خاں کی بیٹی تھی اور جہانگیر کے حرم میں داخل ہونے کے بعد ''خاص محل'' کہلائی۔

پرویز کی ولادت ۹ محرم ۹۹۸ یعنی ۱۹ آبان مطابق نومبر ۱۵۸۹ع کو ہوئی (رک : اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۵۰۸ - بلاخ مین ، ص ۳۷۷ - راجرس ، ص ۱۹ - ذخیرۃالخوانین ج ۱ ، ص ۱۲۳)۔

(۳۱) میرزا عزیز کوکہ : شمس الدین محمد خان اتکہ کا چھوٹا بیٹا تھا جو اکبر کا ہم عمر تھا ۔ اس کی ماں جیجی انگہ اکبر کی رضاعی والدہ تھی ۔ جلوس جہانگیری کے اٹھارویں سال وہ سلطان داور بخش پسر خسرو کے ساتھ ، جو گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا ، گیا ۔ میرزا عزیز کوکہ نے جلوس جہانگیری کے انیسویں سال ۱۰۳۳ھ (۲۵-۱۶۲۴ع) میں احمد آباد میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۷۵ ، ۶۷۹) ۔

(۳۲) کرم سی : میرزا ہادی کے بیان کے مطابق ، کرم سی ، راجا کیشو داس کی بیٹی تھی اور اس کی بیٹی بہار بانو ۲۳ شہریور ۹۹۸ھ (۱۵۹۰ع) میں پیدا ہوئی تھی ۔ (رک : دیباچۂ توزک ، صفحہ ۶) ۔

(۳۳) بہار بانو بیگم : بہار بانو بیگم کی شادی بیسویں سال شاہزادہ دانیال سے ہوئی ۔ (رک بیورج ، ص ۱۹ ، ح ۳) ۔

(۳۴) توزک کے سر سید ایڈیشن میں شاہجہان کی ولادت ۹۹۹ھ مندرج ہے ، اور انڈیا آفس کے مخطوطے میں بھی یہی ہے ، لیکن رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے کے مطابق ۱۰۰۰ھ ہے ، اور یہ ہی بلاشبہ صحیح ہے ۔ (رک : بیورج ، ص ۱۹) ۔

(۳۵) گلیڈون کا بیان ہے کہ : جہاندار اور شہریار دونوں توام تھے ۔ اکبر کے زمانۂ وفات کے قریب پیدا ہوئے تھے (رک : بیورج ، ص ۲۰) ۔

(۳۶) میرزا غازی : ٹھٹے کے آخری ترخانی فرماں روا میرزا جانی بیگ ترخان کا بیٹا تھا ۔ جب میرزا جانی بیگ نے اکبر کے عہد میں ۲۷- رجب ۱۰۰۸ھ (۱۶۰۰ع) میں وفات پائی تو اکبر کے حکم سے میرزا غازی بیگ کو ٹھٹے کی حکومت واگذاشت کی گئی اور ۱۰۱۳ھ (۵ ، ۱۶۰۴ع) میں وہ سعید خان کے ہمراہ آگرے اکبر کے دربار میں پہنچا ۔ اکبر نے ٹھٹہ اس کی جاگیر میں بحال رکھا ۔

جب ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) میں جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس کے اقبال کا ستارہ اور بھی چمکا ۔ جہانگیر نے اسے ٹھٹے کے ساتھ ملتان کی گورنری دی اور اپنی فرزندی اور ہفت ہزاری کے منصب سے بھی سر بلند کیا ۔

۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) میں جہانگیر نے آسے سیوستان اور ملتان کے کچھ حصے کے ساتھ قندھار کی گورنری دی ۔

میرزا غازی نے پچیس سال کی عمر میں ۱۱- صفر ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) میں وفات پائی ۔ کہتے ہیں کہ بھائی خان ولد خسرو خان نے نمک حرامی اختیار کر کے اپنے ایک غلام عبداللطیف کے ذریعے آسے زہر دلوا کر ہلاک کرا دیا تھا ۔ آس کی لاش ٹھٹے لائی گئی اور وہ اپنے باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا ۔ (رک : مقالات الشعرا ، ص ۸۲۸ ، ۸۳۶ ۔ تحفةالکرام اردو ترجمہ ، ص ۲۶۹ ، ۲۷۲ ۔ ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۴۵ ، ۳۴۷ ۔ مقالہ سید حسام‌الدین راشدی مطبوعہ رسالہ تاریخ ، انجمن ترقی اردو) ۔

(۳۷) جان بیگ : سرسید ایڈیشن میں یہ نام خان بیگ ہے لیکن انڈیا آفس کے مخطوطے نمبر ۱۸۱ میں جان بیگ لکھا ہوا ہے جو صحیح ہے ۔ اقبال نامۂ جہانگیری کے آخر میں عہد جہانگیری کے وزرا کی جو فہرست دی گئی ہے ، اس میں بھی یہ نام جان بیگ ہے ۔ (رک : بیورج ، ص ۲۰ ، ح ۳ ۔ اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ شانتی پریس الہ‌آباد ، ص ۳۳۵) ۔

(۳۸) رام داس کچھواہا ولد اردت یا اوت : لونی کا متوطن تھا ۔ پہلے رائے سال درباری کے ہاں ملازم ہوا ، پھر آسی کے توسل سے اکبر کے ملازموں میں شامل ہوا ۔

جہانگیر نے تخت نشین ہوکر اسے سہ ہزاری کا منصب دیا ۔ آخر میں جہانگیر نے کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو کر مہم بنگش پر روانہ کیا ۔ رام داس نے وہیں ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ - ۱۶ع) میں وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۰۹ - ۲۱۱) ۔

(۳۹) میرزا رستم : پہلے قندھار کے نواح میں داور کا حاکم تھا ۔ اوزبکوں کے خراسان پر غلبہ پا لینے کے بعد وہ ۱۰۰۱ھ (۹۳-۱۵۹۲ع) میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور ملتان کا گورنر مقرر ہوا ۔

۱۰۲۱ھ (۱۳-۱۶۱۲ع) میں جہانگیر نے میرزا غازی بیگ کے انتقال کے بعد اسے ٹھٹے کی گورنری دی ، لیکن اس کا سلوک رعایا سے اچھا نہ رہا ، اس لیے جہانگیر نے آسے واپس بلا لیا اور شش ہزاری کا منصب

دے کر اس کی لڑکی کی شادی سلطان پرویز سے کر دی ۔ پھر اسے الہ آباد کا صوبہ دار بنایا ۔ میرزا رستم نے ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱-۴۲ع) میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۴۳۴ - ۴۴۰) ۔

(۴۰) ایرج بن میرزا خانخانان عبدالرحیم : وفات ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ - ۱۶ع) (رک : ذخیرۃالخوانین ، قلمی ، ص ۲۸۸ - ۲۹۰) ۔

(۴۱) داراب خان بن میرزا خان‌خانان عبدالرحیم : جہانگیر نے اسے منصب پنج ہزاری دے کر صوبہ برار کی صوبہ‌داری دی ۔ بعد میں جہانگیر کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو گیا ۔

''شہید پاک شد داراب مسکین'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے (رک : ذخیرۃالخوانین ، ص ۳۳۹ ، ۳۴۰) ۔

(۴۲) کیشوداس مارو ولد جیمل میرٹھیہ : ابتداءً اکبر کے عہد میں اس کا منصب سہ صدی تھا ۔ جہانگیر نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں منصب ہزار و پانصدی دے کر صوبۂ بنگالہ میں متعین کیا ۔ ۱۱- جلوس جہانگیری میں دکن میں متعین کیا گیا - ۱۲ جلوس جہانگیری میں اسے جہانگیر نے دربار میں طلب کر لیا ۔ جہانگیر اس سے بہت خوش تھا (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۸۹-۲۹۰) ۔

(۴۳) قلیج خاں : نواح کابل کا رہنے والا تھا اور اکبر کے امرائے کبار میں سے تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں بھی وہ اس کے مقرب و ممتاز امرا میں تھا ۔ ایک عرصے تک لاہور کا صوبہ دار رہا ، (رک : ذخیرۃالخوانین مطبوعہ ص ۱۷۲) ۔

(۴۴) میران صدر جہاں : لکھنؤ کے ایک قصبے پہانی کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے عالم اور حدیث کے علم میں ماہر تھے ۔ جہانگیر جب اپنی شہزادگی کے زمانے میں شیخ عبدالنبی سے چہل حدیث پڑھتا تھا تو یہ بطور خلیفہ کے تھے ۔ میران صدر جہاں شیخ عبدالنبی کے توسط سے اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوئے ۔ اکبر نے انھیں ممالک محروسہ کا مفتی مقرر کیا ۔ پھر انھیں جلوس کے چالیسویں سال ہفت صدی کا منصب دے کر ''صدارت کل'' کا عہدہ دیا ۔ جہانگیر نے ان کو مختار بنایا اور چار ہزاری منصب دے کر قنوج

کا علاقہ بطور تنخواہ ان کی جاگیر میں دے دیا۔ میران صدر جہاں نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۰۲۰ھ (۱۲-۱۶۱۱ع) میں وفات پائی۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۴۸ - ۳۵۰)۔

(۴۵) شیخ عبدالنبی : عہد اکبری میں صدرالصدور تھا۔ انہوں نے ۹۹۲ھ (۸۵-۱۵۸۴ع) میں وفات پائی۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۵۶۰-۵۶۳) سرسید کے متن میں غلطی سے عبدالغنی کمپوز ہوا ہے۔

(۴۶) غیاث بیگ بن خواجہ شریف ہجری تہرانی (حاکم یزد و اصفہان) اپنے والد کی وفات (۹۸۴ھ) کے بعد اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا۔ سال ۱۰۲۰ھ (۱۲-۱۶۱۱ع) میں چھٹے جشن نوروز کے موقع پر اس کی بیٹی مہرالنسا جو بعد میں نور محل اور نور جہاں کے خطاب سے موسوم ہوئی ، جہانگیر کے عقد میں آئی تو اس نسبت خاص کی بنا پر جہانگیر نے اسے اعتمادالدولہ کے خطاب اور وکالت کل اور منصب شش ہزاری سہ ہزار سوار اور علم و نقارے سے ممتاز کیا۔ ذخیرۃالخوانین میں ہے کہ وہ آخر عمر تک ممالک محروسہ کا دیوان کل رہا۔ غیاث بیگ نے بمقام پلوان ربیع الاول (۱۷ بہمن) ۱۰۳۱ھ (۲۲-۱۶۲۱ع) میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ج ۱ ، ص ۱۲۷ - ۱۳۱ ، ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۱۵۵ - ۱۵۹)۔

(۴۷) پتر داس : (پتمبرداس) ذخیرۃالخوانین بلاخ میں اور توزک جہانگیری کے انگریزی مترجم راجرس اور اس کے محشی بیورج نے یہی نام اختیار کیا ہے ، البتہ امرائے ہنود میں اس کے نام پتر داس کے ساتھ قوسین میں پتمبر داس بھی دیا گیا ہے۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۱۳)

پتر داس ذات کا کھتری تھا۔ اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں شاہی ملازمت میں داخل ہوا اور شاہی فیل خانے کا داروغہ مقرر کیا گیا۔ پھر اکبر نے اسے رائے رایان کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ۱۰۱۴ھ (۶-۱۶۰۵ع) میں جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اسے میر آتش کا عہدہ عطا کیا (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۱۳ - ذخیرۃالخوانین ، ج ۱ ص ۲۳۸)

(۴۸) میر آتش : داروغۂ توپ خانہ (غیاث ، ج ۲ ، ص ۴۵۷)۔

(۴۹) تورہ : (بواو مجہول و رای سہملہ) چنگیز خان کا بنایا ہوا قانون۔ (غیاث ، ج ۱ ، ص ۲۶۷)۔

(۵۰) ال تمغا: ترکی میں بادشاهوں کی مُہر کو کہتے تھے ۔ اُسے سرخ تھیلی میں رکھا جاتا تھا ۔ یہ مہر مغل فرماں رواؤں کے زمانے میں اُس وقت فراہین پر لگائی جاتی تھی جب زمین اور اقطاع کسی کی اولاد کو فرمان کے ذریعے سے دیے جاتے (فرهنگ آنندراج ، ج ۱ ، ص ۶۲) ۔

(۵۱) التون تمغا: سرسید ایڈیشن میں بجائے التون کے اکنون ہے جو صحیح نہیں ۔ صحیح لفظ التون ہے ۔ یہ لفظ ترکی ہے ، جس کے معنی سونا (پارهٔ زر) کے ہیں ۔ التون سونے کے تمغے کو بھی کہتے ہیں (ترکش اینڈ انگلش لیکسیکون ص ۱۸۳ - فرهنگ آنندراج ، ج ۱ ، ص ۲۶۲ - التون : بالفتح وتای فوقانی و واو معروف ، ترکی میں زر سرخ کو کہتے ہیں) ۔

(۵۲) میرزا سلطان: بن میرزا شاهرخ (متوفی ۱۰۱۶ھ) بن میرزا ابوالقاسم ابراهیم بیگ وفائی (متوفی ۹۶۷ھ) بن میرزا سلیمان والی بدخشان (متوفی ۹۹۷ھ) بن سلطان ویس میرزا (متوفی ۹۲۷ھ) بن سلطان غیاث الدین (متوفی ۹۰۰ھ) بن سلطان ابوسعید میران شاهی ۔ اس نے بچپن هی سے جهانگیر کے پاس تربیت حاصل کی تھی ۔ جهانگیر اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنا چاهتا تھا لیکن اُسے معلوم هؤا کہ میرزا سلطان کی بہت سی بیویاں هیں ۔ اُس نے اُس سے بلا کر پوچھا ۔ اس نے قسم کھا کر انکار کر دیا ۔ جهانگیر نے خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کی بیویوں کو گرفتار کرلیں ۔ اُسی دن سے وہ جهانگیر کی نظر میں گر گیا ۔ آخر میں غازی پور اس کی جاگیر میں دیا گیا ، جہاں کچھ عرصے کے بعد اس نے وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۳۳۴) ۔

(۵۳) بھاؤ سنگھ: راجا مان سنگھ کا چھوٹا بیٹا تھا ۔ اُمرائے عہد اکبری میں منصب هزاری رکھتا تھا ۔ جهانگیر نے تخت نشین هو کر پہلے سال میں منصب هزار و پانصدی اور تیسرے سال میں منصب دو هزاری ذات و دو هزار سوار دیا - ۱۰۳۱ھ (۲۲-۱۶۲۱ع) کے لگ بھگ اس نے دکن میں وفات پائی (رک : اُمرائے هنود ، ص ۹۷) ۔

(۵۴) مہابت خاں: بن غیور بیگ کابلی کا اصل نام زمانہ بیگ تھا ۔ اس کا باپ شیراز سے کابل آیا اور میرزا محمد حکیم کی ملازمت میں منسلک هو گیا ۔

میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد وہ اکبر کے ملازموں میں شامل ہو گیا ۔
زمانہ بیگ (مہابت خاں) بچپن ہی سے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے احدیوں میں داخل تھا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے سال اول میں اُسے مہابت خاں کا خطاب اور سہ ہزاری منصب دے کر مہم رانا امرسنگھ پر متعین کیا ۔ یہ وہی شخص ہے جس نے جہانگیر سے بغاوت کی اور اسے قیدی بنایا ، جس کی تفصیلات توزک کے آئندہ اوراق میں آئیں گی ۔
شاہ جہان نے تخت نشین ہونے کے بعد اُسے خان خاناں کا خطاب دے کر منصب ہفت ہزاری اور ہفت ہزار سوار اور چار لاکھ روپے نقد انعام دے کر صوبۂ اجمیر کی صوبہ داری پر مقرر کیا ۔ پھر وہ صوبہ داری دکن پر متعین کیا گیا ۔ اُس نے ۱۰۴۲ھ (۳۳-۱۶۳۲ع) میں قلعۂ دولت آباد کو فتح کیا ۔
اُسی زمانے میں جب کہ وہ مہمات دکن میں مصروف تھا ، بھگندر کے مرض نے اس پر حملہ کیا ۔ یہ اُس کی پرانی بیماری تھی ، جس نے شدت اختیار کی ۔ مرض الموت میں اُس نے وصیت کی کہ اُس کے تابوت کو دھلی لے جایا جائے اور شاہ مردان کے قبرستان میں دفن کیا جائے ۔ آخر ۱۰۴۴ھ (۳۵-۱۶۳۴ع) میں مہابت خاں نے اسی بیماری میں وفات پائی ۔ ''زمانہ آرام گرفت'' اس کی تاریخ وفات ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۸۵ - ۴۰۹) ۔

(۵۵) راجا نرسنگھ دیو ولد راجا مدھکر : اسی نے شیخ ابوالفضل کو ۱۰۱۱ھ (۳-۱۶۰۲ع) میں قتل کیا تھا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہو کر اسے منصب سہ ہزاری سے سرفراز کیا ۔ وہ عہد شاہ جہانی میں ۱۰۵۰ھ (۴۱-۱۶۴۰ع) میں مہم ساھو جی بھوسلا میں ایک راجپوت کے ھاتھ سے مارا گیا (رک : امرائے ہنود ، ص ۳۴۸ - ۳۵۱) ۔

(۵۶) ضیاء الدین قزوینی : جہانگیر کا جان نثار درباری تھا ۔ جس زمانے میں کہ میرزا عزیز کوکلتاش اور راجا مان سنگھ ، خسرو کی تخت نشینی کے لیے کوشاں تھے ، تو اُسی نے سب سے پہلے ان کی سازش سے جہانگیر کو مطلع کیا تھا ۔ اس کے حالات توزک جہان گیری میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں (س) ۔

(۵۷) کرن : رانا امر سنگھ کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کے اطاعت قبول کرنے کے بعد دربار جہان گیری میں حاضر ہؤا ۔ جہانگیر نے اسے اسی وقت خلعت اور شمشیر مرصع سے نوازا اور بعد میں منصب پنج ہزاری ذات و سوار پر فائز کر کے سر بلند کیا ۔ ۱۴ جلوس جہانگیری میں اس کے باپ کے مرنے کے بعد جہانگیر نے اسے رانا کا خطاب دیا ۔ ۱۰۳۸ھ میں کرن نے عہد شاہ جہانی میں وفات پائی (رک : امرائے ہنود، ص ۲۹۱ - ۲۹۷) ۔

(۵۸) عبداللہ خان اوزبک : ولادت : ۹۴۰ھ (۱۵۳۳ع) تخت نشینی : ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ع) وفات : ۲۳- جنوری ۱۵۹۸ع - (۱۰۰۷ھ) (اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۳۷ (س)) ۔

(۵۹) میرزا شاهرخ : میرزا ابراهیم کا بیٹا اور میرزا سلیمان والیِ بدخشاں کا پوتا تھا ۔ اس نے اپنے والد کے مارے جانے کے بعد اپنے دادا کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی ۔ وہ ۹۹۲ھ (۱۵۸۴ع) میں بھاگ کر ہندوستان آیا اور اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوگیا ۔

جلوس اکبری کے اڑتیسویں سال ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲-۹۳ع) میں اکبر نے اپنی بیٹی شکر النساء بیگم کو اس سے بیاہ دیا اور پنج ہزاری کا منصب دے کر مالوے کی گورنری پر متعین کیا ۔

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اس کو ہفت ہزاری کے منصب پر ترقی دی اور حسب سابق صوبہ داریِ مالوہ پر بحال رکھا ۔

میرزا شاهرخ نے ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷-۸ع) اُجین میں وفات پائی ، اور وهیں مدفون ہؤا ۔

شکرالنساء بیگم کے علاوہ اس کی دوسری بیوی کابلی بیگم تھی جو میرزا محمد حکیم کی بیٹی تھی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۲۹ - ۳۳۳ نیز دیکھیے حاشیہ ۵۲) ۔

(۶۰) ابوالنبی اوزبک : (بہادر خان اوزبک) جلوس اکبری کے اڑتیسویں سال اکبر کی ملازمت میں منسلک ہؤا ۔ عہد جہانگیری میں چالیس ہزار روپے مدد خرچ کے طور پر پا کر ۵۷ منصب داروں کے ساتھ شیخ فرید مرتضیٰ خان کے ساتھ خسرو کے تعاقب پر متعین ہؤا ۔ جہانگیر نے جلوس کے پانچویں

سال اُسے بہادر خاں کا خطاب دیا ۔ وہ عہد شاہجہانی تک زندہ تھا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۰۰-۴۰۱) ۔

(۶۱) شیخ بھینا : سر سید ایڈیشن میں یہ نام شیخ بھا مندرج ہے جو صحیح نہیں ہے ۔ توزک کے اصل نسخے میں یہ نام شیخ بھینا ہے (رک : بیورج ، ص ۲۷ ، ح ۱ - ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۷۹ - ح ۲) ۔

(۶۲) مقرّب خاں : اس کا اصل نام شیخ حسن تھا مگر وہ عوام میں شیخ حسّو کہلاتا تھا ۔ وہ اکبر کے ملازموں میں شاہی طبیبوں کے زمرے میں بہ‌حیثیت جرّاح داخل ہوا ۔ جہانگیر نے اُسے پہلے گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا ، پھر ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۷-۱۸ع) میں وہاں سے بدل کر بہار کی صوبے داری پر متعین کیا ۔ آخر میں جہانگیر نے اسے بخشی گری کی خدمت پر مامور کیا ۔ شاہجہاں نے اپنی تخت نشینی کے پہلے سال اس کو خدمت سے معاف کرکے قصبہ کیرانہ جو اس کا وطن تھا ، اُسے بطور معافی کے دے دیا ۔ وہ اپنے وطن ہی میں مقیم ہو گیا اور نوّے سال کی عمر میں ۲۷- ذیقعدہ ۱۰۵۶ھ (۱۶۴۶ع) میں اُس نے وفات پائی ، پانی پت میں شاہ بو علی قلندر پانی پتی کے جوار میں دفن ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۷۹ - ۳۸۱) ۔

(۶۳) نقیب خاں : اس کا نام میر غیاث الدین علی تھا ۔ اس کا باپ عبداللطیف ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ع) جلوس اکبری کے پہلے سال اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہندوستان آیا اور اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا میر غیاث‌الدین علی ، اکبر کے ملازموں میں شامل ہوا اور جلوس اکبری کے چھبیسویں سال اکبر نے اُسے نقیب خاں کا خطاب دیا ۔ جہانگیر نے بھی تخت نشین ہونے کے بعد اس کے اعزاز و اکرام اور اس کے منصب میں اضافہ کیا ۔

نقیب خاں نے ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) میں جب کہ جہانگیر اجمیر میں تھا ، اجمیر ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۸۱۲ - ۸۱۶) ۔

(۶۴) سرسید ایڈیشن میں ہے کہ ''پدرم او را بخطاب نقیب خانی امتیاز بخشیدہ بودند ، در خدمت ایشان قرب و منزلت تمام داشت . در ابتدائے جلوس پیش او بعضے مقدمات خواندہ بودند'' (رک : توزک ، ص ۱۲) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے کچھ سبق نقیب خان سے پڑھے تھے ، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے ، بلکہ اکبر نے اس کے باپ عبداللطیف سے کچھ سبق پڑھے تھے (رک : بدایونی ، ج ۳ ، ص ۹۸ - اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۱۹ - ماٰثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۸۱۴)

(۶۵) شیخ کبیر ، شجاعت خاں : چشتی فاروقی شیوخ کے خاندان سے تھا اور اسلام خان چشتی ساکن مئو کا قریبی عزیز تھا . وہ ابتداءً دکن کی مہم پر متعین ہوا ، پھر بنگالے میں متعین ہوا . اسلام خان صوبےدار بنگالہ نے اسے عثمان خاں نوحانی کے مقابلے کے لیے بھیجا . اس مہم میں کامیابی اور شجاعت کے کارناموں کی بنا پر جہانگیر نے اس کے منصب میں اضافہ کر کے اسے رستم زماں کا خطاب دیا . آخر میں وہ بہار کی صوبہ داری پر بھیجا گیا . پٹنے میں ایک روز وہ ہتھنی پر سوار تھا کہ ایک مست ہاتھی اس ہتھنی کی طرف دوڑا ، وہ گھبرا کر ہتھنی سے گر پڑا اور پاؤں ٹوٹ گیا . اسی میں اس نے وفات پائی . (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۷۳ - ۲۷۹) .

(۶۶) رام داس : ولد راجا راج سنگھ کچھواہا . اس کے باپ کے مرنے کے بعد جہانگیر نے اسے منصب ہزاری ذات و چہار صد سوار دیا . پھر ۱۲ جلوس جہانگیری میں خطاب راجگی دے کر اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات ، ہفت صد سوار کر دیا (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۰) .

(۶۷) ابراہیم خان کاکڑ (دلاور خان) : ابتداءً سید یوسف خان رضوی کے ساتھ رہتا تھا . اکھیراج اور ابیراج جنھوں نے جہانگیر کے کٹھرۂ خاص و عام میں گڑ بڑ کی تھی ، دلاور خاں ان کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہوا اور یہی واقعہ اس کی ترقی کا باعث بنا . پھر جب خسرو نے بغاوت کی تو دلاور خاں نے لاہور پہنچ کر اس کے مقابلے کی تیاریاں کیں . جہانگیر نے اسے دلاور خاں کا خطاب اور منصب دے کر کشمیر اس کی جاگیر

میں دیا ۔ اس نے کشمیر کی حکومت کے زمانے میں کشتوار کو فتح کیا ، اور ایک زمانے کے بعد اس نے وفات پائی (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۳۷۴ - ۳۷۹) ۔

(۶۸) حاتم سرثانوی منگلی : اس کا صحیح نام حاتم بن بابویہ منگلی ہے (رک ، بیورج : ج ۲ ، ص ۲۹ - بلاخ میں ، ص ۳۷۰) ذخیرۃالخوانین قلمی میں یہ نام منگلی خاں ولد مانو منگلی ہے ۔ اسے جہانگیر نے زانا امر سنگھ کی سہم میں شاہنواز کا خطاب دیا تھا ۔ کچھ دن کے بعد یہ خطاب میرزا ایرج ولد نواب خانخاناں کو دیا گیا اور اسے منگلی خاں کا خطاب دیا گیا ۔ اس نے اپنی اجل طبعی سے وفات پائی (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۴۰۴) ۔

(۶۹) سلسلۂ احراریہ : یہ سلسلہ ، سلسلۂ نقشبندیہ کی ایک شاخ ہے جس کے بانی کا نام خواجہ عبیداللہ احرار تھا جو تاشقند کے ایک موضع باغستان میں رمضان ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ع) کو پیدا ہوئے اور ۲۹ - ربیع الاول ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ع) کو انھوں نے وفات پائی ۔ خواجہ عبیداللہ کا مزار سمرقند میں ہے ۔ رشحات ، حبیب السیر ، تذکرۂ خواجگان نقشبندیہ ، ص ۴۴ (س)) ۔

(۷۰) تاش بیگ قورچی : سرسید ایڈیشن میں یہ نام تاش بیگ فرجی ہے لیکن صحیح نام تاش بیگ تاج خاں قورچی ہے ۔ قورچی بادشاہ کے باڈی گارڈ اور اسلحہ بردار ہوتے تھے ۔ تاش بیگ ذات کا مغل تھا ۔ یہ ابتداً میرزا محمد حکیم کے ملازموں میں تھا ۔ جلوس اکبری کے تیسرے سال اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور صوبۂ پنجاب بطور تنخواہ اس کی جاگیر میں دیا گیا ۔ جہانگیر نے اسے سہ ہزاری کا منصب اور تاج خاں کا خطا[ب] ... سرکار بکھر اس کی جاگیر میں دیا گیا ، پھر ٹھٹے ... ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) میں تاش بیگ نے ٹھٹے ہی میں ... [مآث]رالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۸۲ - ذخیرۃالخوانین قلمی ،

... کے متن میں یہ نام کمپوزنگ کی غلطی سے ... ہے ۔ اس کا صحیح نام تختہ بیگ کابلی ہے جو

میرزا محمد حکیم کی سرکار میں ملازم تھا ۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد وہ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵-۸۶ع) میں اکبر کے پاس چلا آیا ۔ آخر میں وہ قندھار کا ناظم مقرر ہوا جہاں اس نے ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷-۸ع) میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۴ (س)) ۔

(۷۲) ابوالقاسم نمکین : میر ابوالقاسم نمکین بن ملا میر سبزواری حسینی ، ہروی ۔ وہ ابتداءً میرزا محمد حکیم متوفی ۹۹۳ھ (۱۵۸۵-۸۶ع) کی سرکار میں ملازم ہوا ، پھر اس کی ملازمت ترک کر کے اکبر کے غلاموں میں شامل ہو گیا ۔ اکبر نے اسے بھیرہ اور خوشاب جاگیر میں دیے ۔ بھیرہ اور خوشاب کی جاگیر میں نمک کی کان تھی ۔ میر ابوالقاسم نے ایک پیالہ اور ایک رکابی نمک کی بنا کر اکبر کی خدمت میں پیش کیے ، جس سے اس کا اشارہ اپنی نمک حلالی کی طرف تھا ۔ اکبر نے خوش ہو کر اسے نمکین کا خطاب دیا ۔ یہ خطاب اس کے نام کا جزو بن گیا ۔

۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴-۹۵ع) میں اکبر نے بکھر ، میر ابوالقاسم کی جاگیر میں دیا ۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴-۹۵ع) سے ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۶-۹۷ع) تک بکھر کا صوبہ دار یا جاگیر دار رہا ، اور اس کے بعد کچھ دن کے لیے اسے کشمیر بھیجا گیا ۔ پھر ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹-۱۶۰۰ع) یا ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰-۱ع) وہ سیوھن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اس نے وہاں بہت سی انتظامی اصلاحیں کیں ۔

خسرو کو میر ابوالقاسم نمکین اور خواجہ خضر ہی نے گرفتار کیا تھا ۔ اس وقت یہ گجرات میں جاگیر دار تھا ۔ خسرو کی بغاوت ختم ہونے کے بعد جہانگیر نے اسے بکھر کا علاقہ تنخواہ میں دے دیا ۔ پھر اسے جلال آباد روانہ کیا ۔ وہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷-۸ع) میں باجوڑ کا قلعہ دار بھی رہا ۔ سیوھن کا نظم و نسق خراب ہو جانے کی وجہ سے ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷-۸ع) میں سیوھن کی صوبہ داری دوبارہ اس کے سپرد ہوئی ۔ دوسری مرتبہ وہ ۱۰۱۶ھ سے اپنی وفات ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰-۱۱ع) تک سیوھن کا صوبہ دار رہا ۔ سیوھن ہی کی صوبیداری کے آخری زمانے میں ۱۴- رجب ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو اسے میرزا غازی کے ساتھ قندھار جانا پڑا ۔ ایک سال کے بعد جب وہ قندھار سے واپس

آ رہا تھا تو راستے میں وفات پائی ۔ اس کا مزار صفہ صفا روہڑی (ضلع سکھر) میں موجود ہے ۔ ان کتبوں میں جو وہاں نصب ہیں اس کا سنہ وفات ۱۰۱۸ھ (۱۰-۱۶۰۹ع) مندرج ہے ۔ بکھر کو اس نے اپنا وطن بنا لیا تھا ۔ سندھ میں اس کی بنائی ہوئی بہت سی عمارتیں موجود ہیں ۔ وہ صاحب علم و فضل ، علم دوست اور علم پرور تھا ۔ اس کی تصانیف میں '' منشأ تمکین'' ہے جس کا خطی نسخہ انڈیا آفس میں نمبر ۱۵۳۵ پر موجود ہے ۔ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۲۳ شعبان ۱۰۰۶ھ (۳۱ مارچ ۱۵۹۸ع) ہے ۔ (رک : تذکرۂ امیر خانی ، تالیف سید حسام الدین راشدی ص ۶۲ - ۶۶) ۔

(۷۳) **شیخ علاؤالدین (اسلام خان) :** جہانگیر نے اسے اپنے عہد حکومت میں اسلام خان اور منصب پنج ہزاری اور صوبہ داری بہار سے سرفراز کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال جہانگیر قلی لالہ بیگ کی وفات کے بعد بنگال کا صوبہ دار مقرر ہوا ۔ وہاں اسلام خان نے افغانوں کے مقابلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے ۔ جلوس جہانگیری کے ساتویں سال منصب شش ہزاری سے سر بلند ہوا ۔ ۱۰۲۲ھ (۱۳-۱۶۱۲ع) میں اسلام خان نے وفات پائی ۔ اس کی نعش فتح پور سیکری لائی گئی اور وہیں دفن ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۱۸-۱۱۹) ۔

(۷۴) **بارھہ :** دوآبہ گنگ و جمن ضلع مظفر نگر میں قدیم زمانے سے بارہ گاؤں مشہور چلے آتے ہیں ۔ ان کو بارھہ کہتے ہیں ۔ ان کی بیشتر آبادی سادات پر مشتمل ہے ۔ ان سادات کو سادات بارھہ کہتے ہیں ۔ انھوں نے مغلوں کے زمانے میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ۔ سب سے پہلے اکبر نے سادات بارھہ کی قدر دانی کی ۔ (رک : بلاخ ، ص ۳۹۰-۳۹۵ (بن)) ۔

(۷۵) **محمود خان :** سادات بارھہ میں ممتاز شخصیت کا مالک تھا ۔ وہ اکبر کے ملازموں میں شامل ہو کر منصب پنج ہزاری تک پہنچا اور شجاعت و سخاوت میں غیرمعمولی شہرت حاصل کی ۔ (رک : ذخیرہ ، ج ۱ ، ص ۱۸۱-۱۸۲) ۔

(۷۶) **فریدوں :** اکبر کے امرائے کبار میں تھا ۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں رانا امر سنگھ کی مہم پر متعین ہوا ۔ اس کو تھانہ جہالولہ پر متعین کیا

گیا جہاں کی آب و ہوا نہایت خراب اور ہضم کے لیے مضر تھی۔ اتفاقاً وہ خود بدہضمی کی اسی بیماری میں مبتلا ہوا اور آخر تھانہ شاہ آباد سہار پہنچ کر مر گیا (ذخیرہ : ج ۱، ص ۲۴۱)۔

(۷۷) یہ شعر انوری کے مشہور قصیدے کا ہے جو "توبہ نامہ" کے نام سے مشہور ہے۔ انوری کا اصل شعر یوں ہے:

هم نبوت در نسب هم بادشاهی در حسب
کو سلیمان تا در انگشتش کند انگشتری

جہانگیر نے اس شعر کے مصرع اول میں تصرف کر کے اسے اپنے حسب حال بنایا ہے (من)۔

(۷۸) میرزا یوسف خان: جلوس اکبری کے تیسویں سال اس کا منصب دو ہزار و پانصدی تھا، ۱۰۱۰ھ (۰۲-۱۶۰۱ع) میں جب کہ وہ شیخ ابوالفضل اور خانخاناں کی مدد کے لیے بالا گھاٹ میں متعین تھا، اس نے درد دنبل سے وفات پائی۔ (رک: ماثرالامرا، ج ۳، ص ۳۱۴-۳۲۰)۔

(۷۹) ۱۰۰۸ھ میں یہ قلعہ فتح ہوا۔

(۸۰) شکرالنسا بیگم عہد شاہجہانی تک زندہ تھی۔ (رک: بیورج، ص ۳۶، ج ۱)۔

(۸۱) آرام بانو بیگم نے جہانگیر کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ وہ اس وقت غیر شادی شدہ تھی (رک: بیورج، ص ۳۶، ج ۲)۔

(۸۲) دسویں صدی ہجری میں وسط ایشیا میں بہ یک وقت مختلف قوتیں ابھر آئیں تھیں اور مشرق کے اس حصے میں سخت ہنگامہ اور خلفشار پیدا ہو گیا تھا۔ صفوی خاندان اسی دور کی پیداوار ہے جس کے پہلے بادشاہ اسماعیل صفوی نے پورے ایران پر حکومت کی۔ اس نے اپنی حکومت سے سُنیوں کو نکال دیا تھا جن میں سے کچھ ہندوستان آئے اور کچھ توران میں پناہ گزین ہوئے۔ توران، اوزبکوں کے حوالے تھا جو کٹر سُنی تھے۔ توزک میں ان ہی حالات کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ اسماعیل کی تخت نشینی کا سال "مذہب ناحق" سے نکالا گیا ہے۔ شیعہ حضرات نے اس تاریخ کو اس صورت سے تبدیل کر کے اپنے حق میں بنا لیا: مذهبنا حق۔

(۸۳) بیرم خان : ایران کے قراقوئیلو ترکمانوں کی شاخ بہارلو سے تھا ۔ وہ ابتداءً بابر کی خدمت میں رہا ، اس کے بعد ہمایوں کے دامن دولت سے وابستہ ہو کر بڑے بڑے معرکے سر کیے اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ اکبر نے بھی اسے اپنے عہد سلطنت میں وقتاً فوقتاً انعامات اور خطاب دیے ۔ آخر میں اکبر کے امرا اس کے تقرب کو دیکھ کر اس سے خار کھانے لگے اور انھوں نے سازش کر کے اکبر کا دل اس سے کھٹا کر دیا ۔ مجبوراً وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ حج کے ارادے سے روانہ ہوا ۔ جب وہ پٹن (گجرات) پہنچا تو مبارک خان لوحانی کے ہاتھوں مارا گیا اور بڑی بے کسی کی حالت میں شیخ حسام الدین کے مقبرے میں دفن کیا گیا ۔ اس کی شہادت ۱۴- جمادی الاولیٰ ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ع) کو واقع ہوئی ۔ مدفن : مشہد مقدس (رک : مقالات الشعرا ، ص ۹۸ - مآثر رحیمی ، ج ۱ - مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۳۷۱ - ذخیرہ ، ج ۱ ، ص ۱۰۱-۱۲) ۔

(۸۴) ہیمو بقال : غیرمعروف انسان تھا ۔ ابتداءً قصبہ ریواڑی کے گلی کوچوں میں نمک فروخت کیا کرتا تھا ، پھر جوڑ توڑ سے سلیم شاہ کے بقّالوں میں داخل ہو گیا ۔ جب مبارز خان عدلی کی حکومت کا زمانہ آیا تو یہ اس کا وکیل اور سپہ سالار مقرر ہوا ۔ پہلے اس نے بسنت رائے کا خطاب اختیار کیا ، پھر راجا بکرماجیت کے لقب سے ملقّب ہوا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۹۴) ۔

(۸۵) تردی بیگ خان : ہمایوں کے خاص ملازموں میں تھا ۔ فتح گجرات کے بعد حکومت جاپانیر پر متعین ہوا ۔ اکبر کے عہد میں اسے منصب پنج ہزاری ملا ۔ لواح نارنول میں شیر شاہ کے غلام حاجی خان نے جو شورش برپا کر رکھی تھی ، یہ اس کے فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا اور سیوات تک اس کا تعاقب کیا ۔ پھر دھلی لوٹ کر آیا ، اسی زمانے میں ہیمو بقّال کی بغاوت کا واقعہ پیش آیا (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۶۸-۴۶۹) ۔

(۸۶) شاہ قلی محرم : ابتداءً بیرم خان کا ملازم تھا ، اس کی وفات کے بعد اکبر کے امرا میں داخل ہوا اور اسے منصب پنج ہزاری دیا گیا ۔ اکبر نے اسے کمال شفقت و مہربانی کی بنا پر محل کے اندر آنے جانے کی اجازت دی تھی ۔

اس نے اجازت کے بعد فوراً گھر جا کر اپنے آلۂ رجولیت ہی کو کاٹ دیا تھا کہ محل شبہ ہی باقی نہ رہے . اس دن سے اس کا خطاب ''محرم'' ہوا . نارنول بطریق ملکیت اس کا وطن تھا (رک : ذخیرۃالخوانین ، ج ۱ ، ص ۱۸۲) .

(۸۷) ابراہیم حسین میرزا ، محمد حسین میرزا ، مسعود حسین میرزا ، عادل حسین میرزا : یہ سب کے سب میرزا سلطان ویش بایقرا کے بیٹے تھے اور ہر ایک کو منصب و جاگیر دی گئی تھی .

ابراھیم حسین میرزا سے ھمایون کے بھائی میرزا کامران کی بیٹی بیاھی گئی تھی . ان سب بھائیوں سے کئی مرتبہ بغاوت کے آثار ظاھر ہوئے لیکن ھر مرتبہ ان کو معاف کر دیا گیا .

جلوس اکبری کے سترھویں سال جب اکبر نے احمد آباد کی حکومت خان اعظم کے سپرد کی تو معلوم ھوا کہ ابراھیم حسین میرزا نے میرزا رستم خان رومی کو قتل کر دیا ھے اور بغاوت کی آگ بھڑکائی ھے . باوجود قلت لشکر کے اکبر چالیس سواروں کے ساتھ قصبۂ سرنال کے قریب اس کا مقابل ھوا . یہ شکست کھا کر بھاگا اور سروھی کی طرف چلا گیا اور محمد حسین میرزا گجرات کی طرف فرار ھوگیا . ابراھیم حسین میرزا فرار ھو کر ملک کے مختلف حصوں میں لوٹ مار مچاتا رھا ، یہاں تک کہ لواح ملتان میں پہنچا . وہ دریائے ستلج و بیاس عبور کر کے سندھ کی طرف جانا چاھتا تھا کہ قوم جھبر کے لوگوں نے اس پر شب خون مارا اور تیروں کی بارش کی . ایک تیر میرزا کے حلق میں لگا . اس نے جب حالات کو دگرگوں پایا تو چپکے سے قلندروں کے لباس میں چار سو جوانوں کو لے کر نکل گیا . وہ چاھتا تھا کہ کسی طرح دور نکل جائے لیکن کچھ لوگوں نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے اسے سعید خان چغتہ حاکم ملتان کے پاس لے گئے . سعید خان نے اسے قید کر دیا . اسی قید میں ابراھیم حسین میرزا نے وفات پائی .

محمد حسین میرزا ولایت دکن سے قلعۂ سورت میں آیا . قلیج خان نے جو وھاں کا جاگیردار تھا ، قلعے کو مضبوط کرکے جنگ کی تیاریاں کیں . محمد حسین میرزا یہ دیکھ کر وھاں سے کھنبایت چلا گیا اور شاھی

ملازموں سے جنگ کر کے اختیار الملک کے پاس پہنچا ۔ پھر اختیار الملک محمد حسین میرزا بیس ہزار فوج جمع کر کے راجا ایدر کے ساتھ احمد آباد پہنچے ۔ ان کی آمد کی خبر سن کر خان اعظم اور قطب الدین قلعہ بند ہو گئے ۔ خان اعظم نے اس واقعے کی اطلاع اکبر کو دی ۔ اکبر نے ایک بڑا لشکر اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور خود بھی بڑی تیزی سے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا ، اور نو روز کے عرصے میں وہ فتح پور سیکری سے احمد آباد پہنچ گیا ۔ یہ جمادی الاول ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ع) کا واقعہ ہے ۔ اسی جنگ کی تفصیلات جہانگیر نے اس موقع پر بیان کی ہیں (رک : ذخیرۃ الخوانین ، ج ۱ ، ص ۱۱۱ - ۱۲۴) ۔

(۸۸) تردی خاں ولد قیا خاں : اپنے والد کی وفات کے بعد اکبر کے ملازموں میں منسلک ہوا اور حسب قابلیت اسے منصب دیا گیا ۔ پھر شاہزادہ سلطان دانیال کے ساتھ مہم دکن پر متعین ہوا ۔ لیکن بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے نظر سے گر گیا ۔ جلوس اکبری کے ۴۹ سال پھر اکبر کی نظر شفقت اس پر ہوئی اور اس نے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزاری پان صد سوار کر دیا اور پانچ لاکھ دام بطور انعام اسے دیے ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۴۷۸) ۔

(۸۹) سیف خاں کوکلتاش : زین خاں کوکہ کا بڑا بھائی تھا ۔ اکبر نے تخت نشینی کے بعد اسے چار ہزاری منصب دیا ۔ اس نے ۹۸۰ھ (۷۳-۱۵۷۲ع) میں اسی جنگ میں وفات پائی جس کا تذکرہ جہانگیر اپنی تزک میں کر رہا ہے ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۴۷۳ - ۴۷۵) ۔

(۹۰) فرحت خاں : (مہتر سکائی) ہمایوں کے خاصہ خیلوں میں تھا ۔ اکبر نے اسے اپنے عہد حکومت میں قصبہ کوڑا کی مقطع داری دی ۔ محمد حسین میرزا کی جنگ میں اس نے کار ہائے نمایاں انجام دیے ۔ جب کنجپتی راجا نے قصبہ آرہ کے نواح میں جو فرحت خاں کی جاگیر میں تھا ، شورش برپا کی تو یہ مقابلے کو خلاف مصلحت سمجھ کر قلعہ بند ہو گیا ۔ اس کے بیٹے فرہنگ خاں کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنے باپ کی مدد کے لیے روانہ ہوا ۔ عین لڑائی میں دشمن کے شمشیر زنوں نے اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے ، وہ پیدل لڑتا ہوا مارا گیا ۔ فرحت خاں

اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر محبتِ پدری کے جوش میں قلعہ سے نکلا . اور دشمن سے لڑتا ہوا ۹۸۴ھ (۱۵۷۶-۷۷ع) کو مارا گیا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۱ - ۳) .

(۹۱) رائے رائے سنگھ راٹھور : رائے کلیان مل والی بیکانیر کا بیٹا تھا . ۳۱ جلوس اکبری میں اکبر نے شاہزادہ سلیم کی شادی اس کی بیٹی سے کی . رائے سنگھ کا منصب اکبر کے آخری عہد میں چار ہزاری تھا . جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں اس کا منصب پنج ہزاری کر دیا . رائے رائے سنگھ نے ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲-۱۳ع) میں وفات پائی (رک : اُمرائے ہنود ، ص ۲۱۳ - ۲۱۶) .

(۹۲) شجاعت خان : عرف مقیم خان عرب . تردی بیگ کا بھانجا تھا . وہ جنگ گجرات میں شریک تھا . جلوس اکبری کے بائیسویں سال اکبر نے اسے تین ہزاری منصب اور حکومتِ مالوہ اور وہاں کی سپہ سالاری دی . جب ۹۸۸ھ (۱۵۸۰-۸۱ع) میں بنگال اور بہار کے کچھ بدسرشت امرا نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی تو وہ بادشاہ کی طلب پر سارنگ پور سے روانہ ہوا . ابھی وہ ایک ہی منزل آیا تھا کہ عوض بیگ برلاس نے ، جس کے ملازموں کے ساتھ وہ سختی کرتا تھا ، حاجی شہاب ناسی کی سرداری میں کچھ لوگوں کو مقرر کیا کہ وہ اس پر حملہ کریں . چناں چہ انھوں نے اچانک اس پر حملہ کیا . شجاعت خان سخت زخمی ہوا . ابھی اس میں کچھ جان باقی تھی کہ اس کے وفادار لوگ اسے عماری میں ڈال کر سارنگ پور روانہ ہوئے . اسی دوران میں اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۵۵۷ - ۵۶۰) .

(۹۳) ابوالفضل کا بیان ہے کہ سنگرام سے اکبر نے ۱۰۱۹ جانور شکار کیے (رک : آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۱۲۶ (س)) .

(۹۴) دام : روپے کا چالیسواں حصہ (رک : غیاث ، ج ۱ ، ص ۲۱۲) .

(۹۵) میر جمال الدین حسین انجو : سادات شیراز سے تھا اور اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا . جلوس اکبری کے تیسویں سال اکبر نے اسے منصب شش صدی ، پھر منصب ہزاری دیا . جہانگیر سے چوں کہ اس کا خاص

تعلق تھا ، اس لیے جہانگیر نے اسے اپنے عہد حکومت میں منصب چار ہزاری اور علم و نقارے سے نوازا۔ اور جلوس جہانگیری کے گیارھویں سال جہانگیر نے اسے عضد الدولہ کا خطاب دیا ۔ وہ ایک زمانے تک بھڑانچ میں رہا جو اس کی جاگیر میں تھا ، یہاں تک کہ وہ جہانگیر کے حضور میں آیا اور طبعی موت سے وفات پائی ۔ فرہنگ جہانگیری جو لغت میں ایک معتبر کتاب ہے ، اسی کی تالیف ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۸ - ۳۶۰) ۔

(۹۶) حاجیانی : سعادت یار خاں کوکہ کی ہمشیرہ (رک : اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۶۵۶)۔

(۹۷) جلوانہ : جلو ترکی میں لگام کو کہتے ہیں ۔ جب گھوڑا دینے والے، گھوڑے کو انعام پانے والے کے سپرد کرتے تھے تو اس سے جو انعام لیتے تھے اسے جلوانہ کہا جاتا تھا ۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ جو گھوڑا بطور انعام عطا ہوتا تھا ، ملازمین سررشتہ اس کی قیمت پچاس فیصد بڑھا کر ہر اشرفی پر دس دام وصول کرتے تھے ۔ اس رقم سے پانچ دام آختہ بیگی کے ہوتے تھے، اڑھائی دام جلو بیگی کے اور سو دام مشرف کے مقرر تھے؛ بقیہ میں سے پچیس حصے کیے جاتے تھے جس میں سے نو حصے نقیبوں کو، ایک حصہ سائیس کو اور پانچ پانچ حصے تحصیل دار ، زمیندار اور آختچی (ساز و سامان کی حفاظت کرنے والے اور گھوڑوں پر زین کسنے والے) کو دیے جاتے تھے (رک : ترجمہ آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۲۵۸ - آئین ۵۱) ۔

(۹۸) باز بہادر قلماق : میرزا محمد حکیم کے غلاموں میں تھا ۔ بعد میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر اس نے نمایاں خدمات انجام دیں ۔ جہانگیر نے اسے اپنے عہد حکومت میں منصب پنج ہزاری سے سرفراز کیا ۔ باز بہادر نے اپنی اجل طبعی سے وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۸۳) ۔

(۹۹) شریف آسلی : آسل ، مازندران کا ایک شہر ہے؛ یہی شریف کا وطن تھا ۔ اسی لحاظ سے وہ آسلی کہلاتا تھا ۔ وہ ۹۸۴ھ (۷۷-۱۵۷۶ع) میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد جب

کابل پر اکبر نے قبضہ کیا تو شریف آملی کو وہاں کا صدر اور امین مقرر کیا ۔ اس کے بعد وہ بہار ، بنگال اور دکن میں مختلف عہدوں پر کام کرتا رہا ۔ جہانگیر اس کی شخصیت سے بہت متاثر معلوم ہوتا ہے اسی لیے اس نے اس کا تذکرہ نہایت دل کش انداز میں کیا ہے ۔ لکھنؤ کے قریب موہان اس کی جاگیر میں تھا ، وہیں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۲۸۵ ۔ بدایونی ، ج ۲ ، ص ۲۴۵ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ۔ انگریزی ترجمہ آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۴۵۲ ۔ ذخیرہ ج ۱ ، ص ۱۹۳ (س)) ۔

(۱۰۰) رقیہ سلطان بیگم : میرزا ہندال کی بیٹی اور اکبر کی پہلی بیوی تھی لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ اس نے ۸۴ برس کی عمر میں ۷۔ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ (۱۹۔ جنوری ۱۶۲۶ع) کو وفات پائی ۔ (رک : تیورج ، ص ۴۸ ، ح ۲ (س)) ۔

پہلا جشن نوروز

منگل ۱۱ ذیقعدہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کی صبح کو ، جو کہ فیضانِ نور کا وقت ہے ، نیّر اعظم برج حوت سے اپنے خانۂ شرف و اقبال یعنی برجِ حمل میں منتقل ہوا ۔ چوں کہ میری تخت نشینی کے بعد یہ پہلا نوروز تھا ، میں نے حکم دیا کہ دولت خانۂ خاص و عام کے ایوانات کو میرے والدِ بزرگوار کے مقررہ دستور کے مطابق انواع و اقسام کے ساز و سامان سے آراستہ کیا جائے ۔ چناں چہ نوروز کے پہلے دن سے لے کر انیسویں دن تک ، جو برج حمل کے انیسویں درجے میں واقع اور شرف آفتاب کا دن ہے ، مخلوق نے دل کھول کر دادِ عیش و کامرانی دی ۔ ہر صنف اور طبقے کے سازندے اور موسیقار جمع تھے ، لولیانِ رقاص اور حسینانِ ہند نے جو اپنے ناز و ادا سے فرشتوں کے دلوں کو لبھا لیں ، محفلوں کو گرما دیا تھا ۔ میں نے حکم دیا کہ شراب اور نشہ آور چیزوں میں سے ، جو کوئی جتنی بھی استعمال کرنا چاہے ، جی بھر کر کرے اور کوئی ممانعت نہ کرے :

ساقی بنورِ بادہ بر افروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

میرے والد کے زمانے میں جشن نوروز کے ان سترہ اٹھارہ دنوں میں دستور تھا کہ ہر روز بڑے امرا میں سے ایک امیر مجلس آراستہ کرکے [23] میرے والد کو اپنی مجلس میں آنے کی تکلیف دیتا ۔ اور نایاب تحائف جن میں جواہر ، مرصع آلات ، نفیس لباس ، گھوڑے ، ہاتھی ہوتے ، مہیا کرکے بطور نذر پیش کرتا ۔ حضرت اپنے بندوں کی سرافرازی کی خاطر ان کی محفل میں قدم رنجہ فرما کر ان کے نذرانے ملاحظہ فرماتے اور جو چیز پسند آتی اسے لے کر باقی پیش کش صاحبِ مجلس کو بخش دیتے تھے ۔

چوں کہ میرا دل رعایا اور فوج کی آسودگی اور خوش حالی کی طرف مائل تھا ، لہٰذا اس سال میں نے پیش کشوں ، نذرانوں اور تحائف کو موقوف کر دیا ۔ البتہ چند مقرب درباریوں کے تحائف محض ان کی دل جوئی کی خاطر قبول کر لیے ۔

۱۲۰۹

اُمرا کے مناصب :

جشن نوروز کے ان ایام میں ، میں نے بہت سے ملازموں کے مناصب میں اضافہ کر دیا ۔ مثلاً دلاور خان افغان (۱) کا منصب ایک ہزار و پانصدی کر دیا ؛ دوسرے راجا باسو (۲) ، جو پنجاب کے پہاڑی علاقوں کا زمیندار ہے اور میری شاہزادگی کے زمانے سے لے کر اب تک میرے ساتھ اخلاص اور بندگی سے پیش آتا ہے ، منصب ہزار و پانصدی سے بڑھا کر سہ ہزاری و پانصدی کر دیا ۔ اس کے علاوہ شاہ بیگ (۳) حاکم قندھار کو اصل و اضافہ ملا کر پانچ ہزاری کے منصب سے سرفراز کیا ۔ رائے سنگھ (۴) جو راجپوت اُمرا میں سے ہے ، اس کو بھی اسی منصب (پنج ہزاری) سے سرفراز کیا اور رانا شنکر کے متعلق حکم دیا کہ اس کو دس ہزار روپے بطور مدد خرچ کے دیے جائیں ۔

مظفر گجراتی کی اولاد کی بغاوت :

میرے جلوس سلطنت کے آغاز میں مظفر گجراتی کی اولاد میں سے ایک شخص نے ، جو اپنے آپ کو اس علاقے کا شاہزادہ کہتا تھا ، شورش کرکے احمد آباد اور اس کے اطراف کے علاقوں کو لوٹ لیا ۔ وہاں کے چند سردار ، مثلاً پیم بہادر اوزبک (۵) اور رائے علی بھٹی ، جو شجاعت اور بہادری میں وہاں کے نامور لوگوں میں شمار ہوتے تھے ، اس شورش میں شہید ہو گئے ۔ آخرکار میں نے راجا بکرماجیت اور دوسرے متعدد منصب داروں کو چھ سات ہزار مسلّح سواروں کے ساتھ گجرات کے شاہی لشکر کی کمک کے لیے متعین کیا ، اور اس بات کا بھی تعین کردیا کہ جب ان مفسدوں کے قلع قمع سے اطمینان ہو جائے تو بکرماجیت ہی گجرات کا صوبہ دار بن جائے ۔ نیز میں نے حکم دیا کہ قلیج خان جو اس خدمت پر متعین تھا ، ہماری خدمت میں واپس آئے ۔ چناں چہ شاہی افواج کے وہاں پہنچتے ہی فتنہ پردازوں کے جتھے منتشر ہو گئے اور جنگلوں میں پناہ ڈھونڈنے لگے ، اور اس طرح اس علاقے کا نظم و ضبط قابو میں آ گیا ۔ اس فتح کی خبر نہایت مبارک ساعت میں میری سماعت میں آئی ۔

اسی عرصے میں میرے فرزند پرویز کی عرض داشت پہنچی کہ رانا ، تھانۂ منڈل کو چھوڑ کر ، جو اجمیر سے تینتالیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، فرار ہو گیا

ہے ، اور شاہی فوج اس کے تعاقب میں متعین کر دی گئی ہے ۔ امید ہے کہ یہ فوج اقبال جہانگیری کی بدولت اسے نیست و نابود کر دے گی ۔

شرف آفتاب کے دن (نوروز کے انیسویں دن) میں نے بہت سے ملازموں کو مختلف رعایتوں اور اضافۂ مناصب سے سرفراز کیا ۔ پیشرو خاں کو جو اس سلطنت کے قدیم خدمت گزاروں میں سے ہے ، اور جو ولایت سے آ کر حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کی ملازمت میں منسلک ہوا تھا ، بلکہ یوں سمجھیے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جنھیں شاہ طہماسپ نے حضرت جنت آشیانی کے ہمراہ بھیجا تھا ۔ پیشرو خاں (٦) کا اصلی نام مہتر سعادت ہے ۔ چوں کہ وہ میرے والد بزرگوار کا داروغہ اور مہتر فراش خانہ تھا اور اپنی مفوضہ خدمات اس نے ایسے بہتر طریقے پر انجام دی تھیں کہ اس کی نظیر اور مثال نہ ملتی تھی ، اس لیے میرے والد نے اسے پیشرو خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا ۔ اگرچہ وہ نرم طبیعت اور پست ذہنیت آدمی ہے لیکن میں نے اس کے حقوق خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے اصل اور اضافے کے ساتھ منصب دوہزاری سے ممتاز کیا ۔

جلوس کے وسط سال میں خسرو کا فرار :

خسرو کے دل میں کچھ تو غرور و ولولۂ جوانی کی وجہ سے ، جو عموماً نوجوانوں میں پیدا ہو جاتا ہے اور کچھ بداطوار مصاحبین کی ناتجربہ کاری ، ناعاقبت اندیشی [24] کی بنا پر بعض فاسد خیالات سما گئے تھے ۔ خصوصاً میرے والد کی بیماری کے زمانے میں بعض کوتاہ اندیش اس کو اپنا آلۂ کار بنا کر اور اس کے فاسد خیالات کو تقویت دے کر امور سلطنت ہاتھ میں لینا چاہتے تھے ۔ یہ کوتاہ اندیش وہ تھے جو اپنے کثرت جرائم اور خطاؤں کی وجہ سے ، جو ان سے سرزد ہو چکی تھیں ، اپنی معافی اور براءت سے قطعاً ناامید تھے ۔ وہ اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ بادشاہی اور حکمرانی ایسی معمولی شے نہیں ہے ، جو چند ناقص العقل لوگوں کی کوششوں سے حاصل ہو جائے ، بلکہ خدائے تعالیٰ از روئے قابلیت اسی شخص کو یہ خلعت سلطنت پہناتا ہے جس کو اس عظیم القدر اور رفیع الشان خدمت کے لائق سمجھتا ہے :

ز دارندہ نتوان ستد بخت را
نشاید خرید افسر و تخت را

سرے را کہ حق تاج پرور نمود
نشاید ازو تاج دولت ربود

چوں کہ مفسدوں اور کوتہ اندیش لوگوں کے فاسد خیالات کا سوائے ذلت اور پشیمانی کے کوئی نتیجہ نہیں ہوتا ، اُن کا بھی یہی حشر ہوا اور بارگاہ الٰہی سے امور سلطنت کا فیصلہ اس نیاز مند کے حق میں قرار پایا ۔ تقدیر الٰہی کے اس فیصلے کے بعد خسرو کو میں ہمیشہ رنجیدہ اور وحشت زدہ پاتا تھا ۔ ہر چند کہ اپنی عنایات اور مشفقانہ سلوک سے میں نے اس بات کی کوشش کی کہ اُس کے دل سے دغدغے اور وسوسے دور ہو جائیں لیکن میری اس سعی کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔

یہاں تک کہ اتوار کی شب ۸ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو رات کے دو گھڑی گزرنے کے بعد خسرو بعض بدبختوں کے مشورے سے حضرت عرش آشیانی کے روضۂ مبارک کی زیارت کا بہانہ کرکے تین سو پچاس سواروں کے ساتھ ، جو اُس کے ساتھ متفق تھے ، آگرے کے قلعے سے نکل کر روانہ ہوگیا ۔ اُس کے روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد ھی ایک مشعلچی نے جو وزیرالملک (ے) کو جانتا تھا ، اُسے خبر دی کہ خسرو فرار ہو گیا ہے ۔ وزیرالملک اُسے اپنے ھمراہ امیرالامرا کے پاس لایا ۔ امیرالامرا نے جب اس خبر کی اچھی طرح تحقیق کر لی تو وہ گھبرا کر محل کے دروازے پر آیا اور ایک خواجہ سرا سے کہا کہ میری طرف سے آداب بجا لا کر بادشاہ سے کہو کہ میں ایک ضروری گزارش کرنا چاہتا ہوں ، حضرت ذرا باہر تشریف لائیں ۔ چوں کہ میرے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی ، میں نے خیال کیا کہ دکن یا گجرات کی جانب سے کوئی خبر آئی ہوگی ۔ باہر آنے کے بعد معلوم ہوا کہ معاملہ ھی دوسرا ہے ۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہیے ؟ کیا میں خود سوار ہو کر اس کا تعاقب کروں یا خرم کو اس کے تعاقب میں بھیجوں ؟ امیرالامرا نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس کے تعاقب میں جاتا ہوں ۔ میں نے کہا اچھا ایسا ھی کرو ۔ پھر اس نے پوچھا کہ اگر میری نصیحت اس پر کارگر نہ ہو اور وہ نہ لوٹے اور مقابلے کے لیے ھتھیار سنبھال لے تو مجھے کیا کرنا چاہیے ؟ میں نے کہا کہ اگر وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے تو پھر جو کچھ تجھ سے ہو سکے ، کمی نہ کرنا کہ سلطنت ، خویشی اور فرزندی کی

مراعات برداشت نہیں کر سکتی :

کہ با شاہ خویشی ندارد کسے

جب یہ باتیں کر کے اور دوسری ہدایات دے کر میں نے امیرالامرا کو رخصت کر دیا تو مجھے خیال آیا کہ خسرو، امیرالامرا سے سخت ناراض ہے، اور وہ اپنے قرب و منزلت کی وجہ سے اپنے ہم عصروں اور ہم نشینوں میں حسد کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خسرو کے حق میں دشمنی کر جائے، اور اس کو قتل کر دے۔ میں نے فوراً ہی معزالملک کو حکم دیا کہ وہ جائے اور اُسے لوٹا کر واپس لائے۔ پھر میں نے اُس کی جگہ شیخ فرید بخشی بیگی (۸) کو اس خدمت پر متعین کیا اور حکم دیا کہ تمام منصب دار اور احدی جو اس وقت نگرانی میں مصروف ہیں، اس کے ہمراہ جائیں اور اسی کے ساتھ اہتمام خان کوتوال کو جاسوسی اور خبر رسانی کے لیے مامور کیا، اور اپنے دل میں طے کیا کہ اگر خدا نے چاہا تو خود بھی صبح کو اُس طرف روانہ [25] ہو جاؤں گا۔ اسی اثنا میں معزالملک، امیرالامرا کو واپس لے آیا۔

ان ہی دنوں میں احمد بیگ اور دوست محمد خاں، کابل (۹) جانے کے لیے رخصت ہوئے تھے۔ سکندرہ کے قریب جو خسرو کے راستے میں پڑتا تھا، وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ خسرو کے وہاں پہنچنے پر چند لوگوں کے ساتھ وہ اپنے خیموں سے نکل کر میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ خسرو پوری سرعت کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس راستے سے طرح دے کر کسی دوسری جانب روانہ ہو جائے۔ چوں کہ اس کا خالو راجا مان سنگھ، بنگال میں تھا اس لیے میرے اکثر درباریوں کا گمان ہوا کہ خسرو اس جانب چلا جائے گا۔ چناں چہ ہر طرف لوگوں کو بھیجا گیا، آخر یقین ہو گیا کہ وہ پنجاب ہی کی طرف جا رہا ہے۔

جہانگیر کی روانگی :

اتنے میں صبح ہو گئی۔ میں محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح ارادے کے ساتھ، یہ سوچے بغیر کہ کن اشیا اور کن اشخاص کو اپنے ساتھ لوں، روانہ ہو گیا۔

بلی آں را کہ اندوہ است در پے
نمی داند کہ رہ چوں میکند طے

ھمی داند کہ افتد پیش و والد
نداند با کہ آمد با کہ ماند

جب میں اپنے والد بزرگوار کے روضۂ مبارک پر پہنچا ، جو شہر سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ھے ، تو میں نے اُن کی روحانیت سے مدد طلب کی. اُسی وقت شاہ رخ کا بیٹا میرزا حسن (۱۰) ، جو خسرو کے ساتھ جانے کا ارادہ رکھتا تھا ، گرفتار کرکے لایا گیا . جب میں نے اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ انکار نہ کر سکا . میں نے حکم دیا کہ اس کے ھاتھ باندھ کر ھاتھی پر سوار کریں . یہ پہلا نیک شگون تھا جو میرے والد بزرگوار کی (روحانی) برکت اور توجہ اور امداد سے ظاہر ہوا . جب دوپہر ہوگئی اور لُو چلنے لگی تو میں نے ایک درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہر کر خان اعظم (میرزا عزیز کوکلتاش) سے کہا کہ جب اس اطمینان قلب کے باوجود میرا یہ حال ہے کہ میں نے اپنے معمول کے مطابق افیون ، جو صبح کے وقت کھانی چاہیے تھی ، اب تک نہیں کھائی اور کسی کو بھی مجھے یاد دلانے کا خیال نہ رہا ، تو اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ اس بدنصیب (خسرو) کا کیا برا حال ہوگا . مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ میرا بیٹا بغیر کسی وجہ اور سبب کے میرا دشمن ہو گیا . اگر میں اس کے لانے کی کوشش نہ کروں تو اس سے فتنہ پردازوں اور مفسدوں کو تقویت پہنچے گی ، یا پھر وہ اپنی دھن میں اوزبکوں یا قزلباشیوں کے پاس چلا جائے گا اور اس کا یہ اقدام اس سلطنت کی سبکی اور خفت کا باعث ہوگا . یہ باتیں سوچتے ہوئے میں اس کے واپس لانے کا پختہ ارادہ کرکے تھوڑی دیر آرام لینے کے بعد متھرا کے پرگنے میں ، جو آگرے سے چوبیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، دو تین کوس کا راستہ طے کرنے کے بعد ایک گاؤں کے تالاب کے کنارے اترا ، اس وقت خسرو متھرا پہنچ چکا تھا .

حسین بیگ اور خسرو:

حسین بیگ بدخشی (۱۱) ، جو میرے والد بزرگوار کے دست پروردہ لوگوں میں تھا اور میری ملازمت کے ارادے سے کابل سے آ رہا تھا ،

خسرو سے مل گیا ، کیونکہ بدخشیوں کی طبیعت فتنہ و فساد کی طرف مائل ہے اور ایسا موقع وہ خدا سے چاہتا ہی تھا ۔ اس طرح دو تین سو بدخشانی بہادروں کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تھے ، خسرو کے ساتھ مل کر اس کا راہبر و سپہ سالار بن گیا ۔ راستے میں جو کوئی ان کے سامنے سے گزرتا ، اس کے مال اور گھوڑے لوٹ لیتے ۔ سوداگروں اور مسافروں کے مال کو لوٹنا ان مفسدوں کا مشغلہ بن گیا تھا ۔ وہ جس جگہ بھی جاتے تھے وہاں کی عورتیں ، بچے اور مرد ان بدکاروں کے شر سے محفوظ نہیں رہتے تھے ۔ خسرو اپنی آنکھوں سے یہ حالات دیکھ رہا تھا کہ اس کے باپ دادا کے موروثی ملک میں کس قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ۔ وہ ان بدبختوں کے مظالم کو دیکھ کر ہر لحظہ ہزار مرتبہ موت مانگنے لگا ، لیکن ان کتوں کے ساتھ نرمی اور لطف سے پیش آنے کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ نہ تھا ۔ اگر ان حالات میں بخت اور اقبال اس کی یاوری کرتے تو وہ ندامت اور پشیمانی کو شعار بنا کر بے کھٹکے میرے پاس آ جاتا [26] ۔ خدائے عالم الغیب گواہ ہے کہ میں اس کی خطاؤں اور قصوروں سے بالکل در گزر کر کے اس سے اس قدر مہر و شفقت سے پیش آتا کہ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خدشہ اور وسوسہ باقی نہ رہتا ۔ چونکہ عرش آشیانی کی مرض الموت کے زمانے میں مفسدوں کے شہ دینے پر اس کے دل میں اچانک برے خیالات سما گئے تھے اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی یہ باتیں مجھ تک پہنچ چکی ہیں ، اس لیے اس کو میری شفقت اور محبت پر اعتماد نہیں تھا ۔ اس کی والدہ نے بھی میری شاہزادگی کے زمانے میں اس کے بے ڈھنگے طوروں سے متاثر ہو کر اور اس کے علاوہ اپنے بھائی مان سنگھ کے ناروا سلوک سے ناخوش ہو کر افیون کھا کر خود کشی کر لی تھی ۔

خسرو کی والدہ کی خود کشی :

میں اس مرحومہ کی خوبیوں اور ذاتی اوصاف کے متعلق کیا لکھوں ؟ وہ نہایت عقل مند خاتون تھی اور مجھ سے اس قدر خلوص رکھتی تھی کہ میرے ایک بال پر ہزار بیٹے اور بھائی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی تھی ۔ اس نے بار بار خسرو کو خط لکھے اور اس کو محبت اور خلوص کی راہیں سمجھائیں لیکن جب اس نے دیکھا کہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا

اور معلوم نہیں کہ خسرو کے اس رویے کا آیندہ کیا نتیجہ نکلے گا ، تو اُس غیرت و شرم کے مارے ، جو راجپوتوں کی فطرت کا خاصہ ہے ، اُس نے اپنی موت کا فیصلہ کر لیا ۔ کبھی کبھی اس کو جنون کے دورے پڑتے تھے ۔ چناں چہ یہ مرض اس کے خاندان میں موروثی تھا ۔ اُس کے آباو اجداد اور بھائی اچانک جنون میں مبتلا ہو جاتے تھے اور ایک مدت کے بعد علاج سے صحت یاب ہوتے تھے ۔ جس زمانے ہیں میں شکار کے لیے گیا ہوا تھا ، اُن دنوں ۲۸ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ (۱۶۰۵ء) دماغی انتشار کے عالم میں اس نے افیون کھا لی اور تھوڑی ہی دیر میں وفات پا گئی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس بدنصیب بیٹے کے آنے والے واقعات کا پہلے سے اندازہ لگا لیا تھا ۔

یہ میری سب سے پہلی شادی تھی جو آغاز جوانی اور خورد سالی میں ہوئی تھی ۔ میں نے خسرو کی پیدائش کے بعد اس کو شاہ بیگم (۱۲) کا خطاب دیا تھا ، لیکن جب وہ اپنے بھائی اور بیٹے کی بدسلوکی کو میرے متعلق برداشت نہ کر سکی تو اس نے دماغی پریشانی کے زمانے میں جان دے دی اور اس رنج و غم سے چھٹکارا پا لیا ۔ چوں کہ اس سے میرا دلی تعلق تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد چند دن مجھ پر ایسے گزرے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی لطف محسوس نہ کرتا تھا ۔ میرا یہ عالم تھا کہ انتہائی رنج و غم کی وجہ سے میں نے چار دن شب و روز ، جن کے بتیس پہر ہوتے ہیں ، کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا ۔ جب اس واقعے کی خبر میرے والد بزرگوار کو ہوئی تو انھوں نے اس فدوی و مرید کے نام ایک تسلی آمیز خط بھیجا جو نہایت شفقت اور محبت پر مشتمل تھا اور خلعت اور دستار سر سے آتار کر اُسی طرح بندھی ہوئی مجھے بھجوائی ۔ اس عنایت سے انھوں نے میری آتش سوز و گداز پر پانی چھڑک دیا اور میرے اضطراب اور پریشانی میں بڑی حد تک سکون پیدا کر دیا ۔

ان واقعات کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نالائقی کیا ہو سکتی ہے کہ بیٹا اپنے ناگوار طرز عمل اور مذموم عادات و اطوار کی وجہ سے اپنی ماں کے قتل کا باعث بن جائے ، اور اپنے باپ سے بغیر کسی وجہ اور سبب کے محض بے جا توہمات اور خیالات کی بنا پر بغاوت اور سرکشی پر اُتر آئے ، اور باپ کی ملازمت کو چھوڑ کر بھاگ جائے ۔ چوں کہ منعم حقیقی

نے ہر فعلِ بد کے مقابل اس کی ضروری سزا بھی مقرر کر دی ہے ، بالآخر اس انجام یہ ہوا کہ وہ بدترین حالت میں قید ہوا ، میرے اعتاد سے گر گیا اور دائمی قید میں گرفتار ہو گیا :

راہ چنو ستالہ رود ہوشمند

پاے بکدام آرد و سر در کمند

شیخ فرید کی قیادت :

مختصر یہ کہ منگل کے دن ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء) کو ہوڈل کے مقام پر میں نے منزل کی اور شیخ فرید بخاری کو بہادروں اور دلیروں کی ایک جماعت کے ساتھ شاہی فوج کا مقدمۃ الجیش بنا کر خسرو کے تعاقب میں بھیجا ۔

دوست محمد کو ، جو میرے ہمراہ تھا ، اس کی سابقہ خدمات اور سفید داڑھی کا لحاظ کر کے قلعۂ [27] آگرہ اور محلوں اور خزانوں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا ۔

میں نے آگرے سے روانہ ہوتے ہوئے اعتمادالدولہ وزیرالملک (۱۳) کو شہر کے انتظام اور حفاظت کے لیے چھوڑا تھا ، اور دوست محمد سے کہا کہ چوں کہ اب ہم صوبہ پنجاب کی طرف جا رہے ہیں اور وہ صوبہ اعتمادالدولہ کی دیوانی میں ہے لہٰذا اس کو میری خدمت میں روانہ کر دو ، اور میرزا حکیم کے بیٹے ، جو اس وقت آگرے میں ہیں ، ان کو گرفتار کر کے اپنی نگرانی میں رکھو ، کیوں کہ جب صلبی بیٹے سے بری حرکت سرزد ہو سکتی ہے تو بھتیجوں اور چچا زاد بھائیوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے ۔ دوست محمد کے روانہ ہونے کے بعد میں نے معزالملک کو بخشی کے عہدے پر متعین کر دیا ۔ بدھ کا روز پلول میں اور جمعرات کا دن فرید آباد میں گزارا ۔

جمعہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء) کو میں دھلی پہنچا اور فوراً ہی حضرت جنت آشیانی (بادشاہ ہمایوں) کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر ان کی روح سے مدد کا طالب ہوا ۔ وہاں میں نے فقرا اور درویشوں میں اپنے ہاتھ سے روپے تقسیم کیے ۔ اس کے بعد میں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی درگاہ پر حاضری دی اور زیارت اور تعظیم کے تمام لوازم بجا لائے ، اور وہاں

کچھ دیر ٹھہر کر میں نے میر جمال الدین حسین انجو اور حکیم مظفر کو کچھ روپے دیے تا کہ وہ فقیروں ، درویشوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیں ۔

ہفتے کے دن ۱۴ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو میرا قیام سرائے نریلہ میں ہوا ۔ اس سرائے کو خسرو جلا کر چلا گیا تھا ۔ یہاں میں نے آصف خاں کے بھائی آقا ملائی کو ، جو میری خدمت حضور پر مامور تھا ، اصل اور اضافے کے ساتھ ہزاری ذات اور سی صد سوار کے منصب پر ترقی دی ۔ وہ راستے میں نہایت مستعدی کے ساتھ میری خدمت انجام دے رہا تھا ۔

جو لوگ میری رکاب ظفر انتساب میں تھے ، وہ مختلف قبیلوں کے افراد تھے ۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو خسرو کے حامی ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے دلوں میں میری طرف سے کسی قسم کا خدشہ اور تفرقہ راہ پا جائے ۔ میں نے ان کے سرداروں کو دو دو ہزار روپے دیے تا کہ وہ اپنے اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیں ، اور اپنی اپنی جماعتوں کو مراحم جہانگیری کا امیدوار کریں ۔ اور شیخ فضل اللہ اور راجا دھیردھر کو میں نے بہت سا روپیہ دیا تا کہ وہ راستے میں فقیروں اور برہمنوں کو بانٹتے جائیں ۔ نیز میں نے حکم دیا کہ اجمیر میں رانا شنکر کو مدد خرچ کے طور پر تیس ہزار روپے دیے جائیں ۔

پیر کے دن ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو میں پانی پت کے پرگنے میں پہنچا ۔ یہ منزل اور مقام میرے واجب الاحترام آبا و اجداد کے لیے ہمیشہ مبارک ثابت ہوا ہے ۔ اس سرزمین میں میرے آبا و اجداد کو دو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئی تھیں : ایک ان میں سے ابراہیم لودھی کی شکست ہے جو حضرت فردوس مکانی (بادشاہ بابر) کے فتح مند لشکر کے ہاتھوں عمل میں آئی ، جس کا تذکرہ تاریخوں میں مرقوم ہے ، دوسری فتح جس کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے ، وہ میرے والد بزرگوار نے اپنے ابتدائی عہد سلطنت میں ہیمو بقال بدکردار کے مقابلے میں حاصل کی تھی ۔

جس وقت خسرو دہلی سے آگے بڑھ کر پرگنۂ مذکور کی طرف آیا ، تو اتفاق سے دلاور خاں بھی یہاں آ گیا تھا ۔ خسرو کے وہاں پہنچنے سے تھوڑی دیر قبل اس کو سارا واقعہ معلوم ہو گیا ۔ چنان چہ اس نے پہلے اپنے فرزندوں کو دریائے جمنا کے پار کر دیا اور خود سپاہیانہ اور دلیرانہ انداز میں خسرو پر

وار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا، تا کہ وہ لاہور کے قلعے میں اس سے پہلے پہنچ جائے.

عبدالرحیم کا خسرو سے مل جانا:

عین اسی وقت عبدالرحیم بھی لاہور سے اس مقام پر پہنچ گیا. دلاور خان نے اسے سمجھایا کہ اپنے بیٹوں کو میرے بیٹوں کے ساتھ دریائے جمنا سے پار کر کے خود ایک طرف ٹھہر جائے اور جہانگیری لشکر کا انتظار کرے، لیکن عبدالرحیم ایک سست اور ڈرپوک انسان تھا، اس بات پر عمل پیرا نہ ہوا، بلکہ وہ وہاں اتنی دیر ٹھہر گیا کہ اتنے میں خسرو وہاں پہنچ گیا. پھر اس کو خسرو کی ملازمت میں داخل ہونا پڑا. گھبراہٹ کے عالم میں اس نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کر لیا. خسرو نے اسے ملک انور رائے کا خطاب دیا اور ایک ذی اختیار افسر جنگ بنا دیا.

دلاور خاں مردانہ وار لاہور کی طرف بڑھا اور راستے میں شاہی ملازم کروریان، سوداگران [28] وغیرہ، جو لوگ اس کو ملتے گئے، انھیں خسرو کی بغاوت سے آگاہ کرتا گیا. ان میں سے بعضوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور بعضوں کو مشورہ دیا کہ وہ راستے سے الگ ہو جائیں.

جب خدا کے بندے ان سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے، تو مجھے قوی گمان ہوا کہ اگر سید کمال دہلی میں اور دلاور خاں پانی پت میں جرأت و ہمت سے کام لے کر خسرو کا راستہ روک لیتے تو وہ پراگندہ جتھا، جو اس کے ساتھ تھا، تتر بتر ہو جاتا اور خسرو گرفتار ہو جاتا. پہلے تو انھوں نے خسرو کے گرفتار کرنے کی ہمت نہیں کی لیکن بعد کو ان لوگوں نے دوسرے طریقے سے اقدام کیا اور اپنی غلطی کی تلافی کر دی. دلاور خاں، خسرو کے لاہور پر حملہ کرنے سے پہلے لاہور کے قلعے میں پہنچ گیا اور اس نے نمایاں خدمات انجام دے کر اس کوتاہی کی تلافی کر دی. سید کمال نے بھی خسرو کے خلاف جنگ میں مردانگی کے جوہر دکھائے. اس کا حال اپنی جگہ پر تفصیل سے لکھا جائے گا.

۱۷ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو میں پرگنۂ کرنال پہنچا. اس مقام پر راجا جولیار کے بڑے بیٹے عابد بن خواجہ اور عبیداللہ خاں اوزبک کے

پوتے کو، جو میرے والد بزرگوار کے عہد حکومت میں آیا تھا، منصب ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کیا ۔

شیخ نظام تھانیسری (۱۴) جو ایک عیّار آدمی ہے ، خسرو سے مل کر اس کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی خوش خبریاں سنائیں اور اسے روانہ کر کے میرے پاس ملاقات کے لیے آیا ۔ چوں کہ اس کی باتیں میرے کانوں تک پہنچ چکی تھیں ، میں نے اس کو سفر خرچ دے کر کہا کہ وہ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے چلا جائے ۔

۱۹ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو میں نے پرگنۂ شاہ آباد میں منزل کی ۔ یہاں پانی بہت کم تھا لیکن اتفاق سے ہمارے پہنچنے کے بعد وہاں زبردست بارش ہو گئی جس سے سب لوگ تروتازہ ہو گئے ۔

شیخ احمد لاہوری کو ، جو میری شاہزادگی کے زمانے سے میرا پروردہ ، خدمت گزار اور مرید ہے ، میں نے میر عدل کا منصب عطا کیا ۔ میرے مرید (۱۵) اور مخلصین اسی کے وسیلے سے میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور اس کے معروضے پر انگشتری اور تصویر ہر ایک (مرید) کو دی جاتی ہے ۔ میں مریدوں سے بیعت لیتے وقت چند کلمے بطور نصیحت کے کہتا ہوں کہ کسی قوم و ملت کی مخالفت میں اپنا وقت ضائع نہ کریں ، کسی مذہب و ملت کے ساتھ دشمنی کر کے اپنے اوقات کو مکدر نہ بنائیں ، تمام مذاہب اور طریقے کے لوگوں سے صلح کُل کا برتاؤ کریں ، کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے نہ ماریں ، جنگ اور شکار کے علاوہ کبھی درشت مزاجی سے کام نہ لیں :

مباش درپئے بے جاں نمودنِ جاندار
مگر بعرصۂ پیکار یا بوقتِ شکار

تمام سیّارے نور الٰہی کے مظہر ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کی تعظیم ان کے درجے کے مطابق کرنی چاہیے اور ہر زمانے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کو موجد حقیقی اور کارساز جاننا چاہیے ، بلکہ تفکر کرنا چاہیے تاکہ خلوت اور جلوت میں کوئی لمحہ ، دل اس کی یاد سے غافل نہ ہو :

لنگ و پوچ و خفتہ شکل و بے ادب
سوئے او می غنج و او را می طلب

میرے والد بزرگوار نے ذکر و فکر الٰہی میں اس درجہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ ان کے اوقات میں سے شاذ و نادر ہی کوئی وقت اس سے خالی ہوتا تھا۔

میں نے آلوہ میں منزل کرنے کے بعد الوانی اوزبک کو دوسرے ستاون منصب داروں کے ساتھ شیخ فرید کی مدد کے لیے متعین کیا، اور اس جماعت کے مدد خرچ کے لیے چالیس ہزار روپے دیے۔ اس کے علاوہ سات ہزار روپے جمیل بیگ کو دیے کہ وہ اپنے لشکریوں میں تقسیم کرے۔ میر شریف آملی کو بھی دو ہزار روپے عطا کیے۔

گرفتاری اور سزا:

منگل کے دن ۲۴ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء) کو خسرو کے پانچ ملازم اور ساتھی گرفتار کرکے لائے گئے۔ ان میں سے دو، جنھوں نے خسرو کے ملازم ہونے کا اقرار کیا، میں نے حکم دیا کہ انھیں ہاتھی کے پاؤں [29] کے نیچے ڈال دیا جائے۔ باقی تین آدمی، جنھوں نے خسرو کی ملازمت سے انکار کیا، حکام کے سپرد کیے گئے تاکہ ان کے متعلق حقیقتِ حال معلوم کریں۔

۱۲ فروردی جلوس کے پہلے سال میرزا حسین اور نورالدین قلی (۱۶) کوتوال شہر لاہور میں داخل ہو گئے۔

۲۴ ماہ مذکور ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء) کو دلاور خان کے قاصد نے آکر خبر دی کہ خسرو بغاوت کے ارادے سے لاہور کا ارادہ رکھتا ہے، حضور خبردار رہیں۔

اسی تاریخ [۲۴ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء)] کو شہر لاہور کے دروازے محفوظ اور مضبوط کر لیے گئے اور مذکورہ تاریخ کے دو روز بعد دلاور خان چند آدمیوں کے ساتھ لاہور کے قلعے میں داخل ہو گیا، اور اس نے برجوں، دیواروں اور فصیلوں کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ اس نے جہاں کہیں بھی ٹوٹ پھوٹ دیکھی، مرمت کرکے توپوں اور منجنیقوں کو قلعے کے اوپر لا کر جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ شاہی ملازموں کی ایک قلیل جماعت جو اس قلعے میں تھی، سب کے سب کام پر لگ گئے اور (مختلف) خدمتوں پر متعین ہو گئے، اور شہر کے لوگوں نے بھی پورے اخلاص سے ان کی مدد و معاونت کی۔

خسرو کی لاہور میں آمد :

اس انتظام کے دو دن بعد خسرو لاہور پہنچا ۔ اپنے قیام کے لیے جو مقامات اس نے مقرر کیے تھے، ان میں اپنی پسند کی ایک جگہ اس نے منزل کی ۔ حکم دیا کہ شہریوں کو قتل کر کے جنگ شروع کریں اور جیسے بھی ممکن ہو، شہر کے کسی ایک جانب ایک دروازے کو آگ لگا کر جلا دیں ۔ اور اپنے بد سرشت ساتھیوں سے کہا کہ قلعے کو فتح کرنے کے بعد میں حکم دوں گا کہ سات دن تک شہر کو لوٹا جائے اور عورتوں، بچوں اور مردوں کو قید کیا جائے ۔ اس خون خوار جماعت نے شہر کے ایک دروازے کو جلا دیا ۔ دلاور بیگ خاں، حسین بیگ دیوان اور نورالدین قلی کوتوال نے اسی اثنا میں دروازے کے اندرونی جانب دروازے کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دی تھی ۔

ان ہی ایام میں سعید خاں جو کشمیر میں متعین تھا اور دریائے چناب کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا، وہ اس خبر کو سن کر حملے کے لیے لاہور روانہ ہوگیا ۔ جب وہ دریائے راوی کے کنارے پہنچا تو اس نے اہل قلعہ کو اطلاع بھیجی کہ میں سلطنت کی بہی خواہی کے لیے آیا ہوں، مجھے قلعے کے اندر لے لیا جائے ۔ قلعے کے لوگوں نے رات کے وقت کسی آدمی کو بھیج کر اس کو اور اس کے چند ساتھیوں کو قلعے کے اندر بلا لیا ۔

نوروز کے بعد جب کہ قلعہ محاصرے میں تھا، خسرو اور اس کے ہمراہیوں کو شاہی افواج کے پہنچنے کی پے درپے خبریں پہنچیں جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ محاصرہ اٹھا کر اور آگے بڑھ کر شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا چاہیے ۔

چوں کہ لاہور ہندوستان کے بڑے شہروں میں ہے، اس لیے چھ سات روز کے عرصے میں خسرو سے لڑنے کے لیے کثیر فوج جمع ہو گئی تھی ۔ چناں چہ معتبر لوگوں سے سنا گیا کہ دس بارہ ہزار سوار مستعد جمع ہو چکے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ اطراف شہر سے آگے بڑھ کر دشمن کی فوج پر شب خون ماریں ۔

جہانگیر کی سلطان پور میں آمد :

جمعرات ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ء) کو رات کے وقت قاضی علی کی سزا میں یہ خبر مجھے ملی۔ اسی رات میں ، باوجود اس کے کہ شدید بارش ہو رہی تھی ، کوچ کا نقارہ بجوا کر سوار ہو گیا اور صبح کو سلطان پور پہنچا ، اور دوپہر تک وہاں میں نے قیام کیا۔ اتفاق سے اسی وقت اور اسی گھڑی شاہی افواج اور (خسرو کی) سرنگوں جماعت کے درمیان جنگ شروع ہو گئی ۔ اس وقت معزالملک میرے کھانے کے لیے بریانی کی مشقاب لایا تھا ۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ کھاؤں ، اتنے میں مجھے جنگ کی خبر ملی ۔ اس خبر کے سنتے ہی ، باوجود اس کے کہ میری طبیعت بریانی کھانے کی طرف مائل تھی ، نیک شگون کی خاطر صرف ایک لقمہ کھا کر جلد سوار ہوگیا ۔ نہ لوگوں کے جمع ہونے کا خیال کیا ، نہ فوج کی کمی کی پروا کی ۔ میں نے اس وقت اپنی خاص زرہ طلب کی تھی لیکن کوئی شخص وہ زرہ نہیں لایا ۔ ہتھیاروں میں سوائے نیزے اور تلوار کے کوئی چیز میرے پاس نہ تھی ۔ میں اپنے آپ کو محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے حوالے کرکے بغیر کسی سوچ اور فکر کے روانہ ہو گیا ۔ شروع میں میرے ساتھ پچاس سے زیادہ سوار نہ تھے ، اور کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ آج جنگ ہو رہی ہے ۔ مختصر یہ کہ گوئندوال[1] کے پل تک پہنچتے پہنچتے چار [30] پانسو سوار اچھے برے میرے پاس جمع ہو گئے تھے ۔

فتح کی خبر :

جس وقت کہ میں مذکورہ پل کو عبور کر رہا تھا ، مجھے خسرو پر فتح کی خبر ملی ۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ خوش آیند خبر پہنچائی ، وہ شمس توشکچی تھا ۔ میں نے اس اطلاع پر اسے خوش خبر خاں کا خطاب دیا ۔

اور میر جمال الدین حسین ، جس کو میں نے پہلے خسرو کے سمجھانے بجھانے اور نصیحت کے لیے بھیجا تھا ، اسی وقت مجھ سے آ کر ملا ۔ وہ خسرو کی فوجوں کی شان و شوکت اور کثرت کے متعلق اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان دینے لگا کہ اس کی یہ باتیں لوگوں کو خوف زدہ کرنے لگیں ۔ باوجود اس کے کہ شاہی فوجوں کی فتح کی خبریں متواتر پہنچ رہی تھیں ، لیکن یہ سادہ لوح سید

۱۔ گوئندوال : یہ مقام دریائے بیاس پر واقع ہے ۔

کسی طرح یقین نہیں کرتا تھا ، اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہی کہے جاتا تھا ، کہ خسرو کا جتنا بڑا لشکر میں نے دیکھا ہے وہ شیخ فرید کے لشکر سے ، جو تعداد میں اس کے مقابلے میں قلیل اور بے سروسامان ہے ، کیوں کر شکست کھا سکتا ہے . جس وقت خسرو کا سنگھاسن (تخت) اس کے دو خواجہ سراؤں کے ساتھ لایا گیا تو اس وقت میر جلال الدین حسین کو یقین آیا ، اور گھوڑے سے اتر کر اس نے میرے قدموں پر سر رکھتے ہوئے خشوع و خضوع کے تمام آداب بجا لا کر کہا کہ حضور کے اقبال کے بلند و بالا ہونے کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے .

میدانِ جنگ کے واقعات :

شیخ فرید بخاری نے شاہی فوج کی قیادت میں نہایت مخلصانہ اور فداکارانہ جوہر دکھائے . اس نے سادات بارھہ میں سے ہراول دستے مرتب کیے تھے . سادات بارھہ اپنے زمانے کے مانے ہوئے بہادر ہیں ، اور جس لڑائی میں وہ شریک ہوئے انھوں نے نمایاں کام انجام دیے . بارھہ قوم کے سردار سیف خان ولد سید محمود نے بھی ذاتی طور پر بہادری کے جوہر دکھائے ، اور میدان جنگ میں سترہ زخم کھائے . سید جلال بھی جو اس برادری کا ایک فرد تھا ، اس کی کنپٹی پر ایک تیر لگا اور چند روز کے بعد اس کا انتقال ہو گیا .

سادات بارھہ ، جو پچاس ساٹھ سے زیادہ نہ تھے ، بدخشیوں کے مقابلے میں پس گئے ، کیوں کہ بدخشی کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار کی تعداد میں وار کرتے تھے .

سید کمال نے ، جو اپنے بھائیوں کے ساتھ ہراول کی کمک پر مامور تھا ، میدانِ جنگ کے ایک کنارے سے نکل کر ایسے زبردست وار کیے کہ شجاعت اور مردانگی کی حدود سے بھی آگے بڑھ گیا .

اس کے بعد شاہی فوج بادشاہ سلامت کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑی . یہ نعرہ سنتے ہی تمام فسادی پریشان اور سراسیمہ ہو کر مختلف گوشوں میں تتر بتر ہو گئے . اس طرح مختلف قبیلوں کے چار سو افراد فاتح فوج کے قہر و غلبے کا شکار ہوئے اور خسرو کے جواہر اور نفیس و قیمتی اشیا کا صندوق ، جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا ، شاہی لشکر کے ہاتھ آیا .

که دانست این کودک خورد سال
شود با بزرگان چنین بدسگال
باول قدح دردی آرد به پیش
گدازد شکوه تن و شرم خویش
بسوزاند اورنگ خورشید را
تمنا کند تخت جمشید را

جس زمانے میں کہ میں الہ آباد میں تھا ، مجھے بھی اُس وقت بعض کوتاہ اندیشوں نے والد بزرگوار کی مخالفت پر اُبھارا تھا ، لیکن اُن کی یہ باتیں میرے نزدیک ہرگز قابل قبول و معقول نہیں ہوئیں ، کیوں کہ میں جانتا تھا کہ جس حصول سلطنت کی بنیاد باپ کی مخالفت پر ہوگی ، وہ کس قدر پائدار ہو سکتی ہے ؟ اس لیے ناقص العقل (مصاحبوں) کے مشورے سے اپنی جگہ سے ذرّہ برابر نہیں ہٹا اور اپنی عقل و ذہانت کے تقاضوں کو کام میں لا کر اپنے والد و مرشد ، قبلہ اور خدائے مجازی کی خدمت میں حاضر ہو گیا ، اور اس نیت صادق کی بدولت مجھے سب کچھ مل گیا جو ملنا چاہیے تھا ۔

خسرو کا تعاقب اور سرداروں کا انتخاب :

جس روز خسرو شکست کھا کر بھاگا اُسی رات کو میں نے راجا باسو کو جو لاہور کے پہاڑی علاقے کے قابل اعتماد زمینداروں میں ہے ، اس حکم کے ساتھ رخصت کیا کہ وہ ان علاقوں کے حدود میں جا کر جس جگہ جو خبر ملے یا نشان پاوے ، خسرو کو گرفتار کرنے کی ممکنہ کوشش کرے ۔

اور مہابت خان اور میرزا علی اکبر شاہی (۱۰۲) کو ایک کثیر لشکر دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ جس طرف بھی خسرو روانہ ہو ، فوج اس کا تعاقب کرے ۔ اور میں نے خود یہ منصوبہ بنایا کہ اگر خسرو کابل جائے تو میں بھی اس کے پیچھے جاؤں ، جب تک کہ میں اس کو پکڑ نہ لوں ، واپس نہ لوٹوں گا ۔ اور اگر وہ کابل میں [31] نہ ٹھہرے اور بدخشان اور اس کے علاقوں میں چلا جائے تو میں مہابت خان کو کابل میں چھوڑ کر خیر و عافیت کے ساتھ لوٹ آؤں گا ۔ میرا منشا بدخشان نہ جانے سے یہ تھا کہ وہ (خسرو) بدنصیب ضرور اوزبکوں سے جا کر مل جائے گا ، اور اس کی اس حرکت سے

سلطنت کی سبکی ہوگی ۔

جس روز شاہی افواج خسرو کے تعاقب کے لیے مامور ہوئیں ، پندرہ ہزار روپے مہابت خاں کو اور بیس ہزار روپے احدیوں کو مرحمت کیے گئے ، اور دس ہزار روپے فوج کے ساتھ بھی رکھے گئے تا کہ راستے میں جس کسی کو روپیہ دینا ضروری سمجھا جائے ، دیا جائے ۔

خسرو کے ساتھیوں میں اختلاف :

ہفتے کے روز ۲۸ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو شاہی لشکر جیپال کے مقام پر پہنچا جو لاہور سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ اسی روز خسرو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دریاے چناب کے کنارے آ گیا ۔

مختصر یہ کہ شکست کھانے کے بعد جو لوگ معرکۂ جنگ سے اس کے ساتھ سلامت بچ کر نکل آئے تھے ، ان کی رائیں مختلف ہو گئیں ۔ پٹھان اور اہل ہندوستان جو اس کے قدیم ساتھی تھے ، چاہتے تھے کہ وہ ہندوستان کی طرف پلٹ کر بغاوت و فساد برپا کرتا رہے ، لیکن حسین بیگ اس کو کابل چلنے پر ابھار رہا تھا کیوں کہ اس کے اہل و عیال اور خویش و اقارب اور خزانہ کابل کے نواحی علاقوں میں واقع تھا ۔

بالآخر خسرو نے حسین بیگ کے مشورے پر عمل کیا ، جس کی وجہ سے ایک دم ہندوستانیوں اور پٹھانوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی ۔

خسرو کی گرفتاری :

جب خسرو دریاے چناب کے کنارے پر آیا ، وہ شاہ پور کے راستے سے ، جو ایک معین راستہ ہے ، دریا کو عبور کرنا چاہتا تھا ، لیکن یہاں اسے کشتی نہ ملی ۔ پھر وہ وہاں سے چل کر سودھرا کے گھاٹ کی طرف روانہ ہوا ۔ اس گھاٹ پر اس کے لوگوں کو ایک کشتی بغیر ملاح کے اور دوسری کشتی لکڑیوں اور گھاس سے بھری ہوئی ہاتھ لگی ۔

خسرو کے شکست کھانے سے پہلے صوبۂ پنجاب کے تمام جاگیرداروں ، راہداروں اور چوکی داروں کو حکم بھیج دیا گیا تھا کہ اس قسم کا فساد پھوٹ پڑا ہے ، انھیں خبردار اور ہوشیار رہنا چاہیے ۔ اس ہدایت کی بنا پر گھاٹ کے

تمام پھاٹک بند تھے ۔ حسین بیگ نے چاہا کہ لکڑیوں اور گھاس سے بھری ہوئی کشتی کے ملاح اس بے ملاح کشتی کو لائیں ، اور خسرو کو دریا عبور کرادیں ۔

اسی دوران میں سودھرا کے کمال چودھری کا داماد کیلن وہاں پہنچ گیا ۔ اس نے دیکھا کہ رات گئے گھاٹ پر ایک جماعت دریا کو پار کرنا چاہتی ہے ۔ اس نے شور مچایا اور ملاحوں سے کہا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جہانگیر بادشاہ کا حکم نہیں ہے کہ رات کے وقت لوگ بلا اجازت دریا کو عبور کریں ، تمھیں ہوشیار رہنا چاہیے ۔

اس شور و غل کی وجہ سے اس مقام کے گرد و نواح کے لوگ جمع ہو گئے اور کمال چودھری کے داماد کیلن نے آگے بڑھ کر ملاحوں کے ہاتھ سے چپو کھینچ لیے جنھیں ہندی زبان میں بلّے کہتے ہیں ، جس کی وجہ سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگی ۔ اس وقت خسرو اور اس کے ساتھیوں نے ملاحوں کو روپے پیش کیے کہ ان میں سے کوئی ان کو دریا پار کرانے کا ذمہ دار ہو ، لیکن کسی نے اس کو قبول نہیں کیا ۔

ابوالقاسم نمکین کو جو اس وقت دریاے چناب کے قریب گجرات میں تھا ، خبر ملی کہ ایک جماعت رات گئے دریا کو عبور کرنا چاہتی ہے ۔ وہ اس خبر کے ملتے ہی اسی رات میں اپنے بیٹوں اور لشکر کے ساتھ سوار ہو کر دریاے چناب کے کنارے گھاٹ پر پہنچ گیا ۔ یہاں نوبت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حسین بیگ نے ملاحوں پر تیر چلانے شروع کر دیے ، اور دریا کے کنارے سے اس کے جواب میں کمال چودھری کے داماد کیلن نے بھی تیر برسانے شروع کیے ، یہاں تک کہ چار کوس تک کشتی خود بخود پانی کے بہاؤ کے رخ بہتی رہی ، اور رات کے پچھلے پہر ریت میں دھنس گئی ۔ خسرو اور اس کے ساتھیوں نے ہر چند چاہا کہ کشتی کو ریت سے نکالیں ، لیکن یہ ممکن نہ ہوا ، اسی اثنا میں پو پھٹنے لگی ۔

ابوالقاسم نمکین اور خواجہ خضر خان نے ہلال خان کی سرکردگی میں دریا کے اس کنارے بھی فوج جمع کر لی تھی ۔ اس طرح انھوں نے دریا کے مغربی کنارے کی ناکہ بندی مضبوط کر لی ۔ اب رہا دریا کا مشرقی کنارہ تو اس کو زمینداروں نے مستحکم کر لیا ۔

میں نے ہلال خاں کو[32] اس واقعے کے ظہور پزیر ہونے سے قبل اس لشکر کا ہراول بنا کر بھیجا تھا جو سعید خاں کی سرداری میں کشمیر میں متعین تھا ۔ اتفاق سے وہ بھی اسی رات اس نواح میں بر وقت پہنچ گیا ۔ ابوالقاسم نمکین اور خواجہ خضر خاں کے دستے کو لانے اور خسرو کی گرفتاری میں اس کا بہت بڑا دخل ہے ۔

اتوار ۲۹ ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۶ع) کو یہ لوگ ہاتھیوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر بڑھے اور خسرو کو گرفتار کر لیا ۔

خسرو اور اس کے ساتھیوں کی پیشی اور سزائیں :

پیر کے دن محرم کی چاندنا رات ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو مجھے باغ میرزا کامران میں خسرو کی گرفتاری کی خبر ملی ۔ میں نے اسی وقت امیرالامرا (شریف خاں) سے کہا کہ وہ گجرات جا کر خسرو کو میرے پاس لائے ۔ امور سلطنت اور ملک داری کے معاملات میں اکثر میرا طریقۂ عمل یہ رہا ہے کہ میں اپنی ذاتی رائے اور سمجھ پر عمل کرتا ہوں ، اور اپنی رائے کو دوسروں کے مشوروں سے زیادہ وقیع سمجھتا ہوں ۔

اپنی رائے پر عمل کرنے کا پہلا موقع وہ تھا جب کہ میں اپنے تمام مخلص مصاحبوں کی رائے اور مشورے کے خلاف الہ آباد سے روانہ ہو گیا تھا اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی تھی ۔ اسی میں فلاح دین و دنیا تھی اور میں اپنی اسی اصابت رائے کی بدولت بادشاہ ہوا ۔

دوسرا موقع وہ تھا جب کہ میں بلا لحاظ تعین ساعت خسرو کے تعاقب میں روانہ ہو گیا اور جب تک میں نے اس کو گرفتار نہیں کر لیا آرام نہیں لیا ۔ اس سلسلے کی عجیب بات یہ ہے کہ خسرو کے تعاقب میں روانہ ہونے کے بعد حکیم علی (۱۸) سے ، جو فن ریاضی اور نجوم کا جاننے والا ہے ، میں نے دریافت کیا تھا کہ میری روانگی کی گھڑی کیسی تھی ؟ اس نے جواب دیا کہ اس مطلب کے حصول کے لیے اگر منجم کوئی نیک ساعت تلاش کرتے تو اس سے بہتر ساعت ، جس میں آپ روانہ ہوئے ہیں ، برسوں میں نہ ملتی ۔

جمعرات کے دن ۳ محرم ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو باغ میرزا کامران میں

خسرو کو دست بستہ پا بہ زنجیر چنگیز خانی قانون اور قاعدے کے مطابق بائیں جانب سے میرے سامنے لایا گیا ۔ حسین بیگ کو اس کی داھنی جانب اور عبدالرحیم کو اس کے بائیں جانب کھڑا کیا گیا ۔ خسرو ان دونوں کے درمیان کھڑا ہوا کانپ اور رو رہا تھا ۔ حسین بیگ نے اس خیال سے بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کیں کہ شاید اس طریقے پر اس کو نجات مل جائے ۔ جب اس کی یہ غرض معلوم ہو گئی تو اسے ایسی باتیں کرنے سے روک دیا گیا ۔ میں نے خسرو کو اسی طرح زنجیروں میں مقید رکھنے کا حکم دیا ۔ اور ان دونوں فتنہ پردازوں کے متعلق حکم دیا کہ ایک کو گائے کی کھال میں اور دوسرے کو گدھے کی کھال میں سی کر اور گدھے پر الٹا بٹھا کر سارے شہر میں پھرایا جائے ۔ چوں کہ گائے کی کھال ، گدھے کی کھال سے جلد خشک ہو جاتی ہے ، اس لیے حسین بیگ چار پہر تک زندہ رہ کر دم گھٹنے سے مر گیا ، اور عبدالرحیم جو گدھے کی کھال میں بند تھا (جو گائے کی کھال کی بہ نسبت دیر میں سوکھتی ہے اور اسے باہر سے بھی تری پہنچائی جا رہی تھی) ، زندہ رہا ۔

شیخ فرید بخاری کو خطاب :

پیر کے دن آخر ذی الحجہ سے لے کر ۹ محرم ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) سنہ مذکور تک ساعتِ نحس کی وجہ سے میں باغِ میرزا کامران میں ٹھہرا رہا ۔ بھروال کے علاقے کو ، جہاں خسرو کے ساتھ جنگ واقع ہوئی تھی ، شیخ فرید کو دے کر اس کو مرتضیٰ خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

پھانسی :

میں نے سلطنت کے نظم و نسق کے برقرار رکھنے کے لیے حکم دیا کہ باغ میرزا کامران سے شہر تک دو رویہ لکڑیاں نصب کرکے فتنہ انگیز قبائلی باغیوں اور دوسرے لوگوں کو ، جنھوں نے خسرو کے ساتھ اس شورش میں حصہ لیا ہے ، سولیوں اور لکڑیوں پر لٹکا کر ہر ایک کو اس کے اس طرح کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے کہ دوبارہ سزا کی ضرورت نہ ہو ۔

میں نے ان زمینداروں کو جنھوں نے اس جنگ میں سلطنت کے ساتھ پوری وفاداری کی تھی ، دریائے چناب کے وسطی حصے کے علاقے کا چودھری اور

رئیس بنا دیا اور اس علاقے کی زمین ہر ایک کو بطور مدد معاش کے عطا کر دی۔
حسین بیگ کے تمام مال و دولت میں سے، جس کا نام اس واقعے کے بعد ہر جگہ مذکور ہوگا، تقریباً سات لاکھ روپے میر محمد باقی کے گھر سے برآمد ہوئے۔ یہ روپیہ اس دولت کے علاوہ تھا جو اس نے دوسروں کے گھر رکھوائی تھی یا اس نے اپنے پاس رکھی تھی۔ جب وہ [33] میرزا شاہرخ کے ساتھ ہمارے دربار میں آیا تھا تو اس کے پاس ایک گھوڑے کے سوا کچھ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی مالی حالت اس حد تک پہنچی کہ وہ بڑے خزانوں اور دفینوں کا مالک ہو گیا اور بغاوت کے یہ ارادے اس کے دل میں گھر کرنے لگے۔

رانا کی مہم سے سلطان پرویز کی طلبی :

ان ایام میں جب کہ خسرو کا معاملہ مشیت ایزدی میں پوشیدہ تھا، ولایت اور دارالخلافہ آگرہ کے درمیانی علاقوں پر، جو فتنہ و فساد کے سرچشمے ہیں، کسی لائق اور ذمہ دار عہدہ دار کی نگرانی نہ تھی۔ میں نے اس خدشے سے کہ کہیں خسرو کا معاملہ طول نہ کھینچے، حکم دیا کہ فرزند پرویز مہم رانا کو بعض سرداروں کے سپرد کرکے بذات خود آصف خاں اور ان مصاحبوں کی جماعت کے ساتھ، جو اس سے قریبی نسبت رکھتے ہیں، آگرے جائے، اور اس علاقے کی حفاظت اور نگرانی اور انتظام کے عہدے کو سنبھالے۔ لیکن عنایت الٰہی کی برکت سے قبل اس کے کہ خسرو آگرے پہنچے، خسرو کی مہم دوستوں اور مخلصوں کے حسب دل خواہ انجام پا گئی۔ اس بنا پر میں نے پرویز کو حکم بھیجا کہ فرزند مذکور میری خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو جائے۔

لاہور میں ورود :

بدھ کے دن ۹ محرم، ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) کو لاہور کے قلعے میں میرا ورود مبارک ہوا۔ سلطنت کے چند بہی خواہوں نے عرض کیا کہ اس زمانے میں جب کہ صوبۂ گجرات، دکن اور بنگالہ میں سیاسی انتشار پھیلا ہوا ہے، دارالخلافۂ آگرہ کو لوٹ جانا مصالح سلطنت کے مناسب ہے۔ ان کا یہ مشورہ مجھے پسند نہ آیا کیوں کہ شاہ بیگ حاکم قندھار کی عرضیوں سے، جو اس

وقت میرے پاس پہنچ رہی تھیں، یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ قزلباشیہ سرحد کے امرا کوئی حرکت کرنے والے ہیں، کیونکہ وہاں میرزائیوں کی فوج کے جو بچے کھچے افراد ہیں، وہ ہمیشہ جنگ و جدل کھڑا کر دیتے ہیں، اور قزلباشیوں کو شہ دیتے ہیں اور خطوط لکھ کر قندھار کو فتح کرنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عرش آشیانی کی وفات اور خسرو کی بے موقع شورش کی وجہ سے ان کے حوصلے بڑھ جائیں اور وہ قندھار پر حملہ کر بیٹھیں۔

قندھار کی جانب قزلباشیوں کی نقل و حرکت :

جو روشن خیالات میرے ذہن میں پرتو افگن تھے، وہی اتفاق سے عملی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ ملک ہرات اور سیستان کے حکام اور اس نواح کے جاگیرداروں نے حسین خاں حاکم ہرات کی کمک اور مدد سے قندھار پر حملہ کر دیا۔ شاہ بیگ حاکم قندھار کی ہمت و مردانگی پر شاباش ہو کہ اس نے قابل تعریف مردانگی اور ہمت کے ساتھ قلعے کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ وہ خود روزانہ قلعے کی تیسری ارک پر اس طرح (مجلس جما کر) بیٹھتا تھا کہ باہر کے محاصرہ کرنے والے علانیہ اس کی مجلس کو دیکھتے تھے۔ محاصرے کے دوران میں بغیر ہتھیار باندھے ننگے سر اور ننگے پاؤں مجلس عیش و عشرت جاتا تھا، اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ فوج کو دشمن کے مقابلے کے لیے قلعے سے نہ بھیجتا ہو اور مردانہ جد و جہد کا مظاہرہ نہ کرتا ہو۔ جب تک قلعے میں رہا، اس طریقے پر عمل پیرا رہا۔ قزلباشیوں کے لشکر نے تین طرف سے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

جب ان تمام واقعات کی خبر مجھے لاہور میں ملی تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ میرا یہاں ٹھہرنا زیادہ قرین مصلحت تھا۔

میرزا غازی بیگ کی قندھار کو روانگی :

چناں چہ میں نے اسی وقت میرزا غازی کی سرداری میں ایک بڑی فوج بھیج دی؛ نیز اس کی ہمراہی میں منصب داروں اور امرا کی ایک جماعت، مثلاً قرا بیگ کو، جو قراخانی خطاب سے سرفراز تھا، اور تختہ بیگ کو، جو سردار خانی

کے خطاب سے مخاطب تھا ، اس مہم پر مامور کیا ۔ اس کے علاوہ میں نے میرزا غازی کو منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کر کے نقارہ عنایت کیا ۔ میرزا غازی ، میرزا جانی ترخان (۱۹) کا بیٹا ہے جو ٹھٹھے کا بادشاہ تھا ۔ حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں عبدالرحیم خانخاناں سپہ سالار کی کوشش سے یہ ملک فتح ہوا ، اور بعد میں یہ ملک ٹھٹھہ پنج ہزاری ذات و سوار کا منصب دے کر میرزا جانی ترخان کو بطور جاگیر دیا گیا ۔ میرزا جانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میرزا غازی اپنے باپ کے منصب اور خدمت سے سرفراز ہوا ۔ میرزا غازی اور میرزا جانی کے آباء و اجداد سلطان حسین میرزا بایقرا (۲۰) بادشاہ [34] خراسان کے امرا میں تھے ، اور دراصل ان کے نسب کا سلسلہ صاحب قران امیر تیمور کے ایک امیر سے جا ملتا ہے ۔

خواجہ عاقل کو اس لشکر کی بخشی گری کے عہدے پر مقرر کیا ، اور تینتالیس ہزار روپیہ مدد خرچ کے طور پر قرا خان کو اور پندرہ پندرہ ہزار روپے نقدی بیگ اور قلیچ بیگ کو جو میرزا غازی بیگ کے ہمراہیوں میں سے تھے ، دیئے گئے ۔

جنگ قندھار کے خدشے کے رفع ہونے تک اور سیر کابل کے ارادے کی وجہ سے میں نے لاہور میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا ۔

انھی دنوں میں نے حکیم فتح اللہ (۲۱) کو اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات اور سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

چوں کہ شیخ حسین جامی کے بہتیرے خواب بہت کچھ صحیح ثابت ہوئے تھے ، اس لیے میں نے بیس لاکھ دام جو تیس چالیس ہزار روپے کے برابر ہوتے ہیں ، ان کے اور ان کی خانقاہ اور درویشوں کے لیے ، جو ان کے لیے گراں بار تھے ، مقرر کیے ۔

۲۲ محرم ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو میں نے عبداللہ خاں کو نوازا ۔ اس کو اصل اور اضافے کے ساتھ دو ہزار و پانصدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

میں نے حکم دیا کہ احدیوں کو دو لاکھ روپے مدد کے طور پر دے کر یہ رقم قسطوں میں رفتہ رفتہ ان کی تنخواہ سے وضع کر لی جائے ۔

شاہ بیگ خاں کے رشتے دار قاسم بیگ خاں کو چھ ہزار روپے اور بہادر خاں (۲۲) کو تین ہزار روپے عنایت کیے ۔

ارجن گرو کا قتل :

گوئندوال میں جو دریائے بیاس کے کنارے پر واقع ہے ، ایک ہندو ارجن (۲۳) نامی پیری و بزرگی کے لباس میں مقیم تھا اور بہت سے سادہ لوح ہندوؤں بلکہ بعض احمق اور نادان مسلمانوں کو اپنی وضع و اطوار کے دام فریب میں پھنسا کر اپنی پیری اور ولایت کا ڈنکا بجا رہا تھا ۔ اس کے معتقد اس کو گرو کہتے تھے اور اطراف و جوانب کے احمق اور احمق پرست اس کی طرف رجوع ہو کر اس سے اظہار عقیدت کرتے تھے ۔ تین چار پشت سے اس کی یہ پیری اور مریدی کی دکان چل رہی تھی ۔ ایک مدت سے میرے دل میں تھا کہ اس باطل کی دکان کو برخاست کرنا چاہیے یا اس کو مسلمانوں کے زمرے میں لانا چاہیے ، یہاں تک کہ ان ہی ایام میں خسرو اس راستے سے گزرا ، اور اس مردک اور جاہل (ارجن) نے اس کو ہتّے چڑھانے کا ارادہ کیا ۔ خسرو اسی جگہ ٹھہرا جہاں ارجن کا ٹھکانا تھا ۔ ارجن خسرو سے آ کر ملا اور اس کو بعض باتیں سمجھائیں جو اس نے سنیں تھیں ، اور پھر اس نے خسرو کی پیشانی پر اپنی انگلی سے زعفران کی ایک لکیر کھینچی ، جسے ہندوؤں کی اصطلاح میں قشقہ کہتے ہیں ، اور اس کو نیک شگون جانتے ہیں ۔ جب یہ باتیں میرے کانوں تک پہنچیں ، میں اس کی گمراہی کو پورے طور پر جانتا تھا ، میں نے حکم دیا کہ اس کو حاضر کیا جائے ، (جب وہ میرے سامنے لایا گیا تو) میں نے اس کا گھر بار اور بیٹوں کو مرتضیٰ خان کے حوالے کر دیا اور اس کے مال اور اسباب کو ضبط کرکے اس کے قتل کا حکم دیا ۔

راجو اور انبا نامی اس کے دو چیلے تھے اور وہ دولت خان خواجہ سرا کی پشت پناہی کی وجہ سے لوگوں پر ظلم و ستم کرکے زندگی بسر کرتے تھے ۔ جس زمانے میں خسرو لاہور کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ، ان دونوں نے لوگوں پر بہت دست درازی اور زیادتی کی تھی ۔ میں نے حکم دیا کہ راجو کو پھانسی دی جائے اور انبا ، جو مال داری میں مشہور تھا ، اس سے جرمانہ وصول کیا جائے ۔ مختصر یہ کہ اس سے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے جرمانہ وصول کیا گیا اور یہ رقم میں نے لنگر خانوں اور خیراتی کاموں میں صرف کرنے کا حکم دیا ۔

سعید خان کے بیٹے سعد اللہ خان (۲۴) کو میں نے دو ہزاری ذات اور سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

پرویز کی حاضری :

حضور خدمت کے شوق میں پرویز نے عین برسات میں ایک طویل سفر بہت جلد طے کیا ، جب کہ بارش تھمتی ہی نہ تھی اور جمعرات کے دن ۲۹ محرم ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) کو دوپہر کے بعد ، جب کہ تین گھڑی گزر چکی تھی ، اس نے میری ملاقات کی سعادت حاصل کی ۔ میں نے انتہائی شفقت اور مہربانی کے ساتھ اس سے بغل گیر ہو کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا ۔

جب سے خسرو سے یہ نازیبا حرکت سرزد ہوئی تھی ، میں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک وہ ہاتھ نہیں آئے گا ، میں کسی [35] جگہ قیام نہیں کروں گا ، اس اندیشے سے کہ کہیں وہ پھر ہندوستان کی جانب اپنا رخ نہ پھیر دے ! ایسی حالت میں دارالخلافہ آگرہ کو خالی چھوڑنا ، جو سلطنت اور حکومت کا مرکز ، شاہی خواتین کا مستقر اور دنیا کے خزانوں کا مدفن ہے ، انتظام سلطنت کے مصالح کے خلاف ہے ۔ اس بنا پر میں نے آگرے سے خسرو کے تعاقب میں روانہ ہوتے وقت پرویز کو لکھا کہ تمہارے اخلاص اور خدمت کے نتائج یہ ہیں کہ خسرو سلطنت سے بغاوت کر کے فرار ہو گیا ہے ، اور اب سعادت مندی کا سہرا تمہارے سر ہے ۔ ہم خسرو کے تعاقب میں بغرض یورش روانہ ہو رہے ہیں ، رانا کی مہم کو تقاضائے وقت اور مصالح سلطنت کے پیش نظر کوئی نہ کوئی مناسب صورت اختیار کر کے چھوڑ دو اور اپنے آپ کو جلد ازجلد آگرے پہنچاؤ کہ دارالسلطنت اور اس خزانے کی حفاظت جس میں قارون کے خزانے کی طرح تمام سرمایہ جمع ہے ، ہم نے تمہارے سپرد کی ہے ، اور تم کو خدائے حیّ و قادر کے سپرد کرتے ہیں ۔

پرویز کے پاس اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی رانا نے شکست مان لی اور آصف خاں کے پاس کسی اپنے قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ میں اپنے کیے پر نہایت نادم اور شرمندہ ہوں ۔ اب میں آپ (آصف خان) سے امیدوار ہوں کہ آپ میرے شفیع بنیں اور ایسی صورت پیدا کریں کہ شاہزادہ پرویز بجائے میرے باگھہ کو ، جو میرے بیٹوں میں سے ہے ، اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دے دیں ، لیکن پرویز اس بات پر راضی نہیں ہوا ، اور اس نے کہا کہ رانا خود اس کی خدمت میں حاضر ہو ، یا پھر کرن کو خدمت میں بھیجے ، اتفاق سے اسی وقت خسرو کی بغاوت کی خبر پہنچی ، اس بنا پر

وقت کے تقاضوں کے مطابق آصف خان اور سلطنت کے دوسرے بہی خواہ باگھہ کے حاضر ہونے پر راضی ہو گئے (اور شہزادہ پرویز کو اس پر رضا مند کر لیا). چناں چہ باگھہ منڈل گڑھ کے نزدیک شاہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضری کی سعادت بجا لایا . شاہزادہ پرویز نے راجا جگن ناتھ اور اکثر امرا کو اس لشکر پر متعین کر دیا اور اس کو وہیں چھوڑ کر خود آصف خان اور چند قریبی مصاحبوں اور خدمت گاروں کے ساتھ آگرے روانہ ہو گیا ، اور باگھہ کو بعض لوگوں کے ساتھ بارگاہ والا (جہانگیر) میں روانہ کیا .

(۲۰) جب پرویز آگرے کے قریب پہنچا تو اس کو شاہی فتح اور خسرو کی گرفتاری کی خبر ملی . آگرے میں پہنچے ہوئے اسے صرف دو روز ہی گزرے تھے کہ اس کو میرا حکم پہنچا کہ میرا دل اب ہر طرح سے مطمئن ہو گیا ہے ، لہٰذا تم جلد از جلد میرے پاس پہنچ جاؤ . چناں چہ اس نے تاریخ مذکور (۲۹ محرم ، ۱۰۱۵ھ - ۱۶۰۶ع) کو میری خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی .

پرویز کو آفتاب گیر عطا کرنا :

میں نے پرویز کو آفتاب گیر (۲۵) عطا کیا جو بادشاہوں کی علامت ہے ، اور دس ہزار کا منصب عنایت کرکے متعلقہ دیوانیوں (کے محکموں) کو حکم دیا کہ تنخواہ کے طور پر اسے جاگیر دی جائے .

ان ہی دنوں میں میرزا علی بیگ کو حکومت کشمیر پر بھیجا اور دس ہزار روپے قاضی عزت اللہ (۲۶) کے حوالے کیے گئے تاکہ وہ کابل کے فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرے .

احمد بیگ خان کے منصب میں اضافہ کرکے اسے دو ہزاری ذات اور دو بست اور پچاس سواروں کے منصب پر اصل اور اضافے سے سرفراز کیا .

مقرب خان کی واپسی :

اسی زمانے میں مقرب خان نے جو دانیال کے بیوی بچوں کے لانے کے لیے مقرر کیا گیا تھا ، چھ ماہ اور بائیس روز کے بعد برہان پور سے لوٹ کر میری خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی اور اس علاقے کے واقعات اور حالات کو تفصیل سے بیان کیا .

سیف خاں کو دوہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ شیخ عبدالوہاب کو، جو بخارا کے سادات میں سے ہے اور حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں دھلی کا حاکم تھا، اس خدمت سے ہٹا کر اس کو میں نے وظیفہ خوار اور ارباب سعادت (۲۷) کے زمرے میں شامل کر دیا کیوں کہ اس کے بعض آدمیوں سے بدعنوانیاں سرزد ہوئی تھیں۔

لنگر خانوں کا قیام :

میں نے حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ میں، خواہ وہ محال خالصہ (۲۸) ہوں یا جاگیریں، فقیروں اور ضرورت مندوں کے لیے لنگر خانے قائم کیے جائیں، جن میں ان مقامات کی گنجائش کے مطابق سادہ اور درویشانہ کھانا پکایا جائے، تاکہ وہاں کے غریب باشندوں اور مسافروں کو فیض پہنچے۔

انبہ خان کشمیری (۲۹) کو، جو حکام کشمیر کی اولاد میں سے ہے، ہزاری ذات اور سی صد سوار کے منصب پر فائز کیا۔

پیر کے دن ۔ ماہ ربیع الآخر ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو میں نے پرویز کو شمشیر خاصہ عطا کی، اور قطب الدین خان کوکہ اور امیرالامرا (شریف خان) کو بھی مرصع تلواریں عنایت کیں۔

اسی دن میں نے دانیال کے بچوں کو دیکھا جنھیں مقرب خاں برہان پور سے لایا [36] تھا۔ دانیال کے پسماندگان میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ اس کے بیٹوں کے نام: ۱- طہمورث ۲- بایسنغر اور ۳- ہوشنگ ہیں۔ ان بچوں سے میں نے اس قدر شفقت و محبت کا برتاؤ کیا کہ جو کسی کے گمان میں بھی نہ تھا۔ طہمورث جو ان بچوں میں سب سے بڑا ہے، اس کے متعلق یہ قاعدہ بنا دیا کہ وہ ہمیشہ میری خدمت میں رہے، اور دوسرے بچوں کو میں نے اپنی ہمشیرہ کے حوالے کیا تاکہ وہ ان کی مناسب دیکھ بھال کرتی رہے۔

راجا مان سنگھ کے لیے خلعت خاصہ بنگال بھیجا گیا۔ تیس لاکھ دام میرزا غازی کو انعام میں دیے اور قطب الدین خاں کوکہ کے بیٹے شیخ ابراہیم کو ہزاری ذات اور تین سو سوار کے منصب سے سرفراز کر کے کشور خان کے خطاب سے ممتاز کیا۔

خرم کی شاہی خواتین کے ساتھ طلبی :

میں نے خسرو کے تعاقب کے زمانے میں اپنے بیٹے خرم کو آگرے میں شاہی محلات اور خزانے کی حفاظت کے لیے چھوڑا تھا ۔ اس مہم سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے حکم دیا کہ فرزند مذکور حضرت مریم زمانی (۳۰) اور دوسری شاہی خواتین کے ساتھ میری خدمت میں حاضر ہو ۔

جب وہ لاہور کے نزدیک پہنچا ، روز جمعہ ۱۲ ماہ ربیع الآخر ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو میں اپنی والدہ کے استقبال کے لیے کشتی پر سوار ہو کر دھر ناتی گاؤں کے نزدیک پہنچا اور وہیں ملاقات کی سعادت حاصل کی ۔ اور کورنش ، سجدہ ، تسلیم اور دوسرے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، جو چھوٹوں کی جانب سے بڑوں کے لیے تورۂ چنگیزی اور قانون تیموری اور ضابطۂ بابری کے مطابق بجا لائے جاتے ہیں ، پوری بندگی اور اطاعت کے ساتھ بجا لایا ۔

ان مراسم سے فارغ ہونے کے بعد میں واپس لوٹنے کی اجازت حاصل کر کے لاہور کے قلعے میں آیا ۔

۱۷ ربیع الآخر ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو معزالملک کو رانا کی مہم کے لیے لشکر کی بخشی گری پر مامور کر کے اس طرف روانہ کیا ۔

رائے سنگھ اور دلیپ کی بغاوت :

جب ناگور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں رائے سنگھ اور اس کے بیٹے دلیپ کی مخالفت کی خبریں پہنچیں ، میں نے حکم دیا کہ راجا جگن ناتھ امرا کی ایک جماعت اور معزالملک کے ساتھ یلغار کرے اور فتنہ و فساد کو دور کرے ۔

سردار خان کا قندھار پر تقرر :

سردار خان ، جو بجائے شاہ بیگ کے قندھار کی حکومت پر مامور کیا گیا تھا ، میں نے اسے تین ہزاری ذات اور دو ہزار پانسو سوار کے منصب سے ممتاز کر کے اس کو پچاس ہزار روپے دیے ۔

خاندیس کے سابق حاکم خضر خان اور اس کے بھائی احمد خان کو ، جو اس سلطنت کے خان زادوں میں سے ہیں ، تین ہزار روپے مرحمت کیے ۔

قاسم خاں کے بیٹے ہاشم خاں (۳۰) کو، جو اس سلطنت کے خانہ زادوں میں ہے اور تربیت کے قابل ہے، دو ہزار پانصدی ذات اور ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کر کے اس کو خاصے کا گھوڑا بھی عنایت کیا۔

آٹھ نفر امرا کو، جو لشکر دکن میں مامور تھے، میں نے خلعت بھجوائے۔ نظام شیرازی قصہ خواں کو پانچ ہزار روپے بطور انعام دیے۔

کشمیر کے لنگر خانے کے اخراجات کے لیے میرزا علی بیگ حاکم کشمیر کے وکیل کو تین ہزار روپے دیے تاکہ وہ یہ روپیہ کشمیر بھیج دے۔

ایک جڑاؤ خنجر، جس کی قیمت پانچ ہزار روپے تھی، قطب الدین خاں کو بخشا۔

شیخ ابراھیم بابا افغانی کی گرفتاری:

مجھے خبر ملی کہ شیخ ابراھیم بابا افغانی نے لاھور کے ایک پرگنے میں پیری اور مریدی کی دوکان کھول رکھی ہے۔ جیسا کہ شہدوں اور اوباشوں کا طریقہ ہے، بہت سے اوباش پٹھان وغیرہ اس کے گرد جمع ہو گئے ھیں۔ میں نے حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے اور اسے پرویز کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اسے قلعۂ چنار میں قید رکھے، یہاں تک کہ یہ مکر و فریب کا ھنگامہ ختم ھو جائے۔

اتوار کے دن ۷ جمادی الاول ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو بہت سے منصب دار اور احدی ترقیوں سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ مہابت خاں کو دو ہزاری ذات اور تین سو سوار اور دلاور خاں کو دو ہزاری ذات اور ہزار چار سو سوار، اور وزیر الملک کو ہزار و تین صد ذات اور پانسو پچاس سوار، اور قیام خاں کو ہزاری ذات اور سوار [37] اور شیام سنگھ کو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار دو بست سوار کے مناصب سے سرفراز کیا۔

اسی طرح بیالیس منصب داروں کے منصب میں اضافہ کیا۔ اکثر دن ایسے آتے ھیں کہ مجھے داد و دہش اور انعام و سرفرازی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

پچیس ہزار روپے کا ایک قیمتی لعل میں نے پرویز کو مرحمت کیا۔

جشنِ وزن :

بدھ کے روز ۹ جمادی الاول ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) مطابق یکم بہمن کو تین پہر اور چار گھڑی گزرنے کے بعد میری عمر کا اڑتیسواں سال شروع ہونے پر وزن شمسی کی محفل منعقد ہوئی ۔ رسم و رواج اور دستور کے مطابق ترازو اور میرے ہم وزن تلنے والا سامان حضرت مریم زمانی کے گھر میں تیار رکھا گیا ۔ وقت مقررہ پر خیریت اور مبارک باد کے ساتھ میں تلنے کے لیے ترازو میں بیٹھا ۔ بڑے بوڑھوں نے ترازو کی (زنجیروں) کے ایک ایک حلقے کو پکڑ کر مجھے دعائیں دیں ۔ پہلے مجھے سونے میں تولا گیا ، ہندوستانی وزن کے مطابق میرا وزن تین من اور دس سیر تھا ۔ اس کے بعد مجھے دوسری قسم کی دھاتوں اور انواع و اقسام کی خوش بوؤں اور منشّیات کے ساتھ تولا گیا ۔ اس طرح میں بارہ مرتبہ تُلا جس کی تفصیل بعد میں لکھی جائے گی ۔

سال میں دو مرتبہ میں اپنے آپ کو سونے ، چاندی ، دوسری دھاتوں ، ریشم اور مختلف اقسام کے کپڑوں اور مختلف اقسام کے غلوں کے ساتھ تولتا ہوں ؛ ایک مرتبہ شمسی سال کے شروع میں اور دوسری مرتبہ قمری سال کے شروع میں ، اور ان دونوں موقعوں کا تُلا ہوا سونا ، چاندی وغیرہ فقیروں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کے لیے علٰحدہ تحویل داروں کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ فقیروں اور حاجت مندوں میں بانٹ دیں ۔ (۳۲)

قطب الدین خان کا بنگال اور اوڑیسہ کی صوبہ داری پر تقرر :

اسی مبارک دن میں ، میں نے قطب الدین خان کوکہ (۳۳) کو جو سال ہا سال سے اس مبارک دن کا انتظار کر رہا تھا ، عنایتوں سے سرفراز کیا ؛ اول یہ کہ اسے پانچ ہزاری ذات و سوار کے منصب سے نوازا ۔ اس کے بعد اُسے خاص خلعت ، مرصّع تلوار اور خاص گھوڑا مرصّع زین سمیت بخشتے ہوئے بنگال اور اوڑیسہ کی صوبہ داری اور حکومت پر ، جو پچاس ہزار سواروں کی جگہ ہے ، رخصت کیا ۔ اور وہ نہایت شان و شکوہ سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اُس طرف روانہ ہوا ۔ اس کے علاوہ اُسے دو لاکھ روپے مدد خرچ کے طور پر مرحمت کیے ۔ اُس کی والدہ سے مجھے یہ ربط و تعلق ہے کہ میں نے بچپن میں اُس کے

دامن تربیت میں پرورش پائی ہے ۔ مجھے جتنا انس اس سے ہے ، اتنا اپنی حقیقی والدہ سے بھی نہیں ہے ۔ قطب‌الدین خاں کی والدہ میری مہربان والدہ کی جگہ ہے اور خود میں قطب‌الدین خاں کو اپنے حقیقی بیٹوں اور بھائیوں سے کم نہیں سمجھتا ۔ میرے رضاعی بھائیوں میں سے اگر کوئی صحیح معنی میں میرا بھائی کہلانے کا مستحق ہے تو وہ یہی قطب‌الدین خاں ہے ۔ تین لاکھ روپے میں نے قطب‌الدین خاں کے معاونوں اور مددگاروں کو دیے ۔

پرویز کے لیے ساچق :

شاہزادہ سلطان مراد کی لڑکی بہاری (۳۴) کے لیے ، جو پرویز سے منسوب تھی ، میں نے اسی دن ایک لاکھ تیس ہزار روپے اس کی ساچق (۳۵) کے طور پر بھیجے ۔

۲۲ جمادی‌الاول ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو باز بہادر قلماق (۳۶) ، جو ایک مدت سے بنگال میں سرکشی کر رہا تھا ، اپنی خوش قسمتی سے اس نے اسی تاریخ میں آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ میں نے اسے مرصع خنجر اور بیس ہزار روپے مرحمت کیے اور ہزاری ذات و سوار کے منصب پر سرفراز کیا ۔ ایک لاکھ روپیہ از قسم نقد و جنس پرویز کو عنایت کیا گیا ۔ کیشو داس مارو (۳۷) کو ہزاری ذات و سوار کے منصب پر فائز کیا ۔

ابوالحسن ، جو میرے بھائی دانیال کی سرکار میں دیوان اور مدارالمہام تھا ، وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ میری ملازمت میں آیا اور ہزاری ذات اور پانصد سوار کے منصب سے سربلند ہوا ۔

شیخ بایزید کو خطاب :

ماہ جمادی‌الثانی ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کے شروع میں شیخ بایزید (۳۸) کو جو سیکری کے شیخ زادوں میں ہے ، اور جو کمال عقل مندی اور دانائی اور قدیم خدمت گزاری کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتا ہے ، میں نے معظم خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے دہلی کی حکومت پر مامور کیا ۔

۲۱ ماہ مذکور (جمادی الثانی) ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو ایک ہار جو چار عدد لعل اور مروارید کے سو دانوں پر مشتمل تھا ، میں نے پرویز کو عنایت کیا

اور حکیم مظفر کے مرتبے میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا منصب تین ہزاری [38] ذات اور ہزار سوار اصل و اضافے کے ساتھ مقرر کیا۔
پانچ ہزار روپے منجھولی کے راجا تتھو مل کو مرحمت کیے گئے۔

میرزا عزیز کوکہ کا باغیانہ خط

تازہ ترین واقعات میں سے، جو اس وقت رونما ہوئے، ایک واقعہ میرزا عزیز کوکہ کے خط کا ہے، جو اس نے راجا علی خاں حاکم خاندیس کے نام لکھا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ وہ خسرو سے رشتۂ دامادی کی وجہ سے صرف مجھ سے منافقت رکھتا ہے، لیکن اس خط کے مضامین و مطالب سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کا فطری نفاق ہے اور یہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے لگا ہوا ہے۔ چناں چہ اس نے یہ ناپسندیدہ شیوۂ منافقت میرے والد بزرگوار کے ساتھ بھی روا رکھا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اس نے یہ خط کسی وقت راجا علی خاں کے نام لکھا تھا جو اول سے لے کر آخر تک برائیوں اور بد سگالیوں سے بھرا ہوا تھا، اور اس میں ایسی باتیں تھیں جو انسان اپنے ایک دشمن کے متعلق بھی نہیں لکھ سکتا۔ اور نہ وہ کسی انسان کی طرف ان کا منسوب کرنا پسند کرتا ہے، چہ جائیکہ حضرت (عرش آشیانی) جیسے قدردان بادشاہ کی طرف، جو اس کی والدہ کے حق خدمت (۳۹) کو ملحوظ رکھتے ہوئے بچپن سے اس کی پرورش اور تربیت کرتے رہے، اور اس کے مرتبے کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ اس شان اور مرتبے میں اس کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ یہ خط برہانپور میں راجا علی خاں (والیِ آسیر) کے سامان اور اسباب میں سے خواجہ ابوالحسن (۴۰) کے ہاتھ لگا، اور خواجہ ابوالحسن نے لا کر مجھے دیا تھا۔ اس کو پڑھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر مجھے بعض باتوں کا خیال اور اس کی ماں کے حقوق کا لحاظ نہ ہوتا کہ اس نے دودھ پلایا تھا، تو وہ اس قابل تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھ سے کیفر کردار تک پہنچا دیتا۔

بہر حال میں نے اس کو سامنے بلا کر یہ خط اس کے ہاتھ میں دیا اور اس سے کہا کہ اپنے لوگوں کے سامنے بلند آواز سے پڑھے۔ گمان غالب یہ تھا کہ یہ خط دیکھ کر اس کی روح جسم سے نکل جائے گی لیکن اس نے یہ خط اس بے حیائی اور بے شرمی سے پڑھنا شروع کیا کہ گویا یہ خط اس نے لکھا

ہی نہیں ہے ، بلکہ کسی اور کی تحریر ہے جو میرے حکم سے پڑھ رہا ہے .
اکبری اور جہانگیری خدام میں سے ، جو اس مجلس میں حاضر تھے اور جس
کسی نے بھی اس تحریر کو دیکھا یا سنا ، سب ہی نے اس پر لعن طعن کی .
اور میں نے اس سے پوچھا کہ اس منافقانہ رویے سے قطع نظر کہ جو تو نے اپنے
ناقص خیالات اور معتقدات کے زور سے میری سلطنت کے خلاف اختیار کیا ہے ،
وہ کون سی بات تھی کہ تو نے میرے والد بزرگوار کے خلاف ان کے دشمنوں کو
یہ باتیں لکھیں اور اپنے آپ کو نمک حراموں اور بدنصیبوں کے زمرے میں شامل
کر دیا ، حالاں کہ میرے والد نے تجھے اور تیرے خاندان کو خاک مذلت سے
اٹھا کر امارت اور دولت کے اس مرتبے پر پہنچایا تھا کہ تو اپنے ہم عصروں اور
ہم نشینوں کا محسود ہو گیا تھا . اصل بات یہ ہے کہ تو اپنی فطرت سے مجبور ہے
کیوں کہ تیرے خمیر میں خود منافقت ہے . ظاہر ہے کہ تجھ سے یہ حرکات سرزد
ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں . بہر حال جو کچھ تو نے میرے ساتھ کیا ، میں نے اس
سے درگزر کرتے ہوئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ تیرا یہ نفاق صرف میرے
ہی ساتھ مخصوص ہے ، تجھے اس منصب پر برقرار رکھا تھا . اب جب کہ یہ
بات واضح ہو گئی کہ تو اپنے خدائے مجازی اور اپنے مربی (اکبر) کے ساتھ بھی
اسی قسم کی منافقت رکھتا ہے ، جو میرے ساتھ ظاہر کرتا ہے ، تو بہر حال
میں تجھ کو تیرے دین و ایمان پر چھوڑتا ہوں . ان باتوں کے سننے کے بعد وہ
خاموش رہا . اس قسم کی روسیاہی کے بعد وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا . میں
نے اس کی جاگیر سے اسے ہٹا دینے کا حکم دیا . اس ناشکر گزار سے جو کچھ
وقوع پزیر ہوا تھا ، اس میں کسی معافی اور درگزر کی کوئی گنجائش نہ تھی ،
لیکن میں نے بعض باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے قصور سے درگزر کیا (۱۰) .

شاہزادہ پرویز کی شادی :

اتوار کے دن ۲۶ ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ع) کو شاہزادہ مراد
کی لڑکی سے پرویز کی شادی کی محفل منعقد کی گئی . حضرت مریم زمانی کے گھر
میں نکاح پڑھایا گیا اور پرویز کے گھر میں شادی کا جشن ترتیب دیا گیا . جو
لوگ اس محفل میں حاضر تھے ، انھیں طرح طرح کی [39] عنایت و نوازش سے
سرفراز کیا گیا .

شریف آملی اور دربار کے چند دوسرے امرا کو نو ہزار روپے حوالے کیے گئے کہ وہ فقرا اور مساکین میں خیرات کریں .

اتوار کے دن ۱۰ ماہ رجب ۱۰۱۵ع (۱۶۰۶ع) کو میں موضع کرچھاک و ننده میں شکار کھیلنے کے ارادے سے شہر سے باہر نکل کر رام داس کے باغ میں ٹھہرا ، اور چار روز تک میرا وہاں قیام رہا . بدھ کے دن ۱۳ رجب ۱۰۱۵ع (۱۶۰۶ع) کو پرویز کی تیرھویں وزن شمسی کی رسم عمل میں آئی . اسے بارہ مرتبہ مختلف قسم کی دھاتوں اور دوسری اجناس میں تولا گیا اور ہر تول کا وزن دو من اٹھارہ سیر ہوا . میں نے حکم دیا جو کچھ سامان اور اشیا وزن کی گئی ہیں ، وہ سب کی سب فقرا میں تقسیم کردی جائیں .

اسی دن شجاعت خاں کا منصب ایک ہزار و پانچ صد ذات اور ہفت صد سوار اصل اور اضافے کے ساتھ مقرر کیا گیا .

میرزا غازی اور اس کے لشکر کو روانہ کرنے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ ایک دوسرا لشکر بھی اس کی مدد کے لیے بھجوانا چاہیے . چنانچہ بہادر خاں قوربیگی کو (۴۲) میں نے ہزار و پانصدی ذات اور آٹھ سو سواروں کے اصل و اضافے کے منصب سے نواز کر اس کے پورے قبیلے کی جمعیت کو ، جن کی تعداد تین ہزار تھی ، شاہ بیگ اور محمد امین کی سرکردگی میں اس کے ہمراہ روانہ کیا ، اور اس کے لشکر کے لیے دو لاکھ روپے بطور مدد خرچ عنایت کیے . اس کے ساتھ ایک ہزار برق انداز بھی نامزد کیے گئے .

آصف خاں کو میں نے خسرو کی حراست اور لاہور کے انتظام پر مقرر کر دیا . امیرالامرا شریف خاں بھی اپنی سخت بیماری کی وجہ سے میرے حضور میں رہنے کی سعادت سے محروم ہو کر شہر (لاہور) میں رہ گیا تھا .

عبدالرزاق معموری کو میں نے رانا کی مہم سے واپس بلا لیا اور بخشی گری حضور کے عہدے پر سرفراز کرتے ہوئے حکم دیا کہ ابوالحسن کے ساتھ مل کر یہ خدمت انجام دے .

اس بارے میں جو کچھ میرے والد کا اصول تھا ، میں بھی اسی اصول پر عمل کرتا ہوں ؛ وہ اعلیٰ عہدوں پر دو آدمیوں کو شریک کرتے تھے . یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ ان پر اعتماد نہیں کرتے تھے ، بلکہ تقاضائے بشریت کا لحاظ کرتے تھے کہ انسان کے ساتھ پریشانیاں اور بیماریاں لگی ہوئی ہیں . اگر

کسی وقت ایک کو کوئی پریشانی یا کوئی رکاوٹ پیش آئے تو دوسرا وہ فرض بجا لانے کے لیے موجود رہے ، تا کہ خلقِ خدا کے کاموں میں رکاوٹ نہ پڑے ۔

عبداللہ خان کا رام چند بندیلے پر حملہ :-

انّ ہی ایام میں خبر ملی کہ دسہرے کے دن جو ہندوؤں کے تہوار کا دن ہے ، عبداللہ خان کالپی سے ، جو اس کی جاگیر ہے ، یورش کرتے ہوئے بندیلے کے علاقے میں گھس گیا اور بہادرانہ کارنامے دکھاتے ہوئے نند گوار کے بیٹے رام چند کو ، جو ایک مدت سے اس جنگل اور زمین میں چھپ کر مسلسل شورشیں برپا کر رہا تھا ، کالپی میں گرفتار کر لایا ۔ اس کی اس پسندیدہ خدمت کے صلے میں ، میں نے اس کو علم عنایت کرکے سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر ترقی دی ۔

جہانگیر قلی کا سنگرام سے مقابلہ :-

صوبۂ بہار کی عرض داشتوں سے معلوم ہوا کہ جہانگیر قلی (۴۳) اور سنگرام کا ایک ناہموار میدان میں مقابلہ ہو گیا ۔ سنگرام صوبۂ بہار کے بڑے زمینداروں میں ہے اور تقریباً تین چار ہزار سوار اور بے شمار پیادے رکھتا ہے ۔ اس سے سلطنت کی مخالفت اور بے وفائی ظاہر ہوئی ۔ اس معرکے میں خان مذکور (جہانگیر قلی) نے مردانہ کارنامے دکھائے ۔ آخر کار سنگرام بندوق کی گولی سے زخم کھا کر فنا ہو گیا ، اس کے بہت سے لوگ اس معرکے میں مارے گئے اور جو تلوار کی زد سے بچے انھوں نے راہِ فرار اختیار کی ۔

چوں کہ جہانگیر قلی کا یہ ایک نمایاں کارنامہ تھا جو اس سے وقوع میں آیا تھا ، اس لیے میں نے اس کو چار ہزار اور پانصدی ذات اور تین ہزار اور پانصدی سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

شکار :

تین ماہ اور چھ روز شکار کی مشغولیت میں گزرے ۔ پانسو اکاسی جانور ، بندوق ، شکاری چیتوں ، جال اور ہانکے کے ذریعے شکار ہوئے ۔ ان میں سے ایک سو اٹھاون جانور میں نے خود بندوق سے مارے ۔ دو مرتبہ ہانکا کرایا ؛

ایک مرتبہ کرچھاک میں، جب کہ شاہی محل کی خواتین بھی ساتھ تھیں اور ایک سو پچپن جانور[40] شکار کیے تھے۔ دوسری مرتبہ بندنہ میں ایک سو دس جانور مارے تھے۔

شکار کیے ہوئے مجموعی جانوروں کی تفصیل یہ ہے: پہاڑی مینڈھے، ایک سو اسی۔ پہاڑی بکرے اکیس۔ جنگلی گدھے نو۔ نیل گائیں نو۔ ہرن وغیرہ تین سو اڑتالیس۔

بدھ کے دن ۱۶ شوال ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو میں خیر و خوبی کے ساتھ شکار سے لوٹا۔ اور ایک پہر چھ گھڑی گزرنے کے بعد لاہور شہر میں داخل ہو گیا۔

ایک عجیب واقعہ:

اس شکار میں ایک عجیب و غریب بات دیکھنے میں آئی؛ میں نے چنڈالہ گاؤں کے قریب، جہاں ایک منارہ بنایا گیا ہے، ایک کالے ہرن کے پیٹ پر ایک گولی ماری، زخمی ہوتے ہی ہرن نے ایسی آواز نکالی کہ ایسی آواز ہرن مستی کے علاوہ کسی وقت نہیں نکالتے۔ پرانے شکاریوں اور دوسرے لوگوں نے، جو اس وقت میرے پاس موجود تھے، تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نہ ہمیں یاد پڑتا ہے، نہ ہم نے کبھی اپنے باپ دادا سے سنا کہ اس قسم کی آواز سوائے مستی کے کبھی ہرن نے نکالی ہو۔ چوں کہ یہ واقعہ تعجب سے خالی نہ تھا، اس لیے لکھ دیا گیا۔

شکار کا گوشت:

پہاڑی بکرے کے گوشت کو میں نے دوسرے تمام جنگلی حیوانات کے گوشت سے زیادہ مزے دار پایا۔ باوجود اس کے کہ اس کی کھال اس قدر بدبودار ہوتی ہے کہ اس کی بُو دباغت سے بھی دور نہیں ہوتی، لیکن اس کے گوشت میں مطلقاً بُو نہیں ہوتی۔

میں نے ایک پہاڑی بکرے کو، جو دوسرے پہاڑی بکروں سے بڑا تھا، تولنے کا حکم دیا؛ وہ دو من چوبیس سیر وزن کا ہوا جو ولایت (فرغانہ) کے تول کے مطابق ایک من بیس سیر کا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک پہاڑی مینڈھے کو میں نے

تولنے کا حکم دیا : اس کا وزن دو من تین سیر اکبری نکلا ، جو ولایت (فرغانہ) کے تول کے مطابق سترہ من ہوتا ہے . شکار کیے ہوئے جنگلی گدھوں میں سے ایک ، جو دوسرے جنگلی گدھوں سے ہر طرح جسم میں بڑا تھا ، نو من سولہ سیر نکلا ، جو ولایت (فرغانہ) کے تول کے مطابق چھہتر من ہوتا ہے .

شکاری اور شائقین شکار سے میں نے بارہا سنا ہے کہ پہاڑی مینڈھوں کے سینگوں کے اندر ایک خاص وقت میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنی سرسراہٹ سے ان کے سینگوں میں خارش پیدا کرتے ہیں اور اس خارش کی وجہ سے ان کو اپنے ہم جنسوں سے جنگ پر آمادہ کرتے ہیں . اگر اس کو مقابلے کے لیے دوسرا مینڈھا نہیں ملتا تو وہ درخت یا پتھر سے اپنے سینگ ٹکرا کر اس خارش کو تسکین دیتے ہیں .

چنانچہ تلاش کے بعد ایک مادہ بھیڑ کے سینگوں میں وہ کیڑے نکلے ، حالانکہ مادہ لڑتی نہیں . پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں .

گورخر کا گوشت اگرچہ حلال ہے اور اکثر لوگ اسے رغبت سے کھاتے ہیں لیکن میری طبیعت کسی وجہ سے اس کی طرف راغب نہیں ہوتی .

دلیپ سنگھ کی تادیب و تنبیہ :

اس سے پہلے میں نے دلیپ (۴۴) ولد رائے سنگھ اور اس کے باپ کی تادیب و تنبیہ کے لیے فرمان صادر کیا تھا . ان ہی ایام میں مجھے یہ خبر ملی کہ زاہد خاں (۴۵) ولد صادق خاں اور شیخ عبدالرحمان ولد شیخ ابوالفضل ، اور رانا شنکر اور معزالملک نے دوسرے منصب داروں اور شاہی ملازموں کی ایک جماعت کے ساتھ سراغ لگا کر یورش کرتے ہوئے اسے نواح ناگور میں ، جو صوبۂ اجمیر کے مضافات میں ہے ، گھیر لیا . جب اس نے بھاگنے کا راستہ نہ پایا تو مجبوراً شاہی فوجوں کے ساتھ مقابلے کے لیے آ گیا ، لیکن تھوڑے زد و کوب کے بعد بری طرح شکست کھائی اور اپنا سامان لے کر ذلت کی حالت میں بھاگ گیا ؛ اس کے اکثر سپاہی قتل ہو گئے :

شکستہ صلاح و گسستہ کمر
نہ یارائے جنگ و نہ پروائے سر

قلیج خاں کو اس بڑھاپے کے باوجود اُن رعایتوں اور مراعات کی بنا پر جو میرے والد بزرگوار نے اُسے عطا کی تھیں، میں نے اُس کے منصب بحال رکھے اور سرکار کالپی میں اسے جاگیر دینے کا حکم دیا۔

قطب‌الدین خاں کوکہ کی والدہ کی وفات:

ذیقعدہ کے مہینے میں ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو قطب‌الدین خان کوکہ کی والدہ خدا کی رحمت سے جا ملی۔ اس نے مجھے دودھ پلایا تھا اور وہ بجائے میری والدہ کے تھی، بلکہ وہ میری ماں سے بھی زیادہ مہربان تھی۔ میں نے بچپن میں اُس کے آغوش [41] تربیت میں پرورش پائی تھی۔ میں نے کچھ دور تک اُس کے جنازے کو کندھا دیا اور رنج و غم کی شدت کی وجہ سے چند روز تک مجھے کھانے کی طرف رغبت نہیں ہوئی اور میں نے لباس بھی نہیں بدلا۔

حواشی جشن اول

(۱) دلاور خان : اس کا نام ابراہیم تھا ۔ اکھیراج و ابھیراج کے معاملے میں ، جو کٹھرۂ اخاص و عام میں اس نے شجاعت کے جوہر دکھائے تھے ، جہانگیر نے اس کو اس کے تناسب حال منصب سے نوازا ۔ جہانگیر کے ابتدائی عہد جلوس میں وہ لاہور کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے پندرھویں سال بارہ بتولہ میں وہ جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور منصب چہارہزاری ذات و سہ ہزار پانصد سوار سے نوازا گیا ۔ کچھ زمانے کے بعد دلاور خاں نے اجل طبعی سے وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۹ - ۱۰) ۔

(۲) راجا باسو : پنجاب کے شمالی پہاڑوں میں دوآبہ باری سے ملی ہوئی مئو اور پٹھان کے نام سے ایک ریاست واقع تھی ۔ راجا باسو اسی ریاست کا راجا تھا ۔ جب یہ راجا ہوا تو شروع میں تو یہ اکبر کی اطاعت کرتا رہا لیکن بعد کو اس کی اطاعت متزلزل ہو گئی ۔ کبھی اطاعت کرتا اور کبھی بغاوت کر بیٹھتا ۔ اکبر کے تمام عہد میں اس کا یہی رویہ رہا ، آخرکار جہانگیر کے عہد میں حاضر ہوا اور منصب تین ہزار و پانصدی سے سرفراز ہو کر سہم دکن پر متعین ہوا ، اور وہیں ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴-۱۵ع) میں وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۳۹۴-۹۶ ۔ امرائے ہنود ، ص ۹۵-۹۶ (س)) ۔

(۳) شاہ بیگ : (خان دوران) ابتداً میرزا حکیم کا ملازم تھا ۔ پھر اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر منصب پنج ہزاری تک پہنچا اور قندھار کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ جہانگیر نے اسے اپنے عہد حکومت میں کابل کا صوبے دار بھی بنایا - ۱۰۲۶ھ میں وہ ٹھٹھ کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ آصف خان کی سفارش نہ ماننے کی وجہ سے اس کے منصب و جاگیر ضبط ہوئے اور بھیرہ خوشاب ، جو مدت دراز سے اس کی جاگیر میں تھا ، بطور مدد معاش اسے دے کر رخصت کر دیا گیا ، تا کہ وہ وہیں گوشہ نشیں ہو کر

زندگی گزارے ۔ اسی زمانے میں اس نے وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین ج ۱، ص ۲۳۵-۲۳۶)۔

(۴) رائے رائے سنگھ : رائے کلیان مل والی بیکانیر کا بیٹا تھا ۔ ۱۵ جلوس اکبری میں شاہی دربار میں حاضر ہو کر ملازمت اکبری میں منسلک ہوا اور اہم مہمات پر نام زد ہوتا رہا ، اور چار ہزاری منصب سے سرفراز ہوا ۔ ۴۸ جلوس اکبری میں شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے ساتھ مہم رانا پر متعین ہوا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اس کو منصب پنج ہزاری پر سرفراز کیا ۔ ۱۰۲۱ھ میں رائے سنگھ نے وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۱۳-۲۱۶)۔

(۵) سرسید ایڈیشن میں یہ نام پیم بہادر درج ہے مگر ماثر الامرا جلد ۲ ، صفحہ ۱۴۰ پر یہ نام بجائے پیم کے پتیم مندرج ہے ، اور یہی صحیح ہے (رک : بیورج ص ، ۵۰ ، ج ۱)۔

(۶) پیشرو خاں : اس کا اصل نام مہتر سعادت ہے ۔ یہ ہمایوں کے غلاموں میں شامل تھا ۔ ہمایوں کی وفات کے بعد وہ اکبر کے ملازموں میں داخل ہو گیا ۔ جلوس اکبری کے چالیسویں سال وہ منصب سہ صد و پنجاہی تک پہنچا ۔ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر نے اسے دو ہزاری کا منصب دے کر فراش خانہ کی خدمت پر مامور کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال ۱۰۱۶ھ میں اس نے وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۳۹۶-۳۹۸)۔

(۷) وزیر الملک : جان بیگ کو جہانگیر نے اپنی تخت نشینی سے قبل وزیر الملک کا خطاب دیا تھا اور اپنے عہد حکومت میں دیوان بنایا تھا لیکن اہم امور کا مدار امیر الامرا شریف خاں پر تھا ۔

(۸) شیخ فرید بخشی بیگی : یہ دور مغلیہ کے مشہور اکابر و اعیان سلطنت میں شامل تھے ۔ صغر سنی ہی میں یہ اکبر کے پاس آئے اور میر بخشی مقرر ہوئے ۔ جہانگیر نے بھی ان کی دیانت و راست بازی اور محنت کی بہت قدر کی ، کیوں کہ اس نے شیخ فرید ہی کی کوششوں سے سلطنت موروثی حاصل کی تھی ۔ دوسرے خسرو کی بغاوت کے موقع پر ان

ہی کی کوششوں سے خسرو کی بغاوت کا خطرہ بڑی حد تک رفع ہوا تھا۔ جہانگیر نے پہلے انھیں گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا اور اس کے بعد انھیں پنجاب بھیج دیا گیا۔ وہیں انھوں نے ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ دہلی میں سپرد خاک کیے گئے۔ ان کی تاریخ وفات ''داد خورد بود'' سے نکلتی ہے۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین، ج ۱، مطبوعہ ص ۱۲۶–۱۴۸ و حیات شیخ عبدالحق، ص ۲۳۲ ۔ مآثر الامرا، ج ۲، ص ۶۳۳–۶۴۱)۔

(۹) کابل : سرسید ایڈیشن میں یہ لفظ بکاول مندرج ہے جو صحیح نہیں، کیوں کہ دوست محمد خاں، جو بعد میں آگرے کا ناظم مقرر ہوا تھا، کبھی بکاول بیگی مقرر نہیں ہوا۔ یہ ایک معمولی عہدہ تھا۔ وہ اس وقت شاہی حکم سے کابل جا رہا تھا۔

(۱۰) میرزا حسن : ولد میرزا شاہ رخ بن میرزا ابراہیم بن میرزا سلیمان والی بدخشاں، شہزادہ خسرو کے مشیروں میں سے تھا۔ جب وہ گرفتار ہو کر آیا تو جہانگیر نے لکھا ہے کہ اسے ہاتھی پر باندھ کر تشہیر کیا گیا؛ مگر منتخب اللباب کا بیان ہے کہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مآثرالامرا کا بیان ہے کہ وہ قید کر دیا گیا۔ بلاخ مین نے مآثرالامرا کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ اقبال نامۂ جہانگیری سے بھی قید کی تصدیق ہوتی ہے (منتخب اللباب، ج ۱، ص ۲۵۰ ۔ مآثر الامرا، ج ۳، ص ۳۳۴ ۔ آئین اکبری انگریزی ترجمہ، ص ۳۱۳ (س))۔

(۱۱) حسین بیگ بدخشی : جلوس کے چونتیسویں سال جب اکبر کشمیر سے واپس ہو رہا تھا تو اس نے حسن بیگ کو پکھلی والی کے انتظام کے لیے مقرر کیا تھا۔ آخری عہد میں اکبر نے رہتاس اس کی جاگیر میں دے کر اس کو کابل کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ جہانگیر نے جلوس کے پہلے سال اس کو واپس طلب کر لیا لیکن حسن بیگ اس طلبی کو اپنے حق میں برا سمجھتا تھا اس لیے جب یہ متھرا پہنچا تو راستے میں خسرو سے اس کی ملاقات ہو گئی، جب کہ وہ خود بغاوت کر کے فرار ہو رہا تھا۔ اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسن بیگ اپنے ساتھیوں سمیت اس کے ساتھ مل گیا (رک : مآثر الامرا، ج ۱، ص ۵۶۵ – ۵۶۶)۔

(۱۱۲) جہانگیر نے خسرو کی پیدائش کے بعد اس بیگم کو شاہ بیگم کا خطاب دیا تھا ۔ اس کی قبر خسرو باغ الہ آباد میں ایک عظیم الشان گنبد کے اندر واقع ہے ۔ دوسرے درجے میں نمونۂ تعویذ پر نستعلیق خط میں یہ کتبہ کندہ ہے :

بیگم کہ ز عصمت رخ رحمت آراست
اقلیم عدم ز نور عزت آراست
سبحان اللہ زہے کمال عفّت
کز حسن عمل چہرۂ جنت آراست

لوح مزار پر کندہ ہے :

اللہ اکبر

چون چرخ فلک ز گردش خود آشفت
در زیر زمین آئینۂ مہ بنہفت
تاریخ وفات شاہ بیگم جستم
از غیب ملک بخلد شہ بیگم گفت

کاتبہ عبداللہ مشکیں قلم جہانگیر شاہی (امرائے ہنود ، ص ۸۳)

(۱۱۳) اعتماد الدولہ : ولد خواجہ محمد شریف ہجری ، حاکم یزد و اصفہان (۹۱۴—۹۸۴ھ) کا نام مرزا غیاث الدین محمد تھا ، جو مشہور غیاث بیگ سے تھا ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد حالات کی نا مساعدت کی بنا پر اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ بھاگ کر ہندوستان آ رہا تھا ۔ جب قندھار میں پہنچا تو اس کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنسا رکھا جو بعد میں جہانگیر کی بیگم ہو کر نورجہاں کے لقب سے ملقب ہوئی ۔ فتح پور پہنچنے کے بعد اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر سہ صدی کے منصب پر فائز ہوا ۔ جلوس اکبری کے چالیسویں سال دیوانی کابل پر نامزد ہوا ۔

جہانگیر نے اپنے ابتدائی عہد سلطنت میں اعتمادالدولہ کے خطاب سے نواز کر میرزا جان بیگ وزیرالملک کے ساتھ شریک دیوانی بنایا ۔ ۱۰۲۰ھ میں جہانگیر سے اس کی بیٹی مہرالنسا کی شادی کے بعد اس نے اور اس کے خاندان نے غیر معمولی ترقی کی ۔

۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ع) میں جہانگیر کی سیاحت کانگڑہ کے دوران میں اس نے وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۷—۱۳۱) ۔

(۱۴) شیخ نظام الدین تھانیسری : بن شیخ عبدالشکور کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے ۔ وہ حضرت جلال تھانیسری خلیفۂ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۔ شروع میں جہانگیر کو ان سے غیر معمولی عقیدت تھی لیکن خسرو کی بغاوت کے سلسلے میں یہ عقیدت زائل ہو گئی ۔ جب خسرو بغاوت کر کے بھاگا اور تھانیسر سے گزرا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا ۔ آپ نے اس کو ہر چند سمجھایا اور بغاوت سے باز رکھنا چاہا مگر وہ نہ مانا ۔ شیخ کے معاندین کو اس ملاقات سے موقع ہاتھ آ گیا اور انھوں نے آپ کے خلاف جہانگیر کے کان بھر دیے اور وہ ان کا مخالف ہو گیا ۔ اس کی برھمی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے آپ کے لیے نہایت نازیبا لفظ ''شیاد'' استعمال کیا ہے ، جس کے معنی عیار اور دھوکے باز کے ہیں ۔

آپ نے ۸ رجب ۱۰۳۶ھ (۲۶-۱۶۲۵ع) کو بلخ میں وفات پائی ۔ شیخ نظام الدین تھانیسری کی تصانیف میں شرح لمعات ، رسالہ حقیقت (بیان ہفت بطن وغیرہ مشہور ہیں (خزینۃ الاصفیاء ج ۱) ۔

(۱۵) مرید : مغل بادشاہ اکثر لوگوں کو اپنا مرید بنایا کرتے تھے ۔ یہ سلسلہ اکبر سے شروع ہو کر بہادر شاہ ظفر تک قائم رہا ۔ اکبر نے اپنے دین الٰہی کی ترویج میں یہ طریقہ رائج کیا تھا ۔ جو لوگ پیرو ہوتے تھے ان کو بعض اخلاقی ہدایتیں کی جاتی تھیں اور انھیں ایک انگوٹھی دی جاتی تھی جس کو شست کہتے تھے اور شہنشاہ کی تصویر دی جاتی تھی جس کو شبیہ کہتے تھے ۔ سرسید اڈیشن میں ان کو دست و سینہ لکھا ہے ۔

(۱۶) نور الدین قلی : جہانگیر کے عہد میں دارالخلافہ کا کوتوال مقرر ہوا اور جلوس جہانگیری کے بارھویں سال ہزاری و سی صد سوار سے نوازا گیا ۔ اس نے عہد شاہجہانی (۱۰۴۱ھ) میں وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، مملوکہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۱۷) میرزا علی اکبر شاہی : بدخشان کا رہنے والا تھا ۔ ہندوستان آنے کے بعد اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر ''اکبر شاہی'' کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر کے عہد میں منصب چار ہزاری سے سرفراز ہو کر حکومت کشمیر پر مامور ہوا ۔ پھر صوبۂ اودھ کی صوبیداری پر متعین ہوا ۔ جس زمانے میں کہ جہانگیر اجمیر میں تھا ، وہ ایک روز خواجۂ بزرگ کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لیے گیا ، اسی احاطے میں شہباز خاں کنبوہ بھی مدفون ہے ۔ اس کی قبر کو دیکھ کر بے اختیار اس نے قبر کو آغوش میں لے کر کہا ''یہ ہمارا قدیم دوست تھا'' اور اسی وقت اس نے وفات پائی (رک : مآثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۵—۳۵۷) ۔

(۱۸) حکیم علی گیلانی : مختلف فنون و علوم خصوصاً علم طب اور ریاضی کا ماہر تھا ، اور اپنے وقت کے حاذق اطبا میں شمار ہوتا تھا ۔ یہ نہایت پریشانی اور افلاس کے عالم میں اپنے وطن سے ہندوستان آیا اور اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو گیا ۔

کہتے ہیں کہ اکبر کی آخری بیماری میں حکیم علی نے اس کے لیے تربوز تجویز کیا تھا ، لیکن اس سے بیمار کو کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ جہانگیر اسی بنا پر اس سے ناخوش تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ اسی کی غلط تدبیروں سے اس کے باپ کی موت واقع ہوئی ہے ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال جہانگیر اس کے مکان پر گیا اور اسے معاف کر دیا اور اس کو منصب دو ہزاری سے سرفراز کیا ۔ اس کے چند دن بعد ہی حکیم نے وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۶۸—۵۷۳) ۔

(۱۹) میرزا جانی ترخان : بن میرزا پاینده بیگ بن میرزا محمد باقی ترخان ، اپنے والد میرزا محمد باقی کی وفات کے بعد ہفتے کے دن ۸ شوال ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ع) کو ٹھٹے میں تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ع) کو اکبر نے عبدالرحیم خانخانان کو ٹھٹے کی تسخیر کے لیے بھیجا تھا ۔ میرزا جانی بیگ سے لکی میں اس کا مقابلہ ہوا ۔ نامساعد حالات کی وجہ سے اس نے خانخانان سے صلح کر لی ۔ خانخانان میرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ اکبر آباد لے گیا اور اس کی سفارش پر اکبر نے میرزا جانی بیگ کو منصب پنج ہزاری سے نوازا اور ٹھٹے کے ساتھ سیوستان بھی اس کی جاگیر میں دے دیا ، لیکن

آسے حکم تھا کہ وہ چند روز بادشاہ کے ساتھ رہے ۔ چنانچہ وہ تقریباً آٹھ سال اکبر کے ساتھ رہا ۔ شاہزادہ خسرو کی شادی بھی اس کی لڑکی سے ہوئی تھی - جس زمانے میں اکبر دکن گیا تھا اور احمد نگر اور قلعہ اسیر فتح ہو گئے ، ان ہی دنوں میرزا جانی بیگ نے سرسام کے مرض سے ۲۷ رجب ۱۰۰۸ھ (۱۶۰۰ع) کو وفات پائی ۔ اس کی لاش ٹھٹے لائی گئی اور ٹھٹے کے مشہور قبرستان مکلی میں دفن کی گئی (رک : معصومی ۲۴۰-۲۴۰ - ۲۵۰ - ذخیرۃ الخواتین ج ۱ ، ص ۱۷۶-۱۸۷ - مقالات الشعرا ص ۱۳۰-۱۳۵) ۔

(۲۰) سلطان حسین میرزا بایقرا : اس کی تاج پوشی ۱۰ رمضان ۸۶۳ھ (۱۴۵۹ع) کو ہرات میں ہوئی اور ۲۸ برس حکومت کرنے کے بعد دو شنبہ ۱۱ ذی الحجہ ۹۱۱ھ (۱۵۰۶ع) کو اس نے وفات پائی اور مدرسہ سلطان حسین ہرات میں مدفون ہوا ، (رک : شجرہ مشمولہ ترخان نامہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۲۱) حکیم فتح اللہ : صاحب منتخب التواریخ کا بیان ہے کہ انھوں نے طب کی کتابیں بہت پڑھی تھیں ۔ علم ہیئت میں ان کو مہارت تھی اور مشہور کتاب قانون کی ایک شرح انھوں نے فارسی میں لکھی تھی (ترجمہ منتخب التواریخ ، ص ۴۷۲) ۔

(۲۲) بہادر خاں : اس کا نام ابوالنبی ہے ، جو توران کے اعلیٰ خاندان کا فرد تھا اور عبدالمومن کی حکومت کے زمانے میں مشہد کا حاکم تھا ۔ عبدالمومن کے قتل کے بعد ہندوستان آیا اور جلوس اکبری کے چالیسویں سال اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوگیا ۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ۵۷ منصب داروں کے ساتھ شیخ فرید مرتضیٰ کے ساتھ خسرو کے تعاقب پر متعین ہوا ۔ جلوس جہانگیر کے پانچویں سال صوبۂ ملتان کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ شاہجہان کے عہد تک وہ زندہ تھا اور شاہجہان کی ملازمت میں بھی وہ منسلک رہا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۲۰۰-۲۰۱) ۔

(۲۳) ارجن : سکھوں کا پانچواں گرو ہے جس نے گرنتھ کو مرتب کیا تھا ۔ اس کا بیٹا گورو ہرگوبند ہے ۔ گرو ارجن کی سمادھ لاھور میں ہے ، جہاں گرمیوں میں جوڑ میل کا میلہ لگتا ہے ۔ (تاریخ پنجاب : عبداللطیف ، ص ۲۵۳) ۔(س)

(۲۴) نواب سعداللہ خان : سعید خان چغتہ کا بیٹا تھا ۔ نوازش خان کے خطاب سے ممتاز ہوا ۔ زین خان کی بیٹی اس کے عقد میں تھی ۔ آخر عمر میں جونا گڑھ و سورت میں مقیم ہو گیا تھا ۔ وہیں اس نے وفات پائی اور اپنے باپ کے پہلو میں مدفون ہوا ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۷ - ۳۱۸) ۔

(۲۵) آفتاب گیر : بکسر ک فارسی ؛ ایک خاص قسم کے سائبان کو کہتے ہیں جس سے ملوک اور بادشاہوں پر سایہ کیا جاتا ہے (فرہنگ انند راج) ۔

(۲۶) قاضی عزت اللہ کابلی : میرزا محمد حکیم کے وثیقہ داروں میں تھا ۔ بعد میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر منصب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر کے عہد میں سہ ہزاری منصب سے سرفراز ہوا اور قاضی خان کے خطاب سے نوازا گیا ۔ سرکار بھکر اس کی جاگیر میں مقرر ہوا اور قندھار میں متعین ہوا ۔ اس کا بھائی محمد مقیم ، جو اس کی جگہ بھکر کا کاروبار سنبھالے ہوئے تھا ، بھکر کے لوگوں نے اس کے خلاف استغاثہ کیا ، آخر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور قاضی عزت اللہ حضور میں طلب کیا گیا ۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے وفات پائی ۔ اس کی اولاد کابل میں رہ گئی ۔ (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۹۸) ۔

(۲۷) ارباب سعادت : ہمایوں نے دین و دنیا کی مہمات کے انتظام کو تین شعبوں میں تقسیم کیا تھا :

۱۔ امرا ، وزرا اور سپاہ کا نام اہل دولت رکھا ۔

۲۔ حکما ، علما ، صدور ، سادات ، مشائخ ، فقہا ، شعرا ، فضلا ، ادبا اور اشراف کو اہل سعادت کا نام دیا ۔

۳۔ ارباب بیوتات ، اہل نغمہ و ساز اور اصحاب حسن صوری کو "اہل مراد" سے خطاب کیا ۔

یہ سلسلہ ہمایوں کی زندگی تک قائم رہا ۔ اس کی وفات کے بعد یہ نظام درہم برہم ہو گیا ۔ ان میں سے دو شعبوں اہل مراد اور اہل دولت کے نام تو مٹ گئے ، مگر اہل سعادت کی اصطلاح اخیر وقت تک قائم رہی ۔ ارباب سعادت سے یہاں جہانگیر کی مراد مشائخ و علما سے ہے ۔ (رک : قانون ہمایونی ، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) ۔

(۲۸) خالصہ : اس سے مراد وہ علاقہ ہے جو براہ راست مرکز ، یعنی بادشاہ کے ماتحت ہوتا تھا اور اس علاقے کے محاصل بادشاہ اپنے کارندوں (افسروں) کے ذریعے وصول کرتا تھا ۔

اس کے علاوہ جاگیر کا علاقہ ہوتا تھا جس کے محاصل جاگیر دار وصول کرتا تھا ۔ جاگیر اور اس کے محاصل کا براہ راست مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا ۔ (رک : مغلوں کا نظام حکومت از ڈاکٹر ابن حسن مرحوم ، مغلوں کی ہیئت مرکزی) ۔

(۲۹) انبہ خاں کشمیری : چک قوم سے تھا ۔ اس خاندان نے کشمیر پر چند سال حکومت کی ۔ یہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ سنہ ۴۵ جلوس اکبری میں جب کشمیریوں نے اپنا تاج و تخت تیموریوں سے حاصل کرنے کے لیے شورش کی تو انبہ خان بھی اس میں شریک تھا ، مگر یہ شورش دب گئی ۔ سن ۴۹ جلوس اکبری میں انبہ خان نے پوری طاقت سے مغل فوج پر حملہ کیا ، مگر اس کو پسپا ہونا پڑا ۔ آخر اس نے اکبر کی اطاعت اختیار کر لی اور مستقل ملازمت میں داخل ہو گیا ، اور آخر عمر تک اس نے مغل سلطنت کے ساتھ وفاداری کی ، یہاں تک کہ ۲ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو اپنے آقا قطب الدین خاں کوکہ کی حمایت میں شیر افگن سے لڑتے ہوئے بردوان کے میدان میں کھیت ہو گیا ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۲۳ - ۲۴ - منتخب اللباب ج ۱ ، ص ۲۶۶ - خلاصۃ التواریخ ۴۴۶-۴۷ (س)) ۔

(۳۰) حضرت مریم زمانی : سرسید ایڈیشن میں حضرت مریم مکانی درج ہے جو سہو کتابت ہے کیونکہ حضرت مریم مکانی شہنشاہ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم کا لقب ہے ، جس نے ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ع) میں وفات پائی ۔ یہاں در اصل حضرت مریم زمانی ہونا چاہیے تھا اور یہی لقب ہم نے ترجمے میں اختیار کیا ہے ۔ یہ اکبر کی جے پوری رانی اور جہانگیر کی والدہ کا لقب ہے ۔

(۳۱) ہاشم خان : ولد قاسم خاں میر بحر ۔ اپنے والد کے کابل میں مارے جانے کے بعد ۳۹ سنہ جلوس اکبری میں اکبر کے دربار میں پہنچ کر شاہی

ملازمت میں داخل ہوا ، اور اپنی خدمات کی وجہ سے مختلف عہدوں و مناصب پر فائز ہوا ۔ جہانگیر نے بھی اپنی تخت نشینی کے بعد اس کے منصب میں دو مرتبہ اضافہ کرکے اوڑیسہ کی صوبہ داری سے سرفراز کیا تھا ۔ جہانگیر کی حکومت کے پانچویں سال وہ حکومت کشمیر پر فائز ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۹۴۰-۹۴۱) ۔

(۳۲) سال میں تلنے کی رسم دو مرتبہ ہوتی تھی : ایک مرتبہ شمسی اور دوسری مرتبہ قمری حساب سے یہ جشن منعقد ہوتا تھا ۔ گویا سال گرہ کا جشن دو مرتبہ منایا جاتا تھا ؛ شمسی حساب سے جب یہ تاریخ آتی تو سونے کی ترازو نصب ہو جاتی ۔ بادشاہ کو بارہ اشیاء میں یعنی سونا ، چاندی ، ابریشم ، خوش بوئیں ، لوہا ، تانبا ، جست ، توتیا ، گھی ، دودھ ، چاول اور ساتوں اناج میں تولا جاتا تھا ۔ جب قمری حساب سے یہ تاریخ آتی تو بادشاہ کو چاندی ، قلعی ، کپڑا ، بارہ میوے ، شیرینی ، تلوں کے تیل اور سبزی سے الگ الگ تولا جاتا تھا ۔

یہ سب اشیا غریبوں ، برہمنوں اور عوام میں تقسیم کی جاتی تھیں ۔ یہ رسم اکبر کی اختراع تھی اور تیموریوں کے آخری ایام تک جاری رہی ۔

جہانگیر کے جشن وزن کو سرتھامس راؤ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے (سرتھامس راؤ : ص ۱۳ ، ۱۴ - ٹیری : ص ۸ - ۳۷۶ - جان ہاکن کے بحری سفر - ۴۴۰ (س)) ۔

(۳۳) قطب الدین خاں کوکہ : اس کا نام شیخ خوبن تھا جو شیخ سلیم فتح پوری کا بھانجا تھا اور کوکلتاشی کی نسبت جہانگیر سے رکھتا تھا ۔ جب جہانگیر نے اپنے باپ اکبر سے بے راہ روی اختیار کی اور الہ آباد میں تھا تو اس نے اسے قطب الدین خاں کا خطاب دے کر صوبۂ بہار کی صوبیداری کے لیے نام زد کیا ۔ پھر جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اسے منصب پنج ہزاری اور صوبیداری بنگال سے سرفراز کیا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شیرافگن استجلو نے بردوان میں شورش برپا کر رکھی تھی ۔ جہانگیر نے رخصت کے وقت قطب الدین خاں سے کہا کہ اگر شیر افگن اطاعت اختیار کرے تو اسے معاف کر دے ، ورنہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھجوائے ۔ اگر بھجوانا مشکل نظر آئے تو اسے کیفر کردار تک پہنچائے ۔

قطب الدین خان وہاں پہنچنے کے بعد یلغار کرتا ہوا شیر افگن کے ہاں پہنچا اور کہلا بھیجا کہ میں اس ضلع کی تحصیل وصول کے لیے آیا ہوں ، تم اس کام میں میرے رفیق بنو ۔ چنانچہ شیر افگن کو بھی یقین ہو گیا کہ کوئی مکر و فریب درمیان میں نہیں ۔ وہ قطب الدین خان سے آ کر ملا ۔ جیسے ہی وہ آیا لوگوں نے اسے گھیر لیا ۔ شیر افگن نے کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے ۔ قطب الدین خان نے لوگوں کو منع کیا اور چند قدم اس کے ساتھ تنہا چلا ، مگر اس نے قطب الدین خان کے چہرے سے مکاری محسوس کی ۔ ادھر قطب الدین نے شیر افگن کی روش کو دیکھ کر اس کی غداری کے خیال کو دل سے نکال دیا ، اور وہ اشارے سے اپنے لوگوں کو روکنے لگا ۔ اس کے لوگ ان اشاروں کا مطلب حملہ کرنا سمجھے اور وہ بڑھنے لگے ۔ مجبوراً شیر افگن نے شمشیر نکال کر قطب الدین خان کے پیٹ میں گھونپ دی ، جس سے اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں اور اس نے وفات پائی ۔ یہ واقعہ ۱۰۱۶ھ میں پیش آیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۶ - ۶۸ ؛ ذخیرۃ الخوانین ، ج ۲ ، ص ۳۱۳) ۔

(۳۴) پہاری : سرسید ایڈیشن میں یہ لفظ پہاری ہے ۔ دراصل یہ لفظ پہاڑی ہے ۔ پہاڑی ، سلطان مراد کا لقب تھا جس کا تذکرہ خود جہانگیر ، توزک کے اس سے قبل کے صفحات میں کر چکا ہے (س) ۔

(۳۵) ساچق : ترکی لفظ ہے بکسر جیم ، مگر بفتح جیم فارسی رسم شادی میں مستعمل ہے ۔ اصل رسم حنا بندی کا نام ساچق ہے ۔ اس میں اشیائے ذیل جنھیں بری کہتے ہیں ، بر یعنی دولہا کی طرف سے دلہن کے ہاں آرایش اور باجے گاجے کے ساتھ جاتی ہیں ، جس میں کنبے کی عورتیں اور چند مرد بھی ہمراہ ہوتے ہیں ۔ ساچق چڑھنے کا وقت سہ پہر سے مغرب تک ہے ۔ (رسوم دہلی : سید احمد دہلوی ، ص ۶۵-۶۶ (ق)) ۔

(۳۶) باز بہادر قلماق : میرزا محمد حکیم کے غلاموں میں تھا ۔ اس نے میرزا محمد حکیم کے زمانے میں اپنی حسن خدمات کی وجہ سے خاصی ترقی کی ۔ پھر اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور اپنی خدمات کی وجہ سے بڑا نام پیدا

کیا ۔ جہانگیر کے عہد میں منصب پنج ہزاری تک پہنچا ۔ اس نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۸۳) ۔

(۳۷) کیشو داس مارو : پسر جے مل میرٹھیہ ، راجپوتوں کے مشہور قبیلے راٹھور سے تھا ۔ اس کا باپ اکبر کے خلاف قلعہ چتوڑ پر جنگ کرتے ہوئے مارا گیا ۔ باپ کے مارے جانے کے بعد کیشو داس ، اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سہ صدی منصب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر نے اس کو اپنے عہد میں ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز کر کے بنگال میں متعین کیا ۔ سنہ ۵ جلوس میں اس کو سرکار اڑیسہ میں جاگیر عطا کی ۔ جہانگیر اس کا بے حد قدردان تھا ۔ اس نے دکن میں وفات پائی ۔ (رک : اکبر نامہ ، ج ۳ ۔ ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۳۰۰ (س)) ۔

(۳۸) شیخ بایزید : شیخ سلیم چشتی فتح پوری کے پوتوں میں تھا ۔ اکبر کے آخری عہد میں دو ہزاری کے منصب پر فائز ہوا ۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی اس کے منصب میں ایک ہزار کا اضافہ کر کے معظم خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال جہانگیر نے اس کے منصب میں مزید اضافہ کر کے اس کو دھلی کا صوبہ دار بنا دیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۶۵) ۔

(۳۹) حق خدمت : جہانگیر نے یہاں والدہ میرزا عزیز کوکہ کے بارے میں جس حق خدمت کی طرف اشارہ کیا ہے ، وہ یہ تھا کہ اکبر نے میرزا عزیز کوکہ کی والدہ کا دودھ پیا تھا اور میرزا عزیز کوکہ اس طرح اکبر کا رضاعی بھائی تھا ، میرزا عزیز کوکہ نہایت پختہ دین دار اور نہایت پکا اہل سنت و جماعت تھا ۔ اگرچہ وہ اکبر کا تمام امور میں وفادار تھا لیکن دین الٰہی کی اس نے مخالفت کی تھی ۔ میرزا عزیز کوکہ نے ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۶ - ۱۷ع) میں احمد آباد گجرات میں وفات پائی ۔ نعش دھلی لائی گئی اور دھلی میں مدفون ہوا (رک : ذخیرۃ الخوانین ، ج ۱ ، ص ۹۲) ۔

(۴۰) ابوالحسن تربتی : ملقب بہ رکن سلطنت ۔ خراسان کے مشہور شہر تربت حیدری کا رہنے والا تھا ۔ وہ عہد اکبر میں ہندوستان آیا اور اکبر نے اسے شاہزادہ دانیال کا وزیر اور دکن کے نئے مفتوحہ علاقوں کا دیوان

مقرر کیا ۔ جہانگیر نے اس کو اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال دکن سے طلب کر کے آصف خاں جعفر کا ، جو امیرالامرا کے تعین کی وجہ سے وکیل مقرر ہوا تھا ، سررشتہ دار مقرر کر دیا ۔ جب آصف خاں سہم دکن پر بھیجا گیا اور اعتمادالدولہ کو دیوانی تفویض ہوئی تو یہ جہانگیر کی ہم رکابی کی خدمت سے ممتاز رہا ۔ پھر جہانگیر نے اسے ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۳ع) میں میر بخشی مقرر کیا ۔ اعتماد الدولہ کی وفات کے بعد وہ دیوان کل مقرر ہوا اور منصب ہزاری و پنج ہزار سوار سے سرفراز کیا گیا ۔ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۳ع) میں وہ کابل کا صوبہ دار مقرر کیا گیا ، مگر وہ خود کابل نہیں گیا بلکہ اس کا بیٹا ظفر خاں احسن اس کی نیابت کرتا تھا ۔ سنہ ۵ جلوس شاہجہانی میں شاہجہان نے اسے کشمیر کا صوبے دار مقرر کیا ، مگر شاہجہان اس کی دوری کو پسند نہ کرتا تھا ، لہٰذا اس نے اس کے بیٹے کو اس کا نائب بنا کر کشمیر بھیج دیا ۔ ابوالحسن نے ستر برس کی عمر میں ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۳ع) میں وفات پائی ؛ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۲۳۷ - ۲۳۹) ۔

(۴۱) جہانگیر نے اس خط کی عبارت نقل نہیں کی ؛ اس وجہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کیا لکھا گیا تھا ، مگر قیاس یہ ہے کہ اس خط میں اس نے اکبر کے مذہبی خیالات و اعتقادات کا تذکرہ کیا ہوگا ۔ شیخ فرید بکھری نے اپنی کتاب ذخیرۃ الخوانین میں اس خط کی کچھ تفصیلات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ جہانگیر کی آتش غضب میرزا عزیز کوکہ کے خلاف بھڑکی ہوئی تھی ، جہانگیر کے ہاتھ وہ خط پڑا جو خان اعظم نے راجا علی خاں فاروقی حاکم اسیر کے نام لکھا تھا ، اور اس خط میں اس نے اکبر کی تمام برائیاں بے خوف و ہراس قلم بند کر دی تھیں ۔ جہانگیر نے بھرے دربار میں خان اعظم کو بلا کر وہ خط پڑھنے کا حکم دیا ۔ اس نے جہانگیر اور تمام درباریوں کے روبرو سارا خط بلا پس و پیش پڑھ دیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس نے اکبر کے دینی عقائد کی مذمت کی تھی ۔

(۴۲) بہادر خاں قوربیگی : ترین قوم کے پٹھانوں میں سے تھا اور بہادری و شجاعت سے متصف تھا ۔ اس نے سہ ہزاری کے منصب پر پہنچ کر وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۳۸) ۔

(۴۳) جہانگیر قلی بیگ : اس کا نام لالہ بیگ کابلی تھا ، جو میرزا محمد حکیم کے غلام زادوں میں تھا ۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد وہ اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ اکبر نے اسے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کو دے دیا ۔ شاہزادہ سلیم نے اسے باز بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ جب وہ ہندوستان کا بادشاہ ہوا تو اسے جہانگیر قلی کا خطاب اور منصب پنج ہزاری دے کر صوبہ پٹنہ و بہار کا صوبے دار مقرر کیا ۔ پھر ۱۰۱۶ھ میں قطب الدین خان کے مارے جانے کے بعد صوبے دار بنگال مقرر کیا ۔ ۱۰۱۷ھ میں اس نے وہیں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ص ۵۱۲ - ۵۱۳) ۔

(۴۴) دلیپ : رائے سنگھ بیکانیری کا بیٹا تھا ۔ اکبر کے عہد میں منصب پانصدی سے سرفراز تھا ۔ سنہ ۴۵ جلوس اکبری میں بیکانیر چلا گیا اور وہاں جا کر شورش برپا کی ۔ اس کا باپ اس کو وہاں سے ساتھ لے کر آیا اور اس نے اکبر کے قدموں پر گر کر معافی چاہی ۔ اکبر نے اس کا قصور معاف کر دیا ۔ جہانگیر کے عہد میں باپ کے ساتھ پھر بیکانیر چلا گیا ۔ جب شاہی فوجیں باپ اور بیٹے کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئیں تو یہ شکست کھا کر پہاڑوں میں چھپ گیا ۔ سنہ ۳ جلوس میں خانجہاں کی التجا پر قصور معاف ہوئے ۔ جہانگیر نے اس کا منصب بحال کر دیا اور دکن میں متعین کیا ، اور باپ کے بعد بیکانیر کی موروثی حکومت اس کے سپرد کر دی ۔ اس کے بعد میرزا رستم صفوی کی کمک کے لیے اس کو ٹھٹھے جانے کا حکم ہوا تو وہ راستے سے باغی ہو کر بیکانیر چل دیا ۔ ہاشم خان خوستی نے اسے راستے سے گرفتار کر کے جہانگیر کے پاس بھجوا دیا ، اور جہانگیر نے اسے قتل کرا دیا (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۹۳ - ۱۹۴) ۔

(۴۵) زاہد خان : صادق خان ہروی کا بیٹا تھا ۔ جلوس اکبری کے چوتھے سال اکبر نے اسے منصب سہ صد و پنجاہی سے سرفراز کیا ۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد جو دکن میں تھا ، دکن سے آ کر اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو گیا ، اور خان کے خطاب اور اضافہ و منصب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اسے منصب دو ہزاری سے سرفراز کیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۳۷۰) ۔

دوسرا جشن نوروز

بدھ کے دن ۲۲ ذیقعدہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو ساڑھے تین گھڑی گزرنے کے بعد جب سورج کی تحویل اپنے خانۂ شرف (برج حمل) کی طرف ہوئی تو دولت خانۂ ھمایوں کو حسب رواج قدیم آراستہ کر کے ایک جشن عظیم ترتیب دیا گیا ، اور مبارک ساعت میں تخت شاھی پر بیٹھ کر میں نے اُمرا اور مقربین کو اپنی نوازشوں اور عنایتوں سے سربلند کیا ۔

اسی یوم مسعود کو قندھار (۱) کی عرائض سے معلوم ھوا کہ میں نے جو لشکر میرزا غازی ولد میرزا جانی کی سرکردگی میں شاہ بیگ کی مدد کے لیے متعین کیا تھا ، وہ ۱۲ شوال ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو قندھار کے شہر میں داخل ھو گیا ، اور جب قزلباشیوں نے یہ خبر سنی کہ شاھی لشکر قندھار سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ گیا ھے تو وہ پریشان اور پشیمان ھوکر دریاے ھلمند کے کنارے تقریباً پچاس ساٹھ کوس پیچھے ھٹ گئے ۔

اس کے بعد مجھے معلوم ھوا کہ عرش آشیانی کی وفات کے بعد فراہ کے حاکم اور اسی نواح کے دوسرے حکام نے یہ خیال کیا کہ اس انتشار اور پریشانی کے زمانے میں قندھار بڑی آسانی سے ھاتھ آ جائے گا ۔ بغیر اس کے کہ شاہ عباس (۲) (شہنشاہ ایران) کی جانب سے ان کو حکم پہنچے ، اُنھوں نے لشکر جمع کر کے سیوستان کے والی کو اپنے ساتھ ملا لیا ، اور پھر ھرات کے حاکم حسین خاں کے پاس سے مدد طلب کی ، اور اس نے بھی اُن کی مدد کے لیے ایک لشکر بھیج دیا ۔ اس کے بعد سبھوں نے قندھار پر متفقہ حملہ کر دیا ۔ وھاں کے حاکم شاہ بیگ نے یہ حالات دیکھ کر کہ یہ لوگ جنگ کا ارادہ رکھتے ھیں ، اگر خدا نخواستہ اُسے شکست ھو جائے تو قندھار اُس کے قبضے سے نکل جائے گا ، اس لیے اُس نے قلعہ بند ھونے کو جنگ سے بہتر سمجھا اور قلعہ بند ھونے کا فیصلہ کر لیا ، اور بہ‌غرض اطلاع تیز رفتار قاصد میرے دربار میں روانہ کر دیے ۔ اتفاق سے اُس زمانے میں خسرو کے تعاقب میں شاھی لشکر آگرے سے روانہ ھو کر لاھور پہنچ چکا تھا ۔ اس خبر کے سنتے ھی میں نے بلا توقف ایک بڑا لشکر اُمرا اور منصب داروں کے ساتھ میرزا غازی کی سرکردگی میں روانہ

کر دیا. اس سے پہلے کہ میرزا غازی قندھار پہنچے، یہ خبر شاہ ایران (عباس صفوی) کو پہنچ چکی تھی کہ حاکم فراہ اس نواح کے بعض جاگیرداروں کے ساتھ ولایت قندھار پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ شاہ ایران کو یہ بات نامناسب معلوم ہوئی۔ اس نے اپنے متعارف اشخاص میں سے حسن بیگ نامی ایک شخص کو ان کی تنبیہ کے لیے روانہ کیا، اور ان کے نام فرمان جاری کیا کہ وہ قلعۂ قندھار سے محاصرہ اٹھا کر اپنے ٹھکانوں پر چلے جائیں، کیوں کہ ہمارے اور جہانگیر بادشاہ کے آبا و اجداد کے درمیان دوستی و محبت کے قدیم مراسم ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے حسن بیگ کے بادشاہ کے فرمان لانے سے پہلے ہی منہ پھیرنے کو غنیمت سمجھا کیوں کہ وہ شاہی افواج کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور حسن بیگ مذکور [42] نے ان لوگوں کو ملامت کی اور میری خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل کھڑا ہوا۔

حسن بیگ کا شرف حضوری :

اور اس نے لاہور پہنچ کر میری خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی، اور یہ حقیقت واضح کی کہ جن لوگوں نے قندھار پر حملہ کیا ہے، وہ ناعاقبت اندیش جماعت ہے اور ان سے یہ حرکت شاہ عباس کے حکم کے بغیر عمل میں آئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس واقعے سے آپ کو رنج پہنچے۔

القصہ لشکر شاہی کے قندھار پہنچنے کے بعد میرے حسب حکم قلعے کی حفاظت سردار خاں (۳) کے سپرد کی گئی اور شاہ بیگ خاں ایک لشکر کے ساتھ میرے دربار کی طرف روانہ ہوا۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو عبداللہ خاں نے رام چند بندیلہ کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے زنجیر اس کے پاؤں سے نکلوا دی اور اس کو خلعت پہنا کر راجا باسو کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ ضمانت لے کر اسے اور اس کے رشتے داروں کو، جو اس کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے ہیں، چھوڑ دیا جائے۔ یہ رحم و کرم جو اس کے حق میں ظاہر ہوا، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔

۲ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے اپنے بیٹے خرم کو نشان، تمن، طوغ اور نقارہ مرحمت کر کے منصب ہشت ہزاری ذات اور پنج ہزار سوار سے ممتاز کر کے جاگیر عطا کی۔

پیر خان لودی کو خطاب :

اسی دن پیر خان (۴) ولد دولت خان لودی ، جو دانیال کے بیٹوں کے ساتھ خاندیس سے آیا تھا ، صلابت خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ اس کے لیے منصب سہ ہزاری ذات اور ایک ہزار پانصد سوار مشخص ہوئے اور اس کو میں نے نشان و نقارہ اور فرزند کا اعلیٰ ترین خطاب دے کر اس کا مرتبہ اس کے ہم چشم اور ہم عصر لوگوں میں بلند کر دیا ۔ صلابت خان کے باپ دادا لودی قوم میں نہایت بزرگ اور قابل اعتماد شمار ہوتے تھے ۔ سکندر لودی کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹے ابراہیم (۵) نے اپنے باپ کے امرا کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی ، اور معمولی قصور پر گروہ کے گروہ کو قتل کرانا شروع کیا ، تو دولت خان سابق جو صلابت خان کے دادا کا چچا تھا ، ابراہیم کے اس طرز عمل سے ڈر گیا ۔ اس نے اپنے بیٹے دلاور خان کو حضرت فردوس مکانی کی ملازمت میں کابل بھیج دیا اور شہنشاہ بابر کو ہندوستان کے فتح کرنے کا مشورہ دیا ۔ چوں کہ وہ خود بھی اپنے دل میں یہ ارادہ رکھتے تھے ، اس لیے وہ فوراً ہندوستان کی طرف متوجہ ہو گئے اور نواحِ لاهور میں پہنچ کر دم لیا ۔ اس وقت دولت خان نے اپنے ماتحتوں اور متعلقین کے ساتھ حاضر ہو کر ملازمتِ شاہی کی سعادت حاصل کی اور آداب بندگی بجا لایا ۔ چوں کہ وہ بوڑھا آدمی تھا اور ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ تھا ، اس لیے وہ خدمات شاہی اور سلطنت کی بہی خواہی کا مرکز بن گیا ۔ وہ (بابر) اکثر اوقات اس کو باپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے ۔ انھوں نے حسب سابق پنجاب کی حکومت اس کے سپرد کر کے اس صوبے کے تمام امرا اور جاگیرداروں کو اس کے ماتحت رہنے کا حکم دیا ، اور دلاور خان کو ساتھ لے کر کابل لوٹ گئے ۔

جب وہ (بابر) اپنی فوجی طاقت مجتمع کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے ارادے سے دوبارہ پنجاب پہنچے ، تو دولت خان دولتِ ملازمت سے سرفراز ہوا ، اور ان ہی دنوں میں اس نے وفات پائی ۔ اور دلاور خان خطابِ خانخانان سے سرفراز ہوا ۔ اور اس جنگ میں جو حضرت فردوس مکانی اور ابراہیم (لودی) کے درمیان واقع ہوئی ، دلاور خان ، حضرت فردوس مکانی کے ساتھ تھا ۔

اسی طرح وہ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کی ملازمت میں بھی آداب و بندگی بجا لاتا تھا ۔ اور جب حضرت ہمایوں بنگال سے لوٹے تو تھانہ مونگیر میں

شیر خان افغان سے مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے لڑائی میں گرفتار ہوگیا۔ اگرچہ شیر خان نے اُسے نوکری کی پیش کش کی، لیکن اس نے قبول نہیں کیا، اور کہا کہ تیرے باپ دادا تو میرے آبا و اجداد کی نوکری کرتے رہے ہیں، ایسی صورت میں اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں ہے کہ میں یہ کام کروں۔ شیر خان بہت برافروختہ ہوا اور حکم دیا کہ اُسے دیوار میں چن دیا جائے۔ عمر خان، صلابت خان کے دادا کی اولاد میں تھا اور دلاور خان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس شخص نے سلیم خان کی حکومت کے زمانے میں خوب ترقی کی تھی۔ جب سلیم خان فوت ہوگیا اور اُس کا بیٹا فیروز خان [43] محمد خان کے ہاتھوں مارا گیا تو عمر خان اور اس کے بھائی بہت خائف ہوئے اور گجرات چلے گئے۔ عمر خان نے وہیں وفات پائی۔

اُس کے بعد اُس کا بیٹا دولت خان جو خوبصورت، بہادر اور ہر اعتبار سے اچھا تھا، عبدالرحیم ولد بیرم خان کے ساتھ، جو عرش آشیانی کے عہد حکومت میں خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا، شریک ہو گیا۔ اور اس میں کار نمایاں اور بہترین جنگی خدمات انجام دینے کی صلاحیت تھی۔ خانخاناں اس کو اپنے حقیقی بھائی کے برابر بلکہ حقیقی بھائیوں سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا تھا اور قدر کرتا تھا۔ خانخاناں کو جو فتوحات حاصل ہوئی تھیں، وہ اکثر اسی (دولت خان) کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے تھیں۔

جب میرے والد نے ولایت خاندیس (دکن) اور قلعۂ اسیر کو فتح کیا تو یہ ولایت اور وہ تمام علاقے جو حکام دکن کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے، دانیال کے سپرد کر کے دارالخلافہ آگرہ واپس آ گئے تھے۔ اس زمانے میں دانیال نے دولت خان کو خان خاناں سے علٰحدہ کر کے اپنی ملازمت میں رکھ لیا اور اپنے اہم کام اس کے سپرد کر دیے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت لطف و شفقت سے پیش آتا تھا۔ بالآخر دولت خان نے اسی کی ملازمت میں وفات پائی۔

دولت خان نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے؛ ایک محمد خان اور دوسرے پیر خان۔ محمد خان جو بڑا بھائی تھا، اپنے والد کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پا گیا، اور دانیال بھی شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے ختم ہوگیا۔

میں نے اپنی تخت نشینی کے بعد پیر خان کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ جب میں نے اس کے ذاتی جوہر و قابلیت کو دیکھا، تو اُس کو اُس مرتبے پر

پہنچایا جس کا پہلے ذکر ہوا ہے ۔ آج میری حکومت میں اس سے بڑھ کر کوئی میرا رفیق اور ہمدرد نہیں ہے ۔ اس کے کہنے سے میں وہ سنگین خطائیں بھی درگزر کر دیتا ہوں جو میں کسی درباری کی سفارش سے معاف نہیں کرتا ۔ یہ بلاشبہ ایک نہایت شریف اور بہادر نوجوان ہے اور رعایتوں کا مستحق ہے ۔ اور میں نے جو کچھ بھی اس کے بارے میں عمل کیا ہے ، وہ بالکل درست اور مناسب ہے ، اور وہ آیندہ بھی مزید ترقیوں سے سرفراز کیا جائے گا ۔

چوں کہ ولایت ماوراءالنہر کی تسخیر ، جو میرے آبا و اجداد کا موروثی ملک ہے ، میرے پیش نظر ہے ، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پہلے ہندوستان کی سرزمین کو مفسدوں اور سرکشوں کے خس و خاشاک سے صاف کردوں ، اور اپنے فرزندوں میں سے کسی ایک کو اس ملک میں چھوڑ دوں اور اس کے بعد میں ایک برق رفتار جرّار لشکر ، کوہ پیکر جنگی ہاتھی اور تمام خزانے اپنے ساتھ لے کر اور پوری تیاری کے ساتھ اپنے موروثی ملک کی تسخیر کے لیے جاؤں ۔ اسی لیے میں نے پرویز کو رانا کی مدافعت کے لیے روانہ کر کے خود ولایت دکن کا ارادہ کیا تھا کہ اسی اثنا میں خسرو سے ناشائستہ حرکت وقوع میں آئی ۔ ان حالات میں خسرو کا تعاقب کر کے اس فتنے کو ختم کرنا ضروری ہو گیا ۔ اسی وجہ سے رانا کے مقابلے میں پرویز کی مہم حسب دل خواہ کامیاب نہ ہو سکی ، اور مصلحت وقت کے پیش نظر پرویز نے رانا کو مہلت دے دی اور اس کے ایک بیٹے کو (بطور یرغمال) ہمراہ لے کر میری خدمت میں روانہ ہوا ، اور لاہور پہنچ کر اس نے میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی ۔

کابل کی طرف روانگی :

جب خسرو کے فتنے سے دل مطمئن ہوا اور قزلباشیوں کی شورش بھی ، جو قندھار کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ، نہایت آسان طریقے پر ختم ہو گئی تو مجھے خیال آیا کہ سیر و شکار کے لیے کابل جاؤں جو میرے وطن مالوف کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے بعد ہندوستان واپس آ کر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناؤں ۔

چنانچہ میں ۷ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو نیک ساعت میں قلعۂ لاہور سے نکلا اور باغ دل آمیز (۶) میں جو دریائے راوی کے کنارے واقع ہے ، قیام کیا ۔ یہاں چار روز تک قیام رہا ۔

اتوار ۹ ماہ فروردی کو شرف آفتاب کا دن تھا ۔ یہ دن میں نے اسی باغ میں گزارا ، اور بعض شاہی ملازم نہ صرف منصب اور اضافۂ منصب سے سرفراز ہوئے بلکہ کئی رعایتوں اور شفقتوں سے سر بلند ہوئے ۔ دس ہزار روپے [44] شاہ ایران کے ایلچی حسن بیگ کو مرحمت ہوئے ۔ قلیج خاں ، میراں صدر جہاں اور میر شریف آملی کو لاہور میں چھوڑ کر میں نے حکم دیا کہ جو مہم پیش آئے ، وہ آن کا متفقہ طور پر فیصلہ کریں ۔

پیر کے دن باغ دل آمیز سے روانہ ہو کر موضع ہرہر میں قیام کیا ، جو شہر سے ساڑھے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔

جہانگیر پورہ میں قیام :

منگل کے دن جہانگیر پورہ (۷) میں پڑاؤ ڈالا ۔ یہ موضع میری مقررہ شکار گاہ ہے ۔ اس موضع کے نواحی میں منسراج (۸) نامی ہرن کی قبر پر میرے حکم سے ایک مینار تیار کیا گیا ہے ۔ یہ ہرن پالتو اور صحرائی ہرنوں کی لڑائی میں بے مثل تھا ۔ اس مینار کے ایک پتھر پر ملا محمد حسین کشمیری نے جو اس زمانے کے سربرآوردہ خوش نویسوں میں تھا ، یہ نثر لکھی تھی ، اور یہ پتھر پر لکھ دی گئی ہے :

> ''اس دلکش فضا میں جہاندار ، خدا آگاہ نورالدین جہانگیر بادشاہ کے دام میں ایک ہرن آیا ، جو ایک مہینے کے عرصے جنگل میں کی وحشت سے نکل کر اس طرح سدھا کہ شاہی ہرنوں سردار ہو گیا ۔''

اس ہرن کی ندرت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ کوئی شخص اس جنگل کے ہرنوں کا شکار نہ کرے ، اور یہاں کے ہرنوں کا گوشت ہندو اور مسلمان کے لیے وہی حکم رکھتا ہے کہ گویا گائے اور سؤر کا گوشت ہے ۔

ساتھ ہی میں نے یہ حکم دیا کہ اس کی قبر کے پتھر کو ہرن کی شکل میں ترشوا کر نصب کیا جائے ۔

اور میں نے سکندر معین سے جو اس پرگنے کا جاگیردار رہے ، یہ کہا کہ جہانگیر پورہ میں ایک مضبوط قلعہ بنائے ۔

وہاں سے روانہ ہو کر جمعرات کے دن ۱۴ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے پرگنۂ چنڈالہ (۹) میں منزل کی ۔

پھر وہاں سے روانہ ہو کر ہفتے کے دن ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو حافظ آباد سے ایک منزل پہلے اس مکان میں قیام کیا جسے وہاں کے کروڑی میر قوام الدین نے تیار کرایا تھا ۔

وہاں سے روانہ ہو کر دو مرتبہ کوچ اور قیام کے بعد میں دریاے چناب کے کنارے پہنچ گیا ۔ جمعرات کے دن ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۷ع) کو اس پل پر سے ، جو اس دریا پر باندھا گیا تھا ، عبور کرکے حوالی پرگنۂ گجرات میں منزل کی ۔

گجرات کی وجہ تسمیہ :

اس زمانے میں جب کہ عرش آشیانی عازم کشمیر ہوئے تھے ، اس دریا کے کنارے ایک قلعہ بنوایا تھا ، اور گوجروں کی اس جماعت کو جو اس نواح میں چوری اور ڈکیتی کرکے زندگی بسر کرتے تھے ، اس قلعے میں آباد کیا تھا ۔ چوں کہ یہ قلعہ گوجروں کا مسکن بنا اس لیے اس کا نام گجرات رکھ کر اس کا ایک الگ پرگنہ بنا دیا ۔

گوجر قوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بہت کم کاروبار اور پیشہ اختیار کرتے ہیں ، اور دودھ اور دہی پر ان کی گزر ہوتی ہے ۔

جمعہ کے دن خواص پور میں جو گجرات سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، اور جس کو شیر خان افغان کے غلام خواص خان (۱۰) نے آباد کیا تھا ، پڑاؤ کیا ۔ اور وہاں سے دو منزل دریاے بہٹ (جہلم) کے کنارے قیام کیا ۔ اسی رات زبردست آندھی چلی اور سیاہ بادل تمام فضاے آسمان پر پھیل گئے اور ایسی شدید بارش ہوئی کہ بوڑھے لوگوں نے بھی ایسی بارش نہیں دیکھی تھی ۔ آخر میں اولے پڑنے لگے اور ہر اولہ مرغی کے انڈے کی برابر تھا ۔ دریا کی طغیانی اور آندھی اور بارش کی شدت سے دریا کا پل ٹوٹ گیا ۔ میں نے شاہی محل کی خواتین کے ساتھ کشتی میں دریا کو عبور کیا ۔ چوں کہ کشتیاں کم تھیں ، میں نے حکم دیا کہ دوسرے لوگ کشتیوں میں دریا کو عبور نہ کریں بلکہ پل کو از سر نو

مرمت کریں ۔ ایک ہفتے کے بعد پل تیار ہو گیا اور تمام لشکر نے اطمینان سے دریا کو عبور کیا ۔

دریاے بھٹ (جہلم) کے سرچشمے کا بیان :

دریاے بھٹ (جہلم) کا دہانہ کشمیر میں واقع ہے اور وہ تریا ک (۱۱) نامی ایک چشمہ ہے ۔ تریا ک ہندی زبان میں سانپ کو کہتے ہیں ۔ بظاہر (اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے) کہ اس مقام پر ایک بڑا سانپ رہتا تھا ۔ میں اپنے والد کی زندگی میں دو مرتبہ اس چشمے تک گیا ہوں ۔ کشمیر کے شہر سے اس چشمے تک بیس کوس کا فاصلہ ہوگا ۔ یہ چشمہ ہشت پہلو حوض کی طرح ہے جس کا طول و عرض بیس ضرب بیس گز ہے ۔ اس کے گرد و نواح میں عبادت گاہوں کے آثار ہیں جہاں ریاضت ہوتی تھی ، نیز سنگ بستہ حجرے اور بہت سے غار ہیں ۔ اس چشمے کا پانی نہایت صاف ہے ۔ باوجود اس کے کہ اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ، [45] لیکن اگر خشخاش کا دانہ اس میں ڈالیں تو تہہ تک پہنچنے تک صاف دکھائی دیتا ہے ۔ اس میں بہت سی مچھلیاں دکھائی دیتی ہیں ۔ چوں کہ میں نے سنا تھا کہ اس چشمے کی تہہ نامعلوم ہے ، اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اس میں ایک رسی کے ساتھ پتھر باندھ کر ڈالا جائے ۔ جب (اس رسی کو اس چشمے میں ڈال کر) ناپا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی گہرائی ایک آدمی کے ڈیوڑھے قد سے زیادہ نہیں ہے ۔

میں نے اپنی تخت نشینی کے بعد حکم دیا کہ اس چشمے کے کناروں کو سنگ بستہ کر کے اس کے اردگرد باغ لگایا جائے اور اس سے نہریں نکالی جائیں اور چشمے کے ارد گرد ایوان اور محل بنائے جائیں ۔ چناں چہ وہ اب اس قدر شاندار مقام بن گیا ہے کہ دنیا کے سیاح (ایسے پر فضا مقام کی) بہت کم نشان دہی کر سکتے ہیں ۔

جب اس چشمے کا پانی موضع پانپور (۱۲) میں پہنچتا ہے ، جو شہر سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، تو زیادہ ہو جاتا ہے ۔

کشمیر کا زعفران :

کشمیر کا تمام زعفران اسی موضع سے حاصل ہوتا ہے ۔ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر زعفران اس مقدار میں پیدا ہوتا ہو ۔ ہر سال

ہندوستان کے وزن کے مطابق پانسو من ، جو ولایت کے تول کے مطابق چار ہزار من ہوتا ہے ، یہاں سے زعفران حاصل ہوتا ہے ۔

میں زعفران کے پھولنے کے موسم میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس سرزمین میں آیا تھا ۔ دنیا کے تمام پھول پہلے شاخ ، پھر پتے اور پھول لاتے ہیں ؛ اس کے برخلاف پہلے خشک زمین سے چار انگل برابر زعفران کا تنا نکلتا ہے ، اور اس پر سوسنی رنگ کا پھول ، جس میں چار پنکھڑیاں ہوتی ہیں ، کھلتا ہے ۔ اس کے درمیان گلِ معصفر کی طرح چار نارنجی رنگ کے ریشے ہوتے ہیں ۔ یہ ریشے لمبائی میں انگلی کے ایک پور کے برابر ہوتے ہیں ۔ یہی پھول ہے جو ڈھیلوں کے درمیان اس زمین میں اگتا ہے ، جو نہ صاف اور تیار کی جاتی اور نہ پانی سے سیراب کی جاتی ہے ۔ زعفران کے کھیت بعض جگہ ایک کوس تک اور بعض جگہ نصف کوس تک پھیلے ہوئے ہیں ۔ یہ کھیت دور سے بہت خوش نما دکھائی دیتے ہیں ۔ ان پھولوں کو توڑتے وقت جو لوگ ان کے قریب تھے ، ان کی خوش بو کی تیزی کی وجہ سے ان کے سر میں درد ہو گیا ۔ باوجود اس کے کہ میں شراب کے نشے میں تھا اور شراب پینے کا عادی ہوں ، میرے سر میں بھی درد ہو گیا ۔

میں نے حیوان صفت کشمیریوں سے ، جو اس وقت پھول توڑنے میں مشغول تھے ، پوچھا کہ تمھارا کیا حال ہے ؟ انھوں نے بتایا کہ انھیں عمر میں کبھی دردِ سر محسوس نہیں ہوا ۔

اس چشمے (ترناک) کا پانی جسے کشمیر میں بھٹ کہتے ہیں ، دوسری ندیوں اور نالوں کے ساتھ ، جو دائیں بائیں جانب سے آ کر اس میں شامل ہوتی ہیں ، دریا بن جاتا ہے ۔ یہ دریا شہر کے وسط سے گزرتا ہے ۔ اس کا عرض اکثر جگہ سے ایک پرتاپ سے زیادہ نہیں ہے ۔ اس دریا کا پانی اس کی کثافت اور ناگواری کی وجہ سے کوئی نہیں پیتا ۔ کشمیر کے تمام لوگ ایک تالاب سے جو شہر سے متصل ہے ، اور جس کا نام ڈل (۱۳) ہے ، پانی پیتے ہیں ۔ اور بھٹ کا پانی اس تالاب میں سے نکل کر بارہ مولہ ، پکلی اور دنتور کے راستے سے پنجاب چلا جاتا ہے ۔ اور کشمیر میں پہاڑی نالے اور چشمے بہت ہیں ۔ ان میں سب سے بہتر درۂ لار کا پانی ہے جو موضع شہاب الدین پور میں (دریائے) بھٹ کے پانی سے مل جاتا ہے ۔

یہ موضع کشمیر کے بہترین مقامات میں سے ہے اور دریائے بھٹ (جہلم) کے کنارے پر واقع ہے ۔ اس کے ایک ایک قطعے میں سڈول چنار کے سو سو

شاداب و سرسبز درخت ایک دوسرے سے ملے ہوئے اس طرح کھڑے ہیں کہ ان کی بدولت تمام سرزمین اُن کے سائے میں گھر گئی ہے۔ سطح زمین پر سبزے کا اس قدر عمدہ فرش بچھا ہوا ہے کہ اس پر کوئی دوسرا فرش بچھانا بے دردی اور بدتمیزی ہے۔ یہ گاؤں سلطان زین العابدین کا آباد کیا ہوا ہے جس نے کشمیر پر پورے استقلال کے ساتھ باون سال حکومت کی۔ آسے بڈ شاہ (۱۴) کلاں بھی کہتے تھے۔ اس کی بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے عہدِ حکومت کے بہت سے آثار، نشانات اور عمارات کشمیر میں موجود ہیں۔ منجملہ اُن کے زینہ لنک نام کی ایک عمارت بھی ہے، جو اس نے اولر نام کی ایک جھیل میں، جس کا طول و عرض تین کوس سے زیادہ ہے، بنوائی تھی۔ اس عمارت کے بنانے میں اس نے غیر معمولی [46] کوشش کی تھی۔ یہ جھیل دریا سے زیادہ گہری ہے۔ اس عمارت کی تعمیر کے لیے اُس نے پہلے کشتیوں کے ذریعے سے بے شمار پتھر جمع کیے اور وہ پتھر اُس جگہ ڈالے گئے جہاں یہ عمارت بنائی گئی ہے، لیکن اس طریقے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر کئی ہزار کشتیاں پتھروں کے ساتھ اس میں غرق کی گئیں، اور بڑی محنت کے بعد ایک قطعۂ زمین، جو طول و عرض میں سو گز تھا، پانی کے اوپر نکل آیا اور اُس پر ایک چبوترہ بنایا گیا اور اس چبوترے کے ایک طرف ایک عمارت بنائی، اور اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے ایک ایسی عبادت گاہ بنائی کہ کہیں اس کی مثال نہیں ہے۔

اکثر اوقات وہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے راستے سے اس جگہ آتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہاں کئی مہینے گزارے تھے۔ ایک دن اُس کا ایک نا خلف بیٹا (۱۵) اُس کے قتل کے ارادے سے عبادت خانے میں تلوار کھینچ کر آیا، کیوں کہ وہ تنہا تھا؛ جب اُس کی نظر سلطان (زین الدین) پر پڑی، باپ کے جاہ و جلال اور بلند اوصاف کے اثر سے حیران اور مضطرب ہو کر لوٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ (زین العابدین) عبادت خانے سے باہر آیا، اُسی لڑکے کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں اپنی تسبیح عبادت خانے میں بھول آیا ہوں، تم ایک چھوٹی کشتی پر سوار ہو کر اُس تسبیح کو لے آؤ۔ جب وہ لڑکا عبادت خانے میں آیا تو وہاں باپ کو بیٹھا ہوا دیکھا۔

(اس مشاہدے سے) وہ بدنصیب بے حد شرمندہ ہوا اور اپنے باپ کے قدموں پر گر کر معذرت چاہی اور معافی کا خواست گار ہوا۔

اس قسم کے بہت سے خوارق عادات اس سلطان سے متعلق نقل کیے جاتے ہیں: کہتے ہیں کہ اس کو جسم سے روح کو نکالنے کی خوب مشق تھی۔ جب وہ اپنے بیٹوں کے اوضاع و اطوار سے واقف ہو گیا کہ وہ جلد از جلد حکومت اور ریاست حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس نے ان سے کہا کہ مجھے حکومت چھوڑنا ہی نہیں، بلکہ اپنی زندگی بھی چھوڑ دینی بہت آسان ہے، لیکن میرے بعد تم کوئی کام نہ کر سکو گے اور تمھاری مدت حکومت دیر پا نہ ہوگی، اور تم تھوڑی ہی مدت میں اپنے برے اعمال اور ارادوں کی سزا بھگتو گے۔ یہ بات کہہ کر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور چالیس دن اسی طرح گزار دیے۔ اس دوران میں وہ ذرا بھی نہیں سویا اور ارباب سلوک و عبادت کے ساتھ خدائے حق و قدیر کی عبادت میں مشغول رہا۔ چالیسویں دن اس نے وفات پائی اور رحمت حق سے جا ملا۔ اس نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے: ۱- **ادھم خاں** ۲- **حاجی خاں** ۳- **بہرام خاں**، جو اس کے بعد آپس میں لڑتے رہے۔ بالآخر یہ تینوں فنا ہو گئے اور کشمیر کی حکومت چک (۱۶) قوم کے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو اس ملک کے عوام اور سپاہی پیشہ تھے۔

(سلطان) **زین العابدین** کے بعد وہاں کے حکام میں سے تین حاکموں نے **اولر جھیل** کے اس چبوترے پر تین طرف عمارتیں بنوائیں، لیکن ان میں سے کوئی عمارت بھی **زین العابدین** کی عمارت کے برابر مضبوط نہیں تھی۔

کشمیر کا موسم خزاں اور بہار دیکھنے کے قابل ہے۔ میں نے وہاں کا موسم خزاں تو دیکھا ہے اور اس کے متعلق جو کچھ سنا تھا، اس سے کہیں بہتر دیکھنے میں آیا، لیکن اس ملک کا موسم بہار نہیں دیکھا۔ امید ہے کہ وہ دن بھی کبھی آ جائے گا۔

دریائے جہلم کے کنارے قلعۂ رہتاس کی بنیاد:

پیر کے دن یکم محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو دریائے بہٹ (جہلم) کے کنارے سے کوچ کر کے ایک روز کی مسافت کے بعد **رہتاس** کے قلعے میں پہنچا جو **شیر خاں افغان** کا بنوایا ہوا ہے۔ یہ قلعہ ایسی خراب اور شکستہ زمین پر بنایا

گیا ہے کہ جہاں اس قدر مستحکم اور مضبوط عمارت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا . چوں کہ یہ زمین گکھڑوں کے علاقے سے متصل ہے اور وہ سب کے سب نہایت سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے ہیں ، اس لیے شیر خان نے اُن کی محض تنبیہ اور سرکوبی کی غرض سے اس قلعے کی تعمیر شروع کی تھی . ابھی تھوڑی سی تعمیر ہوئی تھی کہ شیر خان (۱۷) مر گیا اور اس کے بیٹے سلیم خان نے اس قلعے کی تعمیر مکمل کر دی . اس قلعے پر جو خرچ آیا ہے ، وہ ایک پتھر پر کندہ کیا گیا ہے اور وہ پتھر قلعے کے ہر دروازے پر نصب کیا گیا ہے ؛ سولہ کروڑ دس لاکھ دام سے کچھ زیادہ [47] اس عمارت پر خرچ ہوا ہے جو ہندوستان کے سکّے کے مطابق چالیس لاکھ پچیس ہزار روپے ہوتے ہیں ، اور ایران کے چلنی سکّے کے مطابق بیس ہزار ایک سو تومان ، اور توران کے سکّے کے مطابق ، جس کو خانی کہا جاتا ہے ، ایک ارب ، اکیس لاکھ چھہتر ہزار روپے کے برابر ہوتے ہیں .

سنگل کے روز ۴ محرم ۱۰۱٦ھ (۱٦۰۷ع) کو پونے پانچ کوس کی مسافت طے کر کے بیلہ میں میرا قیام ہوا . بیلہ ، گکھڑوں کی زبان میں پشتے کو کہتے ہیں . وہاں سے میں بھکرا نامی گاؤں میں آیا . بھکرا انھی لوگوں کی زبان میں جنگل کو کہتے ہیں . اس میں سفید پھولوں کے بوٹے تھے جن میں خوشبو نہیں تھی . بیلہ سے بھکرا تک میں نے ندی کے برابر تمام راستہ طے کیا . ندی میں پانی بہہ رہا تھا اور کنیر کے پھول جو شفتالو کے غنچوں کی طرح نہایت رنگین اور شگفتہ ہوتے ہیں ، اس ندی کے دونوں کناروں پر بہ کثرت تھے . ہندوستان میں یہ پھول بہت کھلتا ہے اور بہار دیتا ہے . میں نے سواروں اور پیادوں کو جو ہمراہ تھے ، حکم دیا کہ اُن کے گل دستے بنا کر اپنی پگڑیوں میں لگائیں ، اور جو کوئی اپنی پگڑی میں یہ گل دستہ نہ لگائے ، اس کی پگڑی اُتار لی جائے . اس طرح سے ایک عجیب گلزار بن گیا .

جمعرات کے دن ٦ محرم ۱۰۱٦ھ (۱٦۰۷ع) کو میں نے بھکرا سے کوچ کر کے سہا میں پڑاؤ کیا . اس راستے میں ٹیسو کے پھول بہت کھلے ہوئے تھے . یہ بھی ہندوستان کے جنگلوں کا خاص پھول ہے . اس میں بو نہیں ہوتی لیکن اس کا رنگ آگ کی طرح نارنجی ہوتا ہے . اس کی جڑ سیاہ اور اس کا بوٹا گلاب کے بوٹے کے برابر ہوتا ہے ، اور اتنا خوبصورت دکھائی دیتا ہے کہ اس سے نظر

ہٹانے کو جی نہیں چاہتا ۔ چوں کہ ہوا نہایت لطیف تھی اور سورج بادل میں چھپا ہوا تھا اور ھلکی بارش ہو رہی تھی ، اس لیے میں نے شراب کی طرف رغبت کی ۔ مختصر یہ کہ یہ راستہ نہایت شگفتگی اور خوش حالی کے ساتھ طے ہوا ۔ اس مقام کو ھتھیا بھی کہتے ھیں اور اس وجہ سے کہتے ھیں کہ گکھڑوں کی قوم میں سے ھاتھی نام ایک شخص نے اسے آباد کیا تھا ۔ اس علاقے کو جو مارگلہ سے لے کر ھتھیا تک ہے ، پوٹھوھار بھی کہتے ھیں ۔ ان حدود میں کوّے کم ہوتے ھیں ۔ اور رھتاس سے لے کر ھتھیا تک جا بجا بھوگیال قوم بستی ہے ، جو گکھڑوں کے خویش اور ھم جد ھیں ۔

جمعہ کے دن ۷ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے کوچ کیا اور پورے پانچ کوس کی مسافت طے کر کے پکا میں اترا ۔ اس مقام کو پکا اس لیے کہتے ھیں کہ یہاں ایک پختہ اینٹوں کی سرائے بنی ہوئی ہے ۔ اھل ھند کی زبان میں پکا پختہ کو کہتے ھیں ۔ یہ منزل مٹی اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی ۔

راستے کی خرابی کی وجہ سے گاڑیاں بدقت تمام منزل کو پہنچیں ۔ اسی جگہ کابل سے ریونڈ چینی لائی گئی تھی لیکن اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ۔

ھفتے کے دن ۹ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے پکا سے کوچ کیا اور ساڑھے چار کوس کی مسافت طے کر کے موضع کورو میں اترا ۔ کورو ، گکھڑوں کی زبان میں ٹوٹ پھوٹ کو کہتے ھیں ۔ اس علاقے میں بہت کم درخت ھیں ۔

راولپنڈی کی وجہ تسمیہ :

اتوار کے دن ۹ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو راولپنڈی سے آگے اترا ۔ اس موضع کو راول نامی ایک ھندو نے آباد کیا ہے ۔ پنڈی گکھڑوں کی زبان میں گاؤں کو کہتے ھیں ۔

اس منزل کے قریب درّے کے درمیان ندی جاری تھی ۔ اس ندی کا پانی آگے ایک حوض میں آ کر جمع ہوتا تھا ۔ چوں کہ یہ منزل صاف ستھری نہ تھی ، اس لیے میں اس جگہ تھوڑی دیر ٹھہرا ۔ میں نے گکھڑوں سے پوچھا کہ اس حوض کی گہرائی کس قدر ہوگی ؟ لیکن انھوں نے کوئی ایسا جواب نہ دیا کہ جس سے یہ گہرائی واضح طور پر معلوم ہو سکے ۔ انھوں نے بیان کیا کہ ھم نے اپنے باپ دادا سے سنا ہے کہ اس پانی میں مگرمچھ رہتے ھیں اور جو جانور اس

پانی میں اترتے ہیں، وہ زخمی ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ اس وجہ سے کوئی اس پانی میں اترنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں نے ایک بکرے کو اس پانی میں ڈالنے کا حکم دیا۔ بکرا تمام حوض میں تیر کر باہر نکل آیا۔ اس کے بعد میں نے ایک فرّاش کو اس پانی میں اترنے کا حکم دیا، وہ بھی اسی طریقے پر تیر کر صحیح سالم باہر نکل آیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو بات گکھڑوں نے کہی تھی اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ اس حوض کا عرض ایک پرتاب کے برابر ہوگا۔

پیر کے دن ۱۰ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو [48] میں نے موضع خرپزہ میں پڑاؤ ڈالا۔ قدیم زمانے میں گکھڑوں نے یہاں ایک گنبد بنایا تھا۔ وہ اس جگہ آنے جانے والے مسافروں سے محصول لیتے تھے۔ چوں کہ اس گنبد کی شکل خرپزہ (خربوزے) سے ملتی جلتی ہے، اس لیے یہ موضع خرپزہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

منگل کے دن ۱۱ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو کالا پانی میں اترا۔ زبانِ ہندی میں کالا پانی، آبِ سیاہ کو کہتے ہیں۔ اس منزل میں ایک گھاٹی آتی ہے جس کا نام مارکلہ ہے۔ ہندی زبان میں مار، مارنے کو اور کلہ قافلے کو کہتے ہیں، یعنی قافلوں کے مارنے کی جگہ۔

گکھڑوں کا علاقہ بس اسی جگہ ختم ہوتا ہے۔ یہ گکھڑ عجیب حیوان صفت لوگ ہیں۔ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اس لڑائی جھگڑے کو ختم کیا جائے مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

جانِ جاہل بہ سختی ارزانی

حسن ابدال میں مقام:

بدھ کے دن ۱۲ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو بابا حسن ابدال کے مقام پر اترا۔ اس کے مشرقی جانب ایک کوس کے فاصلے پر ایک آبشار ہے جس کا پانی نہایت تیزی سے گرتا ہے۔ کابل کے پورے راستے میں اس جیسا کوئی آبشار نہیں ہے۔ کشمیر کے راستے میں دو تین جگہ اس قسم کے آبشار ہیں۔ اس تالاب کے درمیان جو اس آبشار کا منبع ہے، راجا مان سنگھ نے ایک مختصر سی عمارت تعمیر کرائی ہے۔ اس تالاب میں مچھلیاں بکثرت ہیں جو لمبائی میں آدھے گز اور پاؤ گز کی ہوں گی۔ تین روز تک اس دل کش مقام میں قیام رہا۔ میں نے اپنے مقرب ہمصاحبوں کے ساتھ شراب پی اور مچھلی کا شکار کھیلا۔ میں نے اب تک سفرہ جالِ

جو بہترین جال ہے اور جسے ہندی میں بھنور جال کہتے ہیں ، کبھی استعمال نہیں کیا تھا ۔ اس کا پانی میں ڈالنا مشکل کام ہے ۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس جال کو پانی میں ڈالا اور دس بارہ مچھلیاں پکڑیں اور ان کی ناک میں موتی پرو کر پھر پانی میں چھوڑ دیا ۔

میں نے وہاں کے رہنے والوں اور مورخوں سے بابا حسن کے حالات پوچھے ۔ کسی نے بھی کوئی صحیح بات نہیں بتائی ۔ جو جگہ اس مقام میں مشہور ہے ، وہ ایک چشمہ ہے جو ایک پہاڑی سے نکلتا ہے ۔ اس کے پانی کی انتہائی لطافت ، شیرینی اور نظافت پر امیر خسرو کا یہ شعر صادق آتا ہے :

درتہ آبش زصفا ریگ خورد
کور تواند بدل شب شمرد

خواجہ شمس الدین محمد خوافی (۱۸) نے جو ایک مدت تک میرے والد بزرگوار کے عہد میں عہدۂ وزارت پر مامور تھا ، وہاں ایک چبوترہ اور اس کے درمیان میں ایک حوض بنوایا ہے ۔ چشمے کا پانی اس حوض میں آتا ہے اور وہاں سے کھیتوں اور باغوں کی آبپاشی میں صرف ہوتا ہے ۔ اس چبوترے کے ایک طرف اس نے اپنے مدفن کے لیے ایک گنبد بنوایا تھا ۔ لیکن اتفاق سے وہ جگہ اسے نصیب نہیں ہوئی ، اور حکیم ابوالفتح گیلانی اور اس کا بھائی حکیم ہمام (۱۹) ، جو میرے والد بزرگوار کے مصاحب اور محرم راز تھے ، میرے والد کے حکم سے وہاں دفن ہوئے ہیں ۔

۱۵ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں امروھی میں اترا ۔ وہاں ایک ہموار سبزہ زار نظر آیا جس میں مطلق نشیب و فراز نہیں ہے ۔ اس موضع اور اس کے اطراف و جوانب میں کھردولہ راک قوم کے سات آٹھ ہزار گھر آباد ہیں ۔ ان لوگوں سے ہر قسم کے ظلم و فساد اور چوری چکاری کے واقعات سرزد ہوتے رہتے ہیں ۔ میں نے حکم دیا کہ اس علاقے اور اٹک کی حکومت زین خان کوکہ کے لڑکے ظفر خان کو دی جائے اور وہ میرے کابل کے لوٹنے سے پہلے تمام دلہ راکوں کو لاھور لے جائے اور ان کے بڑے سرداروں کو گرفتار کر کے انھیں نگرانی میں رکھے ۔

پیر کے دن ۱۷ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے کوچ کیا ۔ درمیان میں ایک منزل چھوڑ کر دریائے نیلاب کے کنارے قلعۂ اٹک میں اترا ۔ اس مقام پر

میں نے مہابت خاں کو دو ہزار [49] اور پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا۔ یہ قلعہ حضرت عرش آشیانی کا بنوایا ہوا ہے۔ خواجہ شمس الدین خوافی کی کوشش و اہتمام سے مکمل ہوا۔ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ ان دنوں دریائے نیلاب میں طغیانی نہیں تھی۔ چنانچہ اٹھارہ کشتیوں کا پُل باندھ کر لوگ سہولت اور آسانی سے اس پر سے گزر گئے۔ امیرالامرا کو میں نے جسمانی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اٹک میں چھوڑ دیا، اور بخشیوں کو حکم دیا کہ میرے مقرب مصاحبوں کے سوا کسی دوسرے کو دریا عبور نہ کرنے دیں کیوں کہ کابل میں کسی دوسرے لشکر کی گنجائش نہیں ہے، اور تمام لشکر میرے کابل سے لوٹنے تک اٹک میں مقیم رہے۔

بدھ کے دن ۱۹ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں شاہ زادوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ جالہ پر سوار ہو کر اطمینان سے دریائے نیلاب عبور کر گیا اور دریائے کامہ کے کنارے منزل کی۔ یہ دریا قصبہ جلال آباد کے سامنے سے گزرتا ہے۔ جالہ ایک ایسی کشتی ہے جس کو بانس اور خس سے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں ہوا بھر کر اس کی تہہ میں باندھتے ہیں۔ اس ملک میں اس کو شال کہتے ہیں۔ یہ کشتی ایسے دریاؤں میں، جو پتھروں اور چٹانوں سے بھرے ہوئے ہیں، زیادہ محفوظ ہے۔

بارہ ہزار روپے میر شریف آملی کو اور ان لوگوں کو جو لاہور میں شاہی خدمات پر متعین ہیں، بھجوائے تا کہ وہ فقرا میں تقسیم کر دیں۔

احدیوں کے بخشی عبدالرزاق معموری اور بہاری داس کو حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کا جو ظفر خاں (۲۰) کے ساتھ متعین ہیں، بندوبست کر کے روانہ کر دیں۔ وہاں سے چل کر میں ایک منزل آگے بارہ کی سرائے میں اترا۔

سرائے بارہ کے مقابل جس طرف دریائے کامہ بہتا ہے، ایک قلعہ ہے۔ اس کو زین خاں کوکہ نے اس وقت تعمیر کرایا تھا جب وہ یوسف زئیوں کی سرکوبی کے لیے متعین ہوا تھا اور اس کا نام نوشہر (نوشہرہ) رکھا تھا۔ تقریباً پچاس ہزار روپے اس پر خرچ ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) اس سر زمین میں بھیڑیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ میں نے حضرت عرش آشیانی سے بھی سنا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے والد کے ساتھ دو تین مرتبہ شکار کا تماشا دیکھا تھا۔

جمعرات کے دن ۲۰[1] محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں دولت آباد کی سرائے میں اترا ۔ احمد بیگ کابلی (۲۱) جاگیر دار پشاور دوسرے یوسف زئی اور غوری خیل کے ملکوں کے ساتھ میری خدمت میں حاضر ہوئے ۔ چوں کہ احمد بیگ کی خدمات مجھے پسند نہ تھیں ، اس لیے میں نے اس کو اس علاقے سے بدل کر اس ولایت (پشاور) کا انتظام شیر خان کے سپرد کر دیا ۔

بدھ کے روز ۲۶ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو باغ سردار خان میں جو پشاور کے اطراف میں لگایا گیا ہے ، قیام کیا ۔ گورکھڑی ، جو جوگیوں کی مشہور عبادت گاہ ہے ، اس باغ کے قریب تھی ۔ میں وہاں اس خیال سے سیر کے لیے گیا کہ شاید کوئی ایسا فقیر دکھائی دے کہ اس کی صحبت سے فیض حاصل ہو سکے ۔ لیکن ایسا آدمی وہاں عنقا تھا ، البتہ چند جاہل چرواہے نظر آئے جن کے دیکھنے سے بجز بدمزگی اور کوفت کے کچھ حاصل نہ ہوا ۔

جمعرات کے دن ۲۷ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو جمرود میں اور ۲۸ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو درۂ خیبر سے نکل کر علی مسجد میں اترا ۔

ہفتے کے دن ۲۹ محرم ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو درۂ ساریپچ سے گزر کر غریب خانے میں اترا ۔ اس منزل میں ابوالقاسم نمکین جاگیر دار جلال آباد خوبانیاں لے کر آیا ، جو اپنی لطافت میں کشمیر کی خوبانیوں سے کسی طرح کم نہ تھیں ۔ اسی منزل میں دکہ کیلاس ، جن کا میرے والد بزرگوار نے شاہ آلو نام رکھا تھا ، کابل سے لائے گئے ۔ چوں کہ ان کے کھانے کی مجھے بہت خواہش تھی ، میں نے وہ شراب کے ساتھ گزک کے طور پر جی بھر کے کھائے ، حالاں کہ ابھی اچھی طرح پختہ نہیں ہوئے تھے ۔

سنگل کے دن ۲ ماہ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو بساول گاؤں میں ، جو دریا کے کنارے واقع تھا ، اترا ۔ دریا کے اس طرف ایک پہاڑ ہے جس میں نام کو درخت و سبزہ نہیں ۔ اسی وجہ سے اس پہاڑ کو کوہ بے دولت کہتے ہیں ۔ میں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ اس قسم کے پہاڑوں [50] میں سونے کی کانیں ہوتی ہیں ۔ الہ بوغان پہاڑ میں ، اس وقت جب کہ میرے والد بزرگوار کابل جا رہے

۱- فارسی متن میں یہ تاریخ ۲۵ محرم درج ہے ، لیکن ما قبل اور ما بعد کی تاریخوں سے یہ تاریخ ۲۰ محرم قرار پاتی ہے - (مترجم)

تھے، میں نے ہانکے کا شکار کھیلا تھا اور چند سرخے (سرخ ہرن) شکار کیے تھے .

آصف خاں کو پورے ملک کی وزارت :

میں نے اپنے مالی اور ملکی امور امیرالامرا کے سپرد کر رکھے تھے . چوں کہ اس کی بیماری نے بہت طول کھینچا اور نسیان اس کی طبیعت پر اس درجہ غالب ہوا کہ وہ ایک لمحہ پہلے کی بات دوسرے لمحے میں بھول جاتا تھا ، اور روز بروز اس کا نسیان بڑھ رہا تھا ، اس بنا پر میں نے بدھ کے دن ۳ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو وزارت کی خدمت آصف خاں کو دے کر خلعتِ خاص اور مرصع قلم و دوات اس کو مرحمت کیے .

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ اٹھائیس سال پہلے اسی منزل میں میرے والد نے اس کو میر بخشی کا عہدہ دیا تھا .

آصف خاں نے وزارت کی خوشی میں تسلیم بجالاتے ہوئے ایک لعل ، جو اس کے بھائی ابوالقاسم نے چالیس ہزار روپے میں خرید کر اسے بھیجا تھا ، مجھے پیش کیا اور درخواست کی کہ خواجہ ابوالحسن کو جو بخشیگری اور اسلحہ خانہ کے داروغہ کے عہدے پر فائز ہے ، اس کے ساتھ مقرر کیا جائے .

ابوالقاسم نمکین کو جلال آباد سے بدل کر میں نے وہاں کی حکومت عرب خان کو مرحمت کی .

ندی کے درمیان ایک سفید پتھر پڑا ہوا تھا ؛ میں نے حکم دیا کہ اسے ہاتھی کی شکل میں تراش کر اس پر یہ مصرع ، جو ہجری تاریخ کے مطابق ہے ، کندہ کرایا جائے :

سنگِ سفیدِ فیلِ جہانگیر بادشاہ

کلیان کو سزا :

ان ہی دنوں میں راجا بکرماجیت کا بیٹا کلیان میری خدمت میں حاضر ہوا . اس حرام زادے مفسد کی بعض نئی بدعنوانیاں میرے کانوں تک پہنچ چکی تھیں . منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ اس نے ہولی نام کی ایک مسلمان عورت کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا اور اس اندیشے سے کہ کہیں اس واقعے کی شہرت نہ ہو جائے ، اس نے اس کے ماں باپ کو قتل کر کے اپنے گھر میں دفن کر دیا تھا . میں نے حکم دیا کہ اس واقعے کی تحقیقات اور اس کے اعمال و افعال کی جانچ پڑتال ہونے تک اس کو قید میں رکھا جائے . واقعات کی تحقیق کے بعد میں

نے حکم دیا کہ اس کی زبان کاٹ کر اس کو دائمی قید کی سزا دی جائے اور اس کو شاہی کتوں کے رکھوالوں اور بھنگیوں کے ساتھ کھانا دیا جایا کرے ۔

بدھ کے دن سرخاب میں پڑاؤ ڈالا ۔ وہاں سے روانہ ہوکر چگدلک میں آترا ۔ اس مقام پر بلّوت کی لکڑی ، جو جلانے کی بہترین لکڑی ہوتی ہے ، بہت دیکھنے میں آئی ۔ اگرچہ اس منزل کی زمین میں نشیب و فراز نہیں لیکن تمام زمین پتھریلی تھی ۔

جمعہ کے دن ۱۲ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو آب باریک میں اور ۱۳ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو پورت بادشاہ کے مقام پر قیام ہوا ۔

کابل میں ورود :

اتوار کے دن ۱۴ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں خورد سے ہوتا ہوا کابل پہنچا ۔ اس منزل میں میں نے کابل کی صدارت اور قضائت کا عہدہ ملّا صادق کے بیٹے قاضی عارف کے سپرد کر دیا ۔ یہاں میرے لیے موضع گل بہار سے شاہ آلو لائے گئے ۔ یہ تقریباً سو دانے تھے ، میں نے بڑی رغبت سے کھائے ۔

جگری گاؤں کے رئیس دولت نامی نے چند ایسے نادر پھول پیش کیے ، جو میں نے اپنی ساری عمر میں اب تک نہیں دیکھے تھے ۔

ایک عجیب جانور کی تصویر بنوانا :

چکری سے روانہ ہو کر میں نے گرامی میں نزول کیا ۔ یہاں میں نے موش پران کی صورت میں ایک ابلق جانور کو دیکھا ، جسے ہندی زبان میں گلہری کہتے ہیں ۔ مجھے بتایا گیا کہ جس گھر میں یہ جانور ہوتا ہے ، اس کے اردگرد چوہا نہیں پھٹکتا ، اس لیے اس جانور کو میرموشان (چوہوں کا سردار) کہا جاتا ہے ۔

چوں کہ میں نے اس قسم کا جانور آج تک نہ دیکھا تھا ، اس لیے میں نے مصوّروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی تصویر بنائیں ۔ یہ جانور نیولے سے بڑا ہے اور اس کی صورت بلّی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے ۔

میں نے احمد بیگ کو بنگش پٹھانوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا اور عبدالرزاق معموری کو ، جو اس وقت اٹک میں تھا ، حکم دیا کہ دو لاکھ روپے

راجا بکرماجیت کے بیٹے موہن داس کی تحویل میں روانہ کرے ، تا کہ وہ مذکورہ لشکر میں تقسیم کرے . اور ایک ہزار برقنداز [51] اس لشکر کے ساتھ متعین کیے گئے تھے .

عبدالرحمان بن ابوالفضل کو خطاب :

شیخ ابوالفضل کے بیٹے عبدالرحمان کو دو ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کر کے افضل خان کے خطاب سے ممتاز کیا .

عرب خان کو پانچ ہزار روپے مرحمت کیے . اس کے علاوہ بیس ہزار روپے پیش بلاغ کے قلعے کی مرمت کے لیے اُس کی تحویل میں رکھے اور سرکار خانپور کی حکومت دلاور خان کو بطور جاگیر کے عنایت کی .

جمعرات ۱۸ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو پُل مستان سے شہر آرا باغ تک ، جہاں میرا قیام تھا ، سڑک کے دونوں جانب فقیروں اور محتاجوں کے لیے روپیوں ، اٹھنیوں اور چونیوں کی بوچھاڑ کرتا ہوا مذکورہ باغ میں داخل ہوا . اس باغ کی صفائی اور سرسبزی بھلی معلوم ہوتی تھی .

چوں کہ جمعرات کا دن تھا ، اس لیے میں نے اپنے مقربوں اور ہم نشین مصاحبوں کے ساتھ شراب کی محفل جمائی . باغ کے درمیان ایک ندی تھی ، جس کا عرض تقریباً چار گز تھا . محفل میں سرگرمی اور ہنگامہ پیدا کرنے کے لیے میں نے اپنے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ اس ندی پر چھلانگ ماریں ، لیکن ان میں سے اکثر نہ پھاند سکے : بعض ندی کے بیچ میں اور بعض اس کے کنارے کے قریب گر پڑے . گو میں بھی اس ندی کو پھاند گیا لیکن اب میرے پھاندنے میں وہ چستی نہ تھی جو میرے والد کے زمانے میں تھی ، جب کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کے سامنے تیس سال کی عمر میں چھلانگ ماری تھی . اس عمر میں جب کہ میں چالیس سال کو پہنچ چکا ہوں ، اب میں اُس پھرتی اور چستی سے نہیں پھاند سکتا .

اُسی دن میں نے ہفت باغ کی پیدل سیر کی جو کابل کے مشہور باغوں میں سے ہے . مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں اپنی عمر میں کبھی اس سے زیادہ پیدل چلا تھا . پہلے میں نے باغ شہرآرا کی سیر کی ، اُس کے بعد باغ مہتاب اور اُس باغ میں پہنچا جسے میرے باپ کی دادی بگہ بیگم (۲۲) نے تعمیر

کرایا تھا ۔ وہاں سے اورتہ اور اس باغ میں گیا جسے میری حقیقی دادی مریم مکانی نے بنوایا ہے ، اور صورت خانہ باغ میں بھی گیا ، جس میں ایک چنار کا اتنا بڑا درخت ہے کہ اس کے برابر چنار کابل کے دوسرے باغوں میں نہیں ہے اور چار باغ جو شہر کابل کے بڑے باغوں میں سے ہے ، دیکھ کر میں اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا ۔ شاہ آلو درختوں پر اس طرح (خوش نما) دکھائی دیتے ہیں کہ گویا یاقوت کے گول تراشیدہ ٹکڑے درختوں میں لٹک رہے ہیں ۔

باغ شہر آرا کی بانیہ :

باغ شہرآرا کی بنیاد میرزا ابوسعید کی بیٹی شہر بانو بیگم نے رکھی تھی جو حضرت فردوس مکانی (بابر) کی حقیقی پھپھی تھیں ۔ بعد میں اس میں وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے ۔ کابل شہر میں اس لطافت اور خوبی کا کوئی دوسرا باغ نہیں ۔ اس باغ میں قسم قسم کے میوے اور انگور ہیں ، اور اس کی سرسبزی اس حد تک ہے کہ اس کے صحن میں جوتوں کے ساتھ پاؤں رکھنا نفاست طبع اور خوش سلیقگی سے بہت بعید ہے ۔

باغ جہاں آرا کی تعمیر :

اس باغ کے قریب مجھے ایک اچھی زمین نظر آئی ۔ میں نے اس زمین کو اس کے مالکوں سے خرید کر حکم دیا کہ اس نہر کو جو راستے کی طرف بہتی ہے ، اس باغ کے وسط میں لے کر ایسا باغ لگائیں کہ جس کی لطافت اور خوبی کی نظیر تمام عالم میں نہ مل سکے ۔ میں نے اس باغ کا نام جہاں آرا رکھا ۔ جب تک میں کابل میں رہا ، کبھی اپنے مقربوں اور ہم نشینوں کے ساتھ ، کبھی اہل محل (بیگمات) کے ساتھ باغ شہر آرا میں محفلیں جاتا تھا ، اور کبھی راتوں کو کابل کے علما اور طلبا کو طعام بغرا[1] کی دعوتیں دیتا ، جس میں یہ لوگ رقص و سرود کا انتظام کرتے تھے ۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کو خلعتیں دے کر ہزار روپے مرحمت کیے کہ آپس میں بانٹ لیں ۔

۱- بغرا : ایک قسم کا کھانا جو گوشت اور چاول ملا کر بناتے ہیں ۔ اس کا بانی بغرا خاں بادشاہ خوارزم تھا ۔

میں نے بارہ قابل اعتماد درباریوں کو حکم دیا کہ جب تک میں کابل میں ہوں ، ہر جمعرات کو ایک ہزار روپیہ فقرا ، مساکین اور حاجت مندوں میں تقسیم کیا کریں ۔

باغ کے بیچ میں ایک نہر بہتی ہے اور اس کے کنارے پر چنار کے دو درخت ہیں ۔ ان میں سے میں نے ایک کا نام فرح بخش اور دوسرے کا سایہ بخش رکھا ہے ۔ میرے حکم کے مطابق ایک سفید رسل کو جس کا طول [52] ایک گز اور عرض پون گز تھا ، نصب کیا گیا اور میرے نام کے ساتھ صاحب قران کا خطاب نقش کیا گیا ۔ اور دوسری طرف لکھا گیا کہ میں نے کابل سے زکٰوۃ اور دوسرے محاصل بالکل معاف کر دیے ۔ میری اولاد اور جانشینوں میں سے جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا ، وہ خدا کے قہر و غضب میں گرفتار ہوگا ۔ میری تخت نشینی تک یہ محصول برابر چلے آتے تھے ۔ اس طریقے سے ایک بڑی رقم خدا کے بندوں سے لی جاتی تھی ۔ یہ بدعت میری حکومت کے زمانے میں دور ہو گئی ۔ میرے کابل آنے سے (محصولوں میں) تخفیف ، رعایا و برایا کی بہتری اور بھلائی کے بہت سے کام انجام پا گئے اور غزنی اور امن کے نواح کے شرفا اور رؤسا خلعتوں اور نوازشوں سے سرفراز کیے گئے ، اور جو مقاصد اور اغراض ان کے پیش نظر تھے ، ان کا بہتر طریقے پر فیصلہ کیا گیا ۔

تاریخ ورود کابل :

یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ میرے کابل میں داخل ہونے کی تاریخ روز پنجشنبہ اٹھارہ صفر اور انہی الفاظ سے میرے ورود کابل کی تاریخ ہجری نکلتی ہے (۲۳) ۔ میں نے حکم دیا کہ اسے ایک رسل پر کندہ کرکے نصب کر دیں ۔

تخت شاہ اور شراب کا حوض :

کابل کے قریب جنوب میں ایک پہاڑ کے دامن میں ایک تخت ہے جو تخت شاہ کے نام سے مشہور ہے ۔ وہاں ایک سنگ بستہ چبوترہ بنایا گیا ہے جس پر حضرت فردوس مکانی شراب پیتے تھے ۔ اس چبوترے کے ایک طرف پتھر میں ایک گول حوض تراشا گیا ہے جس میں ہندوستانی وزن کے مطابق تقریباً دو من شراب سماتی ہے ، اور چبوترے کی ایک دیوار پر ، جو پہاڑ سے متصل ہے ، یہ عبارت کندہ کی گئی ہے :

"تخت گاہ بادشاہ عالم پناہ ظہیرالدین محمد بابر ابن عمر شیخ گورگان خلد اللہ ملکہ ، فی سنہ ۹۱۴ھ".

تخت گاہ کے متصل جہانگیر کا کتبہ :

میں نے حکم دیا کہ اس چبوترے کے برابر ایک اور تخت تراشیدہ بنایا جائے اور اس کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا خوض اور تراشا جائے جو پہلے حوض کے مماثل ہو. اور اس پر صاحب قران (امیر تیمور) کے ساتھ میرا نام لکھا گیا .

میں جس روز بھی اس تخت پر بیٹھتا ، حکم دیتا کہ دونوں حوض شراب سے بھر دیے جائیں اور جو اہل دربار وہاں آئیں ، انھیں وہ شراب دی جائے .

غزنی کے ایک شاعر نے میرے ورود کابل کی یہ تاریخ اخذ کی تھی :

بادشاہ بلاد ہفت اقلیم

۱۰۱۶ھ

میں نے اسے خلعت اور انعام سے نوازا اور حکم دیا کہ اس مصرعے کو تخت مذکور کے متصل دیوار پر کندہ کیا جائے .

پچاس ہزار روپے پرویز کو دیے اور وزیرالملک کو میں نے بخشی کا عہدہ دیا . اور قلیچ خاں کے نام فرمان بھیجا کہ وہ ایک لاکھ ستر ہزار روپے لاہور کے خزانے سے قندھار کے لشکر کی مدد کے لیے روانہ کرے .

کابل کے خیابان اور بی بی ماہرو کی سیر کرکے میں نے وہاں کے حکام کو حکم دیا کہ ان درختوں کی بجائے ، جنھیں حسین بیگ رو سیاہ نے کاٹ دیا ہے ، دوسرے درخت لگائے جائیں .

میں نے لنگ لورت چالاک کی بھی سیر کی . صفائی کے اعتبار سے اس کی لطافت مجھے بہت بھلی معلوم ہوئی .

چکری کا رئیس ایک رنگ ہرن تیر سے مار کر لایا . اس وقت تک میں نے رنگ ہرن نہیں دیکھا تھا . وہ پہاڑی بکرے کی طرح معلوم ہوتا تھا ؟ ان دونوں میں صرف سینگوں کا فرق ہے . رنگ کے سینگ خم دار اور پہاڑی بکرے کے سینگ سیدھے ہوتے ہیں .

توزک بابری کا مطالعہ :

کابل کے حالات معلوم کرنے کے لیے حضرت فردوس مکانی کے لکھے ہوئے واقعات (توزک بابری) میری نظر سے گزرتے رہتے تھے۔ سوائے چار اجزا کے باقی تمام واقعات آن کے دست مبارک سے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ چار جزو میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔ ان اجزا کے آخر میں میں نے ترکی زبان میں ایک اور عبارت لکھ دی، جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ چار اجزا میرے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میں ہندوستان میں پلا اور بڑا ہوا ہوں، لیکن میں ترکی زبان کے لکھنے اور بولنے سے عاری نہیں ہوں۔

۲۵ ماہ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے شاہی خواتین کے ساتھ سفید سنگ نامی مرغزار کی سیر کی، جو نہایت پاکیزہ اور فرحت بخش مقام ہے۔

بابر کے مزار کی زیارت :

جمعہ کے دن ۲۶ ماہ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے حضرت فردوس مکانی کے مزار (۲۴) کی زیارت کی سعادت حاصل کی [53] اور حکم دیا کہ مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے روپیہ، کھانا، نان و حلوہ زیادہ مقدار میں فقرا میں تقسیم کیا جائے۔

میرزا ہندال کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم (۲۵)، جس نے اب تک اپنے باپ کے مزار کی زیارت نہ کی تھی، اس روز زیارت سے مشرف ہوئی۔

گھوڑ دوڑ :

جمعرات کے دن ۳ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے حکم دیا کہ گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے والے خاصے کے گھوڑے خیابان میں حاضر کیے جائیں۔ امیروں اور شاہزادوں نے گھوڑ دوڑ میں حصہ لیا۔ عربی نسل کا ایک سرخ رنگ (کرنگ) گھوڑا، جو عادل خان والی دکن نے میرے لیے (تحفۃً) بھیجا تھا، سب گھوڑوں سے بہتر دوڑا۔

ہزارہ کے سرداروں کی حاضری :

آن ہی دنوں میرزا سنجر، ہزارہ کا بیٹا اور میرزا ماشی کا بیٹا، جو ہزارہ کے بڑے سرداروں میں تھے، میری خدمت میں حاضر ہوئے۔ موضع میرداد کے

ہزاریوں نے کئی رنگ (اور پہاڑی) بکرے، جو تیر سے مارے تھے، لا کر پیش کیے۔ اتنے بڑے رنگ اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ ان میں سے دس بارہ تو بڑے مار خور بکروں سے بھی زیادہ جسیم تھے۔

حاکم قندھار، شاہ بیگ خان کے پرگنۂ شور میں، جو اس کی جاگیر میں تھا، پہنچنے کی خبر ملی۔ میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ اسے کابل کا حاکم بنا کر میں ہندوستان روانہ ہو جاؤں۔

راجا نرسنگ دیو کی عرضداشت آئی کہ اس نے اپنے بھتیجے کو، جس نے بہت فتنہ پھیلا رکھا تھا، گرفتار کر کے اس کے بہتیرے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اسے قلعۂ گوالیار میں بھجوا دیا جائے تاکہ وہ وہاں مقیّد و محبوس رہے۔

پرگنۂ گجرات، جو ضلع پنجاب میں داخل ہے، شیرخان کو عنایت کیا گیا۔

چین قلیچ ولد قلیچ خان کو میں نے ہشت صدی ذات اور پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

خسرو کو شہر آرا باغ کی سیر کرانا:

۱۲ صفر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے خسرو کو بلوا کر حکم دیا کہ شہر آرا باغ کی سیر کے لیے اس کے پاؤں کی بیڑیاں کھول دی جائیں۔ میری شفقتِ پدری نے گوارا نہ کیا کہ اسے اس باغ کی سیر نہ کرائی جائے۔

احمد بیگ کے تبادلے کی وجہ سے قلعۂ اٹک اور اس کے آس پاس کا علاقہ ظفر خان کو عنایت کیا۔

تاج خان کو، جو بنگش افغانوں کی مدافعت کے لیے متعین کیا گیا تھا، پچاس ہزار روپے عنایت کیے۔

۴ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے علی خان کروڑا کو، جو میرے والد بزرگوار کے قدیم ملازموں میں تھا، اور نقارخانے کی داروغگی اس سے متعلق تھی، نوبت خان کے خطاب سے سرفراز کر کے پانصدی ذات اور دو سو سوار کے منصب سے سربلند کر دیا۔

راجا مان سنگھ کے پوتے مہا سنگھ کو بھی میں نے سرکش بنگشوں کی مدافعت کے لیے متعین کیا اور رام داس کو اس کا اتالیق مقرر کر دیا۔

جمعہ کے دن ۱۸ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میری عمر کا چالیسواں وزن قمری واقع ہوا۔ اس دن دوپہر کے بعد یہ مجلس منعقد ہوئی۔ میں نے اپنے ہم وزن روپؤں میں سے دس ہزار روپے اپنے دس قابل اعتماد ملازموں کو دیے کہ وہ مستحقوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کریں۔

اسی دن حاکم قندھار سردار خاں کی عرضداشت بارہ دن میں ہرات اور غزنی کے راستے میرے ہاں آئی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ عباس کا ایلچی، جو میری خدمت کے لیے روانہ ہوا ہے، ہرات پہنچ گیا ہے۔ شاہ عباس نے اپنے ملازمین سے پوچھا ہے کہ وہ کون اشرار اور مفسد ہیں جنھوں نے قندھار پر حملہ کیا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ حضرت صاحبقرانی امیر تیمور کے گھرانے سے، خصوصاً حضرت جنت آشیانی (ہمایون) اور ان کی عالی مرتبت اولاد سے ہمارا کس درجہ تعلق ہے؟ اگر احیاناً حملہ آور اس ملک پر قبضہ کر چکے ہیں تو برادر عزیز جہانگیر بادشاہ کے لوگوں اور ملازموں کے سپرد کر کے اپنے ٹھکانے پر واپس ہو جائیں۔

میں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ شاہ بیگ کو حکم دوں کہ وہ غزنی کا راستہ اس طرح محفوظ کرے کہ قندھار آنے جانے والے لوگ پورے اطمینان کے ساتھ کابل آ سکیں۔

ان ہی ایام میں میں نے قاضی نورالدین کو سرکار مالوہ اور اجین کی صدارت کے عہدے پر متعین کیا۔

میرزا شادمان ہزارہ کا بیٹا اور قراچہ خاں کا پوتا، جو حضرت جنت آشیانی (ہمایون) کے معتبر اور قابل قدر ملازموں میں تھا، میری خدمت میں حاضر ہوا۔ قراچہ خاں نے اہل ہزارہ کی ایک لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کی تھی؛ [54] یہ لڑکا اسی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

ہفتے کے دن ۱۹ ماہ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو رانا شنکر ولد رانا اودے سنگھ کو میں نے منصب دو ہزار اور پانصدی ذات اور ہزار سوار سے سرفراز کیا، اور منوہر کے لیے ہزاری ذات اور شش صد سوار کے منصب کے لیے حکم دیا۔

شنواری قبیلے کے افغان ایک سینگ والا مینڈھا لے کر آئے، جس کے دونوں سینگ (جڑ کر) ایک ہو گئے تھے اور اس کے سینگ رنگ ہرن کے مشابہ تھے۔

یہی افغان ایک ایسا مارخور (سانپ کھانے والا) بکرا مار کر لائے کہ میں نے اس سے پہلے اس جیسا بکرا نہیں دیکھا تھا ، بلکہ میرے تصور میں بھی کبھی ایسا بکرا نہ آیا تھا . میں نے مصوروں کو حکم دیا کہ اس کی تصویر کھینچیں . ہندوستان کے تول کے مطابق اس کا وزن چار من تھا . اس کے سینگ کی لمبائی گزوں کے حساب سے ڈیڑھ گز تھی .

اتوار کے دن ۲۷ ماہ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو شجاعت خان کو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا گیا اور گوالیار اور اس کے اطراف کا علاقہ اعتبار خان (۲۶) کو جاگیر میں دیا گیا .

قاضی عزت‌اللہ کو اس کے بھائیوں کے ساتھ بنگش افغانوں کی مہم پر متعین کیا گیا .

شیر افگن کے ہاتھوں قطب الدین اور البہ خان کا قتل :

کابل کے قیام کے آخری دنوں میں اسلام خان (۲۷) کی عرضداشت آگرے سے اس خط کے ساتھ ، جو جہانگیر قلی خان نے اسے بہار سے لکھا تھا ، پہنچی ، جس کا مضمون یہ تھا کہ صفر کی ۳ تاریخ کو ایک پہر گزرنے کے بعد بردوان میں ، جو بنگال کے علاقے میں ہے ، علی قلی استاجلو (۲۸) نے قطب الدین کو حملہ کر کے زخمی کر دیا ، جس کی وجہ سے قطب‌الدین رات کے دوپہر گزرنے کے بعد فوت ہو گیا .

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علی قلی مذکور شاہ اسماعیل بادشاہ ایران کا داروغۂ دسترخوان تھا . شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد وہ اپنی فطری شرارت پسندی اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے بھاگ کر قندھار آ گیا ، اور ملتان میں خانخانان (میرزا عبدالرحیم) سے ملا ، جو اس وقت ولایت تلمبہ پر مامور ہو کر (۲۹) جا رہا تھا . اس کے ساتھ یہ بھی ولایت تلمبہ چلا گیا . خانخانان نے اس کو غائبانہ عرش آشیانی کے ملازمین کے زمرے میں شامل کر دیا . اس نے اس سفر میں اپنی استطاعت کے مطابق کئی خدمات انجام دیں اور اپنے مناسب حال منصب پر سرفراز ہوا . ایک مدت تک وہ والد بزرگوار کی ملازمت کرتا رہا . جن دنوں والد بزرگوار دکن کی مہم پر روانہ ہوئے اور مجھے رانا کی مہم پر متعین فرمایا تھا ، وہ میرے پاس آیا اور میرا نوکر ہو گیا . میں نے اس کو شیر افگن کے خطاب سے سرفراز کیا . جس زمانے میں ، میں الہ آباد سے اپنے والد بزرگوار کی

خدمت میں آیا اور والد کی طرف سے مجھ پر خفگی کا اظہار ہوا، تو میرے اکثر ملازم منتشر ہو گئے۔ انھی ایام میں اس (شیر افگن) نے بھی میری ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی، مگر اپنی تخت نشینی کے بعد میں نے از راہ مہربانی اس کی خطائیں نظر انداز کر دیں اور حکم دیا کہ بنگال کا صوبہ اس کی جاگیر میں دیا جائے۔ (چند دن کے بعد) وہاں سے خبر ملی کہ اس قسم کے مفسدوں کو اس ولایت میں متعین کرنا مناسب نہیں۔ میں نے قطب الدین خاں کو حکم دیا کہ اسے میرے پاس بھیج دے، اگر وہ مزاحمت کا فاسد ارادہ کرے تو اسے سزا دے۔ خان مذکور (قطب الدین خان) اس کو خوب پہچانتا تھا۔ اس حکم کے پہنچتے ہی وہ چند آدمیوں کے ساتھ، جو اس وقت وہاں موجود تھے، بردوان کی طرف، جو علی قلی استاجلو کی جاگیر میں تھا، فوراً چل کھڑا ہوا۔ علی قلی کو قطب الدین خان کے روانہ ہونے کی خبر ہوگئی تھی، اس لیے وہ تنہا اپنے دو چوب داروں کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے آیا۔ جب وہ خانِ مذکور (قطب الدین خان) کے لشکر میں آیا، تو اس کے آدمیوں نے اسے گھیر لیا۔ قطب الدین خان کی اس روش سے اس کو بہت بدگمانی ہوئی اور از روئے فریب کہنے لگا کہ تمھاری روش میں یہ تغیر کیوں ہوا ہے؟ خان مذکور (قطب الدین خان) نے اپنے لوگوں کو منع کیا اور تنہا اس کے ساتھ ہو لیا، تاکہ اس کو (شاہی) حکم کے مضمون سے واقف کرائے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر اس (علی قلی استاجلو) نے فوراً تلوار کھینچی اور اس کو دو تین کاری زخم لگا دیے۔ انبہ خان کشمیری، جو کشمیر کے حاکم زادوں میں سے ہے، اور قطب الدین خان سے اس کو خاص تعلق تھا، نمک حلالی اور جواں مردی کے تقاضے سے فوراً موقع پر پہنچ گیا اور علی قلی کے سر پر ایک کاری ضرب لگائی۔ اس متفتنی نے بھی پلٹ کر انبہ خان کے سر پر تلوار رسید کی۔ قطب الدین خان کی یہ حالت دیکھ کر اور لوگ بے شمار تعداد میں جمع ہو گئے [55] اور علی قلی استاجلو کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے جہنم کو پہنچا دیا۔ امید ہے کہ جہنم ہی اس بدبخت اور روسیاہ کا دائمی ٹھکانا ہوگا۔ انبہ خان نے اسی جگہ شہادت پائی اور قطب الدین خان چار پہر گزرنے کے بعد اپنے گھر میں رحمتِ خداوندی سے جا ملا۔ کیا لکھوں کہ اس دل خراش خبر سے مجھے کس قدر دکھ پہنچا ہے۔ قطب الدین خان کو کہ میرے لیے بہ یک وقت ایک عزیز بیٹے، مہربان بھائی اور مخلص دوست کے برابر تھا۔ تقدیر الٰہی کو کوئی

کیا کر سکتا ہے ، قضاے الٰہی پر سر جھکا کر صبر کو میں نے اپنا مسلک بنا لیا ہے ۔ حضرت عرش آشیانی کی وفات کے بعد دو واقعات ، یعنی والدۂ قطب الدین خان کوکہ کی وفات اور خود قطب الدین خان کوکہ کی شہادت سے مجھے جو صدمہ پہنچا ہے ، وہ کسی اور واقعے سے نہیں پہنچا ۔

خرّم کی نئے گھر میں آمد :

جمعہ کے دن ۹ ربیع الآخر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں خرّم (شاهجهان) کے نئے گھر میں گیا جو اس نے اورتہ باغ میں بنوایا تھا ۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ نہایت اچھی اور موزوں عمارت ہے ۔ اگرچہ میرے والد کا طریقہ یہ تھا کہ سال میں دو مرتبہ سال شمسی اور سال قمری کے شروع میں اپنا وزن کراتے اور شاہزادوں کا وزن سال شمسی کے شروع میں کراتے تھے ، (یہ سال خرم کا سولھواں قمری سال تھا ۔ جوتشیوں اور نجومیوں نے عرض کیا کہ اس کا طالع اس سال بھاری ہے اور اس کا مزاج بھی ناساز ہو گیا تھا) میرے حکم سے خرّم کو سونے ، چاندی اور دوسری دھاتوں سے مقررہ رسم کے مطابق تولا گیا اور وزن کے بعد سونا چاندی وغیرہ فقرا اور حاجت مندوں میں تقسیم کیے گئے ۔

وہ تمام دن بابا (خرّم) کے گھر میں ھنسی خوشی گزرا اور اس کے اکثر پیش کردہ تحفے پسند آئے ۔

چوں کہ میں کابل کے بہترین مقامات کی سیر کر چکا تھا اور وہاں کے اکثر میووں سے لطف اندوز ہو چکا تھا ، اور اس خیال سے کہ دارالسلطنت سے زیادہ دن تک دور رہنا خلاف مصلحت ہے ، میں نے اتوار کے دن ۴ ماہ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو حکم دیا کہ پیش خیمہ ہندوستان کی طرف روانہ کیا جائے ۔ اس کے چند روز کے بعد میں خود بھی شہر سے روانہ ہوا اور سفید سنگ مرغزار میں قیام کیا ۔ اگرچہ انگور ابھی تک پوری طرح پکے نہ تھے ، لیکن اس سے پہلے کابل کے انگور کئی بار کھا چکا تھا ، یہاں کے انگور کی کئی اچھی قسمیں ہیں ، خصوصاً صاحبی اور کشمشی ۔

کابل کے میوے :

شاہ آلو بھی ذائقہ دار اور خوش مزہ میوہ ہے۔ دوسرے میووں کی بہ نسبت یہ میوہ زیادہ کھایا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کے ایک دن میں ایک سو پچاس دانے کھائے ہیں۔ میرا مقصد شاہ آلو سے کیلاس ہے۔ یہ ولایت (ماوراء النہر) کے اکثر حصوں میں پیدا ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ نام کیلاس کے نام کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے، جو ایک قسم کی چھپکلی ہوتی ہے، اس لیے میرے والد بزرگوار نے اس پھل کا نام شاہ آلو رکھا تھا۔

پیوندی خوبانی بھی یہاں خوب اور بہتات سے ہوتی ہے۔ شہر آرا باغ میں ایک نہایت اچھا درخت ہے جسے میرے چچا میرزا محمد حکیم نے لگایا تھا، جو میرزائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس درخت کی خوبانیوں سے دوسرے درختوں کی خوبانیاں کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔

یہاں کے آڑو بھی نفیس اور بڑے ہوتے ہیں۔ استالف سے بھی میرے لیے آڑو لائے گئے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک دانے کو اپنے سامنے وزن کرایا، پچیس روپے کے برابر وزن ہوا، جو اڑسٹھ مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ اگرچہ کابل کے تمام میوے بہت ذائقہ دار ہوتے ہیں لیکن میرے نزدیک لذت میں کوئی میوہ آم کے برابر نہیں ہوتا۔

سہاین کا پرگنہ مہابت خان (۳۰) کو جاگیر میں عطا کیا گیا۔ احدیوں کا بخشی عبدالرحیم ہفت صدی ذات اور دو بست سوار کے منصب سے سرفراز ہوا۔ اور مبارک خان سروالی سرکار حصار کی فوج داری پر مامور ہوا۔ اور میں نے حکم دیا کہ میرزا فریدون برلاس (۳۱) کو صوبۂ الہ آباد میں جاگیر دی جائے۔

۱۴ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو آصف خان کا بھائی ارادت خان ہزاری ذات اور پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا گیا۔ خلعت خاص اور گھوڑا [56] عنایت کر کے اسے صوبۂ پٹنہ اور حاجی پور کی بخشی گری مرحمت کی گئی۔ چوں کہ وہ میرا قوربیگی (داروغۂ اسلحہ خانہ) بھی تھا، میں نے اس کے ہاتھ ایک جڑاؤ تلوار فرزند اسلام خان صوبہ دار صوبۂ مذکورہ کے لیے بھجوا دی۔

دوران سفر کے عجیب و غریب واقعات :

جس وقت میں یہ سفر کر رہا تھا ، میں نے علی مسجد کے نواح میں ایک گھر کے قریب ایک مکڑی دیکھی جو اتنی بڑی تھی کہ جسامت میں کیکڑے کے برابر تھی ، اور ایک سانپ کا گلا گھونٹ رہی تھی ، جو لمبائی میں ڈیڑھ گز ہوگا ، اور جسے اس نے ادھ موا کر دیا تھا . میں اس کا تماشا دیکھنے کے لیے کچھ دیر ٹھہر گیا ، ایک لمحے کے بعد سانپ مر گیا .

کابل کے قیام میں ، میں نے سنا تھا کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ایک شخص خواجہ یاقوت نامی نے وفات پائی تھی ، جو ضحاک اور بامیان پہاڑوں کے نواح میں ایک غار میں دفن ہے ، جس کا جسم ابھی تک گلا نہیں ہے . مجھے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی . میں نے ایک واقعہ نویس کو ایک جرّاح کے ساتھ اس غار کی طرف روانہ کیا کہ وہ اس غار میں جا کر صحیح صورت حال معلوم کر کے لائے . انھوں نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ اس کے جسم کا وہ نصف حصہ جو زمین سے ملا ہوا ہے ، اکثر پارہ پارہ ہو چکا ہے ، اور جسم کا وہ نصف حصہ جو زمین سے ملا ہوا نہیں ہے ، وہ اپنی اصلی حالت میں ہے . ہاتھ پاؤں کے ناخن اور سر کے بال جوں کے توں ہیں اور ناک کے ایک طرف ڈاڑھی اور مونچھ کے بال جھڑ گئے ہیں . اس غار کے دروازے پر جو تاریخ درج ہے ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کی وفات سلطان محمود کے زمانے سے پہلے ہوئی ہے ، لیکن کسی کو اس شخص کے صحیح حالات معلوم نہیں .

جمعرات کے دن ۱۵ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو ارسلان بے حاکم قلعۂ کاھمرد نے ، جو ولی محمد خاں والی توران کے درمیانی ملازموں میں تھا ، آ کر شرف حضوری حاصل کیا .

یہ بات اکثر سماعت میں آئی کہ میرزا محمد حسین ولد شاہ رخ میرزا کو اوزبکوں نے مار ڈالا ہے . ان ہی ایام میں ایک شخص نے اس کے نام سے ایک عرضداشت پیش کی اور ایک لعل پیازی رنگ کا ، جس کی قیمت سو روپے ہوگی ، بطور نذرانہ پیش کیا . اس عرضداشت میں استدعا کی گئی تھی کہ اس کی مدد کے لیے ایک فوج متعین کی جائے تاکہ وہ بدخشاں کو اوزبکوں کے قبضے سے نکال لے . میں نے اس کے لیے ایک جڑاؤ کمر خنجر بھیجا اور ساتھ ہی ایک

فرمان لکھا کہ ہم اپنے لشکر کے ساتھ اِن حدود (کابل) میں مقیم ہیں ، اگر واقعۃً میرزا حسین ولد شاہ رخ میرزا تو ہی ہے ، تو بہتر یہ ہے کہ تو ہماری خدمت میں حاضر ہوجا ، تاکہ تیری خواہش اور مدعا کی تکمیل کے لیے ہم تجھے بدخشاں کی طرف روانہ کریں ۔

اس لشکر کے خرچ کے لیے جو سہا سنگھ اور رام داس (۳۲) کی سرکردگی میں سرکش بنگش افغانوں کے مقابلے کے لیے متعین کیا گیا تھا ، دو لاکھ روپے ارسال کیے گئے ۔

کابل کے بالاحصار میں نئی عمارت کی تعمیر :

جمعرات کے دن ۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں بالاحصار گیا ۔ وہاں کی عمارتوں کو دیکھا لیکن کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو میری رہائش کے قابل ہو ۔ میں نے حکم دیا کہ اِن عمارتوں کو توڑ کر عالی شان محل اور دیوان خانہ بنایا جائے ۔

اسی دن استالف سے ایک آڑو لایا گیا جو عام آڑوؤں سے تین گنا بڑا تھا ، اتنا بڑا آڑو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا وزن کرایا جائے ، جب اس کا وزن کیا گیا تو ترسیٹھ اکبری روپے ، یعنی تقریباً ساٹھ تولے کے برابر تھا ۔ میں نے جب اسے آدھا کیا تو ساتھ ہی اس کے اندر کا دانہ بھی دو ٹکڑے ہوگیا ۔ اس کا گودا نہایت میٹھا تھا ، کابل کے پھلوں میں میں نے اس سے بہتر پھل نہیں کھایا ۔

میرزا شاہ رخ کی وفات :

۲۵ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو مالوے سے خبر آئی کہ میرزا شاہ رخ اس عالم فانی سے کوچ کر گیا ۔ اللہ تعالیٰ اسے غریق رحمت کرے ۔ اس دن سے لے کر ، جب کہ وہ میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ، اس کی وفات تک اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوئی جو شاہی ناراضی کا باعث ہو ۔ ہمیشہ مخلصانہ خدمت کرتا رہا ۔ میرزا شاہ رخ کے بظاہر چار بیٹے تھے ، حسن اور حسین ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ۔

حسین ، برہانپور سے بھاگ کر دریائی راستے سے عراق چلا گیا اور وہاں سے بدخشاں پہنچ گیا ۔ کہتے ہیں کہ ابھی وہ بہ قید حیات ہے [57] ۔ چناں چہ اس سے پہلے اس کا کچھ حال اور اس کے ایلچی کے پہنچنے کا واقعہ لکھا جا چکا ہے ۔ لیکن کوئی بھی یقینی طور پر نہیں جانتا کہ یہ وہی میرزا حسین ہے یا بدخشانیوں نے حسب عادت دوسرے جعلی میرزاؤں کی طرح کوئی اور میرزا کھڑا کر دیا ہے ، اور اس کا نام حسین رکھ لیا ہے ۔ کیوں کہ اس دن سے لے کر جب کہ میرزا شاہ رخ نے بدخشاں سے آ کر میرے والد کی ملازمت اختیار کر لی تھی ، آج تک جو تقریباً پچیس سال کا عرصہ ہوتا ہے ، کئی مرتبہ بدخشانیوں نے ایسا کیا ہے ۔ چوں کہ اوزبک ان پر ظلم و زبردستی کرتے رہتے تھے اس لیے بدخشانیوں نے کئی نوجوانوں کے متعلق جن کا چہرہ اچھا تھا اور ان سے نجابت و شرافت کے آثار ظاہر ہوتے تھے ، یہ مشہور کر دیا کہ یہ میرزا شاہ رخ کا بیٹا اور میرزا سلیمان کی اولاد میں ہے ۔ اس طرح یہ لوگ منتشر قبائل اور پہاڑی بدخشانیوں کو ، جنھیں غرچہ کہتے ہیں ، اس کے گرد جمع کر کے اور اوزبکوں کے ساتھ جنگ و جدل کر کے بدخشاں کے بعض حصوں کو اوزبکوں سے چھڑا لیتے تھے ۔ پھر اوزبک ہجوم کر کے ان جعلی میرزاؤں کو قید کر لیتے اور ان کے سر کاٹ کر مارے ملک بدخشاں میں گھماتے تھے ۔ اور اس کے بعد پھر فتنہ انگیز بدخشانی جلد ہی کوشش کر کے دوسرے جعلی میرزا کو بہم پہنچاتے ۔ اس طرح اب تک کئی میرزا مارے جا چکے ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ جب تک بدخشانیوں میں دم خم باقی ہے ، یہ ہنگامہ یوں ہی ہمیشہ گرم رہے گا ۔

میرزا شاہ رخ کا تیسرا بیٹا میرزا سلطان (۳۳) ہے ، جو صورت اور سیرت میں میرزا کی تمام اولاد سے ممتاز ہے ۔ میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کر کے اس کو اپنی خدمت میں لے لیا تھا ، اور اس کی پرورش و تربیت کی تھی ۔ اس کو میں منجملہ اپنے بیٹوں کے سمجھتا ہوں ۔ اپنے وضع و اطوار میں اس کو اپنے بھائیوں سے کوئی نسبت نہیں ہے ۔ میں نے اس کو تخت نشینی کے بعد دو ہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کر کے صوبۂ مالوہ پر مامور کر دیا ہے جو اس کے والد کا عہدہ ہے ۔

میرزا شاہ رخ کے چوتھے بیٹے کا نام بدیع الزماں (۳۴) ہے ، جسے وہ (میرزا شاہ رخ) ہمیشہ اپنی خدمت میں رکھتا تھا ۔ اس کو میں نے ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

ھانکے کا شکار :

میں جب سے کابل آیا تھا ، مجھے قمرغہ (ھانکے کے) شکار کا موقع نہیں ملا تھا ۔ اب جب کہ ھندوستان جانے کا وقت قریب آرھا تھا اور سرخہ ہرن کے شکار کھیلنے کا شوق مجھ پر غالب تھا ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ کوہ قرق میں ، جو کابل سے سات کوس کے فاصلے پر ھے ، فوری گھیرا ڈالیں ۔

منگل کے دن ۴ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں شکار کے لیے روانہ ھوا ۔ تقریباً سو ہرن گھیرے میں آئے ، جن میں سے نصف شکار ھوئے ۔ شکار میں اچھی خاصی سرگرمی رھی ۔ گھیرے کے شکار میں جو لوگ رعایا میں سے حاضر تھے ، انھیں میں نے پانچ ھزار روپے بطور انعام دیے ۔

اسی روز شیخ عبدالرحمن ولد شیخ ابوالفضل کے منصب میں پانصد سوار کا اضافہ کر کے دو ھزاری ذات و سوار کے منصب پر ترقی دی ۔

جمعرات کے دن ۶ ماہ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں حضرت فردوس مکانی (بابر) کی تخت گاہ کو گیا ۔ چوں کہ اگلے دن مجھے کابل سے ھندوستان روانہ ھونا تھا ، اس لیے میں نے اس خیال سے کہ عید کے عرفے کا دن ھے ، شراب کی محفل جمانے کا حکم دیا ، اور ھدایت کی کہ اس چھوٹے حوض کو ، جسے پتھر کے چبوترے میں تراشا گیا تھا ، شراب سے بھروایا جائے ۔ تمام مقربانِ خاص اور حاضرین مجلس کو پیالے دیے گئے ۔ ایسی مسرت اور کامرانی کے دن بہت کم نصیب ھوتے ھیں ۔

کابل سے واپسی :

جمعہ ۷ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو ایک پہر گزرنے کے بعد خوشی خرمی کے ساتھ میں شہر (کابل) سے روانہ ھو کر مرغزار سفید سنگ محل میں اترا ۔ شہر آرا باغ سے مرغزار مذکور تک دونوں ھاتھوں سے ''زردوب'' اور ''چرن'' کی ، جو اٹھنی اور چونی کے برابر ھوتے ھیں ، فقرا اور مساکین پر بوچھاڑ کر دی ۔

اس روز جب میں کابل سے روانہ ھونے کے لیے ھاتھی پر سوار ھو رھا تھا ، مجھے امیرالامرا (شریف خاں) اور شاہ بیگ خاں کی صحت یابی کی خبر ملی ۔ ان دونوں نیک منش[58] ملازمین کی صحت یابی کی خبر مجھے فال نیک معلوم ھوئی ،

سنگل کے دن ۱۱ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو مرغزار سفید سنگ سے ایک کوس کوچ کر کے میں نے گرامی میں منزل کی . تاش بیگ خاں کو میں نے کابل میں چھوڑا تھا تاکہ وہ شاہ بیگ خاں کے وہاں آنے تک کابل اور اس کے گرد و نواح کی خاطر خواہ دیکھ بھال کرے .

سنگل کے دن ۱۸ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو تہاک کی منزل سے روانہ ہو کر دوآبہ کے راستے سے ڈھائی کوس سفر طے کر کے اس چشمے پر آترا جس کے کنارے چنار کے چار درخت ہیں . کسی نے آج تک اس مقام کو باقاعدہ منزل گاہ بنانے کی کوشش نہیں کی . اس جگہ کی موزونیت اور صلاحیت سے لوگ واقف نہیں تھے . یہ نہایت ہی پُر کیف اور پُر فضا مقام ہے اور اس قابل ہے کہ یہاں عمارتیں اور منزلیں بنائی جائیں .

یہاں میں نے پھر ایک مرتبہ قمرغہ (ھانکے کا) شکار کھیلا . تقریباً ایک سو بارہ ہرن وغیرہ ، جن میں چوبیس رنگ ہرن ، پچاس سرخہ ہرن اور سولہ پہاڑی بکرے شامل تھے ، شکار ہوئے . میں نے آج تک رنگ ہرن نہیں دیکھے تھے . بلاشبہ یہ ایک عجیب خوبصورت جانور ہے . اگرچہ ہندوستان کے کالے ہرن بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس رنگ ہرن کی وضع قطع کچھ اور ہی ہے . میرے حکم سے رنگ ہرن اور پہاڑی بکرے کا وزن کیا گیا ؛ پہاڑی بکرے کا وزن ایک من تینتیس سیر نکلا اور رنگ ہرن کا وزن دو من دس سیر ہوا . یہ اس بھاری پن کے باوجود اس قدر تیز دوڑتا تھا کہ دس بارہ تیز رفتار شکاری کتّے بڑی تگ و دو کے بعد اس وقت پکڑ سکے جب کہ وہ تھک کر بالکل چور چور ہوگئے تھے . بکری اور جنگلی بکروں کا گوشت مزے میں رنگ ہرن کے گوشت کو نہیں پہنچتا . اسی موضع میں میں نے کانگ کا بھی شکار کیا .

خسرو کا دوسری مرتبہ بغاوت کا ارادہ :

اگرچہ خسرو سے بار بار ناشائستہ افعال سرزد ہوئے تھے اور وہ ہزار گونہ سزا کے لائق تھا ، مگر محبت پدری نے گوارا نہ کیا کہ میں اس کی جان لے لوں . باوجود اس کے کہ قانون ملک اور آئین جہاں داری کی رو سے ان واقعات میں رعایت کرنا قطعاً نامناسب ہے ، تاہم میں نے اس کی خطاؤں سے چشم پوشی کر کے اس کو نہایت آرام اور سکون کے ساتھ نگرانی میں رکھا تھا . لیکن مجھے معلوم

ہوا کہ وہ بعض اوباشوں اور ناعاقبت اندیشوں کے پاس قاصد بھیج کر انہیں فساد پھیلانے اور میرے قتل کے لیے ابھارتا ہے ، اور اپنے مستقبل کے وعدوں سے انہیں انعام و اکرام کا امیدوار بناتا ہے ۔ چناں چہ چند بدبختوں اور احمقوں کی ایک جماعت نے آپس میں ایکا کیا کہ کابل اور اس کے نواح میں شکار کے موقع پر مجھے قتل کر دیں ۔ لیکن چوں کہ اللہ کا کرم اور اس کی حفاظت طبقۂ سلاطین کے شامل حال ہے ، وہ اپنے مطلب میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

خسرو کے ہم‌نواؤں کو سزائیں :

ایک دن جب کہ سرخاب محل میں میرا قیام تھا ، ان سر پھروں میں سے ایک شخص میرے فرزند خرم (شاہجہان) کے دیوان خواجہ ویسی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ خسرو کے بہکانے سے پانسو آدمی فتح اللہ ولد حکیم ابوالفتح (۳۵) ، نورالدین (۳۶) ولد غیاث‌الدین علی آصف خان (۳۷) اور شریف (۳۸) پسر اعتمادالدولہ کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں اور موقع کی تلاش میں ہیں کہ کسی وقت بادشاہ کو قتل کر دیں ۔ خواجہ ویسی نے یہ بات خرم (شاہجہان) سے کہہ دی اور خرم (شاہجہان) نے گھبرا کر فوراً ہی مجھے اس کی اطلاع کر دی ۔ میں نے خرم (شاہجہان) کو دعائے کامرانی دی اور اس فکر میں پڑ گیا کہ ان سب ناعاقبت اندیشوں کو قید کر کے طرح طرح کی سزائیں دوں اور قتل کراؤں ۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں اس وقت سفر میں ہوں ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی گرفتاری اور پکڑ دھکڑ لشکر میں شورش اور برہمی کا باعث ہو جائے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس فتنہ و فساد کے سرغنوں کو صرف پکڑ لیا جائے ۔ جب وہ گرفتار ہو گئے تو میں نے فتح اللہ کو مقید و محبوس کر کے اسے اپنے قابل اعتماد ملازموں کے سپرد کر دیا ، اور دوسرے دو بد نہادوں (نورالدین اور شریف) کو ان تین چار فتنہ پردازوں کے ساتھ ، جو ان اشرار کے سرغنے تھے ، قتل کی سزا دی ۔ میں نے قاسم علی کو جو حضرت عرش آشیانی کے ملازموں میں تھا ، تخت نشین ہونے کے بعد دیانت خاں کے خطاب سے سرفراز کیا تھا ۔ وہ ہمیشہ فتح اللہ کو سلطنت کا بدخواہ [59] بتاتا تھا اور اس کے بارے میں مختلف باتیں کہتا رہتا تھا ۔ ایک روز قاسم علی نے فتح اللہ سے کہا کہ جس زمانے میں خسرو بھاگا ہوا تھا ، اور جہانگیر بادشاہ اس کا تعاقب کر رہے تھے ، تو تو نے مجھ سے کہا تھا کہ خسرو کو پنجاب دے دیا جائے اور اس طرح

اس جھگڑے کو ختم کر دیا جائے ۔ فتح اللہ نے اس بات کے ماننے سے انکار کیا ۔ دونوں نے قسم کھا کر آپس میں مباہلہ کیا ۔ اس واقعے کو دس پندرہ روز بھی نہ گزرے تھے کہ وہ (فتح اللہ) بد سرشت منافق پکڑا گیا اور جھوٹی قسم کھانے کے وبال میں گرفتار ہو گیا ۔

حکیم جلال الدین مظفر اردستانی کی وفات :

منگل کے دن ۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو حکیم جلال الدین مظفر اردستانی (۳۰۹) کی وفات کی خبر پہنچی ۔ اطبّا کے قدیم خاندان سے اس کا تعلق تھا اور اس کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ اس کا سلسلۂ نسب حکیم جالینوس تک پہنچتا ہے ۔ بہرحال وہ ایک بے نظیر معالج تھا اور اس کا تجربہ کتابی علم سے کہیں زیادہ تھا ۔ اس کی طبیعت اور قیافہ بھی بہت اچھے واقع ہوئے تھے ۔ اس زمانے میں جب کہ اس کی طبیعت میں چُھل تھا ، شاہ طہماسپ کے دربار میں پہنچ گیا ۔ شاہ طہماسپ نے اسے دیکھ کر یہ مصرع پڑھا تھا :

خوش طبیبے است بیا تا ہمہ بیمار شویم

اگرچہ حکیم یاد علی ، جو اس کا معاصر تھا ، اپنے علم و فضل میں اس سے کچھ زیادہ ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک معالجہ ، شفا ، صحت ، مشورہ اور پاکیزہ اخلاق و عادات کا تعلق ہے ، وہ حکیم یاد علی سے کہیں بڑھا ہوا تھا ۔ چنانچہ ان خصوصیات میں دنیا بھر کے تمام اطبّا کو اس سے کوئی نسبت نہ تھی ۔ طبابت کے علاوہ اس میں بہتیری خوبیاں بھی تھیں ؛ وہ مجھ سے بہت خلوص رکھتا تھا ۔ اس نے لاہور میں گھر بنا لیا تھا جو نہایت ہی صاف ستھرا تھا ۔ اس نے کئی مرتبہ مجھ سے التجا کی تھی کہ میں اس کے گھر جا کر اس کی عزت افزائی کروں ۔ چوں کہ مجھے اس کی خاطرداری کا بہت خیال تھا اس لیے میں نے اس کی یہ بات منظور کرلی ۔ مصاحبت اور طبابت کے علاوہ حکیم مذکور میں دنیاوی معاملات کو سرانجام دینے کی اچھی خاصی صلاحیت تھی ۔ چناں چہ میں نے الہ آباد میں ایک عرصے تک اس کو اپنے خالصہ کا دیوان بنایا تھا ۔ اپنی انتہائی دیانت کی وجہ سے حکومت کے معاملات میں وہ بہت سختی سے گرفت کرتا تھا ۔ چنانچہ اس طریقۂ کار سے لوگ اس سے خوش نہیں تھے ۔ تقریباً بیس سال تک وہ سِل کے مرض میں مبتلا رہا ، تاہم اپنی حکمت کے زور سے اس نے اپنے آپ

کو سنبھالے رکھا ۔ گفتگو کے دوران میں اکثر اس کو اس قدر شدت سے کھانسی ہوتی تھی کہ اس کی آنکھیں اور رخسارے سرخ ہو جاتے تھے ، یہاں تک کہ اس کا رنگ نیلا پڑ گیا ۔ میں نے بارہا اس سے کہا کہ : تم خود ایک ماہر طبیب ہو ، تم اپنا علاج کیوں نہیں کرتے ؟ اس نے جواب میں ہمیشہ یہی بتایا کہ : پھیپھڑوں کا زخم اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کا علاج کیا جا سکے ۔ اسی بیماری کے دوران میں اس کے ایک قریبی ملازم نے ایک دوا میں ، جس کے وہ روز کھانے کا عادی تھا ، زہر ملا کر اس کو کھلا دیا ۔ جب اس پر اس زہر کا اثر ظاہر ہونے لگا تو وہ فوراً اس کا علاج کرنے لگا ۔ یہ حکیم فصد کے بہت خلاف تھا ، خواہ فصد کرنا کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو ۔ ایک رات وہ اپنے گھر گیا ۔ وہاں اس پر کھانسی کا سخت غلبہ ہوا اور اس کے پھیپھڑوں کا زخم کھل گیا ۔ اس کے منہ اور دماغ سے اس قدر خون بہا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔ گرتے وقت اس نے ایک خوف ناک چیخ ماری جس کی آواز سن کر اس کا آفتابچی گھر کے اندر دوڑا آیا اور اسے خون میں لتھڑا ہوا دیکھ کر فریاد کرنے لگا کہ کسی نے حکیم کو مار ڈالا ھے ۔ لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے جسم پر کسی زخم کے آثار ظاہر نہیں ہیں بلکہ وہی پھیپھڑے کا زخم ھے جو پھٹ گیا ھے ۔ لاھور کے حاکم قلیچ خان کو اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے اس واقعے کی پوری پوری تحقیق کی اور اس کے بعد اس کو سپردِ خاک کر دیا گیا ۔ حکیم نے اپنے پیچھے کوئی قابل اولاد نہیں چھوڑی ۔

۲۴ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو میں نے باغ وفا اور نیملہ کے درمیان میں شکار کھیلا اور تقریباً چالیس سرخہ ہرن شکار ہوئے ۔ اس شکار گاہ میں ایک چیتے کی مادہ ہاتھ آئی ۔ وہاں کے یغانی اور شاتسی ذات کے افغان [60] میرے پاس آئے اور کہا کہ : اس ایک سو بیس سال کے عرصے میں نہ ہمیں یاد ھے ، نہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ اس سر زمین میں کوئی چیتا نظر آیا ہو ۔

۲ جمادی الآخر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) کو باغ وفا میں قیام ہوا اور میرے سال وزن شمسی کی محفل منعقد ہوئی ۔

اسی دن ارسلان بے نامی اوزبک نے ، جو عبدالمومن خان (۳۰) کے امرا اور سرداروں میں تھا ، اور اس نواح میں قلعۂ کامرد کا قلعہ دار تھا ، قلعے سے آ کر میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی ۔ چوں کہ وہ خلوص اور صداقت

کے ساتھ آیا تھا اس لیے میں نے اس کو خلعت خاص سے سرفراز کیا ۔ یہ سادہ اور کارآمد اوزبک ہے ۔ ترقی اور تربیت کے قابل ہے ۔

۴ جمادی الآخر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے حکم دیا کہ عزت خان جلال آباد کا حاکم اورنہ کی شکار گاہ کو گھیرا ڈال کر شکار کا بندوبست کرے ۔ تقریباً تین سو جانور شکار ہوئے ۔ پینتیس پہاڑی مینڈھے ، پچیس پہاڑی بھیڑیں ، نوے دار علی (بکرے) ، پچپن بو علی (بکرے) اور پچانوے سفیدے ۔ چوں کہ میں دوپہر کے وقت شکار گاہ میں پہنچا تھا اور ہوا بہت گرم تھی اس لیے لُو کی وجہ سے بہت سے شکاری کتّے ضائع ہو گئے ۔ شکاری کتّوں کے دوڑانے کا وقت صبح یا شام ہوتا ہے ۔

ہفتے کے دن ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں سرائے اکوڑہ میں اُترا ۔ اس منزل میں شاہ بیگ خان ایک بڑی جمعیّت کے ساتھ حاضر خدمت ہوا ۔ یہ میرے والد بزرگوار حضرت عرش آشیانی کا تربیت یافتہ ہے اور خود بہت بہادر اور دلیر انسان واقع ہوا ہے ۔ چنانچہ میرے والد کے عہد حکومت میں اس نے کئی مرتبہ تلوار کے نمایاں جوہر دکھائے تھے اور میرے عہد حکومت میں ایرانی شاہی فوج کے مقابلے میں قلعۂ قندھار کی خوب حفاظت کی تھی ۔ یہ قلعہ ایک سال تک محاصرے میں رہا یہاں تک کہ ہماری شاہی فوجیں اس کی مدد کے لیے پہنچ گئیں ۔ اس کا سلوک اپنے سپاہیوں کے ساتھ حاکمانہ نہیں ہے جس سے اقتدار ظاہر ہوتا ہو ۔ وہ ان سے ایسا سلوک کرتا ہے جیسے وہ اس کے پرانے ساتھی ہیں اور جنگوں میں اس کے ساتھ رہے ہیں ، لہٰذا آئندہ بھی وہ اس کے سلوک کی بدولت اس کے ساتھ رہیں ۔ اس مقصد کے لیے وہ نوکروں کے ناز اُٹھاتا ہے ۔ اس وجہ سے اُن کی نظر میں اُس کی وقعت گر جاتی ہے ۔ میں نے اس کو بارہا اس روش سے منع کیا ہے مگر یہ اس کی جبلّی عادت بن چکی تھی اس لیے میرے کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔

ہاشم خان صوبہ داری اوڑیسہ پر :

پیر کے دن ۱۴ جمادی الآخر ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو ہاشم خان کو ، جو اس سلطنت کے خان زادوں میں ہے ، سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کر کے میں نے اس کو ولایت اوڑیسہ کا صوبہ دار مقرر کیا ۔

اسی روز خبر ملی کہ میرزا شاہ رخ کا بیٹا میرزا بدیع الزمان جو صوبۂ مالوہ میں تھا ، اپنی کم عمری اور نادانی کی وجہ سے بعض اشرار کے بہکانے میں آ گیا اور رانا سے ملنے کے لیے راجستان چلا گیا ۔ جب مالوے کے حاکم عبداللہ خان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو راستے میں گرفتار کر لیا اور چند بدبختوں کو ، جو اس فساد میں اس کے ساتھ شریک تھے ، قتل کر دیا ۔ میں نے حکم دیا کہ اہتمام خان آگرے سے روانہ ہو اور میرزا بدیع الزمان کو میرے پاس لائے ۔

۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) کو خبر پہنچی کہ امام قلی خان نے ، جو ماوراء النہر کے حاکم ولی خان کا بھتیجا ہے ، میرزا حسین نامی شخص کو ، جو میرزا شاہ رخ کا بیٹا مشہور تھا ، قتل کر دیا ۔ لیکن میرزا شاہ رخ کے بیٹوں کا مارا جانا ایک دیو کے مارے جانے کے برابر ہے ، دیو کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے ہر قطرۂ خون سے دوسرا دیو پیدا ہوتا ہے ۔

ڈھکہ کے مقام پر شیر خان افغان ، جس کو میں نے کابل جاتے وقت پشاور میں درۂ خیبر کی حفاظت کے لیے چھوڑا تھا ، میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس راستے کی حفاظت اور بندوبست میں اس نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ۔

ظفر خان (۱۰۳) ولد زین خان کوکہ (۱۰۴) کو میں نے دلہ زاک پٹھانوں اور گکھڑ ذات کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے متعین کیا تھا ۔ یہ پٹھان اٹک اور بیاس کے اطراف کے علاقوں میں مختلف قسم کی شرارتیں کرتے ہیں ۔ اس نے یہ خدمت اچھی طرح انجام دی ۔ ان مفسدوں کو جن کے تقریباً ایک لاکھ گھرانے [61] تھے ، نکال لایا اور انہیں لاہور روانہ کرنے کے بعد اسی قیام گاہ میں میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی گئی تھی ، وہ اس نے بخوبی انجام دے دی ۔

رجب کا مہینہ جو ماہ آبان (سال الٰہی) کے مطابق ہے ، آ پہنچا ۔ معلوم ہوا کہ یہ والد بزرگوار کے وزن قمری کا مہینہ ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ ان اجناس کی مجموعی قیمت کا حساب لگایا جائے جن سے وہ سال شمسی اور قمری میں تلتے تھے ، اور جو کچھ رقم حاصل ہو ، مملکت کے بڑے شہروں میں بھیجی جائے اور بہ غرض ایصال ثواب روح منور وہاں کے فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کی جائے ۔ چنانچہ اس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ روپے ہوئی جو عراقی سکتے میں تین ہزار

تومان اور ماوراء النہر والوں کے سکے کے حساب سے تین لاکھ خانی ہوتی ہے ۔ یہ رقم قابل اعتماد لوگوں کے ہاتھوں مملکت کے بارہ بڑے شہروں مثلاً آگرہ، دہلی، لاہور اور گجرات میں تقسیم کی گئی ۔

جمعرات کے دن ۳ رجب ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے صلابت خاں کے بیٹے کو خانجہاں (۴۳) کے خطاب سے ممتاز کیا اور حکم دیا کہ اس کو فرامین اور احکام میں خانجہاں لکھا جائے ۔ اور اسے خلعت خاص اور جڑاؤ شمشیر بھی عنایت کی ۔ یہ میرے بیٹوں کے برابر مجھے عزیز ہے ۔

شاہ بیگ خاں کو خطاب :

شاہ بیگ خاں کو خان دوراں کا خطاب دیا اور مرصع کمر خنجر، بڑا ہاتھی اور خاص گھوڑا عنایت کیا ۔ تمام سرکار کابل، تیرہ، بنگش اور ولایت سواد اور بجوڑ اس کی فوج داری اور جاگیر میں دیے گئے اور اس نواح کے افغانوں کی سرکوبی بھی اسی کے سپرد ہوئی ۔ وہ بابا حسن ابدال تک میرے ساتھ آ کر وہاں سے رخصت ہوا ۔

میں نے حکم دیا کہ ان ہی علاقوں میں رام داس کچھواہہ کو بھی جاگیر دی جائے اور اس صوبے کے مددگاروں میں شامل کیا جائے ۔

کشن چند ولد موتا راجا کو ہزاری ذات و پانصد سوار کا منصب عطا کیا ۔

میں نے مرتضیٰ خاں حاکم گجرات کے نام ایک فرمان لکھا کہ میں میاں وجیہ الدین (۴۴) کے صاحب زادے کی دین داری، تقوے اور پرہیز گاری کی شہرت سنتا ہوں ۔ کچھ رقم ہماری جانب سے ان کی خدمت میں پیش کر کے اسمائے الہٰی میں سے چند نام، جو مؤثر ہوں، (ان سے) لکھوا کر بھیجو ۔ اگر خدا کی توفیق شامل حال ہوئی تو میں ان کا ورد کروں گا ۔

میں نے اس سے پہلے ظفر خاں کو حسن ابدال بھیجا تھا تاکہ وہ ہانکا کر کے شکار کو جمع کرے ۔ چنانچہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے اس نے شکار گاہ میں باڑیں لگا دی تھیں ۔ ستائیس سرخہ ہرن اور اڑسٹھ سفیدہرن باڑھ کے اندر آ چکے تھے ۔ ان میں سے میں نے انتیس ہرنوں کو خود تیر سے مارا اور خرم اور پرویز نے بھی کچھ ہرن تیر سے مار گرائے ۔ اس کے علاوہ میں نے خاص مصاحبوں اور مقربوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی تیر چلائیں ۔ خانجہاں نے سب سے

بہتر تیر چلائے ۔ اس نے جس ہرن کو بھی نشانہ بنایا ، اس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا ۔

راولپنڈی میں شکار :

۱۴ رجب ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو ظفر خان نے دوسری مرتبہ راولپنڈی میں قمرغہ (ہانکے کے) شکار کا انتظام کیا ۔ میں نے ایک سرخہ ہرن کو شکار گاہ سے بہت دور فاصلے سے تیر مارا ۔ تیر کے نشانے پر بیٹھنے اور ہرن کے گرنے سے میں بہت خوش ہوا ۔ چونتیس سرخہ ہرن اور پینتیس فراقوغ بروغ ، جنھیں ہندی زبان میں چکارا کہتے ہیں ، اور دو سؤر شکار کیے ۔

۲۱ رجب ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو ہلال خان کی کوشش و انتظام سے قلعۂ رہتاس کے قریب ایک اور قمرغہ (ہانکے کے) شکار کا موقع میسر آیا ۔ شاہی خواتین بھی اس شکار میں ساتھ تھیں ۔ شکار بہت اچھا ہوا اور تمام وقت مسرت و خوشی میں گزرا ۔ دو سو کے قریب سرخہ اور سفید ہرن شکار ہوئے ۔ اس قسم کے سرخہ ہرن رہتاس کے پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں ۔ اس کے علاوہ سوائے کرچھاک اور لندنہ کے اس قسم کے سرخہ ہرن تمام ہندوستان میں کسی جگہ نظر نہیں آتے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ ان میں سے کچھ ہرن زندہ پکڑ کر حفاظت سے رکھے جائیں کہ شاید ان میں سے چند افزائش نسل کے لیے ہندوستان تک زندہ پہنچ سکیں ۔

۲۵ رجب ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو اطراف رہتاس میں ایک اور شکار کا انتظام ہوا [62] ۔ اس شکار میں بھی میری بہنیں اور محل کی بیگمات میرے ساتھ تھیں ۔ سو سرخہ ہرن شکار ہوئے ۔

مجھ سے بیان کیا گیا کہ جلال خان گکھڑ کا چچا شمس خان ، جو اس علاقے میں رہتا ہے ، بڑھاپے کے باوجود شکار کا اس قدر شوقین ہے کہ نوجوانوں کو بھی اتنا ذوق و شوق نہیں ۔ جب میں نے سنا کہ وہ درویشی اور فقر کی طرف مائل ہے تو میں اس کے گھر گیا ۔ اس کے عادات و اطوار مجھے پسند آئے ۔ میں نے دو ہزار روپیہ اس کو اور اتنی ہی رقم اس کے بیوی بچوں کو دی ۔ اور اس کے علاوہ پانچ گاؤں ، جن کے محاصل وافر ہیں ، بطور مدد معاش عطا کیے تاکہ وہ اطمینان اور خوش حالی سے زندگی بسر کرے ۔

امیرالامرا کی صحت یابی اور آمد :

۶ شعبان ۱۰۱۶ (۱۶۰۷ء) کو چنڈالہ کے مقام پر امیرالامرا (شریف خاں) نے میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی ۔ اس کی صحت یابی سے میں بہت خوش ہوا ۔ تمام ہندو اور مسلمان طبیب اس کی بیماری کو دیکھ کر اس کی موت کا فیصلہ کر چکے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آسے شفا بخشی ۔ اس واقعے سے ان لوگوں کو، جو ظاہری اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور مشیت الٰہی سے ناواقف ہیں، سبق لینا چاہیے کہ قادر مطلق، جس کی ذات مجموعۂ کمالات ہے، سخت سے سخت بیماری کو، جہاں ظاہر بین اور ظاہر پرست مایوس ہو جاتے ہیں، محض اپنے لطف و کرم سے اس کا علاج اور درماں کر دیتا ہے ۔

اسی دن رائے سنگھ (۳۵) بھی آیا جو قابل اعتماد راجپوت امرا میں شامل ہے ۔ وہ اپنی جگہ اس قصور پر، جو اس سے خسرو کے معاملے میں سرزد ہوا تھا، نہایت نادم و شرمسار تھا ۔ وہ امیرالامرا (شریف خاں) کے توسط سے میری خدمت میں باریاب ہو کر (معافی کا خواست گار ہوا) ۔ میں نے اس کے گناہ اور قصور معاف کر دیے ۔ جس وقت کہ میں آگرہ سے خسرو کے تعاقب میں نکلا تھا، میں نے اس پر پورا بھروسا کر کے اس کو آگرے میں محل کی نگرانی کے لیے چھوڑا تھا کہ جب میں محل کی خواتین کو طلب کروں تو وہ ان کی حفاظت کے لیے ان کے همراہ آئے ۔ جب میں نے محل کی خواتین کو طلب کیا تو یہ بھی ان کے همراہ دو تین منزل آیا لیکن متھرا کے موضع میں بعض بیہودہ باتوں میں آ گیا اور محل کی خواتین کو وهیں چھوڑ کر اپنے وطن کو چلا گیا ۔ مجھے اس کے جانے کی خبر سن کر خیال ہوا کہ یہ ضرور کوئی نہ کوئی شورش و فساد کھڑا کر دے گا اور دیکھنا پڑے گا کہ یہ فتنہ و فساد کیا صورت اختیار کرتا ہے ۔ خدائے کارساز بندہ نواز نے تھوڑے ہی عرصے میں ایسا انتظام فرمایا کہ مفسدوں کی جماعت کی یہ تنظیم درهم و برهم ہو گئی اور رائے سنگھ کی گردن پر اس نمک حرامی کا وبال رہ گیا ۔ امیرالامرا (شریف خاں) کی خاطر داری کے پیش نظر میں نے حکم دیا کہ رائے سنگھ کا جو منصب ہے، وہ بحال رکھا جائے اور اس کی جاگیر اس کے حق میں حسبہ' برقرار رکھی جائے ۔

سلیمان بیگ کو، جو میری شاهزادگی کے زمانے سے میرا ملازم ہے، میں نے فدائی خاں کے خطاب سے سر فراز کیا ۔

والدہ کی خدمت میں حاضری :

پیر کے دن ۲۱ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں باغ دل آمیز میں اترا جو دریائے زاوی کے کنارے واقع ہے . اس باغ میں میں اپنی والدہ (۳۶) کی خدمت میں حاضر ہوا .

میرزا غازی ، جس کی سرکردگی میں میں نے قندھار لشکر کی طرف روانہ کیا تھا اور جس نے اس سلسلے میں پسندیدہ خدمات انجام دی تھیں ، اسی باغ میں شرف حضوری سے بہرہ ور ہوا . میں نے اس پر بہت سی عنایتیں مبذول کیں .

لاہور میں ورود :

منگل کے دن ۲۲ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں خیریت اور برکت کے ساتھ لاہور میں داخل ہوا .

دوسرے دن میر خلیل اللہ (۳۷) ولد غیاث الدین محمد میر میران نے ، جو شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں ہے ، شرف باریابی حاصل کیا . شاہ طہماسپ کے عہد حکومت اور اس کی تمام سلطنت میں اس خاندان کی بزرگی و عظمت کا ہم پلہ کوئی دوسرا خاندان نہ تھا . چنانچہ شاہ طہماسپ کی بہن جانش بیگم ، میر میران کے والد میر نعمت‌اللہ سے بیاہی گئی تھی اور ان کے ہاں جو لڑکی پیدا ہوئی تھی ، خود بادشاہ نے اس کی نسبت اپنے لائق بیٹے اسماعیل میرزا سے کر دی تھی . پھر میر میران کے بیٹوں کو اپنا داماد بنایا اور اپنی لڑکی کی شادی میر میران کے بڑے بیٹے سے ، جو اپنے جد اعلیٰ (نعمت اللہ) کا ہم نام تھا ، کر دی تھی . اس کے علاوہ اسماعیل میرزا کی بیٹی ، جو شاہ طہماسپ کی بھانجی کے بطن سے پیدا ہوئی تھی ، میر میران کے دوسرے بیٹے میر خلیل اللہ سے بیاہی گئی . شاہ طہماسپ کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ بعض خرابیاں اس خاندان میں پیدا ہو گئیں ، یہاں تک کہ شاہ عباس کے عہد حکومت میں یہ خاندان بالکل تباہ [63] ہو گیا . اس خاندان کی تمام جائداد ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ کسی دوسری جگہ اپنا ٹھکانا نہ بنا سکے . میر خلیل اللہ میری خدمت میں آیا . چوں کہ اس کو سفر میں بڑی زحمتیں اٹھانی پڑی تھیں اور اس کے طور و طریق سے خلوص ظاہر ہوتا تھا ، اس لیے میں نے اس پر بے دریغ نوازشیں کیں . نہ صرف بارہ ہزار روپے نقد

دیے بلکہ ہزاری ذات اور دو سو سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور عطائے جاگیر کا حکم دیا ۔

میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ میرے فرزند خرم (شاہجہاں) کا منصب ہشت ہزاری ذات و پنج ہزار سوار کے مماثل قرار دے کر حوالی اُجین کی جاگیر اور سرکار حصار فیروزہ کے علاقے اس کی تنخواہ میں شامل کیے جائیں ۔

جمعرات کے دن ۲۲ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو آصف خان کی التجا پر میں اہل محل کے ساتھ اس کے گھر گیا اور رات وھیں گزاری ۔ دوسرے دن اس نے کئی نذرانے اور تحفے پیش کیے ۔ ان میں دس لاکھ روپیوں کی مالیت کے جواھر ، جڑاؤ ہتھیار ، نفیس اور قیمتی سامان آرائش اور ھاتھی اور گھوڑے شامل تھے ۔ منجملہ ان کے چند لعل و یاقوت ، چند موتی اور کچھ سامان آرائش اور چند چینی ، فغفوری اور خطائی کپڑے میں نے قبول کر لیے اور باقی چیزیں اس کو بخش دیں ۔

گجرات سے مرتضیٰ خاں نے ایک انگوٹھی تحفۃً بھیجی جس میں ایک خوش نما ، خوش رنگ اور آب دار لعل جڑا ھوا ھے اور اس کا حلقہ اور گھر عمدہ طریقے سے تراشا گیا ھے ۔ اس کا وزن ڈیڑھ ٹانک اور ایک سرخ ھے جو ایک مثقال اور پندرہ سرخ کے برابر ھوتا ھے ۔ یہ انگوٹھی مجھے بہت پسند آئی ۔ آج تک یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ ایسی انگوٹھی کسی بادشاہ کے ھاتھ آئی ھو ۔ مرتضیٰ خاں نے ایک اور شش پہلو لعل بھی بھیجا جس کا وزن دو ٹانک اور پندرہ سرخ تھا اور اس کی قیمت پچیس ہزار روپے آنکی گئی ۔ انگوٹھی کی بھی یہی قیمت تھی ۔

ان ھی ایام میں شریف مکہ کا ایک قاصد میری خدمت میں آیا اور ایک عرضداشت اور خانۂ کعبہ کے دروازے کا غلاف پیش کیا اور مخلصانہ جذبات کا اظہار کیا ۔ میں نے پانچ لاکھ دام ، جو سات آٹھ ہزار روپے کے برابر ھوتے ھیں ، اس قاصد کو دیے اور حکم دیا کہ ھندوستان کے نفیس اور قیمتی تحفے ، جن کی مالیت ایک لاکھ روپیہ ھو ، شریف مکہ کے لیے روانہ کیے جائیں ۔

میرزا غازی قندھار کی گورنری پر :

جمعرات کے دن بتاریخ ۱ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں نے میرزا غازی کو منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کیا اور صوبۂ ملتان کا کچھ حصہ

اس کی جاگیر میں دے دیا ، حالانکہ کل ولایت ٹھٹھہ اس کی جاگیر میں شامل ہے اور قندھار کی حکومت اور اس ملک کی حفاظت بھی ، جو ہندوستان کی سرحد پر ہے ، اس کے سپرد کر دی ، کیوں کہ اس میں تجربہ اور کارکردگی اچھی خاصی ہے ، اور خلعت اور جڑاؤ تلوار عنایت کر کے رخصت کیا ۔ میرزا غازی ایک باکمال انسان ہے ۔ شعر بھی خوب کہتا ہے اور وقاری تخلص کرتا ہے ۔ یہ شعر اسی کا ہے :

گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب
ابر ہر چند کہ گرید رخ گلشن خندد

خانخانان کے تحائف :

۱۵ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو خانخانان (عبدالرحیم) کے تحائف نظر سے گزرے ۔ ان میں چالیس ہاتھی ، جواہر ، جڑاؤ ہتھیار ، سامان آرائش اور دکن کے تیار کردہ کپڑے تھے ۔ ان تحائف کی مجموعی قیمت ایک لاکھ پچاس ہزار روپے ہوتی تھی ۔ میرزا رستم اور دوسرے اکثر ملازموں نے بھی جو صوبۂ مذکور (دکن) میں متعین تھے ، بہت عمدہ تحفے روانہ کیے تھے ۔ ان میں سے چند ہاتھی مجھے پسند آئے ۔

۱۸ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو رائے درگا (۴۸) کے انتقال کی خبر ملی جو میرے والد کے لطف و کرم کا فیض یافتہ تھا ۔ اس نے چالیس سال سے زیادہ حضرت عرش آشیانی کی ملازمت میں گزارے تھے ۔ شروع میں وہ دربار کے انتظامی امرا میں شامل تھا ۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ چار ہزاری کے منصب تک ترقی پا گیا ۔ میرے والد کی ملازمت میں آنے سے پہلے وہ رانا اودے سنگھ (۴۹) کے قابل اعتماد ملازموں میں شامل تھا [64]۔ بیاسی سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا ۔ وہ فن سپہ گری خوب جانتا تھا ۔

سلطان شہ افغان کو سزا :

سلطان شہ افغان ، جس کی سرشت میں شر و فساد پیوست ہے ، خضر آباد کے کروڑی ، میر مغل کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا ۔ یہ خسرو کی خدمت کرتا تھا اور اس کا انتہائی محرم راز تھا ۔ خسرو کی بغاوت اور فرار کا باعث بھی یہی فتنہ پرداز تھا ۔ خسرو کے شکست کھانے اور قید ہونے کے بعد یہ تنہا جان بچا کر خضر آباد

کے پہاڑی علاقوں میں جا چھپا ۔ چوں کہ یہ شخص میرے فرزند کی خرابی اور گم راہی کا باعث ہوا تھا اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس کو لاہور کے میدان میں کھڑا کر کے اس پر تیر برسائے جائیں ۔ مذکورہ کروڑی کو میں نے خلعت دیا اور اس کے منصب میں اضافہ کیا ۔

۲۹ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو شیر خان افغان ، جو میرے قدیم ملازموں میں تھا ، فوت ہو گیا ۔ اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خود اپنی جان لے لی ، اس لیے کہ وہ شراب کثرت سے پیتا تھا ، یہاں تک کہ ایک ایک پہر میں دو آتشہ شراب کے چار چار پیالے پی جاتا تھا ۔ گزشتہ سال کے رمضان کے روزے اس نے قضا کر دیے تھے ۔ اس سال اسے خیال آیا کہ ماہ شعبان میں گزشتہ رمضان کے قضا کیے ہوئے روزے رکھے اور اس طرح دو ماہ مسلسل روزہ دار رہے ۔ ترک شراب کے سبب ، جو اس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی ، کمزور ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کی بھوک غائب ہوگئی اور کمزوری بڑھتی گئی اور ستاون سال کی عمر میں وفات پا گیا ۔

یکم شوال ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ع) کو میں مولانا محمد امین (۵۰) کی خدمت میں حاضر ہوا ، جو شیخ محمود کمال (۵۱) کے مریدوں میں سے ہیں ۔ شیخ محمود کمال اپنے وقت کے بزرگوں میں تھے اور حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) آن سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) نے آن کے ہاتھ بھی دھلائے تھے ۔ مولانا محمد امین بھی نیک سیرت انسان ہیں ۔ تمام دنیوی رشتوں اور بندھنوں کو ترک کر کے انھوں نے فقر اور نفس کشی اختیار کر رکھی ہے ۔ مجھے ان کی ملاقات سے بہت خوشی ہوئی ۔ بعض ترددات ، جو دل میں چھپے ہوئے تھے ، آن سے بیان کیے ۔ انھوں نے مجھے قابل قدر نصیحتیں کیں اور دل نشیں باتیں سمجھائیں ۔ ان باتوں سے مجھے دلی سکون ہوا ۔ ایک ہزار بیگھہ زمین بطور مدد معاش کے اور ہزار روپے نقد ان کی خدمت میں پیش کر کے میں ان سے رخصت ہوا ۔

آگرے کو روانگی :

اتوار کے دن ایک پہر گزرنے کے بعد میں لاہور سے دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہونے کے لیے نکلا ۔ یہاں قلیچ خان کو حاکم اور میر قوام الدین کو

دیوان اور شیخ یوسف الدین کو بخشی اور جمال الدین کو کوتوال کی خدمت پر مامور کیا اور ہر شخص کو اس کے مناسب حال خلعت دے کر میں نے اپنا سفر شروع کردیا ۔

۲۵ شوال ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ء) کو دریائے سلطان پور سے گزر کر دو کوس کے فاصلے پر نکودر (۵۲) میں آترا ۔ والد بزرگوار نے اپنے وزن کی رقم سے بیس ہزار روپے شیخ ابوالفضل کو دیے تھے کہ ان دو پرگنوں کے درمیان ایک پل اور ایک آبشار تعمیر کروائے ۔ چناں چہ یہاں جو منزل بنائی گئی ہے ، وہ فی الواقعہ نہایت صاف ستھری اور نفیس ہے ۔

میں نے نکودر کے جاگیردار معزالملک کو حکم دیا کہ پل کے ایک طرف ایک باغیچہ بنائے تاکہ آنے جانے والے اس کے نظارے سے لطف اندوز ہوں ۔

وزیرالملک کی وفات :

ہفتے کے دن ۱۰ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ء) کو وزیرالملک ، جو میری تخت نشینی سے پہلے میری سلک ملازمت میں داخل ہوگیا تھا اور میری سرکار کا دیوان تھا ، اسہال کے مرض سے فوت ہو گیا ۔ آخر عمر میں اس کے ہاں ایک منحوس قدم لڑکا پیدا ہوا جو چالیس دن کی مدت ہی میں ماں اور باپ دونوں کو کھا گیا ۔ اس خیال سے کہ کہیں وزیرالملک کا گھر برباد نہ ہو ، میں نے اس کے بھتیجے منصور پر عنایت کی اور اس کو منصب سے سرفراز کیا ؛ اگرچہ اس میں وہ خلوص اور دل بستگی نہیں ہے ۔

شیر کا شکار :

پیر کے دن ۱۴ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ء) کو راستے میں یہ خبر سنی گئی کہ پانی پت اور کرنال کے درمیان دو شیر ہیں [65] جو مسافروں کو بہت پریشان کرتے ہیں ۔ میں ہاتھیوں کو جمع کر کے اس طرف روانہ ہوگیا ۔ جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں وہ شیر رہتے تھے ، میں نے حکم دیا کہ ہاتھیوں کا قمرغہ کرکے اس جگہ کو ہاتھیوں کے گھیرے میں لے لیا جائے ۔ اس کے بعد میں نے خدا کے فضل سے ان دونوں شیروں کو ، جنھوں نے خدا کے بندوں پر راستہ بند کر دیا تھا ، بندوق سے مار ڈالا ۔

دھلی میں ورود

جمعرات کے دن ۱۸ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ع) کو میرا دھلی میں ورود ہوا اور اس منزل میں ٹھہرا جو سلیم خان افغان (۵۳) نے اپنی حکومت کے زمانے میں دریائے جمنا میں تعمیر کی تھی اور جس کا نام سلیم گڑھ رکھا تھا۔ میرے والد بزرگوار نے یہ گھر مرتضی خان کو دے دیا تھا جس کا اصل وطن دھلی تھا۔ خان مذکور نے دریا کے اوپر ایک سنگ بستہ چبوترہ بنایا تھا جس کی صفائی اور نفاست دیکھنے کے قابل ہے، اور اس کی عمارت کے تہ خانوں سے لگی ہوئی ایک چوکھنڈی بھی بنائی گئی تھی جس میں حضرت جنت آشیانی (ھمایوں) کے حکم سے کاشی کاری کی گئی ہے۔ ایسے پر فضا مقام بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جس زمانے میں حضرت جنت آشیانی (ھمایوں) دھلی میں تشریف رکھتے تھے، اکثر اوقات اس جگہ بیٹھ کر اپنے مصاحبوں اور ہم نشینوں کے ساتھ محفلیں آراستہ کرتے تھے۔ میں نے بھی چار روز اس منزل میں قیام کر کے اپنے مقربوں اور ہم نشینوں کے ساتھ شراب کی محفلیں جما کر خوب داد عیش و کامرانی دی۔

معظم خان (۵۴) نے، جو اس وقت دھلی کا حاکم تھا، کئی تحائف پیش کیے۔ دوسرے جاگیرداروں اور اھالی و موالی نے بھی جو وھاں تھے، اپنی حیثیت کے مطابق نذرانے اور تحائف پیش کیے۔

میں چاھتا تھا کہ چند دن پرگنۂ پالم میں، جو مضافات دھلی میں ہے، جہاں ایک مقررہ شکار گاہ ہے، قمرغہ (ھانکنے کے) شکار کا انتظام کر کے چند روز شکار میں مشغول رہوں لیکن مجھے بتایا گیا کہ نجوم کے اعتبار سے آگرے میں داخل ہونے کی (مقررہ) گھڑی بالکل نزدیک آ گئی ہے۔ پھر ایسی مبارک گھڑی جلد نہیں آئے گی (اور اس کا انتظار کرنا پڑے گا)، اس لیے میں اپنا ارادہ فسخ کر کے کشتی میں بیٹھ کر دریا کے راستے سے روانہ ہوا۔

میرزا شاہ رخ کی اولاد کی حضوری :

۲۰ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ع) کو میرزا شاہ رخ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں، جو میرے والد کے علم میں نہیں لائے گئے تھے، میرے سامنے پیش ہوئے۔ لڑکوں کو میں نے معتبر ملازموں کے اور لڑکیوں کو محل کی خادماؤں کے سپرد کیا کہ وہ ان کی مناسب دیکھ بھال اور رہنے سہنے کا انتظام کریں۔

۲۱ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ع) کو راجا مان سنگھ، قلعۂ رهتاس سے، جو بہار اور پٹنہ کے درمیان واقع ہے، میری خدمت میں حاضر ہوا، جب کہ اس کے نام حاضریِ دربار کے لیے چھ سات فرمان جاری ہوئے تھے۔ وہ بھی خان اعظم کی طرح اس سلطنت کے منافقوں اور پرانے گرگ (باراں دیدہ) لوگوں میں سے ہے۔ ان لوگوں نے جوکچھ میرے ساتھ کیا ہے اور جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے، خدائے عالم الغیب خوب جانتا ہے کہ شاید کوئی بھی شخص کسی سے ایسا نہ کرے گا۔ راجا مان سنگھ نے ایک سو ہاتھی اور ہتھیار بطور تحفہ پیش کیے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ شاہی ہاتھیوں میں داخل کیا جائے۔ چوں کہ یہ میرے والد کے فیض یافتہ لوگوں میں ہے، میں نے اس کی خطاؤں کو اس کے منہ پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اس کو شاہانہ عنایتوں سے سرفراز کیا۔

اسی روز ایک بولنے والا پرند (چنددول)، جو میاں میٹھو کہنے پر آواز نکالتا تھا، لایا گیا۔ یہ پرند نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوا۔ ترکی میں اس پرند کو طوطی کہتے ہیں۔

حواشی جشن دوم

(۱) قندھار : قدیم زمانے سے قندھار کو ایک تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی . سترھویں صدی کے آغاز میں ھندوستان کی تجارت براہ قندھار بہت زیادہ بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے اس شہر کی رونق دوبالا ھو گئی . یہ شہر اس وقت ایک جنگی مرکز بھی تھا . اس کا شہر محل وقوع ایسا تھا کہ اس پر قبضہ کرنے سے ایک طرف وسط ایشیا پر اور دوسری طرف ایران و خراسان پر تسلط ھو سکتا تھا . اسی لیے ھندوستان کے حکمران اس شہر پر اپنا تسلط رکھنا چاھتے تھے . بابر کے عہد میں کابل مغلوں کے قبضے میں آیا مگر قندھار صفویوں کے قبضے میں تھا . بابر کی وفات کے بعد قندھار کامران کے قبضے میں چلا گیا ۔ ۱۵۴۰ع میں ھمایوں نے شاہ طھماسپ سے مدد چاھی تو اس نے اس شرط پر مدد دی کہ وہ قندھار ایرانیوں کے حوالے کر دے گا . ھمایوں نے یہ شرط مان لی اور شاہ طھماسپ سے مدد لے کر پہلے اس نے اپنے بھائی عسکری سے قندھار اور بعد ازاں اپنے دوسرے بھائی کامران سے کابل لے لیا ۔ قندھار کی فوجی ، تجارتی اور سیاسی اھمیت کے پیش نظر ھمایوں اسے شاہ طھماسپ کے حوالے کرنے میں پس و پیش کر رھا تھا کہ اس نے وفات پائی اور ایرانیوں نے ۱۵۵۸ع میں قندھار پر قبضہ کر لیا . جب اکبر نے اپنی سلطنت مستحکم کر لی تو اس نے قندھار کی اھمیت شدت سے محسوس کی . چنانچہ جب عبدالرحیم خانخاناں تسخیر سندھ اور بلوچستان سے فارغ ھو گیا تو اس کو قندھار کی تسخیر کے لیے بھیجا گیا مگر اسے کامیابی نہ ھوئی . آخر اوزبکوں کے حملوں سے تنگ آ کر سلطان مظفر حسین میرزا بن سلطان حسین میرزا بایقرا نے ۱۵۹۴ع میں قندھار کو مغل سلطنت کے حوالے کیا اور اکبر کے ھاں چلا آیا . (ھفت اقلیم خطی (س)) .

(۲) شاہ عباس صفوی : شاہ ایران ۔ دور حکومت : ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ع) تا ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ع) (رک : فٹ نوٹ مقالات الشعراء ، ص ۱۹)

(۳) سردار خان : میرزا محمد حکیم کے وثیقہ داروں میں تھا ۔ اکبر نے اسے منصب سے سرفراز کیا ۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں اسے قندھار کا صوبیدار بنایا ۔ اس نے قندھار ہی میں وفات پائی ۔ اس کے دو بیٹے حیات خان و ہدایت خان تھے (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۰۴) ۔

(۴) پیر خان : ولد دولت خان لودی شاہو خیل ۔ ابتداءً شاہزادہ دانیال کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ اور اس درجہ منظور نظر ہوا کہ دانیال اس کو فرزند کہہ کر مخاطب کرتا تھا ۔ دانیال کی وفات کے بعد بیس سال کی عمر میں جہانگیر کے دربار میں پہنچا ۔ جہانگیر نے پہلے اسے صلابت خان ، پھر خانجہان ، پھر سلطان جہان کا خطاب دیا ۔ اس نے جہانگیر کی نظر میں اس قدر تقرب حاصل کیا کہ کسی دوسرے امیر کو یہ عزت حاصل نہ تھی ۔

جہانگیر نے توزک کے آئندہ صفحات میں اس کی بے حد تعریف کی ہے ۔ جلوس کے پانچویں سال جہانگیر نے اسے اسّی ہزار سواروں کے ساتھ دکن کی صوبہ داری پر ترقی دی تھی ۔ اس کے بعد قلعۂ قندھار کی محافظت کے ساتھ وہ بکھر اور ملتان کا صوبہ دار ہوگیا ۔ پھر صوبہ داری گجرات پر متعین ہوا ۔ دو سال تک شاہزادہ پرویز کا اتالیق رہا ۔ جہانگیر کی وفات کے بعد اس نے شاہجہان کے جلوس کے پہلے سال بعض غلط فہمیوں کی بنا پر بغاوت کی ، آخر سید مظفر خان بارھہ سے لڑتا ہوا مارا گیا ۔ اس کا سر کاٹ کر شاہجہان کے پاس بھیج دیا گیا ۔ اس کی تاریخ وفات : "آہ و نالہ از افغان برآمد" سے

۱۰۴۰ھ

بطور تعمیہ نکلتی ہے ۔ اس کی دوسری تاریخ وفات : "پیرا رحمت اللہ علیہ" سے نکلتی ہے ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۱۹۱ تا ۲۰۲) ۔

(۵) ابراہیم لودی : ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودی ۔ مدت حکومت : ۹۲۳ تا ۹۳۲ھ ۔ تاریخ شہادت : "شہید شدن ابراہیم" ۔ ۹۳۲ھ ۔ (رک : مقالات الشعراء ، ص ۸۹) ۔

(۶) باغ دل آمیز : میرزا کامران نے لاہور میں دو باغ لگوائے تھے ۔ ان میں سے ایک محال نولکھا میں واقع تھا ، اور اس کو نولکھا باغ کہتے تھے ۔

دوسرا دریائے راوی کے کنارے تھا ، جہاں اس کی مشہور بارہ دری واقع تھی ، جو اب تک موجود ہے ۔ اس بارہ دری کے گرد جو باغ تھا ، وہ باغ دل آمیز کہلاتا تھا (س) ۔

(۷) جہانگیر پورہ کا موجودہ نام شیخوپورہ ہے (س) ۔

(۸) منسراج کی یاد میں جہانگیر نے جو یادگار قائم کی تھی ، وہ آج بھی موجودہ ہے اور ھرن مینار کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ ایک مشہور سیر گاہ ہے ، جو شیخوپورہ کے ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے (س)

(۹) چنڈالہ : آئین اکبری میں چنڈالہ کوئی پرگنہ نہیں ، بلکہ چنڈیالہ نامی ایک پرگنے کا نام ملتا ہے ۔ ممکن ہے یہ وہی چنڈیالہ ہو اور سہو کتابت سے چنڈالہ ہو گیا ہو (س) ۔

(۱۰) خواص خاں بن ملک سکھا شروانی کا اصل نام صاحب خاں تھا ۔ ذیقعدہ ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ع) کو سلیم شاہ کے اشارے پر تاج خاں نے سرسی کے مقام پر اس کو قتل کر کے اس کا سر سلیم شاہ کے پاس بھجوا دیا ۔ (رک : خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۲۰ (س)) ۔

(۱۱) تریاک : سرسید ایڈیشن میں یہ نام تریاک ہے جو سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ غالباً یہ نام ''ورناگ'' ہے ۔ ور قدیم زمانے میں ایک پرگنے کا نام تھا جسے آج کل شاہ آباد کہتے ہیں ۔ اس پرگنے کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اس کا نام ورناگ پڑ گیا ۔ یہ چشمہ شاہ آباد سے تین میل اور اسلام آباد سے ۹ میل اور سری نگر سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے (س) ۔

(۱۲) پاپنور : سرسید ایڈیشن میں یہ نام پاپنوز مندرج ہے ۔ صحیح نام پان پور یا پام پور ہے ۔ یہ قصبہ سری نگر سے ویرناگ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے جہاں زعفران زار کشمیر ملتا ہے ۔ یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں زعفران کے سوا اور کوئی نباتات نہیں ہوتی (س) ۔

(۱۳) ڈل : شہر سری نگر کے پاس میٹھے پانی کی ایک نہایت خوبصورت جھیل ہے ۔ شہر کی تمام مشہور سیر گاہیں جیسے شالیمار باغ ، نشاط باغ ، چشمۂ شاہی ، نسیم باغ ، نگیں باغ وغیرہ اسی کے گردا گرد واقع ہیں ۔ شعرا نے اپنے اشعار میں اس کے حسن و خوبی کی بہت تعریف کی ہے (س) ۔

(۱۴) بڈ شاہ : اس کا اصل نام شاہی خان اور خطاب زین العابدین تھا جو عوام میں بڈ شاہ کے لقب سے مشہور ہے ۔ جس وقت اس نے کشمیر کی زمام حکومت سنبھالی اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی ۔ بڈ شاہ نے باون سال کی عمر میں ۱۴۷۲ء میں وفات پائی ۔ (رک : کنگس آف کشمیر و تاریخ بڈ شاہی و طبقات اکبری و تاریخ فرشتہ (س)) ۔

(۱۵) تاریخ کشمیر تالیف ملک حیدر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناخلف بیٹا ادہم خاں تھا جو بڈ شاہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا ۔ اس نے اپنے باپ کو قتل کر دینے کا کئی دفعہ ارادہ کیا مگر ہر دفعہ ناکام رہا ۔ (تاریخ کشمیر خطی سری پرتاپ لائبریری (س) ۔

(۱۶) چک : کشمیر کا مشہور قبیلہ ہے جو کسی زمانے میں اپنی بہادری میں مشہور تھا ۔ خود ان کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب چیلاس کی درو قوم سے جا ملتا ہے ۔ تاریخ حسن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ اس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے آباو اجداد دروستان کے علاقے سے نکل کر کشمیر میں آباد ہوئے ۔ انھوں نے بہت جلد کشمیر کی حکومت میں رسوخ حاصل کر لیا ۔ آخر ۹۶۰ھ میں انھوں نے تخت و تاج کشمیر پر قبضہ کر لیا ۔ رفتہ رفتہ ان کا اقتدار اور وقار کم زور ہوتا گیا ، یہاں تک کہ ان کی ۳۵ سال کی حکومت کے بعد اکبر نے کشمیر پر قبضہ کر لیا ۔ (ویلی آف کشمیر ، تالیف سر والٹر لارنس و تاریخ حسن (س)) ۔

(۱۷) شیر خان : اس کا اصل نام فرید اور اس کے باپ کا نام حسن تھا ۔ سور قبیلے سے اس کا تعلق ہے ۔ اس نے محرم ۹۴۷ھ (۱۷ مئی ۱۵۴۰ء) میں ہمایوں کو قنوج میں شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور ۲۷ شوال ۹۴۸ھ کو شیرشاہ کے لقب سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا ۔ اور پانچ سال کی حکومت کے بعد کالنجر کی مہم میں جل کر وفات پائی : ''ز آتش مرد'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ (رک : طبقات اکبری ، ج ۲ ، ص ۱۱۶ : منتخب التواریخ ، ج ۱ ، ص ۵۳۷) ۔

(۱۸) خواجہ شمس الدین محمد خوافی : بن علاء الدین ، خواف کے شرفا میں سے تھا ۔ شاہ اسماعیل صفوی کی زیادتیوں کی وجہ سے خواجہ شمس الدین ہندوستان

چلا آیا ۔ یہاں وہ اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو گیا اور بہار و بنگال میں وفادارانہ خدمات انجام دیں اور اکبر کا معتمد علیہ بن گیا ۔ جلوس اکبری کے چالیسویں سال ۱۰۰۳ھ میں وہ دیوان کُل کے عہدے پر فائز ہوا ۔ پنجاب میں چودہ سال قیام کرنے کے بعد جب اکبر دکن کی مہم پر روانہ ہوا تو پنجاب کی نظامت خواجہ مذکور کے سپرد ہوئی ۔ جلوس اکبری کے پینتالیسویں سال ۱۰۰۸ھ میں خواجہ مذکور نے لاہور میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۶۴ - ۶۶۶) ۔

(۱۹) حکیم ہمام : اس کا اصل نام ہمایوں تھا ۔ چونکہ اکبری دربار میں یہ نام لینا سوء ادب سمجھا جاتا تھا اس لیے جب یہ اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا تو پہلے اسے ہمایوں قلی کہہ کر مخاطب کیا گیا ، پھر اکبر کے حکم سے حکیم ہمام کے نام سے موسوم ہوا ۔ یہ حکیم ابوالفتح گیلانی کا بھائی تھا ۔ اگرچہ اس کا منصب شش صدی سے آگے نہ بڑھ سکا اور خدمت بکاول بیگی پر مامور رہا مگر اس کی عظمت و مرتبہ ، اس کی ذہانت اور علم و فضل کی بہ دولت اکبر کی نظر میں اس کی بہت عزت تھی ۔ جب ۹۹۴ھ میں حکیم ہمام کو اکبر نے عبداللہ خان اوزبک والیِ توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو جو خط اکبر نے اس کے نام لکھوایا ، اس میں حکیم ہمام کا نہایت پُر شوکت الفاظ میں تعارف کرایا گیا ۔ اکبری جلوس کے چالیسویں سال ۱۰۰۴ھ میں مرض دق سے وفات پائی اور اس کی لاش حسن ابدال لے جائی گئی اور اس کے بھائی کے پہلو میں دفن کی گئی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۶۳ - ۵۶۵)

(۲۰) ظفر خان : خواجہ احسن اللہ ولد خواجہ ابوالحسن تربتی ۔ جلوس جہانگیری کے انیسویں سال کابل سے مہابت خان کے تبادلے کے بعد اس کا باپ صوبیدار مقرر ہوا اور یہ اپنے باپ کی جگہ بحیثیت نائب کے کابل کی حفاظت پر مامور ہوا اور منصب ہزار و پانصدی اور ظفر خان کے خطاب اور عَلَم و خنجر اور شمشیر مرصع سے نوازا گیا ۔ ظفر خان نے لاہور میں ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی اور اپنے باپ کے مقبرے میں مدفون ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۷۵۶ - ۷۶۰) ۔

(۲۱) احمد بیگ کابلی : اس کے دادا کا نام میر غیاث الدین تھا ۔ یہ میرزا محمد حکیم کے مصاحبوں میں شامل تھا ۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد یہ اکبر کی ملازمت میں آ گیا اور منصب ہفت صدی سے سرفراز ہوا ۔ ۱۰۰۲ھ میں میرزا یوسف خاں رضوی جاگیردار کشمیر کے تبادلے کی وجہ سے کشمیر متفرق جاگیرداروں کی تنخواہ میں بٹ گیا تو احمد بیگ کابلی ہی کو اس کا قائد مقرر کیا گیا ۔ اس کے بعد جب میرزا جعفر آصف خاں کی بہن اس کے عقد میں آئی تو اس کی ثروت اور اقتدار میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس کو سہ ہزاری منصب اور خانی کے خطاب سے سرفراز کر کے حکومت کشمیر پر متعین کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیرھویں سال یہ اس خدمت سے علیحدہ کیا گیا اور جہانگیر کے حضور میں آیا اور چند دن کے بعد وفات پائی ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۶ - ۱۲۷) ۔

(۲۲) بگہ بیگم : غالباً یہ بی بی مبارکہ ہے جسے گلبدن ، افغانی آغاچہ کے لقب سے یاد کرتی ہے ۔ قنوج کی جنگ کے بعد یہی بیگم تھی جو شیر شاہ کی اجازت سے بابر کا تابوت کابل لائی اور اس کی وصیت کے مطابق اس کو اس باغ میں دفن کیا گیا جو بابر کا بنایا ہوا تھا ۔ (س)

(۲۳) روز پنجشنبہ ہژدہ صفر سے ابجد کے حساب سے ۱۰۱۶ھ برآمد ہوتے ہیں ۔ سرسید ایڈیشن میں ہژدہ کی بجائے ہیژدہم چھپ گیا ہے جو سہو کتابت ہے جس سے ۱۰۶۶ عدد بنتے ہیں جو واقعات کے خلاف ہے ۔ (س)

(۲۴) شاہ ظہیر الدین بابر کی قبر باغ بابر چہاردھی کابل میں واقع ہے ۔ بابر نے ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ کو دارالخلافہ آگرہ میں چہار باغ میں ، جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے ، باون سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (اکبر نامہ : ص ۱۱۸ - ۱۱۹) اس کی مدت سلطنت ۳۸ سال تھی جن میں سے پانچ سال ہندوستان میں گزرے (رک : مقالات الشعرا ، ج ۲ ، ص ۸۹) ۔

(۲۵) رقیہ سلطان بیگم : میرزا ہندال کی بیٹی اور اکبر کی بیوی تھی ۔ اس کے بطن سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی ، البتہ اس نے شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا ۔ چوراسی برس کی عمر میں ۷ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ (۱۹ جنوری ۱۶۲۶ع) کو اس نے وفات پائی ۔ (س)

(۲۶) اعتبار خان : یہ خواجہ سرا جہانگیر کے معتمد ملازموں میں تھا ۔ خسرو کی گرفتاری کے بعد یہ جہانگیر کے حضور میں پہنچا ۔ جس زمانے میں جہانگیر لاہور سے کابل گیا تو خسرو ، امیرالامرا شریف خاں کے سپرد تھا ۔ جب وہ اپنی بیماری کی وجہ سے لاہور میں رہ گیا تو خسرو اعتبار خاں کے سپرد کیا گیا ۔ جلوس کے دوسرے سال گوالیار اس کی تنخواہ میں مقرر کیا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے سترویں سال منصب پنج ہزاری چار ہزار سوار سے سرفراز کیا گیا ۔ چوں کہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا اس لیے دارالخلافہ آگرہ اور وہاں کے قلعے اور خزائن کی حفاظت اس کے سپرد کی گئی ۔ جلوس جہانگیری کے اٹھارویں سال جب کہ شاہزادہ خرم ماندو سے کوچ کر کے دارالخلافہ آیا اور باپ بیٹے کے درمیان فتنے کی آگ بھڑکی ، اعتبار خاں نے شاہی فوجوں کے پہنچنے سے پہلے شہر کی حفاظت کی خدمت بڑی خوبی سے انجام دی ۔ اس بنا پر وہ شش ہزاری و پنج ہزار سوار کے منصب سے سرفراز ہوا ۔ اسی زمانے کے لگ بھگ اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۱۳۴ - ۱۳۵) ۔

(۲۷) اسلام خاں : اس کا نام شیخ علاءالدین تھا جو سلیم فتح پوری کے پوتوں میں تھا ۔ شیخ ابوالفضل کی بہن اس سے بیاہی گئی تھی ۔ جہانگیر نے اس کو اپنے عہد سلطنت میں اسلام خاں کے خطاب سے نوازا اور صوبۂ بہار کی صوبہ داری پر متعین کیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال لالہ بیگ کی وفات کے بعد وہ بنگال کا صوبہ دار بنایا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ میں اس نے بنگال میں وفات پائی ۔ نعش فتح پور لا کر دفن کی گئی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۱۸ - ۱۱۹) ۔

(۲۸) علی قلی استاجلو : (شیر افگن) وفات : ۱۰۱۶ھ ۔ لفظ مظلوم سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۶۲۲-۶۲۵) ۔

(۲۹) جس مہم کا ذکر جہانگیر کر رہا ہے ، وہ مہم تلمبہ کی نہیں بلکہ وہ ٹھٹھہ (سندھ) کی مہم تھی جس میں خانخاناں نے میرزا جانی والی ٹھٹھہ پر فتح حاصل کی تھی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۳-۳۱۷) ۔

(۳۰) مہابت خاں پسر غیور بیگ کابلی کا نام زمانہ بیگ تھا ۔ اس کا باپ شیراز سے کابل آ کر میرزا محمد حکیم کے وثیقہ داروں میں شامل ہوگیا تھا ۔

میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد وہ اکبر کے ملازموں میں منسلک ہوگیا ۔ بچپن سے جہانگیر کے احدیوں میں شامل تھا اور اپنی حسن خدمات کی وجہ سے شاگرد پیشوں کا بخشی ہوگیا ۔ جلوس جہانگیری کے بارھویں سال شاہ بیگ کے تبادلے کی وجہ سے وہ کابل کا صوبہ دار مقرر ہوا ۔ جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہان نے اپنے جلوس کے پہلے سال اس کو خانخانان سپہ سالار کے خطاب سے سرفراز کرکے اجمیر کا صوبہ دار بنا دیا ۔ جلوس شاہجہانی کے پانچویں سال وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوگیا ۔ وہیں اس نے بھگندر کے مرض سے ۱۰۴۴ھ میں وفات پائی ۔ اس کا یہ پرانا مرض تھا ۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش برہان پور سے دہلی لائی گئی ۔ ''زمانہ آرام گرفت'' سے اس کا سنہ وفات نکلتا ہے (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۳۸۵—۴۰۹) ۔

(۳۱) فریدون برلاس : پسر میرزا محمد قلی خان برلاس ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد اکبر کے ملازموں میں شریک ہوا ۔ مہم ٹھٹھہ میں یہ خانخانان کے ساتھ تھا ۔ جلوس اکبری کے چالیسویں سال اکبر نے اسے پانصدی منصب سے نوازا ۔ تخت نشیں ہونے کے بعد جہانگیر نے اس کو الہ آباد میں جاگیر دے کر منصب ہزاری ذات و سوار پر ترقی دی ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال اس نے وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۴۵) ۔

(۳۲) رام داس : اس کے باپ کا نام اردت یا ادت تھا جو نہایت افلاس کی حالت میں اپنے وطن لونی میں زندگی بسر کرتا تھا ۔ رام داس ، رائے سال دربازی کے توسط سے اکبر کے ملازموں میں شامل ہوا اور بہت جلد منصب پانصدی سے سرفراز ہوا ۔

جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس کو منصب دو ہزاری سے سہ ہزاری پر ترقی دی اور خطاب راجگی کے ساتھ خطاب راجا کرن سے بھی مفتخر کیا ۔ آخر میں وہ جہانگیر کے حکم سے مہم بنگش پر متعین ہوا اور ۱۰۲۲ھ میں وہیں وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۰۹—۲۱۰) ۔

(۳۳) میرزا سلطان : پسر میرزا شاهرخ ۔ یہ بچپن سے جہانگیر کے پاس رہتا تھا ۔ جہانگیر چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی سے اس کا عقد کر دے ، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں بہت سی عورتیں ہیں ۔ جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بادشاہ کے قدم کی قسم کھا کر اس بات

سے انکار کیا ۔ خواجہ سرا اس کے گھر میں گھس کر ، ان عورتوں کو باہر لے آئے جنھیں اس نے محبوس کر رکھا تھا ۔ اس بنا پر وہ بادشاہ کی نظر سے گر گیا ۔ غازی پور اس کی جاگیر میں دیا گیا تھا ، وہیں اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۳۴) ۔

(۳۴) میرزا بدیع الزمان : یہ میرزا شاہ رخ کا چوتھا بیٹا تھا جو میرزا فتح پوری کے نام سے مشہور تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں دکن کا بخشی تھا ۔ بعد میں پٹن اس کی جاگیر میں دیا گیا ۔ چوں کہ اس کے گوشت و پوست میں فتنہ و فساد پیوست تھا اس لیے بھائی اس سے اس قدر تنگ ہو گئے کہ انھوں نے تنگ آ کر اسے پٹن میں قتل کر دیا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۳۴ - ۳۳۵ ، ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۶۷) ۔

(۳۵) حکیم ابوالفتح : پسر مولانا عبدالرزاق گیلانی : یہ اپنے دو بھائیوں حکیم ہمام اور حکیم نورالدین کے ساتھ جلوس اکبری کے بیسویں سال اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور ہر ایک حسب قابلیت منصب سے سرفراز ہوا ۔

چوں کہ ان بھائیوں میں حکیم ابوالفتح نہایت مہذب ، تجربہ کار اور زمانہ شناس تھا ، لہٰذا وہ بہت جلد ترقی کر کے جلوس اکبری کے چوبیسویں سال بنگال کی صدارت و امینی پر متعین ہوا ۔ حکیم ابوالفتح نے ۹۹۷ھ میں اجل طبعی سے وفات پائی اور خواجہ شمس الدین خوافی کے حکم سے حسن ابدال میں مدفون ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۵۸ - ۵۵۹) ۔

(۳۶) نور الدین : غیاث الدین آصف خاں کا بیٹا تھا ۔ جب خسرو گرفتار ہوا تو جہانگیر نے اس کو آصف خاں میرزا جعفر بیگ کے حوالے کر دیا ۔ نور الدین ، جو آصف خاں کے چچا کا بیٹا تھا ، تنہا خسرو کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا کیوں کہ خسرو سے اس کو محبت تھی اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ جب موقع ملے گا وہ خسرو کو قید سے نکال کر اس کو کامیاب کرے گا ۔ ابھی خسرو ، اعتبار خاں خواجہ سرا کے حوالے نہیں ہوا تھا کہ اس نے ایک ہندو کے ذریعے سے ، جو خسرو کے پاس آتا جاتا تھا ، خسرو کے فدائیوں کی ایک جماعت بنانا شروع کی ۔ جو کوئی خسرو کا ہم نوا ملتا ، وہ اس کا نام لکھ کر اس ہندو کو دے دیتا ، یہاں تک کہ پانچ چھ ماہ میں چار سو آدمیوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی ، جنھوں نے باہمی عہد و پیمان

گیا کہ وہ راستے میں جہانگیر کو مار ڈالیں گے ۔ یہ سازش کھل گئی ، جیسا کہ تزک میں ہے ، نور الدین اور محمد شریف کو قتل کی سزا دی گئی اور فدائیوں کی وہ فہرست ، جو اعتبار خان نے اس ہندو کے پاس سے برآمد کی تھی ، خانجہان لودی کی التجا پر بغیر پڑھے جلا دی گئی ورنہ خدا جانے کتنے قتل کیے جاتے (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۹۲ - ۹۳) ۔

(۳۷) غیاث الدین علی آصف خان : بن ملا بے دوات دار ۔ ہندوستان آنے کے بعد اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو گیا اور عہدۂ بخشی گری پر فائز ہوا ۔ ۹۸۱ھ میں گجرات کی یلغار میں مستحسن خدمات انجام دینے پر اکبر نے اسے آصف خان کا خطاب دیا ۔ جلوس اکبری کے تئیسویں سال مالوہ اور گجرات کی طرف بھیجا گیا ۔ آصف خان نے ۹۸۹ھ میں گجرات ہی میں وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۹۰-۹۲) ۔

(۳۸) شریف : میرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ کا بیٹا تھا ، جو اس جماعت کے ساتھ متفق ہو گیا جو خسرو کی ہم نوا تھی ۔ جلد ہی یہ سازش کھل گئی اور یہ جہانگیر کے حکم سے قتل کر دیا گیا (رک : مآثرالامرا ج ۱ ، ص ۱۲۹) ۔

(۳۹) حکیم جلال الدین مظفر اردستانی : یہ بچپن سے شاہ طہماسپ کا طبیب بنا ۔ ہندوستان میں آ کر اس نے بڑی ترقی کی ۔ نہایت صالح اور پاکیزہ طبیعت پائی تھی ۔ بڑا عابد ، زاہد اور شریعت پرست شخص تھا ۔ بیماروں کے حق میں اس کا قدم بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا ۔ اگرچہ علمیت اس قدر نہ تھی مگر اس کو تجربہ خوب حاصل تھا ۔ حکیم موصوف نے ۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۵ھ کو ہفتے کے روز لاہور میں وفات پائی (رک : ترجمہ منتخب التواریخ ، ص ۲۷۲) ۔

(۴۰) عبدالمومن خان : مشہور والی توران ، عبداللہ خان اوزبک کا بیٹا تھا ۔ بڑا بہادر اور جفاکش مگر سخت ظالم اور سرکش واقع ہوا تھا ۔ آخر میں اپنے باپ کی جان کے درپے ہو گیا ۔ اس واقعے سے اس کے باپ کو بڑا صدمہ ہوا اور اسی صدمے سے وہ مر گیا ۔ ایک دفعہ عبدالمومن خان ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہا تھا کہ اس پر تیروں کی بارش ہوئی اور اسی سے وہ فوت ہو گیا (رک : تاریخ منگول (س)) ۔

(۳۱) ظفر خان : ولد زین خان کوکہ : نہایت ہی شائستہ ، لائق اور بہادر جوان تھا ۔ جہانگیر نے اس کو منصب و خطاب دیا تھا لیکن اس نے عین عالم جوانی میں وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۱۷۱) ۔

(۳۲) زین خان کوکہ : اکبر کے امرائے کبار میں سے تھا ۔ اکبر نے اسے منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے نوازا تھا ۔ اس کی بیٹی جہانگیر سے بیاہی گئی تھی ۔ بنگش اور تیراہ میں بیربر کے مارے جانے کی وجہ سے یہ اکبر کی نظر سے گر گیا ۔ پھر اس کے بعد جب جہانگیر نے اکبر سے بغاوت کی اور الہ آباد میں مقیم ہو گیا تو اکبر کو یہ خبر ملی کہ اس نے کئی گھوڑے جہانگیر کے ہاں بھجوائے ہیں ۔ اس واقعے سے اکبر اس سے اور زیادہ ناراض ہوگیا ۔ آخر اسی زمانے میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃالخوانین ، ج ۱ ، ص ۱۲۳ - ۱۲۴) ۔

(۳۳) خانجہان لودی : ولد دولت خان لودی شاہو خیل کا نام پیر خان تھا ۔ نوجوانی میں باپ سے ناراض ہوکر بنگال میں راجا مان سنگھ کے پاس آیا ۔ پھر شہزادہ سلطان دانیال کے پاس آیا اور اس کے مصاحبوں میں داخل ہوگیا ۔ سلطان دانیال اسے فرزند کہہ کر پکارتا تھا ۔ شاہزادہ دانیال کی وفات کے بعد بیس سال کی عمر میں جہانگیر سے منسلک ہوکر منصب سہ ہزاری اور صلابت خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ بعد میں خطاب خانجہان اور منصب پنج ہزاری سے نوازا گیا ۔ یکم رجب ۱۰۴۰ھ کو سید مظفر خان بارھہ سے لڑتا ہوا مارا گیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۷۱۶-۷۳۰) ۔

(۳۴) شیخ وجیہ الدین گجراتی : یہ گجرات کے سلسلۂ شطاریہ کے عظیم المرتبت بزرگ تھے اور شیخ غوث گوالیری کے مرید و خلیفہ تھے ۔ شیخ وجیہ الدین نے ۹۹۸ھ میں وفات پائی ۔ ان کا مزار احمد آباد میں ہے ۔ (رک : خزینۃالاصفیا ، ج ۲ ، ص ۳۳۶ - ۳۳۷ ، و زود کوثر ، ص ۳۸) ۔

(۳۵) رائے سنگھ : رائے کلیان مل راٹھور والی بیکانیر کا بیٹا تھا ۔ جلوس اکبری کے پندرھویں سال اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ سنہ ۱۷ جلوس میں گجرات کی سرحد پر متعین کیا گیا ۔ جلوس اکبری کے اکتیسویں سال اکبر نے جہانگیر کی شادی بڑی دھوم دھام سے اس کی بیٹی سے کر دی ۔ ۳۵ جلوس اکبری میں خانخاناں کے ساتھ مہم ٹھٹھہ پر متعین ہوا ۔ اکبر کے

آخری زمانے میں منصب چار ہزاری پر سرفراز تھا۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد منصب پنج ہزاری سے نوازا۔ ۷ جلوس جہانگیری (۱۰۲۱ھ) میں اس نے وفات پائی۔ (رک: امرائے ہنود، ص ۲۱۳ - ۲۱۶)۔

(۳۶) جہانگیر کی والدہ کا خطاب مریم زمانی تھا۔ اصل نام کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ البتہ دور حاضر کے بعض وقائع نگاروں نے اس کا نام امبیر کماری لکھا ہے جس سے صرف وطنی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا باپ راجا بہارا مل امبیر کا والی تھا جو جےپور سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۹۶۹ھ میں اکبرآباد سے لوٹتے ہوئے اکبر نے قصبہ سانبھر میں اس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ یہ سب سے پہلی راجپوت لڑکی تھی جو اکبر کی بیگمات میں شامل ہوئی۔ ۹۷۷ھ میں شاہزادہ سلیم اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ مریم زمانی نے ۱۹ رجب ۱۰۳۲ھ میں وفات پائی اور اس کو سکندرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ (رک: امرائے ہنود، ص ۷۷-۷۸، و دختران ہند، ص ۶۹-۷۹)۔

(۳۷) میر خلیل اللہ یزدی: یہ یزد سے عتاب شاہی کی وجہ سے بالکل تباہ حالی میں ہندوستان آیا اور جلوس جہانگیری کے دوسرے سال ۱۰۱۶ھ میں لاہور میں جہانگیر کی ملازمت میں منسلک ہوا۔ جہانگیر نے اس کو منصب ہزاری ذات و دو صد سوار سے سر بلند کیا اور بارہ ہزار روپے بطور مدد خرچ عطا کیے۔ اسی سال اس نے وفات پائی۔ (رک: ماثرالامرا، ج ۳، ص ۳۳۵-۳۴۲)۔

(۳۸) رائے درگا: اس کا اصل نام درگا داس سیسودیہ تھا۔ یہ چندراوت کا رہنے والا تھا جو پرگنۂ رامپور میں چتوڑ کے قریب واقع ہے۔ یہ رانا اودے سنگھ کی ملازمت ترک کر کے اکبر کے امرائے خاص میں شامل ہوگیا۔ پہلے میرزا محمد حکیم کی مہم پر مامور ہوا اور آخر میں عہد اکبری میں صوبۂ دکن میں مامور ہوا۔ جلوس جہانگیری کے دوسرے سال بیاسی سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔ (رک: امرائے ہنود، ص ۱۹۲ - ۱۹۳)۔

(۳۹) رانا اودے سنگھ راٹھور عرف موتا راجا: راجا مالدیو والیِ جودھ پور کا بیٹا تھا۔ ۲۵ جلوس اکبری میں اپنے باپ کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ ۹۹۴ھ میں اس نے اپنی بیٹی مان متی کی شادی، جو جگت گسائین کے نام سے

مشہور تھی ۔ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) سے کر دی ۔ جلوس اکبری کے چالیسویں سال اس نے وفات پائی ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۴۸) ۔

(۵۰) مولانا محمد امین : مولانا محمد امین بہت بڑے عالم با عمل تھے ۔ لاہور میں ان کا مدرسہ تھا اور ہندوستان کے مختلف مقامات کے طلبہ ان کے درس میں شریک ہوتے تھے (س)

(۵۱) شیخ محمود کمال : سرسید ایڈیشن میں یہ نام شیخ محمود کمال ہے لیکن ابوالفضل نے ان کا نام شیخ رکن محمود کمان گر بتایا ہے ۔ ملا عبدالقادر نے ان کا نام زین الدین محمود کمان گر لکھا ہے ۔ یہ اپنے وقت کے جیّد عالم اور صاحب دل بزرگ تھے ۔ (رک : منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۱۵۱ س) ۔

(۵۲) نکودر : ضلع جالندھر کی ایک تحصیل ہے ۔ یہاں میرزا مقیم (وزیرالملک) اور اس کی بیوی کے مزار ہیں (س) ۔

(۵۳) سلیم خان افغان : سلیم خان کا اصل نام جلال خان تھا جو شیرشاہ سوری کا چھوٹا بیٹا تھا ۔ شیرشاہ سوری کے بعد ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ع) میں پٹھانوں نے اسے تخت نشین کیا ۔ جلال خان نے تخت نشین ہوکر اسلام خان کا لقب اختیار کیا ۔ اس نے ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ع) میں وفات پائی ۔ (رک : (سیرالمتاخرین ، ج ۱ ، ص ۱۶۱—۱۶۲ ، ذکر اسلام شاہ) ۔

(۵۴) معظم خان : اس کا نام شیخ بایزید تھا ۔ شیخ سلیم فتح پوری کے پوتوں میں تھا ۔ جہانگیر نے اس کی والدہ کا دودھ پیا تھا ۔ یہ اکبر کے عہد میں منصب دو ہزاری پر فائز تھا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد اس کے منصب میں ہزار کا اضافہ کر کے اسے معظم خان کے خطاب سے نوازا ۔ پھر اسے منصب چار ہزاری و دو ہزار سوار سے سرفراز کر کے دھلی کا صوبیدار مقرر کیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۶۵ - ۳۶۶) ۔

تیسرا جشنِ نوروز

جمعرات کے دن ۲ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ع) (یکم فروردیں) کو آفتاب عالم تاب، جو اپنی روشنی سے تمام عالم کو روشن اور منور کرتا ہے، برج حوت سے مقام عشرت یعنی برج حمل میں، جو مسرت اور شادمانی [66] کا برج ہے، منتقل ہوا اور دنیا کو نئی رونق عطا کی۔ سرما زدہ اور خزاں کے ستم رسیدہ درختوں اور پودوں کو موسم بہار کی برکت سے نئے سال کے خلعت اور اقبال، اور کامرانی کی سبز قبائیں پہنائیں اور اس طریقے سے پچھلے مصائب و آلام کی تلافی کر دی:

باز فرمان آمد از سالار دہ
مر عدم را کانچہ خوردی باز دہ

موضع رنکتہ میں، جو آگرے سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع ہے، مجلس نوروز منعقد ہوئی۔ ٹھیک سورج کے برج حمل میں تحویل ہونے کے وقت میں مسرت و شادمانی کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔ مقرب اور امرا، درباری اور تمام ملازم مبارک باد کے مراسم بجا لائے۔ اسی مجلس میں میں نے خان جہاں کو پانچ ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا، اور خواجہ جہاں (۱) کو بخشی گری کے عہدے سے مفتخر کیا۔ وزیر خاں کو صوبۂ بنگال کی وزارت سے معزول کرکے اس کی جگہ ابوالحسن شہاب خانی کو بھیجا، اور نورالدین قلی کو آگرے کا کوتوال مقرر کیا۔ چوں کہ حضرت عرش آشیانی کا مقبرہ آگرے جاتے ہوئے راستے میں پڑتا تھا، مجھے خیال ہوا کہ اگر میں یہاں سے گزرتے ہوئے ان کے مرقد کی زیارت کی سعادت حاصل کر لوں، تو کم سمجھ لوگ یہ گمان کریں گے کہ میں نے (محض رسمی طور پر) ان کے مرقد کی زیارت کر لی، کیوں کہ یہ مرقد میرے راستے میں واقع تھا۔ اس لیے میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ اس مرتبہ میں (پہلے) آگرے جاؤں اور پھر محض ان کے مقبرے کی زیارت کے لیے ان کے مقبرے تک، جس کا فاصلہ آگرے سے ڈھائی کوس ہے، پیدل آؤں۔ چنانچہ انھوں نے میری پیدائش کی دعا کے لیے آگرے سے اجمیر کا سفر اسی طرح پیدل کیا تھا۔ کاش میرے لیے یہ ممکن ہوتا کہ میں یہ راستہ سر کے بل طے کر سکتا۔

قلعۂ آگرہ میں داخلہ :

ہفتے کے روز ۵ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ء) کو میں دوپہر کے بعد نیک ساعت میں آگرہ روانہ ہوا ، اور راستے میں پانچ ہزار روپے کی ریزگاری دونوں ہاتھوں سے لٹاتا ہوا اپنے محل سرا میں داخل ہوا جو قلعے کے اندر تھا ۔

راجا نرسنگھ دیو کی نذر :

اسی دن راجا نرسنگھ دیو نے ایک سفید چیتا لا کر نذر کیا ۔ اگرچہ تمام اقسام کے حیوانات میں سفید قسم کے چرند و پرند ، جن کو طویغان کہتے ہیں ، ملتے ہیں لیکن میں نے اب تک سفید رنگ کا چیتا نہیں دیکھا تھا ۔ چیتے کے جسم پر عموماً سیاہ رنگ کے داغ ہوتے ہیں لیکن اس کے جسم پر نیلے رنگ کے داغ تھے ۔ اس کی سفیدی بھی نیل گوں مائل تھی ۔ میں نے طویغہ (سفید جنس کے) جانوروں میں سے شاہین ، باشہ (شہباز) ، شکرہ ، جس کو فارسی زبان میں لَی فو[1] کہتے ہیں ، چڑیاں ، کوے ، چکور ، تیتر ، پودنہ اور مور دیکھے ہیں ۔ چڑیا گھر میں اکثر طویغہ (سفید رنگ کا) باز ہوتا ہے ۔ سفید گلہری بھی میں نے دیکھی ہے ۔ سیاہ ہرنوں کی قسموں میں تیرہ سوائے ہندوستان کے کہیں نہیں ہوتا ، اور چکارہ ہرن کی قسموں میں سفید چکارے کئی مرتبہ نظر سے گزرے ہیں ۔

ان ہی دنوں میں بھوج ہاڑہ کے بیٹے رتن (۲) نے جو معزز راجپوت امرا میں سے ہے ، شرف باریابی حاصل کیا اور تین ہاتھی پیش کرنے کے لیے لایا ۔ ان میں سے ایک ہاتھی مجھے پسند آیا ۔ سرکاری کارندوں نے اس کی قیمت پندرہ ہزار لگائی ۔ اسے خاصے کے ہاتھیوں میں داخل کر لیا گیا ۔ میں نے اس کا نام رتن گنج رکھا ۔ پہلے سے قیمتی ہاتھی ہندوستان کے بڑے راجاؤں کے پاس پچیس ہزار روپے سے زیادہ کا نہیں ہوتا تھا لیکن اب بہت گران ہو گیا ہے ۔ میں نے رتن کو سربلند رائے کے خطاب سے نوازا ۔

میراں صدر جہاں کو پنج ہزاری ذات اور ایک ہزار پانصد سوار کے

۱- اور کتابوں میں اس جانور کو بیگھو لکھا ہے ۔

منصب سے اور معظم خان کو چہار ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب سے ممتاز کیا. عبداللہ کو سہ ہزاری اور پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا. مظفر خان اور بھاؤ سنگھ میں سے ہر ایک کو دو ہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے نوازا.

ابوالحسن دیوان کو ہزار و پانصدی [67] اور اعتمادالدولہ کو ہزاری ذات اور دو سو پچاس سواروں کے منصب پر ترقی دی.

ہندی زبان کے شاعر کی مدح سرائی:

۲۵ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۸ع) کو خرم کے ماموں راجا سورج سنگھ (۳) نے مشہور امرا کے چچا زاد بھائی شیام کو ساتھ لا کر شرف باریابی حاصل کیا. شیام فی الجملہ صاحب شعور آدمی ہے اور یہ ہاتھی کی سواری خوب جانتا ہے.

راجا سورج سنگھ اپنے ساتھ ایک ہندی شاعر کو بھی لایا تھا. اس نے میری مدح میں جو شعر کہے تھے. ان کا مضمون یہ تھا کہ ''اگر سورج کے کوئی بیٹا ہوتا تو ہمیشہ دنیا میں دن رہتا اور رات کبھی نہ ہوتی، اس لیے کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوتا اور عالم کو روشن رکھتا. خدا کا شکر و احسان ہے کہ اس نے آپ کے باپ کو آپ جیسا فرزند عنایت کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کی وفات کے بعد لوگ ان کے ماتم کے غم سے، جو رات کی مانند ہے، محفوظ رہے. آفتاب آپ پر رشک کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش میرے بھی کوئی بیٹا ہوتا، جو میرا قائم مقام ہو کر دنیا میں رات نہ ہونے دیتا، اور اسی طرح عالم کو روشن بناتا جس طرح آپ کے طالع کی روشنی اور انصاف کے نور نے، باوجود آپ کے والد کے انتقال جیسے اہم واقعے کے، دنیا کو روشن بنا رکھا ہے، جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رات کا نام و نشان نہیں۔'' یہ مضمون آفرینی اور تازگی فکر میں نے ہندوستان کے شعرا میں کم دیکھی ہے. میں نے اس کو اس مدح کے صلے میں ایک ہاتھی عنایت کیا. راجپوت شاعروں کو چارن کہتے ہیں. زمانۂ حال کے شعرا میں سے ایک شاعر نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے:

گر پسر داشتی جہان افروز
شب نگشتی ہمیشہ بودی روز
زآنکہ چوں او نہفتہ افسرزر
بہ نمودی کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد آنچناں پدری
جانشیں گشت ایں چنیں پسری
کہ ز شنقسار گشتن آں شاہ
کس بہ ماتم نکرد جامہ سیاہ

جلال‌الدین مسعود کی وفات :

جمعرات کے دن ۸ محرم ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو جلال‌الدین مسعود نے، جو چار صدی منصب دار تھا، وفات پائی۔ وہ ایک دلیر آدمی تھا اور بعض معرکوں میں اس نے نمایاں کام انجام دیے تھے، لیکن وہ کچھ خبطی بھی تھا۔ تقریباً پچاس یا ساٹھ سال کی عمر میں مرضِ اسہال سے وفات پائی۔ وہ افیون کا عادی تھا اور افیون کو ریزہ ریزہ کرکے مثل پنیر کے کھاتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ اکثر اوقات افیون اپنی ماں کے ہاتھ سے کھاتا تھا۔ جب اس پر مرض غالب ہو گیا اور موت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس کی ماں نے انتہائے محبت کی وجہ سے، جو اس کو اپنے بیٹے سے تھی، خود افیون کھا لی اور اس سے زیادہ کھا لی جو اپنے بیٹے کو کھلاتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے کی وفات کے ایک دو گھنٹے کے بعد خود بھی فوت ہو گئی۔ اس قدر محبت کسی ماں کی اپنے بیٹے سے نہیں سنی گئی۔ ہندوؤں میں رواج ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کی وفات کے بعد، خواہ اپنے شوہر کی محبت کی وجہ سے خواہ اپنے باپ دادوں کے ناموس کی خاطر یا اپنے رشتے داروں کی لاج رکھنے کے لیے، اپنے آپ کو جلا دیتی ہیں لیکن کسی ہندو اور مسلمان کی ماں کی طرف سے یہ مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔

۱۵ ماہ محرم ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے اپنا سب سے بہتر گھوڑا از راہ عنایت راجا مان سنگھ کو دے دیا۔ (ایران کے بادشاہ) شاہ عباس نے یہ گھوڑا چند دوسرے گھوڑوں اور مناسب تحفوں کے ساتھ اپنے معتبر غلام منوچہر کے ہاتھ

حضرت عرش آشیانی کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس گھوڑے کے ملنے سے راجا مان سنگھ نے اس قدر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا کہ اگر میں اس کو سلطنت بھی بخش دیتا تو شاید اس قدر خوش نہ ہوتا۔ جس وقت کہ یہ گھوڑا لایا گیا، اس وقت تین چار سال کا تھا۔ ہندوستان میں پرورش پا کر بڑا ہوا۔ چناں چہ تمام درباری مغل اور راج پوت متفقہ طور پر کہتا کرتے تھے کہ عراق سے ایسا شاندار گھوڑا اب تک ہندوستان میں نہیں آیا۔ جب میرے والد بزرگوار ولایت خاندیس اور صوبۂ دکن میرے بھائی دانیال کو مرحمت کر کے [68] آگرے لوٹ رہے تھے تو انہوں نے از راہ شفقت و محبت دانیال سے کہا کہ جو چیز تمہیں سب سے زیادہ پسند ہو، مجھ سے طلب کرو۔ اس نے موقع مناسب جان کر یہی گھوڑا طلب کیا تھا۔ چناں چہ اس کی خواہش پر یہ گھوڑا انہوں نے اسے عنایت فرما دیا۔

اسلام خان کا صوبہ داری بنگال پر تقرر :

بنگال کے دن ۲۰ محرم ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) کو اسلام خان کی عرضداشت پہنچی، جو میرے غلام خاص جہانگیر قلی خان صوبہ دار بنگال کی وفات پر مشتمل تھی۔ جہانگیر قلی خان اپنے ذاتی جوہر اور فطری صلاحیتوں کی بدولت بڑے امرا کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی وفات سے مجھے بہت رنج ہوا۔ بنگال کی حکومت اور شہزادہ جہاندار کی اتالیقی فرزند اسلام خان کو عطا کر کے افضل خان کو اس کی جگہ ولایت بہار کا صوبہ دار بنا دیا۔

کرناٹک کے بازی گروں کی آمد :

حکیم علی کے بیٹے کو میں نے بعض خدمات بجا لانے کے لیے برہان پور بھیجا تھا۔ جب واپس آیا تو کرناٹک کے چند بازی گر اپنے ساتھ لایا جو بازی گری میں بے نظیر تھے۔ چناں چہ ان میں سے ایک بازی گر نے دس گیندوں کو، جن میں سے ہر ایک نارنگی کے برابر تھی اور ایک سنگترے کے اور ایک گھونگچی کے برابر تھی، اچھالنے کے بہت اچھے کرتب دکھائے۔ ان گیندوں میں اس قدر چھوٹائی بڑائی کے فرق کے باوجود وہ اس کمال سے اپنا کرتب دکھاتا تھا کہ ایک گیند بھی اس کے ہاتھ سے نہیں گرتی تھی۔ اس کے علاوہ اس قسم کے بعض اور

ایسے کھیل دکھائے جنھیں دیکھ کر عقل حیران ہوتی تھی۔

انہی دنوں میں ایک درویش (جوگی) سراندیپ سے آیا اور اپنے ساتھ ڈیونگ نام کا ایک جانور لایا جو کبھی میرے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اس کی پشت بڑی بکری کی پشت کے مانند ہے اور شکل و شباہت فی الجملہ بندر سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اس جانور کے دم نہیں۔ اس کی حرکات و سکنات بے دم سیاہ بندر کی طرح ہیں، جس کو ہندی زبان میں بن مانس کہتے ہیں۔ اس کا جثہ دو تین مہینے کے بندر کے بچے کے برابر ہے۔ اس جانور کا لانے والا پانچ سال پہلے درویش (جوگی) بن گیا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جانور اس سے بڑا نہیں ہوتا۔ اس کی غذا دودھ ہے، کیلا بھی کھا لیتا ہے۔ چوں کہ یہ مجھے عجیب و غریب جانور نظر آیا، اس لیے میں نے مصوروں کو حکم دیا کہ مختلف حرکات کے ساتھ اس کی تصویر لی جائے۔ دیکھنے میں یہ حیوان بہت کریہہ نظر آتا ہے۔

اسی دن میرزا فریدوں برلاس کو میں نے یک ہزار و پانصدی ذات اور هزار و سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا، اور حکم دیا کہ چوں کہ پاینده خاں مغل (۱۷) نے اس بڑھاپے تک سپاہیانہ فرائض انجام دیے ہیں، لہذا اسے منصب دو ہزاری ذات کے مطابق ایک جاگیر دی جائے۔

الف خاں کو ہفت صدی ذات اور پانصد سوار کے منصب پر سرفراز کیا۔ فرزند اسلام خاں صوبہ دار بنگال کو چہار ہزاری ذات اور سہ ہزار سوار کا منصب دیا اور قلعۂ رهتاس کی حفاظت کشور خاں ولد قطب الدین خاں کوکہ کے سپرد ہوئی۔ اهتمام خاں ہزاری ذات و سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز ہو کر میر بحری کی خدمت اور بنگال کی جنگی کشتیوں کی نگرانی پر متعین ہوا۔

یکم صفر ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو شمس الدین خاں ولد اعظم خاں نے دس ہاتھی تحفۃً پیش کیے۔ میں نے اسے دو ہزاری ذات اور سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کر کے جہانگیر خاں کے خطاب سے ممتاز کیا۔

جگت سنگھ کی لڑکی سے نسبت

چوں کہ میں نے راجا مان سنگھ کے بیٹے جگت سنگھ (۵) کی بیٹی سے اپنی نسبت ٹھہرائی تھی، اس لیے ۱۶ صفر ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو اسی ہزار روپے بطور ساچق (بری) کے اس کے گھر بھجوائے۔

نجیب النساء کی وفات :

اسی دن میری پھوپھی نجیب النسا بیگم (٦) نے اکسٹھ سال کی عمر میں سل اور دق کے مرض سے وفات پائی . میں نے ان کے بیٹے میرزا والی کو دو ہزار ذات اور دو سو سواروں کے منصب سے سرفراز کیا .

مقرب خان نے مجھے کھمبایت کی بندرگاہ سے ایک یورپ کا بنا ہوا پردہ بھیجا . اس پر وہاں کے مصوروں نے تصویر کشی کا جو کام کیا ہے ، اس سے بہتر یورپ کے مصوروں کا کام آج تک نہیں دیکھا گیا .

قیصر روم کے نامعلوم ایلچی کی آمد :

ماوراء النہر کا رہنے والا اقم نامی ایک حاجی ، جو ایک مدت سے روم میں تھا ، جو معقولیت ، علم اور معرفت سے خالی نہیں ہے ، اپنے آپ کو بادشاہ روم کا ایلچی بتاتے ہوئے آگرے میں [69] حاضر ہوا . غیر مصدقہ اسناد اس کے پاس تھے . اس کی وضع قطع اور حالات کو دیکھتے ہوئے درباریوں میں سے کوئی بھی اس کے ایلچی ہونے کی تصدیق نہیں کرتا تھا . جس زمانے میں حضرت صاحب قران (امیر تیمور) نے روم کو فتح کیا اور وہاں کے بادشاہ ایلدرم بایزید کو زندہ گرفتار کر لیا تو اس کے بعد نذرانہ اور سارے ملک روم کا سال بھر کا خراج وصول کرنے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ وہ ملک بدستور اس کو واپس کر دیں گے لیکن اسی اثنا میں ایلدرم بایزید نے وفات پائی اور ملک اس کے بیٹے موسیٰ چلپی کو مرحمت کر کے وہ خود واپس ہو گئے . باوجود اس عظیم احسان کے آج تک قیصران روم کی طرف سے کوئی شخص ہمارے ہاں آیا نہ انھوں نے کوئی ایلچی بھیجا . پھر یہ کس طرح باور کیا جا سکتا تھا کہ یہ ماوراءالنہری خوالدکار کا فرستادہ ہے . یہ بات کسی طرح بھی معقول نہ معلوم ہوئی اور کسی نے بھی اس کے دعوے کے صداقت کی تصدیق نہ کی . اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ جہاں بھی اس کا جی چاہے چلا جائے .

جگت سنگھ کی بیٹی سے شادی :

۴ ماہ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو جگت سنگھ کی بیٹی شاہی محل میں داخل ہوئی . حضرت مریم زمانی کے محل میں نکاح اور شادی کی رسمیں انجام

پائیں ۔ جہیز کے تمام سامان میں ، جو راجا مان سنگھ نے ہمراہ رکھا تھا ، ساٹھ ہاتھی بھی تھے ۔

چوں کہ میں رانا کی شورش کو مٹانے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مہابت خاں کو اس مہم پر روانہ کروں ۔ بارہ ہزار سوار مع ساز و سامان تجربہ کار سرداروں کے ساتھ اس کے ہمراہ کر دیے ۔ ان کے علاوہ پانسو احدی دو ہزار برقنداز پیادے توپخانے کے ساتھ جو ستر گجھنال[1] اور شترنال اور ساٹھ ہاتھیوں پر مشتمل تھا ، اس مہم کے لیے متعین کر دیے ، اور حکم دیا کہ شاہی خزانے سے بیس لاکھ روپے اس لشکر کے ہمراہ کر دیے جائیں ۔

میر خلیل اللہ کی وفات :

۱۶ ماہ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میر نعمت اللہ یزدی کے پوتے میر خلیل اللہ نے استسقا کے مرض سے وفات پائی ۔ اس کے اور اس کے خاندان کے مختصر حالات پہلے لکھے جا چکے ہیں ۔ اس کے چہرے سے خلوص اور درویشانہ بے نیازی ٹپکتی تھی ۔ اگر اس کی عمر وفا کرتی اور وہ اور کچھ مدت میری خدمت میں بسر کرتا تو بلند تر مناصب پر ترقی پاتا ۔

برہان پور کے بخشی نے چند آم بھجوائے تھے ۔ میں نے ان میں سے ایک آم کو وزن کرایا تو وہ ساڑھے باون تولے کا نکلا ۔

چالیسویں سال کا جشن قمری :

بدھ کے دن ۱۸ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے اپنے چالیسویں سال قمری کا جشن مریم زمانی کے گھر میں منایا اور اپنے ہم وزن زر کے متعلق حکم دیا کہ وہ بیوہ عورتوں اور مستحقوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

جمعرات کے دن ۴ ربیع الآخر ۱۰۱۷ (۱۶۰۸ع) کو احدیوں کے بخشی طاہر بیگ کو مخلص خاں کے خطاب سے اور ملا تقیائے شمشیری کو ، جو علم و فضل اور کمال سے آراستہ ہے اور علم تاریخ اور انساب کو خوب جانتا ہے ، مورخ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

۱- چھوٹی توپیں جو ہاتھی پر رکھی جاتی تھیں ، وہ گجھنال اور جو اونٹ اور گھوڑوں پر ہوتی تھیں ، وہ شترنال اور گھڑ نال کہلاتی تھیں ۔

اسی مہینے کی دسویں تاریخ کو عبداللہ خاں کے بھائی برخوردار کو میں نے بہادر خان کا خطاب دے کر اس کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیا۔

یونس خان (۷) ولد مہتر خان (۸) نے ایک صراحی سنگ یشب کی بنی ہوئی، جو میرزا الغ بیگ گورگان (۹) کے عہد حکومت میں ان کے نام نامی سے بنائی گئی تھی، نذر کی۔ یہ ایک نہایت نفیس اور خوش وضع تحفہ ہے اور اس کا پتھر نہایت سفید اور شفاف ہے۔ اس کی گردن کی گولائی میں میرزا کا مبارک نام سنہ ہجری کے ساتھ خط رقاع (۱۰) میں کھدا ہوا ہے۔ بذاتہ انتہائی درجے کی نفیس چیز ہے۔ میں نے حکم دیا کہ میرا اور حضرت عرش آشیانی کا مبارک نام اس صراحی کے منہ کے ایک طرف نقش کیا جائے۔ مہتر خاں اس سلطنت کے قدیم ملازموں میں سے ہے۔ اس نے حضرت جنت آشیانی کے عہد حکومت میں شاہی ملازمت کی سعادت حاصل کی اور میرے والد بزرگوار کے زمانے میں امارت کے مرتبے کو پہنچا۔ میرے والد اس کو اپنے قابل اعتماد ملازموں میں سمجھتے تھے۔

۱۶ ربیع الآخر ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے فرمان جاری کیا [70] کہ ولایت سنگرام جس طرح کہ ایک سال کے لیے بطور انعام فرزند اسلام خاں کے سپرد تھی، اسی طرح سے ایک سال کے لیے بطور انعام افضل خان صوبہ دار بہار کے سپرد کی جائے۔

اسی روز مہابت خان کو میں نے تین ہزاری ذات اور دو ہزار پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ یوسف خاں ولد حسین خاں تکریہ کو دو ہزاری ذات اور آٹھ سو سواروں کے منصب سے ممتاز کیا۔

مہابت خاں کی رانا کی مہم پر روانگی:

۲۴ ربیع الآخر ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو مہابت خاں کو ان امرا اور لوگوں کے ساتھ، جو مہم رانا پر متعین کیے گئے تھے، رخصت کیا۔ خان مذکور کو رخصت کے وقت خلعت، گھوڑا، ہاتھی اور جڑاؤ تلوار دی۔ ظفر خان کو علم عنایت کرنے کے علاوہ خلعت خاصہ اور مرصع خنجر سے نوازا۔ شجاعت خان کو بھی علم مرحمت کیا اور اس کے علاوہ میں نے اس کو خلعت اور ہاتھی عنایت کیا۔ راجا نرسنگھ دیو کو خلعت اور خاص گھوڑا دیا۔ منگلی خان (۱۱) کو

گھوڑا اور جڑاؤ خنجر اور نراین داس کچھواہہ اور علی قلی خاں درمن اور ہزبر خاں تہمتن کو تمغے دیئے۔ اور بہادر خاں اور معز الملک بخشی کو جڑاؤ خنجر سے نوازا۔ غرضیکہ اسی طرح تمام امرا اور سزدار اپنے مرتبے اور حیثیت کے مطابق شاہانہ عنایتوں سے سرفراز ہوئے۔

خانخاناں کی خدمتِ شاہی میں حاضری :

اسی دن (۲۴ ربیع الآخر) کو ایک پہر گزرنے کے بعد خانخاناں (عبدالرحیم) نے، جو میرے اتالیقی کے بلند مرتبے سے سرفراز ہے، برہان پور سے آکر سلام کی عزت حاصل کی۔ جوشِ مسرت کی وجہ سے، جو اس میں امنڈ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری قدم بوسی کے لیے سر کے بل آگے بڑھے یا پاؤں سے۔ وفورِ شوق میں اس نے بے اختیار ہو کر اپنے آپ کو میرے قدموں میں ڈال دیا۔ میں نے بھی اس کے سر کو نہایت شفقت اور محبت سے اٹھایا اور لطف و محبت سے بغل گیر ہو کر اس کے منہ کو بوسہ دیا۔ اس نے مروارید کی دو تسبیحیں اور کچھ لعل و زمرد بطور نذر پیش کیے۔ ان جواہرات کی قیمت کا اندازہ تین لاکھ روپے لگایا گیا۔ اس کے علاوہ اس نے ہر جنس اور ہر متاع کی بہت سی چیزیں تحفے کے طور پر پیش کیں۔

۱۷ جمادی الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو بنگال کے دیوان وزیر خاں (۱۲) نے حاضری کا شرف حاصل کیا اور ساٹھ ہاتھی اور ہتھنیاں اور ایک قطبی لعل نذرانے کے طور پر لایا۔ چوں کہ وہ قدیم ملازموں میں ہے اور ہر قسم کی خدمت بجا لاتا ہے، اس لیے میں نے حکم دیا کہ وہ میرے پاس رہے۔

چوں کہ قاسم خاں کی اپنے بڑے بھائی اسلام خاں سے بالکل نہیں بنتی، اس کو میں نے اپنے حضور میں طلب کیا تھا؛ وہ کل آیا اور حاضرِ خدمت ہو گیا۔

۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو آصف خاں نے ایک لعل پیش کیا جس کا وزن سات ٹانک ہے اور جسے آصف خاں کے بھائی نے کھنبایت کی بندرگاہ میں پچھتر ہزار روپے میں خریدا تھا۔ یہ لعل نہایت خوش رنگ اور خوش وضع ہے لیکن میرے اندازے کے مطابق اس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

رائے سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ سے سنگین خطائیں سرزد ہوئی تھیں لیکن چوں کہ اُس نے خان جہان کی پناہ حاصل کی تھی ، میں نے اس کے قصور معاف کر دیے اور جانتے بوجھتے ہوئے اس کے جرائم سے درگزر کیا ۔

۲۴ جمادی الاول ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو خانخاناں کے بیٹے ، جو سفر میں اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے ، حاضر خدمت ہوئے ۔ انھوں نے پچیس ہزار روپے کی مالیت کے تحفے پیش کیے ۔ اسی روز خانخاناں نے بھی نوے ہاتھی پیش کیے ۔

جشنِ وزنِ سالِ شمسی :

جمعرات کے دن یکم ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میرے سال شمسی کے وزن کی محفل منعقد ہوئی ۔ میں نے اپنے ہم وزن روپوں میں سے کچھ روپے (بیوہ) عورتوں میں تقسیم کیے اور بقیہ کے متعلق حکم دیا کہ یہ رقم ممالک محروسہ کے فقرا میں تقسیم کی جائے ۔

۴ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ خان اعظم (۱۳) کو ہفت ہزاری منصب کے مطابق بطور تنخواہ جاگیر دیں ۔

اسی دن ایک دودھ دینے والی ہرنی لائی گئی جو آسانی سے اپنا دودھ دوہنے دیتی تھی اور ہر روز اس سے چار سیر دودھ دوہا جاتا تھا ۔ میں نے ایسی مثال آج تک نہ دیکھی اور نہ سنی تھی ۔ ہرنی کے دودھ ، بھینس کے دودھ [71] اور گائے کے دودھ کے مزے میں کوئی فرق نہیں ۔ کہتے ہیں کہ ہرنی کا دودھ سانس کی تنگی (دمے) کے لیے مفید ہے ۔

۱۱ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو راجا مان سنگھ نے دکن کے لشکر کا انتظام کرنے کے لیے ، جس خدمت پر وہ متعین کیا گیا تھا ، اپنے وطن امبیر جانے کی اجازت چاہی ۔ میں نے اُسے شاہی ہاتھیوں میں سے مست نامی ہاتھی عنایت کر کے اجازت دے دی ۔

اکبر کا عُرس :

پیر کے دن ۱۲ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو حضرت عرش آشیانی کے عرس کا دن تھا ۔ مقررہ اخراجات کے علاوہ ، جو اس مجلس کے لیے مخصوص

ہیں ، میں نے چار ہزار روپے مزید بھیجے کہ ان کو فقیروں اور درویشوں میں ، جو روضۂ منورہ میں حاضر ہوں ، تقسیم کیا جائے ۔

اسی دن میں نے عبداللہ (۱۴) ولد خان اعظم کو سرفراز خاں کے خطاب سے اور قاسم خاں کے بیٹے عبدالرحیم کو تربیت خاں (۱۵) کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

دختر خسرو کا ملاحظہ :

منگل کے دن ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے خسرو کی بیٹی کو طلب کرکے دیکھا ۔ وہ اپنے باپ سے شکل و شباہت میں اس قدر ملتی جلتی ہے کہ شاید ہی کوئی اولاد اپنے باپ سے اس قدر ملتی ہو ۔ نجومیوں نے بتایا تھا کہ اس کی پیدائش اس کے باپ کے لیے مبارک نہیں لیکن آپ کے (جہانگیر) لیے مبارک ہے ۔ آخر ظاہر ہوا کہ جو بات انھوں نے کہی تھی ، بالکل صحیح تھی ۔ نجومیوں نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اس لڑکی کو مجھے تین سال کے بعد دیکھنا چاہیے ۔ چوں کہ آج یہ تین سال پورے ہو چکے تھے ، اس لیے میں نے اسے دیکھا ۔

۲۱ ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو خانخاناں (عبدالرحیم) نے اس بدنظمی کو ، جو نظام الملک کے علاقے میں حضرت عرش آشیانی کی وفات سے پیدا ہو گئی تھی ، رو براہ کرنے کا ذمہ لیا ، اور لکھ کر دیا کہ اگر میں دو سال کے اندر اس خدمت کو صحیح طور پر انجام نہ دوں تو میں قصور وار ہوں گا ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس لشکر کے علاوہ ، جو پہلے سے اس صوبے میں متعین ہے ، مزید بارہ ہزار سوار اور دس لاکھ روپے کا خزانہ اس کے ساتھ کیا جائے ۔ میں نے حکم دیا کہ فوراً لشکر کا ساز و سامان اور خزانے کا انتظام کرکے اسے روانہ کیا جائے ۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے احدیوں کے بخشی مخلص خاں کو صوبۂ دکن کی بخشیگری پر سرفراز کرکے اس کی خدمت حسین خاں میر بحر کو عنایت کی ۔

پیش رو خان اور کمال خان کی وفات :

یکم رجب ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو پیش رو خان اور کمال خان نے ، جو ہمارے پرانے ملازموں میں تھے ، وفات پائی .

پیش رو خان کو شاہ طہماسپ نے بطور غلام کے میرے دادا (ہمایوں) کو دیا تھا . اس کا اصل نام سعادت تھا . عرش آشیانی کی ملازمت میں وہ فراش خانے کا داروغہ بن گیا تھا ، اور اسے پیش رو خان کا خطاب ملا تھا . اس خدمت میں وہ اس قدر ماہر تھا کہ گویا یہ خدمت ایک ایسا لباس ہے جو اس کے قامت پر بالکل چست کر دیا گیا ہے . نوے سال کی عمر میں چودہ سال کی عمر کے نوجوانوں سے زیادہ مستعد تھا . اس نے میرے دادا (ہمایوں) اور میرے باپ (اکبر) کی اور میری خدمت کی سعادت حاصل کی تھی . وہ ایک لمحہ نشۂ شراب کے بغیر نہ رہ سکتا تھا :

آلودۂ شراب "فغانی" بخاک رفت
آہ از ملائکش کفن تازہ بو کنند

پیش رو خان نے اپنے مرنے کے بعد پانچ لاکھ روپے چھوڑے ، اور رعایت نام کا ایک لڑکا نہایت نالائق اپنے پیچھے چھوڑا . اس کے باپ کے حقوقِ خدمت کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے اس کو نصف فراش خانے کا اور تماق خان کو باقی نصف کا داروغہ مقرر کیا .

کمال خان میرے مخلص ملازموں میں تھا اور دہلی کے کلالوں کے خاندان میں سے تھا . اس کی امانت و دیانت کے پیش نظر اور اس اعتماد کی بنا پر جو مجھے اس پر تھا ، میں نے اسے باورچی خانے کا داروغہ بنایا تھا . ایسے قابل اعتماد خدمت گار بہت کم ملتے ہیں . اس نے اپنے بعد دو لڑکے چھوڑے . میں اگرچہ ان دونوں سے بہت شفقت سے پیش آیا ، لیکن وہ کمال خان کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں .

۲ ماہ مذکور (رجب) ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو لعل کلاونت ، جو بچپنے میں میرے والد کی خدمت میں آیا اور جوان ہوا تھا ، اور ہندی زبان میں گائے جانے والے راگ اور راگنیاں اسے خوب یاد تھیں ، پینسٹھ سال بلکہ ستر سال کی عمر میں فوت ہو گیا . اس کی کنیزوں میں سے ایک کنیز اس حادثے سے ایسی

متاثر ہوئی کہ اس نے افیون کھا کر خودکشی کر لی ۔ مسلمان عورتوں میں ایسی عورت بہت کم دیکھنے میں آئی ہے جس نے ایسی وفا داری کی ہو ۔

لڑکوں کو خواجہ سرا بنانے کی ممانعت :

ہندوستان میں خصوصاً اور سلہٹ کے خطے میں [72] عموماً ، جو بنگال کا ایک ضلع ہے ، قدیم سے رسم چلی آتی ہے کہ وہاں کے لوگوں میں بعض اپنے لڑکوں کو خواجہ سرا (خصّی) کر کے محاصل کی ادائی میں حکام کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ یہ رسم آہستہ آہستہ دوسرے علاقوں میں بھی پھیل رہی ہے ، اس طرح ہر سال کتنے لڑکے ضائع اور مقطوع النسل ہو جاتے ہیں ۔ چوں کہ یہ رسم بہت زیادہ رواج پکڑتی جا رہی تھی اس لیے میں نے حکم دیا کہ آج سے کوئی شخص اس بری رسم کا مرتکب نہ ہو ، اور چھوٹے خواجہ سراؤں کی خرید و فروخت بالکل بند کی جائے ۔ اسلام خان اور صوبۂ بنگال کے دوسرے حکام کے نام احکام جاری کر دیے کہ جو شخص اس برائی کا مرتکب ہو ، اسے تنبیہ کی جائے ۔ اور مناسب سزا دی جائے ۔ جس کے پاس کم عمر خواجہ سرا نظر آئیں ، اس سے لے لیے جائیں ۔ سلاطین سلف میں سے کسی کو اس (قبیح رسم) کے روکنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی ۔ انشاء اللہ چند دنوں میں یہ قبیح رسم بالکلیہ ختم ہو جائے گی اور خواجہ سراؤں کی خرید و فروخت بند ہو جائے گی اور کوئی شخص اس فعل قبیح کا اقدام نہ کرے گا ۔

خانخاناں کو ایک گھوڑا اور بیس ہاتھی :

شاہ عباس کے فرستادہ گھوڑوں میں سے سمند قسم کا ایک گھوڑا ، جو میرے شاہی اصطبل کے گھوڑوں میں سب سے عمدہ تھا ، میں نے خان خاناں (عبدالرحیم) کو دے دیا ۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کی خوشی اور مسرت کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس قد و قامت کا اور اتنا اچھا گھوڑا اب تک ہندوستان میں نہیں آیا تھا ۔ اس کے علاوہ فتوح نام کا ایک ہاتھی بھی ، جو لڑائی اور جنگ کے لیے بے نظیر ہے ، اور ہاتھیوں کے ساتھ ، جو گنتی میں بیس ہیں ، میں نے اس کو عنایت کر دیا ۔

کشن سنگھ (۱۹) کو ، جو مہابت خان کے ساتھ متعین تھا ، میں نے دو ہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے سرفراز کیا کیوں کہ اس نے قابل قدر

خدمات انجام دیں تھیں اور رانا کے خلاف لڑتے ہوئے پاؤں پر برچھی کے زخم کھائے تھے ، اور دشمن کے بیس آدمیوں کو قتل کیا تھا۔

میرزا غازی کو قندھار جانے کا حکم :

۱۴ ماہ مذکور (رجب) ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں نے حکم دیا کہ میرزا غازی ، قندھار روانہ ہو جائے . یہ حسن اتفاق ہے کہ جب میرزا غازی بکھر سے قندھار روانہ ہو رہا تھا ، اسی دن قندھار کے حاکم سردار خاں کی وفات کی خبر پہنچی . سردار خاں میرے چچا محمد حکیم کے شناسا اور منتخب ملازموں میں تھا ، اور تختہ بیگ کے لقب سے مشہور تھا ، اس کا نصف منصب میں نے اس کے بیٹوں کو عطا کر دیا .

اکبر کے مقبرے کی زیارت اور عمارت میں ترمیم :

پیر کے دن ۱۷ ماہ مذکور (رجب) ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) کو میں پیدل حضرت عرش آشیانی کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا . اگر ممکن ہوتا تو میں یہ راستہ اپنی پلکوں اور سر کے بل طے کرتا . میرے والد بزرگوار (اکبر) نے میری ولادت کے لیے فتح پور سے اجمیر تک ، جو ایک سو بیس کوس کا فاصلہ ہے ، حضرت خواجہ معین‌الدین سجزی چشتی کی زیارت کے لیے پیدل سفر کیا تھا . اگر میں سر اور آنکھوں سے اپنے والد کے روضے کی زیارت کے لیے جاؤں تو بھی یہ حق ادا نہ ہوگا . جب میں اپنے والد کے مرقد کی زیارت سے مشرف ہو چکا تو میں نے وہ عمارت بھی دیکھی جو ان کے روضۂ منورہ پر بنائی گئی تھی . لیکن یہ عمارت ایسی نہیں بنی تھی جیسی کہ میرا دل چاہتا تھا . میری خواہش یہ تھی کہ یہ عمارت ایسی بنائی جائے کہ تمام عالم کے سیّاح اس کی مثال دنیا میں نہ بتا سکیں . لیکن جب اس عمارت کی تعمیر شروع ہوئی تو اس وقت بدبخت خسرو کا قصہ پیش آ گیا اور مجھے مجبوراً لاہور روانہ ہونا پڑا . معماروں نے اپنے طور پر اور اپنے ذوق کے مطابق یہ عمارت کھڑی کر دی . میں نے معائنے کے بعد اس میں بعض تبدیلیوں کا حکم دیا اور اس پر ایک بڑی رقم صرف ہوئی . اور اس تبدیلی میں تقریباً تین چار سال کا عرصہ لگ گیا ، اب میں نے دوبارہ حکم دیا ہے کہ معمارانِ ماہر ، تجربہ کار اشخاص سے

مشورہ کرکے طے شدہ نقشے کے مطابق اس عمارت کے بعض حصوں کو گرادیں اور درجہ بدرجہ ایک عالی شان عمارت تعمیر کریں ، اور عمارت کے گرد ایک سرسبز اور پر فضا باغ لگانے کے علاوہ ایک نہایت اونچا اور شاندار دروازہ ، جس کے اوپر سنگ مرمر کے مینار بھی ہوں ، بنایا جائے ۔ [73] مجھے اس عمارت کا خرچہ پندرہ لاکھ روپے بتایا گیا جو ایران کے پچاس ہزار تومان کے برابر اور توران کے پینتالیس لاکھ خانی کے مطابق ہوتا ہے ۔

حکیم علی کے حوض کی تعریف :

اتوار کے دن ۲۳ رجب ۱۰۱۷ھ (۱٦۰۸ع) کو حکیم علی (۱۷) کے گھر حوض دیکھنے کے لیے گیا ۔ میرے مقرب مصاحب ، جنھوں نے یہ حوض پہلے نہیں دیکھا تھا ، میرے ساتھ تھے ۔ اس طرح کا ایک حوض اس نے حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں لاہور میں بھی بنوایا تھا ۔ یہ حوض چھ گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے ۔ حوض کے برابر میں ایک گھر بنا ہوا ہے جو نہایت روشن ہے ۔ اس گھر کا راستہ بھی پانی سے ہو کر جاتا ہے ، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس راستے سے گھر میں پانی نہیں آتا ۔ اس گھر میں دس بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوگی ۔ حکیم نے نقد اور جنس سے جو چیزیں اس وقت اس کے پاس تھیں ، بطور نذر پیش کیں ۔ میں اس گھر کے ملاحظے کے بعد ، جب تمام مقرب مصاحب گھر میں داخل ہو گئے ، حکیم کو دو ہزاری منصب سے سرفراز کرکے اپنے دولت خانے کو لوٹ آیا ۔

اتوار کے دن ۱۳ ماہ شعبان ۱۰۱۷ھ (۱٦۰۸ع) کو خانخاناں (عبدالرحیم) کو جڑاؤ خنجر ، خلعت اور خاصے کا ہاتھی دے کر میں نے دکن کی مہم پر روانہ کر دیا ۔ راجا سورج سنگھ کو بھی ، جو دکن کی مہم پر متعین ہے ، سہ ہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

مرتضیٰ خاں کی برطرفی :

بار بار یہ خبریں مجھ تک پہنچ رہی تھیں کہ مرتضیٰ خاں کے بھائیوں اور ملازموں سے احمد آباد گجرات کی رعایا اور وہاں کے باشندوں کو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں ، اور وہ اپنے عزیزوں اور ملازموں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا ۔ چناں چہ میں نے اسے اس صوبے سے ہٹا کر اعظم خاں کو وہاں کا

حاکم مقرر کر دیا ، اور حکم دیا کہ اعظم خان میرے پاس رہے اور اپنے بڑے بیٹے جہانگیر قلی کو اپنا نائب بنا کر اسے گجرات روانہ کرے . اور جہانگیر قلی خان کے منصب میں اضافہ کرکے اسے سہ ہزاری ذات اور دو ہزار پانصد سوار پر فائز کیا . اور حکم دیا کہ سوھن داس دیوان (۱۸) اور مسعود بیگ ہمدانی بخشی کے ساتھ صوبۂ گجرات کے اہم امور کا فیصلہ کرے .

سوھن داس کو ہفت صدی ذات اور پانصد سوار اور مسعود بیگ کو سہ صدی ذات اور یک صد و پنجاہ سوار کے منصب پر سرفراز کیا .

بخشی کے ملازمین میں سے تربیت خان کو ہفت صدی ذات اور چہار صد نفر کے منصب پر فائز کیا .

نصراللہ کو بھی اسی منصب پر سرفراز کیا . مہتر خان ، جس کے حالات اپنی جگہ لکھے جا چکے ہیں ، انھی ایام میں فوت ہوگیا .

خسرو کے لڑکے کی پیدائش :

بدھ کے دن ۴ ذی الحجہ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۹ء) کو خسرو کے ہاں خان اعظم کی بیٹی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے بلند اختر رکھا .

تیمور کی تصویر :

۲ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۹ء) کو مقرب خان نے ایک تصویر بھیجی جس کے متعلق اہل یورپ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ صاحب قران (امیر تیمور) کی شبیہ ہے . یہ اس وقت بنائی گئی تھی جب کہ سلطان ایلدرم (بایزید) ، امیر تیمور کی فاتح فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا . اس وقت ایک عیسائی نے ، جو استنبول کا حاکم تھا ، اپنے ایک ایلچی کے ہاتھ (امیر تیمور) کی خدمت میں کچھ تحائف اور ہدیے ارسال کیے اور اطاعت و بندگی کا اظہار کیا تھا . اس نے ان تحائف اور ہدایا کے ساتھ اپنے ایلچی کے ہمراہ ایک مصوّر بھی بھیجا تھا . اس مصوّر نے صاحب قران (امیر تیمور) کی یہ تصویر بنائی تھی . اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو میرے لیے اس تصویر سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ قیمتی نہیں ہو سکتا ، لیکن اس تصویر کی شباہت امیر تیمور کے خاندان اور ان کی اولاد میں کسی سے نہیں ملتی اس لیے مجھے اہل یورپ کی اس بات پر یقین نہیں آتا .

حواشی جشن سوم

(۱) خواجه جہاں : اس کا اصل نام دوست محمد تھا ۔ وہ کابل کا رہنے والا تھا ۔ جہانگیر کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کی سرکار کا دیوان مقرر ہوا تھا ۔ پھر تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے اسے اونچا منصب اور خواجہ جہاں کا خطاب دیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال اس کو بخشی گری کے عہدے پر ترقی دی گئی ۔ اس نے آگرے میں وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۷۲-۶۷۳) ۔

(۲) رتن ولد بھوج ہاڈا : اپنے والد کی بعض خطاؤں کی وجہ سے چند دن جہانگیر کے عتاب میں رہا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال وہ جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ جہانگیر نے اسے معاف کرکے راے کا خطاب دیا ۔ اس نے ۱۰۴۰ھ میں بالا گھاٹ کے لشکر میں وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۰۸-۲۱۱) ۔

(۳) راجا سورج سنگھ راٹھور : راجا مال دیو فرماں رواے جودھپور کا پوتا تھا ۔ ۴۰ سنہ جلوس اکبری میں اپنے والد کے مرنے کے بعد منصب ہزاری پر سرفراز ہوا ، اور شاہزادہ مراد کے ساتھ گجرات میں متعین کیا گیا ۔ شاہزادہ مراد کی وفات کے بعد شاہزادہ دانیال کے ساتھ مہم دکن پر متعین ہوا ۔

جہانگیر کے جلوس کے تیسرے سال دکن سے آکر جہانگیر کے حضور میں باریاب ہوا ، اور جلوس جہانگیری کے چوتھے سال منصب چار ہزاری ذات و دو ہزار سوار سے سرفراز ہو کر پھر مہم دکن پر متعین ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال شاہزادہ خرم کے ساتھ مہم رانا پر متعین ہوا ۔ آخر میں پھر مہم دکن پر متعین کیا گیا اور ۱۰۲۸ھ میں اس نے وہیں وفات پائی ۔ (رک : امراے ہنود ، ص ۲۵۴-۲۵۵) ۔

(۴) پاینده خان مغل : ہمایوں کے مشہور امیر حاجی محمد کے بھائی کا بیٹا تھا۔ اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد کابل میں رہ کر تربیت حاصل کی ۔ جوان ہونے کے بعد معظم خان کے ہمراہ ۹۶۸ھ میں اکبر کے حضور میں پیش ہوا ۔ اکبر نے حکم دیا کہ وہ ادھم خان کوکہ کے ساتھ مہم مالوہ میں شریک ہو ۔ اس مہم میں وہ کامیاب ہو کر واپس آیا ۔ اکبر نے از راہ قدر دانی اپنے آمرا کے زمرے میں شامل کر لیا ۔ جب خانخانان عبدالرحیم نے گجرات فتح کیا تو وہ بھی اس کے ہم رکاب تھا ۔ جہانگیر بھی اس کا بے حد قدر دان تھا ۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اسے جاگیر اور وظیفہ عطا کیا ۔ پاینده خان مغل نے ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی ۔ (رک : اکبر نامہ ، ج ۲ ، ۳۰۲ ، ذخیرۃ الخوانین ، ص ۲۲۲) ۔

(۵) جگت سنگھ : راجا مان سنگھ کا بڑا بیٹا تھا ۔ باپ کے ساتھ اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو کر منصب ہشت صدی سے سرفراز ہوا ۔ ۱۰۰۹ھ میں میرزا جعفر آصف خان کے ساتھ راجا باسو کی تنبیہ پر مامور ہوا ۔ ۱۰۰۸ھ میں اکبر نے اسے بنگال کی حکومت پر مامور کیا ۔ یہ ابھی آگرے میں تہیۂ سفر میں مصروف تھا کہ اس نے وفات پائی ۔ جہانگیر نے اپنے جلوس کے تیسرے سال اس کی بیٹی کی خواستگاری کی اور ۱۶ محرم ۱۰۱۷ھ کو اسی ہزار روپے بطور ساچق ، راجا مان سنگھ کے گھر بھیجے ۔ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۷ھ کو اس کی بیٹی حرم سرائے شاہی میں داخل ہوئی (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۴۴-۱۴۵) ۔

(۶) نجیب النسا بیگم : (فخرالنسا) ہمشیرۂ میرزا محمد حکیم ، ماہ چوچک بیگم کے بطن سے ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ع) میں پیدا ہوئی ۔ شاہ ابوالمعالی ترمذی کی بیوی تھی (رک : شجرہ (N) مشمولہ ترخان نامہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۷) سولس خان ولد سہتر خان : جہانگیر کے عہد میں منصب پانصدی ذات و یک صد و بست سوار سے سرفراز ہوا تھا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۴۵) ۔

(۸) مہتر خان : اس کا اصل نام انیس تھا ۔ یہ ہمایون کے عہد میں کڑہ مانکپور سے قید ہو کر آیا اور محل کے دربانوں میں شامل کیا گیا ۔ جلوس اکبری کے چودھویں سال جب اکبر نے قلعۂ رنتھنبور کو فتح کیا ، تو اس قلعے کی حفاظت اسی کے سپرد کی ۔ آخر میں منصب سہ ہزاری ذات و سوار تک ترقی کی ۔ جہانگیر کے جلوس کے تیسرے سال ۱۰۱۷ھ میں اس نے چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۴۴۳) ۔

(۹) میرزا الغ بیگ گورگان : ولد میرزا شاہرخ ، تیمور کا پوتا تھا ، جو گوہر شاد آغا کے بطن سے یکشنبہ ۱۹ جمادی الاول ۷۹۶ھ ، (۲۲ مارچ ۱۳۹۴ع) کو پیدا ہوا اور ۸۵۰ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۴۴۷ع کو اپنے والد کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا ۔ ۸۵۳ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۴۴۹ع کو اپنے بیٹے عبداللطیف کے ایما پر عباس علی نامی شخص کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ (رک : شجرۂ شاہ رخ میرزا (J) مشمولہ ترخان نامہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۱۰) خط رقاع : خط کی ایک قسم (رک : تذکرۂ خوش نویسان ، غلام محمد ہفت قلمی ، مطبوعہ کلکتہ) ۔

(۱۱) منکلی خان ولد مالو منکلی افغان : مہم رانا میں اسے شاہ نواز خان کا خطاب دیا گیا تھا ۔ بعد میں اس سے یہ خطاب لے کر میرزا ایرج ولد نواب خانخانان کو دیا گیا اور اس کو منکلی خان کے خطاب سے نوازا گیا ۔ اس نے اپنی اجل طبعی سے وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۴۰۴) ۔

(۱۲) وزیر خان : اس کا نام مقیم تھا ۔ اس نے اکبر کے زمانے میں اپنی حیثیت کے مطابق منصب اور وزیر خان کا خطاب حاصل کیا ۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں اسے ہزار و پانصدی کا منصب دیا اور وزیرالملک جان بیگ کی شرکت میں اس کا تقرر وزارت ممالک محروسہ پر کیا ۔ پھر بنگال کی دیوانی پر بھیجا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال وہاں سے واپس آیا اور کچھ دن جہانگیر کی ملازمت میں رہ کر شاہزادہ پرویز کے ساتھ دکن کی مہم

پر متعین کیا گیا اور مستقل طور پر شاہزادہ پرویز کی خدمت میں رہا۔ جلوس جہانگیری کے گیارھویں سال منصب دو ہزاری و ہزار سوار سے نوازا گیا۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۳، ص ۹۳۲-۹۳۳)۔

(۱۳) خان اعظم : میرزا عزیز کوکہ شمس الدین محمد خان اتکہ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اکبر کا ہم عمر اور اس کے ساتھ کھیلا ہوا تھا۔ اس کی والدہ جیجی بیگم اکبر کی رضاعی والدہ تھی۔ اکبر اسی نسبت کی بنا پر کہا کرتا تھا کہ میرے اور میرزا عزیز کوکہ کے درمیان ایک دودھ کی نہر کا واسطہ ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بیٹی سلطان مراد سے بیاہی گئی تھی۔ جب شاہزادہ خسرو اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کی ولی عہدی کا قضیہ سامنے آیا تو اس بنا پر کہ اس کی بیٹی خسرو سے منسوب تھی ، یہ خسرو کے حامیوں میں تھا۔ جہانگیر کے پہلے سال جلوس میں اس پر اس کا عتاب بھی ہوا اور جہانگیر نے اسے معاف بھی کر دیا۔ وہ جہانگیر کے زمانے میں بھی متعدد خدمات پر رہا۔ جلوس جہانگیر کے اٹھارویں سال میرزا خسرو کے بیٹے داور بخش کا اتالیق مقرر ہوا۔ آخر احمد آباد میں ۱۰۳۳ھ میں اس نے اجل طبعی سے وفات پائی۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۱، ص ۶۷۵-۶۸۹)۔

(۱۴) عبداللہ خان : یہ خان اعظم کا چوتھا بیٹا تھا۔ خان اعظم کو اس سے بے حد محبت تھی۔ حافظے اور علم تاریخ میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ عبداللہ خان نے اپنی اجل طبعی سے وفات پائی۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی، ص ۳۷۲)۔

(۱۵) تربیت خان : عبدالرحیم پسر قاسم خان بن شجاعت خان اکبری۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال جہانگیر نے اس کی بہن صالحہ بیگم سے شادی کی اور اس کو بادشاہ محل کا خطاب دیا۔ اسی سال عبدالرحیم کو بھی تربیت خان کے خطاب اور ہفت صدی اور چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔ جلوس جہانگیری کے پانچویں سال پرگنۂ الور کا فوج دار مقرر ہوا۔ سر سید ایڈیشن میں عبدالرحیم کے باپ کا نام قاسم خان درج ہے لیکن ماثرالامرا میں قائم خان ہے۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۱، ص ۴۸۲-۴۸۳)

(۱۶) کشن سنگھ : راجا اودے سنگھ راٹھور کا بیٹا اور راجا سورج سنگھ کا بھائی تھا۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال مہابت خان کے ساتھ مہم رانا پر

متعین ہوا ۔ اس مہم میں شجاعت و جاں بازی کے جوہر دکھانے کی وجہ سے منصب داری سے ترقی کرکے امرا کی صف میں شریک ہوا اور منصب دو ہزاری ذات و ہزار سوار سے سربلند ہوا ۔ جشن سال جہانگیر اجمیر گیا ، کشن سنگھ اور اس کا بھائی سورج سنگھ دونوں ساتھ تھے ۔ دونوں بھائیوں کو ایک معاملۂ خاص کی وجہ سے عداوت تھی ۔ کشن سنگھ اور اس کے بھائی کے ساتھیوں کے درمیان تلوار چلی اور کشن سنگھ مارا گیا ۔ کشن سنگھ کا آباد کیا ہوا شہر کشن گڑھ اب تک موجود ہے (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۸۶-۲۸۷) ۔

(۱۷) حکیم علی : یہ گیلان کا باشندہ تھا ۔ حکیم الملک شمس الدین کا بھانجا اور حکیم فتح اللہ گیلانی سے قرابت قریبہ رکھتا تھا ۔ وہ کچھ عرصے تک میر فتح اللہ شیرازی کے درس میں بھی شریک رہا ۔

حکیم علی گیلانی ، عبدالرحیم خانخانان کے توسط سے دربار شاہی میں حاضر ہوا اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے اکبر کے خاص مقربوں میں شامل ہو گیا ۔ وہ علوم و فنون ، خصوصاً طب اور ریاضی میں یکتائے روزگار تھا ۔ اس نے علوم نقلی کی تکمیل شیخ عبدالنبی صدرالصدور سے کی تھی ۔ وہ زبردست معالج اور حکیم حاذق تھا ۔ ۱۰۰۲ ھ میں اکبر نے اسے جالینوس زمان کا خطاب دیا تھا ۔ وہ کچھ عرصے تک صوبۂ بہار کا صدر بھی رہا ۔ جب اکبر مرض الموت میں مبتلا ہوا تو حکیم علی اس کا معالج تھا ۔ جہانگیر کے دل میں یہ گرہ بیٹھ گئی تھی کہ حکیم نے اس کے باپ کے علاج میں کوتاہی کی ہے ، اسی لیے اس نے توزک کے جشن چہارم کی ابتدا میں حکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو بد فطرت لکھا ہے ۔ حکیم نے ۵ محرم ۱۰۱۸ ھ میں وفات پائی ۔ حکیم کی سب سے بڑی اور مشہور یادگار شرح قانون ''شیخ بو علی سینا'' ہے جو مطبع نولکشور سے شائع ہوئی تھی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۶۸-۵۷۳ و بدایونی ج ۳ و اکبر نامہ (س)) ۔

(۱۸) موہن داس : راجا بکرماجیت کا بیٹا تھا اور منصب ہشت صدی و پانصد سوار پر سرفراز تھا ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۳۹۱) ۔

چوتھا جشن نوروز

[74] ہفتہ ۱۴ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۹ع) کی رات کو سورج برج حوت سے برج حمل میں تحویل ہوا اور اس کے بعد نوروز عالم افروز شروع ہوا جس کے ساتھ کئی برکتیں اور مسرتیں آئیں۔

حکیم علی کی وفات :

جمعہ کے دن ۵ محرم ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو حکیم علی نے وفات پائی۔ وہ بے نظیر حکیم تھا ، علوم عربیہ پر بہت اچھا عبور رکھتا تھا۔ میرے والد بزرگ وار کی حکومت کے زمانے میں اس نے شیخ بوعلی سینا کی کتاب **قانون** کی شرح لکھی تھی۔ اس کی محنت اور ریاضت اس کی ذہانت سے بڑھ کر تھی ، جس طرح کہ اس کی صورت اس کی سیرت سے بہتر تھی۔ اس کا اکتساب علم و فن اس کی ذاتی ذہانت سے کہیں زیادہ تھا ، لیکن ان اوصاف کے باوجود وہ بڑا بدطینت اور بد فطرت آدمی تھا۔

۲۰ صفر ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے میرزا برخوردار کو خان عالم (۱) کے خطاب سے سرفراز کیا۔

فتح پور کے گرد و نواح سے ایک تربوز لایا گیا؛ اتنا بڑا تربوز میں نے اب تک نہ دیکھا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا وزن کرایا جائے۔ چنانچہ وہ تولا گیا تو اس کا وزن ساڑھے تینتیس سیر ہوا۔

جشن سال قمری :

پیر کے دن ۱۹ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو قمری سال شروع ہونے پر میری "مجلس وزن" میری والدۂ بزرگوار کے گھر میں منعقد ہوئی۔ جو روپیہ تول میں حاصل ہوا اس کا کچھ حصہ ان عورتوں میں تقسیم ہوا جو اس روز جمع ہوئی تھیں۔

پرویز کی صوبۂ دکن کو روانگی :

یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نظم سلطنت کے قائم رکھنے اور صوبۂ دکن کے اہم امور کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ شاہزادوں میں سے ایک

شہزادے کو وہاں روانہ کیا جائے ۔ اس بنا پر میں نے فیصلہ کیا کہ فرزند پرویز کو وہاں روانہ کروں۔ میں نے حکم دیا کہ پرویز کا سامان سفر تیار کر کے (نجوم کے مطابق) اس کی روانگی کا وقت متعین کیا جائے ۔

مہابت خاں کی مہم رانا سے طلبی :

مہابت خاں کو ، جس کو مہم رانا کا سردار بنایا گیا تھا ، بغض مصالح کی بنا پر میں نے اپنے حضور میں طلب کر لیا اور عبداللہ خاں کو فیروز جنگ (۲) کے خطاب سے سرفراز کر کے اس کی جگہ متعین کیا ۔ اور عبدالرزاق بخشی کو اس لشکر کے منصب داروں کے نام حکم دے کر بھیجا کہ کوئی شخص بھی عبداللہ خاں کے حکم سے سرتابی نہ کرے ۔ اور اس کے شکر و شکایت کو غور سے سنیں اور عمل کریں ۔

۳ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو بھیڑ بکریاں چرانے والے ایک چرواہے نے ، جو ایک مشہور قبیلے سے تھا ، ایک خصّی بکرا میرے ملاحظے کے لیے پیش کیا جس کے بکری کی طرح تھن تھے اور قہوہ کی ایک پیالی کے برابر ہر روز دودھ دیتا تھا ۔ چوں کہ دودھ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے اور بہت سے حیوانات کی پرورش کی غذا ہے ، اس لیے میں نے اس واقعے کو اپنے لیے نیک شگون سمجھا ۔

۹ ماہ مذکور (جمادی الاول) ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو خان اعظم کے بیٹے کو دو ہزاری ذات اور ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور سورت کی ولایت پر ، جو جوناگڑھ کے نام سے مشہور ہے ، مقرر کر کے روانہ کیا ۔

حکیم صدرا کو مسیح الزماں کا خطاب :

حکیم صدرا (۳) کو پانصدی ذات اور سی سوار کے منصب پر فائز کر کے اسے مسیح الزمان کے خطاب سے نام ور کیا ۔

۱۶ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو راجا مان سنگھ کو جڑاؤ تلوار بھجوائی ۔

۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو بیس لاکھ روپے دکن کے لشکر کے لیے ، جو پرویز کی سرکردگی میں متعین ہوا تھا ، بطور مدد خرچ کے ایک خزانچی کی تحویل میں علاحدہ رکھوا دیے اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ روپے پرویز کے اخراجات کے لیے منظور کیے ۔

بدھ کے دن ۲۵ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو جہاندار، جو اس سے پہلے قطب الدین خاں کوکہ کی ہمراہی میں بنگال میں متعین ہوا تھا، حاضر خدمت ہوا۔ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ مادر زاد مجذوب ہے۔

چونکہ میری تمام تر توجہ دکن کے معاملات کی طرف منعطف تھی اس لیے میں نے یکم ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کے دن امیرالامرا (شریف خاں) کو بھی دکن کی مہم کی خدمت پر متعین کیا، اور اس کو خلعت اور گھوڑے سے سرفراز کیا۔

کرم چند ولد جگن ناتھ کو بھی دو ہزار ذات اور پانصد سوار کے منصب سے نواز کر پرویز کے ساتھ (75) بقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ۴ جمادی الثانی ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو تین سو ستر سوار احدی مہم رانا کی مدد کے لیے عبداللہ خاں کے ہمراہ کیے جائیں۔ سرکاری طویلوں سے ایک سو گھوڑے بھی عبداللہ خاں کے ہاں بھیجے گئے کہ وہ جس منصب دار اور احدی کو دینا چاہے، دے دے۔

۱۷ جمادی الثانی ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو میں نے پرویز کو ایک قطعۂ لعل عناعت کیا جس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے تھی۔ اور ایک دوسرا لعل اور دو موتی، جن کی قیمت اندازاً چالیس ہزار روپے ہوگی، خرّم کو عنایت کیے۔

۲۸ جمادی الثانی ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو پیر کے دن میں نے جگن ناتھ کو پانچ ہزاری اور سہ ہزار سوار کے منصب سے سربلند کیا اور دکن کی مہم پر رخصت کیا۔

جمعرات کے دن ۹ رجب ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو شاہزادہ شہریار گجرات سے واپس آیا اور حاضر خدمت ہوا۔

دکن کی مہم پر شہزادہ پرویز کی روانگی:

منگل کے دن ۱۴ رجب ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) کو میں نے فرزند پرویز کو تسخیر دکن کی مہم پر رخصت کر دیا۔ (رخصت کے وقت) خلعت، خاص گھوڑا، خاص ہاتھی، تلوار اور جڑاؤ خنجر اسے عنایت کیے۔ اور جو سردار اور امیر اس کے ہمراہ متعین ہوئے تھے، ان کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق ہر ایک کو گھوڑا، خلعت، ہاتھی، تلوار اور جڑاؤ خنجر سے سرفراز کرکے سب کو خوش کر دیا۔ ایک ہزار احدی بھی دکن کی مہم پر مامور ہوئے کہ وہ پرویز کے ساتھ کام کریں۔

ان ہی دنوں میں عبداللہ خاں کی عرض داشت آئی کہ اس نے رانا کو شکست دے دی ہے اور قلب کوہستان تک اس کا تعاقب کیا ہے۔ اس کے چند ہاتھی اور سامان ہاتھ لگا۔ رات ہونے پر رانا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر باہر نکل گیا۔ چوں کہ میں نے اس کے راستے بند کر دیے ہیں، توقع ہے کہ وہ عنقریب گرفتار ہو جائے گا یا قتل کر دیا جائے گا۔ میں نے عبداللہ خاں کو پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز کیا۔

موتیوں کی ایک تسبیح، جس کی قیمت پانچ ہزار روپے تھی، پرویز کو عنایت کی۔ چوں کہ خطۂ دکن اور برار فرزند پرویز کو عنایت ہو چکا تھا، اس لیے قلعۂ اسیر بھی اسی کو مرحمت کر دیا گیا اور تین سو گھوڑے بھی اس کو دیے تاکہ وہ احدیوں اور منصب داروں میں سے یا جس کسی کو وہ اپنی عنایت و کرم کا مستحق سمجھے، عطا کرے۔

۲۹ رجب ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے سیف خاں بارھہ (۴) کو دو ہزار پانصدی ذات اور سی صد و پنجاہ سوار کے منصب سے سرفراز کر کے سرکار حصار کا فوج دار مقرر کیا۔

پیر کے دن ۴ شعبان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو ایک ہاتھی وزیر خاں کو عنایت کیا۔

بھنگ اور شراب بیچنے کی ممانعت :

جمعہ کے دن ۲۲ شعبان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے حکم دیا کہ بھنگ اور شراب، جو تمام مفاسد کی جڑ ہیں، بازاروں میں نہ فروخت کی جائیں اور تمام جوے خانے بند کر دیے جائیں۔ میں نے اس پر عمل کرنے کی سختی سے تاکید کی۔

ایک شیر کی عجیب و غریب حرکات :

۲۵ شعبان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو ایک شیر شاہی شیر خانے سے لایا گیا تاکہ اسے ایک بیل سے لڑایا جائے۔ بہت سے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ اس موقع پر جوگیوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ شیر ایک جوگی کی طرف، جو برہنہ تھا، لپکا اور بطور غضب کے نہیں بلکہ بطور کھیل کے اس جوگی

کو زمین پر گرا کر اس پر چڑھا اور شیرنی سے جفتی کھانے کے طریقے پر ہلنے لگا . دوسرے دن بھی اس نے یہی حرکت کی . اس نے کئی مرتبہ یہی تماشا کیا . چوں کہ میں نے اب تک ایسی عجیب و غریب حرکت نہیں دیکھی تھی ، اور یہ ایک تعجب خیز بات تھی اس لیے یہاں لکھ دی گئی (۵) .

۲ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو اسلام خاں کے التماس پر غیاث خاں کو ہزار و پانصدی ذات اور دو ہزار سوار کے منصب سے ممتاز کیا .

فریدوں خاں برلاس کو بھی دو ہزار و پانصد ذات اور ہشت صد سوار کے منصب سے نوازا .

سورج کے برج عقرب میں داخل ہونے پر ، جسے ہندوؤں کی اصطلاح میں سنکرات کہتے ہیں ، میں نے ایک ہزار تولا سونا اور چاندی اور ایک ہزار روپے خیرات کیے [76] .

۱۰ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو شاہ بیگ یوزی[1] کو ایک ہاتھی عنایت کیا . اور سلام اللہ عرب (۶) کو ، جو عرب کے مسلّمہ نوجوانوں میں ہے ، اور جو درفول کے حاکم مبارک کا رشتے دار ہے ، میں نے چہار صدی ذات اور دو صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا . یہ شخص اس وہم کی وجہ سے ، جو شاہ عباس کی طرف سے اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا ، میری خدمت میں آیا تھا .

میں نے ایک اور فوج ، جو ایک سو ترانوے منصب داروں اور چھیالیس احدیوں پر مشتمل تھی ، پرویز کے روانہ ہونے کے بعد دکن بھجوائی اور پچاس گھوڑے بھی ایک شاہی ملازم کے حوالے کیے کہ وہ پرویز کو پہنچائے .

جہانگیر کی ایک طبع زاد غزل :

جمعہ کے دن ۱۳ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میرے دل میں چند خیالات آئے اور اس غزل کی صورت میں ڈھل گئے :

۱- چیتوں کا محافظ .

من چون کنم کہ تیرِ غمت بر جگر رسد
تا چشم نا رسیدہ دگر بر دگر رسد

مستانہ می خرامی و مستِ تو عالمی
اسپند می کنم کہ مبادا نظر رسد

در وصلِ دوست مستم و در ہجر بے قرار
داد از چنین غمی کہ مرا سر بسر رسد

مدہوش گشتہ ام کہ بپویم رہِ وصال
فریاد ازان زمان کہ مرا این خبر رسد

وقت نیاز و عجز جہانگیر ہر سحر
امید آن کہ شعلۂ سوز اثر رسد

مظفر حسین کی لڑکی کے لیے ساچق کی روانگی :

اتوار کے دن ۱۵ ماہ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے مظفر حسین میرزا بن بہرام میرزا بن شاہ اسماعیل صفوی کی لڑکی کو، جس کی منگنی فرزند خرم سے ہو چکی تھی، پچاس ہزار روپے ساچق (بری) کے طور پر بھجوائے۔

۱۷ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو مبارک خان شیروانی کو ہزاری ذات اور سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کر کے اسے پانچ ہزار روپے بھی دیے، اور چار ہزار روپے حاجی بیگ اوزبک کو عنایت کیے۔

۲۲ رمضان ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو ایک لعل اور ایک موتی کا دانہ شہریار کو مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ روپے خاص دستۂ فوج کو، جو مہم دکن پر متعین کیا گیا تھا، بطور مدد خرچ کے دیے گئے۔ دو ہزار روپے فرخ بیگ کو، جو اپنے زمانے کے بے مثل مصوّروں میں ہے، عنایت کیے۔ چار ہزار روپے بابا حسن ابدال کے مصارف کے لیے بھیجے گئے۔

شیخ سلیم کے عرس کے لیے روپے کی روانگی :

ایک ہزار روپے میں نے مُلّا احمد علی سہرکَن (؟) اور مُلّا روز بہان شیرازی کے حوالے کیے کہ حضرت شیخ سلیم (چشتی) کے عرس میں ان کے روضے پر خرچ کریں۔

ایک ہاتھی محمد حسین کاتب کو اور ایک ہزار روپے خواجہ عبدالحق انصاری کو مرحمت کیے۔

میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ مرتضیٰ خاں کے منصب کو پانچ ہزار ذات اور سوار کے برابر قرار دے کر جاگیر اس کی تنخواہ میں دیں۔

سرکار آگرہ کے قانون گو بہاری چند کے بھتیجے کو حکم دیا کہ آگرے کے زمین داروں سے ایک ہزار پیادوں کا بندوبست کر کے اور ان کا درماہہ مقرر کر کے پرویز کے پاس دکن لے جائے۔ اور اس کے علاوہ مزید پانچ لاکھ روپے پرویز کے مدد خرچ کے لیے منظور کیے گئے۔

جمعرات کے دن ۴ شوال ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے اسلام خاں کو پنج ہزاری ذات اور سوار کے منصب سے سرفراز کیا۔

ابو الولی اوزبک کو یک ہزار و پانصدی اور ظفر خاں کو دو ہزار و پانصدی کے منصب سے ممتاز کیا۔

میرزا شاہرخ کے لڑکے بدیع الزماں کو دو ہزار روپے اور پٹھان مصر کو ایک ہزار روپے مرحمت کیے۔

میں نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو، جن کا منصب سہ ہزاری یا اس سے بڑھ کر ہو، نقارے عنایت کیے جائیں۔

اپنے زر وزن میں سے پانچ ہزار روپے حسن ابدال کی عمارتوں اور پل کی تعمیر کے لیے حکیم ابوالفتح کے بیٹے ابوالوفا کے حوالے کیے کہ وہ اپنے اہتمام میں مذکورہ پل اور عمارتوں کی مستحکم تعمیر کرائے۔

چاند گرہن:

ہفتے کے دن ۱۴ شوال ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو، جب کہ چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا، چاند گرہن ہونا شروع ہوا [77] اور آہستہ آہستہ پورا چاند گرہن میں آ گیا۔ غروب آفتاب سے پانچ گھڑی رات تک چاند گرہن میں رہا۔ اس کی نحوست دور کرنے کے لیے میں نے اپنے آپ کو سونے، چاندی، کپڑے اور غلے سے تلوا کر یہ چیزیں خیرات کیں۔ اور اس کے علاوہ حیوانات میں سے ہاتھی اور گھوڑے وغیرہ صدقہ کیے، جن کی مجموعی قیمت پندرہ ہزار روپے ہوئی۔ میں نے حکم دیا کہ وہ فقرا میں تقسیم کیے جائیں۔

رام چند بندیلہ کی لڑکی کا حرمِ شاہی میں داخلہ :

۲۵ شوال ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے رام چند بندیلہ (۸) کی لڑکی کو اُس کے باپ کی درخواست پر اپنی خدمت گاری کے لیے قبول کیا ۔

میر شریف کے بھتیجے میر فاضل کو ، جسے میں نے قبولہ اور اس کے گرد و نواح کی فوجداری پر مقرر کیا تھا ، ایک ہاتھی عنایت کیا ۔ اور عنایت اللہ کو عنایت خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

بدھ کے دن یکم ذی قعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو بہاری چند کو پانصدی ذات و سیصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا ، اور فرزند خُرّم کو ایک جڑاؤ خنجر مرحمت کیا ۔

مُلّا حیاتی (۹) جس کو میں نے ایک شفقت‌آمیز زبانی پیغام دے کر خانخاناں (عبدالرحیم) کے پاس بھیجا تھا ، واپس آیا ۔ اور اُس نے ایک لعل اور دو موتی ، جو خانخاناں نے اس کے ہاتھ بھجوائے تھے ، اور جن کی قیمت تقریباً بیس ہزار روپے تھی ، پیش کیے ۔

میر جمال‌الدین ، جو برہان پور میں تھا اور جسے میں نے اپنے حضور میں طلب کیا تھا ، میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ شجاعت خاں دکھنی کو دو ہزار روپے مرحمت کیے ۔

خانخاناں اور دوسرے اُمرا کی عرضداشت :

ابھی پرویز برہانپور نہیں پہنچا تھا کہ ۹ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو خانخاناں (عبدالرحیم) اور دوسرے اُمرا کی عرض داشت میرے ہاں پہنچی کہ دکھنی جمع ہو گئے ہیں اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں ۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ پرویز کے تعیّن اور اس لشکر کے باوجود ، جو اُس کے پاس بھیجا گیا تھا ، ابھی وہ مزید کمک اور مدد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ، میں نے فیصلہ کیا کہ میں خود وہاں جاؤں اور بہ تائید الٰہی اس مہم کو انجام دے کر اطمینانِ قلب حاصل کروں ۔ اسی اثنا میں آصف خاں کی عرض داشت بھی پہنچ گئی کہ بذات خود حضرت کا دکن کی طرف متوجہ ہونا تدبیرِ سلطنت کے عین مطابق

ہے . اور عادل خاں بیجاپوری کی بھی عرض داشت پہنچی کہ اگر درباریوں میں سے کسی قابل اعتماد درباری کو میرے پاس بھیجا جائے کہ میں اپنے معروضات اور گزارشات کو اُس سے بیان کر سکوں اور وہ حضور تک میری گزارشات کو پہنچا دے ، تو امید ہے کہ یہ امر اللہ کے بہت سے بندوں کی بھلائی کا باعث ہوگا .

ان تمام وجوہ کی بنا پر میں نے تمام اُمرا اور سلطنت کے بہی خواہوں سے مشورہ کیا تاکہ ہر شخص اس امر خاص کے متعلق ، جو کچھ اس کے دل میں ہو ، پیش کرے .

خانجہاں لودھی کا مشورہ :

فرزند خانجہاں نے عرض کیا کہ جب بہتیرے اُمرا تسخیر دکن کے لیے روانہ ہو چکے ہیں ، تو ایسی صورت میں بہ‌نفس نفیس حضور کا تشریف لے جانا ضروری نہیں . اگر حکم ہو تو فدوی بھی شہزادہ پرویز کی خدمت میں روانہ ہو سکتا ہے تاکہ اس مہم کو اُن کی خدمت میں رہ کر انجام کو پہنچائے . فرزند خانجہاں کی یہ بات معقول ہونے کی وجہ سے سب بہی خواہوں کو پسند آئی . اُس کی جدائی کا میرے ذہن میں مطلق خیال نہ تھا لیکن اس مہم کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اُسے ضرورةً اجازت دے دی اور حکم دیا کہ جیسے ہی وہاں کی مہم کوئی اچھی صورت اختیار کرے تو وہ بلا توقف میری خدمت میں حاضر ہو جائے ، اور ایک سال سے زیادہ اُس علاقے کی حدود میں نہ رہے .

منگل ۷ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) خانجہاں کے دکن کی مہم پر رخصت ہونے کا دن تھا . میں نے اسے زریں خلعت خاص ، مرصّع زین کے ساتھ گھوڑا ، مرصّع شمشیر کمر اور ہاتھی عطا کرنے کے علاوہ تمن (دس ہزار کا فوجی دستہ) اور توغ (جھنڈا) بھی مرحمت کیا .

اور فدائی خاں کو ، جو مخلص ملازموں میں سے ہے ، خلعت اور گھوڑا اور مدد خرچ عنایت کیا ، اور ہزاری ذات اور چہار صد سوار کا منصب دے کر اصل اور اضافے سے سرفراز کیا . اور اس کو خانجہاں کے ہمراہ کر دیا کہ اگر وہ کسی کو عادل خاں کے پاس [78] اُس کے حسب التماس بھیجنا چاہے تو وہ فدائی خاں کو بھیجے .

لنکو پنڈت کو بھی ، جو حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے زمانے میں عادل خان کی طرف سے تحائف کے ساتھ آیا تھا ، میں نے خانجہاں کے ساتھ رخصت کیا اور گھوڑا ، خلعت اور روپیہ عنایت کیا ۔

اُمرا اور لشکریوں میں سے ، جو عبداللہ خاں کے ساتھ ذلیل رانا کی مدافعت پر متعین تھے ، مثلاً راجا نرسنگھ دیو ، شجاعت خاں اور راجا بکرماجیت وغیرہ ، چار پانچ ہزار سواروں کے ساتھ فرزند خانجہاں کی مدد کے لیے مامور ہوئے ۔ اور معتمد خاں (۱۰) کو اس تاکید کے ساتھ بھیجا کہ وہ اُجین میں ان سواروں کو جمع کرکے خانجہاں کے ہمراہ کر دے ، اور مقامی فوجوں میں سے چھ سات ہزار سوار ، مثلاً سیف خان بارھہ ، حاجی بے اوزبک اور مبارک عرب کا بھتیجا سلام اللہ عرب ، جو ولایت جوڑہ اور درفول اور اس کے نواحی علاقوں پر قابض ہے ، اور دوسرے منصب داروں اور مقرب درباریوں کو اس کے ہمراہ کر دیا ۔ اور رخصت کے وقت میں نے ہر ایک کو منصب کے اضافے ، خلعت اور مدد خرچ سے سرفراز کیا ۔

مہدی بیگ کو لشکر کا بخشی بنایا اور دس لاکھ روپے کی رقم مختص کر کے حکم دیا کہ یہ رقم اس کے ساتھ کی جائے ۔

پرویز کے لیے خاصے کا گھوڑا ، خانخاناں (عبدالرحیم) اور دوسرے اُمرا اور ملازموں کے لیے ، جو صوبۂ دکن میں پہلے سے متعین تھے ، خلعت روانہ کیے ۔

شکار کے لیے روانگی :

ان تمام امور کی تکمیل کے بعد میں شکار کے لیے شہر سے باہر نکلا اور ایک ہزار روپے میر علی اکبر کو (معاوضے کے لیے) دیے ۔ چوں کہ فصل ربیع پک کر تیار ہو چکی تھی ، میں نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شکار میں لشکر کے گزرنے کی وجہ سے رعایا کی پکی ہوئی کھیتیوں کو نقصان پہنچے ، باوجود اس کے کہ میں نے قور یساول (محافظ شاہی) کو احدیوں کے ایک گروہ کے ساتھ کھیتوں کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیا تھا ، میں نے ان میں سے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ منزل بہ منزل کھیتوں کی پائمالی پر نظر رکھیں ۔ اگر لشکر کے عبور سے کسی کھیت کو نقصان پہنچ جائے تو رعایا کو اس کا معاوضہ دیا جائے ۔

خانخاناں (عبدالرحیم) کی لڑکی کو، جو دانیال کی بیوہ ہے، دس ہزار روپے عنایت کیے۔ اور ایک ہزار روپے عبدالرحیم خر (۱۱) کو اور ایک ہزار روپے بقا چائے دکھنی کو مدد خرچ کے طور پر دیے۔

۱۲ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو عبداللہ خاں کے بھائی خنجر خاں کو یک ہزاری ذات و پانصدی سوار کا منصب دے کر اصل و اضافے سے سرفراز کیا۔ اور اس کے دوسرے بھائی بہادر خاں کو سیصد ذات و سہ صد سوار کے منصب سے سربلند کیا۔

اسی دن میں نے دو ہرن شاخ دار اور ایک ہرنی شکار کی۔

۱۳ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو میں نے خان جہاں کے لیے ایک خاصے کا گھوڑا بھیجا۔

بدیع الزماں ولد میرزا شاہ رخ کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اس کو پانچ ہزار روپے بطور مدد خرچ عطا کیے اور دکن روانہ کیا کہ وہ خان جہاں کے ساتھ مہم دکن کی خدمات بجا لائے۔ اسی دن دو ہرن اور تین ہرنیاں شکار کیں۔

بدھ کے دن ۱۵ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ع) کو ایک مادہ نیل گائے اور ایک سیاہ ہرن بندوق سے مارا۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو جہانگیر قلی خاں کے بھیجے ہوئے دو لعل اور ایک موتی اور ایک جڑاؤ افیون دانی، جو مقرب خاں نے کھنبایت کی بندرگاہ سے بھجوائی تھی، (یہ تمام چیزیں) نظر سے گزریں۔

۲۱ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو ایک شیرنی اور ایک نیل گائے کو بندوق سے شکار کیا۔ شیرنی کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے۔ گھنے جنگل اور درختوں کی کثرت کی وجہ سے یہ بچے مجھے نظر نہیں آئے۔ میں نے حکم دیا کہ ان بچوں کو تلاش کر کے لایا جائے۔ جب میں منزل پر پہنچا تو اس شیرنی کے ایک بچے کو خرم پکڑ لایا اور دوسرے دن دوسرے بچے کو مہابت خاں پکڑ لایا اور پیش کیا۔

ایک سائیس اور دو کہاروں کو سزائیں :

۲۲ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو عین اس وقت ، جب کہ میں ایک نیل گائے کو اپنے نشانے کی زد میں لا چکا تھا ، اچانک ایک سائیس اور دو کہار شکار کے سامنے آ گئے اور نیل گائے بدک کر بھاگ گئی ۔ [79] میں نے انتہائی غصے کے عالم میں حکم دیا کہ سائیس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے اور کہاروں کے پیر کاٹ کر انھیں گدھوں پر سوار کر کے لشکر کے ازد گرد گھمایا جائے ، تاکہ دوسرے آدمی اس قسم کی جرأت نہ کریں ۔ اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر میں باز اور بہری سے شکار کر کے اپنے مقام پر واپس آ گیا ۔

دوسرے دن اسکندر رسیں[1] شکاری کی رہبری میں میں نے ایک بڑی نیل گائے کو بندوق سے مارا ، اور اس کو سیصد ذات اور پانصد سوار کا منصب دے کر اصل و اضافے سے سرفراز کیا ۔

جمعہ کے دن ۲۴ ماہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو صفدر خاں بہار سے واپس آیا اور کورنش کی سعادت حاصل کر کے سر بلندی حاصل کی ۔ اس نے ایک سو طلائی مُہریں نذر کرنے کے علاوہ ایک تلوار ، پانچ ہتھنیاں اور ایک ہاتھی تحفے میں پیش کیا ، مجھے ہاتھی پسند آیا ۔

اسی اثنا میں یادگار خواجہ سمرقندی ، بلخ سے آ کر حاضر خدمت ہوا ۔ اس نے تصویروں کی ایک جلد اور چند گھوڑے دوسرے تحائف کے ساتھ پیش کیے ۔ میں نے اسے خلعت سے سرفراز کیا ۔

بدھ کے دن ۶ ذی حجہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو معز الملک بیماری اور خراب حالت میں حاضر خدمت ہوا ۔ اس کو میں نے اس لشکر کی بخشیگری سے ہٹا دیا تھا ، جو رانا کے مقابلے کے لیے گیا تھا ۔

عبدالرحیم خر کو معافی :

۱۴ ماہ ذی حجہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو عبدالرحیم خر کو ، اس کی بڑی بڑی خطاؤں کے باوجود ، اس کے گناہوں کو معاف کر کے میں نے اسے

۱- دوسرے نسخے میں اسکند معین لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

یوزباشی[1] اور بیست سوار کے منصب پر سرفراز کیا ، اور حکم دیا کہ وہ کشمیر جا کر وہاں کے بخشی کے ساتھ قلیچ خان اور دوسرے جاگیرداروں اور وہاں کے خاندانوں کے ملازم اور غیر ملازم لوگوں کا محلہ وازی معائنہ کرکے ان کی تفصیلی فہرست میرے سامنے پیش کرے ۔

قطب الدین خان نے قلعۂ رهتاس سے آ کر حاضری کا شرف اور کورنش کی سعادت حاصل کی ۔

۱- یوزباشی : ف ، سو آدمیوں کا سردار - یہ شاہنشاہان ہند کی ملازمتوں میں بابر سے پہلے ایک عہدہ تھا ۔ ان امیر کو جن کے تحت سو آدمی ہوتے تھے ، یوزباشی کہتے تھے ۔ رفتہ رفتہ یہ نام معدوم ہوتا گیا اور اس کی جگہ منصبدار نے لے لی ۔ (رک : فرہنگ انندراج ، ۷ : ص ۴۹۸۸ - ناشر : کتاب خانۂ خیام ۔ تہران) ۔

حواشی جشن چہارم

(۱) میرزا برخوردار خانعالم چغتہ : ولد میرزا عبدالرحمان کو جہانگیر نے خطاب خانعالم سے نوازا ۔ اس کے آبا و اجداد امیر تیمور سے لے کر جہانگیر کے عہد تک پشت بہ پشت زمرۂ اُمرا میں داخل چلے آ رہے تھے ۔ اس کے آبا و اجداد کے حالات کو شیخ فرید بکھری صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اپنی کتاب تحفۂ حضرت شاہجہانی میں مفصل لکھا ہے ۔ خانعالم جہانگیر کے عہد میں عراق کا سفیر مقرر ہوا ۔ جہانگیر اس پر خاص التفات رکھتا تھا اور ہمیشہ محاربات میں جانعالم کہہ کر مخاطب کرتا تھا ۔ اس کی جدائی کو ایک لمحے کے لیے گوارا نہ کرتا تھا ۔ اس نے مغل فرماں رواؤں کی نادر تصویریں جہانگیر کی خدمت میں پیش کیں ۔ ترقی کرتے کرتے منصب پنج ہزاری ذات وسوار تک پہنچا ۔ آخر میں نوکری سے استعفا دے کر گوشہ نشین ہو گیا ۔ چار ہزار روپے سالانہ نقدی مقرر ہوئے ۔ اپنی اجل طبعی سے وفات پائی (زک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۷۹—۲۸۲) ۔

(۲) عبداللہ خاں فیروز جنگ : عبداللہ خاں نام ، فیروز جنگ خطاب تھا ۔ یہ خواجہ عبیداللہ ناصر الدین احرار کی اولاد میں تھا ، اور خواجہ حسن نقشبندی کا بھانجا تھا ۔ اکبر کے آخری زمانے میں ہندوستان آیا ۔ کچھ دن شیر خواجہ کے ساتھ دکن میں گزارے ، پھر لاہور آ کر شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے احدیوں میں داخل ہوگیا ۔ جس زمانے میں کہ جہانگیر باپ سے سرکشی اختیار کر کے الہ آباد میں مقیم تھا ، اور اپنے ملازموں کو خطاب اور جاگیریں دے رہا تھا ، اُسے اُس نے خان کے خطاب اور ہزار و پانصدی کے منصب سے نوازا ۔ پھر کچھ دن کے بعد منصب ہزاری اور صفدر خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے چوتھے سال سہم رانا پر متعین ہوا اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے ۔ جلوس جہانگیری کے چھٹے

سال ۱۰۲۰ھ میں گجرات کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ عہد شاہجہانی کے سولھویں سال شجاعت خان کے تبادلے کی وجہ سے الہ آباد کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ ستر سال کی عمر میں ۱۷ شوال ۱۰۵۴ھ میں اس نے وفات پائی ۔ صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اس کی عمر نوے سال تحریر کی ہے اور سنہ وفات ۱۰۵۹ھ بتایا ہے ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۷۷۷ - ۷۷۹ و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۶۰) ۔

(۳) حکیم صدرا : مسیح الزمان خلف حکیم فخرالدین شیرازی ۔ بہت بڑا طبیب تھا اور مریضوں کے علاج میں ید طولیٰ رکھتا تھا ۔ جلوس اکبری کے چھیالیسویں سال ہندوستان آیا اور عہد جہانگیری میں حکما کا سرگروہ بن کر مسیح الزمان کے خطاب سے نوازا گیا ۔ حکیم صدرا نے ۱۰۶۱ھ میں کشمیر میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۷۷ - ۵۷۹)

(۴) سیف خان بارھہ : ولد سید محمود خان بارھہ کا نام سید علی اصغر تھا ۔ جہانگیر کے زمانۂ شہزادگی سے اس کا متوسل اور اس کے حاضر باشوں میں تھا ۔ جلوس جہانگیری کے پہلے سال وہ مرتضیٰ خان کے ساتھ خسرو کے تعاقب میں بھیجا گیا اور جلوس جہانگیری کے چوتھے سال اس کو منصب دو ہزار و پانصدی دو ہزار و سہ صد و پنجاہ سوار پر ترقی دی گئی ۔ اس نے جلوس جہانگیری کے گیارھویں سال ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۱۰ - ۴۱۱) ۔

(۵) یہ واقعہ اقبال نامۂ جہانگیری میں بھی ہے ، مگر اس واقعے کی جزئیات میں کچھ اختلاف ہے ۔ اقبال نامہ میں ہے کہ یہ شیر اس علاقے کے ایک قلندر نے پیش کیا تھا اور اس نے اس کا نام لعل خان رکھا تھا ۔ اور اس نے اس کی اس طرح تربیت کی تھی کہ کسی آدمی کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد ، ص ۳۸) ۔

(۶) سلام اللہ عرب : مبارک عرب کا بھائی تھا ۔ جلوس جہانگیری کے چوتھے سال چہار صدی ذات و دویست سوار کے منصب سے سرفراز کیا گیا اور خان جہاں لودھی کے ہمراہ دکن کی مہم پر متعین ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے

گیارھویں سال شجاعت خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ اس کی جاگیر صوبۂ گجرات میں تھی ۔ گجرات ھی میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۶۴۱ - ۶۴۲) ۔

(۷) مُلّا احمد علی مہر کن : صوفی و درویش منش انسان تھا اور اپنے زمانے کے بے مثل مُہر کنوں میں تھا ۔ اس نے جہانگیر کی ایک مجلس سرود میں وفات پائی ۔ (رک : ذخیرة الخوانین قلمی ، ص ۴۰۶ - ۴۰۷) ۔

(۸) رام چند بندیله : ولد راجا مدھکر بندیله ابتداءً بادشاہ سے باغی ہو کر اپنے وطن اوندچھ (ارچھا) میں زندگی بسر کرتا تھا ۔ جلوس جہانگیری کے دوسرے سال عبداللہ خاں فیروز جنگ نے اس پر حملہ کیا ، اور اسے قید کر کے جہانگیر کے حضور میں پیش کیا ۔ جہانگیر نے معاف کر کے خلعت عنایت کیا اور راجا باسو کے سپرد کیا کہ وہ اس سے ضامن لے کر چھوڑ دے ۔ پھر جہانگیر کی طرف سے اسے اوندچھ کی حکومت دی گئی ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال اس نے وفات پائی ۔ (رک : اُمرائے ھنود ، ص ۹۹ تا ۱۰۰) ۔

(۹) مُلّا حیاتی گیلانی : گیلان کا رهنے والا تھا ۔ جب هندوستان آیا تو اپنی هم وطنی کی نسبت کی بنا پر حکیم ابو الفتح گیلانی کے پاس پہنچا ۔ پھر حکیم موصوف کی وساطت سے دربار اکبری سے منسلک هوا اور رفته رفته اکبر کے خاص مقربین میں شمار هونے لگا ۔

جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسے اپنے درباری شعرا میں شریک کر لیا ۔ جہانگیر اسے همیشه سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا ۔ اس نے جب خسرو شیریں کے جواب میں قصۂ سلیمان و بلقیس لکھا اور اسے بادشاه کی خدمت میں پیش کیا تو جہانگیر نے حکم دیا کہ اسے سونے میں تولا جائے اور یه سونا اسے بخش دیا جائے ۔ (رک : ماثر رحیمی ، ج ۳ ۔ خزانۂ عامره ، منتخب التواریخ ج ۳ ۔ میخانه ، سرو آزاد ، کلمات الشعرا ، (س) ۔

(۱۰) معتمد خاں : اس کا نام محمد شریف تھا ۔ هندوستان آنے کے بعد جہانگیر کے ملازموں میں منسلک هو گیا اور جلوس جہانگیری کے تیسرے سال معتمد خاں کے خطاب سے نوازا گیا ۔ سلیمان بیگ فدائی خاں کی وفات کے بعد

شاہی لشکر کا بخشی مقرر ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے دسویں سال میر جملہ کی وفات کے بعد میر بخشی مقرر ہوا ۔ ۱۰۴۹ھ میں اس نے وفات پائی ۔ تاریخ نگاری میں مشہور تھا ۔ اقبال نامۂ جہانگیری اُس کی تصنیف ہے ۔ (ر ک : مائرالامرا ، ج ۳ ، ص ۴۳۱ - ۴۳۴ - و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۳ - ۱۱۹) ۔

(۱۱) عبدالرحیم خر : یہ وہی عبدالرحیم تھا جس نے خسرو کی حمایت کی تھی اور گرفتاری کے بعد گدھے کی کھال میں لپیٹا گیا تھا ۔ چونکہ اس کی زندگی باقی تھی ، وہ اس سزا سے زندہ بچ گیا اور کسی طرح جہانگیر کے ملازموں میں شامل ہو گیا ۔ (حاشیہ سرسید ، ص ۹۷) ۔

پانچواں جشنِ نوروز

اتوار کے دن ۲۴ ذی حجہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) تین گھڑی دوپہر کے بعد سورج کی تحویل برج حمل کی طرف ہوئی ، جو اس کے شرف و سعادت کا خانہ ہے . اس مبارک ساعت میں ، میں پرگنۂ باری کے موضع باک بہل میں جشن نوروز منعقد کرکے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کے مطابق تخت پر بیٹھا .

اس صبح کو جو نوروز عالم افروز کا پہلا دن اور میرے پانچویں سال جلوس کے مطابق فروردین کی پہلی تاریخ تھی ، میں نے اسی مقام پر دربار عام منعقد کیا اور تمام امرا اور درباری کورنش و تسلیم اور مبارک باد کی سعادت بجا لا کر سرفراز ہوئے . بعض امرا کے تحائف میرے ملاحظے سے گزرے .

تحائف کی پیش کش :

(اس موقع پر) خان اعظم نے ایک موتی ، جس کی قیمت چار ہزار روپے تھی ، پیش کیا . میران صدر جہاں نے شکاری جانوروں میں سے اٹھائیس شکاری جانور از قسم باز و بہری اور دوسرے تحائف پیش کیے . مہابت خان نے یورپ کے بنے ہوئے دو صندوقچے ، جن کے اطراف کے تختے بلور کے تھے ، پیش کیے . ان صندوقچوں کے اندر جو چیز رکھی جاتی تھی ، وہ باہر سے اتنی صاف دکھائی دیتی تھی کہ گویا کوئی چیز اس میں حائل نہیں . کشور خان نے بیس ہاتھی اور ہتھنیاں پیش کیں . اسی طرح درباریوں میں سے ہر ایک نے اپنے تحفے پیش کیے جو اس کے ہاں تھے . فتح اللہ کا بیٹا نصراللہ شربت چی (۱) (شربت وغیرہ پلانے والا) ان تحائف کا تحویل دار (80) مقرر کیا گیا .

سارنگ دیو (۲) کے ذریعے ، جو مہم دکن کے شاہی لشکر کو احکامات پہنچانے کے لیے مامور ہوا تھا ، میں نے پرویز اور اس کے ہمراہی امیروں کے لیے تبرکات روانہ کیے .

شیخ حسام الدین (۳) ولد غازی خان بدخشی (۴) کو ، جس نے طریقۂ درویشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لیا ہے ، میں نے ہزار روپے اور ایک شال عنایت کی .

نوروز کے دوسرے دن شکار :

نوروز کے دوسرے دن (میں شیر) کے شکار کے قصد سے سوار ہوا ۔ دو شیر اور ایک شیرنی شکار ہوئے ۔ اُن احدیوں کو جنھوں نے اس شکار میں بہادری اور جرأت دکھائی اور مردانہ وار شیر کا مقابلہ کیا ، میں نے انعام دے کر اُن کی تنخواہ میں اضافہ کیا ۔

۲۶ ذی حجہ ۱۰۱۸ھ (۱۶۱۰ع) کو ، دن کے بیشتر حصے میں نیل گائے کے شکار میں مشغول رہا ۔ جب ہوا گرم ہو گئی اور آگرے پہنچنے کا مقررہ وقت قریب آ گیا تو میں نے روپ باس کی طرف رخ کیا اور چند دن وہاں ہرن کے شکار میں گزارے ۔

روپ خواص کے تحائف :

ہفتے کے دن یکم محرم ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو روپ خواص (۵) نے جو روپ باس بستی (۶) کا آبادکار ہے ، کچھ تحائف اور پیش کش میری نظر سے گزارنے جو اس نے میرے لیے جمع کیے تھے ۔ اُن میں سے جو مجھے پسند آئے ، میں نے انھیں قبول کر لیا اور باقی انعام کے طور پر اسے دے دیے ۔

اُن ہی دنوں بایزید بنگالی اور اس کے بھائی صوبۂ بنگال سے آئے اور کورنش بجا لانے کی سعادت حاصل کی ۔

سید آدم ولد سید قاسم بارھہ (۷) نے بھی احمد آباد گجرات سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور ایک ہاتھی پیش کیا ۔

تاج خاں کی فوج داری صوبۂ ملتان کی تبدیلی کی وجہ سے فوج داری صوبۂ ملتان ، ولی بے اوزبک کو عطا ہوئی ۔

باغ سنڈا کر میں نزول :

پیر ۳ ماہ محرم ۵ سنہ جلوس ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو باغ سنڈا کر میں ، جو شہر آگرے کے نزدیک واقع ہے ، نزول ہوا ۔ دوسرے دن صبح کو ، جو شہر میں داخل ہونے کا وقت تھا ، ایک پہر اور دو گھڑی گزرنے کے بعد میں سوار ہو کر روانہ ہوا ۔ شہر کی آبادی شروع ہونے سے پہلے میں نے گھوڑے پر سواری کی ۔

جب شہر کی آبادی شروع ہوئی تو میں اس خیال سے کہ لوگ مجھے دور اور نزدیک سے دیکھ سکیں، ہاتھی پر سوار ہو گیا اور راستے کے دونوں جانب روپے لٹاتے ہوئے دوپہر کے بعد منجموں کے مقرر کردہ وقت پر پوری مسرت اور تہنیت کے ساتھ اپنے شاہی محل میں داخل ہوا ۔ مقررہ رسم کے مطابق ایام نوروز کے لیے میرے حکم کی بنا پر شاہی محل کو سجایا گیا تھا اور عالی شان فلک نما بارگاہیں ایستادہ کی گئی تھیں ۔ اس سجاوٹ اور آرائش کے ملاحظہ کرنے کے بعد خواجہ جہاں نے جو تحائف میرے سامنے پیش کرنے کے لیے ترتیب سے رکھوائے تھے ، میری نظر سے گزرانے ۔ ان میں سے ہر جنس اور ہر قسم کے جواہر ، مال و متاع اور ساز و سامان ، جو مجھے پسند آیا ، میں نے قبول کر لیا اور بقیہ انعام کے طور پر اُسے دے دیا ۔

شکار کی تعداد :

میں نے عہدہ داران شکار خانہ سے کہا کہ ابتدائے شکار سے شہر میں واپس داخل ہونے کی تاریخ تک جس قدر جانور شکار ہوئے ہیں ، ان کی فہرست پیش کریں ۔ انھوں نے اسی وقت عرض کیا کہ چھپن دن میں ایک ہزار تین سو باسٹھ جانور چرند و پرند شکار ہوئے ہیں ، جن کی تفصیل یہ ہے : سات شیر ، ستر نیل گائیں نر و مادہ ، ستر سیاہ ہرن ۔ تمام جانوروں میں سے اکیاون ہرنیاں ، پہاڑی بکرے ، روج وغیرہ بیاسی ، کلنگ ، مور اور سرخاب اور دوسرے اقسام کے پرندے ایک سو انتیس اور ایک ہزار تیئیس مچھلیاں شکار ہوئیں ۔

مقرّب خاں کے تحائف :

جمعہ کے دن ، محرم ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو مقرب خاں نے کھنبایت اور سورت کی بندرگاہ سے آ کر شرف باریابی حاصل کیا ، اور اس نے کچھ جواہر ، جڑاؤ ہتھیار ، اور یورپ کے ساختہ سونے و چاندی کے برتن اور دوسری نفیس اور نادر اشیا ، حبشی کنیزیں اور غلام ، عربی گھوڑے اور مختلف قسم کی وہ چیزیں جو اُسے پسند آئیں ، بطور تحفے کے لایا ۔ ڈھائی مہینے کی مدت میں یہ تحائف ملاحظہ کیے گئے جن میں سے اکثر ہماری مرضی اور پسند کے مطابق تھے ۔

اسی دن صفدر خان (۸) کے منصب میں، جو ہزاری ذات اور پانصد سوار کے منصب سے سرفراز تھا، [81] پانصدی ذات اور دو صد سواروں کا اضافہ کر کے اس کو نمایاں حیثیت دی، نیز اسے علم عنایت کر کے اپنی سابقہ جاگیر پر جانے کی اجازت دے دی۔

کشور خان اور فریدون خان برلاس کو بھی علم عنایت کیا۔ اور ایک جنگی ہاتھی افضل خان کے لیے اس کے بیٹے پشوتن کے حوالے کیا کہ وہ اپنے والد کے لیے لے جائے۔

خواجہ حسین کو، جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے پوتوں میں سے ہے، شش ماہی ہزار روپے عنایت کیے۔

(مثنوی) یوسف زلیخا (۹) کی ایک جلد جو مُلا میر علی (۱۰) کے ہاتھ کی آب زر سے لکھی ہوئی با تصویر ہے اور جس کی طلائی جلد نہایت دیدہ زیب اور خوش نما ہے، اور جس کی قیمت ایک ہزار اشرفی ہے، خانخانان (عبدالرحیم) نے تحفۃً بھیجی تھی۔ اس کتاب کو اس کے وکیل معصوم نے لا کر پیش کیا۔

روز شرف تک، جو نوروز کا آخری دن ہے، ہر روز امرا اور درباریوں کے تحفے میری نظر سے گزرتے رہے، اور ان نفیس تحفوں میں سے جو چیز مجھے پسند آتی تھی، میں اسے قبول کر لیتا تھا اور باقی تحائف کو پیش کرنے والوں کو واپس کر دیتا تھا۔

انعقادِ جشن :

جمعرات کے دن ۱۳ محرم مطابق ۱۹ فروردین ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) کو سورج کے روز شرف ہونے کی بنا پر، جو مسرت اور شادمانی کا دن ہے، میں نے حکم دیا کہ مجلس جشن ترتیب دی جائے اور مختلف قسم کی کیفیت آور اشیا حاضر کی جائیں۔ (چنانچہ میرے حکم کے مطابق تمام مفرّح (۱۱) اور منشّی اشیا کا انتظام کیا گیا)۔ میں نے تمام امرا اور درباریوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق جس کیف آور چیز کو چاہے، جی بھر کر استعمال کرے۔ اکثروں نے شراب، بعضوں نے مفرّح اور بعضوں نے افیون طلب کی۔ غرض کہ جس نے جس چیز کو چاہا، اس کا شوق کیا، جس کی وجہ سے مجلس شگفتہ ہو گئی۔

جہانگیر قلی خان نے گجرات سے چاندی کا جو ایک منبّت اور منقّش اور مصوّر تخت نئی وضع اور ساخت کا تھا تحفے کے طور پر بھیجا تھا، میری نظر سے گزرا۔ اور سہاسنگھ کو علم عنایت ہوا۔

خواجہ سرا بنانے والوں کو سزائیں:

میں نے اپنے جلوس کے آغاز میں حکم دیا تھا کہ اس اجرائے حکم کے بعد کسی کو نہ خواجہ سرا بنایا جائے، نہ اُن کی خرید و فروخت کی جائے۔ جو کوئی اس فعل کا مرتکب ہوگا، وہ مجرم قرار پائے گا۔ اس سلسلے میں افضل خان (۱۲) نے صوبۂ بہار سے اس قسم کے چند بدکار مجرموں کو بھیجا جو اس حکم کے بعد بھی اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔ اُن ناعاقبت اندیشوں کے متعلق میں نے حکم دیا کہ انھیں دائمی قید کی سزا دے کر زیر نگرانی رکھا جائے۔

مُلّا احمد علی مُہرکن کا آناً فاناً مجلسِ سماع میں انتقال:

محرم کی بارہ اور تیرہ تاریخ کے درمیان شب پنجشنبہ کو ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا؛ دہلی کے قوّالوں کی ایک جماعت میرے سامنے گا رہی تھی اور سیدی شاہ صوفیوں کے مروجہ انداز کی تقلید میں سماع ہو رہا تھا۔ امیر خسرو کا یہ شعر:

ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

قوّالی کے ٹیپ کے شعر کے طور پر گایا جا رہا تھا۔ میں ابھی شعر کے مفہوم پر غور ہی کر رہا تھا کہ مُلّا علی احمد مُہرکن (۱۳) جو اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھا اور نسبت خلیفگی اور قدیم خدمت گاری کی رکھتا تھا؛ میں نے اپنے بچپن میں اس کے باپ سے کچھ سبق بھی پڑھے تھے، اُس نے میرے سامنے آ کر بیان کیا کہ اُس نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک دن شیخ نظام الدین اولیا جمنا کے کنارے ایک مکان کی چھت پر اپنی ٹوپی ترچھی سر پر رکھے ہوئے کھڑے تھے اور ہندوؤں کی عبادت و پرستش کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں امیر خسرو حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اُن کی طرف متوجہ

ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو ؟ اور ساتھ ہی یہ مصرع پڑھا :

ہر قوم راست راہے ، دینے و قبلہ گاہے

امیر خسرو نے بے ساختہ نیازمندانہ طور پر اپنے شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے دوسرا مصرع لگا دیا :

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

"ملا احمد علی اس واقعے کو اس حد تک بیان کر چکا تھا اور مصرع ثانی کا آخری کلمہ "برسمت کج کلاہے" اس کی زبان پر تھا کہ اچانک اس کی حالت غیر ہو گئی اور بےہوش ہو کر گر پڑا. مجھے اس کے [82] اس طرح یکایک گر پڑنے سے سخت وحشت ہوئی . میں اٹھ کر اس کے پاس گیا . اکثر لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے . اس وقت جو طبیب موجود تھے ، وہ بے چینی کے ساتھ اس کے مرض کی تشخیص ، نبض کے دیکھنے اور دوا لانے میں لگ گئے . انھوں نے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے اور کوشش کی لیکن وہ ہوش میں نہ آیا . گرتے ہی اس کی روح پرواز ہو چکی تھی . چوں کہ اس کے بدن میں تھوڑی سی حرارت پائی جاتی تھی ، اس لیے اطبّا کا خیال تھا کہ شاید وہ زندہ ہو ، لیکن تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا معاملہ علاج و معالجے سے باہر ہو چکا ہے . اس کی میّت کو مجلس سے اٹھا کر اس کے گھر لے گئے . اس قسم کی (اچانک) موت میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی . میں نے کچھ رقم اس کی تجہیز و تکفین کے لیے اس کے لڑکوں کو بھجوائی . دوسرے دن صبح کو اس کی لاش (آگرے سے) دھلی بھیجی گئی اور اس کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی .

جمعہ کے دن ۲۱ محرم ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو کشور خان ، جو ہزار و پانصدی کے منصب پر فائز تھا ، دو ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا گیا اور اصطبل خاص سے اس کو ایک عراقی گھوڑا ، خلعت اور ایک ہاتھی ، جس کا نام بخت جیت تھا ، عنایت کیا گیا ؛ اس کے علاوہ اسے اُچ کی فوج داری دی گئی اور اس علاقے کے سرکشوں کی تنبیہ کے لیے رخصت کیا گیا .

بایزید بنگالی کو بھی خلعت اور گھوڑے سے سرفراز کر کے حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کشور خان کے ماتحت کام کرے .

شاہی ہاتھی خانے سے ایک ہاتھی عالم گمان نامی راجا مان سنگھ کے لیے

حبیب اللہ کے ذریعے سے بھجوایا۔

کیشوداس مارو کے لیے ایک خاص گھوڑا بنگال بھجوایا۔ جلال آباد کے جاگیردار عرب خان کو ایک ہتھنی عنایت کی۔

اسی زمانے میں افتخار خان نے ایک نہایت عمدہ ہاتھی تحفے کے طور پر بنگال سے بھیجا تھا۔ چونکہ مجھے یہ ہاتھی پسند آیا اس لیے میں نے اُسے شاہی ہاتھیوں میں داخل کر لیا۔

احمد بیگ نے، جو بنگش افغانوں کی سرکوبی کے لیے افسر فوج بنا کر بھیجا گیا تھا، اُس نے اپنے فرزندوں کے ساتھ خاطر خواہ خدمات انجام دیں تھیں، اس لیے اس کے ذاتی منصب دو ہزار ذات اور ہزار و پانصد سوار میں پانصدی ذات کا اور اضافہ کیا گیا۔

پرویز کی طلائی تختی :

ایک طلائی تختی، جو پرویز کے سرپیچ کے لیے لعل اور موتیوں سے مرصّع بنائی گئی تھی اور جس کی قیمت اکیس ہزار روپے تھی، خان جہاں کے پاس سربراہ خان کے بیٹے حبیب کے ہاتھ برہان پور بھجوائی گئی۔

سنیاسی کی مریدی پر خان زادوں کو تادیب :

اسی زمانے میں یہ معلوم ہوا کہ کوکب ولد قمر خان (۱۴) نے ایک سنیاسی سے دوستی پیدا کر لی ہے اور اُس کے خیالات، جو تمام تر کفر اور ضلالت پر مبنی ہیں، رفتہ رفتہ اس جاہل کے دل میں بیٹھ گئے ہیں اور اس نے اپنے چچا زاد بھائیوں عبداللطف (۱۵) ولد نقیب خان اور شریف کو بھی اپنی گم راہی میں شریک کر لیا ہے؛ جب میں نے اس بات کی چھان بین کے لیے ان کو دھمکی دی تو انھوں نے اپنے چند عقائد بیان کر دیے کہ ان کے سننے سے مجھے کراہیت ہونے لگی۔ چنانچہ اُن کی تادیب اور تنبیہ کو میں نے ضروری سمجھ کر حکم دیا کہ کوکب اور شریف کو کوڑے لگا کر مقیّد اور محبوس کیا جائے۔ اور عبداللطف کے لیے ایک سو دُرّے حد مقرر کر دی اور حکم دیا کہ دُرّے میرے سامنے لگائے جائیں۔ یہ سزائیں محض شریعت کی حفاظت کے لیے تھیں تاکہ جہلا آئندہ غیر شرعی امور کی طرف مائل نہ ہوں۔

۲۴ محرم ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) پیر کے دن معظم خاں کو دہلی رخصت کیا تاکہ اس نواح کے سرکشوں اور مفسدوں کی گوشمالی کرے۔ شجاعت خاں دکھنی کو دس ہزار روپے عنایت کیے۔

شیخ حسین درشی کو، جسے میں نے بنگال فرمان لے جانے اور اس صوبے کے ہر ایک امیر کو شاہی انعامات پہنچانے کے لیے مقرر کیا تھا، رخصت کر دیا۔

اسلام خاں کو اس کی قابل قدر خدمات اور جاں نثاریوں کے صلے میں [83] پنج ہزاری ذات و سوار اور خلعت خاص سے سرفراز کیا۔ کشور خاں کو بھی خلعت خاص عنایت کیا۔

راجا کلیان کو ایک گھوڑا عراق عطا کیا۔ اسی طرح تمام امرا میں سے بعض کو خلعت اور بعض کو گھوڑے مرحمت کیے۔

فریدوں برلاس کو، جو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار و سیصد سوار کے منصب سے سرفراز تھا، اس میں اضافہ کر کے دو ہزار ذات اور ہزار و پانصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

خواجہ ابوالحسن کے مکان میں آتش زنی:

یکم صفر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) پیر کی رات میں ملازموں کی غفلت کی وجہ سے خواجہ ابوالحسن کے گھر میں زبردست آگ لگ گئی۔ اس حادثے کی خبر ہونے اور آگ بجھائے جانے تک خواجہ ابوالحسن کا بہت سا اسباب اور سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ میں نے خواجہ کی تسلی اور اس کے نقصان کی تلافی کے لیے چالیس ہزار روپے مرحمت کیے۔

سیف خاں بارھہ کو، جو میرا ساختہ پرداختہ ہے، میں نے علم مرحمت کیا۔

معزالملک کو، جو دیوانی کابل پر متعین تھا اور سابق میں ہزاری ذات و دویست ہفتاد و پنج سوار کے منصب پر فائز تھا، اس کے منصب میں دو صدی ذات اور پچھتر سواروں کا اضافہ کر کے کابل رخصت کیا۔

دوسرے جواہر دن سے مرصع ایک قیمتی پھول کٹارہ، خان جہاں کے لیے برہان پور بھیجا۔

مقرب خان کے خلاف ایک بیوہ کی فریاد :

چونکہ ایک بیوہ عورت نے مقرب خان کے خلاف شکایت کی تھی کہ اس نے کھنبایت کی بندرگاہ میں اس کی لڑکی کو زبردستی چھین کر اپنے گھر میں رکھا ہے ، جب میں نے اس سے وہ لڑکی طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ وہ اپنی طبعی موت سے مر چکی ہے . میں نے اس بیوہ کی فریاد پر حکم دیا کہ اس واقعے کی تحقیقات کی جائے . تحقیقات کے بعد میں نے مقرب خان کے ایک ملازم کو ، جو اس ظلم کا باعث ہوا تھا ، سزا دی اور مقرب خان کا نصف منصب کم کر کے وہ اس ضعیفہ ، مظلوم بڑھیا کو بطور مدد معاش اور سفر خرچ کے عنایت کیا .

چونکہ اتوار کے دن ۷ ماہ صفر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو ستاروں کا منحوس ملاپ واقع ہوا تھا (ان کی نحوست کے اثرات کو دور کرنے کے لیے) میں نے سونا چاندی اور تمام قسم کی دھات اور مختلف قسم کے حیوانات ، فقرا اور حاجت مندوں کے لیے مختص کر کے ممالک محروسہ کے اکثر حصوں میں تقسیم کرائے .

پیر کی رات میں ۸ صفر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو میں نے شیخ حسین سرهندی اور شیخ مصطفیٰ کو ، جو درویشی اور حال و قال میں مشہور ہیں ، طلب کر کے محفل سماع منعقد کی . رفتہ رفتہ اس محفل سماع اور وجد نے وہ سرگرمی پیدا کی جو کیفیت و حال سے خالی نہ تھی . مجلس کے ختم ہونے کے بعد میں نے ہر ایک کو روپے دے کر رخصت کیا .

چونکہ میرزا غازی ترخان نے لشکر قندھار کے اذوقے کی فراہمی اور قلعے کے برق اندازوں کی ساہانہ تنخواہ کے متعلق بار بار عرضداشتیں بھیجی تھیں ، میں نے حکم دیا کہ لاہور کے خزانے سے دو لاکھ روپے قندھار روانہ کیے جائیں .

افضل خاں کی صوبہ داری پٹنہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ :

۹ ماہ اردی بہشت ، ۴ ماہ صفر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) سنہ ۵ جلوس کو صوبۂ بہار کے مرکز پٹنہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا : افضل خان صوبہ دار بہار نے گورکھپور روانہ ہوتے وقت ، جو نیا نیا اس کی جاگیر میں دیا گیا تھا اور جو پٹنہ سے ساٹھ کوس کی مسافت پر واقع ہے ، قلعے اور شہر کو شیخ بنارسی اور اس صوبے کے دیوان غیاث زین خانی اور دوسرے منصب داروں کی ایک جماعت کے

سپرد کیا ۔ اس خیال سے کہ اس علاقے میں کوئی دشمن نہیں ہے ، اس نے قلعے اور شہر کی حفاظت کا انتظام ایسا نہیں کیا تھا جیسا کرنا چاہیے تھا ۔ اتفاق سے اسی زمانے میں علاقۂ اُچ کا ایک مجہول الحال آدمی قطب نامی ، جس کی سرشت میں فتنہ و فساد مرکوز تھا ، درویشانہ لباس اور فقیری کے بھیس میں علاقۂ اوجینہ (بھوج پور) میں ، جو پٹنے کے گرد و نواح میں واقع ہے ، وارد ہوا ۔ اور اس نے وہاں کے فتنہ پردازوں اور مفسدوں سے دوستی پیدا کرکے بیان کیا کہ میں خسرو ہوں اور قید خانے سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں ۔ اگر تم میرا ساتھ دو اور میری مدد کرو اور میں اس مقصد میں کامیاب [84] ہو جاؤں تو تم میری سلطنت کے سربراہ بنوگے ۔ مختصر یہ کہ اس قسم کی دل فریب باتوں سے اس نے ان بیوقوفوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا ، اور یہ یقین دلانے کے لیے کہ خسرو میں ہی ہوں ، اپنی آنکھوں کے حلقوں کو دکھا کر کہا کہ قید خانے میں میری آنکھوں پر کٹوریاں باندھی گئی تھیں ، یہ نشان اسی کے ہیں ۔ یہ داغ جو نمایاں نظر آتے تھے ، اس نے کبھی خود دے لیے تھے ۔

اس مکاری اور فریب سے بہت سے سوار اور پیادے اس کے گرد جمع ہوگئے ۔ انھیں یہ اطلاع تھی کہ افضل خاں پٹنے میں نہیں ہے ۔ اس خبر کو اپنی عظیم کامیابی جان کر فوراً دھاوا بول دیا اور اتوار کے دن دو تین گھڑی گزرنے کے بعد یہ لوگ شہر (پٹنہ) میں پہنچ گئے ۔ کوئی چیز ان کے راستے میں حائل نہیں ہوئی ، یہاں تک کہ انھوں نے قلعے کا رخ کیا ۔ شیخ بنارسی ، جو اس وقت قلعے میں تھا ، گھبرا کر قلعے کا دروازہ بند کرنے کے لیے دروازے پر پہنچا ، لیکن دشمن کے اندھا دھند حملوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ دروازہ بند کر سکے ۔ اتفاق سے غیاث (اور شیخ بنارسی) ایک کھڑکی کے راستے سے باہر نکلے اور اس ارادے سے دریا تک پہنچ گئے کہ وہ کشتی حاصل کرکے کسی طرح افضل خاں کے پاس جا پہنچیں ۔ یہ مفسد پورے اطمینان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوگئے اور افضل خاں کے مال و اسباب اور شاہی خزانے پر قبضہ کر لیا ۔ سلطنت کے بدخواہوں کی ایک جماعت ، جو شہر اور اس کے آس پاس تھی ، قطب کے گرد جمع ہوگئی ۔ یہ خبر گورکھپور میں افضل خاں کو ملی اور شیخ بنارسی اور غیاث نے بھی دریا کے راستے اپنے آپ کو افضل خاں تک پہنچایا ۔ شہر (پٹنہ) سے کئی خط پہنچ گئے کہ یہ بدبخت ، جو اپنے آپ کو خسرو کہتا ہے ، در حقیقت خسرو

نہیں ہے ۔ چنانچہ افضل خان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور میرے دولت و اقبال پر بھروسا کرکے فوراً مفسدوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا اور پانچ روز کے عرصے میں وہ پٹنے کے مضافات میں پہنچ گیا ۔ جب افضل خان کے آنے کی خبر اس حرام زادے اور دوسرے فتنہ پردازوں کو پہنچی تو قطب نے قلعے کی حفاظت اپنے ایک ساتھی کے سپرد کی اور خود سوار اور پیادوں کے ساتھ لڑنے کے لیے شہر سے چار کوس باہر نکلا اور پن پن دریا کے کنارے لڑائی ہوئی ۔ تھوڑی سی مار دھاڑ کے بعد ان بدبختوں کی جماعت شکست کھا کر تتر بتر ہو گئی ، اور گھبراہٹ میں وہ (قطب) برگشتہ نصیب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قلعے کی طرف آیا ۔ افضل خان بھی اس کے تعاقب میں بڑھا اور اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ قلعے کا دروازہ بند کر سکتا ۔ وہ مضطربانہ افضل خان کے گھر میں گھس گیا اور دروازہ مضبوطی سے بند کرکے تین پہر تک لڑتا رہا ۔ تقریباً تیس آدمیوں کو اس نے تیروں سے مار دیا ۔

اس کے بعد جب اس کے ہمراہی جہنم واصل ہو گئے اور وہ خود عاجز و زبوں ہو گیا تو امان مانگتے ہوئے افضل خان کے پاس آیا ۔ افضل خان نے اسی روز اس کو قتل کر دیا تا کہ یہ فتنہ فوراً ختم ہو جائے ۔ اس کے چند ساتھی ، جو زندہ ہاتھ آئے ، انھیں قید کر لیا ۔ یہ خبریں پے بہ پے میرے کانوں تک پہنچتی رہیں ۔ شیخ بنارسی اور غیاث زین خانی اور دوسرے منصب داروں کو ، جنھوں نے شہر اور قلعے کی حفاظت میں کوتاہی کی تھی ، میں نے آگرے طلب کیا اور حکم دیا کہ ان کا سر اور داڑھی مونڈ کر زنانہ لباس (معجر) پہنائیں اور گدھے پر سوار کرکے شہر کے ارد گرد اور بازاروں میں گھمائیں تا کہ دوسروں کے لیے عبرت اور آگاہی کا باعث ہو ۔

پرویز اور امرائے متعینۂ دکن اور سلطنت کے بہی خواہوں کے یکے بعد دیگرے عریضے آ رہے تھے کہ عادل خان بیجاپوری کی التجا ہے کہ میر جمال الدین حسین انجو کو جس کے قول و فعل پر دکن کے تمام حکام کو پورا پورا اعتبار ہے ، [85] ان کے پاس بھیجا جائے ، تا کہ وہ دکھنیوں سے مل کر ان کے دل و دماغ سے خوف و خطر دور کرے اور وہاں کے معاملات کو عادل خان کی مرضی کے مطابق ، جو سلطنت کی بہی خواہی اور اطاعت کو اختیار کیے ہوئے ہے ، روبراہ کرے ۔ اور عادل خان کی ذہنی پراگندگی اور وحشت کو اس کے دل سے

دور کرکے اس کو تسلی و تشفی دے اور اسے الطاف و عنایاتِ شاہانہ کا امیدوار بنائے۔

۱۶ ماہ صفر ۱۰۱۹ (۱۶۱۰ء) کو اس مقصد کے حصول کے لیے میں نے میر مذکور (جلال الدین حسین انجو) کو دس ہزار روپے بطور انعام دے کر روانہ کر دیا۔

قاسم خاں کے سابق منصب میں، جو ہزاری ذات و پانصد سوار پر مشتمل تھا، مزید پانصدی ذات و سوار کا اس غرض سے اضافہ کیا کہ وہ اپنے بھائی اسلام خاں کی مدد کے لیے بنگال روانہ ہو جائے۔

آن ہی دنوں میں نے مالدھو کے زمیندار بکرماجیت کی تنبیہ اور تادیب کے لیے، جس نے اطاعت و بندگی کے دائرے سے قدم باہر نکالا تھا، راجا مان سنگھ کے بیٹے سہاسنگھ کو مامور کیا تاکہ وہ اس سر زمین میں قیام کرکے وہاں کے سرکشوں اور مفسدوں کی مدافعت کرے، اور راجا مان سنگھ کی محال جاگیر کا بھی، جو اسی نواح میں واقع ہے، انتظام کرے۔

۲۰ ماہ صفر ۱۰۱۹ (۱۶۱۰ء) کو ایک ہاتھی شجاعت خاں دکھنی کو عنایت کیا۔

جلال آباد کے حاکم نے وہاں کے قلعے کی بوسیدگی اور خرابی کے متعلق عرض‌داشت لکھی تھی۔ میں نے حکم دیا کہ اس قلعے کی تعمیر کے لیے جس قدر روپے درکار ہوں، لاہور کے خزانے سے لیے جائیں اور صرف کیے جائیں۔

افتخار خاں نے بنگال میں قابل تعریف خدمات انجام دی تھیں۔ وہاں کے صوبہ دار کی سفارش پر میں نے اس کے سابقہ منصب میں، جو ہزار و پانصدی تھا، مزید پانصد کا اضافہ کر دیا۔

۲۸ صفر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) کو عبداللہ خاں فیروز جنگ کی عرض‌داشت، جو بعض دلیر لشکریوں کی حسنِ خدمات کی تعریف اور اُن کی ترقی کی سفارش پر مشتمل تھی، پہنچی۔ یہ وہ لوگ تھے جو اُس کے ساتھ رانا مردود و مقہور کی مدافعت پر متعین تھے۔ چوں‌کہ ان میں سب سے زیادہ غزنیں خاں جالوری (۱۶) کی خدمات اور تجربہ کاری کو سراہا گیا تھا، میں نے اس کے سابقہ منصب میں، جو ہزار و پانصدی ذات اور سیصد سوار پر مشتمل تھا، مزید پانصد ذات اور چہار صد سوار کا اضافہ کیا اور اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی، جن کی سفارش

کی گئی تھی ، ان کی خدمات کے مناسب ان کے منصب میں اضافہ کیا گیا .

دولت خان (۱۷) نے ، جو اس سے قبل سنگ سیاہ کے بنے ہوئے تخت کے لانے کے لیے الہ‌آباد بھیجا گیا تھا ، بدھ کے دن ماہ مہر کی چار تاریخ کو شرف حضوری حاصل کیا اور اس تخت کو نہایت صحیح و سالم حالت میں لایا . حقیقت یہ ہے کہ اس پتھر کے تختے عجیب ہیں ؛ ان کے نہایت سیاہ اور چمک دار ہونے کی وجہ سے بہتیرے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سنگ محک (کسوٹی پتھر) ہے . اس کا طول ۱/۸ گز کم چارگز اور عرض ڈھائی گز اور ایک طسو[1] اوراس کا حجم تین طسو ہوگا . میں نے ماہر سنگ تراشوں کو حکم دیا کہ اس تخت کے ہر طرف مناسب و موزوں اشعار کندہ کریں اور اس کے پائے بھی اسی قسم کے پتھر کے لگائے جائیں . میں اکثر اوقات اس تخت پر بیٹھتا ہوں .

عبدالسبحان (۱۸) اپنی بعض خطاؤں کی وجہ سے قید خانے میں بند تھا . جب اس کے بھائی خان عالم نے اس کی ضمانت دی اور اس کے آئندہ خدمات کے متعلق عہد کیا تو میں نے اس کو قید سے رہائی دے کر ہزاری ذات اور چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور صوبۂ الہ آباد کی فوج‌داری پر مقرر کرکے اسلام خان کے بھائی قاسم خان کی جاگیر اس کو دے دی . اور تربیت خان کو سرکار الور کی فوجداری پر بھیجا .

۱۲ ماہ مہر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو خانجہاں کی عرض داشت پہنچی کہ حکم شاہی کے مطابق خانخاناں (عبدالرحیم) مہابت خان کے ساتھ دربار شاہی میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوگیا ہے . اور میر جمال‌الدین حسین انجو ، جو بارگاہ شاہی سے بیجا پور جانے کے لیے متعین ہوا تھا ، برہان پور سے عادل خان کے وکلا کے ساتھ [86] بیجاپور روانہ ہو گیا .

۲۱ ماہ مہر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو صوبۂ پنجاب کی صوبہ داری پر ، جو ممالک محروسہ میں سب سے بڑا صوبہ ہے ، میں نے مرتضٰی خان کو سرفراز کیا ، اور اپنی خاص شال عنایت کی .

تاج خان ، جو صوبۂ ملتان میں متعین تھا ، میں نے اسے کابل کی حکومت پر متعین کیا ؛ اور اس کے سابقہ منصب میں ، جو سہ ہزاری ذات اور ہزار و پانصد سوار پر مشتمل تھا ، مزید پانصد کا اضافہ کیا .

۱- طسو : گز کا چوبیسواں حصہ یا انچ کا ایک تہائی حصہ ہوتا تھا .

عبداللہ خاں فیروز جنگ کی التجا پر رانا شنکر کا بیٹا بھی اضافۂ منصب سے سرفراز کیا گیا ۔

مہابت خاں ، جو اس سے قبل متعینۂ دکن امرا کے حالات کی تحقیقات کرنے اور خانخاناں (عبدالرحیم) کو لانے کے لیے برہان پور بھیجا گیا تھا ، واپس آیا ۔ جب وہ نواح آگرہ میں پہنچا تو خانخاناں (عبد الرحیم) کو شہر سے چند منزلوں کے فاصلے پر چھوڑ کر پہلے خود حاضر خدمت ہوا اور آستان بوسی اور کورنش کی سعادت حاصل کی ۔

چند دن کے بعد ماہ آبان کی ۱۲ تاریخ کو خانخاناں (عبد الرحیم) حاضرخدمت ہوا ۔ چوں کہ اکثر بہی خواہان سلطنت اس کے بارے میں اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹی سچی باتیں ، اپنی عرض داشتوں میں لکھتے رہے تھے ، اس لیے میرا دل اس سے کھٹا ہو گیا تھا ۔ چنانچہ میں اس مرتبہ اس کے ساتھ اس لطف و عنایت سے پیش نہ آیا جو میں اس کے حق میں روا رکھتا تھا ، اور جو سلوک میں نے اپنے والد محترم کا اس کے ساتھ دیکھا تھا ۔ اور میں اپنے اس طرز عمل میں حق بجانب تھا ، کیوں کہ اس سے قبل وہ دکن کی مہم کو ایک خاص مدت میں سر انجام دینے کا خط عہد سپرد کرکے دوسرے امرا کے ساتھ سلطان پرویز کی خدمت میں دکن روانہ ہوا ، لیکن برہان پور پہنچنے کے بعد اس نے وقت کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا ۔ ایسے وقت میں جب کہ لشکر کی نقل و حرکت مناسب نہ تھی ، جس سے یہ مہم انجام پا سکتی اور لشکر کی ضروریات بھی مہیا نہیں ہوتی تھیں ، وہ سلطان پرویز کو بالا گھاٹ پر کھینچ لایا ۔ رفتہ رفتہ سرداروں کی نااتفاقی ، ان کے نفاق اور غلط اختلاف رائے سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ غلہ دشواری سے میسر ہونے لگا ؛ کثیر رقم دینے کے بعد بھی ایک من غلہ ہاتھ نہیں لگتا تھا ۔ لشکر کا نظام اس قدر درہم برہم ہو گیا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی ۔ چارہ نہ ملنے کی وجہ سے اونٹ اور گھوڑے اور دوسرے کثیر چوپائے ضائع ہو گئے ۔ ان حالات میں بہ لحاظ مصلحت وقت سلطان پرویز نے بد نصیب دشمنوں سے صلح کر لی اور لشکر کو برہان پور منتقل کر دیا ۔ چنانچہ اس مہم کے خراب ہونے اور لشکر میں تفرقہ اور انتشار پیدا ہونے کا سبب سلطنت کے تمام بہی خواہ خانخاناں کے نفاق اور بد اندیشی کو قرار دے رہے تھے ۔ انھوں نے اس بارے میں کئی عرض داشتیں بارگاہ شاہی میں روانہ

یکیں ۔ اگرچہ شروع میں مجھے ان کی باتوں پر بالکل یقین نہیں آتا تھا ، لیکن آخرکار میرے دل میں ان باتوں کے صحیح ہونے کے شبہات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ خانجہاں کی عرضداشت بھی پہنچ گئی کہ لشکر میں یہ تمام خلل اور پریشانی خانخاناں (عبدالرحیم) کے نفاق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ۔ یا تو اس لشکر کی باگ ڈور بالکلیہ اس کے سپرد کی جائے یا اس کو بارگاہ شاہی میں طلب کرکے اپنے اس نواختہ اور پرداختہ (خانجہاں) کو تسخیر دکن کی خدمت پر مامور فرمائیں ، اور تیس ہزار سوار اس فدوی کی کمک کے لیے متعین فرمائیں تاکہ دو سال کے عرصے میں تمام ملک پادشاہی ، جو دشمن کے قبضے میں ہے ، آزاد کرکے قندھار (۱۹) کے قلعے اور دوسرے سرحدی قلعوں کو بھی شاہی ملازموں کے تصرف میں لے آئے ۔ بلکہ ولایت بیجاپور کو بھی ممالک محروسہ میں ضم کردے ۔ اگر میں اس خدمت کو مدت معینہ کے اندر انجام نہ دے سکا تو میں سعادت کورنش سے محروم ہو کر بندگان شاہی کو منہ نہ دکھاؤں گا ۔

خانخاناں (عبدالرحیم) اور لشکر کے دوسرے سرداروں کے درمیان اس درجہ کشیدگی پیدا ہو گئی کہ اب مجھے خانخاناں کا وہاں رہنا خلاف مصلحت معلوم ہوا ۔ اس لیے میں نے افواج دکن کی سپہ سالاری خانجہاں کے سپرد کر دی اور خانخاناں کو اپنے حضور میں طلب کر لیا ۔ میری اس بے توجہی اور بے التفاتی کا باعث مذکرۂ بالا واقعات ہیں ۔ آئندہ جو کچھ ظہور پذیر ہوگا ، اسی پر میری توجہ اور بے توجہی کا دار و مدار ہوگا ۔ [87]

سید علی بارھہ ، جو شایستہ جوانوں میں سے ہے ، میں نے اس کے سابقہ منصب میں ، جو ہزاری ذات و پانصد سوار پر مشتمل تھا ، پانصدی ذات اور دو سو سواروں کا اضافہ کیا ۔

داراب خاں ولد خانخاناں (عبد الرحیم) کو میں نے ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور سرکار غازی پور اس کی جاگیر میں دیا ۔

میرزا مظفر حسین کی لڑکی سے خرّم کی شادی :

میں اس سے قبل میرزا مظفر حسین ولد سلطان حسین میرزا صفوی حاکم قندھار کی لڑکی کی منگنی سلطان خرّم سے کر چکا تھا - ۱۷ آبان کو اس کی شادی کا جشن منعقد ہوا ۔ میں خرّم کے گھر گیا اور رات وہیں گزاری اور اس شادی کی

خوشی میں میں نے اکثر امرا کو خلعت سے سرفراز کیا اور قلعۂ گوالیار کے چند قیدیوں کو، خصوصاً حاجی میرک کو قید سے رہا کر دیا۔

اور اسلام خاں کو ایک لاکھ روپے، جو اس نے خالصہ پرگنوں سے وصول کیے تھے، لشکر کے ساتھ مہم میں شریک ہونے اور اس کی خدمات کے صلے میں بطور انعام دے دیے۔

میں نے کچھ سونا اور چاندی اور ہر قسم کے غلہ جات اپنے قابل اعتماد ملازموں کے سپرد کر کے ہدایت کی کہ وہ آگرے کے فقرا میں تقسیم کریں۔

خانجہاں کی عرضداشت:

اسی دن خانجہاں کی عرضداشت پہنچی کہ میں نے حسب الحکم خانخاناں کے بیٹے ایرج (۲۰) کو (شاہزادہ پرویز سے) رخصت دلوا کر بارگاہِ شاہی میں روانہ کر دیا ہے۔ اب رہا ابوالفتح بیجا پوری کے ارسال کا حکم، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ آدمی کارآمد ہے اور اس کا یہاں سے رخصت کرنا فی الحال دکن کے دوسرے سرداروں کے لیے، جن کے متعلق پہلے ہی سے طرح طرح کی باتیں کہی جا رہی ہیں، مایوسی کا باعث ہوگا۔ میں نے مصلحتِ وقت کی بنا پر اس کو روک لیا ہے۔ اور کیشو داس ولد رائے کلہ کے متعلق حکم ہوا تھا کہ وہ پرویز کے پاس ہے اور میں اس کو بلاؤں، اگر وہ اس کے بھیجنے میں تامل کرے تو میں اس کو زبردستی بارگاہ شاہی میں بھجوا دوں۔ جب اس شاہی حکم کی پرویز کو اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً کیشو داس کو روانہ کرتے ہوئے مجھے کہلا بھیجا کہ میرے یہ چند زبانی کلمے عرضداشت میں شامل کر کے بارگاہ شاہی میں بھجوا دیے جائیں؛ وہ یہ کہ جب میری جان اور زندگی بھی خدائے مجازی (جہانگیر) کے لیے وقف ہے تو اس کے سامنے کیشو داس کا ہونا نہ ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے کہ میں اس کے بھیجنے میں تامل کروں۔ البتہ جب میرے قابل اعتماد اور قابل اعتبار ملازموں کو کسی تقریب کی وجہ سے طلب کر لیا جاتا ہے تو وہ دوسرے لشکریوں کے لیے نا امیدی اور دل شکستگی کا باعث ہوتا ہے، اور علاقے (دکن) میں اس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ (جہانگیر) کے الطاف و عنایات میرے شامل حال نہیں رہے۔ بہر حال جیسے حضرت کا حکم ہو۔

جس تاریخ سے کہ قلعۂ احمد نگر بھائی دانیال مرحوم کی کوششوں سے شاہی فوجوں کے تصرف میں آیا تھا ، آج تک اس قلعے کی حفاظت و نگرانی خواجہ بیگ میرزا صفوی کے سپرد ہے جو غفران پناہ شاہ طہماسپ کے رشتے داروں میں سے ہے ۔ جب بد نصیب دکھنیوں کی شورش حد سے زیادہ بڑھ گئی اور انھوں نے قلعۂ مذکور کا محاصرہ کر لیا تو خواجہ بیگ نے جاں نثاری اور قلعے کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کی ۔ باوجود اس کے کہ خانخانان (عبدالرحیم) اور دوسرے امرا اور لشکر کے سردار برہان پور میں جمع ہو گئے تھے اور پرویز کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں کے قلع قمع کا اقدام کر چکے تھے ، لیکن آپس کے اختلاف رائے اور امرا کے باہمی نفاق اور رسد و غلّے کی گرانی اور فراہم نہ ہونے کی وجہ سے اس زبردست شاہی لشکر کو ، جو بڑی مہمات کی صلاحیت رکھتا تھا ، خانخانان نے انھیں غیرمناسب راستوں ، پہاڑوں اور سخت گھاٹیوں میں لے جا کر چند ہی دنوں میں پریشان اور بے سر و سامان کر دیا ۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی اور غلّے کی قلت اس حد تک ہوئی کہ لوگ روٹی کے عوض جان دینے لگے تو وہ بغیر کسی چارۂ کار کے ناکام لوٹ گئے ۔ محصور سپاہی اور اندرون قلعہ کی فوج ، جو اس لشکر کی امداد پر آس لگائے ہوئے تھی ، ان کی واپسی کی خبر سن کر نہایت بد دل اور بے سہارا ہو کر ایک دم جوش میں آ گئی اور قلعے سے باہر نکلنا چاہا ۔ خواجہ بیگ میرزا کو جب اپنے محصور لشکر کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ لوگوں کو تسلی اور دلاسا دینے لگا ۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن اس کی کوشش کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ۔ [88] آخر وہ اندرون قلعہ اپنے لشکریوں سے وعدہ وعید کر کے قلعے سے نکل کر برہان پور روانہ ہو گیا اور مذکورہ تاریخ میں شاہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچ گیا ۔ جو عرضداشتیں اس کے برہان پور آنے کے بارے میں مجھ تک پہنچیں ان سے ظاہر ہوا کہ اس نے جاں نثاری اور نمک حلالی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا منصب پنج ہزاری ذات و سوار برقرار رکھ کر اس کی تنخواہ میں جاگیر دی جائے ۔

۱۹ ماہ رمضان ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰) کو دکن سے بعض امرا کی عرضداشتیں پہنچیں کہ ۲۲ شعبان ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو میر جمال الدین حسین انجو ، بیجا پور پہنچ گیا ۔ عادل خاں نے اپنے وکیل کو اس کے استقبال کے لیے بیس کوس آگے بھیجا اور خود بھی استقبال کے لیے تین کوس آگے آیا اور وہیں سے اس کو اپنے گھر لے گیا ۔

شکار کو روانگی :

چونکہ طبیعت پر شکار کا شوق غالب تھا اس لیے نجومیوں کے مقرر کردہ وقت کے مطابق جمعہ کی رات ۱۵ رمضان ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) مطابق ۱۰ آذر سنہ ۵ جلوس کو مبارک ساعت میں، جب کہ ایک پہر اور چھ گھڑی گزری تھی، میں شکار کے ارادے سے نکلا اور شہر سے متصل دھرہ باغ میں میری پہلی منزل ہوئی . اس منزل میں میں نے دو ہزار روپے اور پرم نرم (پشمینے) کا خاص فرغل میر علی اکبر کو دے کر اسے شہر رخصت کیا .

اس خیال سے کہ لوگوں کا غلہ اور فصلیں پامال نہ ہوں، میں نے حکم دیا کہ سوائے ضروری لوگوں اور خاص حضوری مصاحبوں کے باقی سب لوگ شہر واپس لوٹ جائیں .

شہر کی حفاظت اور نگرانی میں نے خواجہ جہاں (۲۱) کے سپرد کر کے اسے رخصت کیا .

۱۹ ماہ آذر سنہ ۵ جلوس مطابق ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو سعداللہ خان ولد سعید خان کو ہاتھی عنایت کیا .

۲۸ ماہ آذر، سنہ ۵ جلوس مطابق ۲۱ ماہ رمضان ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو ہاشم خان ولد قاسم خان نے اوڑیسہ سے، جو بنگال کے اطراف میں واقع ہے، چالیس ہاتھی بطور تحفہ بھجوائے تھے؛ یہ میری نظر سے گزرے . ان میں ایک ہاتھی نہایت عمدہ اور مجھے پسند تھا . میں نے اسے شاہی ہاتھیوں میں داخل کر لیا .

سورج گرہن :

۲۸ ماہ رمضان ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو سورج گرہن ہوا . اس کی نحوست کو دفع کرنے کے لیے میں نے اپنے آپ کو سونے، چاندی کے ساتھ تلوایا؛ اس طرح ایک ہزار آٹھ سو تولہ سونا اور چار ہزار نو سو روپے میرے وزن کے برابر ہوئے . میں نے حکم دیا کہ یہ سب چیزیں دوسرے غلہ جات اور مختلف قسم کے حیوانات، مثلاً ہاتھی، گھوڑے اور گایوں کے ساتھ شہر آگرہ اور اس کے ارد گرد کے شہروں میں مستحق ناداروں، محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کر دی جائیں .

خان اعظم کی مہم دکن پر روانگی :

سلطان پرویز کی سرداری ، خانخانان (عبدالرحیم) کی سرکردگی اور دیگر چند بڑے امرا ، مثلاً راجا مان سنگھ ، خانجہان ، آصف خان ، امیرالامرا اور دوسرے منصب‌داروں کی ہمراہی میں ، جو لشکر تسخیر دکن کے لیے بھیجا گیا تھا ، ان کے حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد انہیں برہان پور واپس لوٹنا پڑا ۔ یہ تمام واقعات قابل اعتماد ملازموں اور راست‌گفتار واقعہ نویسوں کے عرائض سے واضح ہوئے تھے ۔ اگرچہ اس لشکر کی شکست اور خرابی کے بہت سے اسباب اور وجوہ ہیں ، لیکن سب سے بڑا سبب امرا کی نااتفاقی بالخصوص خانخانان (عبدالرحیم) کا نفاق ہے ۔ اس لیے مجھے خیال ہوا کہ خان اعظم کو ایک تازہ دم لشکر دے کر بھیجا جائے تاکہ بے ضابطہ کارروائیاں ، غلط کاریاں اور بے اعتدالیاں جو امرا کے باہمی نفاق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں ، ان کا تدارک اور تلافی ہو سکے ۔

۱۱ دے سنہ ۵ جلوس مطابق ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو خان اعظم نے اس خدمت سے سرفرازی حاصل کی ۔ اور میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ وہ سارے انتظامات کرکے خان اعظم کو جلد روانہ کر دیں ۔ اور خان عالم ، فریدون خان برلاس ، یوسف خان (۲۲) ولد حسین خان تکریہ (۲۳) ، علی خان نیازی ، باز بہادر قلماق اور دوسرے منصب داروں کو تقریباً دس ہزار سواروں کے ساتھ خان اعظم کے ہمراہ متعین کیا ۔ اور علاوہ اُن احدیوں کے جو اس خدمت پر مامور تھے ، مزید دو ہزار احدی خان اعظم کے ساتھ متعین کر دیے ۔ اس طرح اس کے ساتھ بارہ ہزار سواروں کی تعداد ہو گئی ہوگی ۔ اور تیس لاکھ روپے کا خزانہ اور چند ہاتھی [89] اس کے ساتھ کرکے اسے رخصت کی اجازت دے دی ۔ رخصت کرتے وقت خان اعظم کو خلعت فاخرہ ، مرصع شمشیرکمر ، مرصّع زین سمیت گھوڑا اور خاص ہاتھی مرحمت کیا ، اور پانچ لاکھ روپے بطور مدد خرچ کے اسے عنایت کیے ۔ اور حکام مال کو حکم دیا کہ یہ روپیہ بعد میں اس کی محال جاگیر کی آمدنی سے واپس لیں ۔ اور جو امرا اس کے ساتھ مامور ہوئے تھے ، وہ بھی خلعتوں ، گھوڑوں اور دوسری رعایتوں سے سرفراز ہوئے ۔

مہابت خان کا منصب چہار ہزاری ذات اور سہ ہزاری سوار تھا ۔ میں نے

اس کے منصب میں پانسو سواروں کا اضافہ کرکے حکم دیا کہ وہ خان اعظم کے لشکر کو برہان پور پہنچائے اور جو فوج وہاں پہلے سے گئی ہوئی ہے، اس کی ہزیمت کے اسباب و حقائق معلوم کرے، اور جو امرا وہاں متعین ہیں انہیں خان اعظم کی سپہ سالاری کے حکم سے مطلع کرکے سب کو متفق اور یک جہت بنائے، اور اس کے بعد لشکر کے ساز و سامان کا معائنہ کرے اور وہاں کے نظم و نسق کو درست کرنے کے بعد خان خاناں (عبدالرحیم) کو اپنے ساتھ لے کر دربار میں واپس آئے۔

اتوار کے دن ۴ ماہ شوال ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ع) کو سرشام میں چیتے کے شکار میں مشغول رہا۔ اور یہ حکم دیا کہ اتوار اور جمعرات کے دن کوئی جانور ذبح نہ کیا جائے۔ ان ایام میں میں خود بھی گوشت نہیں کھاتا۔ اتوار کے دن میرے گوشت نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ میرے والد بزرگوار اس دن کو متبرک جانتے تھے اور وہ اس روز گوشت نہیں کھاتے تھے؛ ان کے عہد حکومت میں اس روز جانوروں کا ذبح کرنا منع تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اتوار کی رات میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس روز بہتر یہ ہے کہ جان‌دار، قصاب طبیعت لوگوں کے آزار سے محفوظ رہیں۔ جمعرات کا دن میری تخت نشینی کا دن ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس روز بھی جان داروں کو ذبح نہ کریں، یہاں تک کہ شکار کے زمانے میں بھی میں ان دو دنوں میں شکار کے جانوروں پر تیر اور بندوق نہیں چلاتا۔

شیر کا شکار کھیلتے ہوئے بعض درباریوں کا زخمی ہونا:

جس وقت میں چیتے کا شکار کھیل رہا تھا، انوپ رائے، جو میرے قریبی خدمت‌گاروں میں ہے، ان آدمیوں کو لے کر، جو میرے ساتھ شکار میں رہا کرتے ہیں، کچھ فاصلے پر میرے برابر چلتا رہا، اور ایک درخت کے پاس پہنچا جس پر کچھ چیلیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب اس کی نظر ان چیلوں پر پڑی تو وہ کمان اور تیر سنبھال کر ان کی طرف پلٹ پڑا۔ اس وقت اتفاق سے اس کی نظر اس درخت کے قریب ایک گائے پر پڑی جس کا آدھا حصہ کھایا ہوا تھا۔ ابھی آن اسے گائے کے پاس ایک خوفناک ڈیل ڈول کا شیر دکھائی دیا جو درخت کے آس پاس کی جھاڑیوں سے نکل کر جا رہا تھا۔ اس وقت سورج کے غروب ہونے میں صرف دو گھڑیاں باقی

تھیں ؛ چونکہ اس کو معلوم تھا کہ مجھے شیر کے شکار کا کتنا شوق ہے ، اس نے
اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شیر کو گھیرا ڈال کر ایک آدمی اطلاع کے لیے میرے
پاس بھیجا ۔ جب اس کی اطلاع مجھے ہوئی تو میں فوراً ہی تیزی کے ساتھ اس طرف
چل کھڑا ہوا ۔ اس وقت بابا خرّم ، رام داس ، اعتماد رائے ، حیات خاں اور ایک
دو اور آدمی میرے ساتھ تھے ۔ میں نے پہنچتے ہی دیکھا کہ شیر ایک درخت کے
سائے میں بیٹھا ہے ۔ میں نے ارادہ کیا کہ گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس پر
بندوق چلا دوں ، لیکن گھوڑے میں کمزوری کے آثار دیکھ کر اتر پڑا اور نشانہ
باندھ کر بندوق چلا دی ۔ چونکہ میں بلندی پر کھڑا تھا اور شیر نشیبی حصے میں
تھا ، اس لیے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میری گولی نشانے پر بیٹھی یا نہیں ؛
اس ڈر سے میں نے اسی وقت دوسری مرتبہ بندوق چلا دی ۔ میرا خیال تھا
کہ اس مرتبہ گولی ٹھیک نشانے بیٹھی ہوگی لیکن شیر کھڑا ہوگیا اور میر شکار
پر حملہ کر دیا جو اتفاق سے اس کے قریب تھا اور اس کے ہاتھ پر شکرہ
بیٹھا ہوا تھا ۔ شیر اس کو زخمی کرکے اپنی جگہ بیٹھ گیا ۔ اس حالت میں میں نے
ایک اور بندوق بھر کر اور تپائی (۴۴) پر رکھ کر نشانہ لیا ۔ انوپ رائے تپائی
کو پکڑے ہوئے اس حالت میں کھڑا تھا کہ تلوار اس کی کمر سے بندھی ہوئی
تھی اور ایک ہاتھ میں لکڑی کا گتکا تھا ، اور بابا خرّم بائیں جانب تھوڑے
سے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا ، اور رام داس اور دوسرے ملازم اس کے پیچھے
کھڑے تھے ، اور کمال قراول بندوق بھرکر مجھے دے رہا تھا ۔ چنانچہ میں بندوق
چلانے ہی والا تھا کہ شیر غراتے ہوئے میری طرف بڑھ کر [90] حملہ آور
ہوا ، اسی وقت میں نے بندوق چلا دی ؛ گولی شیر کے منہ اور دانتوں کے برابر
سے نکل گئی ۔ بندوق کی آواز نے شیر کو اور بھی غضب ناک بنا دیا ۔ میرے
ملازم اس کے حملے کی تاب نہ لا کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے ۔ میں
اس بھگدڑ میں ایک دو قدم اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ کر گر پڑا ۔ مجھے اچھی
طرح یاد ہے کہ اس بھگدڑ میں دو تین آدمی میرے سینے پر پاؤں رکھ کر میرے
اوپر سے گزر گئے ۔ اعتماد رائے اور کمال قراول کی مدد سے میں کھڑا ہوا ۔ اس
اثنا میں شیر نے ان لوگوں کا رخ کیا جو میری بائیں جانب تھے ۔ انوپ رائے
تپائی کو چھوڑ کر شیر پر حملہ آور ہوا ۔ شیر بھی جس چستی و چالاکی سے
بائیں جانب حملہ آور ہوا تھا ، اسی چستی و چالاکی سے اس کی طرف پلٹا ۔

انوپ رائے بھی مردانہ وار شیر کے مقابل ہوگیا اور وہ لکڑی کا گتکا جو اس کے ہاتھ میں تھا ، اس نے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر دو مرتبہ بڑے زور سے اس کے سر پر مارا ۔ شیر نے منہ کھول کر انوپ رائے کے دونوں ہاتھ اپنے جبڑوں میں پکڑ کر اس طرح چبائے کہ اس کے دانت اس کے دونوں ہاتھوں کے پار ہو گئے لیکن وہ گتکا اور چند انگوٹھیاں جو اس کے ہاتھ میں تھیں ، وہ اس کے ہاتھوں کو ناکارہ ہونے سے بچانے میں بہت کچھ مفید اور کار آمد ثابت ہوئیں ۔ شیر کے حملے اور دھکے سے انوپ رائے اس کے پنجوں کے درمیان پیٹھ کے بل اس طرح گرا تھا کہ اس کا سر اور چہرہ شیر کے سینے کے مقابل آ گیا تھا ۔ اس وقت بابا خرّم اور رام داس ، انوپ رائے کی مدد کے لیے لپکے ۔ شاہزادہ خرّم نے ایک تلوار شیر کی کمر پر ماری اور رام داس نے بھی تلوار کے دو وار شیر پر کیے جن میں سے ایک وار شیر کے شانے پر پڑا جو کارگر ثابت ہوا ۔ حیات خاں کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی ، اس نے اس سے اس کے سر پر کئی ضربیں لگائیں ۔ انوپ رائے نے زور لگا کر شیر کے منہ سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے ، اور دو تین مکّے شیر کے سر پر مارے اور اس کے ساتھ پہلو کے بل لڑھک کر کچھ فاصلے پر گھٹنوں پر زور دے کر سیدھا کھڑا ہوگیا ۔ چونکہ شیر کے دانت اس کے ہاتھوں کے دوسری جانب نکل چکے تھے اس لیے اس کے منہ سے ہاتھ نکالتے ہوئے اس کے ہاتھوں کے کچھ حصے کٹ گئے تھے ۔ شیر کے پنجے اس کے کندھوں کو بھی زخمی کر چکے تھے ۔ جس وقت وہ کھڑا ہوا ، شیر نے بھی کھڑے ہو کر اپنے ناخن اور چنگل سے اس کے سینے کو زخمی کر دیا ۔ (چنانچہ ان زخموں کی وجہ سے وہ کئی دن تکلیف میں مبتلا رہا) پھر دونوں (انوپ رائے اور شیر) ناھموار زمین پر دو کشتی لڑنے والوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے ۔ جس جگہ میں کھڑا تھا ، نسبتاً وہاں کی زمین ھموار تھی ۔ بعد میں انوپ رائے نے مجھ سے بیان کیا کہ شکر ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے ہوش و حواس باقی رکھے تھے کہ میں شیر کو دانستہ ناھموار زمین کی طرف لے گیا ۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ خبر نہیں ۔ اس وقت شیر اس کو چھوڑ کر چل دیا ۔ وہ اسی بے خبری کے عالم میں تلوار لے کر شیر کے پیچھے گیا اور زور سے اس کے سر پر تلوار ماری ۔ شیر جب پلٹا تو اس نے تلوار کا دوسرا وار اس کے منہ پر کیا جس سے اس کی دونوں آنکھیں کٹ گئیں ، اور اس کی بھوؤں کی کٹی ہوئی کھال ، جو تلوار

کے وار سے لٹک گئی تھی ، اس کی آنکھوں پر آ پڑی ۔ عین اسی وقت صالح نامی مشعلچی ، جو چراغ روشن کرنے کا وقت ہونے کی وجہ سے گھبرایا ہوا آ رہا تھا ، اتفاق سے اس اندھے شیر کی زد میں آ گیا ۔ شیر نے اپنے پنجے کا ایک تھپڑ رسید کر کے اس کو زمین پر دے پٹکا اور اس نے گرتے ہی جان دے دی ۔ دوسرے لوگوں نے اسی وقت موقع پر پہنچ کر شیر کا کام تمام کر دیا ۔ چونکہ انوپ رائے سے یہ جرأت مندانہ کارنامہ وقوع میں آیا تھا اس لیے جب وہ زخموں سے اچھا ہونے کے بعد میرے پاس آیا تو میں نے اسے **انیرائے سنگھ دلن** (۲۵) کے خطاب سے ممتاز کیا ۔ انیرائے ہندی زبان میں فوج کے سردار کو کہتے ہیں اور **سنگھ دلن** شیر مارنے والے کو کہتے ہیں ۔ میں نے اسے ایک خاص تلوار بھی عنایت کی اور اس کے منصب میں بھی کچھ اضافہ کیا ۔

خان اعظم کے بیٹے خرم (۲۶) کو ، جسے میں نے ولایت جونا گڑھ کا حاکم مقرر کیا تھا [91] کامل خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

مچھلی کا شکار :

اتوار کے دن ۳ ذیقعدہ ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۱ء) کو میں مچھلی کا شکار کھیلنے میں مشغول رہا اور سات سو چھیاسٹھ مچھلیوں کا شکار کیا ۔ اور اپنے سامنے آن مچھلیوں کو امرا ، زنگچیوں اور ملازموں میں بانٹ دیا ۔ میں فلوس دار مچھلی کے سوا اور کوئی مچھلی نہیں کھاتا ۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ شیعہ مذہب کے لوگ غیر فلوس دار مچھلی کو حرام سمجھتے ہیں ، بلکہ میری نفرت کی وجہ یہ ہے کہ میں نے قدیم لوگوں سے سنا ہے ، اور تجربے سے بھی معلوم ہوا ہے کہ غیر فلوس دار مچھلی مردہ جانوروں کا گوشت کھاتی ہے ۔ بہ خلاف اس کے فلوس دار مچھلی مردہ جانوروں کا گوشت نہیں کھاتی ۔ اس وجہ سے مجھے غیر فلوس دار مچھلیوں کے کھانے سے گھن آتی ہے ۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیعہ کس وجہ سے غیر فلوس دار مچھلی نہیں کھاتے اور اس کو کیوں حرام سمجھتے ہیں ۔

شاہی شتر خانے کے اونٹوں میں سے ، جو میرے ساتھ شکار میں تھے ، ایک اونٹ پانچ نیل گایوں سے ، جن کا وزن بیالیس من ہندوستانی تھا ، لد کر کھڑا ہوگیا ۔

نظیری کی جہانگیر کی خدمت میں حاضری :

نظیری نیشاپوری (۲۷) جو فن شعر و شاعری میں مشہور روزگار لوگوں میں ہے ، گجرات میں بذریعہ تجارت زندگی بسر کر رہا تھا ۔ میں نے اس سے قبل اس کو اپنے ہاں بلایا تھا ۔ ان ہی دنوں اس نے یہاں پہنچ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔ وہ انوری کے اس قصیدے :

باز این چه جوانی و جمال ست جہاں را

کا تتبع کرتے ہوئے ، میری مدح میں ایک قصیدہ لکھ لایا اور پیش کیا ۔ میں نے اس کو اس قصیدے کے صلے میں ہزار روپے ، گھوڑا اور خلعت عنایت کیا ۔

میں نے حکیم حمید گجراتی کو بھی ، جس کی مرتضی خاں نے بہت تعریف کی تھی ، بلایا تھا ۔ وہ بھی حاضر خدمت ہوا ۔ میں نے اسے طبیب سے بڑھ کر ایک نیک نفس اور سیدھا سادا آدمی پایا ۔ وہ ایک عرصے تک میری ملازمت میں زندگی بسر کرتا رہا ۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ گجرات میں اس کے سوا کوئی طبیب نہیں ہے اور وہ بھی وہاں جانے کا خواہش مند ہے ، تو میں نے اس کو وہاں جانے کی اجازت دے دی ، اور چند عدد شال اور ہزار روپے اس کو اور اس کے بیٹوں کو عنایت کیے ، اور ایک گاؤں کی آمدنی اس کے لیے بطور مدد معاش مقرر کر کے خوش و خرم اس کے وطن کو رخصت کر دیا ۔

یوسف خاں ولد حسین خاں تکریہ اپنی جاگیر سے آ کر حاضر خدمت ہوا ۔

پنجشنبہ ۱۰ ذی حجہ ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۱ع) کو عید قربان کا دن تھا ۔ چونکہ جمعرات کے دن جانداروں کو ذبح کرنا (میرے حکم سے) منع ہے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ جمعرات کی بجائے جمعہ کے دن حیوانات کی قربانی کریں ۔ میں خود اپنے ہاتھ سے تین بکریاں ذبح کر کے شکار کے لیے سوار ہوا اور رات کو چھ گھڑی گزرنے کے بعد واپس ہوا ۔ اس روز ایک نیل گائے شکار کی جس کا وزن نو من پینتیس سیر تھا ۔ چونکہ اس نیل گائے کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعے کی یاد وابستہ ہے ، اس لیے میں اسے یہاں لکھ رہا ہوں ؛ وہ یہ کہ دو سال پہلے میں سیر و شکار کے لیے اسی منزل میں آیا تھا ۔ میں نے دو مرتبہ اسی نیل گائے کے بندوق ماری تھی لیکن دونوں مرتبہ کاری زخم نہ لگنے کی وجہ سے یہ نہیں گری اور بھاگ گئی ۔ اس مرتبہ پھر یہی نیل گائے مجھے شکار گاہ میں

نظر آئی تو قراولوں نے اسے پہچان لیا کہ یہ وہی نیل گائے ہے جو دو سال پہلے زخمی ہو کر بھاگ گئی تھی ۔ مختصر یہ کہ اس مرتبہ میں نے تین اور بندوقیں اس پر چلائیں ، لیکن ایک بندوق بھی کارگر نہیں ہوئی ۔ پھر میں نے اس کے تعاقب میں تین کوس کی مسافت طے کی اور ہر چند کوشش کی لیکن وہ ہاتھ نہ آئی ۔ آخرکار میں نے منّت مانی کہ اگر یہ نیل گائے میرے ہاتھ پڑ جائے تو میں اس کا گوشت پکوا کر حضرت خواجہ معین الدین کی روح کو ایصال ثواب کے لیے فقیروں کو کھلاؤں گا ۔ اور اس کے علاوہ ایک اشرفی اور ایک روپیہ اپنے والد بزرگوار کے نام پر نذر کروں گا ۔ اس منّت کے مانتے ہی نیل گائے بھاگنے سے رک گئی ۔ میں دوڑ کر اس تک پہنچا اور حکم دیا کہ اسی وقت اس کو ذبح کریں ۔ چنانچہ وہ ذبح کر کے لشکر میں لائی گئی اور منّت کے مطابق اس نیل گائے کا گوشت اور اپنے والد کی نذر سے ایک روپیہ اور ایک اشرفی کا حلوا پکوایا اور فقیروں اور بھوکوں کو جمع کر کے یہ سب کا سب اپنے سامنے ان میں تقسیم کرایا ۔ [92]

دو تین روز کے بعد ایک اور نیل گائے مجھے نظر آئی ۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کسی جگہ ٹھہرے تاکہ میں اس پر بندوق چلاؤں ، مگر وہ مطلقاً میرے قابو میں نہیں آئی ، یہاں تک کہ تقریباً شام تک میں بندوق کاندھے پر رکھے ہوئے اس کے تعاقب میں پھرتا رہا ۔ آخرکار سورج غروب ہو گیا اور میں اس کے شکار کرنے سے نا امید ہو گیا ؛ اس وقت بےساختہ یہ کلمہ میری زبان پر آگیا کہ خواجہ ! یہ نیل گائے بھی آپ کی نذر ہے ۔ میری زبان سے اس کلمے کا نکلنا ہی تھا کہ وہ نیل گائے فوراً بیٹھ گئی ۔ میں نے بندوق بھر کر اس پر چلائی اور اسے شکار کر لیا ۔ اس نیل گائے کا بھی سابق نیل گائے کی طرح گوشت پکوا کر میں نے حکم دیا کہ یہ کھانا فقرا کو کھلایا جائے ۔

ہفتے کے دن ۱۹ ذی حجہ ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۱ع) کو پھر مچھلی کا شکار کھیلا اور تقریباً تین سو تیس مچھلیاں شکار کیں ۔

روپ باس میں نزول :

۲۸ ماہ مذکور (ذی حجہ) ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۱ع) کی شب کو میں روپ باس میں اترا ۔ یہ میری پسندیدہ شکار گاہوں میں سے ہے ۔ میرا حکم ہے کہ کوئی

بھی اس شکار گاہ کے آس پاس شکار نہ کھیلے . اس وجہ سے اس جنگل میں بے شمار ہرن جمع ہو گئے . چنانچہ یہ ہرن قرب و جوار کی بستیوں میں آ جاتے ہیں اور ہر اذیت سے محفوظ ہیں . روپ باس کے جنگلوں میں میں نے دو تین روز خوب شکار کھیلا اور بہت سے ہرن اور چیتے بندوق سے شکار کیے .

چونکہ شہر میں داخل ہونے کی گھڑی نزدیک تھی ، اس لیے دو منزل درمیان میں کر کے جمعرات کی شب کو ۲ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو باغ عبدالرزاق معموری میں ، جو شہر کے نزدیک بلکہ شہر سے ملا ہوا ہے ، میں نے قیام کیا . اسی رات بہتیرے درباری ، مثلاً خواجہ جہاں ، دولت خاں اور دوسرے امرا ، جو شہر میں رہ گئے تھے ، آ کر حاضر خدمت ہوئے . ایرج نے بھی جس کو میں نے صوبۂ دکن سے طلب کیا تھا ، یہاں پہنچ کر آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا .

جمعہ کا دن بھی اسی باغ میں گزرا . اس دن عبدالرزاق نے اپنے تحائف میری نظر سے گزرائے . چونکہ یہ شکار کھیلنے کا آخری دن تھا اس لیے میں نے حکم دیا کہ ابتدائے زمانۂ شکار سے اب تک جس قدر جانور شکار ہوئے ہیں اُن کی تعداد سے مجھے مطلع کیا جائے . شکار کھیلنے کی مدت ۹ آذر سے لے کر ۲۹ اسفندار تک مذ سنہ ۵ (جلوس) تین ماہ اور بیس روز ہوئی . اس دوران میں بارہ شیر ، ایک بارہ سنگھا ، چوالیس چکارے ، ایک پاڑہ ہرن ، دو چوسنگھا ہرن ، اڑسٹھ کالے ہرن ، اکیس ہرنیاں ، چار لومڑیاں ، آٹھ کرارا ہرن ، ایک کچھوا ، پانچ ریچھ ، تین بجّو ، چھ خرگوش ، ایک سو آٹھ نیل گائیں ، ایک ہزار چھیانوے مچھلیاں ، ایک باز ، ایک تغدری ، پانچ مور ، پانچ بگلے ، پانچ تیتر ، ایک سرخاب ، پانچ سارس اور ایک دھیک ، جن کی مجموعی تعداد ایک ہزار چار سو چودہ جانور ہوتی ہے ، شکار ہوئے .

شہر میں آمد :

ہفتے کے دن ۲۹ اسفندار مذ مطابق ۴ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میں ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا . عبدالرزاق معموری کے باغ سے لے کر دولت خانۂ شاہی (قلعے) تک ایک کوس بیس طنابیں ہیں . میں نے یہ راستہ طے کرتے ہوئے ایک ہزار پانسو روپے نچھاور کیے ، اور مقررہ ساعت کے مطابق دولت خانے میں داخل ہو گیا .

جشن نوروز کی آمد کی وجہ سے سابقہ دستور کے مطابق کوچہ و بازار رنگ برنگ

کے کپڑوں اور طرح طرح کے اسباب آرائش و زیبائش سے سجائے گئے تھے ۔

شکار کے زمانے میں میں نے **خواجہ جہاں** کو حکم دیا تھا کہ وہ محل میں ایک ایسی عمارت بنوائے جو میری نشست کے لائق ہو ۔ چنانچہ **خواجہ جہاں** نے اس قسم کی عالی شان عمارت تین مہینے میں مکمل کر دی ، اور یہ عمارت کھڑی کر کے ایک نہایت ہی شان دار کارنامہ انجام دیا تھا ۔ نیز اس عمارت میں چابک دست مصوروں نے بھی بہترین تصویر کشی کر کے اپنا کمال دکھلایا تھا ۔ میں سفر کے گرد و غبار سے اٹا ہوا سب سے پہلے اسی بہشت جیسی عمارت میں داخل ہوا اور اس عمارت کو بملاحظہ کیا ۔ مجھے یہ عمارت بہت پسند آئی [93] میں نے **خواجہ جہاں** کی تعریف و توصیف کر کے اس کی قدر افزائی کی ۔

اسی عمارت میں **خواجہ جہاں** نے اپنے ترتیب دیے ہوئے تحائف میری نظر سے گزرانے ۔ ان میں سے بعض مجھے پسند آئے اور بقیہ میں نے اسی کو بخش دیے ۔

حواشیِ جشنِ پنجم

(۱) نصراللہ شربتچی : ولد میاں فتح اللہ . رکاب خانۂ شاہی ان دونوں باپ بیٹے کے سپرد تھا . نصراللہ مہم رانا میں متعین کیا گیا ، وہیں اس نے اپنی اجلِ طبعی سے وفات پائی . (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۰۲) .

(۲) سارنگ دیو : جہانگیر کے امرا میں سے تھا . سنہ ۱۴ جلوس جہانگیری میں منصب ہفت صدی سے سرفراز ہوا . ۱۷ جلوس جہانگیری میں راجا کے خطاب اور منصب ہزار و پانصدی و شش صد سوار سے نوازا گیا اور اکثر منصبِ سفارت پر مامور رہا .

شاہجہان کے عہد حکومت میں حیات تھا . سنہ ۸ جلوس شاہجہانی میں وہ ججھار سنگھ بندیلہ کی سرکوبی کے لیے شاہجہان کی طرف سے مامور ہوا . (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۶۳-۲۶۴) .

(۳) شیخ حسام الدین : ولد غازی خان بدخشی مرید حضرت خواجہ باقی باللہ ، اپنے دور کے مشائخ میں تھے . اکبر کے عہدِ حکومت میں منصب یک ہزاری پر فائز ہوکر دکن میں متعین کیے گئے . اچانک ان پر محبت الٰہی کا جذبہ غالب آیا اور ترکِ ملازمت کرکے دھلی میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مزار پر گوشہ نشیں ہوگئے . شیخ حسام الدین نے ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی . (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۸۶۱-۸۶۲) .

(۴) غازی خاں بدخشی : اس کا نام قاضی نظام تھا . مُلا عصام سے تعلیم حاصل کی تھی . ابتداءً میرزا سلیمان والیِ بدخشان کے مصاحبوں میں اور قاضی خان کے خطاب سے نوازا گیا . جلوس اکبری کے انیسویں سال ہندوستان آیا اور اکبر کے ملازموں میں منسلک ہو گیا . ستر سال کی عمر میں ۹۹۰ھ میں وفات پائی . کہتے ہیں کہ جس نے اکبر کے لیے سب سے پہلے سجدۂ تعظیمی کا اختراع کیا ، وہ یہی شخص تھا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۸۵۷-۸۵۸) .

(۵) روپ خواص : جہانگیر کے خاصہ خیلوں میں تھا ۔ کثرت سے شراب پیتا تھا ۔ اس نے اجل طبعی سے وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۸-۳۱۹) ۔

(۶) روپ باس بستی : روپ خواص نے یہ بستی آگرے سے چھ کوس کے فاصلے پر آباد کی تھی ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۸)

(۷) سید قاسم بارھہ : ولد سید محمود خان بارھہ ـ وفات ۱۰۰۷ھ (رک : ماثرالامرا ج ۲ ، ص ۳۰۹ - ۳۱۰) ۔

(۸) صفدر خان : میرزا لشکری ، ولد سید یوسف خان رضوی ۔ عہد اکبری میں تھانہ داری بیڑ پر دکن میں متعین تھا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اسے صفدر خان کا خطاب دیا اور صوبۂ بہار میں جاگیر دی ۔ شاہجہان نے اپنے عہد حکومت میں اسے صف شکن کا خطاب دیا ۔ اس نے ۱۰۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۷۳۶-۷۳۹) ۔

(۹) مثنوی یوسف زلیخا : مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی کی مشہور تصنیف ہے ۔ اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۸۸۸ھ (۱۴۸۳ع) ہے (س) ۔

(۱۰) ملا میر علی کاتب : ان کا آبائی وطن ہرات تھا ۔ خط نستعلیق میں وہ یگانۂ روزگار تھے ۔ انھوں نے خط نستعلیق میں ملا سلطان علی کی شاگردی اختیار کی ۔ جب ہرات پر عبید خان کا قبضہ ہوا تو وہ یہاں کے علما و فضلا کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ بخارا لے گیا ۔ ان میں ملا میرعلی بھی تھے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عمر کے بقیہ ایام بخارا ہی میں بسر کیے ۔ ملا میر علی نے ۹۵۱ھ کے قریب بخارا ہی میں وفات پائی اور فتح آباد (بخارا) میں شیخ سیف الدین باخرزی کے مزار کے پہلو میں دفن کیے گئے ۔ میرزا بیگ کے اس مصرعے سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے :

گفتا کہ بگو میر علی فوت نمودہ
۹۵۱

(رک : مرآۃ العالم (قلمی) از بختاور خان ، ورق ۴۹۹ (س) ۔

(۱۱) مفرّح : ایک خاص قسم کا معجون تھا جو قرون وسطیٰ میں بہ کثرت تیار ہوتا تھا ۔ محتاط قسم کے لوگ ، جو شراب سے نفرت کرتے تھے ، وہ اسے شراب کی جگہ استعمال کرتے تھے ۔ اس سے مقصد غم غلط کرنا اور دل کو تقویت دینا ہوتا تھا ۔ دور تیموریہ کے شعرا کے کلام میں مفرّح کے متعلق بہت سے شعر ملتے ہیں (س) ۔

(۱۲) افضل خان عبدالرحمن : ولد علامی شیخ ابوالفضل ، جس کا تذکرہ کہیں گزشتہ حاشیے میں لکھا جا چکا ہے ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال بہار اور پٹنہ کا صوبے دار مقرر ہوا (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۶) ۔

(۱۳) رک : حاشیہ جشن چہارم نمبر ۷ ۔

(۱۴) قمر خان : میرزا عبداللطف قزوینی کی اولاد میں سے تھا ۔ جلوس اکبری کے انیسویں سال جب خانخاناں منعم بیگ بنگالہ کی تسخیر کے لیے متعین ہوا تو یہ اس کے ساتھ روانہ کیا گیا ۔ جلوس اکبری کے چوبیسویں سال راجا ٹوڈرمل کے ہمراہ صوبۂ پٹنہ کے شورش پسندوں کی تادیب کے لیے متعین ہوا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۵۳) ۔

(۱۵) میر عبداللطف : ولد نقیب خان ۔ صاحب فضل و کمال انسان تھا ۔ میرزا یوسف خان رضوی کی بہن اس سے بیاہی تھی ۔ آخر عمر میں خلل دماغ میں مبتلا ہو کر وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۸۱۶-۸۱۷) ۔

(۱۶) غزنین خان جالوری : مہدوی عقیدہ رکھتا تھا ۔ مرنجاں مرنج انسان تھا ۔ شاہی مجرا بجا لانے کے بعد تمام دن بادشاہ کے امرا اور مقربوں میں گزارتا اور رات کو بہت دیر میں اپنے گھر لوٹتا ۔ جالور جو اس کا وطن تھا ، وہی اس کو جاگیر میں دیا گیا تھا ۔ غزنین خان جالوری نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۹۰) ۔

(۱۷) دولت خان : عرف خواص خان ۔ بھٹی قبیلے کی ایک شاخ متی سے تھا ۔ ابتداءً شیخ فرید مرتضیٰ خان کے خدمت گاروں میں رومال بردار تھا ۔ شیخ فرید کی وفات کے بعد جہانگیر نے اسے اپنے ملازموں میں شریک کر کے منصب اور خواص خان کے خطاب سے نوازا اور اپنے جلو کے

منصب داروں کا داروغہ مقرر کیا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اپنے منصب دو ہزار و پانصدی و ہزار و پانصد سوار پر ترقی دی ۔ جلوس جہانگیری کے بیسویں سال سعید خاں بہادر کے تبادلے کی وجہ سے قندھار کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ جب شاہ عباس ثانی ، بادشاہ ایران نے جلوس جہانگیری کے بائیسویں سال موسم سرما میں قلعہ قندھار کا محاصرہ کیا تو اس نے بغیر جنگ و جدل کے قلعہ اس کے حوالے کر دیا ۔ اپنی بزدلی و ناسپاسی کا داغ لے کہ ۱۰۵۹ھ میں ہندوستان آیا اور کچھ دن کے بعد گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کر کے مر گیا ۔ (رک : ماثرالامرا ج ۲ ، ص ۲۴-۳۰ و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۰۸)

(۱۸) عبدالسبحان : ولد میرزا عبدالرحمان دولدی ۔ الہ آباد کا فوج دار تھا ، وہاں سے تبدیل کر کے کابل بھیجا گیا ، وہیں اس نے آفریدیوں کے ہنگامے میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۷۳۶) ۔

(۱۹) قندھار : دکن کا زبردست قلعہ ہے جو بیدر کے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ (رک : ایلیٹ ، ج ۶ ، ص ۷۰) (س) ۔

(۲۰) ایرج : نواب شاہ نواز خاں میرزا ایرج ولد خانخاناں میرزا عبد الرحیم ۔ وفات ۱۰۲۸ھ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۸۸-۲۹۰) ۔

(۲۱) خواجہ جہان کابلی : اس کا نام دوست محمد تھا ۔ کابل کا رہنے والا تھا ۔ جہانگیر کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کی سرکار کا دیوان مقرر ہوا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسے معقول منصب اور خواجہ جہان کے خطاب سے نوازا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال بخشیگری کی خدمت پر مامور ہوا ۔ جب جہانگیر مضافات آگرہ میں شکار کے لیے جاتا تو خواجہ جہان کو قلعے کی حفاظت اور شہر کی حکومت سپرد کر جاتا ۔ خواجہ جہان نے اجل طبعی سے وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۷۷۲-۷۷۳) ۔

(۲۲) یوسف خاں : جہانگیر کے امرا میں شامل تھا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۵۴) ۔

(۲۳) حسین خان تکریہ : مہدی قاسم خان کا بھانجا اور داماد اور بیرم خان کے ساتھیوں میں تھا — ۹۶۵ھ میں جب اکبر لاہور سے دہلی واپس ہوا تو لاہور کی حکومت اس کے سپرد کی ۔ حسین خان نے ۹۸۳ھ میں وفات پائی ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۵۱ - ۵۵۳ — و ذخیرۃ الخوانین مطبوعہ ، ۲۲۱) ۔

(۲۴) اس تپائی پر اس زمانے کی لمبی اور بھاری توڑے دار بندوقیں ، جن کو بھرمار بندوقیں بھی کہا جاتا تھا ، رکھ کر چلائی جاتی تھیں ۔

(۲۵) انیرائے سنگھ دلن : ولد بیر نرائن ، راجپوتوں کی گوت بڑگوجر سے تھا ۔ اخیر عہد اکبری میں خواصوں کا سردار مقرر ہوا ۔ جہانگیر نے اسے انیرائے سنگھ دلن کا خطاب دے کر اپنے امرائے خاص کے سلسلے میں منسلک کر لیا ، یہاں تک کہ مہم بنگش اور دیگر مہمات میں بڑے بڑے امیروں پر وہ سپہ سالار مقرر ہو کر بھیجا گیا ۔ شاہجہان نے تخت نشین ہو کر اسے پہلے ہی جشن میں منصب سہ ہزار و ہزار و پانصد سوار سے سرفراز کیا ۔ ۷ صفر ۱۰۴۰ھ کو شاہجہان نے اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کو راجا کے خطاب سے سربلند کیا ۔ جلوس شاہجہانی کے دسویں سال اس نے وفات پائی ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۵-۱۴) ۔

(۲۶) خرم : ولد خان اعظم کوکہ : اس کو اکبر نے جونا گڑھ مضافات صوبۂ گجرات کی حکومت دی تھی ، جو اس کے باپ کی جاگیر میں تھا ۔ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں کامل خان کا خطاب دے کر سلطان خرم کے ہمراہ مہم رانا پر متعین کیا تھا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۹۳) ۔

(۲۷) نظیری نیشاپوری : اس مشہور فارسی گو شاعر کا نام محمد حسین اور وطن نیشاپور تھا ۔ یہ ۹۹۲ھ میں ہندوستان آیا اور میرزا عبدالرحیم خانخاناں کے درباری شعرا میں منسلک ہو گیا ۔ خانخاناں کے ایما پر اس نے اکبر کی مدح میں بھی کئی قصیدے لکھے ، لیکن بعض حاسدوں کی وجہ سے وہ دربار شاہی میں رسوخ حاصل نہ کر سکا — ۱۰۰۲ھ میں وہ حج کے لیے گیا ۔ جہانگیر نے سنہ ۵ جلوس میں اسے طلب کیا ۔ اس کے قصیدے پر

آسے خلعت و گھوڑے اور نقد روپے سے نوازا ۔ نظیری نے ۱۰۲۳ھ میں احمد آباد گجرات میں وفات پائی اور اپنی تعمیرکردہ مسجد میں مدفون ہوا ۔
(رک : کلمات الشعرا ، سرخوش ، ص ۱۱۲ ، ترجمہ منتخب التواریخ ، ج ۳ (ذکر شعرا) ۔ خزانۂ عامرہ ، ص ۴۳۶ - ۴۳۸ و سرو آزاد ، ص ۲۴ - شعرالعجم ۳ ، حالات نظیری (س) ۔

چھٹا جشن نوروز

پیر کے دن یکم ماہ فروردین، سنہ ۶ جلوس، مطابق ۶ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو دو گھڑی اور چالیس پل گزرنے کے بعد سورج کی تحویل خانۂ شرف، یعنی بُرجِ حمل میں ہوئی۔ اسی روز یعنی یکم فروردین مطابق ۶ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو جشن نوروز منعقد کر کے میں تختِ شاہی پر بیٹھا۔ تمام اُمرا اور دوسرے وابستگانِ سلطنت نے کورنش و تسلیم کے آداب بجا لانے کے بعد مبارک باد کی سعادت حاصل کی۔ دربار کے وابستہ لوگوں میں میراں صدر جہاں اور عبداللہ خاں فیروز جنگ اور جہانگیر قلی خاں کے تحائف میری نظر سے گزرے۔

بدھ کے دن ۸ ماہ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو راجا کلیان نے (۱) جو ہاتھی بنگال سے میرے لیے بھجوایا تھا، نظر سے گزرا۔

جمعرات کے دن ۹ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو بعض منصب دار، جو میرے بلاوے پر دکن سے آئے تھے، شرفِ حضوری سے باریاب ہوئے۔ رزاق وردی اوزبک کو مرصع خنجر کمر مرحمت کیا۔

اُن ہی دنوں میں مرتضیٰ خاں کے تحائفِ نوروزی نظر سے گزرے۔ اُس نے ہر قسم اور ہر جنس کی بہت سی اشیا ترتیب دے کر پیش کی تھیں۔ یہ تمام اشیا میں نے دیکھیں۔ ان میں سے قیمتی جواہر، نفیس کپڑوں اور ہاتھی گھوڑوں میں سے، جو مجھے پسند آئے، اُن کو لے لیا اور بقیہ اس کو لوٹا دیے۔

ابوالفتح دکنی (۲) کو ایک جڑاؤ خنجر اور میر عبداللہ کو تین ہزار روپے اور مقیم خاں کو ایک عراقی گھوڑا عنایت کیا۔

شجاعت خاں کی صوبۂ بنگال کو روانگی:

شجاعت خاں (۳) کو میں نے دکن سے اس ارادے سے طلب کیا تھا کہ میں اس کو بنگال میں اسلام خاں کے پاس روانہ کر دوں تاکہ وہ اُس کا قائم مقام ہو سکے، اس لیے اس کے منصب میں، جو ہزار پانصدی ذات اور ہزار سوار پر مشتمل تھا، پانصدی ذات اور سوار کا اضافہ کر کے صوبۂ بنگال کی صوبہ داری اس کے سپرد کی۔

خواجہ ابوالحسن نے دو قطعۂ لعل اور ایک موتی اور دس انگشتریاں پیش کیں ۔ خانخاناں (میرزا عبدالرحیم) کے بیٹے ایرج کو میں نے مرصع خنجر کمر عنایت کیا۔

خرم کے منصب میں، جو ہشت ہزاری ذات و پنج ہزار سوار پر مشتمل تھا، دو ہزاری ذات کا اضافہ کیا۔

شاہ عباس کے ایلچی کی آمد :

۲۴ ماہ محرم ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو جب ماہ فروردین کی اٹھارویں تاریخ اور شرف کا دن تھا ، ایران کے شہنشاہ شاہ عباس کا ایلچی یادگار علی سلطان، جو حضرت عرش آشیانی کی تعزیت اور میری تخت نشینی کی مبارک باد کے لیے آیا تھا ، اس نے حاضر خدمت ہونے کا شرف حاصل کیا، اور میرے بھائی شاہ عباس کے فرستادہ تحائف میرے ملاحظے میں پیش کیے ۔ وہ بہترین گھوڑے ، عمدہ قسم کے کپڑے اور ہر جنس کے قابل قدر تحفے لایا تھا ۔ اس کے تحائف پیش کرنے کے بعد اسی روز میں نے اسے خلعت فاخرہ اور تیس ہزار روپے عنایت کیے جو ماوراء النہر کے سکے کے مطابق تین ہزار تومان ہوتے ہیں ۔ ایلچی نے شاہ عباس کا ایک خط بھی پیش کیا جو میرے والد بزرگوار کے پرسے اور میری تخت نشینی کی مبارک باد پر مشتمل تھا۔ چوں کہ اس خط میں بہت زیادہ اظہار محبت کیا گیا تھا اور باہمی یگانگت اور احترام و آداب [94] کے اظہار میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا تھا ، مجھے اس کا یہ خط پسند آیا ، اس لیے میں اسے ذیل میں بجنسہ نقل کرتا ہوں ۔

شاہ عباس کا خط :

اللہ تعالیٰ کی بخشش و مہربانی کے پیہم ترشح اور فضل و کرم کی مسلسل بارش کے قطروں سے گل کدۂ ہستی کے تر و تازہ رہنے تک اعلیٰ حضرت ، فلک مرتبت ، خورشید منزلت ، بادشاہ جواں بخت ، کیواں وقار ، شہریار نامدار ، سپہر اقتدار ، خدیو جہانگیر ، کشور کشا ، خسرو سکندر شکوہ ، دارا لوا ، مسندنشین بارگاہ عظمت و اجلال ، صاحب سریر اقلیم دولت و اقبال ، نزہت افزائے ریاض کامرانی ، چمن آرائے گلشن صاحب قرانی ، چہرہ کشائے جمال جہان بانی ،

مبیّنِ رموزِ آسمانی ، زیورِ چہرۂ دانش و بینش ، فہرستِ کتابِ آفرینش ، مجموعۂ کمالاتِ انسانی ، مرآتِ تجلیاتِ یزدانی ، بلندی بخشِ ہمتِ بلند ، سعادت افزائے طالعِ ارجمند ، آفتابِ فلکِ اقتدار ، سایۂ عاطفتِ آفریدہ گار ، جم جاہ ، انجم سپاہ ، فلک بارگاہ ، صاحبِ قران ، خورشید کلاہ ، عالم پناہ کی سلطنت و حکم رانی کا چمن اور شکوہ و کامرانی کا باغ عنایتِ الٰہی کی نہروں اور رحمتِ نامتناہی کے سرچشموں سے سرسبز و شاداب رہے ! اور ذاتِ شاہی کی برکت سے آپ کا ملک ہر قسم کی خشک سالی اور نظرِ بد سے محفوظ رہے ! سچ تو یہ ہے کہ شوق و محبت کے جذبات اور دوستی و محبتا کی کیفیات تحریر میں نہیں آ سکتیں :

قلم را آن زبان نبود کہ رازِ عشق گوید باز

اگرچہ بظاہر بُعدِ مسافت کعبۂ مقصود کے پانے سے مانع ہے لیکن نسبتِ معنوی کی بدولت قربِ باطنی حاصل ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ اتحاد و اتفاقِ ذاتی کو نہ صرف یہ نیازمندِ بارگاہِ ذوالجلال بلکہ وہ بادشاہِ پُر شکوہ و جلال (جہانگیر) بھی محسوس کرتے ہیں کہ بُعدِ مکانی اور جسمانی ، قربِ جانی اور وصالِ روحانی کے لیے مانع نہیں ، اور ہمارا رُخ یک جہتی کی طرف مائل ہے ۔ اسی وجہ سے میرے دل کے آئینے پر ، جو خورشید کے مانند ہے ، کسی قسم کی گردِ ملال نہیں بیٹھی ، اور وہ اس مظہرِ کمال (جہانگیر) کے جمال کی عکس ریزی کر رہی ہے ۔ میرا مشامِ جان اتحاد و اتفاق ، محبت و مؤانست کی خوش بوؤں سے معطر ہے ۔ باطنی اتحاد اور روحانی قربت ، دوستی و محبت کو جلا بخش رہی ہے :

ہم نشینیم بخیالِ تو و آسودہ دلیم
کین وصالیست کہ در پے غم ہجرانش نیست

خدا کا شکر ہے کہ حقیقی دوستوں کا نہالِ آرزو مراد کے پھل سے بارور ہوا اور شاہدِ مقصود ، جو سالہا سال سے پردۂ خفا میں چھپا ہوا تھا ، بارگاہِ خداوندی میں تضرع اور زاری کی وجہ سے جلوہ گر ہوا ، اور حجلۂ غیب سے ظہور میں آیا ، اور اپنے جمال کا عکسِ مبارک خوش آیند خبروں کے امیدواروں پر ڈال کر آپ کو تختِ سلطنت پر بٹھایا : دنیا پر علم و دانش اور عنایت و بخشش کے دروازے کھل گئے اور خلق اللہ کے سروں پر عدل و انصاف ، بخشش و جہانداری کا سایہ ڈالا ۔ امید ہے کہ آپ کی ذات نیکو صفات [95] کی مبارک تخت نشینی کو باعثِ برکت کر کے آپ کی سلطنت و حکم رانی کو سارے عالم کے لیے مبارک

و مسعود بنائے گا ، اور ہمیشہ آپ کی سلطنت و حکم رانی کے اسباب اور سلطنت و جہاں بانی کے موجبات میں زیادتی اور اضافہ ہوگا۔

اس قدیم اصول محبت اور مراسم اتحاد و اتفاق کی بنا پر، جو میرے اور آپ کے آباء و اجداد میں چلے آ رہے ہیں اور جس کی تجدید مجھ جیسے مخلص اور سراپا محبت اور آپ جیسے معدلت پرور کے درمیان ہوئی ، اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کی تخت نشینی کی خبر سنتے ہی اپنے کسی معتبر درباری کو شاہان گورگان کے اس مسند نشین اور تاج شاہی کے اس وارث کے پاس فوراً روانہ کرتا تاکہ وہ آپ کے شہر میں پہنچ کر مراسم تہنیت و مبارک بادی بجا لاتا ، لیکن چونکہ آذربائیجان اور ولایت شروان کے فتح کرنے کی مہم درپیش تھی ، اور بغیر اطمینان قلب کے دارالسلطنت میں لوٹنا ممکن نہ تھا ، اس بنا پر اس اہم امر میں تاخیر ہوئی۔ اگرچہ رسوم و آداب ظاہری ، اہل بصیرت و دانش کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے، تاہم اس خیال کے پیش نظر کہ کوتہ بینوں کی نظروں میں ، جن کا مطمح نظر صرف یہ ہے کہ اسباب ظاہری ہی دوستی کا مدار ہیں ، میں نے ان اسباب ظاہری کو بھی بجا لانا ضروری سمجھا ، اس لیے اب جب کہ تمام مہمات ہواخواہان ملک کے مدعا کے مطابق صورت پذیر ہو چکی ہیں ، اور میں پورے طور پر اس جانب سے مطمئن ہو کر دارالسلطنت اصفہان میں ، جو سلطنت کا مستقر ہے ، واپس آ چکا ہوں ، اپنے مخلص ، ایمان دار درباری کمال الدین یادگار علی کو ، جو اپنے باپ دادا کے زمانے سے ہمارے خاندان کے زمرۂ خدام میں شامل ہے اور اس خاندان کے صوفی منش افراد میں ہے ، بارگاہ عالی میں روانہ کر رہا ہوں ، تاکہ وہ کورنش اور تسلیم بجا لانے کی سعادت اور آستاں بوسی کا شرف اور بساط عزت کو چھونے کے بعد آپ کے والد بزرگوار کی تعزیت اور آپ کی تخت نشینی کی مبارک باد کی رسوم انجام دے ، اور آپ کی اجازت سے جب واپس ہو تو آپ کی صحت و تندرستی اور کیفیت مزاج کی خبر سے اس مخلص اور خیرخواہ کی مسرتوں میں اضافہ کرے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ آپ جدی اور پشتینی محبت اور خلوص کو اور ظاہری و معنوی دوستی اور اتحاد کے چمن کو باہمی تعاون کی نہروں اور یگانگت و خلوص کی جدولوں سے زیادہ سے زیادہ تازگی اور سرسبزی بخشیں گے اور اس چمن کے نشو و نما کی خاطر خط و کتابت سے ، جو ایک روحانی ملاقات کا ذریعہ اور دوستی و اتحاد کا محرک ہے ، بیگانگی کو دور کرنے کے باعث ہوں گے ، اور

باطنی ربط کو ظاهری تعلقات کے جامے میں ملبوس کر کے ممنون و شکر گزار کرتے رهیں گے ۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس برگزیدہ خاندان جاہ و جلال کو اور اس خانوادۂ اقبال و شوکت کے ثمر کو اپنی غیبی امدادوں سے سر بلند رکھے ۔

(یہاں برادرم شاہ عباس کے خط کا پورا متن ختم ہوتا ہے)

بھائیوں کے متعلق فرمان :

میرے بھائی سلطان مراد اور دانیال ، جو میرے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں رحمت حق سے پیوست ہوگئے تھے ، لوگ اُن کو مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے ۔ میں نے حکم دیا کہ ایک کو شہزادۂ مغفور اور دوسرے کو شہزادۂ مرحوم کہا جائے ۔

اعتماد الدولہ اور عبدالرزاق معموری دونوں ہزار و پانصدی کے منصب پر فائز تھے ، میں نے اِن دونوں کو ہزار و ہشت صدی کے منصب سے سرفراز کیا اور اسلام خاں کے بھائی قاسم خاں کے سواروں میں دو سو پچاس سواروں کا اضافہ کیا ۔

ایرج اور سعداللہ کو خطاب :

خانخاناں (میرزا عبدالرحیم) کے بیٹے ایرج کو ، جو میرا پروردہ ، قابل اور مستعد آدمی ہے ، شاہ نواز خاں کے خطاب سے ، اور سعید خاں کے بیٹے سعداللہ کو [96] نوازش خاں کے لقب سے سربلند کیا ۔

مہر اور سکوں کے اوزان میں تبدیلی :

میں نے اپنی تخت نشینی کے وقت اوزان اور گزوں میں کچھ اضافے کیے تھے ۔ چنانچہ مُہر اور روپے کے وزن میں تین رتیاں بڑھائیں تھیں ۔ اس وقت مجھ سے بیان کیا گیا کہ لین دین میں آسانی اور لوگوں کی بھلائی اس میں ہے کہ مُہر اور روپے کا سابق وزن بحال کیا جائے ۔ چونکہ مجھے تمام امور میں لوگوں کی بھلائی اور مخلوق کا آرام منظور ہے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ آج کی تاریخ سے جو گیارہ اردی بہشت اور ۶ سنہ جلوس ۲۰ ۱۰ھ (۱۶۱۱ ع) ہے ، ممالک محروسہ کی تمام ٹکسالیں مُہر اور روپے کو سابقہ وزن کے مطابق ڈھالیں ۔

احداد کا شہر کابل پر حملہ :

اس واقعے سے قبل ہفتے کے دن ۲ ماہ صفر ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو احداد
(۴) بدطینت نے اس خبر سے کہ کابل میں کوئی صاحب حیثیت حاکم موجود نہیں
اور خان دوران باہر گیا ہوا ہے ، صرف معز الملک خان دوران کے ملازموں کے
ساتھ مقیم ہے ، اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اکثر سوار اور پیادوں کے ساتھ
چپکے سے کابل پر حملہ کر دیا اور دوسروں کو خبر نہیں دی ۔ معزالملک نے
اپنی قوت و طاقت کے مطابق پوری جواں مردی دکھائی ؛ شہر کے متوطن اور
مقیم اہل کابل ، بخصوصاً قزلباشوں نے تمام گلی کوچوں کی حدبندی کر کے اپنے
گھروں میں مضبوط مورچے بنا لیے ۔ افغان کئی دستوں میں علیحدہ علیحدہ شہر
کے اطراف سے کوچہ و بازار میں داخل ہو گئے ۔ شہر کے لوگوں نے اپنے گھروں
کی پچھلی چھتوں اور گھروں میں سے ان بدنصیبوں پر تیروں اور بندوقوں سے
بوچھاڑ کی اور حملہ آوروں کے بہت سے لوگوں کو مار ڈالا ۔ بازکی ، جو اس ذلیل
(احداد) کے معتبر سرداروں میں تھا ، مارا گیا ۔ اس صورت حال سے حملہ آوروں
کے ہاتھ پیر پھول گئے ۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہر کے لوگ
اطراف و جوانب سے جمع ہوکر شہر سے بھاگنے کا راستہ بند کر دیں ۔ یہ خوف زدہ
اور ہراساں ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ ان مفسدوں میں سے تقریباً اسی
آدمی جہنم واصل ہو گئے ، اور دو سو گھوڑوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد سر
پر پاؤں رکھ کر مقام ہلاکت سے بھاگ کر جان بچائی ۔ نادعلی میدانی جو لہوکر
میں مقیم تھا ، وہ اسی روز شام کو کابل پہنچ گیا اور بھاگتے ہوئے حملہ آوروں
کا تعاقب کیا ۔ چونکہ اس کے اور مفرورین کے درمیان فاصلہ بہت ہو گیا تھا ،
اور اس کے پاس لشکر بھی کم تھا ، اس لیے وہ تعاقب میں کامیاب نہ ہو سکا اور
واپس لوٹ آیا ۔ میں نے نادعلی کی اس دوڑ دھوپ کے صلے میں ، جو اس نے جلد
کابل پہنچنے میں کی تھی ، اور معزالملک کو اس جواں مردی کے صلے میں ، جو اس
نے حملہ آوروں کے مقابلے میں دکھائی تھی ، ان دونوں کو اضافۂ منصب سے سرفراز
کیا ۔ نادعلی جو ہزاری ذات کے منصب سے مفتخر تھا ، اس کا منصب ہزار و
پانصدی کر دیا ، اور معزالملک جس کا منصب ہزار و پانصدی تھا ، وہ ہزار
و ہشت صدی کے منصب سے سرفراز ہوا ۔

قلیج خان کی احداد کے مقابلے کے لیے نامزدگی :

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ خان دوراں اور کابلی صرف بے کار وقت گزار رہے ہیں اور اسی وجہ سے بدفطرت احداد کی مدافعت بہت دشوار ہو گئی ہے ، تو مجھے خیال آیا کہ خانخاناں (میرزا عبدالرحیم) کو ، جو بے کار اپنے گھر میں پڑا ہوا ہے ، اس کے بیٹوں کے ساتھ اس خدمت پر کیوں نہ مامور کیا جائے . میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ قلیج خاں ، جس کے طلب کرنے کے لیے میں نے اس سے قبل فرمان جاری کیا تھا ، پنجاب سے آ کر حاضر خدمت ہوا . اس کی گفتگو اور رنگ ڈھنگ سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ احداد کی مدافعت کے لیے خانخاناں (عبدالرحیم) کو نامزد کر دینے سے ناراض ہے ، یہاں تک کہ اس نے صریح طور پر خود اس خدمت کا ذمہ لیا اور طے پایا کہ پنجاب کی صوبہ داری کی خدمت مرتضیٰ خاں سے متعلق کی جائے ، اور خانخاناں (عبدالرحیم) اپنے گھر میں بیٹھا رہے . چنانچہ میں نے قلیج خاں کو منصب شش ہزاری ذات اور پنج ہزار سوار سے سرفراز کر کے اس سے کابل کی مہم سرانجام دینے اور بد فطرت احداد کا قلع قمع کرنے اور کوہستانی ڈاکوؤں سے نمٹنے کا عہد لیا . اب رہا خانخاناں (عبدالرحیم) تو اس کے متعلق حکم دیا کہ قنوج اور کالپی کی سرکار میں اسے تنخواہ میں جاگیر دی جائے ، تاکہ وہ اس علاقے کے سرکشوں اور مفسدوں کی سرکوبی میں پوری کوشش کر کے ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے . رخصت کے وقت میں نے ہر ایک کو خلعت خاص ، گھوڑے اور ہاتھی [97] سے سرفراز کر کے روانہ کیا .

ان ہی دنوں میں اعتمادالدولہ کو اس کے خلوص اور قدیمی خدمات کی بنا پر میں نے دو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور پانچ ہزار روپے نقد بطور انعام کے مرحمت کیے .

دیانت خاں کو میں نے دکن کے لشکر کے لیے ضروری سامان فراہم کرنے اور اس لشکر کے افسروں کو متحد و متفق کرنے لیے بھیجا تھا ؛ وہ اس کام سے فارغ ہو کر ۱۲ ماہ تیر بمطابق ۲۰ ربیع الثانی ۲۰ ۱۰ھ (۱۶۱۱ع) کو دارالخلافہ آگرے میں واپس آیا اور حاضر خدمت ہوا .

اسلام خاں کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ عنایت خاں نے بنگال کے

صوبے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں . اس بنا پر میں نے اس کے منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کیا تاکہ اس کا منصب دو ہزاری ہو جائے .

راجا کلیان کے منصب میں بھی جو صوبۂ بنگال میں متعین ہے ، پانصدی ذات اور سیصد سوار کا اضافہ کیا تاکہ مجموعی طور پر اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات و ہشت صد سوار ہو جائے .

ہاشم خان ، جو اوڑیسہ میں تھا ، اس کو کشمیر کا حاکم مقرر کرکے پہلے اس کے چچا خواجگی محمد حسین (۵) کو کشمیر بھیجا تاکہ ہاشم خان کے پہنچنے سے پہلے وہ وہاں کے ملک کے حالات سے باخبر ہو جائے . میرے والد کی حکومت کے زمانے میں ہاشم خان کے باپ محمد قاسم نے کشمیر کو فتح کیا تھا .

چین قلیچ (۶) نے ، جو قلیچ خان کا سب سے لائق بیٹا ہے ، صوبۂ کابل سے آ کر میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی . چونکہ وہ میرا پروردہ ہونے کے علاوہ ذاتی اوصاف کے جوہر سے بھی متصف ہے ، اس لیے میں نے اس کو خان کے خطاب سے سرفراز کیا ، اور اس کی التجا پر اس کے والد کو معاہدۂ خدمت کے ساتھ تیراہ کی مہم پر مامور کرکے اس کے منصب میں پانصدی ذات و سیصد سوار کا اضافہ کیا .

۴ امرداد ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو اعتمادالدولہ کی سابقہ خدمات اور اس کے انتہائی خلوص اور تجربہ کاری کے پیش نظر میں نے اس کو تمام ممالک محروسہ کی وزارت عظمیٰ کا عہدہ عنایت کیا .

اسی روز شاہ ایران کے ایلچی یادگار علی کو ایک مرصع کمر بند خنجر عنایت کیا .

عبداللہ خان ، بدنصیب رانا کے خلاف شاہی لشکر کی سرداری پر مقرر ہوا تھا . اس کی درخواست پر کہ وہ گجرات کی طرف سے دکن میں داخل ہونا چاہتا ہے ، میں نے اس کو گجرات کا صوبہ دار اور حاکم مقرر کرکے اس کے عوض راجا باسو کو رانا مقہور کے خلاف شاہی لشکر کی سرداری پر متعین کردیا اور اس کے منصب میں پانصد سوار کا اضافہ کیا . اور خان اعظم کو گجرات کے عوض میں صوبۂ مالوہ عنایت کیا .

چار لاکھ روپے اپنی لشکر کے ساز و سامان اور انتظام کے لیے بھجوائے جو عبداللہ خاں کی سرکردگی میں ناسک کے راستے سے دکن میں داخل ہونے کے لیے متعین ہوا تھا۔

صفدر خاں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ صوبۂ بہار سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی۔

ایک ملازم کا حیرت ناک کارنامہ :

شاہی ملازموں میں سے ایک ملازم نے، جو مہر سازی کے کارخانے میں کام کرتا ہے، اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا ایک ایسا شاہکار پیش کیا کہ آج تک میں نے ایسا کام نہیں دیکھا تھا، بلکہ سنا بھی نہ تھا۔ چونکہ اس کا یہ شاہکار نہایت عجیب و غریب تھا، اس لیے اسے تفصیل سے لکھتا ہوں :

اس نے فندق کے ایک چھلکے پر چار منظر ہاتھی دانت سے تراش کر ترتیب دیے تھے۔ پہلے منظر میں دو پہلوان کشتی گیر ہیں؛ یہ دو شخص باہم کشتی لڑ رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک پتھر اور رسی ہے؛ ایک اور آدمی زمین پر ہاتھ ٹیکے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے ایک ڈنڈا، ایک کمان اور ایک عجیب برتن رکھا ہوا ہے۔

دوسرے منظر میں اس نے ایک تخت بنا کر اس پر [98] شامیانہ نصب کیا تھا۔ تخت پر ایک بادشاہ کو بٹھایا تھا جو اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے ہے اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہے۔ اس کے پانچ خدمت گار اس کے گرد و پیش کھڑے ہیں اور درخت کی ایک شاخ اس تخت پر سایہ فگن ہے۔

تیسرے منظر میں اس نے نٹوں کا ایک منظر دکھایا تھا، جس میں انھوں نے ایک لکڑی کھڑی کر کے تین رسیاں اس میں باندھی تھیں۔ ایک نٹ اس کے اوپر اپنے دائیں پاؤں کو سر کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ایک پاؤں پر کھڑا ہوا ہے، اور ایک بکری کو لکڑی پر تھامے ہوئے ہے۔ اور ایک شخص گردن میں ڈھول ڈالے بجا رہا ہے، اور ایک دوسرا نٹ ہاتھ بلند کیے ہوئے کھڑا ہے، پانچ اور آدمی تماشا دیکھ رہے ہیں، ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لکڑی ہے۔

چوتھے منظر میں ایک درخت ہے اور اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ کی صورت بہ حالت نشست نمایاں کر کے دکھائی گئی ہے۔ ایک شخص ان کے پاؤں پر سر رکھے ہوئے ہے۔ ایک بوڑھا آدمی ان سے باتیں کر رہا ہے اور چار آدمی کھڑے ہوئے ہیں۔ (۷)

چونکہ اس ملازم شاہی نے ایسا عجیب کارنامہ انجام دیا تھا، میں نے اس کو انعام سے اور اس کی تنخواہ میں اضافہ کر کے اسے سرفراز کیا۔

۳۰ شہریور ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میرزا سلطان، جس کو میں نے دکن سے طلب کیا تھا، آ کر حاضر خدمت ہوا۔

صفدر خاں کے منصب میں اضافہ کر کے میں نے اس کو رانا مقہور کے خلاف شاہی لشکر کی مدد کے لیے متعین کیا۔

چونکہ عبداللہ خاں فیروز جنگ نے ناسک کے قریبی راستے سے دکن پہنچنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مجھے خیال آیا کہ رام داس کچھواھہ کو، جو میرے والد بزرگوار (اکبر) کے مخلص اور معتمد خدمت گاروں میں تھا، عبداللہ خاں کی ہم راہی میں متعین کروں تاکہ وہ ہر جگہ اس کے حالات کا نگراں رہے اور اس سے بے موقع بہادری اور جلد بازی عمل میں نہ آئے۔ اس خدمت کے لیے میں نے اس کو ایسی شان دار رعایتوں سے سرفراز کیا جن کا اسے گمان بھی نہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے راجا کے خطاب سے سرفراز کیا اور نقارہ بھی عنایت کیا۔ اس کے ماسوا قلعۂ رنتھنبور، جو ہندوستان کے مشہور قلعوں میں ہے، اس کو مرحمت کر دیا اور خلعت فاخرہ، ہاتھی اور گھوڑا دے کر اسے رخصت کیا۔

خواجہ ابوالحسن کو، جسے میں نے دیوانی کُل کے عہدے سے ہٹا دیا تھا، اسے میں نے صوبۂ دکن کی خدمت پر اس مناسبت سے مامور کیا کہ وہ ایک عرصے تک اس علاقے میں میرے مرحوم بھائی (دانیال) کی خدمت میں کارگزار رہ چکا تھا۔

ابوالحسن بن اعتمادالدولہ کو خطاب:

اعتمادالدولہ کے بیٹے ابوالحسن کو میں نے اعتقاد خاں (۸) کے خطاب سے سرفراز کیا۔

معظم خان کے بیٹوں کو میں نے ان کے مناسب حال مناصب سے سرفراز کر کے بنگال میں اسلام خان کے پاس بھجوایا۔

راجا کلیان کو اسلام خان کے مشورے سے سرکار اوڑیسہ کا سردار مقرر کیا گیا اور وہ اپنے منصب میں دو صدی ذات و سوار کے اضافے سے سرفراز ہوا۔

چار ہزار روپے میں نے شجاعت خان دکنی کو عنایت کیے۔

۷ آبان ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میرزا شاہ رخ کا بیٹا بدیع الزمان دکن سے واپس آیا اور میری حضوری کا شرف حاصل کیا۔

ان ہی دنوں میں ولایت ماوراءالنہر میں شورش اور گڑبڑ پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہاں کے اکثر امرا اور سپاہی مثلاً حسین بے، پہلوان بابا، نورس بے، درمن اور برم بے پناہ حاصل کرنے کی التجا کے ساتھ میری بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ میں نے ہر ایک کو خلعت، گھوڑے، زر نقد اور منصب و جاگیر سے سرفراز کیا۔

۲ آذر ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو ہاشم خان نے بنگال سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

پانچ لاکھ روپے امدادی لشکر کے لیے، جو دکن میں عبداللہ خان کی سرداری میں متعین تھا، روپ خواص اور شیخ انبیاء کے ذریعے احمد آباد (گجرات) بھجوائے۔

سمونگر میں شکار:

یکم دے ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میں موضع سمونگر گیا جو میری مقررہ شکارگاہوں میں سے ہے۔ وہاں بائیس ہرن شکار ہوئے۔ ان میں سے سولہ ہرنوں کو میں نے خود شکار کیا اور بقیہ کو خرم نے شکار [99] کیا تھا۔ دو دن اور دو رات میں وہاں رہا۔ اتوار کی رات کو بخیر و خوبی میں شہر واپس ہوا۔ ان ہی ایام میں ایک رات یہ شعر موزوں ہوا۔

بود بر آسمان تا مہر را نور
مبادا عکس او از چتر شہ دور

میں نے چراغچیوں اور قصہ خوانوں کو حکم دیا کہ صلوٰۃ و سلام کے بعد اور قصہ شروع کرنے سے پہلے اس شعر کو پڑھا کریں۔

۳ دے ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو ہفتے کے دن خان اعظم کی عرضداشت پہنچی که عادل خان بیجاپوری (۹) نے اپنی سابقه خطاؤں سے توبه کر لی اور اپنی کوتاہیوں کی ندامت کے ساتھ اطاعت اور سلطنت کی خیر خواہی میں بڑھ چڑھ کر حصه لے رہا ہے۔

۱۴ دے مطابق یکم شوال ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو ہاشم خان نے کشمیر جانے کی اجازت حاصل کی، اور ایران کے ایلچی یادگار علی کو ایک خاص قرغل عنایت کیا گیا۔

اعتقاد خاں کو خاص تلواروں میں سے ایک تلوار سرا انداز نام کی عنایت کی۔

شادماں خاں (۱۰) ولد خان اعظم کو میں نے شادمان خان کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور اس کا منصب اصل میں اضافے کے ساتھ ایک ہزار و ہفت صدی ذات اور پانصد مقرر کر کے ایک علم بھی عنایت کیا۔

عبداللہ خاں فیروز جنگ کے بھائی سردار خاں (۱۱) اور ارسلان بے اوزبک (۱۲) جو سیوستان کی حفاظت و حکومت پر مقرر ہیں، ان دونوں کو علم عنایت کیا۔

میر عدل اور قاضیوں کو زمین بوسی کی ممانعت:

میں نے حکم دیا که میرے شکار کیے ہوئے ہرنوں کی کھالوں سے جانمازیں بنائی جائیں، اور دیوان خاص و عام میں بچھا دی جائیں که لوگ ان پر نماز پڑھیں۔ میں نے میر عدل (۱۳) اور قاضی، جن پر امور شرعیه کی اجرائی کا مدار ہے، خاص وجه سے احترام شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکم دیا که آئندہ زمین بوسی، جس کی صورت سجدے کی ہے، نه کیا کریں۔

سمونگر میں دوبارہ شکار:

جمعرات کے دن ۲۲ ماہ دے ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میں پھر شکار کے لیے سمونگر گیا۔ چونکه وہاں ہرن کثرت سے جمع ہو گئے تھے، اس لیے میں نے اس مرتبه اپنی روانگی سے قبل خواجه جہاں کو روانه کیا تھا که وہاں پہنچ کر قمرغه (ہانکے کے) شکار کی بنیاد ڈالے، اور ہرنوں کو ہر طرف سے گھیر کر ایسے وسیع مقام پر لے آئے جس کے گرد پردے اور باڑھ لگائی گئی ہو۔ اور ان ہرنوں کو

اس جگہ لا کر محفوظ رکھیں ۔ اس حکم کی بنا پر اس نے ڈیڑھ کوس تک ایک وسیع رقبے میں باڑھیں اور پردے لگائے تھے ۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ شکار گاہ کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں اور بہت سا شکار گھیرے میں آ چکا ہے ، تو میں شکار گاہ کی طرف روانہ ہوا ۔ جمعہ سے شکار شروع ہوا اور اگلی جمعرات تک میں اہل محل کے ساتھ ھالکے کے مقام میں جا کر اپنی خواھش کے مطابق شکار کرتا رہا ۔ کچھ شکار زندہ بھی پکڑے جاتے اور بعض بندوقوں اور تیروں سے مارے جاتے تھے ۔ چونکہ ھفتے اور جمعرات کے دن میں جانوروں پر بندوق نہیں چلاتا ، اس لیے ان دو دنوں میں شکار جال سے زندہ پکڑے گئے ۔ ان سات دنوں میں نو سو سترہ ہرن اور ہرنیاں شکار ہوئیں ۔ ان کے علاوہ چھ سو اکتالیس ہرنوں اور ہرنیوں کو زندہ گرفتار کیا گیا ۔ ان میں سے چار سو چار ہرن اور ہرنیوں کو فتح پور بھجوایا گیا کہ وھاں کے محفوظ مرغزاروں میں ان کو چھوڑا جائے ۔ اور دوسرے چوراسی ہرن اور ہرنیوں کے متعلق میں نے حکم دیا کہ ان کی ناک میں چاندی کی نتھیں ڈال کر اسی جگہ چھوڑ دیا جائے ۔ ان کے علاوہ اور دو سو چھہتر ہرن اور ہرنیاں جو بندوق ، تیر اور چیتے کے ذریعے سے شکار ہوئی تھیں ، وہ شکار ہوتے ہی ہر روز بیگمات ، محل کے خدام ، اُمرا اور شاہی ملازموں میں تقسیم کی گئیں ۔ جب میں شکار کرتے کرتے بے حد اکتا گیا تو میں نے اُمرا کو حکم دیا کہ وہ شکار گاہ میں جا کر ہرن اور ہرنیوں میں سے جو باقی بچے ہیں ، انھیں شکار کر لیں ۔ اور میں بہ خیریت شہر کی طرف روانہ ہوا ۔

لنگر خانوں کا قیام :-

یکم بہمن مطابق ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو میں نے حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں جیسے احمدآباد ، الٰہ آباد ، لاھور ، آگرہ اور دھلی وغیرہ میں فقیروں اور محتاجوں کے لیے لنگر خانے جاری کیے جائیں ۔ ان لنگر خانوں کے قیام کے لیے تیس مقامات کی فہرست لکھی گئی [100] ان میں سے چھ مقامات پر پہلے سے لنگر خانے جاری تھے ، باقی دوسرے چوبیس مقامات پر جاری کرنے کا حکم دیا گیا ۔

۴ بہمن کو راجا نرسنگھ دیو کے منصب میں ہزاری ذات کا اضافہ کیا ۔ اس سے پہلے اس کا منصب چار ہزاری ذات و دو ہزار سوار تھا ۔ اور اس کو ایک

مرصع تلوار عنایت کی ۔ اور دوسری تلوار جو میری شمشیر خاصہ تھی، جس کا نام شاہ بچہ تھا، میں نے شاہ نواز خاں کو دی۔

۱۶ اسفندار ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کو بدیع الزمان ولد میرزا شاہ رخ کو رانا مقہور سے مصروف جنگ لشکر میں مامور کرکے راجا باسو کے لیے اس کے ہاتھ ایک تلوار روانہ کی۔

آئین جہانگیری:

یہ بات بار بار میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی کہ سرحد کے امرا بعض ایسی حرکتیں کر رہے ہیں جو ان سے سرزد نہ ہونی چاہئیں، اور وہ قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں چل رہے ہیں۔ میں نے بخشیوں کو حکم دیا کہ وہ احکام جن کی پابندی ضروری ہے، امرائے سرحد کے نام جاری کریں، تاکہ اس کے بعد وہ ایسے امور کے مرتکب نہ ہوں کہ جو صرف بادشاہوں کے لیے خاص ہیں۔ ان میں سے اول یہ کہ وہ جھروکے میں نہ بیٹھیں، اپنے امرا اور مددگار سرداروں کو چوکی اور تسلیمات کی زحمت نہ دیں، اور ہاتھیوں کو لڑائی میں نہ لائیں۔ سزا دیتے وقت کسی کو اندھا نہ کریں اور نہ کسی کی ناک اور کان کاٹیں، اور نہ کسی کو زبردستی مسلمان بنائیں، نہ اپنے ملازموں کو خطاب دیں۔ اور شاہی ملازموں کو کورنش اور تسلیم بجا لانے کی زحمت نہ دیں، اور گانے والوں کو اس طرز پر جس کا شاہی دربار میں معمول ہے، چوکی کی زحمت نہ دیں۔ باہر نکلتے وقت نقارہ نہ بجوائیں اور لوگوں میں سے شاہی ملازموں کو یا اپنے ماتحت ملازموں کو اگر گھوڑا یا ہاتھی دیں تو ان کے کندھوں پر لگام یا انکس رکھ کر ان سے آداب و تسلیمات ادا نہ کرائیں، اور شاہی ملازموں کو اپنی سواری کے آگے آگے پیدل نہ لے جائیں۔ اگر ملازمان شاہی کو کچھ لکھیں تو اس پر مہر نہ لگائیں۔ یہ وہ قوانین ہیں جو آئین جہانگیری کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں اور جن پر اب تک عمل ہو رہا ہے۔

حواشی جشنِ ششم

(۱) راجا کلیان : ولد راجا ٹوڈرمل ۔ جہانگیر کے عہد میں نواب اسلام خاں صوبیدار بنگال کی ماتحتی میں متعین تھا ۔

جلوس جہانگیری کے چھٹے سال منصب ہزار و پانصدی ذات ، ہشت صد سوار سے سرفراز ہوا ۔ اس کے بعد منصب ہزار و ہفت صدی سوار پر مفتخر ہو کر اوڑیسہ کی حکومت پر متعین کیا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے بارھویں سال اس کے خلاف کچھ شکایتیں پیش ہوئیں ۔ جہانگیر نے اسے اوڑیسہ سے بلا لیا ۔ ان شکایتوں کی تحقیقات آصف خاں کے سپرد ہوئی ۔ شکایتیں صحیح ثابت نہ ہونے پر جہانگیر نے پھر اسے ملازمت میں منسلک کر لیا ۔ آخر میں خانخاناں مہابت خاں کے ساتھ مہم بنگش پر متعین ہوا ۔ (رک : امرائے ہنود) ۔

(۲) ابوالفتح دکنی : میر سید محمد جونپوری کی اولاد سے تھا ۔ خانخاناں نے اس کے لیے منصب پنج ہزاری تجویز کر کے جاگیر داری کڑہ مالکپورہ اور صوبہ داری الہ آباد سے نوازا ، ان علاقوں میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیں ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال مہم رانا میں متعین کیا گیا ۔ ۱۰۲۳ھ میں اس نے تھانہ کوتھلمیر میں بیمار ہو کر پورماندل میں وفات پائی ۔ (رک : مآثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۰-۲۵ - و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۴۳-۳۴۴) ۔

(۳) شجاعت خاں (شیخ کبیر) : مخاطب بہ رستم زماں ، چشتی فاروقی ، ساکن مئو ۔ اسلام خاں چشتی کا قریبی عزیز تھا اور عہد اکبری کے عمدہ منصب داروں میں تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں اس نے خاصی ترقی کی ۔ بنگال میں عثمان خاں لوہانی کے مقابلے میں جو اس نے شجاعت و بہادری کے کارنامے انجام دیے ، جہانگیر نے اس کے منصب میں اضافہ کر کے اسے رستم زماں کا خطاب

دیا ۔ شجاعت خان ، اسلام خان کی بعض بدعہدیوں سے بد دل ہو کر بنگال سے جانے لگا ۔ اتفاق سے اسی زمانے میں اس کے نام بہار کی صوبیداری کا فرمان پہنچا ۔ جس دن وہ پٹنے میں داخل ہوا تو ہتھنی پر سوار تھا ۔ ایک ہاتھی اس ہتھنی کو دیکھ کر دوڑا ۔ وہ سراسیمہ اور پریشان ہو کر ہتھنی سے گر پڑا جس کی وجہ سے اس کا پیر ٹوٹ گیا ۔ اسی میں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۶۳۰–۶۳۳ - و تزوک جہانگیری سر سید ایڈیشن ، ص ۱۹۱ - و ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۲۷۳) ۔

(۴) احداد : پیر بایزید (پیر روشان یا پیرتاریک) کا پوتا تھا ، جو پیر روشان کے بیٹے جلال الدین جلالہ کی وفات کے بعد ۱۰۰۹ھ میں اس کا جانشین ہوا ۔ یہ جلالہ کے بھائی عمر کا بیٹا تھا ۔ اپنے آبا و اجداد کی روش پر یہ بھی مغلوں کی مخالفت اور ان سے جنگ کرتا رہا ، یہاں تک کہ ۱۰۳۵ھ میں ظفر خان ولد خواجہ ابوالحسن تراتی نے ، جو اپنے باپ کی جانب سے صوبۂ کابل کے نظم و نسق کا نگران تھا ، احداد پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ۔ آخر میں وہ مجبور ہو کر لواگ میں محصور ہو گیا ۔ ایک روز یورش کے موقع پر اس کو گولی لگی اور اسی سے اس نے وفات پائی ، (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۴۶–۲۴۷) ۔

(۵) خواجگی محمد حسین (کمہین) : قاسم خان میر بحر کا بھائی تھا ۔ یہ جلوس اکبری کے پانچویں سال خانخانان منعم بیگ کے ہمراہ کابل سے آ کر اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور اکبر کے آخری عہد میں بکاول بیگی اور منصب ہزاری سے سرفراز ہوا ۔

جہانگیر کے عہد میں جلوس جہانگیری کے پانچویں سال ہاشم خان کے پہنچنے تک کشمیر کی صوبے داری اس کے سپرد کی گئی تا جلوس جہانگیری کے چھٹے سال یہ جہانگیر کے حضور میں واپس آ گیا اور اسی سال کے آخر ۱۰۲۰ھ میں اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۱۹۷) ۔

(۶) چین قلیچ : میرزا قلیچ محمد خان اکبری کا بیٹا تھا اور صاحب فضل و کمال تھا ۔ اس نے ملا مصطفیٰ جونپوری سے تعلیم حاصل کی تھی ۔ ایک طویل مدت تک جونپور و بنارس کا فوجدار رہا ۔ جب اس کے باپ نے عہد جہانگیری میں وفات پائی تو اس کا چھوٹا بھائی میرزا لاہوری اس بنا پر کہ وہ باپ کا

چھپتا تھا ، قلیچ خان کا جانشین ہوا ، مگر چونکہ یہ فطرةً شر پسند اور فتنہ پرور تھا ، اس لیے اس نے کچھ دنوں بعد ہی اس علاقے میں بادشاہ کے خلاف بغاوت اور شورش شروع کر دی ۔ ان ہی ہنگاموں میں بد قسمتی سے میرزا چین قلیچ بھی مارا گیا ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۱—۳۵۴ - و ذخیرة الخوانین قلمی ، ص ۳۴۳—۳۴۵) .

(۷) سرسید احمد خاں نے اس پر توزک کے صفحہ ۹۲ پر ایک نوٹ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بظاہر یہ کارنامہ کسی خاتم بند خانے کے شاہی ملازم کا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ چوتھے خانے میں حضرت عیسیٰ کی تصویر بنانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ۔ غالباً یہ کارنامہ فرنگ کے کسی کاریگر کا ہوگا ، جو اس ملازم کے ہاتھ کہیں سے لگ گیا ہوگا اور اس نے اپنے کارنامے کے طور پر اسے پیش کر دیا ہوگا ۔“
علامہ شبلی نے اس نوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”سید صاحب کو اس کا یقین نہیں آ سکتا کہ کوئی ہندوستانی شخص بھی ایسا کمال دکھا سکتا ہے ، اس لیے فرماتے ہیں کہ کسی یورپین نے بنائی ہوگی اور اس پر یہ قرینہ قائم کرتے ہیں کہ چوتھے مرقعے میں حضرت عیسیٰ کی تصویر تھی ۔ خوش اعتقادی کی یہ اخیر حد ہے ۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے اس وقت یورپ یہ یورپ نہ تھا ۔ سچ تو یہ ہے کہ ہاتھ کی صناعیوں میں آج بھی یورپ ایشیا سے بازی نہیں لے جا سکتا ۔ مسلمان انبیاے بنی اسرائیل سے ایسے نا آشنا نہ تھے کہ حضرت عیسیٰ کی تصویر بنانا ان کے لیے کوئی تعجب انگیز بات تھی ، خصوصاً جب کہ اکبر نے عیسائیوں کو دربار میں دخل دے دیا تھا اور حضرت عیسیٰ کی تصویر بنانا عام ہو چکا تھا ۔“ (رک : جہانگیر اور توزک جہانگیری ، ص ۲۲ ، مطبوعہ امرتسر (س) .

(۸) اعتقاد خاں : ولد اعتماد الدولہ ۔ جلوس جہانگیری کے سترھویں سال کشمیر کا صوبیدار مقرر ہوا اور ایک طویل عرصے تک وہاں کا صوبیدار رہا ۔ اس نے ۱۰۶۰ ھ میں وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۱۸۰—۱۸۳)

(۹) عادل خاں بیجاپوری : ابراہیم عادل شاہ ثانی والی بیجاپور ۱۵۸۰ع میں تخت نشین ہوا اور ۱۶۲۷ع میں وفات پائی ۔ اس کا عہد حکومت بیجاپور کا درخشاں زمانہ ہے ۔ اس کے عہد میں علم و فضل اور تہذیب و تمدن کو بہت ترقی

ہوئی ۔ وہ ایک عالم اور شائستہ حکمران تھا ۔ تاریخ فرشتہ ، تذکرۃ الملوک اور سہ نثر ظہوری جیسی بلند پایہ کتابیں اسی کے زمانے میں تصنیف ہوئیں ۔ ایسی نفیس عمارتیں تعمیر ہوئیں جو فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں ۔ ابراہیم نے خود اپنے قلم سے فن موسیقی پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام نورس نامہ ہے ۔ انھی اوصاف کی بنا پر ابراہیم کو تاریخ دکن میں جگت گرو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

(۱۰) شادماں خاں : ولد خان اعظم ۔ یہ خان اعظم کا دوسرا بیٹا تھا ۔ زین خان کوکہ کی بیٹی اس سے بیاہی گئی تھی ۔ بکھر کی حکومت پر مامور رہا اور سندھ میں بہت نیک نامی کے ساتھ زندگی گزاری ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۷۲ - و ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۹۳) ۔

(۱۱) سردار خاں : اس کا نام خواجہ یادگار بیگ تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں اپنی حیثیت کے مطابق منصب سے سرفراز ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال جونا گڑھ کی فوج داری پر مامور ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے پندرھویں سال مہم دکن سے واپسی کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ کالپی چلا گیا ، جو ان بھائیوں کی جاگیر میں تھا ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۴۱۱ - ۴۱۲) ۔

(۱۲) ارسلان بیگ اوزبک (شمشیر خاں) : توران کے اعلیٰ خاندان سے تھا ۔ منصب سہ ہزاری سے سرفراز ہو کر شمشیر خاں کے خطاب سے نوازا گیا ، اور ٹھٹھہ کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ پھر سیوستان اس کی جاگیر میں دیا گیا اور اس نے ایک طویل عرصہ وہاں گزارا ۔ اس کی سادہ لوحی کی بعض حکایتیں جہانگیر تک پہنچیں ، جس کی بنا پر جہانگیر نے اس کا منصب اور جاگیر ضبط کر لی ۔ چند دن تک لاہور میں رہا اور وہیں اس نے وفات پائی ۔ (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۵۵ - ۳۵۶ - و ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۶۳۳) ۔

(۱۳) میر عدل : میر عدل بھی قاضی کی حیثیت رکھتا تھا ۔ بلکہ مغل سلطنت سے پہلے سلاطین دہلی کے دور میں میر عدل اور داد بک کی حیثیت بہت بلند تھی ۔ (رک : دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی ، حاشیہ ۲ ، ص ۵۱۴) ۔

ساتواں جشن نوروز

پیر کے دن یکم ماہ فروردین مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو دارالخلافہ آگرہ میں جشن نوروز عالم افروز کا آغاز ہوا جو دنیا کے لیے بہت مسرت افزا اور بموجب عیش و عشرت ہے۔

ماہ مذکور کی تیسری تاریخ کو جمعرات کی شب میں چار گھڑی گزرنے کے بعد منجموں کے پسندیدہ وقت کے مطابق میں تخت پر بیٹھا۔ ہر سال کے دستور کے مطابق میں نے حکم دیا کہ بازاروں کو سجایا جائے اور شرف کے دن تک اس جشن کو جاری رکھا جائے۔

ان ہی دنوں خسرو بے اوزبک (۱) نے، جو اوزبکوں میں خسرو قرچی کے نام سے مشہور ہے، آ کر آستان بوسی کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ وہ ماوراء النہر کے سر برآوردہ لوگوں میں تھا، میں نے اسے اپنی عنایتوں سے سربلند کیا اور خلعت فاخرہ دیا۔

شہنشاہ ایران کے ایلچی یادگار علی کو میں نے مدد خرچ کے طور پر پندرہ ہزار روپے عنایت کیے۔

ان ہی دنوں میں صوبۂ بہار سے افضل خان کے بھیجے ہوئے تحائف میری نظر سے گزرے جن میں تیس ہاتھی، اٹھارہ گوٹ (مغربی پاکستان کے پہاڑی علاقے کے گھوڑے) اور کچھ بنگال کے کپڑے، صندل کی لکڑی، مشک کے نافے، عود کی لکڑی اور ہر جنس کی مختلف چیزیں تھیں۔

خان دوراں کے تحائف بھی نظر سے گزرے؛ پینتالیس راس اور دو قطار اونٹ، خطا کے بنے ہوئے چینی کے برتن، سمور کی پوستینیں اور دوسرے وہ تحفے اور ہدیے تھے جو کابل اور اس کے اطراف میں دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اس نے بھیجی تھیں۔

دوسرے امرا نے بھی اپنے گھروں میں اپنے تحائف میں طرح طرح کے تکلفات کیے تھے۔ سال ہائے گزشتہ کے دستور کے مطابق [101] ایام جشن میں ہر روز ایک

درباری کے تحائف میرے سامنے پیش ہوتے اور میں ان کو تفصیل سے دیکھ کر ان میں سے جو مجھے پسند آ جاتا ، وہ لے لیتا اور باقی اسی کو بخش دیتا ۔

۳۱ ماہ فروردین مطابق ۲۹ محرم ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو اسلام خان کی عرضداشت پہنچی جس میں یہ خبر تھی کہ افضال الٰہی اور اقبال خسروی کی بدولت بنگال کی سرزمین عثمان افغان کے فساد سے پاک ہو گئی ۔ اس سے پہلے کہ اس جنگ کی حقیقت بیان کی جائے ، میں چند سطریں بنگال کی خصوصیات کے ضمن میں تحریر میں لاتا ہوں ۔

بنگال کے حالات :

بنگال اقلیم دوم کا ایک وسیع ملک ہے ۔ اس کا طول بندرگاہ چاٹگام سے کری تک چار سو پچاس کوس تک اور عرض کوہستان شمالی سے علاقہ مدارن تک دو سو بیس کوس ، اور اس کی آمدنی تخمیناً ساٹھ کروڑ دام ہے ، (جس کے ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے انگریزی ہوتے ہیں ۔)

یہاں کے سابقہ حکام ہمیشہ بیس ہزار سوار ، ایک لاکھ پیادہ ، ایک ہزار ہاتھی اور چار پانچ ہزار جنگی بیڑے کی کشتیاں رکھتے تھے ۔ شیر خاں اور اس کے بیٹے سلیم خاں کے زمانے سے یہ ملک افغانوں کے تصرف میں آ گیا اور جب ہندوستان کا تخت سلطنت و جہانبانی میرے والد بزرگوار (اکبر) کے جلوس سے آراستہ ہوا ، انھوں نے اس ملک کی تسخیر کے لیے ایک جرار فوج متعین فرما دی ، اور ایک طویل مدت تک وہ اس ملک کی فتح کو مطمح نظر بنائے ہوئے تھے ، یہاں تک کہ ولایت بنگال بالآخر امرائے سلطنت کی کوششوں سے آخری (افغان) حکمران داؤد کرانی کے ہاتھ سے نکل گئی ، اور داؤد کرانی آخری جنگ میں خانجہاں کے مقابل لڑتے ہوئے مارا گیا ، اور اس کا لشکر پریشان ہو کر منتشر ہو گیا ۔ اس تاریخ سے لے کر آج تک یہ ملک ہماری سلطنت کے خدام کے زیر انتظام ہے ۔ داؤد کرانی کے بعد کچھ بچے کھچے افغان بنگال کے کونوں کھدروں میں رہ گئے تھے اور اس ملک کے بعض دور دراز مقامات پر قابض تھے ، لیکن رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی عاجز اور زبوں حال ہو گئے اور اس ملک کے جن حصوں پر وہ قابض تھے ، وہ بھی ہماری سلطنت کے امرا کے ہاتھوں میں آ گئے ۔ جب اس سلطنت کا

انتظام اور حکومت محض خدا سے اس نیاز مند درگاہ الٰہی کے سپرد ہوئی ، تو میں نے اپنی تخت نشینی کے پہلے سال راجا مان سنگھ کو ، جو وہاں کی حکومت اور صوبہ داری پر مامور تھا ، بلا کر اس کی جگہ قطب‌الدین خان کوکلتاش کو ، جو میرا رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے تمام اُمرا اور درباریوں میں ممتاز تھا ، بنگال کی حکومت پر مامور کیا . لیکن بنگال میں پہنچتے ہی اس نے ایک فتنہ پرداز (شیر افگن) کے ہاتھ سے ، جو اس ملک میں متعین تھا ، شہادت پائی ، اور وہ ناعاقبت اندیش بھی قتل ہو کر اپنے کیے کی سزا کو پہنچا . اس کے بعد جہانگیر قلی خان کو ، جو بہار کا صوبہ‌دار اور جاگیر دار تھا ، پانچ ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کر کے حکم دیا کہ وہ بنگال جا کر وہاں کا نظم و نسق سنبھالے کیونکہ وہ بنگال سے قریب تھا . اور اسلام خان کے نام ، جو اس وقت دار الخلافۂ آگرہ میں تھا ، فرمان بھیجا کہ وہ بہار روانہ ہو جائے اور بہار کو اپنی جاگیر سمجھے . چونکہ جہانگیر قلی خان بنگال کی حکومت سنبھالتے ہی تھوڑے دنوں میں وہاں کی آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے سخت بیمار پڑ گیا ، اور آہستہ آہستہ اس کا مرض بڑھتا ہی گیا ، اور اس کے قویٰ ضعیف ہوتے گئے ، یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گیا ، اس کی وفات کی خبر مجھے لاہور میں ملی ، تو میں نے اسلام خان کے نام فرمان جاری [102] کر دیا کہ صوبۂ بہار کو افضل خان کے سپرد کر کے جلد از جلد بنگال روانہ ہو جائے ، اگرچہ اس کی بنگال کی تعیناتی پر اس کی کم عمری اور کم تجربہ کاری کے متعلق اکثر درباری چہ میگوئیاں کرنے لگے . چونکہ اس کے ذاتی جوہر اور فطری صلاحیت میرے پیش نظر تھی ، اس لیے میں نے خود اس کو اس خدمت کے لیے پسند کیا . حسن اتفاق سے اس نے وہاں اس طرح خدمات انجام دیں کہ جس دن سے یہ ملک ہمارے اُمرائے دولت کے قبضے میں آیا ہے ، آج تک کوئی شاہی ملازم اس خوبی سے خدمات انجام نہ دے سکا . اس کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ عثمان افغان کے فساد کی بیخ کنی ہے . حضرت عرش آشیانی کی زندگی میں عثمان کے ساتھ شاہی افواج کا کئی مرتبہ مقابلہ و مقاتلہ ہوا تھا ، لیکن اس کا پورا دفعیہ نہیں ہوا تھا . اسلام خان نے ڈھاکا پہنچنے کے بعد اس علاقے کے باغی زمین داروں کے قلع قمع کو اپنا مطمح نظر بنا کر مجھے توجہ دلائی کہ ایک لشکر عثمان کے مقابلے کے لیے متعین کیا جائے . اگر وہ حکومت وقت کی اطاعت و بندگی اختیار کر لے تو

بہتر ہے ورنہ دوسرے سرکشوں اور باغیوں کی طرح اس کی سرکوبی کر کے اس کو نیست و نابود کر دیا جائے ۔ چونکہ ابھی زمانے میں شجاعت خان ، اسلام خان کے پاس پہنچ چکا تھا ، اسی کے نام اس خدمت کی سرداری کا قرعہ پڑا ۔ اس کے علاوہ دوسرے ملازم مثلاً کشور خان ، افتخار خان (۲) ، سید آدم بارھہ اور مقرب خان کا بھتیجا شیخ اچھے ، اور معتمد خان اور اعظم خان کے بیٹوں اور اہتمام خان اور دوسرے شاہی ملازموں کو اس کے ساتھ متعین کیا گیا ۔ اور اسلام خان نے بھی اپنے احتشام کا ایک دستہ شجاعت خان کے ساتھ ایسے وقت میں روانہ کر دیا جب کہ سیارہ مشتری اس سے کسب فیض کر رہا تھا ، اور میر قاسم (۳) ولد میرزا مراد کو میر بخشی اور واقعہ نویس مقرر کیا ۔ اور زمین داروں میں سے بھی چند زمین دار راستہ بتانے کے لیے ہمراہ کر دیے ۔ اس طرح جب یہ فتح و نصرت سے ہم‌کنار فوج روانہ ہوگئی اور عثمان کے قلعے کے قریب اور اس کی سرزمین میں پہنچ گئی ، تو فوج کے چند افراد کو ، جو عثمان کی زبان جانتے تھے ، اُس کے پاس اس نصیحت کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سلطنت کی بہی خواہی کی طرف بلائیں اور بغاوت و شورش کے راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لائیں ۔ چونکہ وہ غرور کے نشے میں مست تھا اور ہمیشہ سے اس ملک پر قبضہ کرنے کی ہوس اور دوسری خام خیالیوں میں مبتلا تھا ، اس نے سمجھانے بجھانے والوں کی کسی بات پر ذرا بھی توجہ نہ دی اور لڑائی جھگڑے پر تیار ہوگیا ۔ اور ایک نالے کے کنارے ، جس میں کیچڑ اور دلدل تھی ، میدان جنگ قرار دیا ۔

عثمان خان اور شجاعت خان کی لڑائی :

۹ محرم ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو شجاعت خان نے جنگ کی تاریخ مقرر کی اور اپنی فوج خاص خاص جگہ اور خاص خاص مقامات پر متعین کر کے جنگ کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا ۔ عثمان نے اس روز تک جنگ کی تیاری نہیں کی تھی ۔ جب اُس نے سنا کہ شاہی لشکر جنگ کے لیے تیار ہو گیا ہے ، مجبوراً وہ بھی سوار ہو کر نالے کے قریب آیا اور اپنے سوار اور پیادہ فوج کو شاہی افواج کے مقابل کھڑا کر دیا ۔ جب معرکۂ جنگ گرم ہوا اور ایک لشکر دوسرے لشکر سے ٹکرایا تو اس شورہ پشت اور خیرہ سر جاہل نے پہلے ہی حملے میں اپنے مست جنگی ہاتھی کو آگے بڑھا کر فوج کے ہراول دستے پر حملہ کر دیا ۔ زبردست

داروگیر ہوئی اور اس میں ہراولی سرداروں میں سید اعظم بارھہ ، شیخ اچھے شہید ہو گئے ۔ میمنے کے سردار افتخار خاں نے بھی لڑائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں دکھائی اور بالآخر اس نے بھی اپنی جان نثار کر دی ، اور اس کے ساتھی بھی مردانہ وار لڑتے ہوئے پامال ہو گئے ۔ میسرے کا سردار کشور خاں داد شجاعت و مردانگی دیتے ہوئے اپنے آقا پر فدا ہو گیا ۔ اگرچہ بد بخت غنیم [103] کے اکثر سپاہی زخمی ہوئے اور مارے گئے تھے لیکن وہ بد بخت شاہی مبارزوں کا پورا حساب رکھتا تھا اور اس بات سے واقف تھا کہ میمنے اور میسرے کے اتنے سردار مارے گئے ، اور صرف قلب لشکر باق رہ گیا ہے ، اس لیے اس نے اپنے لشکریوں کے زخمی ہونے اور مارے جانے کی بالکل پروا نہیں کی بلکہ اسی پھرتی کے ساتھ شاہی فوج کے قلب پر حملہ کر دیا ۔ شاہی لشکر کی جانب سے شجاعت خاں کے بیٹوں ، بھائیوں ، رشتہ داروں اور دوسرے لشکریوں نے عثمان خاں اور اس کے گمراہ لشکریوں کا راستہ روک کر شیروں اور چیتوں کی طرح دانت بھینچ بھینچ کر دشمن کا مقابلہ کیا ۔ چنانچہ بعض ان میں سے شہید ہو گئے ، اور جو لوگ زندہ بچے ، وہ سخت زخمی ہوئے ۔

شجاعت خاں کی شجاعت :

عین اس وقت عثمان نے اپنا درجۂ اول کا مست ہاتھی ، جس کا نام ''گجپت'' تھا ، شجاعت خاں پر دوڑایا ۔ شجاعت خاں نے بھی اپنا برچھا سنبھال کر ہاتھی کے مارا لیکن اس مست ہاتھی پر اس برچھے کا کیا اثر ہو سکتا تھا ۔ یہ دیکھ کر اس نے تلوار سنبھالی اور پے در پے دو وار کیے ۔ اس پر تلوار کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا ۔ پھر شجاعت خاں نے جمدھر کھینچ کر دو ہاتھ جمدھر کے لگائے ، لیکن اس پر بھی ہاتھی نہ پلٹا اور شجاعت خاں کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا ۔ وہ گھوڑے سے گرتے ہی ''شاہ جہانگیر'' کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا ۔ اتنے میں اس کے سائیس نے ہاتھی کے اگلے دو پاؤں پر دو دستی تلوار ماری ، جس سے ہاتھی گھٹنوں کے بل گر پڑا ۔ حسن اتفاق سے سائیس نے مہاوت کو ہاتھی کے اوپر سے کھینچ کر نیچے گرا دیا ، اور شجاعت خاں نے پیدل ہونے کے باوجود اسی جمدھر سے ، جو اس کے ہاتھ میں تھا ، ہاتھی کی سونڈ اور اس کی پیشانی پر اس زور سے مارا کہ ہاتھی اس کی تکلیف سے چیختا چنگھاڑتا ہوا پلٹ گیا اور

بے شمار زخم کھانے کی وجہ سے اپنی فوج میں پہنچ کر گر پڑا ۔ اور شجاعت خاں کا گھوڑا گرنے کے بعد صحیح و سالم اٹھ کر کھڑا ہوگیا ۔ عین اس وقت جب کہ شجاعت خاں دوبارہ اُس پر سوار ہو رہا تھا ، دشمن کے ذلیل لشکریوں نے دوسرے ہاتھی کو شجاعت خاں کے علم بردار پر دوڑا کر علم بردار کو گھوڑے سمیت زیر کر لیا ۔ شجاعت خاں نے اُسی جگہ سے مردانہ وار نعرہ لگایا کہ 'مردانہ باش' (مردوں کی طرح ثابت قدم رہ) ، میں زندہ ہوں ۔ ایسے نازک وقت میں جھنڈے کے نیچے تمام شاہی ملازم موجود تھے ۔ وہ تیر ، جمدھر اور تلواروں سے اُس ہاتھی پر حملہ آور ہوئے ۔ شجاعت خاں بھی موقع پر پہنچ گیا ۔ علم بردار کو آواز دی کہ کھڑا ہو جا اور دوسرا گھوڑا منگا کر علم بردار کو اس پر سوار کرا دیا ۔ اس طرح علم بردار علم کو بلند کر کے اپنی جگہ کھڑا ہو گیا ۔ اسی دار و گیر میں عثمان خاں کی پیشانی پر کسی شاہی لشکر کے آدمی کی گولی لگ گئی ، جس کے مارنے والے کا باوجود تلاش کے پتا نہیں چل سکا ۔ بندوق کی گولی کھاتے ہی عثمان خاں کا زور و شور ٹوٹ گیا اور وہ سمجھ گیا کہ اس زخم سے وہ جاں بر نہ ہو سکے گا ۔ اس زخم کاری کے باوجود عثمان خاں دوپہر تک اپنے لشکریوں کو جنگ کے لیے ابھارتا رہا اور معرکۂ جنگ تیز کرتا رہا ۔ دوپہر کے بعد دشمن کے لشکر نے پیٹھ دکھائی اور فاتح فوج اُس کے تعاقب میں دوڑی ، اور مارتے مارتے ان بد بختوں کو اُس مقام تک لے گئی ، جہاں وہ مورچے بنائے ہوئے تھے ۔ ان مورچوں سے ان بد بختوں نے تیر اور تلوار چلا کر شاہی فوج کو اپنے پاس آنے سے روکے رکھا ۔ عثمان کے بھائی ولی ، اس کے بیٹے ممریز اور اُس کے دوسرے رشتے داروں اور عزیزوں نے عثمان کے زخم کو خوب دیکھا اور یہ فیصلہ کیا کہ اس زخم سے اُس کا جاں بر ہونا ممکن نہیں ۔ اگر وہ اسی طرح گرتے پڑتے اپنے قلعے کی طرف چلیں تو اُن میں سے ایک بھی زندہ وہاں تک پہنچنے نہ پائے گا ، اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ ہم آج رات ان ہی مورچوں میں قیام کریں اور رات کے پچھلے پہر موقع پا کر اپنے آپ کو اپنے قلعے میں پہنچائیں ۔ رات کے دوپہر گزرنے کے بعد عثمان جہنم واصل ہوگیا ۔ رات کے تیسرے پہر ان لوگوں نے اپنے خیمے اور سامان اُسی جگہ چھوڑ دیا اور عثمان کی میت کو لے کر [104] اپنے قلعے کی طرف روانہ ہو گئے ۔

جب شاہی لشکر کے خبر رسانوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو انھوں نے

شجاعت خان کو اس کی اطلاع کر دی ۔ پیر کی صبح کو سلطنت کے بہی خواہوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ مخالفوں کا تعاقب کرنا چاہیے اور ان بدبختوں کو دم لینے کا موقع نہیں دینا چاہیے ، لیکن سپاہیوں کی تکان اور شہیدوں کے کفن دفن اور زخمیوں کی خبرگیری کی وجہ سے وہ تعاقب میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگے ۔

اتنے میں عبد السلام ولد معظم خان شاہی لشکر کے ایک گروہ کے ساتھ ، جو تین سو سواروں اور چار سو توپچیوں پر مشتمل تھا ، پہنچ گیا ۔ چونکہ یہ دستۂ فوج تازہ دم تھا اس لیے سابقہ قرارداد کے مطابق یہ لوگ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگئے ۔ جب یہ خبر عثمان خان کے بھائی ولی کو پہنچی ، جو عثمان خان کے بعد فتنہ و فساد اور شورش کا مرکز بن گیا تھا کہ شجاعت خان اپنے لشکر اور تازہ دم فوج کے ساتھ ، جو ابھی آئی ہے ، اس کے تعاقب میں آ رہا ہے ، تو اس نے اپنی بھلائی اسی میں دیکھی کہ معقول طریقۂ کار اختیار کر کے سلطنت کی خیرخواہی اور اطاعت قبول کر لے اور شجاعت خان کی طرف رجوع کرے ۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اس نے شجاعت خان کو پیغام بھیجا کہ وہ شخص (عثمان خان) جو بانی فتنہ و فساد تھا مر چکا ہے اور ہم لوگ ، جو باقی بچے ہیں ، اسلام کے واسطے سے آپ کے ساتھ بندگی اور اطاعت کا رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں ۔ اگر آپ امان دینے کا وعدہ کریں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے ملنا چاہتے ہیں ، تا کہ شہنشاہ (جہانگیر) کی اطاعت قبول کر کے اپنے ہاتھی نذر کے طور پر پیش کریں ۔ شجاعت خان اور معتمد خان جنھوں نے اس لڑائی کے دوران میں پسندیدہ خدمات انجام دی تھیں اور سلطنت کے دوسرے تمام بہی خواہوں نے وقت کے تقاضوں اور مصلحت کی بنا پر امان دینے کا وعدہ کیا اور اس جماعت کو تسلی دے کر رخصت کیا ۔ دوسرے دن ولی اور عثمان خان کے بیٹے اور دوسرے بھائی اور عزیز سب کے سب شجاعت خان اور دوسرے شاہی ملازموں سے آ کر ملے ، اور انچاس ہاتھی پیش کیے جو وہ نذر دینے کے لیے لائے تھے ۔

اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد شجاعت خان نے بعض دوسرے شاہی ملازمین کو ادھار اور اس کے نواح میں چھوڑا جو اس بدبخت عثمان کے قبضے میں تھے اور ولی اور دوسرے افغانوں کو ساتھ لے کر بتاریخ ٦ ماہ صفر ١٠٢١ھ (١٦١٢ع) پیر کے دن جہانگیر نگر (ڈھاکا) میں اسلام خان کے پاس پہنچ گیا ۔

شجاعت خاں کو رستم زماں کا خطاب :

جب اس نیازمند درگاہِ الٰہی کو آگرے میں یہ خبر مسرت خیز ملی تو میں نے سجدہ ہائے شکر ادا کیے اور سمجھ گیا کہ اس قسم کے دشمن کا قلع قمع محض خدائے تعالیٰ کے لطف و کرم کا ثمرہ ہے ۔

میں نے اس حسن خدمت کے صلے میں اسلام خاں کو شش ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز کیا اور شجاعت خاں بھی رستم زماں کے خطاب سے سربلند ہوا اور اس کے منصب میں ہزاری ذات و سوار کا اضافہ کیا ۔

دیوانِ حافظ سے فال :

پہلے پہل جب عثمان خاں کے مارے جانے کی خبر افواہ کے طور پر مشہور ہوئی تھی ، میں نے اس خبر کے جھوٹ یا سچ ہونے کے متعلق لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے فال نکالی تو یہ غزل نکلی :

دیدہ دریا کنم و صبر بصحرا فگنم
اندرین کار دل خویش بدریا فگنم
خوردہ ام تیر فلک بادہ بدہ تا سر مست
عقدہ در بند کمر ترکش و جوزا فگنم

چوں کہ یہ اشعار نہایت مناسب حال تھے ، اس لیے میں نے اُن سے فال حاصل کی ۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے باقاعدہ خبر ملی کہ عثمان کے تیر قضا خدا کی جانب سے لگا اور اس کے مارنے والے کا پتا نہیں چلا ۔ چوں کہ یہ بات عجیب و غریب تھی ، اس لیے یہاں لکھ دی گئی ۔

مقرب خاں کے لائے ہوئے حیوانات کی تشریح :

۱۶ ماہ فروردین کو مقرب خاں ، جو میرے بہترین ملازموں میں [105] اور جہانگیری دور کے قدیم الخدمت محرم راز لوگوں میں ہے ، سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز ہوا اور کھنبایت کی بندرگاہ سے میری خدمت میں (آگرہ) حاضر ہوا ۔ میں نے اس کو بعض مصالح کی بنا پر حکم دیا تھا کہ وہ گووہ کی بندرگاہ کی طرف جا کر وزیر سے ، جو گووہ کا حاکم ہے ، ملے اور وہاں کی بہترین اور لطیف چیزیں ، جو مل سکیں ، سرکار خاصہ شریفہ کے لیے خرید لے ۔

چنانچہ وہ میرے حکم کے مطابق پوری مستعدی کے ساتھ گووہ گیا اور ایک مدت تک وہاں رہ کر وہاں کی نفیس اور عمدہ چیزیں، جو اس کو حاصل ہو سکیں، بغیر روپے کا منہ دیکھے ہوئے فرنگیوں کی منہ بولی قیمت دے کر خریدتا چلا گیا. جب وہ بندرگاہ گووہ سے لوٹ کر میری خدمت میں حاضر ہوا اور جو قیمتی سامان اور نفیس اشیاء وہاں سے لے کر آیا تھا، کئی دفعات میں مجھے دکھلائیں.

منجملہ اور اشیا کے وہ چند جانور بھی لایا تھا جو اتنے عجیب و غریب تھے کہ میں نے آج تک دیکھے نہ تھے؛ بلکہ اُن کے نام بھی کوئی نہ جانتا تھا. اگرچہ حضرت فردوس مکانی (بابر) نے اپنے حالات زندگی میں اُن میں سے بعض جانوروں کی شکل و صورت کی تفصیل لکھی ہے لیکن کسی وجہ سے مصوّروں کو اُن کی تصویریں بنانے کا حکم نہیں دیا تھا.

جب یہ جانور میری نظر میں نہایت عجیب و غریب معلوم ہوئے تو میں نے نہ صرف اُن کی تفصیل لکھ دی، بلکہ مصوّروں کو حکم دیا کہ جہانگیر نامہ میں ان کی تصویریں کھینچیں تاکہ اُن کے حالات سننے سے جو حیرت ہوتی ہے، وہ اُن کی تصویر کے دیکھنے سے اور بڑھ جائے.

اُن میں سے ایک جانور[1] جُثّے میں مور کی مادہ سے کچھ بڑا اور نر سے فی الجملہ کچھ چھوٹا ہے. جب کبھی وہ مستی میں آتا ہے تو وہ اپنی دُم اور پروں کو مور کی طرح پھیلا کر رقص کرتا ہے. اس کی چونچ اور پنجے مرغ کی چونچ اور پنجوں کی طرح ہیں. اس کے سر، گردن اور حلق کے نیچے کے حصے کا ہر گھڑی رنگ بدلتا رہتا ہے. جس وقت وہ مستی میں ہوتا ہے تو اس کا سرخ حصہ اس قدر سرخ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ مرجان سے آراستہ کیا گیا ہے. اس کے کچھ دیر کے بعد وہی حصہ سفید ہو جاتا ہے اور روئی کی طرح دکھائی دیتا ہے. کبھی فیروزی رنگ بدلتا ہے. غرض کہ بوقلموں (گرگٹ) کی طرح ہر وقت ایک نیا رنگ بدلتا رہتا ہے. اس کے سر پر مرغ کی کلغی کی طرح گوشت کے دو ٹکڑے ہیں. سب سے عجیب بات یہ ہے کہ مستی کے وقت یہ گوشت کے ٹکڑے ہاتھی کی سونڈ کی طرح اس کے سر سے ایک بالشت نیچے لٹک آتے ہیں. پھر جب

---

[1] اس جانور کا نام انگریزی میں ٹرکی، اُردو میں پیرو اور فارسی میں فیل مرغ ہے. یہ آج کل ہندوستان اور پاکستان میں بھی کثرت سے دیکھنے میں آتا ہے.

وہ ان کو اوپر سکیڑ لیتا ہے تو گینڈے کے سینگ کی طرح اس کے سر پر دو انگل کی مقدار میں دکھائی دیتا ہے ۔ اس کی آنکھوں کے اردگرد کا رنگ فیروزے کی مانند مگر اس کے رنگ میں کوئی تبدل و تغیر نہیں ہوتا ۔ مور کے پروں کے رنگ کے خلاف ، اس کے پروں میں مختلف قسم کے رنگ نظر آتے ہیں ۔

وہ اپنے ساتھ عجیب و غریب شکل و صورت کا ایک لنگور (ہما) جانور بھی لایا تھا ۔ اس کے پاؤں ، سر اور کان بعینہ لنگور کی طرح ہیں ۔ اس کا منہ لومڑی کے منہ کی طرح ہے ۔ اس کی آنکھوں کا رنگ باز کی آنکھوں کے رنگ کی مانند ہے ، لیکن اس کی آنکھیں باز کی آنکھوں سے بڑی ہیں ۔ سر سے لے کر دم تک کی لمبائی ایک گز ہے ۔ وہ قد میں بندر سے چھوٹا اور لومڑی سے بڑا ہے ۔ اس کے جسم پر بھیڑ کی طرح بال ہیں جن کا رنگ خاکستری ہے ۔ کان کی لو سے ٹھوڑی تک کا رنگ شراب کی طرح سرخ ہے ۔ دم نصف ہاتھ اور دو تین انگل کے برابر لمبی ہے ۔ دوسرے لنگوروں کے برخلاف اس کی دم بلی کی دم کی طرح نیچے گری ہوئی ہے ۔ کبھی کبھی ہرن کے بچے کی طرح آواز نکالتا ہے ۔ مختصر یہ ہے کہ اس کی بہت سی عجیب و غریب خصوصیتیں ہیں ۔

جنگلی مرغیوں کے متعلق ، جنہیں تدرو کہتے ہیں ، میں نے آج تک [106] نہیں سنا تھا کہ کسی نے ان کے انڈے بچے گھر میں نکالے ہوں ۔ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں اس کی بہت کوشش کی گئی کہ ان کے انڈے اور بچے نکالے جائیں ، لیکن کامیابی نہیں ہوئی ۔ میں نے حکم دیا کہ ان کے نر و مادہ کو اکٹھا رکھا جائے ۔ چنانچہ وہ رفتہ رفتہ انڈے دینے لگیں ۔ پھر میں نے حکم دیا کہ ان کے انڈے گھریلو مرغیوں کے نیچے رکھے جائیں ۔ دو سال کے عرصے میں ساٹھ ستر بچے نکلے جن میں سے پچاس ، ساٹھ بچے پل کر بڑے ہوئے ۔ جس کسی نے یہ بات سنی اُسے نہایت حیرت ہوئی اور کہا کہ ولایت (ماوراءالنہر) میں بھی لوگوں نے بہت کوشش کی ، جنگلی مرغیوں نے مطلقاً نہ انڈے دیئے ، نہ ان کے بچے حاصل کیے جا سکے ۔

انُ ہی دنوں میں میں نے مہابت خاں کے منصب میں ہزاری ذات و پانصد سوار کا اضافہ کیا تا کہ اس کا منصب چار ہزار ذات و سہ ہزار و پانصد سوار ہو جائے ۔

اعتمادالدولہ کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ چار ہزاری ذات و ہزار سوار مقرر ہوا۔

سہاسنگھ کے منصب میں بھی پانصدی ذات و سوار کا اضافہ کیا گیا، تاکہ اصل و اضافے کے ساتھ اس کا منصب سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار ہو جائے۔

اعتقاد خان کے منصب میں بھی میں نے پانصدی ذات اور دو سو سوار بڑھا کر اس کا منصب ہزاری ذات اور سہ صد سوار کر دیا۔

ان ہی دنوں میں خواجہ ابوالحسن نے دکن سے آ کر میری خدمت میں حاضری کی عزت حاصل کی۔

دولت خان، جو فوج داری صوبۂ الہ آباد اور سرکار جونپور پر متعین تھا، یہاں آیا اور شرف حضوری حاصل کیا۔ اس کے منصب میں جو ہزاری تھا، پانسو کا اضافہ کیا گیا۔

سلطان خرّم کے منصب میں اضافہ:

شرف کے دن، جو ماہ فروردین کی ۱۹ تاریخ تھی، میں نے سلطان خرّم کا منصب جو دس ہزاری تھا، بارہ ہزاری کر دیا۔

اعتبار خان، جو سہ ہزاری ذات اور ہزار سوار کے منصب سے سر بلند تھا، میں نے اس کا منصب چار ہزاری کر دیا۔

مقرب خان، جس کا منصب دو ہزاری ذات اور ہزار سوار تھا، پانصدی ذات و سوار کا اضافہ کیا۔

خواجہ جہاں کے منصب میں، جو دو ہزاری ذات اور ہزار و دو سو سوار تھا، پانصدی کا مزید اضافہ کیا گیا۔

چوں کہ یہ نوروز کے دن تھے، اس لیے اکثر ملازموں نے مناصب میں اضافے سے سرفرازی حاصل کی۔

دلیپ سنگھ کی دکن سے آمد:

ان ہی تاریخوں میں دلیپ (۴) نے دکن سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا۔ جب اس کے باپ رائے رائے سنگھ (۵) نے وفات پائی تھی تو میں نے دلیپ کو رائے کے خطاب سے سربلند کر کے خلعت پہنایا تھا۔ رائے سنگھ کا ایک اور لڑکا بھی سورج سنگھ (۶) نامی تھا۔ اگرچہ دلیپ اس کا ٹیکا

(ولی عہد) تھا مگر اُس محبت کی وجہ سے جو راے سنگھ کو سورج سنگھ کی ماں سے تھی، سورج سنگھ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ جس وقت میرے دربار میں اُس کی وفات کا تذکرہ ہو رہا تھا، سورج سنگھ نے اپنی نادانی اور کم سنی کی وجہ سے عرض کیا کہ میرے باپ نے مجھے اپنا جانشین مقرر کر کے ٹیکا لگایا تھا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ میں نے کہا کہ اگر تیرے باپ نے تجھے ٹیکا لگایا تھا تو ہم دلیپ کو سر بلند کر کے ٹیکا لگاتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے ٹیکا لگایا اور اس کے باپ کی جاگیر اور وطن اُسے عنایت کر دیا۔

اعتمادالدولہ کو میں نے مرصّع قلم اور دوات عنایت کی۔

راجا لکھمی چند کی جہانگیر کی خدمت میں حاضری:

کمایوں کے راجا لکھمی چند نے، جو کوہستان کے راجاؤں میں ذی عزت ہے، (آگرے میں) آ کر شرف حضوری حاصل کیا۔ اُس کا باپ راجا اودرهم بھی حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں اُن کے پاس حاضر ہوا تھا۔ اس نے بہ وقت حضوری یہ التجا کی تھی کہ راجا ٹودر مل (۷) کا لڑکا اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دربار میں لائے۔ چنانچہ اس کی گزارش پر راجا ٹودرمل کا بیٹا (۸) اس کے لانے کے لیے مقرر کیا گیا۔

اُسی طریقے پر لکھمی چند نے مجھ سے بھی التجا کی کہ اعتمادالدولہ کا بیٹا پیشوائی کر کے مجھے دربار میں لے جائے۔ چنانچہ میں نے شاہ پور[1] کو بھیجا کہ وہ لکھمی چند کو میری خدمت میں لائے۔ حاضر خدمت ہونے کے بعد لکھمی چند نے اپنے کوہستان کے تحفے گونٹ (گھوڑے) اور شکاری پرندوں میں سے باز، بہری، شاہین، پہاڑی گایوں کے دُم کے بال، نافۂ مشک، ہرن کی کھالیں، تلواریں اور انواع و اقسام کی چیزیں پیش کیں۔ تلوار کو ان کی زبان میں کھانڈہ اور خنجر کو [107] کٹارہ کہتے ہیں۔

۱۔ شاہ پور سے مراد اعتقاد خان (میرزا شاہ پور) ولد اعتمادالدولہ برادر آصف خان ہے۔ اس کے حالات کے لیے دیکھیے اسی جشن کا حاشیہ نمبر ۱۹۔

لکھمی چند پہاڑی راجاؤں میں سونے کی جہتات کی بدولت بہت مشہور ہے .
لوگ کہتے ہیں کہ اس کی ریاست میں سونے کی کان ہے .

لاہور میں محل کی تعمیر :

میں نے خواجہ جہاں ، خواجہ دوست محمد کو اس غرض سے روانہ کیا
کہ لاہور میں محل کی بنیاد رکھے . یہ اس کام میں پوری مہارت رکھتا ہے .

دکن کے حالات کی تحقیق کے لیے خواجہ ابوالحسن کی طلبی :

چوں کہ دکن کی مہم سرداروں کے باہمی نفاق اور خان اعظم کی لاپروائی
کی وجہ سے کوئی اچھی صورت اختیار نہ کر سکی تھی ، اور عبداللہ خاں کو
شکست ہو چکی تھی ، میں نے وہاں کے حالات کی تحقیق کے لیے خواجہ ابوالحسن
کو طلب کیا تھا . نہایت تحقیق اور چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ
عبداللہ خاں بارھہ (۹) کی شکست کی وجہ اس کا غرور و تکبر اور اس کی جلد بازی
ہے ، وہ کسی کی بات نہیں سنتا . اور اس کا باعث کچھ امرا کا باہمی نفاق اور
اختلاف بھی ہے .

اس مہم اور شکست کی مختصر روداد یہ ہے کہ ایک قرار داد کے مطابق
عبداللہ خاں کو ناسک اور ترھنگ کے راستے سے گجراتی لشکر اور ان امرا
کے ہمراہ ، جو اس کے ساتھ متعین کیے گئے تھے ، روانہ ہونا چاہیے تھا . یہ
فوج بہترین سرداروں اور تجربہ کار امرا ، مثلاً راجا رام داس ، خان عالم ،
سیف خاں ، علی مردان بہادر (۱۰) اور ظفر خان اور دوسرے شاہی ملازمین
پر مشتمل تھی . لشکر کی تعداد دس ہزار سے متجاوز ہو کر چودہ ہزار تک
پہنچ گئی تھی اور یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ برار کی جانب سے راجا مان سنگھ ،
خانجہاں ، امیرالامرا اور دوسرے کئی سردار روانہ ہوں ، اور یہ دونوں
فوجیں ایک دوسرے کے سفر اور قیام سے واقف اور باخبر رہیں ، تاکہ مقررہ
تاریخ پر وہاں پہنچ کر دونوں جانب سے گھیر کر دشمن کو درمیان میں لے لیں .
اگر مذکورہ فیصلے کے مطابق عمل کیا جاتا اور سردار خلوص دل سے متفق
ہوتے اور خود غرضیاں ان کے دامن گیر نہ ہوتیں تو ظن غالب یہ تھا کہ
اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح مقدر ہو جاتی . لیکن جب عبداللہ خاں گھاٹیوں سے

گزر کر دشمن کے ملک میں جا پہنچا ، اس نے اس کی پابندی نہیں کی کہ قاصد بھیج کر دوسری طرف سے آنے والے لشکر کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھے ، اور اپنی نقل و حرکت کو ان کی نقل و حرکت کے مطابق بنا کر اس طرح آگے بڑھے کہ بہ یک وقت دونوں لشکر دشمن کو گھیر لیں ۔ بلکہ اس نے اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ میں یہ خیال کیا کہ اگر یہ فتح تنہا مجھے حاصل ہو تو یہ بہتر ہوگا ، اور وہ اس خیال پر اس قدر اڑ گیا کہ رام داس (۱۱) کے مشورے کی کہ وہ لشکر کو آہستہ آہستہ اور تاخیر سے آگے بڑھائے ، کوئی پروا نہیں کی ۔

دشمن عبداللہ خاں کے لشکر کی نقل و حرکت سے پورے طور پر باخبر تھا ۔ اس نے ایک بڑا لشکر ، جو سرداروں اور ترکوں پر مشتمل تھا ، اس کے مقابلے کے لیے بھیجا ۔ وہ کئی دن تک اس سے لڑتے رہے ، اور راتوں کو آگ کے تیر ، آگ کے گولے اور دوسرے آتشیں اسلحہ عبداللہ خاں کے لشکر میں پھینکتے رہے ، یہاں تک کہ دشمن کا لشکر عبداللہ خاں کے لشکر کے بالکل قریب آگیا ، اور عبداللہ خاں کو ذرا بھی اس لشکر کا حال معلوم نہ ہوا جو برار کی طرف سے آ رہا تھا ۔ اگرچہ عبداللہ خاں لڑتے بھڑتے دولت آباد تک ، جو دکنیوں کا مرکز تھا ، پہنچ گیا ۔ لیکن روسیاہ عنبر (۱۲) نے ایک لڑکے کو ، جو اس کے خیال میں نظام الملکی خاندان کا رکن تھا ، بادشاہ منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ اس کا خیال یہ ہوا کہ لوگ دل و جان سے اس لڑکے کی سرداری قبول کرلیں گے ، (اور اس کے لیے زیادہ جوش و جذبے سے لڑیں گے) ۔ عنبر اپنے آپ کو اس کا سرپرست اور ماتحت سردار قرار دے کر باری باری سے عبداللہ خاں سے لڑنے کے لیے لشکر بھیجنے لگا ۔ ہر لمحہ دشمن کی فوج کی تعداد بڑھتی جاتی تھی ، یہاں تک کہ اس نے اس قدر ہجوم کیا اور اس قدر بان اور دوسرے قسم کے آتشیں اسلحہ استعمال کیے کہ عبداللہ خاں کا ناطقہ بند ہو گیا ۔

آخرکار سلطنت کے خیر خواہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ فی الوقت وہاں سے پلٹ جائیں اور اس مہم کی سرانجامی کے لیے نئی تیاری کریں ۔ کیونکہ شاہی لشکر کی دوسری کمک ابھی تک نہیں پہنچی تھی ، اور دکنیوں

نے پوری قوت اور اجتماع کے ساتھ شاہی فوج کا مقابلہ کیا تھا ۔ سب اس فیصلے پر ایک دل اور ایک زبان ہو کر صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہوگئے ۔ دکنیوں نے اپنے ملک کی سرحد تک ان کا تعاقب کیا ۔ اس مراجعت میں بھی دشمنوں کی فوج ہر روز شاہی فوج سے مقابل ہوکر برابر لڑتی رہی ۔ اور مقابلے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی ۔ [108] اس دن کئی تجربہ کار ، بہادر جوان کام آئے ۔

علی مراد خاں بہادر نے اس لڑائی میں دادِ شجاعت و مردانگی دی اور ایک کاری زخم کھا کر دشمن کے ہاتھ زندہ گرفتار ہو گیا ۔ اور اس اقدام سے اس نے اپنے ساتھیوں کو نمک حلالی اور جان نثاری کے سبق سکھائے ۔

ذوالفقار بیگ (۱۳) نے بھی اس لڑائی میں مردانہ جوہر دکھائے اور پاؤں میں ایک آتشیں تیر کھا کر دو دن کے بعد وفات پا گیا ۔

جب عبداللہ خاں اور اس کا لشکر راجا بھرجو (۱۴) کے علاقے میں داخل ہوا ، جو ہماری سلطنت کے بہی‌خواہ راجاؤں میں سے ہے ، تو دکنیوں کا لشکر لوٹ گیا اور عبداللہ خاں گجرات چلا گیا ۔

بات دراصل یہ ہے کہ اگر عبداللہ خاں تاخیر سے آگے بڑھتا اور اتنا توقف کرتا کہ برار سے آنے والا لشکر اس کے ساتھ آ ملتا تو سلطنت کے بہی خواہوں کے منشا کے مطابق تمام کام انجام پاتے ۔

ادھر جیسے ہی اس فوج کے سرداروں کو ، جو براز کی طرف سے دکن آ رہے تھے ، عبداللہ خاں کے لوٹنے کی خبر ملی تو انھوں نے وہاں ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا اور وہ لوٹ کر عادل آباد میں ، جو برہان پور کے قریب واقع ہے ، پرویز کے لشکر کے ساتھ جا ملے ۔

جب یہ خبر مجھے آگرے میں ملی تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں خود وہاں جا کر ان نمک حرام ملازموں کو ، جو آقا اور ولیِ نعمت بن بیٹھے ہیں ، جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکوں ، لیکن میرے امرا اور خیرخواہِ سلطنت اس پر بالکل راضی نہ ہوئے ۔

خواجہ ابوالحسن نے عرض کی کہ دکن کی مہمات کو جس طرح خانخانان (عبدالرحیم) نے سمجھا ہے ، دوسروں نے نہیں سمجھا ۔ مناسب یہ ہے کہ اسی کو وہاں بھیجا جائے تاکہ وہ اس فرسودہ مہم میں ضبط و نظم پیدا کرے ۔ امرا کے درمیان جو نفاق و اختلاف پیدا ہو گیا ہے ، مصالحِ وقت کو دیکھ کر

ان میں یک جہتی پیدا کرے اور تمام اُلجھے ہوئے معاملات کو آہستہ آہستہ سلجھا کر اس مہم کو اصل فیصلوں کے مطابق سرانجام دے ۔

دوسرے سلطنت کے بہی خواہ بھی اس بات میں خواجہ ابوالحسن کے ہم زبان ہو گئے ۔ سب کی رائے یہ قرار پائی کہ خانخاناں (عبدالرحیم) کو دکن بھیجا جائے اور خواجہ ابوالحسن بھی اُس کے ساتھ جائے ۔

خانخاناں کی مہم دکن پر روانگی :

اُس قرار داد کے مطابق دیوانیوں نے خانخاناں (عبدالرحیم) اور اس کے ساتھیوں کی روانگی کا تمام ساز و سامان مہیا کر دیا ۔

۱۷ اردی بہشت ۷ سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو خانخاناں رخصت ہوا ۔ شاہ نواز خان (۱۵) ، خواجہ ابوالحسن ، رزاق بردی اوزبک اور خانخاناں کے بعض دوسرے ساتھی بھی اُسی دن رخصت ہوئے ۔ خانخاناں کو میں نے منصب شش ہزاری ذات سے سرفراز کیا ۔

شاہ نواز خان کو میں نے سہ ہزاری ذات و سوار کے منصب پر فائز کیا اور داراب خان کے منصب میں پانصد ذات اور سیصد سوار کا اضافہ کیا ۔ اس طرح اس کا مجموعی منصب دو ہزاری ذات و ایک ہزار اور پانصد سوار ہو گیا ۔

اُس کے چھوٹے بیٹے رحمان داد (۱۶) کو بھی اُس کی حیثیت کے مطابق منصب عطا کیا ۔ خانخاناں (عبدالرحیم) کو روانگی کے وقت خلعتِ فاخرہ ، مرصّع خنجر ، خاص ہاتھی اور دوسرے ساز و سامان کے ساتھ عراقی گھوڑا عنایت کیا ۔ اسی طرح اُس کے بیٹوں اور اس کے ساتھیوں کو خلعت اور گھوڑے عنایت کیے ۔

اسی مہینے معزالملک اور اُس کے بیٹوں نے کابل سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

قلیچ خان کی التجا پر شیام سنگھ (۱۷) اور رائے منگت بھدریہ بھی ، جو بنگش افغانوں کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے تھے ، اضافۂ منصب سے سربلند کیے گئے ۔

میں نے شیام سنگھ کے منصب میں ، جو ہزار و پانصدی پر مشتمل تھا ، مزید پانسو کا اضافہ کیا ۔

رائے سنگت کو بھی زیادتی منصب سے مفتخر کیا ۔

آصف خاں کی وفات :

ایک عرصے سے آصف خاں (۱۸) کی بیماری کی خبریں پہنچ رہی تھیں ۔ بعض مرتبہ اس کا مرض دور ہو جاتا تھا لیکن پھر لوٹ آتا تھا ، یہاں تک کہ اس نے برہان پور میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ اس میں غیرمعمولی ذہانت اور قابلیت پائی جاتی تھی ۔ اس کی طبیعت میں انتہا درجے کی جولانی تھی ۔ شعر بھی کہتا تھا ۔ خسرو شیریں کے قصے کو نظم کرکے اس نے میرے نام کی مناسبت سے اس کا نام نور نامہ رکھا تھا ۔ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں وہ امارت و وزارت کے درجے پر پہنچ گیا تھا ۔ اگرچہ میری شاہ زادگی کے زمانے میں اس سے کئی مرتبہ ناشایستہ حرکات سرزد ہوئی تھیں ، جن کی وجہ سے اکثر لوگوں کو اور خسرو [109] کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ میں تخت نشینی کے بعد اس سے سخت برتاؤ کروں گا ، لیکن میں لوگوں کی اس دلی رائے کے خلاف اس کے ساتھ رعایت و مروت سے پیش آیا اور اس کو پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز کیا ۔ اور اس کے بعد جب کہ وہ مدتوں میرا مستقل وزیر رہا ، میں نے اس کے ساتھ رعایت و مروت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ۔

اس کی وفات کے بعد میں نے اس کے بیٹوں کو بھی منصب دے کر اپنی رعایتوں اور نوازشوں سے نوازا ۔ لیکن آخر میں ظاہر ہوا کہ اس کی نیت درست نہ تھی ، اور وہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیشہ مجھ سے خائف اور متوہم رہتا تھا ۔ میرے سفر کابل کے دوران میں جو قضیے اور شورشیں پیش آئیں ، کہا جاتا ہے کہ نہ صرف وہ ان سے باخبر اور واقف تھا بلکہ وہ ان بدبخت باغیوں کی ہمت افزائی کرتا تھا ۔ لیکن مجھے اس کا یقین نہیں آتا تھا کہ ان رعایتوں اور شفقتوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے ایسی بدسگالی اور بدبختی صادر ہوگی ۔

میرزا غازی ترخان کی وفات :

آصف خاں کی وفات کے چند دنوں کے بعد ۲۵ اردی بہشت ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) کو میرزا غازی کی وفات کی خبر پہنچی ۔ میرزا غازی ، ٹھٹے کے

حاکم زادوں میں سے ہے اور ذات کے اعتبار سے ترخانی ہے ۔ اُس کا باپ (میرزا جانی بیگ) میرے والد بزرگوار کے زمانے میں سلطنت کا خیرخواہ ہو گیا تھا اور خانخانان (عبدالرحیم) کے ساتھ آ کر، جو اُس کی ولایت میں اس کے زیر کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، **لاہور** کے قریب (اکبر کے حضور میں) شرف حضوری کی سعادت حاصل کی تھی، اور شاہانہ لطف و کرم کی بدولت اُس کی حکومت پھر اُس کو بخش دی گئی تھی ۔ مگر اُس نے خود دربار کی حاضری اختیار کر لی تھی، اور ٹھٹے کے حفاظت و انتظام کے لیے اپنے خاص آدمیوں کو مامور کیا تھا ۔ وہ آخر وقت تک دربار سے وابستہ رہا اور **برہان پور** میں وفات پائی ۔

اُس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے **میرزا غازی بیگ** نے، جو اُس وقت **ٹھٹے** میں تھا، **حضرت عرش آشیانی** (اکبر) کے فرمان کے مطابق اُس ملک کی حکومت سے سرفرازی حاصل کی ۔ **سعید خان** کو، جو اُس زمانے میں بکھر میں تھا، حکم ہوا کہ وہ **میرزا غازی** کو دلاسا دے کر دربار میں لائے ۔ **سعید خان** نے ایک شخص ٹھٹے بھیجا اور **میرزا غازی** کو سلطنت کی بہی خواہی کی تلقین کی اور آخر اُس کو آگرے لا کر میرے والد بزرگوار کی پابوسی کے شرف سے مشرف کیا ۔ **میرزا غازی** ابھی آگرے ہی میں تھا کہ **حضرت عرش آشیانی** نے وفات پائی اور میں تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ اُس زمانے میں جب کہ میں **خسرو** کا تعاقب کرتے ہوئے **لاہور** میں داخل ہوا، خبر ملی کہ **خراسان** کے سرحدی اُمرا نے لشکر جمع کرکے **قندھار** پر چڑھائی کر دی ہے اور **قندھار** کا حاکم **شاہ بیگ** محصور ہو کر کمک کا انتظار کر رہا ہے ۔ اس حالت میں میں نے **میرزا غازی** کی سرداری میں ایک لشکر روانہ کیا اور دوسرے اُمرا اور سرداروں کو بھی قندھاریوں کی مدد کے لیے متعین کیا ۔ جب یہ فوج **قندھار** کے قریب پہنچی تو خراسانی لشکر اس کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور پلٹ گیا ۔ **میرزا غازی قندھار** میں داخل ہوا اور تمام ملک اور قلعے کو **سردار خان** کے سپرد کر دیا جو وہاں کی حکومت پر مامور تھا ۔ اور **شاہ بیگ** اپنی جاگیر کی طرف چلا گیا ۔ اور **میرزا غازی بکھر** کے راستے **لاہور** کے ارادے سے روانہ ہوا ۔ **سردار خان** نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد **قندھار** میں وفات پائی ۔ اس طرح پھر اس علاقے کے لیے ایک حاکم کے تقرر کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ میں نے ٹھٹے کے ساتھ **قندھار** کو شامل کرکے ان دونوں علاقوں کی حکومت **میرزا غازی** کے سپرد کر دی ۔ چنانچہ اُس زمانے سے

لے کر اپنی وفات تک میرزا غازی وہاں حکومت و حفاظت کے فرائض انجام دیتا رہا ۔ وہاں کے باغیوں اور سرکشوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت پسندیدہ تھا ۔

میرزا غازی کی وفات کے بعد قندھار کی حکومت کے لیے کسی اور شخص کو مامور کرنا ضروری تھا ۔ میں نے ابوالنبی اوزبک کو ، جو ملتان اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا حاکم تھا ، اس خدمت پر مامور کیا اور اس کے منصب میں جو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار پر مشتمل تھا ، اضافہ کرکے سہ ہزاری ذات و سوار کر دیا ، اور بہادر خاں کے خطاب اور علم سے سربلند کیا ۔

دھلی کی حکومت اور اس کی حفاظت اور انتظام کے لیے مقرب خاں کو مقرر کیا ۔ روپ خواص کو ، جو میرے والد بزرگوار کے مقرب خدمت گاروں میں تھا خواص خاں [110] کے خطاب اور ہزاری ذات اور پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کرکے قنوج کی فوج داری پر مامور کیا ۔

چوں کہ میں نے خرّم سے اعتقاد خاں (۱۰۹) ولد اعتمادالدولہ کی لڑکی کی منگنی کی تھی اور اس کی شادی کی رسوم کا مسئلہ درمیان میں تھا ، اس لیے میں جمعرات ۱۸ ماہ خورداد ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو اس کے گھر گیا اور ایک دن اور ایک رات وہاں رہا ۔ اس نے کئی تحائف میری نظر سے گزرانے ۔ میں نے محل کی بیگمات ، اپنی ماؤں اور محل کی خادماؤں کو تورے[1] کا سامان دیا اور امرا کو سراپا عنایت کیے ۔ عبدالرزاق کو جو محلات کا بخشی تھا ، میں نے ولایت ٹھٹہ کے امور کی سربراھی کے لیے روانہ کیا تاکہ جب تک وہاں کسی قابل حاکم کا تقرر نہ ہو ، وہ وہاں کے لشکر اور رعیت کو تسلی اور دلاسا دے کر اس ولایت کے ضبط و نظم کو درست رکھے ۔ اس کے منصب میں اضافہ کیا اور اسے ہاتھی اور خاص شال عنایت کرکے رخصت کیا اور اس کی جگہ معزالملک کو بخشی مقرر کیا ۔

خواجہ جہاں نے ، جو لاھور کی عمارت بنوانے اور اس کی بنیاد ڈالنے کے لیے گیا تھا ، اسی ماہ کے آخر میں واپس آکر شرف حضوری حاصل کیا ۔

۱- تورے یا تورہ بندی کی رسم : یہ رسم شادی سے دس دن پہلے ادا ہوتی ہے ، جس میں رنگ برنگ کے کھانے پکا کر تقسیم کیے جاتے ہیں ۔ تورہ بائیس خوانوں سے زیادہ اور دو خوانوں سے کم نہیں ہوتا ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے بزم آخر ، ص ۲۸ ، مصنفہ منشی فیض الدین مرحوم) ۔

میرزا عیسیٰ ترخان کی آمد :

میرزا عیسیٰ ترخان (۲۰) جو میرزا غازی کے رشتے داروں میں تھا اور دکن کے لشکر میں متعین تھا، میں نے اُسے ٹھٹھ بھیجنے کے خیال سے طلب کیا تھا۔ اُس نے اسی تاریخ میں میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ چوں کہ وہ مہربانیوں اور نوازشوں کے قابل تھا، اس لیے میں نے اُسے ہزاری ذات اور پانصد سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔

فصد :

خون کی زیادتی کی وجہ سے میرے مزاج میں حدّت پیدا ہو گئی تھی، اس لیے اطبّا کے مشورے سے میں نے ماہ مذکور میں بدھ کے دن بائیں ہاتھ سے تقریباً ایک سیر خون نکلوایا۔ چوں کہ فصد لینے کی وجہ سے طبیعت میں لطافت اور جسم میں ہلکا پن محسوس ہوا، تو مجھے خیال ہوا کہ اگر فصد کے لیے محاورے میں ''خون کشیدن'' کی بجائے ''سبک شدن'' رائج کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اب تک فصد لینے کو ''خون کشیدن'' ہی کہا جاتا ہے۔ مقرب خاں کو جس نے میری فصد کھولی تھی، میں نے ایک مرصّع خنجر عنایت کیا۔

کشن داس (۲۱) داروغۂ فیل خانہ و اصطبل، جو حضرت عرش آشیانی کے زمانے سے آج تک ان دونوں خدمتوں پر مامور ہے، اور ایک مدت سے وہ راجا کے خطاب اور ہزاری منصب کا آرزومند ہے، اس لیے اس کو منصب ہزاری سے مسرور کیا۔ اس سے پہلے وہ خطاب سے سرفراز ہوا تھا۔

■ تیر ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو میرزا رستم (۲۲) ولد سلطان حسین میرزا صفوی جو دکن کے لشکر میں متعین تھا، میں نے اُسے اُس کی التجا پر دکن سے طلب کیا تھا۔ ہفتے کے دن ۹ ماہ تیر کو وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ آیا اور میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور ایک لعل اور چھیالیس موتی پیش کیے۔

تاج خاں حاکم بکھر کے منصب میں، جو اس سلطنت کے قدیم امرا میں سے ہے، میں نے پانصد ذات اور سوار کا اضافہ کیا۔

شجاعت خان کی بنگال میں وفات :

شجاعت خاں کی وفات کا واقعہ بھی عجیب و غریب واقعات میں سے ہے . ان قابل قدر خدمات انجام دینے کے بعد (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) اسلام خان نے اسے اوڑیسہ کی حکومت پر بھیجا تھا . راستے میں ایک رات وہ ایک ہتھنی کے چوکھنڈے پر سوار اپنے ایک کم عمر خواجہ‌سرا کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے نکلا . جب وہ اپنے لشکر سے آگے نکلنے لگا تو ایک مست ہاتھی ، جو راستے میں پا بہ زنجیر رکھا گیا تھا ، گھوڑوں کے سموں کی آواز اور سواروں کی نقل و حرکت سے جوش میں آ گیا اور اپنی زنجیروں کو توڑ دینا چاہا ۔ اس ہاتھی کی مستی اور شورش کی وجہ سے لوگوں کا شور و غوغا بلند ہوا . جب اس شور و غوغا کی آواز خواجہ سرا نے سنی تو اس نے گھبرا کر شجاعت خاں کو ، جو اس وقت نیند یا شراب کے نشے میں مدھوش تھا ، بیدار کرتے ہوے کہا کہ مست ہاتھی کھل گیا ہے اور اس طرف حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے . شجاعت خاں یہ سنتے ہی ہڑبڑا کر چوکھنڈی سے نیچے گر گیا . گرتے ہی اس کے پاؤں کی ایک انگلی ایک پتھر سے ٹکرا کر چر گئی . اس انگلی کے زخم کی وجہ سے اس نے دو تین روز میں وفات پائی . مختصر یہ کہ اس واقعے کو سن کر مجھے بہت حیرت ہوئی . [111] واقعی ایسے جوان مرد کا محض شور و غوغا کی آواز سن کر یا ایک کم سن خواجہ سرا کی بات سن کر اس قدر گھبرا جانا اور ہاتھی سے نیچے گر جانا بجائے خود حیرت انگیز ہے .

مجھے اس واقعے کی خبر ۱۹ ماہ تیر ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو ملی . میں نے اس کے بیٹوں کی اپنی عنایتوں اور منصبوں سے دل جوئی کی . اگر یہ واقعہ شجاعت خاں کو پیش نہ آتا تو وہ میری عنایتوں اور شفقتوں سے سرفرازی حاصل کرتا . لیکن :

با قضا بر نمی توان آمد

اسلام خاں نے بنگال سے ایک سو ساٹھ ہاتھی اور ہتھنیاں بھیجی تھیں . وہ اسی دن میری نظر سے گزرے اور شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے .

کماؤن کے راجا ٹیک چند نے رخصت کی استدعا کی . چوں کہ عرش آشیانی کے زمانے میں اس کے باپ کو ایک سو راس گھوڑے مرحمت ہوئے ، میں نے

اُسی دستور کے مطابق اس کو سو گھوڑے عنایت کیے ۔ اس کے علاوہ ایک ہاتھی عطا کیا اور جب تک وہ یہاں رہا ، اُسے خلعت عنایت کرتا رہا اور اُسے ایک مرصع خنجر بھی عنایت کیا ۔ اُس کے بھائیوں کو بھی خلعت اور گھوڑے عنایت کیے اور اُس کی ولایت کو میں نے بدستور سابق اسی کو بخش دیا ۔ وہ خوش و خرم با مراد اور کامیاب ہو کر اپنے مقام پر لوٹ گیا ۔

امیرالامرا کا ایک شعر :

ایک تقریب میں امیرالامرا کا یہ شعر میرے سامنے پڑھا گیا :

بگزر مسیح از سر ما کشتگانِ عشق
یک زنده کردن تو بصد خون برابر است

چوں کہ میری طبیعت موزوں ہے ؛ کبھی آورد سے اور کبھی بے ساختہ مصرع ، رباعی یا شعر موزوں کر لیتا ہوں ، اُس وقت بے اختیار یہ شعر میری زبان پر آ گیا :

از من متاب رخ که نیم بی تو یک نفس
یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

جب یہ شعر (دربار میں) پڑھا گیا تو حاضرین میں سے بعضوں نے ، جن کی طبیعت موزوں تھی ، اس زمین میں شعر کہہ کر پیش کیے ۔ ملا علی احمد مُہرکن نے جس کے حالات اس سے پہلے گزر چکے ہیں ، اُس نے یہ شعر کہا اور اچھا کہا :

ای محتسب ! ز گریهٔ پیر مغان مترس
یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

ابو الفتح دکنی نے ، جو عادل خان کے معتبر اُمرا میں تھا ، ۱۰ امرداد ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل کیا اور عنایتوں اور نوازشوں سے فیض یاب ہوا ۔ یہ آج سے دو سال قبل خلوص اور وفاداری کے ساتھ امرائے سلطنت میں شامل ہو گیا تھا ۔ میں نے اُسے خاص تلوار اور خلعت سے سر فراز کیا ۔ چند روز کے بعد میں نے اُسے خاص گھوڑا بھی عنایت کیا ۔

خواجگی محمد حسین ، جو اپنے بھتیجے کا قائم مقام ہو کر کشمیر گیا تھا ، وہاں کے معاملات سے مطمئن ہو کر اُن ہی ایام میں حاضر خدمت ہوا ۔

چوں کہ پٹنے کی حکومت اور وہاں کی سرداری تقرر طلب تھی ، مجھے خیال

ہوا کہ وہاں کی حکومت پر مرزا رستم کو بھیجوں ۔ اس کا منصب ، جو پنج ہزاری ذات اور ہزار و پانصد سوار تھا ، میں نے پنج ہزاری ذات و سوار کرکے بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) مطابق ۲ شہر یور کو پٹنے کی حکومت اس کے سپرد کی اور خاص ہاتھی ، گھوڑا مع مرصع زین ، جڑاؤ تلوار اور فاخرہ خلعت دے کر رخصت کیا ۔ اس کے بیٹے اور بھائی اور مظفر حسین خاں مرزائی (۲۳) کے بیٹے (۲۴) اضافۂ منصب ، ہاتھی اور گھوڑے اور خلعت سے سرفراز ہوئے اور مرزا رستم کے ساتھ رخصت ہوئے ۔

رائے دلیپ کو میں نے مرزا رستم کی مدد کے لیے متعین کیا ۔ چوں کہ اس کا علاقہ اور مقام پٹنے کے قریب ہے ، مجھے امید ہے کہ وہ مرزا رستم کی خدمت میں ایک اچھی فوج حاضر کرے گا ۔ میں نے اس کے منصب میں پانصدی ذات اور سوار کا [112] اضافہ کرکے دو ہزاری ذات و سوار کر دیا اور اسے ہاتھی بھی عنایت کیا ۔

ابو الفتح دکنی نے ناگپور اور اس کے نواح میں جاگیر پائی تھی ۔ اسے رخصت کر دیا تا کہ وہ وہاں قیام کرکے اپنے علاقے کی دیکھ بھال اور اس ملک کی حفاظت و نگرانی کرے ۔

خسروبے اوزبک کو سرکار میوات کا فوج دار مقرر کیا گیا ۔ اس کا منصب ہشت صدی ذات و سیصد سوار تھا ۔ اسے ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب پر ترقی دے کر ایک گھوڑا بھی عنایت کیا ۔

یعقوب خاں کی قدیم خدمات پر نظر کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اس کی دلی آرزو بھی پوری کرنی چاہیے ۔ میں نے اس کا منصب بھی بڑھا دیا تھا اور اس نے جاگیریں بھی خوب پائی تھیں ۔ اسے اب صرف علم اور نقارے کی تمنا تھی ۔ میں نے اس کو یہ دونوں چیزیں عنایت کرکے سربلند اور بامراد کر دیا ۔

خواجہ بیگ ، میرزا صفوی کا منہ بولا بیٹا صالح بہت تجربہ کار اور جنگ آزمودہ جوان ہے ۔ میں نے اسے خنجر خاں کا خطاب دے کر اور زیادہ مستعد بنا دیا ۔

وزن شمسی :

۲۲ شہریور مطابق ۱۷ رجب ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۱ء) کو مریم زمانی کے گھر میں وزن شمسی کی مجلس منعقد ہوئی ۔ اس دستور کے مطابق اپنے آپ کو وزن

کرنا ایک پسندیدہ طریقہ ہے ۔ حضرت عرش آشیانی ، جو مظہر لطف و کرم تھے ، اس پسندیدہ دستور کے مطابق ہر سال دو مرتبہ اپنے آپ کو مختلف دھاتوں ، سونے ، چاندی اور دیگر اقسام کی نفیس چیزوں سے وزن کراتے تھے ۔ ایک مرتبہ شمسی سال کے آغاز میں اور دوسری مرتبہ قمری سال کے شروع میں ۔ دونوں مرتبہ وزن شدہ اشیا کی قیمت تقریباً ایک لاکھ روپے ہوتی تھی ، اور یہ رقم فقرا اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی ۔ میں بھی ان کے اس پسندیدہ طریقے کا لحاظ رکھتا ہوں اور اسی دستور کے مطابق اپنے آپ کو وزن کر کے ان اجناس کو فقیروں میں تقسیم کر دیتا ہوں ۔

جب معتقد خان (۲۵) دیوان بنگال اپنی خدمت سے ہٹا دیا گیا تو وہ عثمان خان کے بیٹوں ، بھائیوں اور بعض خدمت گاروں کے ساتھ ، جنھیں اسلام خان نے اس کے ہمراہ میری خدمت میں بھیجا تھا ، حاضر ہوا اور شرف آستان بوسی کے بعد اس نے ان لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا ۔ میں نے ان کے حالات پوچھنے کے بعد ، ہر ایک افغان کے مرتبے کے مطابق ان کی نگرانی کے لیے فرداً فرداً اپنے شاہی ملازم مقرر کر دیے ۔ معتقد خان نے اپنے تحائف میں پچیس ہاتھی ، دو لعل ، ایک مرصع پھول کٹارہ ، اور چند معتبر خواجہ سرا ، اور بنگال کے بہترین کپڑے پیش کیے ۔

میر میران ولد سلطان خواجہ (۲۶) نے ، جو دکن کے لشکر میں متعین تھا ، میری طلبی پر حاضر ہو کر آستان بوسی کی عزت حاصل کی اور ایک لعل پیش کیا ۔ چوں کہ قلیچ خان اور اس صوبے کے امرا کے درمیان ، جو اس کے ساتھ متعین تھے ، خصوصاً خان دوران (۲۷) میں مناقشہ اور سخت گفتگو ہو گئی تھی ، میں نے اس کی تحقیقات کے لیے کہ زیادتی کس جانب سے ہوئی ، خواجہ جہاں کو بھیجا ۔ قلیچ خان مہم بنگش کا افسر تھا جو کابل کی سرحد ہے ۔

۱۱ ماہ مہر ، ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) کو معتقد خان نے بخشیگری کے اعلیٰ عہدے پر سرفرازی حاصل کی ، اور اس کا منصب ہزاری ذات اور سیصد سوار مقرر ہوا ۔

مقرب خان کے منصب میں بھی تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ۔ پہلے اس کا منصب دو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار و پانصد سوار تھا ۔ اس میں پانصدی کا اور اضافہ ہوا ۔ اس طرح اس کا منصب سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار ہو گیا ۔

خانخاناں (عبدالرحیم) کی التجا پر فریدوں خان برلاس کو دو ہزار و پانصدی ذات اور دو ہزار سوار کے اصل و اضافے سے سرفراز کیا۔

رائے منوہر ہزاری ذات اور ہشت صد سوار کے منصب پر فائز ہوا۔

راجا نرسنگھ دیو چہار ہزاری ذات اور دو ہزار دو سو سوار کے منصب سے سرفراز ہوا۔

رام چند بندیلہ کے پوتے بھارت (۲۸) کو رام چند کی وفات کے بعد میں نے راجا کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ظفر خان میری طلبی پر ۲۸ آبان ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو صوبۂ گجرات سے آیا اور شرف حضوری حاصل کرکے ایک لعل اور تین موتی تحفۃً پیش کیے۔ [113]

امیرالامرا شریف خاں کی وفات:

۶ آذر مطابق ۳ شوال ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو برہان پور سے خبر آئی کہ امیرالامرا نے اتوار کے دن ۲۷ آبان کو پرگنۂ نہال پور میں وفات پائی۔ اس بیماری کی وجہ سے جس میں وہ لاہور میں مبتلا ہوا تھا، اس کے ہوش و شعور میں بہت نقص پیدا ہو گیا تھا اور اس کے حافظے کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ بہت مخاص آدمی تھا۔ افسوس ہے کہ اس نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا، جسے نوازشوں اور عنایتوں سے نوازا جاتا۔

۲۰ ماہ آذر ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو چین قلیچ خاں، پشاور سے، جہاں اس کا باپ تھا، یہاں آیا اور شرف حضوری حاصل کیا اور ایک سو مُہریں (اشرفیاں) اور ایک سو روپے نذر پیش کیے۔ اس کے علاوہ گھوڑے، نفیس کپڑے اور دوسری نفیس چیزیں، جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا، میرے ملاحظے سے گزرانیں۔

ظفر خان (۲۹) کو، جو میرے معتبر خانہ زادوں اور رضاعی بھائیوں میں سے تھے، نوازشوں کے ساتھ صوبہ داری بہار سے سرفراز کیا۔ اس کے منصب میں پانچ صدی ذات و سوار کا اضافہ کر کے اسے سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر فائز کیا، اور اس کے بھائی بھی خلعت اور گھوڑوں سے سرفراز ہو کر اس صوبے کو رخصت ہوئے۔ اس کی ہمیشہ سے یہ تمنا تھی کہ اسے تنہا کسی ذمے دارانہ خدمت پر مقرر کیا جائے، تاکہ وہ اپنے جوہر دکھا سکے۔

میں بھی یہ چاہتا تھا کہ اس کو آزماؤں ۔ میں نے اس خدمت کو اس کے لیے کسوٹی قرار دیا ہے ۔

چونکہ یہ سیر و شکار کا زمانہ تھا ، اس لیے منگل کے دن ۲ ذیقعدہ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) مطابق ۴ ماہ دے کو میں دارالخلافہ آگرہ سے شکار کے ارادے سے نکلا اور باغ دھرہ میں قیام کیا ۔ چار روز تک میرا اس باغ میں قیام رہا ۔

سلیمہ سلطان بیگم کی وفات :

ماہ ذیقعدہ کے دسویں دن سلیمہ سلطان بیگم کی وفات کی خبر ملی جو شہر (آگرے) میں بیمار تھیں ۔ ان کی والدہ گل رخ بیگم (۳۰) حضرت فردوس مکانی (بابر) کی بیٹی تھیں ۔ ان کے باپ میرزا نور الدین محمد ، خواجہ نقشبند کی اولاد میں سے تھے ۔ مرحومہ بہترین صفات سے آراستہ تھیں ۔ عورتوں میں اس قدر ہنر اور اوصاف کم جمع ہوتے ہیں ۔ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) نے اپنی اس بھانجی کو کمال شفقت و مہربانی سے بیرام خان سے منسوب کیا تھا ۔ حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کی وفات کے بعد حضرت عرش آشانی (اکبر) کے ابتدائی عہد سلطنت میں ان کی شادی بیرام خان سے ہوئی تھی ۔ بیرام خان کے مارے جانے کے بعد میرے والد بزرگوار نے ان سے عقد کر لیا تھا ۔ مرحومہ ساٹھ سال کی عمر میں رحمت خداوندی سے جا ملیں ۔

اسی روز باغ دھرہ سے کوچ کرتے ہوئے میں نے اعتماد الدولہ کو ان کی تجہیز و تکفین کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ باغ منداکر میں جو بیگم نے خود بنوایا تھا ، ان کو دفن کیا جائے ۔

۷ ماہ دے ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو میرزا علی بیگ اکبر شاہی ، جو دکن کے لشکر میں متعین تھا ، حاضر خدمت ہوا ۔

خواجہ جہاں ، جو صوبہ کابل گیا ہوا تھا ، ۱۲ ماہ دے کو واپس آیا اور حاضری کی سعادت حاصل کی ۔ اس کے آنے جانے میں تین مہینے اور گیارہ دن صرف ہوئے ۔ اس نے بارہ مہریں اور روپے نذر گزرانے ۔

ان ہی دنوں میں راجا رام داس ، دکن کی فاتح فوج سے واپس آیا اور حاضری کی سعادت حاصل کی اور ایک سو ایک مہریں نذر گزرانیں ۔

دکن کے لشکر کے لیے موسم سرما کے خلعت :

چونکہ دکن کے متعینہ لشکر کے لیے ابھی تک سرما کے خلعت نہیں بھجوائے گئے تھے اس لیے حیات خاں (۳۱) کے ہاتھ روانہ کیے۔

چونکہ بندر سورت، قلیج خاں کی جاگیر میں دیا گیا تھا، اس لیے اس نے سورت کی حفاظت و انتظام کی خاطر جانے کی اجازت طلب کی۔ وہ ۲۷ دئے ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو خلعت خاں کے خطاب اور علم کی سرفرازی کے ساتھ رخصت ہوا۔

کابل کے امرا کو سمجھانے اور اس نااتفاق کو دور کرنے کے لیے، جو ان کے اور قلیج خاں کے درمیان پیدا ہو گئی تھی، میں نے راجا رام داس کو بھیجا۔ اور گھوڑا و خلعت اور تیس ہزار روپے مدد خرچ [114] کے لیے اس کو عنایت کیے۔

۶ بہمن ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو، جب کہ پرگنۂ باڑی میں میرا قیام تھا، خواجگی محمد حسین کے مرنے کی خبر ملی۔ یہ اس سلطنت کے قدیم خدمت گزاروں میں تھا۔ اس کے بڑے بھائی محمد قاسم خاں (۳۲) نے میرے والد بزرگوار کی حکومت کے زمانے میں خاطر خواہ مراعات حاصل کی تھیں اور خواجگی محمد حسین بھی بکاول بیگی (باورچی خانے کا داروغہ) اور اس جیسی دوسری خدمات پر کہ جن میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا، سرفراز ہوا تھا۔ خواجگی محمد حسین نے اپنے بعد کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ ایک کوسہ چھوڑا ہے جس کے منہ پر ڈاڑھی مونچھ کا ایک بال بھی نہیں نکلا۔ بات کرنے میں بہت چیختا ہے اور خواجہ سراؤں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے شاہ نواز خاں نے، جسے خانخانان (عبدالرحیم) نے بعض معروضات کے عرض کرنے کے لیے برہان پور سے میرے پاس بھیجا تھا، ۱۵ بہمن ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) کو پرگنۂ باڑی میں حاضر ہو کر میری خدمت میں ایک سو مہریں اور ایک سو روپے نذر پیش کیے۔

چوں کہ دکن کے معاملات میں عبد اللہ خاں کی جلد بازی اور امرا کے باہمی نفاق کی وجہ سے خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں ہوئے تھے، دکنیوں نے موقع پا کر وہاں کے امرا اور سلطنت کے بہی خواہوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ اور عادل خاں نے اس سلطنت کی خیر خواہی کے اظہار میں عرض کیا کہ اگر دکن کی مہم اس کے سپرد کر دی جائے تو بعض وہ مقامات جو سرداران لشکر کے

ہاتھوں سے نکل چکے ہیں، پھر قبضے میں آ جائیں گے۔ سلطنت کے بہی خواہوں نے مصلحت وقت پر نظر کرتے ہوئے اس کی درخواست ایک معروضے کی شکل میں بھیجی۔ ایک مصلحت سے یہ تجویز قبول کر لی گئی۔ خانخانان (عبدالرحیم) نے وہاں کے امور کو تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔

میں نے خان اعظم کو، جو ہمیشہ سے ذلیل رانا کا قلع قمع دل سے چاہتا تھا اور اس خدمت کو اپنے لیے باعث ثواب سمجھتا تھا اور اس کے لیے التجا کرتا رہتا تھا، میں نے اسے حکم دیا کہ وہ مالوے جاکر، جو اس کی جاگیر میں دیا گیا ہے، وہاں کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد رانا کی مہم پر روانہ ہو جائے۔

اور ابوالنبی اوزبک کے منصب میں ہزاری ذات و پانصد سوار کا مزید اضافہ کیا گیا، اور اس طرح اس کا منصب چار ہزاری ذات و پانصد سوار کر دیا گیا۔

شکار کی مدت:

شکار کی مدت دو ماہ اور بیس روز تک جاری رہی۔ میں ان تمام دنوں میں شکار میں مصروف رہا۔ چوں کہ نوروز عالم افروز میں صرف پانچ چھ روز سے زیادہ نہ تھے اس لیے بخیریت (آگرے) واپس لوٹ گیا۔

آگرے کو واپسی:

۳ اسفندار ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) کو باغ دہرہ میں نزول اجلال ہوا۔ مصاحب اور منصب داران پیشی نے، جو میرے حکم سے شہر (آگرے) میں رہ گئے تھے، اس روز حاضر ہوکر شرف حضوری حاصل کیا۔

مقرب خان نے ایک مرصع صراحی، ایک فرنگی ٹوپی اور ہیرے و جواہر کی بنی ہوئی ایک چڑیا نذر کے طور پر پیش کی۔ تین روز تک اس باغ میں قیام رہا۔

۲۷ اسفندار ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) کو میں شہر (آگرے) میں داخل ہوا۔

شکار کی تعداد:

اس مدت میں میں نے دو سو چھتیس ہرن وغیرہ، پچانوے نیل گائیں، دو سور، اور چھتیس کاروانک (بگلے) وغیرہ اور ایک ہزار چار سو ستاون مچھلیاں شکار کیں۔

حواشی جشن هفتم

(۱) خسرو بے اوزبک قرنچی : توران کے ایک معزز و صاحب ثروت خاندان سے تھا . جب یہ ہندوستان آیا تو جہانگیر نے اس کی حیثیت کے مطابق منصب سے نوازا . اپنی تجربہ کاری اور صلاحیتوں کی بنا پر نارنول کا فوجدار مقرر کیا گیا . جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال مہم رانا پر بھی متعین کیا گیا . جب کوہستان رانا ، شاہی تھانہ بندی میں داخل ہوا تو وہ وہاں کا تھانیدار مقرر ہوا . خسرو بے نے وہیں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۶۷۳ - ۶۷۴) .

(۲) افتخار خاں ترکمان : یہ جہانگیر کے عہد میں بنگال کی مہم پر بطور مددگار کے بھیجا گیا . اس نے عثمان خاں کے مقابلے میں نہایت شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور اسی معرکے میں مارا گیا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۸۲ - ۱۸۳) .

(۳) میر قاسم : ولد میر مراد دکنی - اگرچہ یہ دکنی کے لقب سے مشہور تھا لیکن عراق کے سادات سے تھا . جہانگیر کے عہد میں اس نے نواب لقمان الدولہ کی بیٹی کی خواستگاری کی . یہ لاہور ، پنجاب ، اکبر آباد اور بنگال کا بھی صوبیدار رہا . شروع میں اسلام خاں فتح پوری اسی کی تربیت میں تھا (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۸) .

(۴) دلیپ سنگھ : ولد رائے رائے سنگھ بیکانیری . اکبر کے عہد میں منصب پانصدی پر سرفراز تھا . سنہ ۳۹ جلوس اکبری میں خانخاناں کی کمک کے لیے مہم ٹھٹھہ پر متعین ہوا . جہانگیر کے عہد میں جب جہانگیر ، خسرو کے تعاقب میں روانہ ہوا تو اس نے اس کے باپ کو اکبر آباد میں چھوڑ کر حکم دیا کہ جب میں بیگمات کو طلب کروں تو تم ان کے ہمراہ آنا . جہانگیر نے جب بیگمات کو طلب کیا تو یہ ان کے ساتھ متھرا تک آیا . متھرا میں کچھ افواہیں سن کر یہ اپنے بیٹے دلیپ کے ساتھ بیکانیر چلا گیا . جہانگیر نے ان دونوں کی تنبیہ کے لیے فوجیں مقرر کیں . دلیپ

بیکانیر سے فرار ہو گیا ۔ شیخ عبدالرحمان اور زاہد خان نے اس کا تعاقب کیا اور ناگور کے قریب آسے جا گھیرا ۔ دلیپ ان سے جم کر خوب لڑا مگر شکست کھائی ۔ ۳ جلوس جہانگیری میں خانخانان کی سفارش پر اس کی خطا معاف ہوئی اور منصب بحال ہو کر صوبۂ دکن میں مامور ہوا ۔ پھر آسے جہانگیر نے میرزا رستم صفوی کے ساتھ اس کی کمک کے لیے ٹھٹہ جانے کا حکم دیا ۔ یہ راستے ہی میں سے بیکانیر چل دیا ۔ جہانگیر نے اس کے بھائی سورج سنگھ کو اس کی سرکوبی کے لیے متعین کیا جس نے اُسے شکست دے کر بیکانیر سے بھگا دیا ۔ راستے میں ہاشم خان خوستی فوجدار شاہی نے اسے گرفتار کر کے جہانگیر کے حضور میں بھجوا دیا ۔ چونکہ یہ کئی دفعہ بغاوت کر چکا تھا ، جہانگیر نے آسے قتل کرا دیا ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۹۳ - ۱۹۴) ۔

(۵) رائے رائے سنگھ : (رک : حواشی تخت نشینی ، حاشیہ نمبر ۸۸) ۔

(۶) سورج سنگھ : ولد رائے رائے سنگھ ۔ معروف بہ راؤ سور بھورتیہ ۔ یہ رائے رائے سنگھ کا چھوٹا بیٹا تھا ۔ جہانگیر کے آخری عہد تک سورج سنگھ نے منصب ہزاری ذات اور دو ہزار سوار تک ترقی کی ۔ اس نے شاہجہان کے جلوس کے چوتھے سال ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۵۶) ۔

(۷) راجا ٹوڈرمل : (مخاطب بہ موتمن الدولہ ، عمدۃ الملک) ذات کا ٹنن ، گوت کا کھتری تھا ۔ اس کا وطن بعض لاہور ، بعض چونیاں ضلع لاہور اور بعض لاہر پور علاقۂ اودھ بتاتے ہیں ۔ ۹۷۱ھ میں خواجہ مظفر خان کی دیوانی کے عہد میں ابتداءً عام متصدیوں کے زمرے میں شامل ہوا ۔ اور اپنی صلاحیتوں اور قابلیت سے ترقی کرتے کرتے اکبر کا منظور نظر بن گیا ۔ اکبری دور میں اس کے کارنامے نمایاں اور مشہور ہیں ۔ ۹۹۷ھ میں جب اکبر کشمیر گیا تو اس نے راجا ٹوڈرمل کو لاہور چھوڑ دیا ۔ یہیں وہ بیمار ہوا اور وفات پائی ۔ ماثرالامرا میں اس کا سنہ وفات ۹۹۸ھ درج ہے ۔ صاحب تصانیف تھا ۔ اس کی تصانیف میں رسالۂ حساب اور کتاب خازن اسرار بیان کی جاتی ہے ۔ (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۲۲ - ۱۳۸ و ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۲۳ - ۱۲۹) ۔

(۸) راجا ٹوڈر مل کا بیٹا : راجا کلیان (رک : حواشی جشن ششم ، حاشیہ نمبر ۱)

(۹) عبداللہ خاں بارھہ : اس سے مراد عبداللہ خاں فیروز جنگ ہے (رک : حواشی جشن چہارم ، حاشیہ نمبر ۲)

(۱۰) علی مردان بہادر : یہ اکبر کے امرا میں سے تھا . ابتداءً خانخاناں کے ساتھ مہم ٹھٹھ پر متعین ہوا . جہانگیر کے جلوس کے ساتویں سال عبداللہ خاں فیروز جنگ کے ساتھ مہم دکن پر مامور ہوا — ۱۰۲۱ھ میں بہادرانہ لڑتا ہوا زخمی ہوا اور اسی میں وفات پائی . (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۷۷۳ - ۷۷۴) .

(۱۱) رام داس : اس سے مراد راجا رام داس کچھواھہ ولد اردت ہے . (رک : حواشی تخت نشینی ، حاشیہ نمبر ۳۸ و ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۵۵-۱۵۶) .

(۱۲) عنبر : ملک عنبر ، حبش میں پیدا ہوا اور حجاز میں پرورش پائی . لیکن ایک غلام کی حیثیت میں احمد نگر آیا اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر چاند بی بی سلطانہ کا وزیر اور سربراہ ہو گیا . چاند بی بی کی وفات کے بعد اس نے نظام شاہی سلطنت کو ، جو مغلوں کے حملے سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی ، از سر نو زندہ کر دیا . اس نے ملک کے نظم و نسق کو از سر نو درست کیا . تازہ دم فوجیں تیار کیں اور جہانگیر کے عہد میں مغل افواج کو پے در پے شکستیں دیں اور کھوئے ہوئے بہت سے علاقے واپس لے لیے . جب تک وہ زندہ رہا ، نظام شاہی سلطنت پر آنچ نہ آنے دی . دکن میں شہر اورنگ آباد ملک عنبر کا ہی آباد کیا ہوا ہے . اس شہر کا پرانا نام کھڑکی تھا . ملک عنبر نے ۱۶۲۶ع میں وفات پائی .

(۱۳) ذوالفقار بیگ : عراق کے نامور خاندان کا فرد تھا . جہانگیر کے زمانے میں اس نے غیر معمولی ترقی کی . صادق خاں بخشی کی لڑکی اس سے بیاہی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے منصب اور اعزاز میں اور بھی اضافہ ہوا . یہ عبداللہ فیروز جنگ کے ساتھ مہم دکن پر متعین تھا جہاں اس نے شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھائے اور اسی لڑائی میں مارا گیا . (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۲۱۱ ، مملوکہ سید حسام الدین راشدی) .

(۱۴) راجا بھرجو : دکن اور گجرات کے درمیان بگلانہ کی زمینداری چودہ سو برس سے بھرجی کے خاندان میں چلی آتی تھی . یہ لوگ اپنے آپ کو

راجا جے چند راٹھور والی قنوج کی نسل میں شمار کرتے تھے . ان میں سے جو گدی نشین ہوتا وہ بھرجی کے خطاب سے ممتاز ہوتا . (رک : امرائے ہنود ، ص ۱۰۱) .

(۱۵) شاہ نواز خان : متوفی ۱۰۲۸ھ (رک : ایرج - حواشی جشن پنجم ، حاشیہ نمبر ۲۱ - و ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۴۵ - ۶۴۷) .

(۱۶) رحمٰن داد : ولد خانخانان عبدالرحیم . یہ خانخانان کا چھوٹا بیٹا تھا . اس کی ماں سندھی اور سوڈھہ قوم سے تھی ، اور عمرکوٹ ضلع تھرپارکر (سندھ) کی رہنے والی تھی . خانخانان اس بیٹے سے بہت محبت رکھتا تھا . خانخانان کے دوسرے بیٹے میرزا ایرج نے شاہ نواز خان کی وفات کے کچھ دن بعد ہی سھکر میں وفات پائی . شاہ عیسیٰ جند اللہ سندھی برھانپوری (۹۹۲ھ - ۱۰۳۱ھ) نے ، جو اس دور کے اکابر صوفیا میں تھے ، اہل محل کی خواہش پر خانخانان کے محل میں تشریف لا کر اظہار تعزیت کیا اور اہل محل کو تسلی و تشفی دی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۷۱۱) .

(۱۷) شیام سنگھ : اکبری عہد کا منصب دار تھا . جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد ہزار و پانصدی ذات ، ہزار دو بست سوار کے منصب سے سرفراز ہو کر مہم بنگش پر متعین ہوا اور نہایت عقیدت و اخلاص سے خدمت بجا لایا . اس نے بمقام بنگش وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۸۳) .

(۱۸) آصف خان جعفر : متوفی ۷ جلوس جہانگیری (۱۰۲۱ھ) - تاریخ وفات : ''صد حیف ز آصف خان'' (رک : بلاخ مین ، ترجمہ آئین اکبری ، ج ۱ : ص ۴۱۱ ، و منتخب التواریخ ، ج ۲ و ۳ ، ترجمہ بیورج ، و ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۰۷ - ۱۱۵ و ذخیرۃالخوانین ، مطبوعہ) .

(۱۹) اعتقاد خان (میرزا شاپور) ولد اعتماد الدولہ . آصف خان کا بھائی تھا ، ۱۷ جلوس جہانگیری میں صوبیدار کشمیر مقرر ہوا اور ایک طویل عرصے تک کشمیر کا صوبیدار رہا . شاہجہانی جلوس کے پانچویں سال اس خدمت سے معزول ہوا اور اسی سال ماہ شعبان میں لشکر خان کے تبادلے کی وجہ سے دہلی کا صوبیدار مقرر ہوا . آخر میں جب کہ بنگال کا نظم و نسق اس کے سپرد تھا ، فرمان جاری ہوا کہ وہ بنگال کی صوبیداری کا جائزہ دے کر

صوبہ اودھ کے نظم و نسق کو سنبھال لے۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گیا اور صوبہ اودھ کے دارالسلطنت میں پہنچ کر اس نے ۱۰۶۰ھ میں وفات پائی۔
(ر ک: ماثرالامرا، ج ۱: ص ۱۸۰ - ۱۸۲ و ذخیرۃالخوانین قلمی، ص ۲۸۵-۲۸۶)۔

(۲۰) **میرزا عیسیٰ ترخان (ثانی)**: بن میرزا جان بابا اول بن میرزا عیسیٰ اول بن میرزا عبدالعلی بن میر عبدالرزاق ترخان کی ولادت ۹۷۵ھ یا ۹۷۶ھ میں ہوئی۔ میرزا جانی بیگ کی وفات کے بعد اس نے بھی سندھ کی حکومت کے حصول کی کوشش کی۔ لیکن خسرو خان چرکس نے، جو اس خاندان کا وکیل تھا، میرزا غازی بیگ کو میرزا جانی کا جانشین بنایا۔ اس نے اس کی بھی کوشش کی کہ میرزا عیسیٰ خان ترخان کو جیل میں ڈال دے۔ ان حالات میں جب وہ بالکل مایوس ہو گیا تو وہ اکبر کے پاس دارالخلافہ آگرہ روانہ ہو گیا۔ جب وہ اکبر کے دربار میں پہنچا تو اکبر نے اسے اپنی عنایت و مہربانی سے دہ و می سے زیادہ منصب عطا کیا۔ جہانگیر نے بھی تخت نشین ہونے کے بعد میرزا عیسیٰ کو اپنی عنایتوں اور نوازشوں سے نوازا اور اسے سب سے پہلے ۱۰۱۴ھ میں دکن میں متعین کیا۔ میرزا غازی کی وفات کے بعد ۱۰۲۱ھ میں جہانگیر نے اسے ٹھٹھہ کا صوبے دار بنا کر بھیجنا چاہا لیکن بعض حاسدوں کی دخل اندازی کی وجہ سے یہ معاملہ رہ گیا اور ٹھٹھہ کی صوبے داری پر میرزا رستم صفوی کو بھیجا گیا اور میرزا عیسیٰ کو رادھن پور (گجرات) میں جاگیر دے کر روانہ کر دیا گیا۔ اس کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف عہدوں پر گجرات ہی میں گزرا۔ ۱۰۲۴ھ میں وہ سنبھل کا جاگیردار مقرر ہوا۔ ۱۰۳۱ھ میں، جب جہانگیر کشمیر کے سفر کے لیے روانہ ہوا تو اس نے دکن سے واپس آتے ہوئے امیروں کو خان جہان کے ساتھ روانہ کیا جن میں عیسیٰ ترخان بھی تھا۔ ۱۰۳۲-۳۵ھ میں چونکہ گجرات میں اس کی جاگیر تھی، وہ گجرات میں مختلف خدمتوں پر مامور رہا۔ ۱۰۳۷ھ میں وہ ٹھٹھہ کا صوبے دار مقرر ہوا۔ شاہجہان نے تخت نشین ہونے کے بعد اس کا تبادلہ ٹھٹھہ سے کر کے متھرا کا علاقہ اس کی جاگیر میں دیا۔ ۱۰۴۰ھ میں وہ عبداللہ خان کے ہمراہ دریا خان کی تادیب کے لیے دکن میں متعین

کیا گیا - ۱۰۴۱ھ میں ایلچ پور کی جاگیرداری پر بھیجا گیا - ۱۰۴۵ھ میں اس کا تبادلہ سورت کر دیا گیا اور سورت اس کی جاگیر میں دیا گیا - ۱۰۵۲ھ میں گجرات کے صوبےدار اعظم خاں کے تبادلے کے بعد وہ گجرات کا صوبے دار مقرر ہوا - ۱۰۶۱ھ میں ایک طویل اور مصروف زندگی گزارنے کے بعد چھیاسی سال کی عمر میں، جب کہ اس کی صحت خراب ہو چکی تھی، اپنی خدمت اپنے بیٹے محمد صالح کے سپرد کرکے ملازمت سے سبکدوش ہو گیا - ۱۳ محرم ۱۰۶۲ھ کو، جب کہ وہ شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آ رہا تھا، اس نے سابھر میں وفات پائی۔ لاش ٹھٹھ لائی گئی اور مکلی کے قبرستان میں مدفون ہوا۔ (رک: حواشی مکلی نامہ سندھی، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، ص ۲۴۱-۳۲۴ - و مآثرالامرا، ج ۳: ص ۴۸۵-۴۹۲ - و ذخیرۃالخوانین قلمی، ص ۲۸۶-۲۸۸)۔

(۲۱) کشن داس کھتری: دہلی کا رہنے والا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں اس نے غیرمعمولی ترقی کی اور منصب و جاگیر سے ممتاز ہوا (رک: ذخیرۃالخوانین قلمی، ص ۳۱۰)۔

(۲۲) میرزا رستم صفوی: بن سلطان حسین میرزا بن بہرام میرزا بن شاہ اسماعیل صفوی۔ میرزا مظفر حسین قندھاری کا چھوٹا بھائی تھا اور اوزبکوں کے خراسان پر غلبہ پا لینے کے بعد وہ ۱۰۰۲ھ میں اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملتان کا گورنر بنایا گیا۔ پھر وہ مختلف علاقوں کی خدمت پر رہا۔ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد ۱۰۲۱ھ میں میرزا غازی کی وفات کے بعد وہ ٹھٹھ کا گورنر مقرر ہوا، لیکن وہاں رعایا کے ساتھ اس قدر بدسلوکی کی کہ مجبوراً جہانگیر نے اسے معزول کرکے اپنے پاس طلب کر لیا۔ آخر عہد جہانگیری میں بہار کی صوبے داری پر مامور ہوا۔ شاہجہاں کے جلوس کے پہلے سال بہار کی صوبے داری سے معزول ہو کر حضور میں پہنچا۔ چوں کہ بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے شاہجہاں نے خدمت سے مستثنیٰ کرکے ایک لاکھ بیس ہزار روپے وظیفہ مقرر کر دیا۔ جلوس شاہجہانی کے چھٹے سال اس کی بیٹی شاہزادہ محمد شجاع سے بیاہی گئی۔ میرزا رستم نے ۷۲ سال کی عمر میں ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی (رک: مآثرالامرا،

ج ۳ : ص ۴۳۳-۴۴۴ و تعلیقات مظہر شاہجہانی از سید حسام الدین راشدی ،
ص ۲۹۸-۳۰۰ ؛ و تحفۃ الکرام ترجمہ اردو ، ص ۲۸۹-۲۹۲) ۔

(۲۳) میرزا مظفر حسین : ولد سلطان حسین ، برادر میرزا رستم صفوی — ۱۰۰۳ھ میں اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ اکبر کے حضور میں آیا ۔ اکبر نے اسے خطاب فرزندی اور پنج ہزاری کے منصب سے سر فراز کر کے سنبھل کی صوبیداری سے سرفراز کیا ۔ لیکن چند دنوں میں بعض وجوہ سے اکبر کی نظر میں اس کا اعتبار کم ہو گیا اور وہ ہر روز اس کی نظر سے گرتا چلا گیا ، یہاں تک کہ اسی غم میں مبتلا ہو کر بیمار ہوا اور ۱۰۰۸ھ میں اس نے وفات پائی ۔ جلوس جہانگیری کے چوتھے سال جہانگیر نے میرزا کی بیٹی کی خواستگاری شاہ زادہ سلطان خرم کے لیے کی جو قندھاری محل کے لقب سے مشہور ہوئی ۔ اسی کے بطن سے نواب پرہیز بانو بیگم پیدا ہوئی ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ : ص ۲۹۶) ۔

(۲۴) میرزا مظفر کے بیٹوں کے نام یہ ہیں : (۱) بہرام میرزا (۲) حیدر میرزا (۳) اسماعیل میرزا (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ : ص ۳۰۱-۳۰۲) ۔

(۲۵) معتقد خاں : ولد افتخار خان نے جلوس جہانگیری کے ساتویں سال عثمان خاں لوہانی کی جنگ میں شجاعت و جواں مردی کے بہت جوہر دکھائے اور اپنی خوش قسمتی سے شاہزادہ ولی عہد شاہجہاں کے مقربوں میں شامل ہو گیا — ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر نے وفات پائی ۔ شاہجہاں نے ابھی تاج و تخت آگرے میں آ کر سنبھالا بھی نہ تھا کہ احمد آباد میں معتقد خاں کو چار ہزاری اور دو ہزار سوار کے منصب سے سرفراز فرما کر ایک جمعیت کے ساتھ احمد آباد میں مقرر کر دیا ۔ پھر وہ اجمیر کا فوج دار مقرر ہوا ۔ پھر اطراف دارالخلافہ کی فوج داری پر متعین کیا گیا ، پھر صوبۂ اوڑیسہ کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ آخر میں جونپور کا حاکم مقرر ہوا ۔ اس نے ذی قعدہ ۱۰۶۱ھ میں جونپور ہی میں وفات پائی (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ : ص ۴۸۲-۴۸۵) ۔

(۲۶) سلطان خواجہ : ولد خواجہ خاوند دوست کا نام عبدالعظیم تھا ۔ یہ خواجہ عبدالشہید کا مرید تھا جو خواجہ ناصرالدین احرار کے پوتے تھے ۔ جب خواجہ عبدالشہید سمرقند سے ہندوستان آئے تو یہ بھی ان کے ساتھ

ہندوستان آیا ۔ اگرچہ سلطان خواجہ کوئی علمی استعداد و قابلیت نہیں رکھتا تھا لیکن طریقۂ سلوک و تصوف کو اختیار کیے ہوئے تھا ، اس لیے اکبر اس کا معتقد ہو گیا ۔ ۹۸۴ھ میں اکبر نے اسے امیر حجاج بنا کر حج کے لیے بھیجا ۔ ۹۸۶ھ میں حج سے واپس لوٹا ۔ اکبر نے اسے منصب ہزاری سے نواز کر ہندوستان کی صدارت کل کا عہدہ دیا ۔ ۹۹۲ھ میں سلطان خواجہ نے وفات پائی ۔ اس کی وفات کے تیسرے سال کے شروع میں اس کی بیٹی شاہزادہ سلطان دانیال سے بیاہی گئی ۔ جلوس اکبری کے چھیالیسویں سال اس کا بیٹا میر خواجہ منصب پانصدی سے سرفراز ہوا (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۷۹—۳۸۱) ۔

(۲۷) خان دوران : (نصرت جنگ) ولد خواجہ حصاری نقشبندی کا نام خواجہ صابر تھا ۔ یہ جہانگیر کے عہد میں منصب پا کر دکن میں متعین ہوا لیکن وہاں نوکری سے دست بردار ہو کر نظام شاہ سے مل گیا اور اس کے مصاحبوں کے زمرے میں شامل ہو کر شاہ نواز خاں کے خطاب سے ممتاز ہوا ۔ پھر وہاں سے دل برداشتہ ہو کر شاہزادہ شاہجہاں کے ملازموں میں منسلک ہو گیا اور نصیر خاں کا خطاب حاصل کیا ؛ جب عبداللہ خاں بے وفائی اختیار کرکے شاہزادہ شاہجہاں سے جدا ہوا تو چوں کہ عبداللہ خاں نے اسے اپنا داماد بنانا منظور کر لیا تھا لہٰذا یہ بھی عبداللہ خاں کا ساتھی بن گیا اور ملک عنبر سے جا ملا ۔ اس کی وفات کے بعد نظام الملک کے ساتھ زندگی گزارنے لگا ۔ جلوس شاہجہانی کے دوسرے سال یہ شاہجہاں کے پاس آ کر معذرت خواہ ہوا ۔ شاہجہاں نے اسے منصب سہ ہزاری دو ہزار سوار سے نواز کر اس کا سابقہ خطاب نصیر خاں بحال کر دیا ۔ ۷ جمادی الاول ۱۰۵۵ھ میں اس نے وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۴۹—۷۵۸) ۔

(۲۸) بھارت : ۸ جلوس جہانگیری میں منصب عمدہ اور خطاب راجگی سے موصوف ہوا ۔ اس نے عہد شاہجہانی (۷ جلوس) ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی (رک : امرائے ہنود ، ص ۹۹—۱۰۰) ۔

(۲۹) ظفر خاں ولد زین خاں کوکہ : (رک : حواشی جشن دوم ، حاشیہ نمبر ۴۲) ۔

(۳۰) گل رخ بیگم : ترخان نامہ کے شجرہ (N) میں سید حسام الدین راشدی نے اس کا نام گلبرگ بیگم درج کیا ہے ۔ ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۳۷۵ پر بھی اس کا نام گلبرگ بیگم مندرج ہے ۔ بیرم خاں کی وفات کے بعد اکبر نے اس سے خود شادی کر لی تھی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۳۷۵—۳۷۶) ۔

(۳۱) حیات خاں : عہد جہانگیری میں داروغۂ آبدار خانہ تھا ۔ یہ عہد شاہجہانی میں بھی داروغۂ آبدار خانہ اور خدمت گاروں کا سرگروہ رہا اور مختلف مناصب سے سرفراز ہوا ۔ اس نے ۷ شعبان ۱۰۶۷ھ میں مرض فالج میں مبتلا ہو کر وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۵۸۳-۵۸۵) ۔

(۳۲) قاسم خاں میر بحر : وفات : ۲۹ جلوس اکبری ۱۰۰۲ھ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۶۲—۶۶) ۔

آٹھواں جشن نوروز

جلوس کا آٹھواں سال مطابق محرم ۱۰۲۲ھ

جمعرات کی شب میں ۲۷ محرم ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) مطابق یکم فروردی سنہ ۸ جلوس ساڑھے تین گھڑی گزرنے کے بعد اور سورج کے برج حوت سے برج حمل میں داخل ہونے کے بعد جو مبارک اور فیروزمندی کا خانہ ہے ، اس کی صبح کو نوروز عالم افروز کا دن تھا ۔ ہر سال کے دستور کے مطابق جشن نوروز منعقد ہوا ۔ اس روز شام کو میں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا ۔ امرا اور ارکین دولت اور مقربان بارگاہ نے تسلیم بجا لا کر مبارک باد دی [115] . نوروز کے ان تمام مبارک دنوں میں میں دیوان خانۂ خاص و عام میں آتا اور لوگوں کے معروضات ، مقاصد اور دعوے میرے سامنے پیش ہوتے اور بندگان دربار کے تحائف میری نظر سے گزرتے ۔

قندھار کے حاکم ابوالنبی نے ، جو عراقی گھوڑے اور شکاری کتے میرے لیے تحفۃً بھیجے تھے ، میری نظر سے گزرے ۔

۹ ماہ فروردی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو افضل خاں صوبۂ بہار سے آ کر حاضر خدمت ہوا اور ایک سو مہریں اور ایک سو روپے نذر گزرانے اور ایک ہاتھی پیش کیا ۔

۱۲ ماہ فروردی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو اعتماد الدولہ کے تحائف پیش ہوئے ۔ اس کے تحائف میں جواہر ، نفیس کپڑے اور دوسری نادر اشیا میں سے جو مجھے پسند آئیں ، میں نے لے لیں ۔

اسی روز افضل خاں کا ایک اور تحفہ دس ہاتھیوں پر مشتمل نظر سے گزرا ۔

۱۳ ماہ فروردی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو تربیت خاں کے تحائف میرے ملاحظے میں پیش ہوئے ۔

چار مبارک اور منحوس چیزیں :

معتقد خاں نے ایک مکان آگرے میں خریدا تھا اور چند روز اس میں گزارے تھے ۔ ان چند دنوں میں وہ پے در پے مصیبتوں کا شکار رہا ۔

میں نے سنا ہے کہ چار چیزوں پر لوگ سعادت اور نحوست کا حکم لگاتے ہیں : اول عورت ، دوسرے غلام ، تیسرے گھر ، چوتھے گھوڑا ۔ گھر کی نحوست یا سعادت معلوم کرانے کے لیے جو اصول مقرر کیا ہے اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بالکل صحیح ہے ، وہ یہ ہے کہ اس زمین سے جس پر مکان تعمیر کیا جائے ، تھوڑی سی مٹی کھود لی جائے ۔ پھر اس مٹی کو اس کھدے ہوئے حصے میں ڈالا جائے ۔ اگر وہ مٹی برابر آ جائے تو وہ مکان درمیانی ہوگا ، یعنی نہ سعد اور نہ نحس ۔ اگر مٹی اس کھدے ہوئے حصے سے کم ہو جائے تو اس مکان پر نحوست کا حکم لگایا جائے گا ۔ اگر وہ مٹی اس گڑھے سے زیادہ بڑھ جائے تو وہ گھر مبارک اور سعد ہے ۔

۱۴ ماہ فروردی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو **اعتبار خاں** (۱) کے تحائف میری نظر سے گزرے ۔ ان میں سے جو مجھے پسند آئے ، وہ میں نے لے لیے ۔ **اعتبار خاں** کا منصب جو ہزاری ذات و سیصد سوار تھا ، اسے بڑھا کر دو ہزاری و پانصد سوار کر دیا ۔

تربیت خاں کے منصب کو بھی بڑھا کر دو ہزاری ذات و ہشت صد و پنجاہ سوار کر دیا ۔

مگھ قوم کے عادات و خصائل :

ہوشنگ ولد **اسلام خاں** ، جو **بنگال** میں اپنے باپ کے پاس تھا ، ان ہی دنوں میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ وہ **مگھ** قبیلے کے کچھ لوگوں کو لایا تھا ۔ ان کا ملک **پیگو دارجلنگ** کے متصل ہے ۔ بلکہ اس زمانے میں یہ علاقہ ان ہی **مگھوں** کے قبضے میں ہے ۔ ان کے مذہب و معاشرت کے متعلق یہ چند باتیں تحقیق ہوئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انسان کی صورت میں چند حیوان ہیں ۔ یہ تمام دریائی اور جنگلی جانوروں میں سے ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی چیز ان کے مذہب میں منع نہیں ۔ اور ہر ایک کے ساتھ کھا لیتے ہیں ۔ اور اپنی اس بہن سے جو دوسری ماں سے ہوتی ہے ، شادی کر لیتے ہیں اور اسے اپنے استعمال میں لاتے ہیں ۔ ان کی صورتیں **قراقلماق** قوم کے لوگوں سے ملتی جلتی ہیں لیکن ان کی زبان تبتی ہے ، اور اس میں ترکی بالکل نہیں ۔ **تبت** ایک پہاڑ ہے کہ اس کا ایک سرا ولایت **کاشغر** سے متصل ہے اور دوسرا سرا ولایت **پیگو** سے ۔

ان کا کوئی ایسا دین اور آئین نہیں کہ اسے کسی دین سے تعبیر کیا جا سکے ۔ وہ مسلمانوں کے دین سے بعید اور ہندوؤں کے مذہب سے علیحدہ ہیں ۔ وہ دو تین روز تک شرف حضوری حاصل کرتے رہے ۔

میرے فرزند خرم (شاهجهان) نے خواہش کی کہ میں اس کے گھر جاؤں تاکہ وہ وہاں اپنے تحائف میری نظر سے گزرانے ۔ میں نے ایک دن اور ایک رات اس کے گھر میں قیام کیا ۔ اس نے اپنے تحائف میری نظر سے گزارے ۔ ان میں جو پسند آئے ، وہ میں نے لے لیے ، بقیہ اسی کو بخش دیے ۔

دوسرے دن مرتضیٰ خاں نے اپنے تحائف پیش کیے ۔ اس نے ہر جنس کی چیزیں جمع کی تھیں ۔ اسی طرح شرف کے دن تک امرا میں سے نہ صرف ایک بلکہ دو تین کے تحائف ہر روز میرے ملاحظے میں پیش ہوتے رہے ۔

پیر کے دن ۱۹ فروردی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) نوروز کی مجلس شرف منعقد ہوئی ۔ اس مبارک دن میں میں تخت پر جلوہ افروز ہوا ۔ میں نے حکم دیا کہ قسم قسم کی شرابیں وغیرہ حاضر کی جائیں تاکہ ہر شخص اپنی دلی خواہش کے مطابق پیے اور جو کچھ [116] چاہے کھائے ۔ اس دن بہت سے لوگ شراب پینے کے مرتکب ہوئے ۔

اسی دن مہابت خاں کے تحائف میری نظر سے گزرے ۔ میں نے ہزار تولے کی مہر ، جو کوکب طالع کے نام سے موسوم ہے ، شاہ ایران کے ایلچی یادگار علی کو دی ۔ اس دن کی مجلس شگفتہ رہی ۔ محفل کے برخاست ہونے کے بعد میں نے حکم دیا کہ اسباب اور سامان زینت لادا جائے ۔

چوں کہ نو روز کے دنوں میں مقرب خاں کے تحائف پیش نہ ہو سکے تھے اور اس نے ہر قسم کی نفیس چیزیں اور بہترین تحفے جمع کیے تھے ، میرے ملاحظے میں گزرے ۔ ان میں بارہ عراقی اور عربی گھوڑے ، جو وہ جہاز میں لایا تھا اور ان کے ساتھ ایک یورپ کی بنی ہوئی مرصع زین بھی تھی ۔

نوازش خاں (۲) کے منصب میں پانسو سواروں کا اضافہ ہوا جس سے اس کا منصب دوہزاری ذات و سوار ہو گیا ۔

ایک ہاتھی بنسی بدن نامی ، جو اسلام خاں نے بنگال سے بھیجا تھا ، میرے ملاحظے میں گزرا اور شاہی ہاتھیوں میں داخل کیا گیا ۔

۳ اردی بہشت ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو عبداللہ خاں کے بھائی خواجہ یادگار نے گجرات سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور ایک سو مہریں جہانگیری نذر گزرانیں۔ حاضری خدمت کے چند روز بعد سردار خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔

چوں کہ اس لشکر کے لیے جو بنگش کے افغانوں کی مدافعت کے لیے متعین تھا اور اس علاقے کے لیے بھیجنا تھا، ایک مستقل بخشی کی ضرورت تھی، میں نے اس خدمت کے لیے معتقد خاں کو منتخب کیا اور اس کے منصب میں سیصد ذات اور پنجاہ سوار کا اضافہ کیا۔ اس طرح اس کا منصب ہزار و پانصد ذات اور سیصد و پنجاہ سوار ہو گیا۔ اس اضافے کے بعد میں نے اسے رخصت کیا اور حکم دیا کہ وہ جلد از جلد روانہ ہو جائے۔

محمد حسین چلپی کو جو جواہر کے خریدنے اور نفیس اشیاء کے بہم پہنچانے میں پورا تجربہ رکھتا ہے، میں نے کچھ روپے دے کر رخصت کیا کہ وہ عراق کے راستے سے استنبول جائے اور بہترین تحائف اور نفیس و نادر اشیاء ہماری سرکار کے لیے خریدے۔ چوں کہ اس سفر میں اس کو شاہ ایران کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا، اس لیے میں نے اسے فہرست اشیاء کے علاوہ شاہ ایران کے نام خط بھی دیا تھا۔ مختصر یہ کہ مشہد کے قرب و جوار میں اس کی ملاقات برادرم شاہ عباس والی ایران سے ہوئی۔ شاہ عباس نے محمد حسین چلپی سے پوچھا کہ تمہیں بادشاہ نے کن چیزوں کی خریداری کا حکم دیا ہے؟ جب شاہ ایران نے بے حد اصرار کیا تو چلپی نے اشیاء کی وہ فہرست، جو اس کے پاس تھی، پیش کر دی۔ اس فہرست میں عمدہ فیروزہ اور کانی استہباناتی کی مومیائی درج تھی۔ شاہ عباس بادشاہ ایران نے کہا کہ ان دونوں چیزوں کے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دو چیزیں میں بادشاہ (جہانگیر) کے لیے بھیجوں گا۔ چناں چہ اس نے اویسی توپچی کو انتخاب کر کے کہ جو اس کے جانے پہچانے ملازموں میں تھا، اس کے ہاتھ چھ چمڑے کی تھیلیوں میں فیروزے کے ریزے، جس میں تقریباً تیس سیر ریزے ہوں گے، چودہ تولہ مومیائی اور چار گھوڑے عراق کہ ان میں سے ایک گھوڑا ابلق تھا، بھجوائے۔ ان چیزوں کے علاوہ ایک محبت آمیز خط بھی ارسال کیا جس میں غیر معمولی دوستی اور محبت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور فیروزے کے ریزوں کے عمدہ نہ ہونے اور مومیائی کی کمی کے

بارے میں بہت زیادہ معذرت کی گئی تھی ۔ فیروزے کے ریزے واقعی میری نظر میں بھی بالکل معمولی تھے ۔ ہر چند نگینہ بنانے والوں اور تراشنے والوں نے اچھے ریزوں کی تلاش کی لیکن اس میں ایک نگینہ بھی ایسا نہ نکلا کہ جو انگوٹھی کے قابل ہو ۔ معلوم ہوا کہ اس زمانے میں فیروزے کے ریزے کان سے ایسے برآمد نہیں ہو رہے ہیں جیسے شاہ طہماسپ مرحوم کے زمانے میں کان سے نکلتے تھے ۔ چناں چہ شاہ عباس نے بھی اپنے خط میں اس طرف اشارہ کیا تھا ۔

مومیائی کے متعلق میں نے اطبّا سے بہت سی باتیں سنی تھیں لیکن تجربے کے بعد وہ اثرات ظاہر نہیں ہوئے ۔ مجھے معلوم نہیں کہ اطبّا نے واقعی اس کے اثر و تاثیر میں مبالغے سے کام لیا تھا یا اس مومیائی کے پرانے ہو جانے کی وجہ سے اس کے اثرات زائل ہو گئے ۔ بہرحال اس طریقے پر جیسا کہ اطبّا نے تجویز کیا تھا ، ایک مرغ کا پاؤں تڑوا کر میں نے اس مرغ کو مومیائی اس سے زیادہ کھلوائی جتنی اطبّا نے تجویز کی تھی اور کچھ اس کے ٹوٹے ہوئے پاؤں پر ملی گئی اور تین روز تک اس کی حفاظت کی گئی ۔ تین روز کے بعد جب اس مرغ کو دیکھا تو اس پر اس کا کچھ بھی اثر ظاہر نہیں ہوا تھا [117] اور اس کے پاؤں کی شکستگی اسی طرح موجود تھی ۔ حالاں کہ کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے صبح و شام کا وقفہ کافی ہے ۔

شاہ عباس نے ایک علیحدہ خط میں سلام اللہ عرب کی سفارش کی تھی ۔ میں نے اسی وقت اس کے منصب اور گزارے میں اضافہ کر دیا ۔ شاہی ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی مع ساز و سامان کے عبداللہ خاں کو بھیجا ۔

ایک دوسرا ہاتھی قلیج خاں کو بھی مرحمت کیا ۔

عبداللہ خاں کے ایک بھائی کے بارہ ہزار سواروں کو دو اسپہ و سہ اسپہ سواروں کے ضابطے کے مطابق میں نے حکم دیا کہ تنخواہ دی جائے ۔ چوں کہ سابق میں میں نے اس کے بھائی سردار خاں کے منصب میں پانصدی ذات اور سیصد سوار کا اس وجہ سے اضافہ کر دیا تھا کہ وہ جوناگڑھ کا حاکم مقرر ہوا تھا ، پھر اس خدمت پر کامل خاں (۲) مامور ہوا تو میں نے حکم دیا کہ اس کے اس اضافے کو برقرار رکھ کر اس کے منصب کو ممتاز کریں ۔

سرفراز خاں کا منصب جو ہزار و پانصدی ذات و سی صد سوار تھا ، میں نے اس کے علاوہ دو سو سوار اور بڑھا دیے ۔

وزنِ قمری :

۲۷ اردی بہشت مطابق ۶ ربیع الاول سنہ ۸ جلوس ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) جمعرات کے دن مریم زمانی کے محل میں قمری وزن کی مجلس منعقد ہوئی ۔ وزن کی ہوئی اشیا میں سے کچھ اشرفیاں میں نے عورتوں اور مستحقوں میں ، جو میری والدہ کے محل میں جمع ہو گئے تھے ، تقسیم کرنے کا حکم دیا ۔ اسی دن مرتضیٰ خان کے منصب میں ہزاری کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے کے بعد اس کا منصب شش ہزاری ذات و پنج ہزار سوار ہو گیا ۔

خسرو بیگ ، میرزا خان (۴) کا غلام پٹنے سے عبدالرزاق معموری کے ہمراہ حاضرِ خدمت ہوا ۔

عبداللہ خان کا بھائی سردار خان احمد آباد گجرات کی طرف رخصت ہوا ۔

چند عجیب واقعات :

ایک افغانی ، کرناٹک سے ایک بکرا اور ایک بکری لایا تھا جن میں پازہر مادہ موجود تھا ۔ میں ہمیشہ سے سنتا چلا آیا ہوں کہ جن جانوروں میں پازہر مادہ موجود ہوتا ہے وہ بہت دبلے اور کمزور ہوتے ہیں ، حالاں کہ یہ دونوں بہت موٹے اور تر و تازہ تھے ۔ ان میں سے ایک جو مادین تھی ، میں نے حکم دیا کہ اسے ذبح کیا جائے ۔ اس میں سے چار پازہر ملے جن پر سب کو حیرت ہوئی ۔

چیتے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ غیر جگہوں پر اپنی مادہ سے جفتی نہیں کھاتا ۔ چناں چہ میرے والد بزرگوار نے ایک زمانے میں ایک ہزار چیتے جمع کیے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جفتی کھائیں ، لیکن کبھی ایسا نہ ہوا ۔ انھوں نے بارہا نر و مادہ چیتوں کے گلوں سے پٹے نکال دیے اور انھیں باغات میں آزاد چھوڑ دیا ، لیکن پھر بھی انھوں نے وہاں جفتی نہیں کھائی ، لیکن میرے زمانے میں ایک نر چیتا اپنے پٹے کو توڑ کر مادہ چیتے کے پاس گیا اور اس سے جفتی کھائی ۔ پھر اس چیتے کی مادہ نے ڈھائی ماہ کے بعد تین بچے جنے اور وہ بڑے ہوئے ۔ چوں کہ یہ واقعہ فی الجملہ عجیب تھا ، اس لیے تحریر کر دیا گیا ۔

جب چیتا اپنی مادہ سے جفتی کھائے تو شیر تو بطریق اولیٰ جفتی کھا سکتا ہے ۔ لیکن یہ بات کبھی نہیں سنی گئی کہ کسی شیر نے پکڑے جانے کے بعد کسی شیرنی سے جفتی کھائی ہو ۔ چوں کہ میری حکومت کے زمانے میں جنگلی جانوروں کی طبیعت سے وحشت زائل ہو گئی ہے ، چناں چہ شیر اس حد تک رام ہو گئے ہیں کہ بغیر قید و زنجیر کے غول کے غول لوگوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اُن سے نہ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچتا ہے ، نہ اُن سے وحشت اور رمیدگی کا اظہار ہوتا ہے ۔ اتفاق سے ایک شیرنی نے گابھن ہو کر تین ماہ کے بعد تین بچے دیے ، حالاں کہ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ جنگلی شیر نے پکڑے جانے کے بعد شیرنی سے جفتی کھائی ہو ۔

میں نے حکیموں سے سنا تھا کہ شیرنی کا دودھ آنکھ کی روشنی کے لیے نہایت مفید ہے ۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کے پستان سے دودھ نکلے ، لیکن یہ ممکن نہ ہوا ۔ اس تجربے کے متعلق مجھے خیال ہوا کہ شیر غضب ناک جانور ہے اور ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ اُس محبت کی وجہ سے اُترتا ہے جو وہ اپنے بچّوں سے رکھتی ہیں ۔ جب شیرنی کا بچہ ماں کی چھاتی چوسنے اور دودھ پینے کے لیے قریب آتا ہے تو اُس وقت دودھ نکالنے کے لیے شیرنی کو پکڑا جائے تو وہ غضب ناک ہو جاتی ہے اور اُس کے غضب ناک ہونے کی وجہ سے اس کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو جاتا ہے ۔

ماہ اردی بہشت ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کے آخر میں خواجہ عبدالعزیز کے بھائی خواجہ قاسم نے جو نقشبندیہ خاندان سے ہے [118] ماوراء النہر سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا ۔ چند روز کے بعد میں نے اُسے بارہ ہزار روپے انعام کے طور پر مرحمت کیے ۔

خواجہ جہان نے شہر کے مضافات میں خربوزوں کی فالیز لگائی تھی ۔ جمعرات کے دن دوپہر گزرنے کے بعد ۱۰ خورداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو میں کشتی پر سوار ہو کر دریا کے راستے سے فالیز میں سیر کے لیے گیا ۔ محل کے لوگ ساتھ تھے ۔ سورج کے غروب ہونے میں دو تین گھڑی باقی تھی ، جب ہم وہاں پہنچے ۔ رات ہم نے فالیز کی سیر میں گزاری لیکن رات میں عجیب تند ہوا کے جھکڑ چلے ، جنھوں نے خیموں اور سراپردوں کو اپنی جگہ پر رہنے نہ دیا ۔ میں نے کشتی

میں آ کر وہ رات بسر کی اور جمعہ کے دن کا کچھ حصہ فالیز میں گزار کر شہر کو لوٹ آیا ۔

افضل خاں کی وفات :

افضل خاں (۵) نے جو ایک طویل مدت سے دنبل اور عجیب و غریب زخموں کی تکلیف میں مبتلا تھا ، ۱۰ خورداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو وفات پائی ۔

راجا جگمن نے دکن کی جنگ میں بڑی کوتاہی کی تھی اس لیے میں نے اس کا تبادلہ کرکے اس کی جاگیر اور وطن سہابت خاں کو عنایت کر دیا ۔

شیخ پیر جو تارک الدنیا اور اپنے زمانے کے بے نیاز لوگوں میں ہے اور مجھ سے وہ خاص محبت اور اخلاص رکھتا ہے اور میری خدمت اور ملازمت میں لگا ہوا ہے ، پرگنہ میرٹھ میں جو اس کا وطن ہے ، کچھ دن پہلے اس نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی ۔ ایک تقریب کے موقع پر مجھ سے اس مسجد کا ذکر ہوا ۔ چوں کہ میں نے دیکھا کہ شیخ پیر کے قلب میں اس کار خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی دلی خواہش ہے ، اس لیے میں نے اس کو چار ہزار روپے دیے کہ وہ خود جا کر وہاں مسجد کی تعمیر پر صرف کرے اور ایک خاص شال اس کو عنایت کر کے رخصت کیا ۔

دیوان خانۂ خاص و عام میں دو کٹھہرے :

دیوان خانۂ خاص و عام میں دو چوبی کٹھہرے بنے ہوئے ہیں ۔ ایک کٹھہرے میں امرا ، سفیر اور معززین کھڑے ہوتے ہیں ۔ اس دائرے میں کوئی شخص بغیر اجازت کے داخل نہیں ہو سکتا ۔ دوسرا کٹھہرا جو پہلے کٹھہرے سے بڑا ہے ، اس میں تمام ملازم ، منصب دار ، احدی اور ہر وہ آدمی جس پر ملازم کا اطلاق ہوتا ہے ، کھڑا ہوتا ہے ۔ اور اس کٹھہرے کے باہر امرا کے نوکر اور دوسرے دیوان خانے میں آنے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں ۔ چوں کہ دونوں کٹھہروں کے درمیان فرق نہ تھا ، میں نے حکم دیا کہ پہلے کٹھہرے کو چاندی سے منڈھا جائے ۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ مذکورہ کٹھہرے اور اس سیڑھی کو جو اس کٹھہرے سے جھروکے (۶) کے بالاخانے پر جاتی ہے اور ان دونوں ہاتھیوں پر جو دونوں جانب کاریگروں نے لکڑی کے بنائے ہیں ، چاندی منڈھی

جانے. اس کام کی تکمیل کے بعد مجھے بتایا گیا کہ اس کام میں ہندوستان کے وزن کے مطابق ایک سو پچیس من چاندی جو ولایت ماوراء النہر کے وزن سے آٹھ سو اسّی من ہوتی ہے، صرف ہوئی. حقیقت یہ ہے کہ اس عمل سے اس میں ایک نیا رنگ و روپ پیدا ہو گیا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا.

۱۳ ماہ تیر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو مظفر خان نے پٹنے سے آ کر شرف حضوری حاصل کیا اور بارہ مُہریں نذر گزرانیں. ان کے علاوہ مرصّع جلد کا ایک قرآن مجید اور دو مرصّع پھول بطور تحفہ میرے سامنے پیش کیے.

۱۴ ماہ تیر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو صفدر خان نے بہار سے آکر شرف حضوری حاصل کیا اور ایک سو ایک مُہریں پیش کیں.

اُن ایام میں جب مظفر خان میری خدمت میں حاضر تھا، میں نے اُس کے سابقہ منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کرکے اُسے علم عنایت کیا. اور خاص شال عنایت کرکے پٹنے رخصت کیا.

ہڑکائے کتے کا ایک واقعہ :

مجھے یہ معلوم تھا کہ دیوانہ کتّا اگر کسی جانور یا جاندار کے کاٹ کھائے، وہ جانور یا جاندار مر جاتا ہے لیکن اس بات کی صحت کا تجربہ ہاتھی کے متعلق نہ ہوا تھا. میرے زمانے میں ایک دیوانہ کتّا شاہی ہاتھیوں کے فیل خانے میں کچھی نامی ہاتھی کے بندھنے کی جگہ پہنچ گیا اور اُس نے ایک ہتھنی کو، جو اُس شاہی ہاتھی کے قریب بندھی ہوئی تھی، کاٹ لیا. ایک دم ہتھنی چیخنے لگی. اُس کے چنگھاڑنے کی آواز سن کر فیل بان دوڑ کر ہتھنی کے پاس پہنچے. دیوانہ کتّا دوڑ کر اُن تھوہر کی جھاڑیوں میں چھپ گیا جو فیل خانے کے قریب واقع تھیں. اور تھوڑی دیر کے بعد نکل کر [119] اُس شاہی ہاتھی کے پاس پہنچا اور اُس کے اگلے پاؤں کو کاٹ کھایا. ہاتھی نے اُس کو مار ڈالا. جب اس بات کو ایک ماہ اور پانچ دن گزر گئے؛ ایک دن جب کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور مذکورہ ہتھنی چر رہی تھی، اس کے کان میں بجلی کے کڑکنے کی آواز آئی اور وہ ایک دم چنگھاڑنے لگی. اُس کے اعضا میں لرزہ پیدا ہوا اور وہ اس طرح گر پڑی کہ پھر نہ اُٹھ سکی. سات روز تک اس کے منہ سے پانی بہتا رہا. وہ اچانک چنگھاڑتی تھی، اور سخت بے چین

تھی ۔ فیل بانوں نے ہرچند اس کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور آٹھویں روز وہ ہتھنی گر کر مر گئی ۔ ہتھنی کے مرنے کے ایک ماہ بعد اس شاہی ہاتھی کو، جس کے دیوانے کتّے نے کاٹ کھایا تھا، دریا کے کنارے جنگل میں چرانے کے لیے لے جا رہے تھے ؛ اسی طریقے پر آسمان پر ابر و باد کے آثار ظاہر ہوئے ۔ ہاتھی کے اعضا میں عین مستی کی حالت میں لرزہ پیدا ہوا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا ۔ فیل بان بڑی محنت اور کوشش سے اسے اٹھا کر اس کے ٹھکانے پر لے آئے ۔ اور اسی حالت میں جیسے ہتھنی مری تھی ، یہ ہاتھی بھی مر گیا ۔ اس واقعے سے بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا اور قوی ہیکل اور عظیم الجثّہ جانور ایک چھوٹے اور ضعیف جثّے کے حیوان کے پہنچائے ہوئے خفیف زخم سے اس قدر متاثر ہو جائے ۔

چوں کہ خانخاناں (عبدالرحیم) نے بار بار اپنے بیٹے شاہ نواز خان[1] کے رخصت کرنے کی متعدد بار التجا کی تھی ، اس لیے میں نے ۲۰ امرداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو اسے گھوڑا اور خلعت دے کر دکن کی طرف رخصت کر دیا ۔

یعقوب بدخشی (؟) کو جس کا منصب صد و پنجاھی تھا ، اس جرأت اور جواں مردی کے صلے میں ، جو اس سے ظاہر ہوئی تھی ، ہزار و پانصدی ذات و سوار سے سر فراز کر کے خان کے خطاب سے سر بلند کیا ۔ اور اس کو علم بھی مرحمت کیا ۔

ہندوؤں کے عقائد اور ذاتیں :

ہندو چار ذاتوں میں منقسم ہیں ، اور ہر ایک اپنے خاص طریقے اور آئین پر عمل کرتا ہے ۔ اور ہر سال میں ان کے تہوار کا ایک دن مقرر ہے ۔

ان میں اول گروہ برہمنوں کا ہے ، جو خدائے واحد کے عارف ہوتے ہیں ۔ ان کے چار فرائض ہیں : علم حاصل کرنا اور دوسروں کو علم سکھانا ، آگ کی پوجا کرنا اور لوگوں کو آگ کی پوجا کی ترغیب دینا ، محتاجوں کو دان دینا ، اور امیروں سے دان لینا ۔ اسی پر اس گروہ کی روزی متعین ہے ۔ ان کے تہوار کا دن ساون کا آخری دن ہے جو برسات کا دوسرا مہینہ ہے ۔ وہ اس دن کو

---

[1] شاہ نواز خاں : میرزا ایرج پسر خانخاناں

مبارک جانتے ہیں اور ان کے پجاری اس دن دریاؤں اور تالابوں کے قریب جا کر منتر پڑھ کر ڈوریوں اور رنگین دھاگوں پر پھونکتے ہیں ۔ دوسرے دن جو نئے سال کا پہلا دن ہوتا ہے ، وہ دھاگے اور ڈوریاں راجاؤں اور اپنے زمانے کے بڑے لوگوں کے پہنچوں پر باندھتے ہیں اور اسے نیک شگون سمجھتے ہیں ۔ ان دھاگوں کو راکھی کہتے ہیں ، یعنی حفاظت اور رکھوالی کرنے والے ۔ یہ تہوار عموماً تیر کے مہینے میں آتا ہے ، جب کہ جہان کا روشن کرنے والا آفتاب سرطان میں ہوتا ہے ۔

دوسرا گروہ چھتری ہے : جو کھتری کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ چھتریوں سے مراد وہ گروہ ہے جو مظلوموں کو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اس گروہ کا آئین تین چیزوں پر مبنی ہے : ایک یہ کہ وہ خود علم حاصل کریں اور دوسروں کو نہ سکھلائیں ، دوسرے خود آگ کو پوجیں اور دوسروں کو اس کی پرستش کی دعوت نہ دیں ، تیسرے یہ کہ محتاجوں اور غریبوں کو کچھ دیں لیکن باوجود احتیاج و ضرورت کے خود کسی سے کچھ نہ لیں ۔ ان کے تہوار کا دن بجی اور دسہرہ ہے ۔ اس دن سواری کرنا اور دشمن پر حملہ کرنا ان کے نزدیک مبارک ہے ۔ ان کے عقیدے کے مطابق رام چندر نے ، جسے وہ خدا کی طرح پوجتے ہیں ، اس روز اپنے دشمن پر لشکر کشی کر کے فتح پائی تھی ۔ اس لیے وہ اس دن کو مبارک جانتے ہیں اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کو سجا کر ان کی پوجا کرتے ہیں ۔ یہ دن عموماً شہریور کے مہینے میں آتا ہے ، جب کہ سورج برج سنبلہ میں ہوتا ہے ۔ اس دن اس گروہ کے لوگ اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے رکھوالوں کو انعام دیتے ہیں ۔

تیسرا گروہ : [120] ان دو گروہوں سے بڑا ہے ۔ یہ جماعت ان دو گروہوں کی جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے ، خدمت کرتے ہیں ۔ یہ لوگ زراعت و تجارت اور ساہوکارے کا کام کرتے ہیں ۔ اس جماعت کے بھی تہوار کا ایک دن مقرر ہے جسے دیوالی کہتے ہیں ۔ یہ دن مہر میں واقع ہوتا ہے ، جب کہ سورج برج میزان میں واقع ہوتا ہے اور قمری مہینے کی اٹھائیس تاریخ ہوتی ہے ۔ دیوالی کی رات میں چراغاں کیے جاتے ہیں ۔ دوست اور رشتے دار ایک دوسرے کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور خوب جوا کھیلتے ہیں ۔ چونکہ اس جماعت کی نظر سودی

لین دین اور بیوپار پر ہے ، اس لیے یہ لوگ اس رات کی ہار جیت سے اچھا برا شگون لیتے ہیں ۔

چوتھا گروہ شودر ہے : یہ گروہ ہندووں میں سب سے چھوٹی ذات ہے ۔ یہ لوگ سب کی خدمت کرتے ہیں اور اُن تمام رعایات سے محروم ہیں جو ہندووں کے دوسرے تمام طبقوں کو حاصل ہیں ۔ ان کے تہوار کا دن ہولی ہے جو ان کے خیال میں سال کا آخری دن ہے ۔ یہ دن اسفندار کے مہینے میں آتا ہے ، جب کہ سورج بُرج حوت میں ہوتا ہے ۔ یہ لوگ اس دن کی رات میں گلی کوچوں اور راستوں میں آگ جلاتے ہیں ۔ جب صبح ہو جاتی ہے تو دن کو ایک پہر تک وہ راکھ ایک دوسرے کے سر پر ڈالتے ہیں اور منہ پر ملتے ہیں اور خوب غُل غپاڑہ مچاتے ہیں ۔ اس کے بعد نہا دھو کر لباس پہنتے ہیں اور باغوں اور جنگلوں کی سیر کے لیے جاتے ہیں ۔ چونکہ مُردوں کو جلانا ہندووں کا مقررہ دستور ہے ، اس رات میں آگ جلانے سے ، جو اس سال کی آخری رات ہوتی ہے ، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گزرا ہوا سال مثل مُردے کے ہے ، جسے وہ مُردہ سمجھ کر جلا رہے ہیں ۔ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں ہندو اُمرا اور دوسرے طبقے کے لوگوں نے اُن کی تقلید میں راکھی کی رسم کو اس قدر ترقی دی کہ لعل اور موتی ، مرصّع پھول ، قیمتی جواہر کے ساتھ دھاگے میں پرو کر اُن کی کلائی پر باندھنے لگے ۔ چند سال تک تو یہ رسم جاری رہی ۔ جب اس رسم میں تکلف حد سے بڑھنے لگا تو یہ بات میرے والد کو ناگوار ہوئی ، اور اُنھوں نے اس سے منع کر دیا ۔ پھر برھمن اپنی قدیم روش کے مطابق شگون کے لیے ڈوریوں اور ریشمی دھاگوں کی راکھیاں باندھنے لگے ۔

میں نے بھی اس سال اپنے والد کے پسندیدہ طریقے پر عمل کرتے ہوئے حکم دیا کہ ہندو اُمرا اور رؤسا میری کلائی پر راکھی نہ باندھیں ۔

۹ امرداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو راکھی باندھنے کا دن تھا ۔ اس دن پچھلے طریقے کے مطابق میری کلائی پر راکھی باندھنے کے لیے وہی ہنگامہ گرم ہوا ۔ دوسرے طبقوں کے لوگوں نے بھی ہندو امرا و روسا کی تقلید میں انھیں کی روش اختیار کی اور پرانے طریقے کو نہ چھوڑا ۔ میں نے صرف اس سال کے لیے اس طریقے کو قبول کرتے ہوئے آیندہ کے لیے حکم دیا کہ برھمنوں کے قدیم طریقے کے مطابق راکھی کی ڈوریاں اور ریشمی دھاگے باندھے جائیں ۔

عرس :

اسی دن اتفاق سے حضرت عرش آشیانی کا عرس واقع ہوا ۔ عرس ہندوستان کی مروجہ رسوم میں داخل ہے جو ہر سال اپنے پیر یا عزیز کے مرنے کے دن منایا جاتا ہے ۔ اس میں ہر شخص اپنی حیثیت اور مقدرت کے مطابق مختلف قسم کے کھانے پکاتا اور قسم قسم کی خوشبوئیں جلاتا ہے ۔ اس موقع پر علماء اور صلحاء اور تمام لوگ جمع ہوتے ہیں اور یہ عرس کبھی کبھی ایک ہفتے تک ہوتا ہے ۔

میں نے اس دن اپنے فرزند خرّم کو یہ خدمت سپرد کی کہ وہ میرے والد بزرگوار کے متبرک روضے پر حاضر ہو کر اس عرس کی مجلس کو منعقد کرے ۔ اور دس ہزار روپے دس معتبر ملازموں کو دے کہ وہ اس موقع پر فقرا اور حاجت مندوں میں تقسیم کریں ۔

۱۵ ماہ امرداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو اسلام خاں کے بھیجے ہوئے تحائف میری نظر سے گزرے ، اس نے اٹھائیس ہاتھی ، چالیس گھوڑے ، جو بنگال کی سر زمین میں ٹانگن کے نام سے مشہور ہیں ، پچاس خواجہ سرا اور پانچ سو نفیس کپڑوں کے تھان جن پر سامہ ستارے کا کام تھا ، بھجوائے تھے ۔

وقائع نویسوں کے لیے ضابطہ :

واقعہ نویسوں کے لیے ضابطہ مقرر ہے کہ تمام صوبوں کے واقعات عموماً اور سرحدی مقامات کے واقعات کی اطلاع خصوصاً باقاعدہ پہنچائی جایا [121] کرے ۔ اس خدمت پر مامور کر کے انہیں دربار سے روانہ کیا جاتا ہے ۔ اور یہ آن ضابطوں میں شامل ہے جو میرے والد بزرگوار نے مقرر کیے تھے اور میں بھی اُن کے مطابق عمل کرتا ہوں ۔ اس ضابطے کی بدولت بے شمار فوائد اور منافع مشاہدے میں آئے ۔ اس کے علاوہ اس ضابطے سے دنیا اور اہل دنیا کے حالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے ۔ اگر اس کے فوائد لکھے جائیں تو بات طویل ہو جائے گی ۔

انھی دنوں لاہور کے واقعہ نویس نے لکھا کہ ماہ تیر کے آخر میں شہر باسن آباد[1] سے ، جو لاہور سے بارہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، دس بارہ آدمی سفر پر روانہ ہوئے ۔ جب لو چلنے لگی تو انھوں نے ایک درخت کے نیچے پناہ لی ۔

۱۔ باسن آباد : ایمن آباد ۔

اس کے بعد ہی ایک بگولا اٹھا اور اس بگولے نے ان آدمیوں کی جماعت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کو اتنے جھٹکے دیے کہ ان میں سے نو آدمیوں نے اُس درخت کے نیچے ہی جان دے دی ۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا اور وہ زندہ شخص بھی ایک طویل عرصے تک بیماری میں مبتلا رہا اور بڑی مشکل سے اس نے بیماری سے نجات پائی ۔ جو جانور اس درخت پر گھونسلا بنائے ہوئے تھے وہ بھی سب کے سب گر کر مر گئے ۔ اور اس علاقے کی ہوا اس قدر خراب ہو گئی کہ صحرائی جانور کھیتوں میں آ کر اپنے آپ کو سبزے پر گراتے اور لوٹ لوٹ کر مر جاتے ۔ مختصر یہ کہ بہت سے جانور ہلاک ہو گئے ۔

شکار :

جمعرات کے دن ۳۱ امرداد ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) کو تسبیح پڑھنے کے بعد میں کشتی میں شکار کے ارادے سے سمونگر کی طرف روانہ ہوا جو میری مقررہ شکار گاہ ہے ۔

۳ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) کو خان عالم[1] نے آ کر میری خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور سو مہریں نذر پیش کیں ۔ اس کو میں نے اس غرض سے دکن سے طلب کیا تھا کہ اس کو شاہ ایران کے ایلچی کے ساتھ عراق بھیجوں ۔

چوں کہ سمونگر ، مہابت خاں کی جاگیر میں ہے ، اس نے وہاں دریا کے کنارے ایک نہایت شاندار گھر بنوایا ہے ۔ یہ گھر مجھے بہت پسند آیا ۔ مہابت خاں نے ایک ہاتھی اور ایک انگشتری ، جس پر زمرد کا نگین تھا ، تحفے میں پیش کی ۔ میں نے اس ہاتھی کو شاہی ہاتھیوں میں شامل کر لیا ۔

۶ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) تک میں شکار میں مشغول رہا ۔ ان چند دنوں میں سینتالیس ہرن اور ہرنیاں اور دوسرے جانور شکار کیے ۔

ان ہی دنوں میں دلاور خاں (۸) نے ایک لعل تحفۃً بھیجا تھا جو مجھے پسند آیا ۔ میں نے ایک خاص تلوار اسلام خاں کے لیے بھجوائی ۔

۱- خان عالم : میرزا برخوردار خان عالم ، (رک : حواشی جشن چہارم ، حاشیہ نمبر ۱) ۔

حسن علی ترکمان (۹) کے منصب میں ، جو ہزاری ذات و ہفت صد سوار تھا ، پانصدی ذات و یک صد سوار کا اضافہ کیا ۔

وزنِ شمسی :

۲۰ ماہ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو جمعرات کے دن شام کے وقت مریم زمانی کے گھر میں میرا وزن شمسی ہوا ۔ میں نے اپنے آپ کو مختلف دھاتوں سے تلوایا ۔ اس سال میری عمر سال شمسی کے اعتبار سے پورے چوالیس سال کی ہوگئی ۔

ان ہی دنوں شاہ ایران کا ایلچی یادگار علی اور خان عالم ، جسے میں نے اُس کے ساتھ جانے کے لیے یہاں سے متعین کیا تھا ، روانہ ہوئے ۔ یادگار علی کو میں نے ایک گھوڑا مرصّع زین کے ساتھ اور زر دوزی کفچہ اور کلغی پرداز اور جیغہ اور تیس ہزار روپے نقد عطا کیے ۔ ان تمام چیزوں کی مجموعی قیمت چالیس ہزار روپے ہوگی ۔

خان عالم کو مرصّع کھپوہ اور پھول کٹار مرحمت کیا جس کے دستے میں موتی جڑے ہوئے تھے ۔

اکبر کے مزار پر حاضری :

۲۲ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو میں ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے والد بزرگوار کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لیے بہشت آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ راستے میں میں نے پانچ ہزار روپے کی ریزگاری نچھاور کی ۔ اس کے علاوہ پانچ ہزار روپے اور میں نے خواجہ جہان کو دیے کہ درویشوں میں بانٹ دے ۔ اور شام کی نماز اور تسبیح پڑھنے کے بعد کشتی پر سوار ہو کر شہر کو واپس ہوا ، چوں کہ اعتماد الدولہ کا گھر دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا ، میں وہاں اُترا اور ایک رات اُس کے گھر میں گزاری ۔ دوسرے روز میں شام تک وہاں مقیم رہا ۔ اعتماد الدولہ کے تحائف میں سے جو اُس نے اس موقع پر پیش کیے ، جو مجھے پسند آئے وہ میں نے قبول کر لیے اور اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا ۔ اعتقاد خان کا گھر بھی دریائے جمنا کے کنارے [122] واقع تھا ۔ اس کی التجا پر میں لوگوں کے ساتھ اُس کے محل میں اُتر پڑا ۔ یہ عمارتیں اس نے نئی بنائی تھیں ۔ میں نے اُن کی سیر کی ۔ بلا شبہ یہ جگہ خوب ہے جو مجھے بہت پسند آئی ۔ اس کے

تحائف جو کپڑوں ، جواہر اور دوسری اجناس پر مشتمل تھے ، میری نظر سے گزرے اور ان میں سے اکثر اشیا مجھے پسند آئیں ۔ میں شام کے قریب اپنے دولت خانے میں داخل ہوا ۔

اجمیر کا سفر :

چوں کہ نجومیوں اور اختر شناسوں نے اسی رات کی گھڑی کو اجمیر کی جانب روانہ ہونے کے لیے پسند کیا تھا ، لہٰذا رات کی سات گھڑی گزرنے کے بعد پیر کے دن ۲ شعبان مطابق ۲۳ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو میں اجمیر کے ارادے سے دارالخلافۂ آگرہ سے روانہ ہوا ۔ اس سفر سے میرے دو مقصد تھے ؛ اول حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے روضۂ منورہ کی زیارت جن کی روح پُر فتوح کی برکتوں سے میرے خاندان کی بہت سی مشکلات آسان ہوتی رہیں ۔ تخت نشینی کے بعد سے مجھے ان کے روضۂ مبارک کی زیارت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی ۔

دوسرے میرا مقصد اس سفر سے ذلیل رانا امر سنگھ کا قلع قمع کرنا تھا جو ہندوستان کے معتبر راجاؤں میں سے ہے اور اس کے باپ دادا کی سروری اور سرداری کو اس ولایت کے تمام راجے اور رائے تسلیم کرتے رہے ہیں ۔ اور ایک عرصۂ دراز سے دولت اور ریاست اس خاندان میں چلی آ رہی ہے ۔ اس خاندان کی حکومت ایک زمانے میں ہندوستان کے مشرقی حصوں پر رہی ہے ۔ اس کے بعد وہ دکن چلے گئے اور وہاں کے اکثر علاقے انھوں نے فتح کر لیے اور راجا کے بجائے راول کے لقب کو انھوں نے اپنے نام کا جزو بنایا ۔ پھر وہاں سے سیوات کے کوہستان میں آئے اور آہستہ آہستہ انھوں نے قلعۂ چتوڑ پر قبضہ کر لیا ۔ اس روز سے اس سال تک جو میری تخت نشینی کا آٹھواں سال ہے ، اس خاندان کی مجموعی مدت حکومت ایک ہزار چار سو اکہتر سال ہوتی ہے ، اس گھرانے میں چھبیس افراد ایسے گزرے ہیں جنھوں نے راول خطاب اختیار کیا تھا ۔ ان کی مدت حکومت ایک ہزار دس سال ہے ۔ اولین راول سے لے کر ، جو اس لقب سے مشہور ہوا تھا ، رانا امر سنگھ تک جو آج رانا ہے ، چھبیس راول ہوتے ہیں جو چار سو اکسٹھ سال سے اس ریاست پر قابض اور اس کی سروری پر فائز ہیں ۔ اس طویل عرصے میں انھیں ہندوستان کا کوئی بادشاہ اپنا مطیع نہیں بنا سکا اور اکثر اوقات یہ فتنہ انگیزی اور سرکشی کرتے رہے ہیں ۔ چناں چہ حضرت فردوس مکانی (بابر)

کے عہد حکومت میں رانا سانگا نے اس ولایت کے تمام راجاؤں ، رایوں اور زمینداروں کو جمع کرکے ایک لاکھ اسّی ہزار سواروں اور چند لاکھ پیادوں کے ساتھ اطراف بیانہ (۱۰) میں جنگ کی تھی ۔ تائید الٰہی اور خوش نصیبی سے اسلامی لشکر افواج کفر پر غالب آیا اور رانا سانگا کو شکست فاش ہوئی ۔ اس جنگ کی تفصیلات معتبر تاریخوں میں ، خصوصاً آن واقعات میں جو حضرت فردوس مکانی کی تصانیف میں بھی مندرج ہیں ، وضاحت سے لکھی گئی ہیں ۔ میرے والد بزرگوار ، جن کی قبر پر اللہ کی لامتناہی رحمتیں نازل ہوں ، رانا مقہور کے قلع قمع کرنے کی بے حد کوشش کرتے رہے اور انھوں نے کئی مرتبہ اس کے مقابلے کے لیے لشکر متعین کیا ۔ وہ اپنے جلوس کے بارھویں سال قلعۂ چتوڑ کی تسخیر کے لیے جو دنیا کے مضبوط قلعوں میں سے ہے اور ولایت رانا کا تختہ الشنے کے لیے روانہ ہوئے اور قلعۂ مذکور کا چار ماہ اور دس دن محاصرہ رہا اور زبردست لڑائی کے بعد رانا امر سنگھ کے باپ اور اس کے حمایتیوں سے قلعہ مسخّر کر لیا اور قلعے کو تباہ کرکے لوٹ آئے ۔ شاہی فوجیں ہر مرتبہ اس بات کی کوشش کرتی رہیں کہ اس پر ایسا عرصۂ حیات تنگ کریں کہ وہ ذلیلہ گرفتار ہو جائے یا تباہ و برباد ہو جائے لیکن اس مقصد کے حصول میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ [123] پیش آتی رہی ۔ وہ اپنے آخری عہد حکومت میں ایک ہی روز اور ایک ہی وقت میں ایک طرف خود دکن کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے اور دوسری طرف اپنے معتبر سرداروں کے ماتحت ایک بھاری فوج رانا کے مقابلے کے لیے بھیجی ۔ اتفاق سے یہ دونوں سہمیں ان اسباب کی بنا پر جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا ، انجام کو نہ پہنچ سکیں ۔ اس کے بعد میں بادشاہ ہوا ۔ چوں کہ یہ سہم ادھوری رہ گئی تھی اس لیے میں نے تخت نشین ہونے کے بعد ہی سب سے پہلا لشکر جو غیر ممالک کے حدود میں بھیجا ، وہ یہی لشکر تھا جو رانا کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا ۔ فرزند پرویز (۱۱) کو اس لشکر کا سردار مقرر کرکے امرائے سلطنت کو جو دارالسلطنت میں موجود تھے ، اس خدمت پر متعین کیا تھا ۔ ان لوگوں کو خزانے اور توپ خانے کے ساتھ روانہ کیا ۔ چوں کہ ہر کام اپنے وقت پر موقوف ہے ، اسی زمانے میں ناعاقبت اندیش خسرو کا واقعہ پیش آیا ۔ مجھے ناچار اس کے تعاقب میں پنجاب کی طرف جانا پڑا ۔ میرے جانے کی وجہ سے ملک اور دارالخلافہ آگرہ خالی ہوگیا ۔ ان حالات میں پرویز کو لکھا گیا کہ وہ بعض امرا کے ساتھ اس

مہم سے واپس آ جائے اور دارالحکومت آگرہ اور اس کے اطراف و جوانب کی حفاظت کے لیے وہاں قیام کرے ۔ مختصر یہ کہ اس مرتبہ بھی رانا کی مہم حسبِ دل خواہ نہ انجام پا سکی ۔ جب میں خدا کے فضل سے خسرو کے فتنے سے مطمئن ہو گیا اور ایک مرتبہ پھر میرا نزولِ اجلال آگرے میں ہوا تو میں نے مہابت خان اور عبداللہ خان اور دوسرے عہدہ داروں کی سرداری میں ایک اور لشکر رانا کی مہم پر متعین کیا ۔ چناں چہ اس وقت سے لے کر آج تک یعنی میرے اجمیر کے روانہ ہونے تک رانا کا ملک شاہی افواج کی تاخت و تاراج سے پامال ہو رہا ہے ۔ لیکن یہ مہم کوئی پسندیدہ صورت اختیار نہیں کر سکی ۔ مجھے خیال آیا کہ اب مجھے آگرے میں کوئی کام بھی نہیں ہے اور مجھے اس کا بھی یقین ہو گیا کہ جب تک میں بنفس نفیس اس مہم کی طرف متوجہ نہیں ہوں گا ، یہ مہم صحیح طور پر انجام نہیں پا سکتی ۔ نجومیوں کے مقرر کردہ وقت کے مطابق میں نے قلعۂ آگرہ سے نکل کر باغ دھرہ میں قیام کیا ۔ دوسرے دن دسہرے کا تہوار تھا ۔ دستور کے مطابق ہاتھیوں اور گھوڑوں کو آراستہ کروا کر انھیں ملاحظہ کیا ۔

خسرو کو دربار میں حاضری کی اجازت :

خسرو کی والدہ اور اس کی بہنیں بار بار کہتی تھیں کہ خسرو اپنے کیے پر بہت نادم اور پشیمان ہے ، اس لیے میری محبت اور شفقتِ پدری جوش میں آئی ۔ میں نے اس کو بلایا اور اجازت دی کہ وہ ہر روز کورنش بجا لانے کے لیے آ سکتا ہے ۔

مذکورہ باغ میں میرا آٹھ دن قیام رہا ۔ ۲۸ ماہ شہریور ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو خبر ملی کہ راجا رام داس نے ، جو قلیج خان کے ساتھ بنگش اور کابل میں خدمات انجام دے رہا تھا ، وفات پائی ۔

یکم ماہ مہر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو میرا کوچ باغ دھرا سے ہوا اور میں نے خواجہ جہاں کو دارالسلطنت آگرہ اور خزانوں اور محلوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے رخصت کیا اور اسے ہاتھی اور خاص فرغل عنایت کیا ۔

راجا باسو کی وفات :

۲ مہر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو خبر ملی کہ راجا باسو نے تھانہ شاہ آباد میں ، جو رانا امرسنگھ مقہور کی سلطنت کی سرحد ہے ، وفات پائی ۔

مہر کی دس تاریخ کو روپ باس میں جو اب امن آباد کے نام سے موسوم ہے، میرا قیام ہوا ۔ میں نے یہ محال پہلے روپ خواص کی جاگیر میں دے رکھا تھا ۔ اس کے بعد میں نے مہابت خاں کے بیٹے امان‌اللہ (۱۲) کو عنایت کر کے حکم دیا کہ اس بستی کا نام اس کے نام پر رکھا جائے ۔ گیارہ روز تک میرا قیام اس جگہ پر رہا ۔ چونکہ یہ مقام میری مقررہ شکار گاہوں میں سے ہے ، میں ہر روز شکار کے لیے سوار ہو کر جاتا تھا ۔ چنانچہ ان چند دنوں میں ایک سو اٹھاون ہرن اور ہرنیاں اور مختلف جانور شکار کیے ۔

۲۵ ماہ مہر کو امن آباد سے کوچ کر کے ۳۱ ماہ مہر مطابق ۲۸ رمضان ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو خواجہ ابوالحسن نے ، جسے میں نے برہان پور سے طلب کیا تھا ، حاضر ہو کر شرفِ حضوری حاصل کیا اور پچاس مُہریں نذر گزرانیں ۔ پندرہ جڑاؤ ہتھیار اور ایک ہاتھی پیش کیا جسے میں نے شاہی ہاتھیوں میں داخل کیا ۔

۲ آبان مطابق ۱۰ رمضان ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو قلیج خاں کی وفات کی خبر پہنچی جو اس سلطنت کے قدیم ملازموں میں سے تھا [124] ۔ وہ اسّی سال کی عمر میں رحمت خداوندی سے جا ملا ۔ وہ پشاور میں پیر تاریک (۱۳) کے (معتقد) افغانوں کے قلع قمع کے لیے مقیم تھا ۔ اس کا منصب چھ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار تھا ۔

میں نے مرتضیٰ خاں دکنی کو ، جو تلوار کے چلانے میں ، جسے دکنیوں کی اصطلاح میں یک انگی کہتے ہیں اور مغل اسے شمشیر بازی کہتے ہیں ، اس مہارتِ فن کی وجہ سے ورزش خاں (۱۴) کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ اُسے اس فن میں ماہر و کامل دیکھ کر ایک مدت تک میں نے اُس کے سامنے تلوار چلانے کی مشق کی تھی ۔

میں نے ضابطہ مقرر کیا ہے کہ رات کے وقت محتاجوں اور درویشوں کو میری نظر سے گزارا جائے تا کہ میں ہر ایک کی حالت کے مطابق ان کو زمین ، زر نقد اور لباس وغیرہ عنایت کروں ۔ اُن ہی لوگوں میں سے ایک شخص نے میرے نام جہانگیر کو ابجد کے حساب سے اسم اعظم اللہ اکبر کے مطابق بنایا اور مجھے اس کی اطلاع دی تھی ۔ میں نے اس بات کو اپنے لیے نیک فال اور اچھا شگون سمجھا اور اُس شخص کو زمین ، گھوڑے ، زر نقد اور خلعت سے سرفراز کیا ۔

اجمیر میں داخلہ :

پیر کے دن ۵ شوال ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) مطابق ۲۶ آبان کو اجمیر میں داخل ہونے کی گھڑی مقرر تھی ۔ میں اُس دن صبح ہی شہر میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہوا ۔ جب قلعہ اور حضرت خواجہ بزرگوار کے روضے کی عمارتیں نظر آنے لگیں ، تو میں نے تقریباً ایک کوس پیدل طے کیا اور راستے کے دونوں جانب اپنے معتمد ملازموں کو مقرر کیا کہ فقیروں اور محتاجوں کو روپے دیتے ہوئے چلیں ۔ دن کی چار گھڑی گزرنے کے بعد میں شہر میں داخل ہوا اور پانچویں گھڑی میں روضۂ مبارک کی زیارت سے مشرّف ہوا ۔ زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد میں شاہی محل میں قیام کرنے کے لیے روانہ ہوا ۔ دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ اس مبارک شہر میں جو چھوٹے بڑے شہری اور مسافر مقیم ہیں ، ان کو میرے سامنے پیش کیا جائے تاکہ اس مبارک خطّے کے ہر رہنے والے کو اس کی حیثیت کے مطابق عطا و بخشش سے خوش کیا جائے ۔

دیوھرہ :

۷ آذر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو میں تالاب پھشکر کی طرف سیر و شکار کے لیے گیا جو ہندوؤں کی ممتاز عبادت گاھوں میں سے ہے اور جس کی بزرگی کے متعلق ایسی باتیں کہی جاتی ہیں جو عقل میں نہیں آتیں ۔ یہ تالاب اجمیر سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ تین روز تک اس تالاب میں مرغابیوں کا شکار کھیلنے کے بعد میں اجمیر واپس لوٹ آیا ۔ اس تالاب کے اطراف میں ہندوؤں کی اکثر پرانی اور نئی تعمیر شدہ عبادت گاہیں میں جو نظر سے گزریں ۔ انھیں کافروں کی اصطلاح میں دیوھرہ کہتے ہیں ۔

منجملہ اور عمارتوں کے ایک عمارت رانا شنکر (۱۵) کی بنوائی ہوئی ہے جو رانا امرسنگھ مقہور کا چچا ہے اور ہماری سلطنت کے بڑے امیروں میں سے ہے ۔ اس نے دیوھرہ میں یہ عمارت نہایت خوب صورت بنوائی ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ اس عمارت کی تعمیر میں خرچ کیا ہے ۔ میں اس عمارت کے دیکھنے کے لیے اندر گیا ۔ میں نے وہاں ایک بُت کو دیکھا جو سیاہ پتھر سے تراشا گیا تھا اور جس کی گردن کا بالائی حصہ سؤر کے سر سے مشابہ اور باقی حصہ انسان کے جسم کی طرح تھا ۔ ہندوؤں کا ناقص عقیدہ یہ ہے کہ ایک

زمانے اور مناسب وقت میں خدائے علیم وحکیم کی مشیت اس صورت میں ظاہر ہوئی ہے ۔ ہنود اس وجہ سے اس صورت کو عزیز رکھتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کریہ صورت بت کو توڑ کر مذکورہ تالاب میں ڈال دیا جائے ۔

اس عمارت کے دیکھنے کے بعد ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک سفید گنبد دکھائی دیا کہ ہر طرف سے لوگ وہاں آتے تھے ۔ میرے دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ ایک جوگی وہاں رہتا ہے ، بیوقوف لوگ اس کی زیارت کے لیے وہاں جاتے ہیں ۔ وہ ایک مٹھی بھر آٹا لوگوں کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے منہ میں ڈال کر اُس جانور کی آواز کی نقل اتاریں جس کو ان بے وقوفوں نے کبھی کوئی تکلیف دی ہو، تاکہ اس عمل سے ان کے گناہ دور ہو جائیں ۔ میں نے حکم دیا کہ اس گنبد کو برباد کرکے جوگی کو وہاں سے نکال دیا جائے ۔ (چنانچہ میرے حکم پر عمل کیا گیا) اور اس بت کو بھی توڑ دیا گیا جو اس گنبد کے اندر تھا ۔

دوسرے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس تالاب کی تھاہ نہیں ہے ۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے کسی مقام پر بھی بارہ گز سے زیادہ گہرائی نہیں ہے ۔ اس کے احاطے کی پیمائش کی گئی تو وہ [125] ڈیڑھ کوس نکلا ۔

۱۶ ماہ آذر ۲۲ .۱۰ ھ (۱۶۱۳ ع) کو خبر پہنچی کہ قراولوں نے ایک شیرنی کو گھیرے میں لے رکھا ہے ۔ میں فوراً ہی اُس طرف روانہ ہوا اور پہنچتے ہی اسے بندوق سے مار کر واپس ہوگیا ۔ چند روز کے بعد ایک نیل گائے شکار کر کے میں نے حکم دیا کہ اس کی کھال میرے سامنے کھینچی جائے اور اس کا گوشت پکوا کر فقرا کو کھلوایا جائے ۔ دو سو سے زائد لوگ کھانے کے لیے جمع ہوئے تھے جنھوں نے یہ کھانا کھایا اور میں نے ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے روپے دیے ۔

فرنگیوں کی معاہدے کی خلاف ورزی :

اسی مہینے میں مجھے خبر ملی کہ گووہ کے فرنگیوں (پرتگالیوں) نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چار اجنبی جہازوں کو ، جو **بندر سورت** کے جہازوں میں تھے ، **بندر سورت** کے قریب لوٹ لیا اور مسلمان (مسافروں) کی بڑی تعداد کو قید کر لیا اور جو ساز و سامان ان جہازوں میں تھا اس پر قبضہ کر لیا ہے ۔ مجھے یہ بات سخت ناگوار ہوئی ۔ میں نے **مقرب خاں** کو ، جس

کے سپرد بندر سورت کی حکومت تھی ، اس امر کے تدارک کے لیے گھوڑا ، ہاتھی اور خلعت دے کر ۱۸ آذر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو رخصت کیا ۔

صوبۂ دکن میں یوسف خاں (۱۶) اور بہادر الملک (۱۷) کی اُن شان دار خدمات کی بنا پر جو اُنھوں نے انجام دی تھیں ، اُن کے لیے علَم بھجوائے ، اور اُن کے ہاں تحریر بھیجی کہ اس سفر کا اصل مقصد حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت کے بعد رانا مقہور کی مہم کو سرانجام دینا ہے ۔

رانا کی مہم پر خرّم کی تعیناتی :

اسی عرصے میں مجھے خیال آیا کہ میں اجمیر میں قیام کرکے پہلے اس مہم پر فرزند سعادت مند خرّم کو بھیجوں ۔ میرا یہ خیال نہایت صحیح تھا ۔

چناں چہ ۶ ماہ دی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو منجموں کی پسندیدہ ساعت اور مبارک اور اُمید افزا گھڑی میں میں نے اُسے رخصت کیا ۔ روانگی کے وقت میں نے اسے زردوزی پھولوں کی مرصّع قبا ، جن کے پھولوں کے اطراف میں موتی ٹکے ہوئے تھے ؛ زربفت کی ایک دستار جس پر موتی ٹکے ہوئے تھے اور زربفت کا ایک رومال جس پر موتیوں کا زنجیرہ تھا ، فتح گنج نام کا ایک خاص ہاتھی اس کے ساز و سامان کے ساتھ ، ایک خاص گھوڑا ، مرصّع تلوار اور پھول کٹارا سمیت ایک کھپوا عنایت کیا ۔

اُن آدمیوں کے علاوہ جو پہلے سے خان اعظم کی سرکردگی میں اس مہم پر متعین تھے ، مزید بارہ ہزار سوار اس سعادت مند فرزند کے ہمراہ کیے اور سپاہیوں کے سرداروں کو ان کے حسب حیثیت خاص گھوڑوں اور ہاتھیوں اور فاخرہ خلعتوں سے سرفراز کرکے رخصت کیا اور فدائی خاں کو اس لشکر کی بخشی گری کی خدمت پر متعین کیا ۔

اسی موقع پر صفدر خاں کو ہاشم خاں (۱۸) کی جگہ پر کشمیر کا حاکم مقرر کرکے رخصت کیا اور اسے خاص گھوڑا اور خلعت دیا ۔

خواجہ ابوالحسن کا بخشیِ کُل پر تقرر :

بدھ کے روز ۱۱ ماہ دی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو خواجہ ابوالحسن کو بخشیِ کُل مقرر کرکے خلعت مرحمت کیا ۔

خواجہ اجمیری کی درگاہ کے لیے ایک بڑی دیگ کا بنوانا :

میں (روانہ ہوتے وقت) آگرے میں حکم دے کر آیا تھا کہ خواجۂ بزرگ کے روضۂ مبارک کے لیے ایک بڑی دیگ بنائی جائے ۔ انھیں دنوں میں وہ دیگ تیار کرکے لائی گئی[1] ۔ میں نے حکم دیا کہ اس دیگ میں فقرا کے لیے کھانا پکایا جائے اور اجمیر کے تمام فقیروں اور درویشوں کو میرے سامنے جمع کرکے کھلایا جائے ۔ چناں چہ پانچ ہزار فقیر اور درویش جمع ہوئے ۔ ان سب کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا گیا ۔ کھانا کھلانے کے بعد میں نے ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے روپے دیے ۔

ان ہی دنوں اسلام خاں حاکم بنگال نے چھ ہزار ذات و سوار کے منصب سے سرفرازی پائی اور مکرم خاں (۱۹) ولد معظم خاں کو علم عنایت کیا گیا ۔

یکم اسفندارمذ مطابق ۱۰ محرم ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں نیل گائے کا شکار کھیلنے کے لیے اجمیر سے باہر نکلا اور انیس روز کے بعد واپس لوٹا ۔ واپسی میں چشمۂ حافظ جمال کے مقام پر ، جو اجمیر سے دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، قیام کیا ۔ جمعہ کی رات وہیں گزاری ۔ جمعہ کے دن کی شام کو وہاں سے روانہ ہو کر شہر میں داخل ہوا ۔ ان بیس دنوں میں دس نیل گائیں شکار ہوئیں ۔

جب مجھے خواجہ جہاں کی حسنِ خدمت اور آگرے کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے اس کے پاس آدمیوں کی کمی کی اطلاع ملی تو میں نے اس کے منصب میں پانصد ذات و یک صد سوار کا اضافہ کیا ۔

اسی زمانے میں ابوالفتح دکنی نے اپنی جاگیر سے آکر شرفِ حضوری حاصل کیا ۔

اسلام خاں کی وفات :

۳ ماہ اسفندار مذ مطابق ۱۳ محرم ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو [126] اسلام خاں کی وفات کی خبر پہنچی کہ اس نے جمعرات کے دن ۵ رجب ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ع) کو وفات پائی اور ایک ہی دن میں ، کسی سابقہ بیماری اور تشویش ناک حالت سے

۱- یہ دیگ برعظیم پاک و ہند کی تقسیم کے وقت حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ میں موجود تھی ۔

دوچار ہوئے بغیر مر گیا ۔ وہ میرے خانہ زادوں اور تربیت یافتوں میں تھا ۔ قابلیت اور کارگزاری کے جو جوہر اس کی زندگی میں ظہور میں آئے ، وہ دوسروں سے ظاہر نہیں ہوئے ۔ اس نے بنگال کی حکومت نہایت مستقل مزاجی سے کی اور ان علاقوں کو ، جو اس سے قبل بنگال کے کسی جاگیردار کے قبضے میں نہیں آئے تھے ، ان پر قبضہ کرکے عملی طور پر شاہی سلطنت میں داخل کر دیا ۔ اگر موت اُسے مہلت دیتی تو اُس سے اور بھی شاندار خدمات انجام پاتیں ۔

خان اعظم میرزا عزیز نے خود اس امر کی التجا کی تھی کہ اسے شاہزادۂ فیروز مند (خرّم) کے ہمراہ رانا کی مہم پر مامور کیا جائے ۔ شاہزادے نے اس کو ہر طرح دلاسا دیا اور اس کی رضاجوئی کی کوشش کی مگر اس نے شاہزادہ خرّم کے ساتھ نہ تو تعاون کیا نہ اپنی بدنما روش میں کسی قسم کا فرق آنے دیا ، جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو میں نے ابراہیم حسین کو ، جو پیشی کے قابل اعتماد خادموں میں سے تھا ، خان اعظم کے پاس لطف انگیز اور محبت آمیز لہجے میں پیغام بھیجا کہ جب تو برہان پور میں تھا تو ہر روز اس خدمت کے لیے مجھ سے التجا کرتا رہا ، اور اس خدمت کو اپنے لیے دوجہان کی خوش نصیبی کا باعث سمجھتا تھا ، اور مجلسوں اور محفلوں میں کہا کرتا تھا کہ اگر میں اس مہم میں مارا جاؤں تو شہید ہوں گا ، اگر غالب آ جاؤں تو غازی ہوں گا ۔ پھر جب یہ خدمت میں نے تیرے سپرد کی تو فوجی کمک کے سلسلے میں جو مدد اور توپ خانہ تو نے چاہا ، وہ بھی میں نے تجھے دیا ۔ پھر اس کے بعد تو نے لکھا کہ اس مہم کا بادشاہ کے اس حدود میں آئے بغیر سرانجام پانا مشکل ہے ، تو تیرے اس مشورے پر میں اجمیر آیا اور یہ علاقہ شاہی لشکر کے جاہ و جلال کا مرکز بنا ۔ اب جب کہ تو نے عرائض بھیج کر شاہزادہ خرّم کے لیے استدعا کی اور تمام باتیں تیری رائے اور مشورے کے مطابق عمل میں آئیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تو اچانک جنگ سے کترا کر عدم موافقت پر اتر آیا ہے ؟ اپنے فرزند خرّم کو جسے میں نے اب تک جدا نہیں کیا تھا ، محض تیرے بھروسے اور تجربہ کاری کے اعتماد پر بھجوا دیا ۔ تجھے چاہیے کہ تو جذبۂ خیرسگالی و نیک اندیشی کو ملحوظ رکھ کر رات دن اس سعادت مند فرزند کی خدمت سے غافل نہ ہو ۔ اگر تو نے ان باتوں کے خلاف عمل کیا اور اپنے عہد سے انحراف کیا تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تجھے اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا ۔

ابراهیم حسین اس کے پاس گیا اور یہ باتیں اسی تفصیل سے اس کو سنائیں لیکن اس کا مطلقاً کوئی نتیجہ نہ نکلا اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے رویے سے باز نہ آیا ۔ جب بابا خرّم نے یہ محسوس کیا کہ اس مہم میں خان اعظم کا وجود ایک رکاوٹ سے زیادہ نہیں ہے تو خرّم نے اسے اپنی نگرانی میں لے لیا اور عرضداشت بھیجی کہ اس کی موجودگی وہاں کسی طرح مناسب نہیں ، اور محض اس خصومت کی بنا پر، جو وہ خرّم سے رکھتا ہے، کام بگاڑ دینے کی فکر میں ہے ۔ میں نے سہابت خان کو حکم دیا کہ وہ اودھے پور جا کر خان اعظم کو لے آئے اور محمد تقی دیوانِ بیوتات کو اس امر پر متعین کیا کہ وہ مندسور جا کر خان اعظم کے بیوی بچوں اور اس کے متعلقین کو اجمیر پہنچائے ۔

۱۱ ماہ مذکور کو خبر ملی کہ راے سنگھ کا بیٹا دلیپ سنگھ ، جس کی فطرت میں بغاوت و فساد بھرا ہوا ہے، اپنے چھوٹے بھائی سورج سنگھ سے ، جو اس جنگ کے لیے مامور تھا ، شکست فاش کھا کر سرکار حصار کے ایک قلعے میں محصور ہو گیا ہے ۔ ہاشم خوستی فوج دار اور اس نواح کے دوسرے جاگیرداروں نے اسے گرفتار کرکے میرے دربار میں بھجوا دیا ۔ چونکہ اس سے بار بار خطائیں سرزد ہوتی رہی تھیں ، اس لیے وہ اپنی سزا کو پہنچا اور اس کا قتل کیا جانا بے شمار مفسدوں کے لیے باعثِ عبرت ہوا ۔ میں نے اس خدمت کے صلے میں راؤ سورج سنگھ کے منصب میں پانصدی ذات اور دو سو سواروں کا اضافہ کیا ۔

۲۱ ماہ مذکور [127] کو فرزند بابا خرّم کی عرضداشت پہنچی کہ رانا کا عالم کمال نامی ہاتھی جس پر اس کو بڑا ناز تھا ، دوسرے سترہ ہاتھیوں کے ساتھ ہمارے فاتح لشکریوں کے ہاتھ آیا ہے ، اور عنقریب اس کا مالک بھی گرفتار ہو جائے گا ۔

حواشی جشن ہشتم

(۱) اعتبار خان : (خواجہ سرا) جہانگیر کے قابل اعتماد ملازموں میں تھا . امیرالاُمرا کے بعد خسرو کی نگرانی اسی کے سپرد کی گئی تھی - ۱۷ جلوس جہانگیری میں جہانگیر نے اسے منصب پنج ہزاری اور چہار ہزار سوار سے نوازا . جب یہ بیمار اور بوڑھا رہنے لگا تو جہانگیر نے اسے مستقر دارالخلافہ کی صوبے داری اور قلعہ اور خزانوں کی حفاظت و نگرانی سپرد کی . شاہجہان نے اسے منصب شش ہزاری ، پنج ہزار سوار ، خلعت ، شمشیر مرصّع ، گھوڑے اور ہاتھی سے نوازا . اس نے عہد شاہجہانی میں کسی وقت وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۳۴-۱۳۵) .

(۲) نوازش خان : میر میران کا بیٹا ، اصالت خان اور خلیل اللہ خان بخشی کا برادر علّاتی تھا . اس کا اصل نام میرزا عبدالکافی تھا . یہ صالح بیگم بنت یمین‌الدولہ آصف خان کے بطن سے پیدا ہوا . جلوس عالمگیری کے آٹھویں سال اس نے مالوے میں وفات پائی جہاں یہ فوج دار تھا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۸۲۸-۸۳۰) .

(۳) کامل خان : ولد خان اعظم کوکہ کا اصل نام میرزا خرّم تھا . اکبر نے اپنے عہد میں اُسے جونا گڑھ کی حکومت دی جو اس کے باپ کی جاگیر میں تھا . جہانگیر نے اُسے اپنے عہد حکومت میں کامل خاں کے خطاب سے نوازا . یہ مہم رانا میں بھی شاہزادہ خرّم کے ساتھ متعین کیا گیا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۶۹۳ و ج ۲ : ص ۳۱۲) .

(۴) میرزا خان : بن میرزا ایرج شاہنواز خان بن خانخانان عبدالرحیم - وفات : ۱۰۸۳ھ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۵۸۶-۵۸۹) .

(۵) افضل خان : بن علّامی شیخ ابوالفضل (رک : حواشی تخت نشینی ، حاشیہ نمبر ۲۳) .

(۶) جھروکہ : اس سے مراد نشیمن شاہی ہے ۔ یہ دیوان خاص و عام میں ایک خاص مقام ہوتا تھا جہاں بادشاہ دربار عام کے وقت جلوس کرتا تھا ۔ یہ مقام سطح سے بہت بلند ہوتا تھا ۔ اس جھروکے کے نیچے وکیل السلطنت (وزیر اعظم) ایک تخت پر کھڑا رہتا اور بادشاہ کے حضور میں کاغذات احکام حاصل کرنے کے لیے پیش کرتا ۔ باقی وزیر اور امیر اپنے اپنے مراتب اور حیثیت کے مطابق کھڑے رہتے ۔

اس کے علاوہ ایک جھروکۂ درشن بھی ہوتا تھا جہاں بادشاہ اپنی رعایا کو اپنا دیدار دیتا ۔ یہ اکبر نے ایجاد کیا تھا اور عالمگیر نے اسے ختم کیا (س) ۔

(۷) یعقوب بدخشی : ابتداءً نہ صدی پنجاہ سوار کا منصب رکھتا تھا اور خانخاناں عبدالرحیم کے ہمراہ دکن کی مہم پر متعین کیا گیا تھا ۔ جہانگیر کے آخری زمانے میں کابل میں متعین کیا گیا ۔ شاہجہاں کے جلوس کے پہلے سال نذر محمد خاں والیِ بلخ نے آ کر کابل کا محاصرہ کیا اور تہدید آمیز پیغام بھیجے تو یعقوب بدخشی نے نہایت سخت جواب اُس کو دیے ۔ عہدِ شاہجہانی میں اُس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۹۵۸) ۔

(۸) دلاور خاں : ابراہیم خاں کاکڑ (رک : حواشی تخت نشینی ، حاشیہ نمبر ۶۵) ۔

(۹) حسن علی ترکمان : عرف حسن علی خان ولد میرزا مقصود آقا ترکمان ۔ اپنے والد کے ساتھ خانخاناں کا ملازم تھا ۔ جہانگیر نے اسے منصب سے سرفراز کیا ۔ آخر میں مونگیر کا صوبےدار مقرر ہوا اور وہیں وفات پائی (رک : ذخیرۃالخوانین قلمی ، ص ۳۰۷-۳۰۸) ۔

(۱۰) بیانہ : صوبۂ اکبر آباد (آگرہ) کا مشہور و معروف شہر ہے ۔ مہدوی تحریک کے ایام میں یہاں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی ۔ مگر جب تحریک کا مرکز یہاں سے تبدیل ہو گیا تو اس شہر کی اہمیت گھٹ گئی ۔ اس شہر میں ایک نہایت عظیم‌الشان قلعہ ہے جو کبھی کالے پانی کا کام دیتا تھا ۔ چناں چہ سجان رائے بٹالوی نے لکھا ہے کہ : ''قلعۂ مستحکم دارد سابقہ امیران عصیاں مند را در آن قلعہ نگاہ می داشتند ۔'' (رک : خلاصۃالتواریخ ، ص ۴۰ (س) ۔

(۱۱) پرویز : وفات : شب چہارشنبہ ۷ صفر ۱۰۳۰ھ (رک : تعلیقات مظہر شاھجہانی ص ۳۱۹ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۱۲) امان اللہ : خان بہادر میرزا امان اللہ ولد مہابت خان ۔ جہانگیر نے اپنی حکومت کے سترھویں سال اس کے باپ کو طلب کر کے وھاں کا نظم و نسق مہابت خاں کی نیابت میں اس کے سپرد کیا اور منصب سہ ہزاری اور خطاب خانزاد خانی سے اسے سرفراز کیا ۔ جب مہابت خاں بنگال کا صوبے دار مقرر ھوا تو اس کی التجا پر اسے کابل سے طلب کر کے اس کے باپ کے پاس بھیجا گیا ۔ مہابت خان کے معرض عتاب میں آنے کے بعد یہ بنگال کا صوبے دار مقرر ھوا ۔ شاھجہان کے جلوس کے پہلے سال یہ لاھور میں اس کے پاس حاضر ھوا ۔ شاھجہان نے منصب پنج ہزار سوار اور خطاب خان زمان سے نوازا اور مالوے کا صوبے دار مقرر کیا ۔ امان اللہ نے ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی ۔ ''رستم زمانہ مرد'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ھے (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۴۰-۲۴۸) ۔

(۱۳) پیر تاریک : (پیر روشان) بن عبداللہ کا اصل نام پیر بایزید تھا ۔ ان کے معتقدین ان کو پیر روشان اور ان کے مخالفین ان کو پیر تاریک کہتے تھے ۔ ان کا خاندان انصاری کہلاتا ھے ۔ پیر بایزید ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ع) میں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر جالندھر میں پیدا ھوئے ۔ ان کے والد کانی گرم خطے (جنوبی وزیرستان) میں سکونت پذیر ھو گئے تھے ۔ یہیں شیخ بایزید پلے اور یہی خطہ اُن کی تحریک کا مرکز بنا ۔ ان کی تحریک آیندہ چل کر تحریک روشنائیہ کے نام سے موسوم ھوئی ۔ پیر بایزید نے ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ع) میں وفات پائی (رک : تذکرۂ صوفیاے سرحد ، ص ۸۲-۲۰۱ ۔ مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی) ۔

(۱۴) ورزش خان دکنی : مرتضیٰ خان نام تھا ۔ سید ابوالفتح دکنی کے عزیزوں میں تھا ۔ تلوار چلانے میں ماھر تھا ۔ جہانگیر نے اُسے منصب دے کر فن شمشیر بازی میں اپنا اُستاد بنایا ۔ عہد جہانگیری میں اس نے وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، مملوکہ سید حسام الدین راشدی ، ص ۳۲۱) ۔

(۱۵) رانا شنکر : ولد راجا اودے سنگھ بن رانا سانگا ۔ یہ ابتداءً اکبر کی ملازمت میں منسلک ھوا اور دو صدی کے منصب سے سرفراز ھوا ۔ جلوس جہانگیری

کے پہلے سال جہانگیر نے اسے بارہ ہزار روپے انعام دے کر پرویز کے ساتھ رانا کی مہم پر متعین کیا ۔ اسی سال کے آخر میں دلپت بھورتیہ کی تنبیہ کے لیے متعین کیا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے گیارھویں سال منصب سہ ہزاری و دو ہزاری سوار سے سرفراز ہوا ۔ ۱۳ جلوس جہانگیری ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو رانا شنکر نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۷۴ ۔ و امرائے ہنود ، ص ۲۸۲) ۔

(۱۶) یوسف خاں : (تکریہ) ولد حسین خاں تکریہ (رک : حواشی جشن پنجم ، حاشیہ نمبر ۵)

(۱۷) بہادرالملک : پنجاب کا رہنے والا تھا ۔ ایک طویل عرصے تک سلاطین دکن کا ملازم رہا ۔ پھر اکبر کی ملازمت میں منسلک ہوا ۔ جلوس اکبری کے تینتالیسویں سال اس نے قلعہ پونار ، جو صوبۂ برار کے مضافات میں ہے ، فتح کیا ۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے آٹھویں سال اسے جھنڈے سے نوازا ۔ ۹ جلوس جہانگیری میں جہانگیر نے اس کے منصب میں اضافہ کر کے ہاتھی عنایت کیا ۔ اس کی وفات کی تاریخ متعین نہیں ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۳۹۸) ۔

(۱۸) ہاشم خاں : ولد قاسم خاں میر بحر ۔ عہد جہانگیری کے پانچویں سال یہ کشمیر کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۹۴۰-۹۴۱) ۔

(۱۹) مکرم خاں : ولد شیخ بایزید معظم خاں ؛ اسلام خاں صوبے دار بنگال کا داماد تھا جو ایک عرصے تک اسلام خاں کی صوبے داری کے زمانے میں بنگال میں رہا ۔ جب اس کے خسر کے مرنے کے بعد بنگال کی صوبے داری اسلام خاں کے بھائی شیخ قاسم محتشم خاں کے سپرد ہوئی تو اختلافات کی بنا پر آزردہ ہو کر یہ جہانگیر کے حضور میں لوٹ آیا ۔ جلوس جہانگیری کے اکیسویں سال بنگال کی صوبے داری کا فرمان اس کے نام جاری ہوا ۔ وہ کشتی میں سوار ہو کر اس کے استقبال کے لیے نکلا ۔ اس نے ملاحوں سے کہا کہ تھوڑی دیر کشتی کو کنارے پر لگائے رکھو کہ میں عصر کی

نماز ادا کر لوں . عین اس وقت ، جب کہ وہ نماز میں مشغول تھا ، سخت ہوا چلی اور کشتی دریا میں غرق ہو گئی . اسی طوفان میں مکرم خاں اور اس کے ساتھی بھی ، جو کشتی میں سوار تھے ، غرق ہو گئے (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۶۵-۳۶۶) .

نواں جشن نوروز

نویں سال جلوس ۱۰۲۳ھ کا آغاز

جمعہ ۹ ماہ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو دوپہر اور ایک گھڑی گزرنے کے بعد سورج کا پرتو اس کے خانۂ شرف و شوکت بُرج حمل میں پڑا۔ صبح کو جو فروردین کی پہلی تاریخ تھی، جشن نوروز کی محفل اجمیر کے خطۂ دل پزیر میں منعقد ہوئی۔ سورج کی تحویل کے مبارک وقت میں، جو ایک نیک گھڑی تھی، میں تخت اقبال و کامرانی پر بیٹھا، اور رسم مقررہ کے مطابق دولت خانۂ شاہی کو نفیس و نادر اشیاء، جواھرات اور مرصّع آلات سے سجایا گیا۔ اسی مبارک وقت میں عالم کمان نامی ھاتھی، جس میں خاص ھاتھیوں میں شمار کیے جانے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں، دوسرے سترہ ھاتھیوں اور ھتنیوں کے ساتھ، جسے خرّم بیٹے نے رانا کے ھاتھیوں میں سے سال غنیمت کے طور پر بھیجا تھا، میرے سامنے پیش ھوا، جو سلطنت کے بہی‌خواھوں کے لیے مسرت کا باعث ھوا۔

نوروز کے دوسرے دن میں اس عالم کمان نامی ھاتھی پر سواری کو مبارک سمجھ کر اس پر سوار ھوا اور بہت سی اشرفیاں لٹائیں۔

اعتقاد خاں کو آصف خاں کا خطاب:

۳ ماہ فروردین ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو اعتقاد خاں (۱) کے منصب میں، جو دو ہزاری ذات و پانصد سوار تھا، سہ ہزاری ذات اور ہزار سوار کا اضافہ کرکے آصف خاں کے خطاب سے سر بلند کیا۔ یہ خطاب اس سے قبل اس کے گھرانے میں دو افراد (۲) کو مل چکا ھے۔

دیانت خاں (۳) کے منصب میں بھی پانصدی ذات اور دو سو سواروں کا اضافہ کیا۔ اسی زمانے میں اعتماد الدولہ کو منصب پنج ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے اصل و اضافے سے سرفراز کیا۔

بابا خرّم کی درخواست پر سیف خاں بارھہ کے منصب میں پانصدی ذات اور دو سو سواروں کا اضافہ کیا۔

کشن سنگھ کے منصب میں پانصد سوار کا اور سرفراز خاں (۴) کے منصب میں پانصدی ذات و سیصد سوار کا اضافہ کیا۔

اتوار ۱۰ ماہ فروردین ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو آصف خان کے تحائف میری نظر سے گزرے — ۱۴ فروردین ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو اعتماد الدولہ نے اپنے تحائف پیش کیے ۔ ان دونوں تحائف میں نفیس و نادر اشیاء دیکھنے میں آئیں اور ان میں جو چیزیں مجھے پسند آئیں وہ لے لیں اور باقی انھیں واپس کر دیں ۔

چین قلیج خان اپنے بھائیوں ، رشتہ داروں اور اپنے والد کے احتشام اور ملازموں کے ساتھ کابل سے اجمیر آیا اور آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

ابراهیم خان (۵) کو ، جس کا منصب هفت صدی ذات اور سیصد سوار تھا ، ہزارو پانصدی و شش صد سوار سے سرفراز کیا اور خواجہ ابوالحسن کی شرکت میں اُسے محل کی بخشی گری کی جلیل القدر خدمت پر مقرر کیا ۔

اسی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو مہابت خان نے ، جو خان اعظم اور اُس کے بیٹے عبداللہ کے لانے کے لیے مقرر کیا گیا تھا ، حاضر ہو کر شرف آستان بوسی حاصل کیا ۔

۱۹ فروردین ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو جشن شرف منایا گیا ۔ اسی دن مہابت خان کے تحائف میری نظر سے گزرے اور روپ سندر نامی خاص ہاتھی اپنے فرزند پرویز کے لیے روانہ کیا ۔

خان اعظم کو قلعۂ گوالیار میں مقید کرنے کا حکم :

۲۰ ماہ فروردین ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو جشن شرف کا دن گزرنے کے بعد میں نے حکم دیا کہ خان اعظم کو آصف خان کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اُسے قلعۂ گوالیار میں قید رکھے[1] ۔ اُس کے وہاں بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں رانا کی مہم میں اس کی طرف سے کوئی نفاق اور فساد واقع ہو جائے ،

۱- ۱۰۲۳ھ میں جب شاهزادہ خرم ، خان اعظم کوکہ کے التماس پر مہم رانا پر متعین کیا گیا تو شاهزادہ خرم ، خسرو کی طرف داری کی بنا پر خان اعظم سے ناخوش تھا ۔ اس بنا پر جہانگیر نے مہابت خان کو حکم دیا تھا کہ وہ خان اعظم کو اودے پور سے لائے ۔ چنانچہ وہ لایا گیا اور قید کیا گیا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۸۸) ۔

کیونکہ اس کے خسرو سے خاص تعلقات ہیں ۔ میں نے حکم دیا کہ اُسے قلعۂ گوالیار میں قیدیوں کی طرح سے نہ رکھا جائے [128] بلکہ رہنے سہنے ، کھانے پینے، پہننے اور راحت و آرام کی تمام سہولتیں مہیا کی جائیں ۔

ان ہی دنوں میں نے قلیچ خاں کو منصب دو ہزار و پانصدی ذات اور ہفت صد سوار کے اصل و اضافے سے سرفراز کیا اور تاج خاں کے منصب میں بھی ، جو بکھر کی حکومت پر متعین تھا ،[1] پانصدی ذات و سوار کا اضافہ کیا ۔

خسرو کو کورنش کی ممانعت :

۱۸ اردی بہشت ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں نے خسرو کو کورنش بجا لانے سے منع کر دیا ۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے محبت اور شفقت پدری کی بنا پر اور اس کی ماؤں اور بہنوں کی التجا پر اجازت دی تھی کہ وہ ہر روز حاضر ہوکر کورنش بجالائے ۔ لیکن اس کے چہرے سے کبھی مسرت اور خوشی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے بلکہ وہ ہمیشہ غمگین اور دلگیر نظر آتا تھا ۔ اس لیے میں نے حکم دیا کہ وہ کورنش بجا لانے کے لیے حاضر نہ ہو ۔

میرے والد کے عہد حکومت میں شاہ طہماسپ صفوی کے بھتیجے سلطان حسین میرزا کے بیٹے رستم میرزا اور مظفر حسین میرزا قندھار ، دادر اور اس کے گردو نواح کے علاقوں پر قابض و متصرف تھے ۔ وہاں سے خراسان نزدیک ہونے اور عبداللہ خاں اوزبک کے اس ملک میں آنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حکومت کے فرائض کی بجا آوری کے ناقابل سمجھنے لگے ، اور اس مضمون کے عرائض بھیجے کہ ہم اس ولایت کی نگہبانی و حفاظت کے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے ۔ اگر دربار کے اُمرا میں سے کسی شخص کو یہاں روانہ کیا جائے تو ہم اس علاقے کو اُس کے سپرد کرکے دربار میں حاضر ہو جائیں ۔

۱- تاج خاں : ۱۰۲۰ھ میں بکھر کی حکومت پر متعین ہوا اور ۱۰۲۳ھ میں میرزا رستم کی معزولی کے بعد بکھر سے ٹھٹھہ کی حکومت پر متعین ہوا ، اور اسی سال ۱۰۲۳ھ میں اُس نے ٹھٹھے میں وفات پائی ۔ (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۳۰۱ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

جب یہ عرضداشتیں بار بار پہنچیں تو میرے والد بزرگوار نے شاہ بیگ خاں کو، جو اب خان دوراں کے خطاب سے سرفراز ہے، قندھار، داور اور آس کے آس پاس کے علاقوں کا صوبہ دار اور حاکم بنا کر روانہ کیا اور محبت آمیز فرمان کے ذریعے اُن دونوں میرزاؤں کو دربار میں طلب کیا۔ اُن کے آنے کے بعد ہر ایک پر عنایت فرما کر اس قدر علاقے عنایت کیے، جو ان کے قندھار والے علاقوں سے دگنے تگنے تھے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سے ان علاقوں کا کماحقہ انتظام اور نگرانی نہ ہو سکی، جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ وہ علاقے اُن سے واپس لے لیے گئے۔

مظفر حسین میرزا میرے والد بزرگوار کی حیات میں رحمت خداوندی سے جا ملا۔ اور میرزا رستم کو انھوں نے خانخاناں کے ساتھ صوبۂ دکن بھیج دیا۔ وہاں اُسے چھوٹی سی جاگیر دے دی گئی تھی۔ جب سلطنت مجھے ملی تو میں نے اس خیال سے اس کو دکن سے بلوایا کہ اس کے ساتھ کچھ رعایت کروں اور اسے اپنے سرحدی علاقوں میں سے کسی ایک پر متعین کروں۔ اس کے آتے ہی میرزا غازی ترخان، جس سے ٹھٹے اور قندھار اور اس کے آس پاس کے علاقوں کی حکومت متعلق تھی، رحمت حق سے جا ملا۔ مجھے خیال آیا کہ اسے ٹھٹے کی حکومت پر بھیجوں تاکہ وہ وہاں اپنے ذاتی جوہر و قابلیت دکھا کر اچھے طریقے سے ملک کی حفاظت و نگرانی کرے۔ چناں چہ میں نے اُسے پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سر فراز کر کے دو لاکھ روپے نقد بطور مدد خرچ کے دیے اور ٹھٹے کی صوبہ داری کے لیے روانہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے اس سرحد پر بہترین خدمات وقوع میں آئیں گی، لیکن اس کے بر عکس اس نے توقع کے خلاف کوئی مفید خدمت انجام نہ دی، بلکہ رعایا پر اس قدر ظلم و ستم ڈھائے کہ اکثر لوگ اس کے ناروا سلوک کی شکایت کرنے لگے۔ ایسی ہی چند اور باتیں اس کے متعلق سنی گئیں کہ جن کی وجہ سے اس کا واپس بلانا لازمی ہو گیا۔ چنانچہ میں نے دربار کے اُمرا میں سے ایک شخص کو بھیج کر اسے دربار میں طلب کیا۔ ۲۶ اردی بہشت ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) کو وہ لایا گیا۔ چوں کہ اس نے خدا کی مخلوق پر بہت ظلم ڈھائے تھے اس لیے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہو گیا۔ میں نے اسے انی رائے سنگھ دلن (۶)

کے سپرد کیا تا کہ وہ اس کے اعمال کی اچھی طرح سے تحقیقات کرے اور اس کی سزا کو دیکھ کر دوسرے بھی متنبہ ہوں اور عبرت حاصل کریں ۔

ان ہی دنوں احداد افغان کی شکست کی خبر پہنچی جس کی حقیقت یہ ہے کہ معتقد خاں شاہی افواج کے ساتھ پولم گزر میں پہنچ گیا تھا جو نواح پشاور میں واقع ہے ۔ [129] اور خان دوران نے بھی ایک اور لشکر کے ساتھ کابل اور اس کے گرد و نواح میں اس رو سیاہ کے راستے کی ناکہ بندی کر رکھی تھی ۔ اسی اثنا میں پیش بولاغ سے معتقد خاں کے پاس ایک تحریر پہنچی کہ احداد کوٹ تیراہ میں پہنچ گیا ہے جو جلال آباد سے آٹھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور اپنے پیدل اور سواروں کی بڑی تعداد کے ساتھ اس جماعت پر حملہ کر دیا جو شاہی سلطنت کی بہی خواہی اور اطاعت اختیار کر چکے تھے ۔ وہ چاہتا تھا کہ ان میں سے چند کو قتل اور چند کو قید کرکے انہیں تیراہ بھجوائے اور اس کے بعد پیش بولاغ اور جلال آباد پر دھاوا بول دے ۔ اس خبر کے پہنچتے ہی معتقد خاں اپنے ہمراہی لشکر کے ساتھ فوراً ہی روانہ ہوگیا ۔ جب وہ پیش بولاغ پہنچا تو اس نے دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے جاسوس روانہ کیے ۔ بدھ کی صبح ۹ اردی بہشت ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو اسے خبر دی گئی کہ احداد اسی جگہ ہے ۔ چنان چہ اس نے میرے بخت و اقبال اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور دشمن کے سر پر پہنچ گیا ۔ دشمن چار پانچ ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ، جو خوب تجربہ کار تھے، غرور اور غفلت کے عالم میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ۔ اور اسے یہ گمان بھی نہ تھا کہ اس نواح میں خان دوران کی فوج کے سوا کوئی دوسری فوج بھی موجود ہے جو اس سے لڑ سکتی ہے ۔ جب اس بد نصیب کو شاہی افواج کے پہنچنے کی خبر ملی اور شاہی لشکر کی آمد کے آثار و علامات ظاہر ہوئے تو اس نے گھبرا کر اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا اور خود بندوق کی مار تک کی بلندی پر چڑھ کر بیٹھ گیا جس پر مشکل سے پہنچا جا سکتا تھا ۔ جب وہ اپنے لشکر کو جنگ میں جھونک چکا تو شاہی افواج کے برق اندازوں نے اس کی فوج کو اپنی بندوقوں کے نشانوں کی زد میں لے لیا اور اس کے لشکر کے بڑے حصے کو جہنم واصل کر دیا ۔ معتقد خاں بھی اپنے قلب لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنے ہراول دستوں کی صفوں میں شامل ہو گیا اور اس نے دشمن کو دو تین مرتبہ سے

زیادہ تیر اندازی کا موقع نہیں دیا ۔ اور احداد کے شکست خوردہ لشکر کا تین چار کوس تعاقب کرکے ڈیڑھ ہزار سوار اور پیادے قتل کر دیے ۔ جو باقی رہ گئے وہ زخمی اور مجروح حالت میں اپنے ہتھیار پھینک کر فرار ہو گئے ۔ افواج ِ شاہی نے رات میدان ِ جنگ ہی میں گزاری اور اگلے دن صبح کو غنیم کے مقتولین میں سے چھ سو کے سر تن سے جدا کر کے پشاور لائے جہاں ان کی کھوپڑیوں کا مینار کھڑا کیا گیا ۔

اس جنگ میں پانسو گھوڑے اور مویشی ، بہت سا مال اور ہتھیار ہاتھ لگے ۔ اور تیراہ میں جو لوگ قید تھے ، ان کو چھڑا لیا گیا ۔ شاہی لشکر میں سے اس جنگ میں کوئی جانا پہچانا لشکری ضائع نہیں ہوا ۔

جمعرات ، یکم خورداد ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں شکار کے ارادے سے پشکر[۱] کی طرف روانہ ہوا ۔ جمعہ کے دن بندوق سے دو شیر شکار کیے ۔

نقیب خاں مورخ کی وفات :

اسی دن معلوم ہوا کہ نقیب خاں رحمت ِ حق سے جا ملا ۔ مرحوم سیفی سادات سے تھا اور قزوین الاصل تھا ۔ اس کے والد میر عبداللطیف (۷) کا مزار بھی اجمیر میں ہے ۔ دو ماہ پہلے اس کی بیوی (۸) ، جس کے ساتھ اس نے نہایت انس و محبت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی ، بارہ دن بخار کی علالت سے وفات پا چکی تھی ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کو بھی اس کی بیوی کے پہلو میں ، جو خواجہ بزرگ کے روضۂ مبارک کے اندر مدفون ہے ، دفن کیا جائے ۔

چونکہ معتقد خاں نے احداد سے جنگ میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ، ان خدمات کے صلے میں میں نے اسے لشکر خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

۷ خورداد ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو دیانت خاں ، جسے میں نے اپنے بعض احکام پہنچانے کے لیے اپنے فرزند شاہزادہ خرّم کے پاس اودے پور بھیجا تھا ، واپس آیا ۔ اس نے خرّم کے حسن ِ انتظام ، لشکر کے ساز و سامان اور رسد فراہم کرنے کی تعریف کی ۔

۱- سرسید ایڈیشن میں یہاں لفظ 'بکھر' ہے جو سہو کتابت ہے ۔ صحیح لفظ 'پشکر' ہے ۔

اسی ماہ خورداد ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کی بارہ تاریخ کو فدائی خاں نے وفات پائی ۔ یہ میری شاہزادگی کے زمانے کا نوکر تھا اور میں نے تخت نشینی کے بعد اُسے رعایات سے نواز کر لشکر میں بخشی مقررہ کیا تھا ۔

چوں کہ میرزا رستم [130] نے اپنے کیے ہوئے پر ندامت اور پشیانی کا اظہار کیا تھا ، اس لیے شرافت اور انسانیت کا تقاضا تھا کہ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے ؛ اسی مہینے کے آخر میں میں نے اس کو اپنے حضور میں طلب کرکے اُسے معاف کر دیا اور خلعت پہنا کر حکم دیا کہ وہ کورنش و سلام کے لیے دربار میں حاضر ہوتا رہے ۔

ہتھنی کے بچے کی پیدائش اور مدتِ حمل کی تحقیق :

اتوار ۱۱ ماہ تیر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو رات کے وقت شاہی فیل خانے کی ایک ہتھنی نے میرے سامنے بچہ دیا ۔ میں نے بار بار حکم دیا تھا کہ ہتھنی کی مدتِ حمل کی تحقیق کی جائے ؛ آخر معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے بعد مادہ بچہ ایک سال چھ ماہ اور نر بچہ اُنیس ماہ ہتھنی کے پیٹ میں رہتا ہے ۔ ہاتھیوں کے بچے انسان کے بچوں کے بر عکس سر کے بل پیدا ہونے کی بجائے پاؤں کے بل پیدا ہوتے ہیں ۔ اس ہتھنی نے جیسے ہی بچہ دیا ، وہ اپنے پاؤں سے اس پر مٹی ڈالنے لگی اور محبت سے اُسے چومنے چاٹنے لگی ۔ اور بچہ زمین پر گرنے کے بعد ہی اٹھا اور ماں کا دودھ پینے لگا ۔

۱۴ ماہ تیر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو مجلس گلاب پاشی (۹) منعقد ہوئی ۔ جو قدیم زمانے سے آب پاشی کے نام سے مشہور ہے ، اور ہماری قدیم مقررہ رسوم میں سے ہے ۔

راجا مان سنگھ کی وفات :

۵ ماہ امرداد ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو راجا مان سنگھ کی وفات کی خبر ملی ۔ راجا مان سنگھ میرے والد بزرگوار کے دربار کے اعلیٰ اُمرا میں تھا ۔ چوں کہ اُنھوں نے اکثر اُمرا کو باری باری دکن کی مہم پر بھجوایا تھا ، لہٰذا اسے بھی اس مہم پر روانہ کیا تھا ۔ اسی خدمت گزاری میں اُس نے وفات پائی ۔ میں نے اس کے بیٹے مرزا بھاؤ سنگھ کو اس کا جانشین مقرر کرنے کے لیے دربار میں

طلب کیا ۔ اگرچہ ہندوؤں کے رسم و رواج اور حق کلانیت کے اعتبار سے اور ہندوؤں کے ضابطے کے مطابق جو ان میں مروّج ہے ، مان سنگھ کی جانشینی کا حق جگت سنگھ کے باپ مہا سنگھ کو پہنچتا تھا جو راجا مان سنگھ کی سب سے بڑی اولاد ہے ، اور اس نے مان سنگھ کی زندگی ہی میں وفات پائی تھی ، لیکن میں نے اس کو (مہا سنگھ) پسند نہیں کیا اور بھاؤ سنگھ کو میرزا راجا کے خطاب سے ممتاز کر کے چار ہزاری ذات اور سہ ہزاری سوار کے منصب سے سربلند کیا اور انبیر کا علاقہ ، جو اُس کے آباء و اجداد کا وطن تھا ، اُسے مرحمت کر دیا ، کیوں کہ میری شاہزادگی کے زمانے سے ہی وہ میری خدمت گزاری میں بہت حصہ لیتا تھا ۔

مہا سنگھ کی دل جوئی کے لیے اُس کے سابق منصب میں پانچ سو پیادوں کا اضافہ کر کے گڑھہ کا علاقہ انعام کے طور پر اس کو عنایت کیا ۔ اس کے علاوہ اس کے لیے جڑاؤ کمر خنجر ، گھوڑا اور خلعت بھی بھیجا ۔

ناسازیِ مزاج :

۸ امرداد ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں نے اپنے مزاج میں بیماری کے آثار محسوس کیے ۔ رفتہ رفتہ مجھے بخار اور دردِ سر شروع ہوا ۔ میں نے اس خیال سے کہ مبادا ملک کے حالات میں خلل اور لوگوں میں گڑ بڑ پیدا ہو ، اپنی بیماری کو اپنے محرمانِ خاص اور ہم راز لوگوں سے بھی چھپایا ، یہاں تک کہ حکما اور اطبّا کو بھی آگاہ نہیں کیا ۔ چند روز اسی طرح گزرے ۔ محل کی محرموں میں سے صرف نور جہاں بیگم کو اس معاملے میں اپنا محرم راز بنایا تھا ، کیوں کہ میں اس سے بڑھ کر کسی کو اپنا ہمدرد اور غم گسار نہیں سمجھتا ۔ ثقیل غذاؤں کے استعمال سے پرہیز کیا اور کم مقدار میں ہلکی غذائیں کھانے لگا ۔ اس کے باوجود تمام دن مقررہ قاعدے کے مطابق دیوان خانۂ خاص و عام اور جھروکے کی نشست اور غسل خانے کی آمد و رفت اور روزمرہ کے تمام معمولات حسب دستور انجام دیتا رہا ، یہاں تک کہ چہرے پر ضعف کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے اور بعض بزرگوں کو اس کا علم ہو گیا ۔ تب میں نے ایک دو اطبّا کو جو قابل اعتماد تھے ، مثلاً حکیم مسیح الزمان (۱۰) حکیم ابوالقاسم (۱۱) اور حکیم عبدالشکور سے اظہار حال کیا ۔ بخار کے تسلسل اور تین راتوں تک مقررہ مقدار میں شراب

نہ پینے کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت بڑھ گئی ۔ میں اسی تشویش اور کمزوری کی حالت میں حضرت خواجہ بزرگ کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور وہاں حاضر ہو کر میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی صحت کے لیے دعا کی اور صدقات اور نذریں مانیں ۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے صحت عطا فرمائی ۔ آہستہ آہستہ [131] بیماری میں تخفیف ہونے لگی ۔ وہ درد سر جو سخت تھا ، حکیم عبدالشکور کے علاج سے جاتا رہا ۔ بائیس دن میں مجھے مکمل صحت حاصل ہو گئی ۔ تمام شاہی ملازموں نے بلکہ تمام مخلوق نے میری صحت یابی کے شکرانے میں اپنے صدقات پیش کیے (تا کہ میں اپنے ہاتھ سے وہ صدقات فقرا میں تقسیم کروں) لیکن میں نے کسی کے صدقے کو قبول نہیں کیا اور حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے گھر میں فقیروں کو جو چاہے تقسیم کرے ۔

۱۰ شہریور ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو خبر ملی کہ پٹنے کے حاکم تاج خان افغان نے وفات پائی ۔ وہ اس سلطنت کے قدیم امیروں میں تھا ۔

بیماری کے زمانے میں میں نے منت مانی تھی کہ کامل صحت ہونے پر جس طرح میں باطنی طور پر خواجۂ بزرگ (خواجہ معین الدین اجمیری) کا حلقہ بگوش اور معتقد ہوں ، اور اپنے وجود کو انھی کی روحانی توجہ کے طفیل سمجھتا ہوں ، اسی طرح ظاہری طور پر بھی اپنے کان چھدوا کر ان کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤں گا ۔ چنانچہ جمعرات ۱۲ شہریور مطابق ماہ رجب ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں نے اپنے دونوں کان چھدوا کر ہر کان کے حلقے میں ایک ایک موتی پرو کر آویزاں کر لیا ۔

جب اس کو اہل دربار ، ملازموں اور بہی خواہوں نے دیکھا ، تو ان میں سے بہت سے امرا نے ، جو حضور میں تھے اور بہت سے ان امرا نے جو سلطنت کی سرحدوں پر متعین تھے ، اپنے اپنے کانوں کو چھدوا کر موتی اور لعل آویزاں کر لیے اور حسن اخلاص کا مظاہرہ کیا ۔ یہ جواہر انھیں جواہر خانۂ خاص سے عنایت ہوئے تھے ۔ میری تقلید کی یہ رسم آہستہ آہستہ بڑھ کر احدیوں اور عام لوگوں تک پہنچ گئی ۔

جمعرات ۲۲ ماہ شہریور مطابق ۱۰ ماہ شعبان ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو دن کے آخری حصے میں میرے وزن کی مجلس شمسی دیوان خانۂ خاص میں منعقد ہوئی ۔ تمام امرا مقررہ شرائط کے مطابق پورے رسوم بجا لائے ۔

اسی دن میرزا راجا بھاؤ سنگھ کامراں اور بامراد ہو کر اس وعدے کے ساتھ اپنے وطن کو واپس ہوا کہ وہ دو تین مہینے سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہرے گا۔

۲۷ ماہ مہر کو خبر ملی کہ فریدون خان برلاس نے اودے پور میں وفات پائی۔ طبقۂ برلاسیہ میں سوائے اس کے کوئی سردار باقی نہیں رہا تھا۔ چوں کہ اس جماعت کے اس سلطنت میں بہتیرے حقوق اور بے شمار تعلقات ہیں، میں نے اُس کے بیٹے مہربان علی پر نوازش فرما کر اس کو منصب ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کیا۔

اُن پسندیدہ خدمات کی وجہ سے، جو خان دوراں نے انجام دی تھیں، میں نے اُس کے ذاتی منصب میں اضافہ کیا، جو اصل و اضافہ ملا کر شش ہزاری ذات اور پنج ہزار سوار ہو گیا۔

۹ ابان ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو بعض عہدہ دارانِ شکار خبر لائے کہ چھ کوس کے اندر تین شیر دیکھے گئے۔ دو پہر کے بعد میں اُس طرف روانہ ہوا اور میں نے تینوں شیروں کو شکار کر لیا۔

اسی ماہ کی آٹھویں تاریخ کو دیوالی کا ہنگامہ شروع ہوا۔ دیوالی کی تین راتوں میں میں نے اپنے مقرب مصاحبوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بازی لگائیں، خوب جیت ہار ہوئی۔

اسی ماہ (ابان) کی اٹھارہ تاریخ کو سکندر سئین[1] قراول کی لاش اودے پور سے اجمیر لائی گئی جو میرے فرزند خرم کے ٹھہرنے کا مقام تھا۔ یہ میرے قدیم اور مخلص خدمت گاروں میں سے تھا اور اس نے میری شاہزادگی کے زمانے میں میری بہت خدمتیں کی تھیں۔ میں نے قراولوں اور اس کے جرگے کے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی نعش رانا شنکو کے تالاب کے کنارے سپرد خاک کریں۔

۱۲ آذر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور چورالوے ہاتھی، جو اسلام خان نے اپنی زندگی میں کوچ کے زمینداروں سے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کیے تھے، میرے ملاحظے سے گزرے۔ میں نے ان ہاتھیوں

۱- سئین: راجپوتوں کی ایک گوت ہے۔ اس کے اکثر افراد سابق پنجاب میں آباد ہیں۔

میں سے چند ہاتھیوں کو شاہی ہاتھیوں میں داخل کرنے کا حکم دیا ۔ کوچ ، ملک کے انتہائی مشرق میں واقع ہے ۔

اسی تاریخ کو اسلام خان کے لڑکے ہوشنگ نے بنگالہ سے آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی اور دو ہاتھی ، ایک سو مُہریں اور ایک سو روپیہ بطور نذر پیش کیا ۔

ایک خواب :

دے کے مہینے کی ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عرش آشیانی [132] مجھ سے فرماتے ہیں کہ بابا ! عزیز خان کا ، جو خان اعظم ہے ، میری خاطر گناہ بخش دو ۔ اس خواب کے بعد میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں اُسے قلعے سے واپس بلا لوں گا ۔

چشمۂ نور :

نواحِ اجمیر میں ایک درہ واقع ہے جو نہایت ہی صاف اور خوش نما مقام ہے ۔ اس درے کی انتہا پر ایک چشمہ ہے جس کا پانی ایک لمبے اور چوڑے تالاب میں جمع ہوتا ہے اور یہ پانی اجمیر کا بہترین پانی سمجھا جاتا ہے ۔ یہ درہ اور چشمہ حافظ جمال کے نام سے مشہور ہے ۔ جب میرا گزر اس مقام پر ہوا تو میں نے حکم دیا کہ اس جگہ کے شایانِ شان ایک عمارت بنائی جائے ۔ چوں کہ یہ جگہ عمارت کے لیے نہایت مناسب و موزوں تھی اس لیے ایک سال کی مدت میں اس مقام کو اس طرح آراستہ و پیراستہ کیا گیا کہ دنیا کے سیّاح اُسے بے مثال بتانے لگے ۔ چالیس گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک حوض بنایا گیا اور اس میں ایک فوارہ نصب کیا گیا ، اور اس چشمے کے پانی کو فوارے کے ذریعے سے اس حوض میں جاری کیا گیا ۔ اس فوارے کا پانی دس بارہ گز اُوپر اُچھل کر گرتا ہے ، اس حوض کے کنارے پر نشیمن بنائے گئے ہیں اور اسی طرح اس کے بالائی حصے میں بھی جہاں یہ تالاب اور حوض واقع ہے ، موزوں مقامات پر خوش نما محل اور دیدہ زیب آرام گاہیں تعمیر ہوئی ہیں ۔ ان میں سے بعض کو ماہر اُستادوں اور چابک دست نقاشوں نے اپنے کمالِ ہنر سے مصور و منقّش کیا ہے ۔ میں چاہتا تھا کہ اس مقام کا نام میرے مبارک نام کی مناسبت سے رکھا جائے ۔

چناں چہ میں نے اس کا نام چشمۂ نور رکھا۔ ایک بات یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب نکالا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ مقام کسی بڑے شہر یا کسی ایسی شاہراہ پر واقع نہیں ہے جہاں کثرت سے لوگوں کی آمد و رفت ہو۔

ان عمارتوں کے مکمل ہو جانے کی تاریخ سے میں اکثر جمعرات اور جمعہ کا دن اسی جگہ گزارتا ہوں۔ میں نے شعرا کو حکم دیا کہ وہ اس کی تاریخ تعمیر کی فکر کریں۔ سعیدائے گیلانی زرگر باشی نے :

"محل شاہ نورالدین جہانگیر"

سے اس عمارت کی تعمیر کی تاریخ نکالی اور خوب تاریخ نکالی۔ میں نے حکم دیا کہ اس ایوان کی بالائی عمارت پر اس قطعے کے آخری مصرعے کو ایک پتھر پر کندہ کرکے نصب کیا جائے۔

ماہ دے ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کے شروع میں کچھ سوداگر ولایت سے آئے اور یزد کے انار اور کاریز کے خربوزے، جو خراسان کے بہترین خربوزوں میں ہیں، ساتھ لائے۔ چناں چہ میں نے اپنے دربار کے مصاحبوں اور سرحد کے امرا کو بھی یہ میوے تقسیم کیے۔ یہ میوے کھا کر سب کے سب خدا کا شکر بجا لائے۔ میں نے اس سے قبل ایسے عمدہ قسم کے خربوزے اور انار نہیں دیکھے تھے۔ اگرچہ ہر سال میرے لیے بدخشاں سے خربوزے اور کابل سے انار لائے جاتے تھے لیکن وہ خربوزے اور انار یزد کے اناروں اور کاریز کے خربوزوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ چوں کہ میرے والد بزرگوار، انار اللہ برہانہ، کو میووں کی طرف بڑی رغبت تھی، مجھے بے حد افسوس ہوا اور تمنا ہوئی کہ کاش یہ میوے آن کے مبارک زمانے میں ولایت سے ہندوستان آئے ہوتے تا کہ وہ بھی ان کو کھا کر خوش اور محظوظ ہوتے۔

عطرِ جہانگیری :

اسی طرح کا افسوس مجھے عطر جہانگیری پر ہوتا ہے کہ اس نئے عطر کی خوشبو سے میرے والد اپنے مشامِ جان کو معطر نہ کر سکے۔ یہ عطر میرے

عہد حکومت کی اختراع ہے جو نور جہاں بیگم کی والدہ[1] (۱۲) کی کوشش سے ظہور میں آئی ۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب پھولوں سے عرق گلاب کھینچا جاتا ہے تو اُن برتنوں کے اوپر جن میں گرم گرم عرق گلاب نکالتے ہیں ، روغن کی سی تہ جمع ہو جاتی ہے ۔ اسی روغنی مادے کو ، جو عرق گلاب کھینچتے وقت برتنوں کے بالائی حصے پر تھوڑی مقدار میں جمع ہو جاتا ہے ، اکٹھا کرتے جاتے ہیں ۔ اس طرح گلاب کے بہت سے پھولوں سے جن سے عرق گلاب کھینچا جاتا ہے ، یہ مادہ قابل ذکر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے ۔ اس میں خوش بو اور عطریت اس درجہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہتھیلی پر ملا جائے تو پوری محفل مہک اٹھتی ہے ، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر گلاب کی کلیاں زیادہ تعداد میں ایک بار کھل جائیں تب بھی اُن کی خوشبو ، اس کی خوشبو کی ملائمت اور شوخی [133] کی ہمسری نہیں کر سکتی ۔ اس کی خوشبو مُردہ دلوں کو زندگی اور پژمردہ جانوں کو شگفتگی بخشتی ہے ۔ میں نے اس عطر کے ایجاد کرنے والے کو اس اختراع پر موتیوں کا ایک ہار عنایت کیا ۔ سلیمہ سلطان بیگم ، نوّر اللہ مرقدھا ، اُس وقت موجود تھیں ۔ انھوں نے اس عطر کا نام عطر جہانگیری رکھا ۔

ہندوستان کے مختلف خطّوں کی آب و ہوا میں بڑا فرق نظر آتا ہے ۔ اسی دے کے مہینے میں لاہور میں ، جو ولایت اور ہندوستان کے مابین وسطی خطہ ہے ، شہتوت کے درخت بار ور ہوئے اور ان میں وہی شیرینی اور لطافت پائی جاتی ہے جو عین فصل کے زمانے میں ہوتی ہے ۔ لوگ چند دن تک ان کو کھا کر لطف اٹھاتے رہے ۔ وہاں کے واقعہ نویسوں نے اس کی اطلاع لکھ کر بھیجی تھی ۔

اُن ہی دنوں میں بختر خاں کلاونت درویشوں اور فقیروں کے لباس میں یہاں آیا ۔ یہ عادل خاں[2] سے خصوصی تعلق رکھتا ہے اور اس نے اُس نے اپنے بھائی کی بیٹی بیاہ دی ہے ، اور اُسے گانے اور دھرپت الاپنے میں اپنا خلیفہ

۱- دیکھیے شجرۂ مادری و پدری نور جہاں بیگم اور وہ حواشی جو شجروں کے فوراً بعد شروع ہوتے ہیں (صفحہ ۷۴۴) ۔

۲- عادل خاں سے مراد ابراہیم عادل شاہ ثانی والی بیجا پور ہے ۔اس نے ۹۸۷ھ تا ۱۰۳۵ھ تک حکومت کی ۔ وہ اکبر اور جہانگیر دونوں کا معاصر تھا ۔

قرار دیا ہے ۔ میں نے اُسے بلا کر اس کے حالات پوچھے اور اس کی دل داری کی کوشش کی ۔ پہلی ہی مجلس میں میں نے اس کو دس ہزار روپے نقد اور مختلف اقسام کے پچاس کپڑے اور ایک تسبیح دانۂ مرواریدکی دی اور اُس کو آصف خاں کا مہمان بنایا ، تا کہ وہ اس کے ضروری حالات سے با خبر ہو اور اُسے واقف کرائے بغیر یہ معلوم کرے کہ آیا وہ عادل خاں کی اجازت کے بغیر یہاں آیا ہے یا عادل خاں نے اسے اس لباس میں بھیجا ہے ، تا کہ وہ یہاں کے صلاح و مشوروں سے واقف ہو کر عادل خاں کے پاس یہاں کی خبریں لے جائے ۔ میرا ظن غالب یہ تھا کہ اس خصوصی تعلق کے بعد وہ عادل خاں کی اجازت کے بغیر یہاں نہ آیا ہو گا ۔ اور میرے اس خیال کی صحت اس عرضداشت سے ظاہر ہوتی ہے جو میر جلال الدین حسین نے ، جو ان دنوں بہ حیثیت ایلچی بیجا پور میں مقیم ہے ، مجھے لکھی تھی ۔ اس نے اپنی عرضداشت میں لکھا تھا کہ عادل خاں نے اظہار تشکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو عنایتیں بندگان حضرت کی جانب سے بختر خاں پر مبذول ہوئی ہیں ، گویا وہ عنایتیں اور شفقتیں خود میرے لیے بالارادہ وقوع میں آئی ہیں ۔ اس عرضداشت کے بعد میں نے بختر خاں کے ساتھ حسن سلوک میں اور بھی اضافہ کر دیا ۔ جب تک کہ وہ یہاں تھا ، میں ہر روز اس کو اپنی نئی مہربانیوں سے سرفراز کرتا اور راتوں کو اپنی خدمت میں بلاتا تھا اور وہ دھرپت الاپتا تھا ، جو عادل خاں کی تخلیق ہیں اور ان طرزوں کا وہ خود موجد ہے ، اور اس نے ان کو نورس کا نام دیا ہے ۔ اس کے بقیہ حالات اُس تاریخ میں درج کیے جائیں گے جب کہ وہ یہاں سے رخصت ہوا ۔

اسی زمانے میں ولایت زیرباد سے ایک پرندہ لایا گیا جس کے جسم کا رنگ طوطے کے رنگ جیسا ہے ، لیکن وہ جثے کے اعتبار سے طوطے سے چھوٹا ہے ۔ اس پرندے کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام رات درخت کی شاخ پر یا جس لکڑی پر اُسے بٹھایا جاتا ہے ، اپنے پنجوں سے پکڑے ہوئے اُلٹا لٹک کر زمزمہ سرائی کرتا ہے ۔ جب دن ہو جاتا ہے تو وہ اس درخت کی شاخ پر سیدھا بیٹھ جاتا ہے ۔ اگر چہ کہا جاتا ہے کہ جانور بھی عبادت کرتے ہیں لیکن میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ اس کا طبعی فعل ہے ۔ یہ پرندہ بالکل پانی نہیں پیتا بلکہ پانی اس کے حق میں زہر کا کام کرتا ہے ، باوجود اس کے کہ تمام حیوانات کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے ۔

خوش خبری کے پیغامات :

ماہ بہمن ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) میں مجھے پے در پے چند خوش خبریاں حاصل ہوئیں ۔ پہلی خوش خبری یہ تھی کہ رانا امر سنگھ نے اطاعت و بندگی اور سلطنت کی بہی خواہی اختیار کر لی ہے ۔ اس خوش خبری کی تفصیل یہ ہے کہ فرزند سعادت مند ، بلند اقبال سلطان خرّم نے جا بجا ایسے مقامات پر چوکیاں قائم کی تھیں کہ وہاں کی آب و ہوا کی خرابی اور مقامات کی دشواری کی وجہ سے لوگوں کو یہ گمان تھا کہ ایسے مقامات پر چوکیاں قائم کرنا ممکن نہیں ۔ اس کے علاوہ اس نے شدت گرما اور بارش کی کثرت کی پروا کیے بغیر پے در پے لشکر روانہ کر دیے ۔ جب اس علاقے کے لوگ اور ان کے اهل و اعیال گرفتار ہو گئے اور بھوک و پیاس کی شدت ہوئی تو رانا بے حد پریشان ہو گیا ، [134] یہاں تک کہ اسے اندازہ ہو گیا کہ اگر وہ کچھ اور دن اس روش پر چلتا رہا تو اسے اپنے ملک سے جلا وطن ہونا پڑے گا یا وہ گرفتار ہو جائے گا ۔ مجبوراً اس نے اطاعت اور سلطنت کی بہی خواہی اختیار کر لی ۔ چناں چہ اس نے اپنے خالو سوپ کرن کو هرداس جھالہ (۱۳) کے ساتھ ، جو اس کے قابل اعتماد اور سمجھ دار لوگوں میں تھا ، اس فرزند اقبال‌مند کے پاس بھیج کر گزشتہ خطاؤں کی معافی چاہنے کی درخواست کی اور خواہش کی کہ اس کے اطمینان قلب کے لیے میرا نشان پنجۂ مبارک اس کے پاس بھیجا جائے تو وہ خود بھی خرم کی خدمت میں حاضر ہو گا ۔ اور اپنے فرزند کرن کو اپنا جانشین بنا کر درگاہ والا میں بھیجے گا ، یا دوسرے اور راجگان ملک کے طریقے کے مطابق وہ درباری اُمرا کے زمرے میں شامل ہو کر خدمت بجا لائے گا ، خود اسے پیرانہ سالی کی وجہ سے دربار کی حاضری سے معاف رکھا جائے ۔ رانا امر سنگھ کی اس درخواست پر فرزند خرّم نے ایک عرضداشت بھیجی جو اصل حقیقت پر مشتمل تھی اور رانا کے لوگوں کو اپنے دیوان مُلا شکراللہ (۱۴) کے همراہ ، جس کو میں نے اس مہم کی کامیابی پر افضل خاں کے خطاب سے سرفراز کیا تھا ، اور اپنے میر سامان سندر داس کے ساتھ ، جسے میں نے اس مہم کے انجام پانے پر رائے رایان کے خطاب سے ممتاز کیا تھا ، ارسال کیا ۔

چوں کہ میں ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو قدیم

خاندانوں کو برباد نہ کیا جائے ۔ رانا کے مقابلے میں لشکر بھیجنے کی اصل وجہ بھی یہ ھی تھی کہ رانا امر سنگھ اور اس کے آبا و اجداد اپنے مستحکم پہاڑی علاقوں میں مغرور بنے بیٹھے تھے اور ہندوستان کے کسی بھی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی ۔ میں اس مسئلے کو اپنی حکومت کے زمانے میں امن خوبی سے ختم کرنا چاھتا تھا کہ یہ بات اس سے آگے نہ بڑھنے پائے ۔

میں نے فرزند خرم کی التجا پر رانا امر سنگھ کے قصور معاف کرکے ایک عنایت آمیز فرمان جو اس کی دل جمعی کا باعث ہو ۔ اور نشان پنجۂ مبارک بھیج دیا اور ایک فرمان مرحمت عنوان فرزند خرم کے نام بھیجا کہ تمھاری سعی سے یہ مہم اس طرح انجام کو پہنچے کہ یہ امر ھماری خوشنودی کا باعث ھو جائے ۔

فرزند خرّم نے وہ فرمان اور نشان پنجۂ مبارک (۱۵) ملا شکر اللہ اور سندرداس کے ہمراہ رانا کے پاس بھیج دیا تاکہ اُسے تسلی دے کر مراحم خسروانہ اور عنایات شہنشاھی کا امید وار بنائیں ۔ یہ قرار داد ھوئی کہ وہ اتوار کے دن ماہ بہمن کی چھبیس تاریخ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ خرم کی خدمت میں حاضر ھو ۔

دوسری خوش خبری ، جو اس زمانے میں ملی ، وہ گجرات کے حاکم زادے بہادر کی وفات کی تھی جس کا مایۂ خمیر فتنہ و فساد سے بھر ہوا تھا ۔ خدائے تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے اُسے نیست و نابود کر دیا اور وہ اپنی طبعی موت سے مر گیا ۔

ورزا کی شکست :

تیسری خوش خبری جو اس زمانے میں ملی ، وہ ورزا (۱۶) کی شکست کی تھی جو قلعے اور بندر سورت پر قبضہ کرنے کے لیے پوری تیاری سے آیا تھا ۔ بندر مذکور کے لشکریوں اور اُن انگریزوں کے ساتھ ، جو اُس قلعے میں پناہ لیے ہوئے تھے ، اس کی جنگ ہوئی ۔ اس کے اکثر جہاز انگریزوں کی آتش باری سے جل گئے ۔ مجبوراً وہ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے کسی شخص کو مقرب خاں حاکم گجرات کے پاس صلح کا پیغام دے کر بھیجا اور کہلایا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ صلح کے لیے آئے تھے ، خود انگریزوں نے یہ جنگ برپا کردی ۔

دوسری خبر جو اس زمانے میں ملی ، وہ یہ تھی کہ راجپوتوں میں سے چند افراد نے عنبر کے مارنے اور قتل کردینے کا عہد کیا تھا ۔ چناں چہ وہ اسی تاریخ میں وہاں پہنچ گئے اور موقع پا کر اس کی گھات میں بیٹھ گئے تھے ، بلکہ ایک شخص نے حملہ کر کے عنبر کو کچھ زخمی بھی کر دیا تھا ۔ اس وقت جو لوگ عنبر کے اردگرد تھے ، انھوں نے راجپوتوں کو مار کر عنبر کو اس کی منزل پر پہنچا دیا ورنہ عنبر کے ذلیل ہونے اور مارے جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی ۔

رانا کے بیٹوں کی حاضری :

بہمن ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کے مہینے کی آخری تاریخوں میں ، جب کہ میں اجمیر میں شکار بیں مشغول تھا ، فرزند بلند اقبال سلطان خرّم کے ملازم محمد بیگ (۱۷) نے حاضر ہو کر فرزند خرم کی عرضداشت پیش کی اور عرض کیا کہ رانا اپنے بیٹوں کے ساتھ [135] شاہزادہ خرم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے ۔ اس واقعے کی تمام تفصیلات شاہزادہ خرّم کی عرضداشت سے معلوم ہوئیں ۔ میں اسی وقت اپنا روئے نیاز اس بارگاہ بے نیاز کی طرف کرکے سجدۂ شکر بجا لایا اور ایک گھوڑا اور ہاتھی اور ایک مرصّع خنجر میں نے محمد بیگ کو عنایت کیا ۔ اور ساتھ ہی اُسے ذوالفقار خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

عرضداشت سے معلوم ہوا کہ اتوار کے روز ۲۶ ماہ بہمن ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو رانا ان تمام آداب کو قوانین و بجا لاتے ہوئے جو بندگان شاہی کا دستور ہیں ، فرزند بلند اقبال (خرم) کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور ایک بڑا مشہور لعل جو اس کے گھر میں تھا ، کچھ مرصع آلات اور سات ہاتھی جن میں بعض شاہی فیل خانے کے لائق تھے اور ان ہاتھیوں میں سے تھے جو ہماری فوج کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نو گھوڑے بطور نذر پیش کیے ۔ فرزند خرّم بھی اس کے ساتھ اسی مناسبت سے کمال عنایت و مہربانی کے ساتھ پیش آیا ۔ چناں چہ جس وقت رانا نے اس کے پاؤں پکڑ کر اپنے قصور کی معذرت کی ، خرّم بھی فوراً اس کا سر قدموں سے اٹھا کر اُس سے بغل گیر ہوا ۔ اس کو اس طرح تسلی دی کہ وہ مطمئن ہو گیا اور اسے خلعت فاخرہ اور ایک گھوڑا مرصّع زین کے ساتھ اور خاص ہاتھی مع چاندی کے سازو سامان کے عنایت کیا ۔

جو جماعت اس کے ساتھ تھی ، اس میں سو آدمیوں سے زیادہ اس قابل نہ تھے

کہ انھیں سراپا عطا کیا جاتا ۔ لہٰذا اس نے سو سراپا اور پچاس راس گھوڑے اور بارہ مرصّع کھپوے اُن کو عنایت کیے ۔

چوں کہ زمینداروں کا یہ طریقہ ہے کہ ولی عہد بیٹا باپ کے ساتھ بادشاہوں کی بارگاہ میں نہیں آتا لہٰذا رانا بھی اس طریقے کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرن کو، جو اس کا ٹیکا (ولی عہد) تھا، اپنے ساتھ نہ لایا تھا ۔ چوں کہ وہاں سے خرم کے روانہ ہونے کا وہ آخری دن تھا اس لیے خرم نے اُسے روانہ کر دیا تاکہ وہ جا کر کرن کو اس کی خدمت میں روانہ کر دے ؛ چناں چہ اس کے جانے کے بعد کرن حاضر ہوا اور اسے بھی فرزند خرم نے خلعت فاخرہ، شمشیر اور خنجر مرصّع اور گھوڑا طلائی زین سمیت اور خاص ہاتھی عنایت کیا ۔ اور اسی دن وہ کرن کو ساتھ لے کر درگاہ والا میں پہنچنے کے لیے روانہ ہو گیا ۔

شکار سے واپسی :

۳ اسفندار ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو میں شکار سے اجمیر واپس ہوا ۔ شکار کھیلنے کی یہ مدت سترہ بہمن سے تین اسفندار تک تھی ۔ میں نے اس زمانے میں ایک شیرنی مع اس کے تین بچوں کے اور تیرہ نیل گائیں شکار کیں ۔

شہزادہ خرّم اور کرن کی دربار میں حاضری :

۱۰ اسفندار ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ع) کو ہفتے کے دن شاہزادہ خرّم موضع دیورانی میں جو اجمیر کے قریب ہے اُترا ۔ میں نے حکم دیا کہ تمام اُمرا اس کے استقبال کے لیے جائیں اور ہر شخص اپنی حیثیت اور اپنے عہدے کے مطابق اُسے تحائف پیش کرے اور کل اتوار کے دن گیارہ تاریخ کو خرّم ہماری خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت کا شرف حاصل کرے ۔

اس حکم کے مطابق دوسرے دن شہزادہ خرّم نہایت شان و شوکت سے تمام فاتح لشکر سمیت، جو اس کے ساتھ متعین تھا، دیوان خانۂ خاص و عام میں داخل ہوا ۔ دوپہر اور دو گھڑی گزرنے کے بعد اس نے حاضری کا شرف حاصل کیا ۔ اور آداب و کورنش، سجدے اور تسلیمات کی رسمیں بجا لا کر ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار روپے بطور نذر، اور ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار روپے بہ عنوان تصدق پیش کیے ۔ پھر میں آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوا اور اس کے سر اور

منہ کو بوسہ دے کر اسے اپنی خاص مہربانیوں اور نوازشوں سے نوازا ۔ پھر اس کے بعد خرّم نے گزارش کی کہ اگر حکم ہو تو کرن بھی آداب شاہی اور سجدے کی سعادت بجا لا کر سرفرازی حاصل کرے ۔ میں نے حکم دیا کہ کرن کو لایا جائے ۔ چناں چہ بخشیوں نے اُسے دربار کے مقررہ آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش کیا ۔ جب وہ آداب شاہی اور سجدہ بجا لا کر فارغ ہو چکا تو میں نے فرزند خرّم کی التجا پر حکم دیا کہ کرن کو دائیں بازو والے اُمرا کے گروہ میں سب سے آگے کھڑا کیا جائے ۔ پھر میں نے خرّم کو حکم دیا کہ وہ اپنی ماؤں کی خدمت میں حاضر ہو اور ساتھ ہی میں نے اُسے خلعتِ خاص جو ایک کفچہ [136] اور ایک زربفت کی قبا اور ایک مروارید کی تسبیح پر مشتمل تھا ، عنایت کیا ۔ اس خلعت خاص کے علاوہ ایک خاص گھوڑا مرصّع زین کے ساتھ اور ایک خاص ہاتھی بھی اُسے مرحمت کیا ۔ اور میں نے کرن کو بھی خلعت فاخرہ اور شمشیر مرصّع سے سرفراز کیا اور اُمرا اور منصب داروں نے بھی گروہ در گروہ کورنش اور سجدے کی سعادت بجا لا کر نذریں پیش کرکے سربلندی حاصل کی ۔

چوں کہ کرن کوہستان میں رہنے کی وجہ سے وحشی طبیعت اور مجلس کے آداب سے ناواقف تھا ، اس لیے میں اُس کی دل داری کو ضروری سمجھتے ہوئے ہر روز اُسے اپنی تازہ عنایتوں سے نوازتا ۔ چناں چہ دوسرے دن جب وہ میری خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اُسے ایک خنجر مرصّع عنایت کیا اور اس سے اگلے دن ایک خاص عراقی گھوڑا مرصع زین سمیت اس کو دیا ۔ اور اسی دن وہ شاہی محل کے دربار میں حاضر ہوا تو نور جہان بیگم کی جانب سے بھی اُسے ایک خلعت فاخرہ ، شمشیر مرصّع اور ایک گھوڑا زین سمیت اور ایک خاص ہاتھی عنایت ہوا ۔ اس کے بعد میں نے اُسے ایک مروارید کی تسبیح بیش قیمت عنایت کی ۔

اُس سے اگلے دن میں نے اُسے ایک خاص ہاتھی مع ساز و سامان کے عنایت کیا ۔

چوں کہ میری خواہش یہ تھی کہ کرن کو ہر قسم اور ہر جنس کی چیزیں دی جائیں ، میں نے اُسے تین باز ، تین بھری ، ایک خاص قبضۂ شمشیر ، ایک بکتر ، ایک خاص جوشن ، دو انگوٹھیاں ، ایک نگین لعل اور ایک نگین زمرد عنایت کیے ۔

میں نے مہینے کی آخری تاریخوں میں حکم دیا کہ تمام قسم کے کپڑے ، قالین ، نمدے کے تکیے اور ہر قسم کی خوش بُو ، سونے کے برتن ، اور دو منزلہ گجراتی بہلیاں لائی جائیں اور کپڑوں کو سو خوانوں میں لگا کر احدی ان خوانوں کو اپنے کاندھوں پر رکھ کر دیوان خانۂ خاص و عام میں حاضر ہوں ۔ جب یہ سب سامان لایا گیا تو میں نے یہ سب چیزیں کرن کو دے دیں ۔

ثابت خاں کو سزا :

میری مجلس بہشت آئین میں ہمیشہ ثابت خاں[1] بعض بیہودہ باتیں اور صریح کنائے اعتمادالدولہ اور اس کے لڑکے آصف خاں کے متعلق کرتا رہتا تھا ۔ میں نے ایک دو مرتبہ اُس کی ان بیہودہ باتوں پر اعتراض کر کے اُسے روکا بھی لیکن وہ کسی طرح بھی اپنی اس روش سے باز نہ آیا ۔ حالانکہ میں اعتمادالدولہ کو بہت عزیز رکھتا تھا ، اور اس کے خاندان میں میری رشتے داری اور تعلق ہونے کی وجہ سے مجھے ثابت خاں کی یہ باتیں بہت گراں گزرتی تھیں ، یہاں تک کہ ایک رات بغیر کسی وجہ اور سبب کے ثابت خاں نے اُسے بیہودہ باتیں کہنی شروع کر دیں ، اور وہ اپنی بیہودہ گوئی میں اس قدر بڑھ گیا کہ غم و رنج و گریہ کے آثار اعتمادالدولہ کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے ۔ میں نے دوسرے دن صبح کو ثابت خاں کو ایک ملازم کے ہمراہ آصف خاں کے پاس بھجوایا اور کہلایا کہ اس نے کل رات تمہارے باپ کے متعلق نہایت بیہودہ باتیں کہی ہیں ، اس لیے میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں ۔ تمہیں اختیار ہے کہ تم اسے یہاں یا قلعۂ گوالیار میں ، جہاں بھی چاہو ، اُس وقت تک قید کردو جب تک کہ یہ تمہارے باپ کی دل آزاری کا تدارک نہ کرے ۔ میں بھی اس کو اُس وقت تک معاف نہیں کروں گا ۔ چناں چہ وہ آصف خاں کے حکم کے مطابق قلعۂ گوالیار[2]

۱- ثابت خاں سہو کتابت ہے ۔ صحیح نام دیانت خاں قاسم بیگ ہے (تزک حاشیہ جشن نہم نمبر ۳) ۔

۲- قلعۂ گوالیار : اُس زمانے میں گوالیار کا قلعہ بڑے بڑے مجرموں کے لیے قید خانے کا کام دیتا تھا ۔ جس امیر سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو جاتی ، اُسے گوالیار کے قید خانے میں قید کر دیا جاتا تھا ۔

میں بھجوا دیا گیا ۔

اسی مہینے میں جہانگیر قلی خاں اضافۂ منصب سے سرفراز ہوا ۔ دو ہزار و پانصدی ذات اور دو ہزار سوار کا اضافہ کیا گیا ۔

احمد بیگ خاں کو سزا :

احمد بیگ خاں (۱۸) سے ، جو اس سلطنت کے قدیم ملازموں میں ہے ، سفر کابل میں بعض تقصیرات وقوع میں آئی تھیں ، اور پھر قلیچ خاں نے بھی ، جو کابل کے متعینہ لشکر کا سردار تھا ، اس کے نفاق اور نارسائی کی شکایت کی تھی ؛ میں نے اسے اپنے حضور میں طلب کرکے مہابت خاں کے سپرد کر دیا کہ وہ اسے قلعۂ رنتھنبور (۱۹) میں قید کر دے ۔

بنگال کے حاکم قاسم خاں نے دو عدد لعل بطور پیش کش کے بھیجے تھے ۔ وہ میری نظر سے گزرے ۔

چوں کہ میں نے ضابطہ مقرر کیا ہے کہ وہ درویش اور ضرورت مند جو حضرت خواجہ معین‌الدین اجمیری کی درگاہ میں جمع ہوتے ہیں ، انھیں دو گھڑی رات گزرنے کے بعد میرے حضور میں پیش کیا جائے ، اس سال بھی اسی ضابطے کے مطابق درویشوں کو حاضر کیا گیا ۔ چناں چہ میں نے ان کو اپنے حضور میں اپنے ہاتھ سے پچپن ہزار روپے ، اور ایک لاکھ [137] نوے ہزار بیگھہ زمین ، اور چودہ مواضعات کا در و بست ، چھبیس ہل کی زراعت اور گیارہ ہزار خروار دھان عنایت کیے ۔ اور سات سو بتیس مروارید کے دانے ان ملازموں کو عنایت کیے جنھوں نے بر بنائے اخلاص اپنے کانوں کو چھدوایا تھا ۔

سلطان دور اندیش کی ولادت :

اسی مہینے کے اواخر میں خبر ملی کہ اسی ماہ اتوار کی شب میں ساڑھے چار گھڑی گزرنے کے بعد برہان پور میں اللہ تعالی نے فرزند ارجمند سلطان پرویز کو شاہزادۂ مراد کی بیٹی کے بطن سے ایک لڑکا عنایت کیا ہے ۔ میں نے اس کا نام سلطان دور اندیش رکھا ۔

حواشی جشن نہم

(۱) اعتقاد خان: اس سے مراد میرزا ابوالحسن ولد اعتمادالدولہ (متوفی ۱۷ شعبان ۱۰۵۱ھ ، مدفن لاہور) ہے ۔ اس کی تاریخ وفات : ''زہے افسوس آصف خان'' سے نکلتی ہے ۔ (رک : ماثرالامرا ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۵۱—۱۶۰) ۔

(۲) دو افراد سے مراد غیاث‌الدین علی آصف خان اور میرزا جعفر بیگ آصف خان (آصف خان جعفر) ہیں ۔ مندرجہ ذیل شجرے سے ان کی باہمی رشتہ‌داریاں معلوم ہو سکتی ہیں ۔

آغا مُلا دوات دار

میرزا احمد بیگ | میرزا بدیع‌الزمان | غیاث‌الدین علی آصف خان

غیاث‌الدین علی آصف خان:

دختر جس کی شادی ابوالحسن آصف خان میر اعتمادالدولہ سے ہوئی | میرزا نورالدین
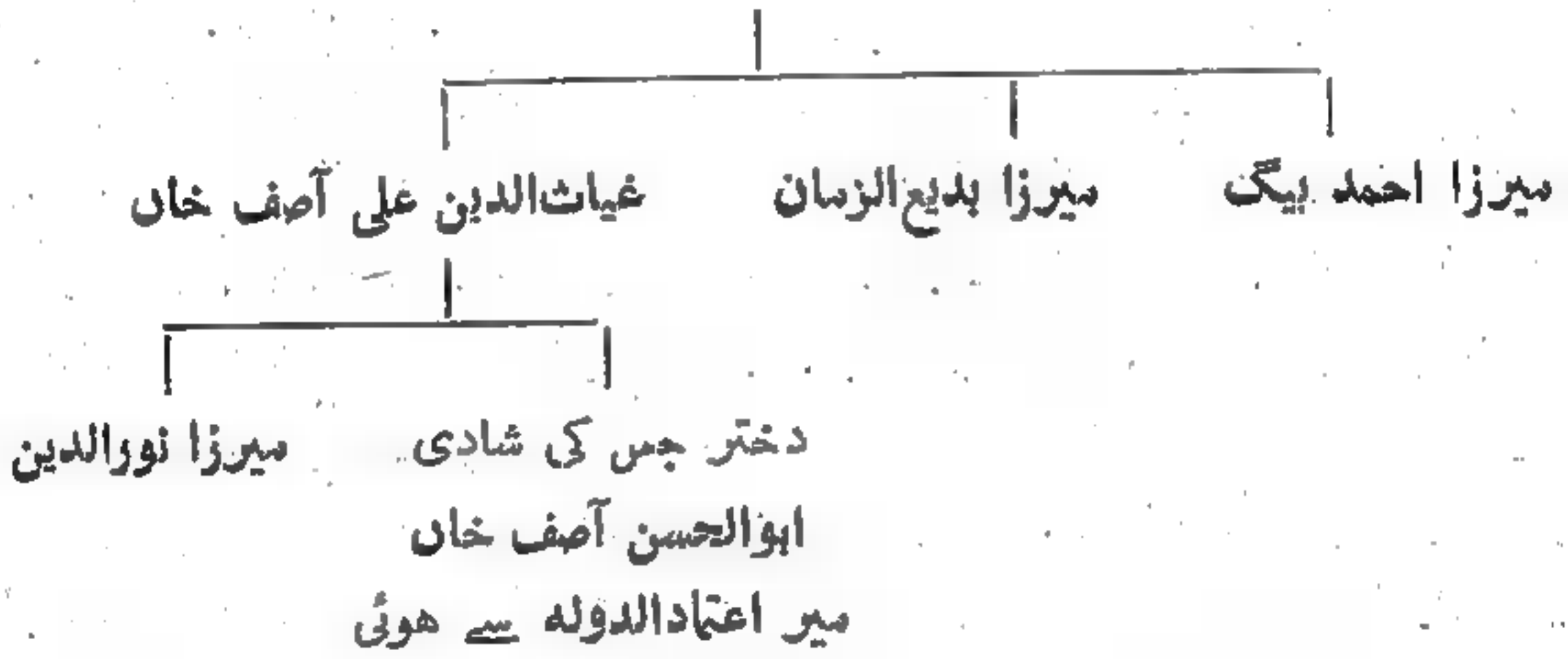
(۳) دیانت خان : قاسم بیگ ، جہانگیر کے اُمرا میں سے تھا اور جہانگیر کے مزاج میں بڑا دخیل اور حاضر باش تھا ۔ چوں کہ اس نے بعض نامناسب باتیں اعتمادالدولہ کے متعلق جہانگیر کے سامنے کہیں تھیں ، اس لیے جہانگیر نے ناراض ہو کر آصف خان ابوالحسن کو حکم دیا کہ اسے قلعۂ گوالیار میں قید کر دے ۔ کچھ دن وہ قلعۂ گوالیار میں قید رہا ۔ کچھ دن کے بعد اعتمادالدولہ کی سفارش پر رہا ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال خدمت عرض مکرر پر مقرر ہوا ۔ آخر میں سلطان خرّم کے ساتھ دکن کی مہم پر متعین ہوا (رک : ماثرالامرا ، جلد ۲ ، صفحہ ۸—۹) ۔

(۴) سرفراز خان (چغتا) : مصاحب بیگ همایونی کا پوتا تھا ۔ اکبر اُسے اس کے دادا کے نام سے پکارتا تھا ۔ جہانگیر نے اُسے اپنی ابتدائی حکومت میں حسبِ حیثیت منصب دے کر سرفراز خان کے خطاب سے نوازا اور مضافات گجرات میں پٹن کا فوج دار مقرر کیا ۔ جہانگیر کے آخری عہد میں اس نے منصب سہ ہزاری و دو ہزار سوار تک ترقی کی ۔ شاہجہان نے بھی اسے اپنی حکومت کے دوسرے سال منصب چار ہزاری و سہ ہزار سوار سے نوازا ۔ سرفراز خان نے عہد شاہجہانی کے بارھویں سال ۱۰۴۹ھ میں وفات پائی ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۴۲۱) ۔

(۵) ابراهیم خان : (فتح جنگ) ولد میرزا غیاث ۔ ابتدا میں جہانگیر نے اُسے احمد آباد گجرات کی بخشی گری و واقعہ نویسی پر متعین کیا ۔ ۔ و جلوس جہانگیری میں جہانگیر نے اسے منصب ہزار و پانصدی و سہ صد سوار سے نواز کر خان کے خطاب سے سرفراز کیا ، اور بخشی گری حضور پر متعین کیا ۔ جلوس شاهجہانی کے پہلے سال شاهجہان نے اسے عمدہ منصب سے نواز کر ٹھٹھ اور سیوھن کا صوبے دار مقرر کیا ۔ پھر پرگنۂ جالیس اور امیٹھی اس کی جاگیر میں دیا گیا ۔ ابراهیم خان نے یہیں وفات پائی ۔ اس کی بیوی حور پرور خانم تھی جو نور جہان بیگم کی خالہ تھی ۔ یہ خاتون عہد عالم گیر کے وسط تک زندہ رہی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۱۳۵–۱۳۹) ۔

(۶) انی رائے سنگھ دلن : (راجا انوپ سنگھ) راجپوتوں کی گوت بڑگوجر سے تھا ۔ اپنے باپ کے زمانے ھی میں اکبر کی ملازمت میں منسلک ھوا ۔ آخر عہد اکبری میں خواصوں کا سردار مقرر کیا گیا ۔ جہانگیر بھی اپنے عہد میں اس پر اعتماد رکھتا تھا ، یہاں تک کہ خسرو کی نگرانی اسی کے سپرد کی گئی ۔ مہم بنگش اور دیگر مہمات میں وہ بڑے بڑے اُمرا پر سپہ سالار مقرر کیا گیا ۔ ۱ جلوس شاهجہانی میں وفات پائی ۔ (رک : اُمرائے هنود ، ص ۵۱–۵۲ و ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۲۰) ۔

(۷) میر عبداللطیف : والد نقیب خان ۔ هاہوں کے طلب کرنے پر هندوستان آیا ۔ هاہوں نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ۔ هاہوں کی وفات کے بعد اکبر اُس کے ساتھ نہایت لطف و کرم سے پیش آیا اور اُسے مختلف اعزاز و اکرام

سے نوازا ۔ جلوس اکبری کے دوسرے سال اکبر نے اُسے اپنی معلمی سے نوازا ۔ وہ حافظ کی غزلیں اُس سے پڑھتا تھا ۔ میر عبداللطیف نے ۹۸۱ھ میں قصبۂ سیکری میں وفات پائی ۔ ''فخر آل یاسین'' سے اُس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ اجمیر کے قلعے کے قریب میر سید حسین خنگ سوار کے مزار کے متصل مدفون ہوا ۔ (رک : منتخب التواریخ ترجمہ اُردو ، ص ۴۴۱–۴۴۲ ۔ وماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۸۱۳–۸۱۵) ۔

(۸) نقیب خاں کی بیوی : میر محمود منشی کی بیٹی تھی ۔ میر محمود پچیس سال تک ممالک محروسہ ہندوستان کا منشی رہ چکا تھا ۔ وہ شاعر تھا ، اور محوی تخلص کرتا تھا ۔ (رک : بدایونی ، ج ۳ ، ص ۳۲۱ ۔ س) ۔

(۹) مجلس گلاب پاشی : یہ عید گلابی بھی کہلاتی تھی ۔ اس جشن کو عالم گیر نے بھی جاری رکھا ۔ (س) ۔

(۱۰) حکیم مسیح الزماں (حکیم صدرا) خلف حکیم فخرالدین شیرازی ۔ یہ جلوس اکبری کے چھیالیسویں سال ہندوستان آیا اور عہد جہانگیری میں حکماء کا سرگروہ بنایا گیا ، اور مسیح الزماں کے خطاب اور منصب سہ ہزاری و پانصد سوار سے نوازا گیا ۔ آخر میں استعفا دے کر لاہور میں مقیم ہوگیا ۔ سال کے اکثر حصے میں وہ لاہور میں رہتا تھا اور گرمیوں میں کشمیر چلا جاتا تھا ۔ اس نے ۱۰۶۱ھ میں کشمیر ہی میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۶۷–۵۶۹) ۔

(۱۱) حکیم ابوالقاسم : اس کا لقب حکیم الملک تھا ۔ وہ حکیم علی گیلانی کا ماموں زاد بھائی تھا ۔ (س) ۔

(۱۲) نور جہاں کی والدہ کا نام عام مورخوں نے عصمت بیگم لکھا ہے جو میرزا علاءالدولہ آقاے ملا دوات دار قزوینی کی بیٹی اور میرزا غیاث بیگ اعتمادالدولہ کی بیوی تھی ۔ اس نے جلوس جہانگیری کے سولھویں سال وفات پائی ۔ ہم نور جہاں کا شجرۂ نسب مادری اور شجرۂ نسب پدری مظہر شاہجہانی سے یہاں نقل کر رہے ہیں ، جو جناب سید حسام الدین صاحب راشدی نے بڑی تحقیق و کاوش سے مرتب کیے ہیں ۔

(متن کے بقیہ حواشی صفحہ ۴۵۶ پر شرح نسب نامہ کے بعد ملاحظہ کریں)

نسب نامۂ پدری
خواجہ علی طہرا[ni]

بسلسلہ فٹ نوٹ نمبر ۱۲

منقول از تاریخ مظہر شاہجہانی - مرتبہ سید حسام الدین راشدی

- خواجہ محمد شریف ہجری، حاکم یزد و اصفہان (۹۱۴ - ۹۸۴ھ)
- خواجہ میرزا احمد (متوفی بعد از ۹۸۵ھ) ابن احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم (تالیف ۱۰۰۲ھ)
- خواجہ خواجگی خواجہ شرف الدین شاپور (۹۷۵ - اختلاف ...)

- غیاث الدین معروف بہ میرزا غیاث بیگ، مدار الملک، اعتماد الدولہ (وفات: بمقام پلوان ۱۷ - بہمن = ربیع الاول ۱۰۳۱ھ) ۱
- خواجہ محمد طاہر وصلی صادق خان میر بخشی جہانگیری داماد غیاث وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ

- محمد شریف قتل بتاریخ ۱۸ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ ۳ بہ قیاس بلا نمبر
- میرزا ابوالحسن، یمین الدولہ آصف خان رابع آصف جاہ، آصف جاہی، اعتقاد خان متوفی ۱۷ شعبان ۱۰۵۱ھ مدفون لاہور ۷
- ابراہیم خان فتح جنگ متوفی ۱۰۳۲ھ ۸
- دختر زوجہ صادق خان میر بخشی بن خواجہ محمد طاہر وصلی ۹
- شاہ... (اعتقاد...) متوفی...

- احمد بیگ خان حاکم سیوستان ۴ — ابوالبقاء ۵ ؟
- ہمشیرہ کہ زوجہ میر حسام الدین انجو حاکم تتہ بود ۶
- میرزا یوسف کہ ہمراہ برادر خود بہ سیوستان مقیم بود و از مظالمش رعایا تنگ آمدہ بود
- دختر اہلیہ ذوالفقار خان ۱۸ قرامان لو
- جعفر خان پسر اول ۲۱ عمدۃ الملک صوبیدار تتہ شوہر فرزانہ بیگم عرف بی جیو
- محمد ابراہیم اسد خان ۱۹ بنت یمین الدولہ جملۃ الملک متوفی ۱۱۲۹ھ
- صلابت خان پسر دوم ۲۲ صفدر خان وحشی تخلص (المتوفی ۲۰ جمادی الاول ۱۰۵۴ھ) محمد مراد التفات خان
- دختر
- دختر عبدالرحمن مرحمت خان پسر سوم
- شرف الدین
- دختر زوجہ سلیمان شکوہ بن عالمگیر بادشاہ
- میرزا...

- نامدار خان از بطن فرزانہ بیگم عرف بی جیو
- کامگار خان از بطن فرزانہ بیگم عرف بی جیو
- ذوالفقار خان ثانی
- دختر زوجہ عزیز الدین بہرہ مند خان بن میرزا ابراہیم بن صادق خان
- دختر زوجہ خدابندہ خان ۲۰ بن شائستہ خان امیر الامراء (عقد در سال ۱۱۰۱ھ شد)
- زوجہ محمد... بہرہ من...

- ملکہ بانو (المتوفی ۱۰۵۰ھ) زوجہ میرزا صفی سیف خان جہانگیری ۲۶ المتوفی ۱۰۴۹ھ صوبیدار تتہ ولد امانت خان
- میرزا بہمن یار، اعتقاد خان (المتوفی ۱۰۸۲ھ)
- نثار سلطان ۳۵
- پسر ۳۶ ؟
- دختر زوجہ عبداللہ ولد خان اعظم
- فرزانہ بیگم عرف بی جیو (زوجہ جعفر خان عمدۃ الملک صوبیدار تتہ) بن صادق خان میر بخشی
- مہر النساء بیگم (اہلیہ اسد خان آصف الدولہ) محمد اسمعیل ذوالفقار خان نصرت جنگ، اعتقاد خان صمصام الدولہ امیر الامراء نصرت جنگ بہادر ۸

- محمد یار خان دختر میرزا فرخ خان ۳۳ بن یمین الدولہ در عقد داشت
- فاطمہ بیگم زوجہ مفتخر خان بن فاخر خان بن میرزا باقر خان نجم ثانی ۳۴
- نامدار خان ۳۷ ...مند از خان مرحمت خان
- کامگار خان ۳۷

- حسن یار خان
- بزرگ خانم زوجہ ظفر خان احسن صوبیدار تتہ (متوفی ۱۰۷۳ھ)
- محمد یحیٰی ۲۷
- محمد شاہی ۲۷
- ابوالقاسم ۲۷
- حمیدہ بانو بیگم (متوفی سال ۲۱ عالمگیری) زوجہ خلیل اللہ خان یزدی ثانی (المتوفی ۲ رجب ...) ۲۸ بن میر میران یزدی

- محمد طاہر آشنا عنایت خان مؤلف شاہجہان نامہ و قرنیہ
- میر میران امیر خان یزدی ثانی پسر اول ۲۹ متوفی ۲۷ شوال ۱۱۰۹ھ زوجہ اش بنام صاحب جی بنت علی مردان امیر الامراء بود
- روح اللہ پسر دوم ۳۰ (متوفی ۱۱۰۳ھ) داماد ابوطالب شائستہ خان بن یمین الدولہ
- عزیز اللہ پسر سوم ۳۱
- دختر زوجہ سیف اللہ صفوی

- عائشہ بیگم زوجہ شہزادہ محمد عظیم بن شاہ عالم بہادر
- سیف اللہ خان پسر کلاں متوفی ۱۱۰۳ھ
- خانہ زاد خان پسر دوم روح اللہ خان ثانی ۳۲ متوفی ۱۱۱۵ھ
- محمد باقر بیرام خان پسر ثالث
- ا- جہان آرا بیگم ۴۰ (۱۰۲۲ - ۱۰۹۲)
- سلیمان شکوہ اول داماد میرزا بہرام بن صادق خان میر بخشی

- خلیل اللہ خان
- اعتقاد خان روح اللہ ثالث
- دختر

[نور] جہان بیگم
[شجرهٔ نسب —] [ط]ہرانی

ارجاسپ امیری
(۸۶۵ھ - ۹۳۰ھ)
شاگرد جلال الدین دوانی

[... وزار]ت ۱۰۲۱ - ۱۰۳۰ - ۱۰۴۸ھ)

۲۰

مہرالنساء نورجہان بیگم
متوفی ۲۹ شوال ۱۰۵۵ھ
بادسیر عن درجاگیرش ۱۱

عقد اول
علی قلی استاجلو
شیر افگن خان ۱۲
دختر، لاڈلی بیگم
زوجہ شہزادہ شہریار کہ تتہ درجاگیرش بود و شریف الملک یک چندی نائب او بود

عقد دوم
بجہانگیر بادشاہ در سال ۱۰۲۰ھ
و از وی ہیچ اولاد نشد

منیجہ بیگم
زوجہ قاسم خان ۱۳
متوفی ۱۰۴۱ھ
(بن میر مراد جوینی)

عنایت اللہ

میرزا ابوسعید ۱۴
حاکم تتہ

حمید الدین خان
مخاطب خانہ زاد خان

خدیجہ بیگم
زوجہ حاکم بیگ

دختر
زوجہ میرزا باقر خان نجم ثانی ۱۵
(متوفی در احمد آباد ۱۰۴۷ھ)
برادر میرزا حسینی شاہجہانی
حاکم بکر

میرزا ابوالقاسم

فاخر خان ۱۶

مرزا صابر

مفتخر خان ۱۷
(در عقدش فاطمہ بیگم بنت مرزا بہمن یار بن یمین الدولہ بود)

[م]یرزا [...] ۱۰
[...] [ث]انی

[...] چہارم ۲۳

[...] عزیز الدین ۲۴
[...] بہرہ مند خان
[...] بخشی داماد لشکر خان جملۃ الملک متوفی ۵ جمادی الثانی

۲۵

[...] لقب ارلب خان ؟
[...] ثانی

دختر ۲۵
زوجہ میر خان پسر امیر خان

ارجمند بانو، ممتاز محل ۳۹
زوجہ شاہجہان بادشاہ
ولادت ۱۰۰۲ھ، وفات ۱۷ ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ
مدفون در ساختمان تاج محل آگرہ
در رمضان ۱۰۳۵ھ
بہمراہ شاہجہان بہ تتہ آمدہ)

دختر ۴۲
(زوجہ میر خلیل خان زمان
المتوفی ۱۰۹۵ھ پسر اعظم خان
میر محمد باقر جہانگیری)
از پسرانش ہیچ کدام ترقی
نکردہ در گذشتند۔

میرزا فرخ خان ۴۳
دختر
(زوجہ محمد یار خان
بن بہمن یار خان)

ابوطالب، شایستہ خان ۴۴
امیر الامراء متوفی ۱۱۰۵ھ

صالحہ بیگم ۵۱
زوجہ میر میران اول یزدی ۵۲
بن میر خلیل اللہ یزدی اوّل

میرزا عبدالکافی ۵۳
نوازش خان
(متوفی در سال ۸ عالمگیری)

شاہزادہ بیگم
زوجہ صف شکن
پسر میرزا حسن صفوی

دختر ۴۵
زوجہ فیض اللہ خان
(المتوفی ۱۰۹۲ھ
بن زاہد خان کوکہ)

دختر ۴۶
(زوجہ روح اللہ
بن خلیل اللہ یزدی)

عائشہ بیگم
زوجہ محمد عظیم بن
شاہ عالم بہادر

ودیگر اولاد

دختر
(زوجہ محمد اسماعیل ۴۷
ذوالفقار خان نصرت جنگ
اعتقاد خان
المتوفی ۱۱۲۲ھ)

ابوالنصر ۴۸ محمد طالب
عقیدت خان

خدا بندہ خان ۴۹
(داماد اسد خان
جملۃ الملک)

۲- ابوالفتح خان ۵۰ بزرگ امید خان

[۱- د]اراشکوہ
[...] جاگیرش بود، در تتہ آمدہ شہر را سوخت

۳- شجاع

۴- روشن آرا

۵- اورنگ زیب عالمگیر ۴۱
تتہ، بکر و سیوستان درجاگیرش بود

۶- مراد بخش

۷- گوہر آرا
(در سال ۱۰۴۰ زائید و مادرش از تکلیف
زائیدن این دختر در برہان پور مرد)

سپہر شکوہ
(تتہ درجاگیرش بود)

جہان زیب بانو بیگم
زوجہ محمد اعظم
ولد عالمگیر

شرحِ نسب نامۂ پدری و مادری

نور جہاں بیگم

۱- اپنے باپ کے فوت ہونے کے بعد ناسا‌عدت زمانہ سے تنگ آکر فرار ہو کر ہندوستان روانہ ہوا ۔ راستے میں اس کا تمام سامان لٹ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ صرف دو گھوڑے رہ گئے جن پر وہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے ۔ میرزا علاؤ الدولہ آقائے ملا دوات دار کا داماد تھا ۔ ۳۰ ذیقعد ۱۰۳۰ھ (۱۶ جلوس جہانگیری) میں اس نے وفات پائی ۔ میرزا غیاث اس حادثے کے بعد تین ماہ اور بیس دن زندہ رہا (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۷—۱۲۸ - بلاخمن ، ۵۷۳) ۔

۲- رک : تزک جہانگیری ، وماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۹۷ ، بڑا بیٹا ۔

۳- جہانگیر کے قتل کے منصوبے میں یہ شاہزادہ خسرو کا شریک تھا ۔ اسی وجہ سے جہانگیر نے اسے سرخاب میں قتل کرا دیا (رک : تزک ، ص ۱۳۵) ۔

۴- (بلاخمن کے قیاس کے مطابق) احمد بیگ ، محمد شریف کا بیٹا تھا ۔ اس کو ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر نے خانی کے خطاب سے سر فراز کیا ۔

۵- رک : بادشاہ نامہ ، ۲ : ص ۳۰۷ ۔

۶- رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۸۲ ، دوسرا بیٹا ۔

۷- ملا محمد ٹھٹوی اس کا استاد تھا ۔ بندر لاہری ، بکھر اور سیوھن اس کی جاگیر میں تھا ۔ ابوالبقا امیر خان مصنف مظہر شاہ جہانی کا بڑا بھائی ملتان میں اس کی نیابت کرتا تھا ۔ بہت کھانے والا تھا ، رات دن میں اس کی خوراک ایک من شاہجہانی تک پہنچتی تھی ۔ اس کی حویلی لاہور میں ایک لاکھ روپے سے بنی تھی جو اس کی وفات کے بعد دارا شکوہ کو دے دی گئی ۔ دہلی ، آگرہ اور کشمیر میں اس کی جائیداد تھی جس کی مالیت دو کروڑ

پچاس لاکھ تھی . اس کی سرکار کے اخراجات و مصارف اس قدر تھے کہ عقل انھیں قبول نہیں کرتی . (رک : ماثر الامرا ، ج ۱ ، ص ۱۵۸—۱۵۹) ، تیسرا بیٹا .

۸- حاجی حور پرور خانم (خالہ نور جہاں بیگم) اس کی بیوی تھی . ابراہیم خان اپنے بھتیجے احمد بیگ سے بہت زیادہ محبت رکھتا تھا . جلوس جہانگیری کے دسویں سال (۱۰۲۴—۱۰۲۵ھ) میں فتح کوکرہ (بہار) کے بعد جہانگیر نے اسے اجمیر میں خطاب فتح خان سے سرفراز کیا ، اور موضع اکبر نگر میں خود شاہجہان کے لشکر کے ہاتھوں مارا گیا ، اور اسی گاؤں میں اس مقبرے میں جو اس کے بیٹے نے بنوایا تھا ، مدفون ہوا . احمد بیگ جو اس وقت اس کے ساتھ تھا ، زخمی ہوا .

۹- صادق خان : متوفی ۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ (رک : ماثر الامرا ، ج ۲ ، ۷۲۹) .

۱۰- جہانگیر نے اسے ۱۰۲۳ھ میں خان کا خطاب دیا تھا (رک : ماثر الامرا ج ۱ ، ص ۱۸۰) .

۱۱- ظن غالب یہ ہے کہ اس کا سنہ ولادت ۹۹۴ھ ہے اور سنہ وفات ۲۹ شوال ۱۰۵۵ھ (۱۷ دسمبر ۱۶۴۵ع) ہے . لاہور میں مدفون ہوئی . ۲۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو اجمیر میں جہانگیر نے اسے نور جہاں کا لقب دیا (رک : تزک جہانگیری ، ص ۳۳۷) .

۱۲- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۲۲۲ .

۱۳- قاسم خان : صاحب دیوان و منشآت تھا (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۶۷)

۱۴- رعنائی اور میرزائی میں شہرۂ آفاق تھا ، کھانے اور لباس میں بہت تکلف برتتا تھا . رہن سہن میں نہایت لطافت و نزاکت رکھتا تھا . اپنے نشست و برخاست اور دنیاوی امور میں وہ سلیقہ رکھتا تھا کہ اس کے ہم عصر بلکہ اس قرن کے لوگ بھی اس کو نہیں پہنچتے ، اور اس حد تک نازک مزاج اور عالی دماغ تھا کہ صفائی ستھرائی سے دستار باندھنے ھی میں رہتا کہ خبر پہنچتی کہ دربار برخاست ہو گیا . کبھی ایسا ہوتا کہ دستار باندھنے میں اس کا دماغ اس قدر الجھتا کہ وہ سواری کو تاخیر ہونے کی وجہ سے واپس کر دیتا - اپنے دادا اعتماد الدولہ کی وجہ سے عزت و دولت کے بلند مرتبے

کو پہنچا ۔ اس قدر نخوت اور باد خودسری رکھتا تھا کہ فرشتوں اور آسمان کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۵۱۴) ۔

۱۵- شاہجہان کی حکومت کے زمانے میں بکھر کی حکومت پر فائز ہوا اور سمیجہ قوم کی لڑکی سے یہاں شادی کی ۔ اسی لڑکی سے میرزا طہمورث پیدا ہوا ۔ (رک : ذخیرۃالخوانین خطی ، ص ۵۱۳) ۔

۱۶- رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۲۳۴ ۔

۱۷- افتخار خان یا مفاخر خان : (رک ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۲۳۴) ۔

۱۸- رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۱۱ ۔

۱۹- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۳۱۰ ۔ اس کا لقب آصف الدولہ بھی تھا ۔

۲۰- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۸۱۴ ۔ اس خاتون سے خدا بندہ کے کوئی اولاد نہ تھی ۔

۲۱- رک ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۸۳۰ ۔

۲۲- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۱۷ ۔ جعفر خان بڑا بیٹا تھا ، دوسرا بیٹا صلابت ، تیسرا عبدالرحمن مرحمت خان اور چوتھا بیٹا میرزا بہرام خان تھا ۔

۲۳- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۳۵۴ ۔

۲۴- رک : ماثرالامرا ج ۱ : ص ۳۵۷ ۔

۲۵- رک : ماثر الامرا ، ج ۱ : ص ۳۵۷ ۔

۲۶- رک : ماثر الامرا ، ج ۲ : ص ۳۱۶ ۔ ذخیرۃ الخوانین ، ص ۳۰۷ ۔ صفی خان نے بقول صاحب ماثرالامرا اواخر سال ۱۰۴۹ھ میں اور از روے بادشاہ نامہ ماہ محرم ۱۰۵۰ھ میں بنگال میں وفات پائی ۔ بادشاہ نے اس خبر کو ۲۸ صفر کو ممالک شرقی کے وقائع نگار سے سنا اور خود بتاریخ غرہ ربیع‌الاول ۱۰۵۰ھ ملکہ بانو کے گھر گیا ۔ صفی خان کا ایک اور بھائی بھی سلطان نظر نامی تھا جسے دیوان خاقانی ، انوری اور مثنوی و حدیقہ حفظ تھے ۔ (رک : بادشاہ نامہ ، ج ۲ : ص ۱۹۸ — ۲۸۰ ۔ و ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۴۳۱)

۲۷- رک : بادشاہ نامہ ، ج۲ : ص ۱۹۸ ۔

۲۸- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۶۷—۷۷۵ ۔ میر میران یزدی کا یہ لڑکا ایک ایرانی خاتون کے بطن سے تھا ۔

۲۹- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۷۷ . بیگم صاحب جی سے اس کے کوئی لڑکا نہ تھا لیکن دوسری مدخولاؤں سے بہت اولاد تھی . اس کے بڑے لڑکے کا نام میرزا اسحاق تھا جس کا خطاب امیر خان تھا . میرزا اسحاق کی شادی بہرہ مند خان عزیزالدین میر بخشی (بن میرزا بہرام بن صادق خان میر بخشی) کی لڑکی سے ہوئی تھی .

اس کے دوسرے بیٹوں کے نام یہ ہیں : میرزا جعفر عقیدت خان ، میرزا ابراہیم مرحمت خان ، ہادی خان ، یوسف خان اور اسد خان تھے .

میرزا ابراہیم مرحمت خان اور میرزا اسحاق امیر خان اور خدیجہ بیگم (جو روح اللہ خان ثانی کی بیوی تھی) ، ایک ماں سے تھے .

۳۰- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۰۹ .

۳۱- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۸۲۳ .

۳۲- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۱۵ .

۳۳- رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۲۳۶ .

۳۴- میرزا باقر خان نجم ثانی نے خدیجہ بیگم زوجۂ حاکم بیگ کابلی و ہمشیرۂ نورجہاں بیگم کی بیٹی سے شادی کی تھی .

۳۵- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۴۲۱ .

۳۶- شاید یہی سلطان نظر کا بیٹا تھا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۸۵) .

۳۷- (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۸۳۰) .

۳۸- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۹۳ . ذوالفقار خان : ولادت ۱۰۶۷ھ ، وفات بعمر ۳۹ سال ، ۱۶ محرم ۱۱۲۴ھ . اس کے کوئی اولاد نہ تھی . ناصر علی نے اس کی مدح میں غزل کہی تھی . جس کا مطلع یہ ہے :

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۰۴ .

۳۹- جس وقت کہ گوہر آرا پیدا ہوئی ، اس نے برہان پور میں وفات پائی .

۴۰- اس نے حضرت خواجہ معین‌الدین کے حالات میں ایک رسالہ مونس‌الارواح کے نام سے لکھا تھا .

۴۱- اس نے دل رس بانو بیگم (دختر شاہ نواز خاں بن میرزا رستم صفوی قندھاری) سے شادی کی تھی - (رک : رقعات عالم گیری ، نجیب اشرف ندوی ، ج ۱ : ص ۱۵۳)

۴۲- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۸۵ . یہ خان زماں میر خلیل کا (جو عالم گیر کا خالو تھا) ہم عصر تھا . یہ ایک دن زین آبادی کو، جو خان زماں کے دربار کی مشہور مغنیہ تھی اور کہتے ھیں کہ اس کی مدخولہ تھی ، اپنے ھمراہ شاھزادہ عالم گیر کے پاس لایا . عالم گیر اسے دیکھتے ھی عاشق ہو گیا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۹۰) .

۴۳- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۰۷ .

۴۴- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۹۰ - وبلاخمن ، ۵۷۵ .

۴۵- رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۲۸ .

۴۶- جلوس عالم گیری کے دوسرے سال کے آخر میں روح اللہ خاں کے نکاح میں آئی .

۴۷- محمد اسماعیل ذوالفقار خاں ولد اسد خاں ، مہرالنساء بیگم بنت یمین‌الدولہ کے بطن سے تھا . اس خاتون کے بطن سے اس کے سوا کوئی اولاد نہ تھی . (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۹۳) .

۴۸- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۲۹۲ و ج ۳ ، ص ۳۵ .

۴۹- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۸۱۳ . اس کے کوئی لڑکا اسد خاں کی بیٹی کے بطن سے پیدا نہیں ہوا ، لیکن دوسری بیویوں کے بطن سے اس کے بیٹے تھے .

۵۰- مرھٹوں کے ھاتھ سے عنفوان شباب میں ۲ جلوس جہانگیری میں قتل ہوا .

۵۱- (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۳۵ ، ۳۴۱ ، ۸۲۸) .

۵۲- میر میران یزدی کا نسب نامہ یہ ہے .

میر میران امیر خاں متوفی ۱۱۰۹ھ (شوھر صاحب جی بیگم) بن میر خلیل اللہ ثانی یزدی متوفی ۱۰۷۲ھ (شوھر حمیدہ بانو بنت ملکہ بانو دختر یمین‌الدولہ) بن میر میران یزدی (اپنے باپ کے ساتھ ھندوستان آیا اور جو صالحہ بیگم بنت یمین‌الدولہ کا شوھر تھا) . بن شاہ خلیل اللہ یزدی (شوھر صفیہ سلطان بیگم دختر شاہ اسماعیل ثانی ۸۴-۹۸۵ھ - ۱۰۱۶ھ میں

ہندوستان آیا اور اُمرائے جہانگیری میں منسلک ہوگیا) بن مرتضٰی الممالک اسلام و مقتدائے طوائف انام میر غیاث الدین محمد میر میران یزدی متوفی ۹۹۸ھ ، بن مرتضٰی الممالک اسلام شاہ نورالدین نعمت اللہ باقی یزدی (جو خانش بیگم کا شوہر تھا اور وہ شاہ طہماسپ صفوی ۳۰-۹۸۴ھ کی ہمشیرہ تھی) بن امیر نظام الدین عبدالباقی مقتول ۹۲۰ھ (صدر شاہ اسماعیل صفوی متوفی ۹۳۰ھ) بن امیر حبیب اللہ (؟ رک : جامع مفیدی ، ص ۸۳ و ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۸۲۸) ؛ بن شاہ نعیم الدین نعمت اللہ ثانی (سلطان قلی قطب شاہ بانی سلسلۂ قطب شاہیہ دکن ؛ جو سلطان محمود شاہ بہمنی متوفی ۹۲۴ھ کے بعد اس بزرگ کی دعا سے تختِ سلطنت پر بیٹھا ؛ شاہ نعیم الدین نعمت اللہ ثانی کے عقد میں میرزا جہان شاہ بادشاہ آذر بائیجان (۴۱-۸۸۲ھ) کی بیٹی تھی) ، بن شاہ ظہیرالدین علی(؟) ؛ بن شاہ حبیب الدین بن محب اللہ (جس کے عقد میں سلطان علاءالدین احمد شاہ بہمنی (۳۸-۸۶۲ھ) کی لڑکی تھی جس کا نام خوانزہ حمیرا تھا . اس لڑکی نے دکن میں وفات پائی) ، بن برہان الدین خلیل اللہ ۷۵-۸۴۷ھ (اپنے دوسرے دو بیٹوں یعنی شاہ محب الدین حبیب اللہ متوفی ۸۶۴ھ (داماد احمد شاہ بہمنی) اور شاہ حبیب الدین محب اللہ کے ساتھ ماہان (کرمان) سے دکن تشریف لائے . احمد شاہ بہمنی خواجہ گیسو دراز (۸۲۵ھ) کی وفات کے بعد شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا معتقد ہو گیا تھا . اسی وجہ سے پہلے ملک المشائخ شاہ نور اللہ بن شاہ برہان الدین خلیل اللہ ماہان سے دکن تشریف لائے ، اور احمد شاہ بہمنی کی لڑکی سے شادی کی . شاہ نعمت اللہ ولی کی وفات کے بعد برہان الدین خلیل اللہ بھی اپنے دو بیٹوں کے ساتھ دکن آئے ، اور یہیں وفات پائی) . بن شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی - ۳۰-۸۳۴ھ (رک : جامع مفیدی ، فرشتہ ، حبیب السیر ، ماثرالامرا ، حدیقۃالعالم ، ریاض السیاحۃ ، عمادیہ ، سوانح الایام فی مشاہدۃ العوام صنع اللہ ، مطبوعہ بمبئی) .

۵۳- (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۸۲۸) . میر خلیل اللہ یزدی ثانی (جو حمیدہ بانو بنت ملکۂ بانو کا شوہر تھا) اس کا بھائی تھا ، لیکن میر خلیل اللہ ایک ایرانی خاتون کے بطن سے تھا .

۵۳/۱ - اس کا ممدوح خواجہ حبیب اللہ ساوجی تھا . دورسینش جان (رک :

نسب نامۂ مادری نور جہاں بیگم

میرزا علاء الدولہ آقائی مُلا دوات دار قزوینی ۵۴

بدیع الزمان (وزیر کاشان)

خواجہ غیاث الدین علی قزوینی ۵۵
آصف خاں ثانی (متوفی ۹۸۹)

میرزا احمد بیگ
(وزیر خراسان)

خواجہ میرزا جان ۵۶
(زوجہ ابراہیم بیگ فتح جنگ)

آقا محمد زمان
(عامل تبریز)

دختر
زوجہ میرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ

نظام الدین علی
میرزا احسام الدین حسن ۵۷

میرزا نور الدین ۵۸
(در بغاوت خسرو ۱۰۱۶ھ
بحکم جہانگیر قتل شد)

دختر
زوجہ میرزا احسام الدین ۵۹
حاکم تتہ

دختر ۶۲
زوجہ میرزا ابوالحسن
یمین الدولہ
و مادر ارجمند بانو بیگم ممتاز محل
زوجہ شاہجہان

نور جہاں بیگم
زوجہ جہانگیر بادشاہ

میرزا اسعت اللہ
میرزا عاقبت محمود سرفراز خان
نظام الدین علی ثانی حسام الدین خاں

کثیر الاولاد

نور الدولہ ۶۰
داماد اعظم خان

رکن الدولہ ۶۱

میرزا قوام الدین جعفر بیگ ۶۳
آصف خاں ثالث
(وفات ۱۰۲۱ھ)

آقا ملا ثانی (جہانگیری) ۶۴
بدیع الزمان ثانی
دختر ۶۹
زوجہ ارادت خاں میر اسحاق ۷۵
المتوفی ۱۰۶۸ھ پسر محمد باقر اعظم خاں
جہانگیری المتوفی ۱۰۵۹ھ ۷۳

دختر، زوجہ احمد بیگ خان کابلی ۶۵

ابوالقاسم ۶۸
بعہد جہانگیر

دختر
میرزا صالح

دیگر پسران

محمد مسعود
اردشیر و دیگر اولاد

سعید خان بہادر ظفر جنگ ۶۶
(متوفی ۲ صفر ۱۰۶۲ھ)

مخلص اللہ خاں ۶۷
ابوالبقاء افتخار خاں

میرزا شیخ خان زاد خان، لطف اللہ، عبد اللہ، فتح اللہ، نصرت اللہ و دیگر پسران

مہری بیگم
زوجہ میرزا اجار اللہ
بن نواب امیر الامراء شریف خاں جہانگیری ۷۰
متوفی ۱۰ ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ

عسکری

دختر
اہلیہ میرزا یعقوب بیگ
بن خان دوران شاہ بیگ خان ۷۱
صوبیدار تتہ

سہراب خان

میرزا علی اصغر
۷۲

دختر
زوجہ نواب خان اعظم
میر محمد باقر معروف بہ ارادت خان ۷۳
المتوفی ۱۰۵۹ھ

زین العابدین
متوفی سال دوم شاہجہانی ۱۰۳۸ھ
میر جعفر ثانی ۷۷
متوفی ۱۰۹۴ھ

عنایت خان

میر خلیل مفتخر خان
خان زمان ۷۴
متوفی ۱۰۹۵
داماد یمین الدولہ
آصف خان

دختر
زوجہ شہزادہ محمد شجاع
سلطان زین العابدین

میر اسحاق ارادت خان متوفی ۱۰۶۸ھ ۷۵
داماد بدیع الزمان ثانی ۶۹
و داماد زاہد خان کوکہ

پسر سومی

محمد جعفر پسر کلان

میرزا مبارک اللہ ارادت خان
واضح متوفی ۱۱۲۸ھ ۷۶

میر ہدایت اللہ
ہوشیار خان
المخاطب بہ ارادت خان ۷۸ متوفی ۱۱۵۷ھ

پسران بسیار داشت کہ یکے ازان بنام حافظ خان بود ۷۹

بسلسلہ فٹ نوٹ نمبر ۱۲

منقول از تاریخ مظہر شاہجہانی، مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی

عالم آرای عباسی و ہفت اقلیم) یا درمیش خان متوفٰی ۹۳۱ھ نے حبیب اللہ کو اپنا وزیر بنایا تھا ، اور حبیب اللہ ۹۵۰ھ تک زندہ تھا (میخانہ' لاہور ، ص ۱۴۴) خواجہ' موصوف بہت علم پرور تھا ۔ متعدد کتابیں اُس کے نام سے معنون ہوئیں ۔ مثلاً تاریخ حبیب السیر ، تحفۃ الحبیب فخری ہروی ، ترجمہ مجالس النفائس فخری ہروی اور رسالہ ہیئت عبدالعلی برجندی ۔

۵۴- شیخ شہاب الدین سہروردی متوفٰی ۶۳۲ھ کی اولاد سے تھا) . (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۹۲ ، ۱۰۷ ، ۱۲۶ ، ۱۳۵ ، ۲۰۳) ۔

۵۵- (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۹۰ . آصف خان اول عبدالمجید تھا . آصف خان ثانی یعنی غیاث الدین علی قزوینی تھا . آصف خان سوم جعفر بیگ تھا ، اور آصف خان چہارم ابوالحسن یمین الدولہ تھا ۔

۵۶- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۳۹ ۔

۵۷- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۵۵۸ ۔

۵۸- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۹۰ ۔

۵۹- میرزا حسام الدین (بن میر جمال الدین حسین خان انجو ، صاحب فرہنگ جہانگیری) نے ٹھٹے میں وفات پائی . اس کے بعد ابوالبقا امیر خان یوسف میرک کا بڑا بھائی ملتان سے تبادلہ ہو کر ٹھٹے پر مامور ہوا . ماثرالامرا میں مذکور ہے کہ میرزا حسام الدین نے ابراہیم خان فتح جنگ کے بھتیجے احمد خان کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی ، اور اُس کے وسیلے سے وہ اس مرتبہ' عزت و جلالت تک پہنچا تھا ، اسی لیے وہ اس کی فرماں برداری اور خوشنودی کی بہت کوشش کرتا تھا . بیگم جب عید اور نوروز کے موقع پر دولت سرائے شاہی میں جاتی ، میر موصوف کی مجال نہ تھی کہ وہ بغیر اجازت بیگم کے محل میں آئے . معتمد خان نے تکملہ' تزک میں لکھا ہے کہ میر حسام الدین کے گھر میں نورجہاں بیگم کی ماموں زاد بہن تھی . (رک : نولکشور . ص ۳۷۹) ۔

۶۰- رک : بادشاہ نامہ ، ج ۲ : ص ۶۰۶-۷۳۶ ۔

۶۱- رک : بادشاہ نامہ ، ج ۱ ، حصہ ۱ : ص ۳۲۷ ۔

۶۲- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۵۱-۱۵۲ . جہانگیر کے زمانے میں خواجہ غیاث کی اسی بیٹی نے عطر گل ایجاد کیا تھا ۔ (رک : تزک ، ترجمہ اردو

لاہور ، ص ۹ ۷ ۳) ۔

۶۳- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۰۷ ۔ یہ متعدد عورتیں رکھتا تھا ۔ مرض‌الموت میں ایک سو عورتیں اس کے محل سے برآمد ہوئیں ، مثنوی ''خسرو شیریں'' اور مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' کا مصنف تھا ۔ امیرالامرا شریف خاں کے صاحب فراش ہونے کے بعد جہانگیر نے اس وقت جب کہ وہ کابل جا رہا تھا ، پساول کے مقام پر بدھ کے روز ۳ صفر ۱۰۱۶ھ کو قلم دان وزارت میرزا قوام‌الدین کے سپرد کیا تھا ۔

۶۴- رک : تزک ، ص ۸۵ ۔

۶۵- احمد بیگ خاں کابلی کا جد اعلیٰ میر غیاث‌الدین ترخان ، تیمور کے امرا میں تھا ۔

۶۶- رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۳۲۹ ۔ و بلاخمن ۵۱۸ ۔ سعید خاں کے بائیس بیٹے تھے جن میں سے چند کے نام اس نسب نامے میں ذکر کیے گئے ہیں ۔

۶۷- رک : بادشاہ نامہ ، ج ۱ ، حصہ ۲ ، ص ۳۲۷ ۔ اس کے بیٹوں کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے کون سے احمد بیگ خاں کابلی کے ہم عصر تھے ۔

۶۸- رک : تزک ، ص ۱۲۸-۱۲۹ ۔

۶۹- رک : تزک ص ۱۴۰ ۔ و ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۰۳ ۔

۷۰- شریف خاں (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۶۶۵) ۔

شریف خاں ولد ملا عبدالصمد مصوّر شیرازی (شیریں قلم) بن خواجہ نظام‌الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی ۔ آصف خاں جعفر بیگ کی وفات کے بعد جہانگیر نے جاراللہ کو مجبور کیا کہ وہ مصری بیگم کو طلاق دے دے ۔ اس سے طلاق لینے کے بعد جہانگیر نے اس کا عقد میرزا لشکری بن میرزا یوسف سے کر دیا ۔

۷۱- شاہ بیگ خاں : ٹھٹے کا صوبے دار تھا لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا (بلاخمن ، ص ۴۱۵ ۔ بادشاہ نامہ ، جلد ۱ ، حصہ ۲ ، ص ۱۴۰—۳۲۷) ۔ شاہ بیگ خاں نے لاہور میں نوے سال کی عمر میں (شوال ۱۰۲۹ھ) وفات پائی ۔ (تزک ، ص ۶۴۲) ۔

شاہ بیگ (خان دوران) بن ابراہیم بیگ چریک کے چار بیٹے تھے ۔ عبدالعزیز شاہ ، محمد عزیز خاں ، یعقوب بیگ مذکور اور اسد بیگ ۔ جہانگیر بادشاہ نے خان دوران کو ۲٦ شوال ۱۰۲٦ھ کو ٹھٹھے کا صوبے دار مقرر کیا ، لیکن اس نے بڑھاپے اور ضعیفی کی وجہ سے معذرت کی اور پرگنہ خوشاب بطور املاک و جاگیر حاصل کر کے لاہور میں اقامت اختیار کر لی ۔ اس جاگیر سے اس کو تیس لاکھ روپے کی آمدنی ہوتی تھی ۔

۷۲- معتمد خان بخشی (مؤلف اقبال نامۂ جہانگیری) کی بیٹی تھی ، جو میرزا علی اصغر سے منسوب ہوئی ، لیکن نکاح نہیں ہو سکا ، اور شاہجہان نے اس کی شادی خان دوران سے کر دی ۔

۷۳- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۸۳ ، و سرو آزاد ، ص ۱۳٦ ۔ سرو آزاد میں اس کا سنہ وفات ۱۰۵۸ھ مندرج ہے ۔

۷۴- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۸۵ و ۲۵۳ ۔ یہی میر خلیل خان زمان راگ و رنگ کا والہ و شیدا تھا ۔ اس نے خوش آواز پری وشوں اور عشوہ طراز مغنیاؤں کو اپنے گھر میں جمع کیا تھا ۔ مشہور مغنّیہ زین آبادی جو خلد مکان عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کی محبوبہ تھی ، ان ہی عورتوں میں سے ایک تھی ۔ کہتے ہیں کہ یہ میر خلیل خان کی مدخولہ تھی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۷۹) ۔

۷۵- رک : سرو آزاد ، ۱۳٦ ۔ وماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۰۳ ۔ یہ محمد باقر اعظم خان جہانگیری کا تیسرا لڑکا تھا ۔ میر اسحاق ارادت خان موصوف کی پہلی شادی میرزا بدیع الزمان بن آقای ملای ملا ثانی جہانگیری (برادر جعفر بیگ آصف خان) کی لڑکی سے ہوئی تھی ۔ اس کی دوسری شادی زاہد خان کوکہ کی بیوہ لڑکی سے ہوئی ۔ اسی بیوی سے اس کا بڑا لڑکا محمد جعفر ہے ۔

۷٦- صاحب دیوان تھا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۰۴ ۔ و سرو آزاد ، ص ۱۳٦–۱۳۷) ۔

۷۷- فارسی کا شاعر تھا ۔

۷۸- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۰۵ ۔ اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد موروثی لقب ارادت خان پایا ۔ معمولی شعر کہتا تھا اور عورتوں کے جمع

کرنے میں بہت حریص تھا ، اور بہت کثیرالاولاد تھا ۔

۷۹- رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۲۰۶ ۔

نوٹ : نور جہاں بیگم کے مادری اور پدری شجرہ ہائے نسب سید حسام الدین راشدی کے مرتبہ ہیں ، جو 'مظہر شاھجہانی' مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ میں شامل رہیں ، اور وہیں سے بعینہ انھیں نقل کیا گیا ہے ۔ شجروں کے یہ متعلقہ حواشی بھی جناب سید حسام الدین راشدی نے مظہر شاھجہانی (از صفحہ ۱ تا ۱۲) فارسی میں مزید وضاحت کے لیے لکھے ہیں ، جن کا ہم نے بعینہ ترجمہ کر دیا ہے ۔ اس استفادے کے لیے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں ۔ ان شجروں کی ترتیب و حواشی کے لکھنے میں جو محنت و کاوش انھوں نے کی ہے ، علمی دنیا ہمیشہ ان کی شکر گزار رہے گی ۔

(بقیہ حواشی سن نواں جنشن نوروز)

(۱۳) هرداس جھالہ : ابتدا میں اودے پور کی سرکار میں ملازم تھا اور کرن کے بیٹے جگت سنگھ کا اتالیق تھا ۔ رانا کی طرف سے دربار میں اکثر وکیل بن کر آتا تھا ۔ اس کے بعد ملازمت شاہی میں داخل ہوا ، (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۹۵ و ۳۷۲) ۔

(۱۴) ملا شکر اللہ : اس نے شیراز میں تعلیم پائی ، وہاں سے برہان پور آیا ۔ خانخاناں نے اسے اپنے مصاحبوں کے زمرے میں شامل کر لیا ۔ پھر شاہزادہ شاھجہان کے لشکر کا میر عدل مقرر ہوا ۔ جہانگیر نے اسے افضل خاں کا خطاب دیا ۔ شاھجہان نے بھی اپنے عہد حکومت میں اس کا منصب چار ہزاری ذات و دو ہزار سوار کرکے اس کو میر سامان مقرر کیا تھا ۔ ملا شکر اللہ نے ۱۰۴۸ھ میں لاھور میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۴۵–۱۵۰) ۔

(۱۵) پنجۂ مبارک : تیموری فرماں رواؤں میں دستور تھا کہ اگر وہ کوئی فرمان کسی جاگیر یا کسی معاھدے کے بارے میں جاری کرتے تو اسے خاص اہمیت دینے کے لیے اس پر شہنشاہ کے پنجے کو ثبت کر دیا جاتا تھا ۔ اس سے فریق ثانی یا مکتوب الیہ کو مزید اطمینان دلانا مقصود ہوتا تھا ۔ چناں چہ

بادشاہ کا ایک خاص پنجہ تیار کیا جاتا اور ضرورت کے وقت اُسے زعفران یا روشنائی سے فرمان پر چھاپ دیا جاتا۔ فرمان جب ہر طرح سے مکمل ہو جاتا تو اسے ایک خریطے میں ڈالا جاتا اور اس خریطے کو سر بہ مہر کر دیا جاتا۔ پھر قاصد اسے منزل مقصود تک پہنچاتا تھا (س)۔

(۱۶) **ورزا**: سر سید ایڈیشن میں 'میرزای' ہے جو سہو کتابت ہے۔ یہ لفظ ورزای ہے۔ پرتگالی زبان میں ورزا کے معنی وایسرائے کے ہیں (س)۔

(۱۷) **محمد بیگ المخاطب بہ ذوالفقار خاں**: شاہجہاں کی شاہزادگی کے زمانے ہی سے اس کے عمدہ ملازموں میں تھا۔ محمد بیگ نے ۱۰۲۷ھ میں اکبرآباد میں وفات پائی (رک ماثرالامرا، ج ۲، ص ۸۹-۹۲)۔

(۱۸) **احمد بیگ خاں (کابلی)**: چغتائی خاندان سے تھا۔ یہ مدت تک کابل میں میرزا محمد حکیم کے وثیقہ داروں میں رہا۔ میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد اکبر کے ملازموں میں شامل ہو گیا۔ ۱۰۰۲ھ میں میرزا یوسف خاں رضوی کے تبادلے کی وجہ سے کشمیر جب مختلف لوگوں کی جاگیر میں بطور تنخواہ دیا گیا تو اُن کا سرگروہ یہی تھا۔ عہدِ جہانگیری میں یہ اور بھی اوجِ امارت کو پہنچا، اور حکومت کشمیر پر نامزد ہوا۔ جلوس جہانگیری کے تیرھویں سال معزول ہو کر حضور میں پہنچا، اور کچھ دن بعد وفات پائی۔ (رک: ماثرالامرا، ج ۱، ص ۱۲۹)۔

(۱۹) **رن تھن بور**: یہ قلعہ ہندوستان کے مشہور اور مستحکم قلعوں میں شمار ہوتا ہے اور صوبۂ اجمیر میں واقع ہے — ۹۶۶ھ میں یہ قلعہ شیر شاہ سوری کے غلام حاجی خاں کے قبضے میں تھا۔ اس نے کسی وہم میں مبتلا ہو کر اسے راجا سرجن کے ہاتھوں میں بیچ ڈالا۔ قلعۂ چتوڑ کو فتح کرنے کے بعد اکبر نے اس قلعے کے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چناں چہ ۹۷۶ھ میں اکبر نے اس قلعے کو فتح کر لیا۔ جہانگیر نے اس قلعے کی سیر ۱۰۲۷ھ میں کی تھی (س)۔

دسواں جشن نوروز

شنبه کے دن ، پہلی ماہ فروردی ، سنہ ۱۰ ، ۸ صفر سنہ ۱۰۲۴ھ(۱۶۱۵ع) کو طلوع آفتاب کے بعد پچپن پل گزرنے پر سورج نے برج حوت سے خانۂ شرف یعنی برج حمل میں نزول اجلال کیا ۔ اتوار کی تین گھڑی رات گزرنے کے بعد میں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا ۔ جشن نوروز اور آئین بندی حسب دستور قدیم ترتیب پائی ۔ والا قدر شہزادے ، بڑے بڑے خوانین ، اُمرا اور اراکین دولت رسم تسلیم و مبارک باد بجا لائے ۔

جشن کے پہلے دن یکم فروردی کو میں نے اعتماد الدولہ کے منصب میں جو پانچ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار پر مشتمل تھا ، ہزار ذات و سوار کا اضافہ کیا اور کنور کرن اور جہانگیر قلی خاں اور راجا نرسنگھ دیو کو خاص گھوڑے مرحمت کیے ۔

دوسرے دن آصف خاں کے تحائف میری نظر سے گزرے جو جواہر ، مرصع اور طلائی آلات ، اور ہر قسم اور ہر جنس کے کپڑوں پر مشتمل تھے ۔ میں نے اُن کو تفصیل سے دیکھا ۔ ان میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں ، وہ پچاسی ہزار روپے کی قیمت کی ہوں گی ۔ اس روز ایک پٹکا ، ایک شمشیر مرصّع پرتلے سمیت کرن کو اور ایک ہاتھی جہانگیر قلی خاں کو مرحمت کیا ۔

چوں کہ میرا ارادہ دکن اور اس کے نواح میں جانے کا تھا ، اس لیے میں نے عبدالکریم معموری (۱) کو حکم دیا کہ وہ مندو جا کر سرکاری ضروریات کے لیے از سر نو نئی عمارتیں تیار کرائے ، اور گزشتہ بادشاہوں کی عمارتوں کی مرمت کرائے ۔

تیسرے دن راجا نرسنگھ دیو کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ یہ ایک لعل ، مروارید کے چند دانوں اور ایک ہاتھی پر مشتمل تھا ، جو قبول کیا گیا ۔

چوتھے روز مصطفیٰ خاں (۲) کے منصب میں پانصد ذات اور دو صد سوار کا اضافہ کیا گیا ، جس سے اس کا منصب دو ہزاری ذات دو صد و پنجاہ سوار ہو گیا ۔

پانچویں روز میں نے اعتماد الدولہ کو علَم و نقارہ مرحمت کیا اور حکم دیا

کہ نقارہ بجایا جائے ۔

آصف خان کے منصب میں ہزاری ذات اور سوار کا اضافہ کیا گیا ، تاکہ اس کا منصب چار ہزاری ذات اور دو ہزار سوار ہو جائے ۔

اور راجا نرسنگھ دیو کے منصب میں بھی ہفت صد سوار کا اضافہ کر کے اسے اس شرط پر رخصت دی کہ وہ وعدۂ مقررہ پر حاضر ہو جائے ۔

اسی دن ابراہیم خان کا پیش کش میری نظر سے گزرا ۔ اس میں سے ہر قسم کی چیزیں مجھے پسند آئیں ۔

کشن چند کو جو نگر کوٹ کے راجا زادوں میں سے ہے ، میں نے راجا کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

چھٹے روز جمعرات کے دن اعتمادالدولہ کا پیش کش بہ مقام چشمۂ نور میری نظر سے گزرا ۔ اس موقع پر ایک نہایت ہی شان دار مجلس منعقد ہوئی تھی ۔ طبیعت میں شگفتگی ہونے کی وجہ سے میں نے اس کے تمام پیش کش تفصیل سے دیکھے ، جو جواہرات ، مرصع آلات اور نفیس کپڑوں پر مشتمل تھے ۔ ان کی قیمت ایک لاکھ روپے ہوگی ۔ اس میں سے جو پسندیدہ چیزیں تھیں ، وہ لے لی گئیں اور بقیہ اس کو لوٹا دی گئیں ۔

ساتویں روز میں نے کشن سنگھ کے منصب میں ، جو دو ہزاری ذات اور ہزار و پانچ صد سوار تھا ، ہزاری ذات کا اور اضافہ کر دیا [138] -

اسی دن چشمۂ نور کے اطراف میں میں نے ایک شیر کا شکار کیا ۔

آٹھویں روز میں نے کرن کو منصب پنج ہزاری ذات و سوار سے سرفراز کیا ، اور ایک چھوٹی تسبیح مروارید و زمرد کی ، جس کے درمیان ایک لعل تھا ، اور جسے ہندوؤں کی اصطلاح میں سمرن کہتے ہیں ، اُسے عنایت کی ۔

اور ابراہیم خان کے منصب میں ہزاری ذات و چہار صد سوار کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب اصل و اضافہ ملا کر دو ہزاری ذات اور ہزار سوار ہو گیا ۔

اور حاجی بے اوزبک کے منصب میں سیصد سوار کا اضافہ کیا ۔

راجا شیام سنگھ کے منصب میں بھی میں نے پانصدی ذات کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب دو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار و چہار صد سوار ہو گیا ۔

اتوار کے دن ۹ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو سورج گہن ہوا ۔ دن کی بارہ گھڑیاں گزری تھیں کہ مغرب کی جانب سے سورج گہن ہونا شروع ہوا ، اور سورج کے پانچ حصوں میں سے چہار حصے گہن میں آ گئے ۔ سورج کے گہن شروع ہونے سے لے کر سورج کے روشن ہونے تک آٹھ گھڑیاں لگیں ۔ میں نے فلزات اور حیوانات اور ہر چیز اور ہر قسم کا غلہ بطور صدقہ فقرا ، مساکین اور اہل حاجت کو دیا ۔

اسی دن راجا سورج سنگھ کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ ان میں سے جو چیزیں لی گئیں ، وہ تینتالیس ہزار روپے کی بالیتی ہوں گی ۔

اسی دن بہادر خان (۳) حاکم قندھار کا پیش کش نظر سے گزرا ، جس کی مجموعی مالیت چودہ ہزار روپے تک پہنچتی تھی ۔

دارا شکوہ کی ولادت :

پیر کی رات میں ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو دو پہر رات گزرنے کے بعد جب کہ طالع قوس تھا ، خرم بابا کے گھر میں آصف خان کی لڑکی (۴) کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ میں نے اس لڑکے کا نام دارا شکوہ (۵) رکھا ۔ امید ہے کہ اس کا قدم اس سلطنت اور اس کے خوش نصیب باپ کے لیے مبارک ہو گا ۔

سید علی بارھہ کے منصب میں پانصدی ذات و سیصد سوار کا اضافہ کیا گیا ، اور اس اضافے سے اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار ہو گیا ۔

۱۰ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو اعتبار خان کا پیش کش میرے ملاحظے میں گزرا جو مجھے پسند آیا ۔ اس کی مجموعی قیمت چالیس ہزار روپے ہو گی ۔ اسی دن خسرو بے اوزبک کے منصب میں سیصد سوار کا اور سنکی خان (۶) کے منصب میں پانصدی ذات اور دوصد سوار کا اضافہ کیا ۔

۱۱ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو مرتضیٰ خان کا پیش کش میری نظر سے گزرا ۔ اس پیش کش کے تمام جواھرات میں سے سات قطعہ لعل ، ایک موتیوں کی تسبیح اور دو سو ستر دوسرے موتی قبول کیے ۔ ان قبول کی ہوئی چیزوں کی مجموعی قیمت ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے ہوگی ۔

۱۲ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو مرزا راجا بھاؤ سنگھ اور راوت شنکر کے

پیش کش میری نظر سے گزرے ۔

۱۳ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خواجه ابوالحسن کے پیش کش میں سے ایک قطعه لعل قطبی ، ایک الماس ، ایک موتیوں کا ہار، پانچ انگوٹھیاں ، چار عدد بڑے موتی اور کچھ کپڑے مجھے پسند آئے ، جن کی مجموعی قیمت بتیس ہزار روپے ہوگی ۔

۱۴ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ابوالحسن کے منصب میں جو سه هزاری ذات و هفت صد سوار تھا ، میں نے ہزاری ذات و پانصد سوار کا مزید اضافه کیا ۔

اور وفادارخاں کے منصب میں میں نے هفت صد و پنجاه ذات اور دو صد سوار کے اضافے کا حکم دیا ۔ اس اضافے کے بعد اس کا منصب دو ہزاری ذات و دو صد سوار هو گیا ۔

مصطفی بیگ کی حاضری :

اسی روز شہنشاه ایران کے ایلچی مصطفی بیگ نے حاضری کی سعادت حاصل کی ۔ اس کو میرے برادر عالی قدر شہنشاه ایران نے گرجستان کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ایک محبت آمیز خط کے ساتھ جو خلوص و محبت پر مشتمل تھا ارسال کیا تھا ، اس کے ساتھ کچھ گھوڑے ، کچھ اونٹ ، اور حلب کے بہترین کپڑے جو بادشاه روم کی جانب سے اس برادر کامگار (شہنشاه ایران) کے لیے بھیجے گئے تھے ، اور نو بڑے فرنگی شکاری کتے ارسال کئے ۔ ان کتوں کے لیے میں نے اشارۃً خواهش بھی کی تھی ۔

مرتضی خاں کی قلعهٔ کانگڑا کو روانگی :

اسی دن میں نے مرتضی خاں کو قلعهٔ کانگڑا کی تسخیر کے لیے ، جو پنجاب کے کوهستان میں بلکه تمام عالم میں اپنی مضبوطی اور استحکام میں نظیر نہیں رکھتا [139] رخصت کیا ۔ اس وقت سے لے کر جب که هندوستان میں اسلام کا غلغله بلند ہوا ہے ، اس مبارک زمانے تک جب که تخت هندوستان میرے جلوس سے مزین ہوا ہے ، سلاطین سلف اور حکام میں سے کوئی شخص اس قلعے کو فتح نه کر سکا ۔ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں ایک مرتبه اس قلعے کو فتح کرنے کے لیے پنجاب سے ایک لشکر بھیجا گیا تھا ، جو ایک مدت تک اس

کا محاصرہ کیے رہا ۔ آخر یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا ۔ اور وہ لشکر کسی اور مہم پر، جو اس سے زیادہ ضروری تھی ، متعین کیا گیا ۔ میں نے مرتضیٰ خان کو رخصت کرتے وقت اُسے ایک خاص ہاتھی مع ساز و سامان عنایت کیا ۔ راجا سورج مل ولد راجا باسو کو بھی اس مہم میں متعین کیا گیا اور اس کے سابق منصب میں پانصدی ذات اور سوار کا اضافہ کیا ، کیوں کہ اس کا علاقہ اس قلعے سے متصل ہے ۔

راجا سورج سنگھ نے بھی اپنے وطن اور جاگیر سے آ کر حاضری کی سعادت حاصل کی اور ایک سو اشرفیاں نذر گزرانیں ۔

۱۷ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میرزا رستم کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ دو خنجر مرصع ، ایک موتیوں کی تسبیح ، کپڑوں کے چند تھان ، ایک ہاتھی اور چار عراقی گھوڑے پسند آئے ، بقیہ چیزیں میں نے واپس کر دیں ۔ جو چیزیں قبول کی گئیں ، ان کی مجموعی قیمت پندرہ ہزار روپے تھی ۔

اسی روز اعتقاد خان کا پیش کش ، جس کی مالیت اٹھارہ ہزار روپے تھی ، نظر گزرا ۔

۱۸ فروردی کو جہانگیر قلی خان کا پیش کش ملاحظے سے گزرا ۔ جواہر اور کپڑوں میں سے پندرہ ہزار روپے کی مالیت کی اشیا قبول کیں ۔

اعتقاد خان کے منصب میں ، جو ہفت صدی ذات اور دو سو سوار تھا ، ہشت صدی اور سہ صد سوار کا اضافہ کیا جس کی وجہ سے اصل و اضافہ ملا کر اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات و پانصد سوار ہو گیا ۔

خسرو بے اوزبک ، جو نامی گرامی سپاہیوں میں تھا ، مرض اسہال سے وفات پا گیا ۔

۱۹ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو جمعرات کا دن تھا ۔ دوپہر کے ساڑھے چار گھڑی گزرنے کے بعد شرف کا آغاز ہوا ۔ اس مبارک دن میں میں تخت پر جلوہ افروز ہوا ۔ لوگ تسلیمات کے بعد مبارک باد کی رسم بجا لائے ۔ چوں کہ ابھی ایک پہر دن باقی تھا ، میں چشمۂ نور کی طرف گیا ، وہیں قرار داد کے مطابق مہابت خان کا پیش کش میری نظر سے گزرا ۔ اس نے نفیس جواہر ، مرصع آلات اور کپڑے اور ہر قسم اور ہر جنس کی اشیا ، جو اس کے ذہن میں

آئیں اس پیش کش میں جا دی تھیں ۔ ان تمام چیزوں میں سے مرصّع کھپوہ ، جسے سرکاری سناروں نے اس کی خواہش کے مطابق بنایا تھا ، میں نے لے لیا ۔ قیمت کے اعتبار سے اس قسم کا کھپوہ سرکاری اسلحہ خانے میں نہ تھا ۔ اس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی ۔ اس کے علاوہ اس پیش کش میں سے جواہر اور دوسری جنس کی چیزیں جن کی مجموعی قیمت ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے تھی ، میں نے قبول کیں ، بلاشبہ اس کا پیش کش بہت نمایاں تھا ۔

میں نے شہنشاہ ایران کے ایلچی مصطفیٰ بیگ کو بیس ہزار درب عنایت کیے جس کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں ۔

۲۱ ماہ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو عبدالغفور کے ہاتھ دکن کے پندرہ امرا کے لیے خلعت بھجوائے ۔

اسی دن راجا بکرماجیت کو اپنی جاگیر کی طرف جانے کی اجازت دی ، اور اسے خاص فرغل عنایت کیا ۔

اسی روز میں نے مصطفیٰ بیگ ایلچی شاہ ایران کو مرصع کمر خنجر عنایت کیا ۔

اسلام خاں کے بیٹے ہوشنگ کے منصب میں ، جو ہزاری ذات و پانصد سوار پر مشتمل تھا ، میں نے پانصد ذات و دو صد سوار کا اضافہ کیا ۔

۲۳ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ابراہیم خاں صوبۂ بہار کی صوبہ داری پر سرفراز ہوا اور ظفر خاں کو حکم دیا کہ وہ میرے حضور میں حاضر ہو جائے ۔ اور ابراہیم خاں کے منصب میں ، جو دو ہزاری ذات اور ہزار سوار تھا ، پانصدی ذات و ہزار سوار کا اضافہ کیا ۔

اسی دن سیف خاں اپنی جاگیر کی طرف رخصت ہوا ، اور حاجی بیگ اوزبک ، اوزبک خاں کے خطاب سے سر بلند ہوا ۔

بہادر الملک جو دکن کے متعینہ لشکر میں ہے ، اور جس کا منصب دو ہزار و پانصدی اور دو ہزار و یک صد سوار تھا ، [140] وہ پانصدی ذات اور دو صد سوار کے اضافے سے سرفراز ہوا ۔

خواجہ تقی کے منصب میں ، جو ہشت صدی ذات و یک صد و ہشتاد سوار تھا ، مزید دو صدی کا اضافہ کیا ۔

۲۵ ماہ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو سلام اللہ عرب کے منصب میں

دو سو سواروں کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار ہو گیا ۔

خاص گھوڑوں میں سے سیاہ ابلق گھوڑا جو بادشاہ ایران نے مجھے بھجوایا تھا ، میں نے مہابت خاں کو عنایت کیا ۔

جمعرات کی شام کو میں بابا خرم کے گھر گیا اور ایک پہر رات تک وہاں رہا ۔ اسی دن اس کا دوسرا پیش کش میری نظر سے گزرا ۔ پہلے دن جب وہ حاضر ہوا تھا تو اس نے ایک مشہور لعل مجھے پیش کیا تھا ۔ یہ لعل رانا نے اس کے دربار میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا اور اس کی قیمت جوہریوں نے ساٹھ ہزار روپے آنکی تھی ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اس لعل کی تعریف کی جاتی تھی ، وہ ویسا نہ تھا ۔ اس لعل کا وزن آٹھ ٹانک ہے ۔ پہلے یہ لعل رائے بالدیو کے پاس تھا ، جو راٹھور قبیلے کا سردار تھا اور ہندوستان کے مشہور راجاؤں میں شمار ہوتا تھا ۔ اس کے بعد یہ لعل اس کے بیٹے چندر سین کے پاس منتقل ہوا ۔ اس نے اپنی پریشانیوں اور ناکامیوں کے زمانے میں یہ لعل رانا اودے سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ اس کے بعد یہ رانا پرتاپ سنگھ کے ہاتھ آیا ۔ پھر رانا پرتاپ سے رانا امر سنگھ کو منتقل ہوا ۔ چوں کہ اس خاندان میں اس سے بہتر تحفہ نہ تھا ، اس لیے اس نے اس کو اپنے تمام ہاتھیوں کے ساتھ جنھیں ہندوؤں کی اصطلاح میں کھیتہ چار کہتے ہیں ، میرے اقبال مند فرزند بابا خرّم کی خدمت میں حاضر ہونے کے موقع پر پیش کر دیا ۔ جب یہ لعل میرے حضور میں پیش ہوا تو میں نے حکم دیا کہ اس لعل پر کندہ کیا جائے کہ یہ لعل رانا امر سنگھ نے سلطان خرم کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا ۔ اس کے علاوہ خرّم کے پیش کش میں سے کچھ اور چیزیں بھی مجھے پسند آئیں ۔ منجملہ ان کے ایک بلوری صندوقچہ تھا جو یورپ کا ساختہ اور نہایت خوب صورت بنایا گیا تھا ۔ کچھ زمرد ، تین انگوٹھیاں ، چار عراقی گھوڑے اور دوسری متفرق چیزیں تھیں ، جن کی مجموعی قیمت اسّی ہزار روپے تھی ۔

آج جب کہ میں اس کے گھر گیا ، اس نے اس سے بھی بڑھیا پیش کش ترتیب دے کر پیش کیا ۔ تخمیناً چار پانچ لاکھ روپے کا سامان اور نفیس چیزیں میری نظر سے گزریں ۔ ان تمام اشیا اور سامان میں سے ایک لاکھ روپے کی مالیتی چیزیں میں نے لے لیں اور باقی اس کو واپس کر دیں ۔

۲۸ فروردی ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خواجه جہان کے سه ہزاری ذات و ہزار و ہشت صد سوار کے منصب میں پانصد ذات و چہار صد سوار کا اضافه کیا.

اس مہینے کے آخر میں ابراہیم خان کو گھوڑا، خلعت، خنجر مرصّع، علم و نقارہ مرحمت کرکے صوبۂ بہار کو روانه کیا.

خدمت عرض مکرر، جو خواجه حاجی بیگ سے متعلق تھی، اُس کے وفات پا جانے کی وجه سے میں نے مخلص خان (۷) کو مرحمت کی که اس پر مجھے اعتماد تھا.

دلاور خان کے منصب میں سه صد سوار کا اضافه کیا گیا. اس اضافے سے اس کا منصب ہزاری ذات و سوار ہو گیا.

چوں که کنور کرن کے رخصت ہونے کا زمانه قریب تھا، اس لیے میں چاہتا تھا که اپنے شکار کا طریقه اور گولی چلانا اس کو بتاؤں. اُسی زمانے میں شکاریوں نے ایک شیرنی کی خبر دی. حالاں که یه ایک طے شده امر ہے که میں بغیر شیر کے شیرنی کا شکار نہیں کرتا مگر اس خیال سے که کہیں ایسا نه ہو که اس کے جانے تک شیر نه مل سکے، میں کرن کو ہمراہ لے کر شیرنی کے شکار کے لیے روانه ہو گیا. راستے میں میں نے اس سے کہا که تم شیرنی کے جسم کے جس حصے پر بھی کہو، میں وہیں نشانه لگاؤں گا. یه امر طے کر لینے کے بعد میں اُس جگه پہنچا جہاں شیرنی کا محاصرہ کیا گیا تھا. اتفاق سے اُس وقت ہوا تیز چلنے لگی. اس کے علاوہ جس ہتھنی پر میں سوار تھا، وہ شیر کے ڈر سے مضطرب ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگی. ان دو بڑے موانعات کے باوجود میں نے بندوق کو شیرنی کی طرف سیدھا کرکے گولی چلا دی. خدا نے اپنے کرم سے مجھے اس راجا زادے کے سامنے شرمندہ نہیں کیا؛ چناں چه میں نے طے شده قرار داد کے مطابق اُس کی آنکھ کے درمیان گولی مار کر اس کو گرا دیا.

اسی دن رانا کرن نے مجھ سے ایک خاص بندوق کی التجا کی. [141] میں نے اس کو ایک خاص رومی بندوق عنایت کی.

چوں که میں ابراہیم خان کو رخصت کے دن ہاتھی نه دے سکا تھا لہٰذا میں نے اس کو ایک خاص ہاتھی عنایت کیا.

ایک ہاتھی بہادر الملک کو اور ایک ہاتھی وفادار خان کو عنایت کیا.

۸ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میرے وزن کی رسم قمری سال کے

آغاز ہونے پر منعقد ہوئی ۔ میں نے اپنے آپ کو چاندی اور دوسری جنسوں سے تولا ۔ میرے برابر جو زر و مال وزن میں آیا ، وہ میں نے محتاجوں اور مستحقوں میں تقسیم کر دیا ۔

اسی روز نوازش خان کو اپنی جاگیر میں جانے کی اجازت دی جو صوبۂ مالوہ میں تھی ۔

اسی دن ایک ہاتھی خواجہ ابوالحسن کو عنایت کیا ۔

۹ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خان اعظم ، جو میرے حکم کی بنا پر قلعۂ گوالیار (۸) سے آگرے آیا تھا ، اسے میرے سامنے لایا گیا ۔ باوجود اس کے کہ اس سے بہت سے قصور وقوع میں آئے تھے اور ان تقصیرات کی بنا پر جو سلوک میں نے اس کے ساتھ کیا تھا ، وہ بالکل حق بجانب تھا ، لیکن جب اس کو میرے حضور میں لائے اور میری نظر اس پر پڑی تو مجھے اس سے شرمندگی محسوس ہوئی ۔ اسی وقت میں نے اس کے تمام قصور معاف کر دیے اور جو شال میں اس وقت کمر میں لپیٹے ہوئے تھا ، اس کو عنایت کر دی ۔ کنور کرن کو ایک لاکھ درب عنایت کیے ۔

راجا سورج سنگھ نے اسی دن ایک بڑا ہاتھی ، جس کا نام راولت تھا ، اور جو اس کے نامی گرامی ہاتھیوں میں تھا ، پیش کیا ۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ بہت ہی نادر ہاتھی ہے ۔ میں نے اسے شاہی ہاتھیوں میں داخل کر لیا ۔

۱۰ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خواجہ جہاں کا پیش کش ، جو اس نے آگرے سے اپنے بیٹے کے ہاتھ میرے لیے بھجوایا تھا ، میری نظر سے گزرا ۔ اس میں ہر قسم کی چیزیں تھیں ۔ اس کی مجموعی قیمت چالیس ہزار روپے تھی ۔

۱۲ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خان دوراں کا پیش کش ، جو پینتالیس گھوڑوں اور بیس اونٹوں اور شکاری کتوں اور شکاری جانوروں پر مشتمل تھا ، میری نظر سے گزرا ۔ اسی روز دوسرے سات ہاتھی راجا سورج سنگھ نے بطور پیش کش کے پیش کیے جو شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے ۔

اسی روز تحیر خان ، جو میری خدمت میں چار ماہ سے مقیم تھا ، رخصت ہوا ، اور اس کے ذریعے عادل خان کے ہاں ایک پیغام بھیجا گیا جس میں بعض اہم امور تھے ، اور اس سے کہا گیا کہ وہ دوستی کے فوائد اور دشمنی کے نقصانات

کو اس کے دل نشین کر کے اس کو معاهدے پر آماده کرے، اور معقول پند و نصائح سے کام لے کر اس کو هماری سلطنت کی بہی خواهی اور اطاعت پر آماده کرے۔ رخصت کے وقت اسے مختلف چیزیں دی گئیں۔ مختصر یہ کہ اسے اس تھوڑی سی مدت میں خاص سرکار سے اور شاهزادوں اور امرا کی جانب سے ان تکلفات کی بنا پر، جو انهوں نے میرے حکم سے کیے تھے، کئی اشیا پہنچی تھیں۔ حساب لگانے کے بعد ان تمام چیزوں کی مجموعی قیمت ایک لاکھ روپے هوئی۔

۱۴ اردی بهشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میں نے بابا خرّم کا منصب اور صلهٔ خدمت مشخص کیا۔ اس کا منصب پہلے دوازده هزاری ذات اور شش هزار سوار، اور اس کے بھائی (پرویز) کا منصب پانزده هزاری ذات اور هشت هزار سوار پر مشتمل تھا۔ میں نے حکم دیا کہ خرّم کا منصب اس کے بھائی پرویز کے منصب کے برابر کر کے اسی کے برابر اور مزید اضافہ کر دیا جائے۔ اس اضافے کی منظوری بصیغهٔ انعام اور صلهٔ خدمت هوگی، اور ایک خاص هاتھی جس کا نام پنچی گنج تھا، مع اس کے ساز و سامان کے اس کو عنایت کیا۔ اس کی قیمت باره هزار روپے تھی۔

۱۶ اردی بهشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ایک هاتھی مهابت خان کو عنایت کیا۔

۱۷ اردی بهشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا سورج سنگھ کا منصب جو چهار هزاری ذات اور سه هزار سوار تھا، بڑھا کر میں نے اس کو منصب پنج هزاری پر سربلند کیا۔

عبدالله خان کی التجا پر خواجه عبداللطیف کے منصب میں جو پانصدی ذات اور دو سو سوار تھا، مزید دو سو سوار کا اضافه کر کے حکم دیا کہ اس کا منصب هزاری ذات اور چهار صد سوار کر دیا جائے۔

خان اعظم کا بیٹا عبدالله (۹) رنتھنبور کے قلعے میں قید تھا۔ میں نے اسے اس کے باپ کی التجا پر طلب کیا تھا۔ جب وه دربار میں لایا گیا، میں نے اس کی بیڑیاں کھلوا کر اسے اس کے باپ کے پاس بھجوا دیا۔

۲۴ اردی بهشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا سورج سنگھ نے ایک دوسرا هاتھی فوج سنگار نامی [142] بطور پیش کش پیش کیا۔ اگرچه یه هاتھی بھی خوب

ہے اور میں نے اسے شاہی ہاتھیوں میں داخل کر لیا ہے لیکن پہلے ہاتھی سے اسے کوئی نسبت نہیں۔ وہ ہاتھی نوادر روزگار میں سے ہے اور اس کی قیمت کا اندازہ بیس ہزار روپے کیا گیا ہے۔

۲۶ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میرزا شاہ رخ کے بیٹے بدیع الزمان کے منصب میں، جو ہفت صدی ذات اور پانصد سوار تھا، دو صدی کا اضافہ کیا۔

اسی دن خواجہ زین الدین، جو نقشبندی خواجہ زادوں میں سے ہے، ماوراء النہر سے میری خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اٹھارہ گھوڑے بطور پیش کش پیش کیے۔

قزلباش خاں، جو صوبۂ گجرات میں مددگار صوبہ‌دار تھا، صوبیدار کی اجازت کے بغیر میری خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ احدی اس کو قید کر کے حاکم گجرات کے پاس لے جائیں تاکہ دوسروں کو ایسی ہوس نہ ہو۔

مبارک خاں سزاولی[1] (۱۰) کے منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کیا جس کے بعد اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات و ہفت صد سوار ہو گیا۔

۲۹ اردی بہشت ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میں نے ایک لاکھ روپے خان اعظم کو عنایت کیے اور حکم دیا کہ پرگنۂ ڈاسنہ اور پرگنۂ کاسنہ (۱۱) جن کی آمدنی پنج ہزاری ذات کے برابر ہے، اس کی جاگیر میں دے دیے جائیں۔

اسی ماہ کے آخر میں جہانگیر قلی خاں (۱۲) کو اس کے بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ صوبۂ الہ آباد جانے کی اجازت دی جو اس کی جاگیر میں ہے۔ اسی مجلس میں میں نے بیس گھوڑے اور پرم نرم کی خاص قبا، اور بارہ ہرن اور دس شکاری کتے کرن کو عنایت کیے۔

خورداد کی پہلی تاریخ ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو چالیس گھوڑے، دوسرے دن اکتالیس گھوڑے اور تیسرے دن بیس گھوڑے کرن کو بطور انعام دیے۔ یہ سب ملا کر تین دن میں ایک سو ایک گھوڑے ہوئے۔

اور راجا سورج سنگھ کو اس کے ہاتھی فوج سنگار کے بدلے میں نے اپنے خاص

---

[1] سزاول: بفتح سین و ضم واو۔ یہ لفظ ترکی ہے بمعنی تحصیل وصول کرنے والا۔ (فرہنگ آنندراج)

ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی، جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی، عنایت کیا۔

ماہ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کی پانچ تاریخ کو دس پگڑیاں، دس قبائیں اور دس کمربند کرن کو عنایت کیے۔

مُلا گدائی نامی درویش کا انتقال:

انھیں ایام میں واقعہ نویس کشمیر نے لکھا کہ ملا گدائی نامی ایک مرتاض درویش، جو چالیس سال سے شہر کی ایک خانقاہ میں گوشہ نشین تھا، فوت ہوگیا۔ اُس نے اپنی وفات سے دو سال پہلے اس خانقاہ کے وارثوں سے التجا کی تھی کہ اگر تم خوشی سے اجازت دو تو میں اپنے دفن ہونے کے لیے اسی خانقاہ میں کوئی گوشہ انتخاب کر لوں؟ اُنھوں نے کہا کہ جو تم چاہو تمھیں اختیار ہے۔ جب اُس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور شناساؤں سے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میرے پاس جو ایک امانت ہے اُس کو سپرد کر کے عالمِ آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ جو لوگ اُس وقت وہاں حاضر تھے، درویش کی یہ بات سن کر متعجب ہوئے اور سوچنے لگے کہ جن اسرار کی انبیاء کو اطلاع نہیں، اس درویش کی بات کو کیوں کر باور کیا جا سکتا ہے؛ وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے ایسا حکم ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک معتقد سے، جو اس ملک کے قاضی زادوں میں ہے، متوجہ ہو کر کہا کہ میرے قرآن مجید کا سات سو ٹنکوں میں ہدیہ کر کے میری تجہیز و تکفین پر صرف کرنا۔ جب تم جمعہ کی نماز کی اذان سنو تو میری خبر لینا۔ یہ گفتگو جمعرات کے دن ہوئی، اور اُسی دن اُس نے اپنے حجرے کا سامان اپنے شناساؤں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا۔ پنج شنبہ کو دن کے آخری حصے میں اس نے حمام میں جا کر غسل کیا۔ دوسرے دن قاضی زادہ نے جمعہ کی اذان سے کچھ پہلے خانقاہ میں آ کر مُلا کا حال پوچھا۔ جب وہ حجرے کے دروازے پر پہنچا، اُس نے حجرے کا دروازہ بند اور اُس پر ایک خادم بیٹھا ہوا پایا۔ اس نے خادم سے مُلا کا حال دریافت کیا۔ خادم نے جواب دیا کہ مُلا نے کہا ہے کہ جب تک حجرے کا دروازہ خود بخود [143] نہ کھلے، کوئی حجرے میں نہ آئے۔ تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ حجرے کا دروازہ کھل گیا۔ قاضی زادہ اُس خادم کے ساتھ حجرے کے اندر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مُلا قبلہ رو دوزانو بیٹھے ہوئے جان

خدا کو سپرد کر چکے ہیں ۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس دنیا کے حال سے اس آسانی کے ساتھ چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں ۔

کرم سین راٹھور (۱۳) کے منصب میں دو صد ذات و پنجاہ سوار کا اضافہ کر کے میں نے اس کا منصب ہزاری ذات و سہ صد سوار مقرر کیا ۔

اس ماہ (خورداد) کی گیارہ تاریخ کو لشکر خان (۱۴) کا پیش کش ، جو تیس ولایتی اونٹوں اور بیس چینی کی پیالیوں اور رکابیوں اور بیس شکاری کتّوں پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

اس ماہ کی بارہ تاریخ کو اعتبار خان کو ایک مرصّع خنجر اور کرن کو ایک کلغی عنایت کی جس کی قیمت دو ہزار روپے تھی ۔

۱۴ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو بلند رائے کے بیٹے کو خلعت مرحمت کر کے دکن رخصت کیا ۔

کشن سنگھ کی گوبند داس سے خانہ جنگی :

جمعہ کی رات میں ۱۵ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ اتفاق سے میں اس رات (موضع) پوکھر[1] میں تھا ۔ اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ کشن سنگھ ، راجا سورج سنگھ کا حقیقی بھائی ہے اور یہ گوبند داس سے جو راجا مذکور کا وکیل تھا ، سخت کینہ رکھتا تھا کیوں کہ آخرالذکر نے راجا سورج سنگھ کے حقیقی بھتیجے گوپال داس نامی کو کسی وجہ سے قتل کر دیا تھا ، حالاں کہ اس قتل کو ہوئے ایک مدت گزر چکی تھی ؛ رہا یہ امر کہ اس جھگڑے کا سبب کیا تھا اور اس نے کیوں قتل کیا تھا ، بہت طویل ہے ۔ مختصر یہ کہ کشن سنگھ کو اس کی توقع تھی کہ راجا ، گوپال داس کے قتل کے انتقام میں ، جو راجا کا بھتیجا تھا ، گوبند داس کو مار ڈالے گا ۔ لیکن گوبند داس کی خدمات اور صلاحیتوں سے راجا متاثر تھا اور اس وجہ سے وہ گوبند داس کے جرم سے چشم پوشی کرتا رہا ۔ جب کشن سنگھ نے دیکھا کہ راجا کی جانب سے اس معاملے میں برابر اغماض ہو رہا ہے تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ میں

۱- پوکھر : سر سید ایڈیشن میں یہاں بکھر ہے جو سہو کتابت ہے ۔ صحیح لفظ پوکھر ہے ۔

اپنے بھتیجے کا ضرور انتقام لوں گا ، اور اسے کسی قیمت پر نہ چھوڑوں گا ۔ اس خون کو یوں ہی ضائع نہ جانے دوں گا ۔ ایک مدت تک وہ اس ارادے کو اپنے دل میں پختہ کرتا رہا ، یہاں تک کہ مذکورہ رات میں اس نے اپنے بھائیوں ، دوستوں اور ملازموں کو جمع کر کے اپنے اس ارادے کا اظہار کر دیا کہ ہمیں آج رات گوبندداس کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہونا ہے ، اب آیندہ جو کچھ ہو ۔ اس کے دل میں یہ گمان بھی نہ تھا کہ خود راجا کو وہ کسی قسم کا ضرر اور تکلیف پہنچائے گا ۔ خود راجا سورج سنگھ بھی اس واقعے سے بالکل بے خبر تھا ۔ صبح صادق کے قریب کشن سنگھ اپنے بھتیجے کرن اور دوسرے ہمراہیوں کو لے کر روانہ ہوا ۔ جب یہ راجا کی حویلی کے دروازے پر پہنچا تو چند تجربہ کار لوگوں کو اس نے پیدل گوبند داس کے گھر بھیجا جو راجا کے گھر سے متصل تھا اور وہ خود گھوڑے پر دروازے کے باہر کھڑا رہا ۔ یہ پیادے گوبند داس کے گھر میں داخل ہوئے اور گوبندداس کے آدمیوں کو جو بحیثیت محافظت و چوکی جاگ رہے تھے ، تہ تیغ کرنے لگے ۔ اس جدال و قتال و شور و شغب میں گوبندداس بیدار ہو گیا اور مضطربانہ تلوار اٹھا کر گھر کے ایک جانب سے نکلا تاکہ وہ خود گھر کے باہر چوکیداروں تک پہنچ جائے ۔ جب پیادے پہرے داروں کو قتل کر کے فارغ ہو گئے تو انھوں نے خیمے سے نکل کر گوبندداس کی تلاش و جستجو شروع کی ۔ اسی اثنا میں وہ اُن کے ہاتھ پڑ گیا اور انھوں نے اُس کا کام تمام کر دیا ۔

قبل اس کے کہ گوبندداس کے قتل کی خبر کشن سنگھ کو پہنچے ، وہ بے تابانہ گھوڑے سے اُتر کر پیادہ حویلی کے اندر آیا ۔ ہرچند اس کے آدمی اُسے پیدل دیکھ کر اصرار کرنے لگے کہ اُس کا پیدل آنا مناسب نہیں لیکن اُس نے کسی کی بات کی ذرہ برابر پروا نہ کی ۔ اگر کچھ دیر انتظار کرتا اور دشمن کے مارے جانے کی خبر سن لیتا تو ممکن تھا کہ وہ صحیح و سالم لوٹتا لیکن تقدیر کا قلم اس کے خلاف چل چکا تھا ۔ اس کا حویلی میں پیادہ داخل ہونا اور راجا (سورج سنگھ) کا آنا ایک ساتھ ہوا ؛ ہوا یہ کہ راجا سورج سنگھ جو اپنی حویلی میں تھا ، لوگوں کا شور و غوغا [144] سن کر بیدار ہوا ، اور اپنی حویلی کے دروازے پر ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر آ کھڑا ہوا ۔ اطراف و جوانب کے لوگ بھی اس شور و شغب

سے جاگ گئے اور ان لوگوں کی طرف، جو پیدل حویلی میں داخل ہوئے تھے، دوڑے۔ یہ پیادے جو حویلی میں آئے تھے، بہت تھوڑے سے تھے اور راجا کے لوگ بے شمار تھے لہذا ایک ایک پیادے کا راجا کے دس دس آدمیوں سے مقابلہ ہونے لگا۔ مختصر یہ کہ کشن سنگھ اور اس کا بھتیجا کرن جب راجا کے گھر کے قریب پہنچے تو راجا کے آدمیوں نے ہجوم کر کے دونوں کو قتل کردیا۔ کشن سنگھ کے سات اور کرن کے نو زخم لگے۔ اس معرکے میں طرفین کے چھیاسٹھ آدمی مارے گئے جن میں راجا کے تیس اور کشن سنگھ کے چھتیس آدمی تھے۔

جب سورج نکلا اور دن کی روشنی میں اس واقعے کے نتائج صاف صاف نظر آنے لگے تو راجا نے دیکھا کہ اس کا بھائی اور بھتیجا اور اس کے وہ نوکر جن کو وہ اپنے سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا، سب مرے پڑے ہیں۔ اور اس کے باقی آدمی منتشر اور پراگندہ ہو کر جس کے جہاں سینگ سمائے چلے گئے تھے۔

جب یہ خبر موضع پوکھر میں مجھے ملی تو میں نے حکم دیا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں ان کو ان کے رسم و رواج کے مطابق جلایا جائے۔ اور اس واقعے کی تحقیقات کی جائے۔ تحقیقات کے بعد واقعے کی نوعیت جو کچھ معلوم ہوئی، وہ وہی تھی جو میں نے لکھی۔ مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

۸ ماہ خورداد[1] ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میراں صدر جہاں اپنے وطن سے آ کر میری خدمت میں حاضر ہوا اور ایک سو اشرفیاں نذر گزرانیں۔

رائے سورج سنگھ دکن کی مہم کی خدمت انجام دینے کے لیے رخصت ہوا۔ میں نے اسے کانوں میں ڈالنے کے لیے ایک جوڑی موتیوں کی اور پرم نرم (پشمینہ) خاصہ عنایت کیا اور خانجہاں کے لیے بھی ایک جوڑی موتیوں کی بھجوائی۔

۲۵ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو اعتبار خاں کے منصب میں شش صد سوار کا اضافہ کیا۔ اس اضافے کے بعد اس کا منصب پنج ہزاری ذات اور دو ہزار سوار ہوگیا۔

۱- ۸ خورداد: یہ تاریخ سہو کتابت ہے۔ سیاق سباق سے یہاں ۱۸ خورداد ہونی چاہیے۔

کرن کی روانگی :

اسی دن کرن اپنی جاگیر کی طرف رخصت ہوا ۔ رخصت کے وقت میں نے اُسے ایک گھوڑا اور خاص ہاتھی ، خلعت کے ساتھ اور ایک موتیوں کی لڑی جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی اور دو ہزار روپے کا مرصّع خنجر عنایت کیا ۔ اُس کے حاضر ہونے کے وقت سے رخصت ہونے کے وقت تک میں نے اُسے جس قدر نقد و جنس اور جواہر و مرصّع آلات عنایت کیے ، وہ دو لاکھ روپے ، ایک سو دس گھوڑے اور پانچ ہاتھی تھے ۔ اس کے علاوہ بابا خرم نے وقتاً فوقتاً جو اشیا اُس کو دی تھیں وہ علیحدہ ہیں جو اس میں شامل نہیں ۔

مبارک خاں سزاول کو بھی میں نے گھوڑا اور ہاتھی عنایت کرکے کرن کے ہمراہ کر دیا ۔ اور اُس کے ذریعے رانا کو بعض زبانی پیغام بھجوائے ۔

راجا سورج سنگھ نے بھی اس وعدے پر وطن جانے کی اجازت حاصل کی کہ کہ وہ دو مہینے کے بعد واپس آ جائے گا ۔

۲۷ ماہ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو پایندہ خان مغل نے ، جو اس سلطنت کے قدیمی اُمرا میں سے تھا ، وفات پائی ۔

شاہ ایران کے بیٹے کا قتل :

ماہ خورداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کے آخر میں خبر ملی کہ ایران کے بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے صفی میرزا کو قتل کرا دیا ہے ۔ یہ خبر سب کے لیے حیرت کا باعث ہوئی ۔ تحقیق کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ درش کے شہر میں ، جو گیلان کے مشہور شہروں میں سے ہے ، بادشاہ نے اپنے غلام بہبود نامی کو حکم دیا کہ صفی میرزا کو قتل کر دے ۔

چنان چہ ۹ محرم ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو جب میرزا صفی حمام سے نکل کر اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا ، بہبود نے سیخگی تلوار سے دو کاری زخم پہنچائے اور اس کا کام تمام کر دیا ۔ جب دن کا بہت سا حصہ گزر گیا اور اس کا جسم کیچڑ میں پڑا رہا تو شیخ بہاءالدین محمد نے ، جو اس شہر میں اپنی عقل اور پارسائی میں مشہور ہیں اور بادشاہ کو اُن سے انتہائی عقیدت ہے ، یہ بات بادشاہ سے بیان کی اور نعش کی تجہیز و تکفین کی اجازت چاہی ۔ پھر انھوں نے اس کی نعش

کو تدفین کے لیے اردبیل بھجوایا جہاں اس کے باپ دادا کا قبرستان ہے . ہرچند میں نے ایران کے آنے جانے والوں سے اس واقعے کی تحقیق کی کہ دل مطمئن ہو ، مگر کسی نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں کہا [145] . کیوں کہ بیٹے کے قتل کرنے کے لیے کوئی قوی وجہ ہونی چاہیے تا کہ اس سے بد نامی کا داغ دور ہو سکے .

یکم تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میں نے ایک ہاتھی رنجیت نامی ساز و سامان کے ساتھ میرزا رستم کو عنایت کیا اور سید علی بارھہ کو بھی ایک ہاتھی مرحمت کیا .

خواجہ شمس‌الدین کے عزیز میرک حسین (۱۵) کو صوبۂ بہار کی بخشی گری اور وقائع نویسی پر مقرر کر کے رخصت کیا .

خواجہ عبداللطیف میر شکار کو ہاتھی اور خلعت عنایت کر کے اسے اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی .

۹ ماہ تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ایک مرصع خنجر خان دوران کے لیے اور ایک خنجر جلالہ (۱۶) کے بیٹے احداد کے لیے بھجوایا کہ جس نے بغاوت کی روش چھوڑ کر سلطنت کی بہی خواہی کا طریقہ اختیار کیا تھا .

مجلسِ عیدِ آب پاشی :

۱۳ تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو مجلس عید آب پاشی[1] منعقد ہوئی جس میں دربار کے اُمرا ایک دوسرے پر گلاب پاشی کر کے خوب کھل کھیلے .

۱- عید آب پاشی : اس سے مراد جشن عید گلابی ہے جو تیموریوں کے عہد عروج میں بڑی شان سے منایا جاتا تھا . عید گلابی ہر سال ماہ تیر کے روز تیر میں منایا جاتا تھا . اسے عید‌ترکان بھی کہتے تھے . تیر مہینے کے پہلے دن کو کہتے ہیں . یہ عید اس طرح منائی جاتی تھی کہ بڑے بڑے اُمرا اور شاہزادے مرصع کار صراحیوں کو خالص عرق گلاب سے بھر کر بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے . امیروں اور شاہزادوں کی دیکھا دیکھی عام درباری بھی مینا کار ، سنہری اور روپہلی صراحیوں میں عرق گلاب بھر کر ایک دوسرے کو بھیجتے تھے . (رک : شاہجہان نامہ (عمل صالح) ، ج ۱ : ص ۲۸۴) .

۱۷ تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو امانت خاں کو بندر کھنبایت پر متعین کیا۔ چوں کہ وہاں کا حاکم مقرب خاں میری خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا تھا اس لیے امانت خاں کا وہاں تبادلہ کیا گیا۔

اسی دن ایک مرصع کمر خنجر فرزند پرویز کو بھیجا۔

۱۸ تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خانخاناں کا پیش کش نظر سے گزرا۔ یہ ہرقسم کی اشیا پر مشتمل تھا۔ اس پیش کش میں جواہر، مرصع آلات، تین قطعہ لعل اور ایک سو تین دانے موتی، ایک سو یاقوت، دو خنجر مرصع اور یاقوت اور موتیوں سے مرصع ایک کلغی، ایک مرصع صراحی، ایک مرصع تلوار، ایک مخمل سے منڈھا ہوا ترکش، ایک مرصع ہار، اور ایک انگوٹھی جس کا نگینہ ہیرے کا تھا، ان سب چیزوں کی مجموعی قیمت ایک لاکھ روپے تھی۔ مندرجہ بالا جواہر اور مرصع آلات کے علاوہ ہر قسم کے زردار اور سادہ دکنی اور کرناٹکی کپڑے، پندرہ ہاتھی اور ایک گھوڑا بھی تھا جس کی ایال زمین سے لگتی تھی۔

شاہ نواز خاں کا پیش کش، جو پانچ ہاتھیوں اور کپڑوں کے تین سو تھانوں پر مشتمل تھا، نظر سے گزرا۔ تھانوں میں ہر قسم کا کپڑا تھا۔

۱۸[1] تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میں نے ہوشنگ (۱۷) کو اکرام خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔

روز افزوں کو مشرف به اسلام کرنا :

روز افزوں (۱۸) جو صوبۂ بہار کے معتبر راجا زادوں میں ہے اور بچپن سے میری خدمت میں رہتا تھا، میں نے اسے مشرف به اسلام کر کے اسے اس کے باپ کی ریاست عنایت کی اور ہاتھی عنایت کر کے اس کے وطن کو رخصت کردیا حالانکہ اس کا باپ راجا سنگرام سلطنت کے بہی خواہوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

ایک ہاتھی جہانگیر قلی خاں کو عنایت کر کے بھجوایا گیا۔

۱۔ سر سید ایڈیشن میں یہاں ۸ تیر ہے جو سہو کتابت ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ ۱۸ تیر ہے۔

جگت سنگھ کی حاضری :

۲۴ تیر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو کنور کرن کا بیٹا جگت سنگھ ، جس کی عمر بارہ سال تھی ، میری خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے دادا رانا امر سنگھ اور اپنے باپ کی عرضداشت پیش کی ۔ اس کے چہرے سے انتہائی شرافت اور خاندانی بزرگی کے آثار ہویدا ہیں ۔ میں نے خلعت دے کر اور دوسرے طریقوں پر اس کی دل جوئی کر کے اس کو خوش کر دیا ۔

میرزا عیسیٰ خان ترخان کے منصب میں دو صد ذات کا اضافہ کر کے اس کا منصب ہزار و دو صدی ذات و ستہ صد سوار کر دیا ۔

اسی ماہ تیر کے آخر میں شیخ حسین روھیلہ (۱۹) کو مبارز خان کا خطاب دے کر مقررہ وعدے کے مطابق اس کی جاگیر کی طرف رخصت کیا ۔

میرزا شرف‌الدین حسین کاشغری کے عزیزوں کو ، جنھوں نے اس نواح میں آ کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ، دس ہزار درب عنایت کیے ۔

۵ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا لتھمل (۲۰) کے منصب میں جو ہزار و پانصدی ذات اور یک ہزار و یک صد سوار پر مشتمل تھا ، پانصدی ذات و یک صد سوار کا اضافہ کیا ۔

۷ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو کیشوداس مارو ، جس کی اوڑیسہ میں جاگیر تھی ، اور وہاں کے صوبیدار کی شکایت پر میں نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا تھا ، حاضر خدمت ہوا اور چار ہاتھی بطور پیش کش کے نذر گزرانے ۔

خان جہاں کی حاضری :

چوں کہ مجھے فرزند خان جہاں (۲۱) کے دیکھنے کی بہت خواہش تھی ، اور مہمات دکن کی تحقیق کے لیے اس کا ایک مرتبہ آنا ضروری تھا ، اس لیے میں نے اسے طلب کیا تھا ۔ منگل [146] ۸ ماہ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو وہ حاضر ہوا اور ایک ہزار اشرفیاں ، اور ایک ہزار روپے بطور نذر کے پیش کیے ۔ اس کے علاوہ چار قطعہ لعل اور بیس دانے موتی ، ایک قطعہ زمرد اور مرصع پھول کٹارہ جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی ، بطور پیش کش کے گزرانے ۔

چوں کہ اتوار کی رات میں حضرت خواجۂ بزرگوار کا عرس تھا ، میں آپ کے روضۂ مبارک میں گیا تا کہ نصف رات وہاں گزاروں ۔ وہاں کے خدام اور

صوفیاء نے وجد و حال کیا ۔ وہاں کے فقرا اور خدام کو میں نے اپنے ہاتھ سے مال و زر تقسیم کیا ۔ میری یہ سب داد و دہش چھ ہزار روپے نقد ، ایک سو کُرتوں کے کپڑے ، اور ستر مروارید کی تسبیحوں اور مرجان و کہربا وغیرہ پر مشتمل تھی ۔

راجا مان سنگھ کے پوتے مہا سنگھ کو میں نے راجا کے خطاب سے سرفراز کیا اور نقارہ و علم عنایت کیا ۔

۱۹ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میں نے مہابت خان کو ایک عراقی گھوڑا طویلۂ خاص سے اور ایک دوسرا گھوڑا مرحمت کیا ۔

۲۰ امرداد ۱۰۲۴ (۱۶۱۵ع) کو میں نے کیشو داس مارو کے منصب میں جو دو ہزاری ذات و ہزار سوار پر مشتمل تھا ، دو سو سواروں کا اضافہ کرکے خلعت سے سربلند کیا ۔

اور خواجہ عاقل (۲۲) کے منصب میں ، جو ہزار و دو صدی ذات اور ششصد سوار تھا ، دو صدی ذات اور سوار کا اضافہ کیا ۔

۲۲ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا بھاؤ سنگھ نے امبیر جانے کے لیے اجازت حاصل کی جو اس کے بزرگوں کا قدیمی وطن ہے ۔ میں نے اسے کشمیری کپڑے (پھوپ) کا جامہ عنایت کیا ۔

۲۵ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو احمد بیگ خان جو قلعہ رنتھنبور میں قید تھا ، حاضر خدمت ہوا ۔ میں نے اس کی سابقہ خدمات کی بنا پر اس کے قصور معاف کر دیے ۔

۲۸ امرداد ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو مقرب خان صوبہ گجرات سے میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور ایک کلغی اور ایک قطعہ مرصّع تختی پیش کی ۔

سلام اللہ عرب کے منصب میں پانصدی ذات و سوار کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب دو ہزاری ذات و ہزار و یک صد سوار ہو گیا ۔

یکم شہریور ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو اس جمعیت کے مناصب میں جو دکن کی مہم پر جا رہی تھی ، اضافہ کیا گیا ۔

مبارز خان کے منصب میں سہ صد سوار کا اضافہ کر کے اس کا منصب ہزاری ذات و سوار کر دیا ۔

اور ناہر خان (۲۳) بھی ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز ہوا ۔

دلاور خان سہ صد سوار کے اضافے سے سرفراز ہوا ۔ اس اضافے سے اُس کا منصب دو ہزار و پانصدی ذات و سوار ہو گیا ۔

سنگلی خان کے منصب میں بھی دو صد سوار کا اضافہ کر کے میں نے اس کا منصب پانصدی ذات اور ہزار سوار کر دیا ۔

رایسال (۲۴) کے بیٹے گردھر (۲۵) کو بھی میں نے ہشت صدی ذات و سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

الف خان قیام خانی بھی اسی منصب پر اصل و اضافے سے سرفراز ہوا ۔

یادگار حسین بھی ہفت صدی ذات و پانصد سوار کے منصب سے ممتاز ہوا ۔

شیر خان کا بیٹا کمال الدین بھی اسی منصب سے نوازا گیا ۔

سید عبداللہ بارھہ کے منصب کو بھی میں نے اس قدر بڑھا دیا کہ اصل و اضافہ ملا کر اس کا منصب ہفت صدی ذات و سہ صد سوار ہو گیا ۔

۸ ماہ مذکور کو میں نے شاہ ایران کے قاصد مصطفیٰ بیگ کو ایک عدد نورجہانی مُہر عنایت کی جو چھ ہزار اور چار سو روپے کے برابر ہوتی ہے ۔ بنگال کے حاکم قاسم خان (۲۶) کو پانچ چیتے مرحمت کیے ۔

اسی ماہ کی بارہ تاریخ کو میرزا رستم کا بڑا بیٹا میرزا مراد ، التفات خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔

۱۶ شہریور ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کی رات کو شب برات واقع ہوئی تھی ۔ میں نے حکم دیا کہ رانا ساگر کی اطراف کی پہاڑیوں اور اس کے کناروں پر چراغاں کیا جائے ۔ میں خود بھی اس کا تماشا دیکھنے کے لیے گیا ۔ پانی میں چراغوں کا عکس عجیب منظر پیش کر رہا تھا ۔ اُس رات کا بیشتر حصہ میں نے محل کے لوگوں کے ساتھ تالاب کے کنارے گزارا ۔

۱۷ شہریور ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میرزا جمال الدین حسین نے ، جو ایلچی گری کی خدمت پر بیجاپور گیا ہوا تھا ، میری خدمت میں حاضر ہوا اور تین عدد انگشتریاں پیش کیں ۔ ان میں ایک انگوٹھی کا نگین عقیق یمنی کا تھا ۔ اتنا نفیس اور آب دار عقیق میرے دیکھنے میں کم آیا ہے ۔ [147]

عادل خاں نے سید کبیر نامی ایک شخص کو اپنی جانب سے میر مذکور کے ساتھ روانہ کیا تھا ، اور اس کے ذریعے اس نے ایک بڑا پیش کش ارسال کیا تھا. اس پیش کش میں چاندی اور سونے کے ساز و سامان ، عربی گھوڑے ، جواہر سے مرصّع ہتھیار اور قسم قسم کے کپڑے ، جو اس ملک میں بُنے جاتے ہیں ، شامل تھے . یہ پیش کش اس ماہ کی چوبیس تاریخ کو نظر سے گزرا اور وہ عرضداشت بھی ملاحظے سے گزری جو یہ قاصد ساتھ لایا تھا .

اسی روز میرے وزن شمسی کی مجلس منعقد ہوئی .

شاہ ایران کے ایلچی کی روانگی :

۲۶ ماہ شہریور ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) کو شاہ ایران کے ایلچی مصطفیٰ بیگ کو رخصت کی اجازت دی گئی . ان انعامات کے علاوہ جو اس کو زمانۂ قیام دربار میں دیے گئے تھے ، بیس ہزار روپے نقد اور خلعت عنایت کیا . اور اس خط کے جواب میں جو وہ لایا تھا ، ایک محبت نامہ ، جو انتہائی دوستی پر مشتمل تھا ، اس کے ہاتھ روانہ کیا .

۴ ماہ مہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) کو میں نے جمال الدین حسین کا منصب ، جو دو ہزاری ذات و پانصد سوار تھا ، چار ہزاری ذات و دو ہزار سوار کر دیا .

خان جہاں کی دوبارہ مہم دکن پر روانگی :

۵ ماہ مہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) کو مہابت خاں ، جو خانجہاں کے ساتھ دکن کی مہم کے لیے نام زد ہو چکا تھا ، اس نیک ساعت میں جو اس کے مناسب سمجھی گئی ، اسے روانہ کیا گیا . رخصت کے وقت میں نے اسے مرصع خنجر ، پھول کٹارا ، خاص تلوار اور ہاتھی عنایت کیا .

۹ مہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) کو خانجہاں رخصت ہوا . رخصت کے وقت خاص خلعت ، زین سمیت گھوڑا ، خاص ہاتھی اور خاص تلوار اسے مرحمت کی گئی .

اسی تاریخ کو میں نے مہابت خاں کے ایک ہزار سات سو سواروں کے متعلق حکم دیا کہ ان کو دو اسپہ اور سہ اسپہ تنخواہ دی جائے .

میں نے اس مرتبہ مجموعی طور پر جن لوگوں کو دکن کی مہم پر متعین کیا وہ تین سو تین منصب دار ، تین ہزار احدی اور سات سو اویماق اور تین ہزار

دلہ زاک پٹھان تھے ۔ یہ جملہ تین ہزار سوار تھے ۔ میں نے اس لشکر کو تیس لاکھ روپے اور کارگزار توپ خانے اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ دکن کی مہم پر روانہ کر دیا ۔

سربلند رائے (۲۷) کے منصب میں پانصدی ذات اور دو سو ساٹھ سواروں کا اضافہ کیا ، جس کے بعد اس کا منصب دو ہزاری ذات و یک ہزار و پانصد سوار ہو گیا ۔

قلیچ خان کا بھتیجا بالجو اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و ہفت صد سوار کے منصب سے سرفراز ہوا ۔

راجا کشن داس کے منصب میں بھی پانصدی ذات کا اضافہ کیا ۔

میں نے خان جہاں کی التجا پر شہباز خان لودی کے منصب میں ، جو دکن میں متعین ہے ، اضافہ کر کے دو ہزاری ذات اور ہزار سوار کر دیا ۔

وزیر خان[1] کے منصب میں دو سو سواروں کا اضافہ ہوا ۔

میرزا رستم خان کے بیٹے سہراب خان کا منصب بھی اصل و اضافے کے بعد ہزاری ذات و چہار صد سوار قرار پایا ۔

اسی ماہ (سہر) کی چودہ تاریخ کو میر جمال الدین حسین کے منصب میں مزید ہزاری ذات اور پانصد سوار کا اضافہ کر کے اُسے پنج ہزاری ذات و دو ہزار پانصد سوار کے عالی منصب پر سرفراز کیا ۔

۹ ماہ سہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا سورج سنگھ اپنے بیٹے گنج سنگھ کے ساتھ ، جو اپنے وطن گیا ہوا تھا ، واپس آیا اور میری خدمت میں حاضر ہوا ، اور ایک سو مُہریں اور ایک ہزار روپے نذر گزرانے ۔

عادل خان کے ایلچی سید کبیر کو میں نے ایک عدد مُہر نورجہانی ، جس کا وزن پانسو ماشے تھا ، مرحمت کی ۔

۲۳ سہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو قاسم خان کے بھیجے ہوئے اُن ہاتھیوں میں سے ، جو اُس نے ریاست کوچ اور فتح مگھ کے موقع پر اوڑیسہ کے زمینداروں سے حاصل کیے تھے ، نوے ہاتھی میری نظر سے گزرے اور شاہی فیل خانے

---

۱ - وزیر خان سے مراد وزیر خان مقیم ہے ۔

میں داخل کیے گئے .

۲۶ ماہ شہر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ارادت خاں کو میر سامانی کے منصب پر اور معتمد خاں[1] کو احدیوں کی بخشیگری کی خدمت پر اور محمد رضا جابری کو پنجاب کی بخشیگری اور وہاں کی واقعہ نویسی کی خدمت پر فائز کیا [148] .

سید کبیر ، جو عادل خاں کی جانب سے دنیاداران دکن کے قصور کی معافی اور قلعۂ احمد نگر کی واپسی کا معاہدہ کرنے کے لیے آیا تھا ، جو بعض مفسدوں کی فتنہ پردازی کی وجہ سے شاہی اقتدار سے خارج ہو گیا تھا ، اسی تاریخ کو رخصت ہوا . میں نے اُسے خلعت اور ہاتھی اور گھوڑا دے کر رخصت کیا .

چونکہ راجا راج سنگھ کچھواھہ (۲۸) نے دکن میں انتقال کیا تھا ، میں نے اس کے بیٹے رام داس (۲۹) کو ہزاری ذات اور چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

۴ آبان ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو سیف خاں بارھہ (۳۰) کو نقارہ عنایت کیا ، اور اس کے منصب میں سہ صد سوار کا اضافہ کیا - اس اضافے سے اس کا منصب سہ ہزاری ذات اور دو ہزار سوار ہو گیا .

اسی تاریخ میں راجا مان سنگھ نے جو قلعۂ گوالیار میں قید تھا ، مرتضیٰ خاں کی ضمانت پر رہائی پائی . میں نے اس کے منصب کو بحال رکھ کر اُسے خان مذکور کے پاس قلعۂ کانگڑا بھجوا دیا .

خان دوراں کے التماس پر میں نے صادق خاں (۳۱) کے منصب میں سہ صد سواروں کے اضافے کا حکم دیا . اس اضافے سے اس کا منصب ہزاری ذات و سوار ہو گیا .

میرزا عیسیٰ ترخان سنبھل سے ، جو اس کی جاگیر میں تھا ، آیا اور میری خدمت میں حاضر ہوا اور ایک سو مُہریں نذر گزرانیں .

۱۶ آبان ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو راجا سورج سنگھ دکن کی خدمت پر رخصت ہوا - رخصت ہوتے وقت میں نے اُس کے منصب میں سہ صد سوار کا اضافہ کیا . اس اضافے سے اس کا منصب پنج ہزاری ذات و سہ ہزار و سہ صد سوار ہو گیا . اس کے علاوہ اُسے خلعت اور گھوڑا دے کر رخصت کیا .

۱- معتمد خاں : محمد شریف (متوفیٰ ۱۰۴۹ھ) مولف اقبال نامۂ جہانگیری .

انھیں دنوں جہانگیر قلی خاں کی عرضداشت سے بدبخت چین قلیچ کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے قلیچ خاں کی وفات کے بعد، جو اس سلطنت کے قدیم ملازموں میں سے تھا، اس نے نصیب کو اپنی انتہائی مہربانیوں سے اپنے امرا میں شامل کر لیا تھا اور جونپور جیسا شان دار علاقہ اس کی جاگیر میں دیا تھا۔ اُس کے دوسرے بھائیوں اور عزیزوں کو، جو اُس کے ہمراہ روانہ کیے گئے تھے، حکم دیا تھا کہ اس کی نیابت میں کام کریں۔ لیکن اُس کے بے ڈھنگے اور شریرالنفس بھائی کے متعلق، جس کا نام لاہوری (۳۲) تھا، مجھے اطلاعیں ملیں کہ خدا کی مخلوق اُس کی بدسلوکی کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ میں نے کچھ احدی بھیجے کہ اُسے جونپور سے لے کر آئیں۔ جیسے ہی احدی جونپور پہنچے، چین قلیچ نے بے وجہ و بے سبب واہمے میں مبتلا ہو کر فیصلہ کر لیا کہ اُسے اپنے مخبوط الحواس بھائی کو ساتھ لے کر فرار ہو جانا چاہیے۔ اور منصب و حکومت، مقام اور جاگیر، اور سامان اور فرزندوں اور عزیزوں کو چھوڑ کر کچھ چاندی، سونا اور جواہر اور چند ملازموں کو ساتھ لے کر وہاں کے زمین داروں میں روپوش ہو جائے۔ اس کے اس طرح سے فرار ہونے کی خبر چند روز پہلے مجھے مل گئی تھی۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ مختصر یہ کہ وہ جس زمیندار کے بھی پاس گیا وہ اُس سے روپے اینٹھ کر اپنے حدود سے آگے بڑھاتا گیا، یہاں تک کہ خبر ملی کہ وہ جوھٹ کے علاقے میں پہنچ کر وہاں کے زمیندار کی رضامندی سے کہ وہ چند روز اس نواح میں گزارے گا، مقیم ہو گیا۔ جب یہ خبر جہانگیر قلی خاں کو ملی تو اُس نے چند آدمی اس کی گرفتاری کے لیے وہاں بھیجے تا کہ وہ اس نا عاقبت اندیش کو گرفتار کر کے لائیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ وہ اُسے گرفتار کر کے جہانگیر قلی خاں کے پاس لے جائیں۔ وہ اسی پکڑ دھکڑ میں جہنم واصل ہو گیا۔ لیکن کچھ لوگوں نے جو اس کے ساتھ تھے، بیان کیا کہ چند روز پہلے اُسے ایک بیماری لاحق ہو گئی تھی اور اُسی بیماری میں وہ مرا۔ اور یہ بات بھی سننے میں آئی کہ اُس نے خود کشی کی تھی تا کہ اس زبوں حالی میں وہ لوگ اُسے جہانگیر قلی خاں کے پاس نہ لے جا سکیں۔

بہر حال جو بھی صورت حال ہو، اس کی لاش اس کے بیٹوں اور خدمت گاروں کے ساتھ، جو اس کے ہمراہ تھے، اله آباد لائی گئی۔ اس کا بیشتر روپیہ پیسہ

ضائع ہو گیا [149] اور کچھ زمینداروں نے لے لیا۔ خدا کی پناہ! اس قسم کے روسیاہ اپنی نمک حرامی سے ایسے عذاب میں نہ ڈالے جائیں۔

از بس غرضی که بود بر ایمم　　فرض بود حق ولی النعم

۲۲ ماہ آبان ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو خان دوراں کی التجا پر میں نے ناد علی میدانی کے منصب میں، جو ینگش کی مہم پر مامور تھا، دو سو سواروں کا اضافہ کر کے اسے ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار کے منصب پر سربلند کیا۔

لشکر خاں کا منصب، جو دو ہزاری ذات و نہ صد سوار تھا، اس میں دو سو سواروں کا مزید اضافہ کیا۔

۲۴ ماہ آبان ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو مقرب خاں کا منصب، جو سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار پر مشتمل تھا، میں نے پنج ہزاری ذات اور دو ہزار و پانصد سوار کر دیا۔

ان ہی دنوں شاہ محمد قندھاری کے بیٹے قیام کو، جو امیرزادوں میں سے تھا اور قراول کی خدمت پر مامور تھا، میں نے خانی کے خطاب سے سر بلند کیا۔

۵ ماہ آذر ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ایک مرصّع خنجر داراب خاں کو عنایت کیا۔ اور راجا سارنگ دیو (۲۳) کے ہاتھ دکن کے متعین امرا کے لیے خلعت بھجوائے۔

چوں کہ صفدر خاں حاکمِ کشمیر کے متعلق بعض نامناسب باتیں سننے میں آئی تھیں لہذا میں نے اسے کشمیر کی حکومت سے معزول کر کے احمد بیگ خاں کو بہ لحاظ سابقہ خدمات کے کشمیر کی صوبیداری پر مقرر کیا اور اس کا منصب، جو دو ہزار و پانصدی ذات اور ہزار و پانصد سوار تھا، برقرار رکھا اور مرصّع کمر خنجر اور خلعت عنایت کر کے رخصت کیا۔

اہتمام خاں کے ذریعے قاسم خاں حاکمِ بنگال اور وہاں کے متعین امرا کو سرمائی خلعت بھیجے۔

افتخار خاں کے بیٹے مکی کا پیش کش، جو ایک ہاتھی اور چودہ گھوڑوں اور کچھ نفیس کپڑوں پر مشتمل تھا، پندرہ ماہ آذر کو میری نظر سے گزرا۔ میں نے اسے امتیاز خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔

اعتمادالدولہ کے التماس پر دیانت خاں کو، جو قلعۂ گوالیار میں قید تھا، واپس طلب کیا۔ چناں چہ اس نے حاضر ہو کر کورنش کی سعادت حاصل کی۔ اس

کا جو مال ضبط ہو چکا تھا ، واپس کر دیا ۔

خواجہ ہاشم دہ بندی کا خط :

ان ہی دنوں خواجہ ہاشم دہ بندی نے ، جن کا سلسلۂ درویشی آج بھی ماوراء النہر میں با رونق ہے اور اس ملک کے لوگ ان سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں ، اپنے سلسلے کے ایک درویش کے ہاتھ ایک خط بھجوایا تھا ، جس میں انھوں نے قدیم دعا گوئی کے بعد اپنی نسبت و اخلاص کو ، جو میرے باپ دادا کو اس خاندان سے رہا ہے ، اظہار کرتے ہوئے ایک فرجی قبا اور کمان بھجوائی تھی ۔ اس خط میں ایک شعر بھی درج تھا جو حضرت فردوس مکانی نے خواجگی نامی ایک عزیز کے لیے ، جو اس سلسلے میں منسلک تھا ، نظم کیا تھا ۔ جس کا آخری مصرع :

خواجگی را بندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

اس خط میں درج تھا ۔ میں نے بھی اس خط کے برابر چند سطریں اپنے قلم خاص سے لکھ کر اور اس رباعی کو فی البدیہ کہہ کر ایک ہزار جہانگیری مُہروں کے ساتھ خواجۂ مذکور کے ہاں بھجوایا :

ای آنکہ مرا مہر تو بیش از بیش است
از دولت یاد بودت ای درویش است
چندانکہ ز مژدہات دلم شاد شود
شادیم از آنکہ لطف از حد بیش است

میں نے حکم دیا کہ جو لوگ موزوں طبیعت رکھتے ہیں ، وہ اس وزن میں رباعی کہیں ۔ سب سے اچھی رباعی اس وزن میں حکیم مسیح الزماں نے کہی ، اور خوب کہی ۔ وہ رباعی یہ ہے :

داریم اگرچہ شغل شاهی در پیش
هر لحظہ کنیم یاد درویشان بیش
گر شاد شود ز ما دل یک درویش
آنرا شمریم حاصل شاهی خویش [150]

میں نے اس رباعی کے صلے میں اور ایک ہزار مُہریں حکیم مذکور کو عنایت کیں ۔

اجمیر کو واپسی :

۷ ماہ دے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو بھکر (پشکر) کی سیر سے فارغ ہو کر اجمیر واپس ہوا ۔ راستے میں بیالیس سؤر شکار کیے ۔

میر میران کی حاضری :

۲۰ ماہ دے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میر میران میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ مختصر طور پر اس کے اور اُس کے خاندان کے حالات یہاں لکھے جاتے ہیں ۔ وہ باپ کی جانب سے میر غیاث الدین محمد میر میران ولد شاہ نعمت اللہ ولی (۳۴) کا پوتا ہے ۔ اس خاندان کی سلاطین صفویہ کی حکومت کے زمانے میں بڑی عزت تھی ۔ چنانچہ شاہ طہماسپ نے اپنی بہن جانس خانم [1] کو شاہ نعمت اللہ ولی سے بیاہا تھا ، اور اُن کی مشیخت و بزرگی کی بدولت انھیں اپنی دامادی اور قرابت سے ممتاز کیا تھا ۔

ماں کی طرف سے وہ شاہ اسماعیل خونی کا نواسا ہے ۔ شاہ نعمت اللہ کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے میر غیاث الدین محمد میر میران پر انتہائی نوازشیں مبذول کی گئیں ۔ نیز شاہ طہماسپ غفران پناہ نے اپنے شاہی خاندان کی ایک لڑکی اُن کے بڑے لڑکے سے بیاہ دی ، اور شاہ اسماعیل کی دوسری لڑکی اُس کے دوسرے بیٹے میر خلیل اللہ سے بیاہ دی ۔ میر میران اُسی کے بطن سے پیدا ہوا ۔ میر خلیل اللہ سات آٹھ سال ہوئے ولایت سے آ کر لاہور میں میری ملازمت میں منسلک ہوا ۔ چوں کہ وہ ایک بزرگ اور معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا ، اس لیے میں نے اس کے حالات کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور منصب و جا گیر دینے کے علاوہ میں اس کی خاص رعایت اور سرپرستی کی فکر کر رہا تھا ، لیکن جب میں آگرہ واپس آیا تو اُس کے چند ہی دنوں کے بعد میر خلیل اللہ کو آم بہ کثرت کھانے کی وجہ سے اسہال کبدی شروع ہوئے ، اور دس بارہ روز اس بیماری میں مبتلا رہ کر اس نے وفات پائی ۔ اُس کی وفات سے مجھے سخت صدمہ ہوا اور میں نے حکم دیا

۱- جانس خانم : ماثرالامرا میں یہ نام خانش خانم ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۳۹) ۔

کہ اس کا ترکہ نقد و جنس کی صورت میں جس قدر بھی تھا ، اس کے بیٹوں کے ہاں ، جو اس وقت ولایت میں تھے ، بھجوادیا جائے ۔

میر میران بائیس سال کی عمر میں قلندروں اور درویشوں کے بھیس میں تا کہ لوگ اسے راستے میں نہ پہچانیں ، اجمیر پہنچ گیا اور میری خدمت میں حاضر ہوا ۔ میں نے اس کی تمام دلی کلفتوں اور ظاہری و باطنی پریشانیوں کا تدارک کر کے منصب ہزاری ذات اور چہار صد سوار سے سرفراز کیا اور تیس ہزار درب اس کو نقد عنایت کیے ۔ وہ اس وقت تک میری ملازمت اور خدمت میں ہے ۔

۱۲ ماہ دے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو ظفر خان ، جس کا تبادلہ صوبۂ بہار سے ہوا تھا ، میرے حضور میں حاضر ہوا ، اور ایک سو مہریں نذر گزرانیں اور تین ہاتھی پیش کیے ۔

۱۵ ماہ دے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو قاسم خان صوبے دار کے منصب میں ہزاری ذات و سوار کا اضافہ کیا گیا جس کے بعد اس کا منصب چہار ہزاری ذات و سوار ہو گیا ۔ چوں کہ صوبۂ بنگال کے دیوان حسین بیگ نے اور وہاں کے بخشی طاہر نے پسندیدہ خدمات انجام نہ دی تھیں ، میں نے مخلص خان کو ، جو میرے قابل اعتماد ملازموں میں ہے ، ان خدمات پر مامور کیا اور اس کا منصب دو ہزاری ذات اور ہفت صد سوار کر دیا ۔ اس کے علاوہ اسے علم بھی عنایت کیا ۔ اور دیانت خان کو بھی پہلی مرتبہ عرض مکرر کی خدمت سپرد کی ۔

خرم کی پہلی مرتبہ شراب نوشی :

۲۵ ماہ دے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو جمعہ کے دن بابا خرم کے وزن کا دن واقع ہوا ۔ اس زمانے تک جب کہ اس کا سن چوبیس سال کا ہو چکا ہے ، اس کی شادی بھی ہو چکی ہے اور بال بچوں والا ہو گیا ہے ، اس نے آج تک کبھی اپنے آپ کو شراب پینے سے آلودہ نہیں کیا تھا ۔ میں نے اس سے کہا کہ بابا ! تم صاحب اولاد ہو چکے ہو اور بادشاہ اور بادشاہ زادے شراب پیتے رہے ہیں ، بہتر یہ ہے کہ آج کے دن جب کہ تمہارا جشن وزن ہے ، ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں شراب پلائیں ، اور ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ جشن اور نوروز کے دنوں میں اور بڑی بڑی محفلوں میں تم شراب پیو ، لیکن پینے میں طریقۂ اعتدال کو ملحوظ رکھو ، اور اس قدر شراب پینا کہ عقل زائل ہو جائے ، عقل مندوں نے روا نہیں

رکھا ۔ شراب پینے سے جو فائدہ ہے وہ پیش نظر رہنا چاہیے ۔ بوعلی نے [151] جو سرتاج اطباء ہے ، اس خیال کو اپنی اس رباعی میں نظم کیا ہے :

می دشمن مست و دوست ہوشیار است
اندک تریاق و بیش زہر مار است
در بسیارش مضرت اندک نیست
در اندک او منفعت بسیار است

بہت اصرار کے بعد اُسے شراب پلائی گئی ۔

جہانگیر کی مدہوشی :

میں نے پندرہ سال (۱۵) کی عمر تک شراب نہیں پی تھی ، لیکن میرے لڑکپن کے ایام میں دو تین مرتبہ میری والدہ اور اناؤں نے دوسرے لڑکوں کے علاج کے بہانے سے میرے والد بزرگوار سے شراب منگوائی اور اس میں ایک تولہ گلاب اور پانی ملا کر اور اُسے کھانسی کے لیے مفید دوا بتا کر مجھے پلائی تھی ۔

اس زمانے میں ، جب کہ میرے والد بزرگوار یوسف زئی پٹھانوں کے فتنہ و فساد کی مدافعت کے لیے قلعہ اٹک میں ، جو دریائے نیلاب کے کنارے واقع ہے ، مقیم تھے ، ایک روز میں شکار کے ارادے سے نکلا ۔ چوں کہ میں دوڑ دھوپ کی وجہ سے بہت تھک گیا تھا اور میرے چہرے سے تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے ، استاد شاہ قلی نامی نے ، جو میرے بزرگوار چچا میرزا محمد حکیم کا ایک نادر روزگار توپچی تھا ، مجھ سے کہا کہ اگر آپ ایک پیالہ شراب نوش جان فرمائیں تو یہ تکان اور سستی رفع ہو جائے گی ۔ چوں کہ میری جوانی کا زمانہ تھا اور میری طبیعت اس قسم کے امور کے ارتکاب کی طرف مائل تھی ، میں نے محمود آبدار کو حکم دیا کہ وہ حکیم علی کے گھر جا کر شربت کیف آور لائے ۔ حکیم علی نے نصف پیالے کے قریب زرد رنگ کی شراب ، جو مزے میں نہایت شیریں تھی ، ایک چھوٹے شیشے میں بھجوائی ۔ میں نے اُسے پیا ، مجھے اس کا سرور بہت پسند آیا ۔ اس کے بعد میں نے شراب پینی شروع کر دی اور روز بروز اس کی مقدار بڑھاتا گیا ، یہاں تک کہ شراب انگوری بھی بالآخر میرے لیے بے اثر ہو گئی تھی ۔ پھر میں نے اور تیز قسم کی شراب پینی شروع کر دی ، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ

میں نو سال کی مدت میں بیس پیالے دو آتشہ شراب کے دن رات میں پینے لگا ۔ چودہ پیالے دن میں اور باقی رات میں پیتا تھا ، جس کا وزن ہندوستان کے مطابق چھ سیر اور ایران کے وزن کے مطابق ڈیڑھ من ہوتا ہے ۔ اور میرا کھانا اور میری خوراک اس زمانے میں ایک مرغ مسلّم نان کے ساتھ اور مولی تھی ۔ اس زمانے میں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ مجھے کثرت شراب نوشی سے روکے ۔ اس کثرت کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ خمار کی حالت میں رعشہ اور ہاتھ میں تھرتھراہٹ ہونے لگی ۔ چنانچہ میں ہاتھ میں پیالہ پکڑ کر شراب نہیں پی سکتا تھا ، بلکہ دوسرے لوگ مجھے شراب پلاتے تھے ، یہاں تک کہ میں نے حکیم ابوالفتح کے بھائی حکیم ہمام کو ، جو میرے والد بزرگوار کے مقرب لوگوں میں تھا ، بلا کر اس سے اپنا سارا حال بیان کیا ۔ اس نے نہایت اخلاص اور انتہائی ہمدردی کی بنا پر مجھ سے کہا کہ صاحب عالم ! جس طریقے پر آپ شراب نوش جان کرتے ہیں ، اگر پینے کی یہی رفتار رہی تو خدا پناہ میں رکھے ، چھ مہینے کے اندر کچھ اور ہی حالت ہو جائے گی ، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ یہ مرض لاعلاج ہو جائے گا ۔ چوں کہ اس کی بات دور اندیشی اور خیر خواہی پر مبنی تھی ، اور یوں بھی ہر ایک کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے ، اس کی اس بات کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور میں نے اس تاریخ سے شراب کی مقدار میں کمی شروع کر دی اور اس کے بدلے معجون فلونیا[1] کھانا شروع کر دی ۔ جہاں تک مجھ سے ممکن تھا میں شراب کی مقدار گھٹاتا اور فلونیا کی مقدار بڑھاتا رہا ۔ میں نے حکم دیا کہ شراب کو شراب انگوری کے ساتھ ملا کر پیش کیا جائے ۔ چنانچہ میری خوراک میں دو حصے شراب انگوری اور ایک حصہ نشہ آور عرق ہوتا تھا ۔ ایک دن جس قدر پیتا دوسرے دن اس کی مقدار کچھ کم کر دیتا تھا ، یہاں تک کہ گھٹاتے گھٹاتے میں سات سال کی مدت میں اپنے آپ کو روزانہ چھ پیالوں پر لے آیا : ہر پیالے میں وزن کے اعتبار سے اٹھارہ مثقال اور ایک پاؤ شراب ہوتی ہے ۔ اب پندرہ

۱- فلون یا فلونیا : ایک نشہ آور معجون ہے جس کے جزو اعظم افیون اور بھنگ ہیں (بہار عجم) اور یہ معجون اس کے موجد یونانی حکیم فلون طرطوسی کے نام سے موسوم ہے ۔ جو پہلی صدی عیسوی یا اس کے لگ بھگ گزرا ہے ۔ اس کا حوالہ حکیم جالینوس وغیرہ کی کتابوں میں ملتا ہے ۔

سال ہوتے ہیں کہ میں اسی مقررہ مقدار کے مطابق شراب پی رہا ہوں ۔ اس مقدار میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی ۔ اب میں شراب صرف رات ہی کو پیتا ہوں ۔ البتہ جمعرات کو، جو میری تخت نشینی کا دن ہے اور جمعہ کی رات جو پورے ہفتے میں متبرک رات ہے اور اس کے بعد ایک متبرک دن آتا ہے ، شراب سے اجتناب کرتا ہوں ۔ ان دو وجوہ کی بنا پر میں ان دو ایام میں صرف شام کو پیتا ہوں کیوں کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ راتیں غفلت میں گزار کر منعم حقیقی کی شکر گزاری میں کوتاہی کی جائے ۔

میں جمعرات اور اتوار کے دن گوشت بھی نہیں کھاتا ۔ جمعرات میری تخت نشینی [152] کا دن ہے اور اتوار میرے والد بزرگوار کی پیدایش کا دن ہے ۔ وہ اس دن کا بہت احترام کرتے تھے اور اس کو بہت محترم جانتے تھے ۔ کچھ دن بعد میں نے معجون فلونیا کو ترک کر کے اس کا بدل افیون کو قرار دیا ۔

اب جب کہ میری عمر شمسی حساب سے چھیالیس سال اور چار ماہ ، اور قمری اعتبار سے سینتالیس سال اور نو ماہ ہو چکی ہے ، دن کے پانچ گھڑی گزرنے کے بعد آٹھ سرخ[1] افیون ، اور رات کے ایک پہر گزرنے کے بعد چھ سرخ افیون کھاتا ہوں ۔

مقصود علی خاں کے ہاتھ ایک مرصّع خنجر میں نے عبداللہ خاں کو بھجوایا ۔

قاسم خاں کے عزیز شیخ موسیٰ کو میں نے خانی کے خطاب اور ہفت صدی ذات اور چہار صد سوار کے منصب سے سر بلند کیا جس کے بعد وہ بنگال کی طرف روانہ ہو گیا ۔

ظفر خاں کے منصب میں پانصدی ذات اور سوار کا اضافہ کیا اور اس کو مہم بنگش پر مامور کیا ۔

ان ہی دنوں میں خواجہ جہاں کے بھائی محمد حسین کو سرکار حصار کی فوج داری سے مفتخر کر کے رخصت کیا اور اس کے منصب میں دو سو سواروں کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے کے بعد اس کا منصب پانصدی ذات اور چہار صد سوار ہو گیا ۔ اس کے علاوہ میں نے اسے ہاتھی بھی عنایت کیا ۔

۱- سرخ : ماشے کا آٹھوں حصہ ، یعنی ایک رتی ۔

۵ بہمن ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو میر میران کو ہاتھی عنایت ہوا ۔

چوں کہ خواجہ عبدالکریم سوداگر ایران سے ہندوستان آ رہا تھا ، برادرم عالی مقدار شاہ عباس صفوی نے اس کے ہاتھ عقیق یمنی کی ایک تسبیح ، اور کاروَنڈیک (وینس) کی بنی ہوئی ایک رکابی ، جو بہت ہی نادر اور بہترین تحفہ تھا ، بھیجی ۔ یہ نو ماہ بہمن کو میری نظر سے گزرا ۔

۱۸ ماہ بہمن ۱۰۲۴ (۱۶۱۵ع) کو سلطان پرویز کے بھیجے ہوئے بعض تحائف ، جو جڑاؤ ہتھیاروں پر مشتمل تھے ، میری نظر سے گزرے ۔

صادق بخشی کو خانی کا خطاب :

۷ ماہ اسفندار ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو اعتمادالدولہ کے بھتیجے صادق کو جو بخشگیری کی خدمت پر مامور تھا ، خانی کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ یہ خطاب میں نے خواجہ عبدالعزیز کو عنایت کیا تھا ۔ میں نے بعض مناسبتوں کو ملحوظ رکھ کر اس کو عبدالعزیز خان کے خطاب سے اور صادق کو صادق خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

۱۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ع) کو کنور کرن کے بیٹے جگت سنگھ کو ، جسے اپنے وطن جانے کی رخصت دی گئی تھی ، میں نے رخصت کے وقت بیس ہزار روپے نقد ، ایک گھوڑا ، ایک ہاتھی اور ایک خاص شال عنایت کی ۔ اور ہرداس جھالہ کو بھی جو رانا کے معتمد ملازموں میں ہے اور اس کے بیٹے کرن کا اتالیق ہے ، پانچ ہزار روپے نقد ، ایک گھوڑا اور ایک خلعت عنایت کی ۔ اور اس کے ہاتھ رانا کے لیے سونے کا شش پری (گرز) بھجوایا ۔

۲۰ ماہ اسفندار مذکور کو راجا سورج مل ولد راجا باسو ، جو قلعۂ کانگڑہ کے نزدیک رہنے کی وجہ سے مرتضیٰ خان کے ساتھ قلعۂ کانگڑہ کی تسخیر کے لیے متعین کیا تھا ، وہ میرے طلب کرنے پر حاضر ہوا ۔ چوں کہ مرتضیٰ خان کے دل میں اس کے متعلق بعض بدگمانیاں پیدا ہوگئی تھیں اور اس نے اس کو واپس بلا لینے کے لیے میرے ہاں کئی عرضداشتیں بھیجی تھیں اور اس کے بارے میں بہت سی باتیں لکھی تھیں ، اس لیے میں نے بالآخر اسے طلب کر لیا ۔

۲۶ ماہ مذکور کو نظام الدین خان ملتان سے میری خدمت میں حاضر ہوا ۔

احداد کی شکست :

اسی سال کے آخر میں ممالک محروسہ کے مختلف اطراف سے فتح و کامیابی کی خبریں پہنچیں جن میں سب سے اول احداد افغان کی شکست کی خبر تھی جو بہت دنوں سے کابل کے پہاڑی علاقے میں سرکشی اور فتنہ انگیزی اختیار کیے ہوئے تھا ، اور سرحد کے بہت سے افغان اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے ۔ میرے والد بزرگوار کے زمانے سے اس وقت تک جو میری تخت نشینی کا دسواں سال ہے ، اُس پر ہمیشہ فوجیں متعین ہوتی رہیں ، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اُس کی جمعیت شکست کھا کر اور پریشانی اُٹھا کر کچھ تو منتشر ہو گئی اور کچھ ماری گئی ۔ وہ چرخ[1] میں جو اس کے لیے قابل اعتماد جگہ تھی ، ایک مدت تک پناہ گزین رہا ۔ خان دوراں نے چاروں طرف سے اُسے گھیر کر ہر طرف سے اُس کی آمد و رفت کے راستے بند کر دیے ۔ جب اس پناہ گاہ میں اُس کے جانوروں کے لیے گھاس اور چارہ نہ رہا تو وہ راتوں کو اپنے مویشی لے کر پہاڑ سے نیچے اُترتا اور پہاڑ کے دامن میں ان کو چراتا [153]۔ اور خود بھی اس لیے آتا کہ لوگ ہمت کرکے اُس کے ساتھ آئیں ، یہاں تک کہ خان دوراں کو اس کی خبر ملی ۔ اس خبر کے ملتے ہی اُس نے ایک رات مقرر کرکے سرداروں اور تجربہ کاروں کی ایک جمعیت اُس پر متعین کر دی کہ وہ چرخ کے اطراف میں قدم جمالے اور اس کی گھات میں بیٹھ جائے ۔ چناں چہ یہ جمعیت مقررہ شب میں وہاں پہنچ گئی اور کمین گاہوں میں چھپ گئی ۔ دن میں خان دوراں بھی سوار ہو کر اس طرف بڑھا ۔ جب وہ بد بخت اپنے جانوروں کو لے کر چرا گاہ میں آئے اور احداد بد باطن بھی اپنی جماعت کے ساتھ کمین گاہوں سے گزرا تو اچانک انہیں سامنے سے گرد اُڑتی ہوئی دکھائی دی ۔ جب اُنھوں نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ خان دوراں ہے ۔ وہ پریشان و مضطرب ہو کر لوٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اُدھر خان دوراں کے قراولوں نے بھی خان دوراں کو اطلاع کر دی کہ احداد بھی ان میں

۱- چرخ : ایک موضع ہے جو سرکار کابل ، تومان لوگھر میں واقع تھا ، چناں چہ آئین اکبری میں ہے کہ : ''چرخ موضع است از تومان لوگھر ، مولانا چرخی بدان منسوب ، و سجاوند نیز از قریات او مشہور ۔''

موجود ہے ۔ خان دوراں نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی اور احداد کے پاس پہنچ گیا ۔ وہ لوگ جو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے ، وہ بھی کمین گاہوں سے نکل پڑے اور راستہ روک کر حملہ آور ہوئے ۔ جس جگہ یہ واقعہ پیش آیا ، وہاں جگہ کے ناہموار اور شکستہ اور گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے دوپہر تک معرکۂ جنگ قائم رہا ۔ آخر افغانوں کو شکست ہوئی اور انھوں نے بھاگ کر پہاڑ پر پناہ لی ۔ ان کے تقریباً تین سو تجربہ کار آدمی جہنم واصل ہوئے اور ایک سو قید ہوئے ۔ چوں کہ احداد پھر اس پناہ گاہ تک پہنچ کر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا ، مجبوراً وہ قندھار کی طرف بھاگ گیا ۔ شاہی لشکر نے چرخ میں پہنچ کر ان کے ٹھکانوں اور گھروں کو توڑ پھوڑ کر اور جلا کر زمین کے برابر کر دیا ۔

عنبر کی شکست :

دوسری خبر بدنصیب عنبر کی شکست اور اس کے لشکر کی پراگندگی سے متعلق ہے ۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عنبر کی فوج کے اکثر قابل اعتماد سردار سخت جان اور جوان مرد قوم برگی[1] سے تعلق رکھتے ہیں ۔ انھی پر ان کے ملک کی حفاظت اور مدافعت کا دار و مدار ہے ۔ اس قوم کا ایک گروہ عنبر سے ناراض ہو گیا اور ہماری سلطنت کی بہی خواہی اور اطاعت قبول کر لینے کا ارادہ کیا ۔ شاہنواز خان[2] ، جو ان دنوں فاتح لشکر کے ساتھ بالاپور میں موجود ہے ، اس نے ان کی استدعا قبول کر لی اور طے پایا کہ وہ خان مذکور سے ملیں گے اور اس کو اپنی جانب سے مطمئن کر دیں گے ۔ چنانچہ آدم خان اور یاقوت خان اور لشکر کے دوسرے سرداروں نے اور برگی قوم میں سے جادورائے اور بابو کانتیہ نے آ کر شاہنواز خان سے ملاقات کی ۔ شاہنواز خان نے ہر ایک کو ان کے مناسب حال گھوڑا ، ہاتھی ، روپیہ اور خلعت دے کر انھیں اور بھی سلطنت کی اطاعت اور بہی خواہی کی طرف مائل کر دیا اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر بالاپور سے کوچ کر کے عنبر پر حملے کے لیے روانہ ہوا ۔ راستے میں دکنیوں کی ایک فوج

۱- برگی مرہٹہ قوم کا قدیم نام ہے ۔ یہ لوگ کوکن کے کوہستانی علاقے کے باشندے ہیں ۔ ملک عنبر کی فوج انھی برگیوں پر مشتمل تھی ۔

۲- شاہ نواز خان خطاب میرزا ایرج ۔

سے، جس کے سردار محل دار، دانش، دلاور، بجلی، فیروز اور دوسرے چند لوگ تھے، ان کی سمت بھیڑ ہوئی۔ انھوں نے دکنیوں کی اس فوج کو تتر بتر کردیا اور ان رذیلوں نے اس شعر کے مطابق :

شکستہ صلاح و گسستہ کمر

نہ یارائے گفت و نہ پروائے سر

اپنے آپ کو اس بد نصیب کے لشکر تک پہنچایا۔ ادھر عنبر انتہائی غرور و خود سری کے ساتھ شاہی فوجوں سے لڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ اپنے ذلیل لوگوں اور عادل خانی اور قطب الملکی لشکر کو ساتھ لیا اور ایک مستعد توپخانے کو لے کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ روانہ ہوا، یہاں تک کہ دونوں افواج میں پانچ چھ کوس کا فاصلہ رہ گیا۔

اتوار کے دن ۲۵ بہمن کو نور و ظلمت کی فوجیں اور بھی قریب ہو گئیں، یہاں تک کہ دونوں طرف کی فوجیں اور افسر اس قدر قریب ہو گئے کہ اس طرف کے لوگ اُس طرف کے لوگوں کو اچھی طرح دیکھنے لگے۔ اسی دن سہ پہر کے وقت تیروں اور توپ سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ آخرالامر داراب خاں نے جو ہراول دستے کا سردار تھا، دوسرے سرداروں اور تجربہ کاروں مثلاً راجا نرسنگھ دیو، رائے چند، علی خاں تتاری، جہانگیر قلی ترکمان اور دوسرے صف شکن بہادروں کے ساتھ تلواریں کھینچ کر دشمن کے ہراول پر حملہ بول دیا۔ انھوں نے شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے بنات النعش [154] کی طرح غنیم کی فوجوں کو منتشر اور پراگندہ کردیا۔ یہ لوگ غنیم کی فوج سے دبے نہیں بلکہ دشمن کی فوج کے اس حصے تک پہنچ گئے جہاں اس کے سپہ سالار موجود تھے۔ پھر وہ اس قدر دلیری کے ساتھ لڑے کہ دیکھنے والے اس نظارے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دو گھڑی تک یہ داروگیر جاری رہی، یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ چوں کہ بدنصیب عنبر میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے راہ فرار اختیار کی۔ اگر اتنے میں رات نہ ہو جاتی اور اندھیرا ان کا مد و معاون نہ ہوتا تو ان میں سے ایک بھی جان سلامت نہ لے جا سکتا تھا۔

بہرحال دریائے شجاعت کے نہنگوں نے دو تین کوس تک بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔ جب انھیں کوئی گھوڑا اور آدمی حرکت کرتا ہوا نظر نہ آیا اور شکست خوردہ منتشر ہو گئے، تو تعاقب کرنے والے اپنے گھوڑوں کی لگامیں

کھینچ کر اپنی جگہ واپس لوٹ آئے ۔ غنیم کا پورا توپ خانہ ، ساز و سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ ، جنگی ہاتھی ، تازی گھوڑے ، سپاہیوں اور گھوڑوں کا سامان اور ہتھیار غرض کہ بے حساب سامان شاہی فوجوں کے ہاتھ لگا ۔ زخمیوں اور مرنے والوں کا کوئی شمار نہ تھا ۔ زندوں میں دشمن کے بہت سے سردار قید ہوئے ۔

دوسرے دن فاتح لشکر میدان جنگ سے کھڑکی[1] کی طرف روانہ ہوا جو ان منحوسوں کا گڑھ تھا ۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے اس جماعت میں سے کسی کا نام و نشان نہ پایا ۔ آخر انھوں نے کھڑکی کا محاصرہ کر لیا ۔ انھیں بعد کو معلوم ہوا کہ عنبر کا لشکر اسی ایک رات دن میں تتر بتر اور پراگندہ ہو گیا ہے ۔ انھوں نے چند روز وہاں ٹھہرنے کے بعد دشمن کی عمارتوں اور گھروں کو زمین کے برابر کر دیا اور بعض واقعات پیش آ جانے کی وجہ سے ، جن کی تفصیل یہاں طوالت کلام کی موجب ہے ، وہاں سے لوٹ آئے اور ردھن کھنڈ کی گھاٹیوں سے اتر آئے ۔ میں نے اس حسن خدمت کے صلے میں ان لوگوں کے مناصب میں ، جنھوں نے شجاعت و جاں نثاری دکھائی تھی ، اضافے کے احکامات نافذ کیے ۔

بہار میں ہیروں کی کان کی دست یابی :

تیسری خوش خبری ولایت کھوکھرا پر قبضہ اور ہیروں کی کان کا ہاتھ آنا ہے جو ابراہیم خاں کی کوششوں سے عمل میں آیا ۔ یہ علاقہ صوبۂ بہار اور پٹنہ کے ملحقات میں سے ہے ۔ وہاں ایک نالہ جاری ہے ، خاص قسم کے ہیرے اسی نالے سے حاصل کیے جاتے ہیں ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس نالے کی دراڑوں میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے ، اور دیہات کا پانی بھی اس نالے میں آنے سے رک جاتا ہے تو اس زمانے میں یہ ہیرے دستیاب ہوتے ہیں ۔ وہ لوگ جو اس کام کا تجربہ

۱۔ کھڑکی : موجودہ اورنگ آباد ، جو حیدر آباد دکن سے تین سو میل شمال میں واقع ہے ۔ یہ ملک عنبر کا آباد کیا ہوا ہے ۔ عنبر نے اس کو ۱۶۰۸ع میں آباد کیا تھا ۔ اس کا قدیم نام کھڑکی ہے ۔ عنبر نے اس کا نام فتح آباد رکھا تھا جو مشہور نہیں ہوا اور اب شہنشاہ اورنگ زیب کے نام سے اس کو اورنگ آباد کہتے ہیں ۔

رکھتے ہیں ، انھوں نے اپنے تجربے سے معلوم کیا ہے کہ نالے کے اوپر جو گڑھے اور دراڑ ہوتے ہیں ۔ ان گڑھوں اور دراڑوں پر ، جن میں ہیرے ہوتے ہیں ، جھینگوں کے جھنڈ کے جھنڈ جو مچھر کی جنس سے ہوتے ہیں ، اُڑتے رہتے ہیں ۔ ہیروں کے حاصل کرنے والے اس نالے کی لمبائی میں ، جہاں تک ان کی نظر کام کرتی ہے ۔ ان گڑھوں کے اطراف میں چاروں طرف پتھر چُن دیتے ہیں ۔ اس کے بعد بیلچوں اور کدالوں سے ان گڑھوں کو ایک گز یا ڈیڑھ گز گہرا کھودتے ہیں اور اس ریتے اور پتھریوں میں ، جو ان گڑھوں سے نکلتی ہیں ، تلاش کر کے چھوٹے اور بڑے ہیرے حاصل کرتے ہیں ۔ کبھی کبھی اس تلاش و جستجو میں ہیرے کا ایک ٹکڑا ایسا بھی اُن کے ہاتھ لگ جاتا ہے جس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہوتی ہے ۔

مختصر یہ کہ اس علاقے اور اس نالے پر ایک ہندو زمیندار **درجن سل** نامی قابض تھا ۔ اگرچہ **صوبۂ بہار** کے حکام اس کے مقابلے کے لیے فوجیں بھیجتے تھے یا خود اس کے مقابلے کے لیے جاتے تھے لیکن راستے کی دشواریاں اور گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے دو تین ہیروں پر قناعت کر کے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے تھے ۔ جب اس صوبے سے **ظفر خاں** (۳۶) کا تبادلہ ہوا اور **ابراهیم خاں** اس کی جگہ صوبے دار متعین ہوا ، تو میں نے اُسے رخصت کرتے وقت کہا کہ تم اُس علاقے میں جا کر اس علاقے کو اُس نامعلوم مردک کے قبضے سے نکالو ۔ **ابراهیم خاں** بہار پہنچتے ہی ایک لشکر لے کر اس زمیندار پر حملہ آور ہوا ۔ اس نے حسب سابق پہلے حملہ آوروں کی طرح قاصد بھیج کر اُسے بھی چند ہیرے اور ہاتھی دے کر ٹالنا چاہا [155] مگر **ابراهیم خاں** اس پر راضی نہ ہوا ۔ اس سے پہلے کہ وہ مردک اپنے لشکر کو جمع کر کے مدافعت کے لیے تیار ہوتا ، وہ تیزی سے اُس کے علاقے میں گھس گیا اور قبل اس کے کہ اُسے اس حملے کی خبر ملے ، اُس نے درے کا محاصرہ کر لیا جس میں یہ زمیندار رہتا تھا ۔ جب **ابراهیم خاں** نے لوگوں کو اس کی تلاش کے لیے ادھر اُدھر بھیجا تو وہ ایک غار میں چند عورتوں کے ساتھ پکڑا گیا ۔ اس کے ساتھ اس کی حقیقی ماں ، اس کی سوتیلی مائیں اور ایک بھائی بھی تھا ۔

جب اُن کی تلاشی لی گئی تو کئی ہیرے اور بیس نر و مادہ ہاتھی ، جو ان کے ساتھ تھے ، ہاتھ آئے ۔ اس دلیرانہ کارنامے کے صلے میں میں نے **ابراهیم خاں** کا

منصب اصل و اضافے کے ساتھ چہار ہزاری ذات و سوار کر دیا اور اسے فتح جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ اسی طرح اُن لوگوں کے منصب میں بھی ، جو اس مہم میں اس کے ساتھ تھے اور جنھوں نے اس جنگ میں مردانہ کارنامے دکھائے تھے، اضافے کیے ۔

آج تک یہ علاقہ سلطنت کے اُمرا کے قبضے میں ہے اور اس نالے سے ہیرے نکالنے کا کام برابر جاری ہے ۔ وہاں جتنے ہیرے نکالے جاتے ہیں ، دربار میں بھیج دیے جاتے ہیں ۔ حال ہی میں ایک بڑا ہیرا جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی برآمد ہوا تھا ۔ خیال ہے کہ اگر کچھ دن ہیرے نکالنے کا کام وہاں جاری رہا تو بہترین ہیرے شاہی جواہر خانے میں جمع ہو جائیں گے ۔

حواشی جشن دہم

(۱) عبدالکریم معموری : فن تعمیرات کا ماہر اور اپنے زمانے کا بلند پایہ انجینیر تھا ۔ جہانگیری اور شاہجہانی عہد کی بہت سی عمارتیں اُسی کے اہتمام میں تیار ہوئی تھیں ۔ چنانچہ قلعہ لاہور اور ہتیاپول دروازے کے ساتھ شاہ برج کی عمارت تھی جو اب دستبرد زمانہ سے مٹ چکی ہے ۔ شاہ برج کی تعمیر کا آغاز ۱۹ جلوس جہانگیری میں ہوا تھا ۔ جب یہ عمارت بن کر تیار ہوئی تو ماہرین کو پسند نہ آئی ۔ اُسے گرا کر از سر نو تعمیر کا حکم ہوا ۔ اس کا نقشہ چند ماہرین نے تیار کیا تھا ۔ یمین الدولہ آصف خاں نے اس پر نظرثانی کی ۔ عبدالکریم معموری کو اس کا مہتمم مقرر کیا گیا ۔ یہ عمارت ۱۰۳۱ھ میں بن کر تیار ہوئی (س) ۔

(۲) مصطفیٰ خاں (ترکمان) : خانخاناں کے رشتے داروں میں تھا ۔ ایک مدت تک دکن و گجرات میں رہا ۔ نہایت مدبّر اور باوقار تھا (رک : ذخیرۃ الخوانین ص ۹۶—۳۹۸) ۔

(۳) بہادر خاں (اوزبک) : اس کا نام ابوالنبی تھا ۔ وہ توران کے بزرگ زادوں کے خاندان سے تھا ۔ عبدالمومن خاں کے عہد میں مشہد کی حکومت پر مامور تھا ۔ عبدالمومن خاں کی وفات کے بعد وہ ہندوستان آیا اور جلوس اکبری کے اڑتیسویں سال حسب حیثیت منصب سے نوازا گیا ۔ جہانگیر نے چالیس ہزار روپے مدد خرچ کے طور پر دے کر شیخ فرید مرتضیٰ خاں کے ساتھ خسرو کے تعاقب پر متعین کیا ۔ حکومت جہانگیری کے ساتویں سال میرزا غازی کی وفات کے بعد صوبہ داری قندھار پر مامور ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے پندرھویں سال ضعف بصر کا عذر کرکے قندھار کی صوبے داری سے مستعفی ہو گیا ۔ پھر اُسے صوبۂ اکبر آباد میں جاگیر دی گئی ۔ آخر میں شاہجہان کی ملازمت میں منسلک رہا (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۴۰۰) ۔

(۴) آصف خاں کی لڑکی کا نام ارجمند بانو ، خطاب ممتاز محل تھا ۔ یہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۲ع) میں پیدا ہوئی ۔ پنجشنبہ ۱۸ خورداد ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۱ع) کو اس کی شادی شاہزادہ خرم سے ہوئی ۔ اس وقت وہ اٹھارہ سال کی تھی ۔ مہر پانچ لاکھ مقرر ہوا ۔ ۱۰۳۷ھ میں جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو اس نے ارجمند بانو کو ممتاز محل کا خطاب دیا ۔ وہ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد تین برس زندہ رہی اور ۳۷ سال کی عمر میں برہان پور میں وفات پائی ۔ ''ممتاز محل جنت باد'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ (رک : عمل صالح صفحہ ۲ (س) ۔

(۵) دارا شکوہ : اس کا نام محمد دارا شکوہ تھا جو شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا تھا ۔ یہ ارجمند بانو بیگم کے بطن سے ۱۰۲۲ھ میں اجمیر میں بمقام ساگرتال پیدا ہوا اور ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو عالمگیر کے حکم سے شہید کیا گیا اور دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کے تہہ خانے میں ، جہاں شاہزادہ دانیال اور شاہزادہ مراد دفن ہیں ، مدفون ہوا ۔ (رک : مقالات الشعراء حاشیہ ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۹ ، صفحہ ۵۰۰—۵۱۰ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) ۔

(۶) سنکای خاں (رک : حواشی جشن سوم ، حاشیہ نمبر ۱۱) ۔

(۷) مخلص خاں : الہ وردی کا بڑا بھائی تھا ۔ ابتداءً سلطان پرویز کا ملازم تھا ۔ اس نے اس کی کاردانی اور صلاحیتوں کی وجہ سے اسے صوبہ پٹنہ کی حکومت پر مقرر کیا تھا جو اس کی جاگیر میں تھا ۔ بعد میں وہ جہانگیر کے ملازموں میں منسلک ہوا ۔ جلوس شاہجہانی کے دسویں سال اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا جلد ۳ ، صفحہ ۳۲۸—۳۲۹) ۔

(۸) قلعہ گوالیار : پاک و ہند کے مشہور قلعوں میں سے ایک قلعہ ہے ۔ یہ قلعہ ایک چٹان کی چوٹی پر واقع ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس چٹان میں سے تراش کر اسے بنایا گیا ہے ۔ یہ چٹان ۳۴۲ فٹ اونچی ہے ۔ قلعہ ڈیڑھ میل لمبا اور تین گز چوڑا ہے ۔

جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ قلعہ راجا سورج سین نے ۷۷۳ع میں بنوایا تھا ۔ سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۲۳ع میں اس پر حملہ کیا ۔ ۱۱۹۶ع میں محمد بن سام غوری نے اسے فتح کیا ۔ ۱۲۱۱ع میں دوبارہ

ہندوؤں نے اس پر قبضہ کر لیا ۔ ۱۲۳۰ع میں سلطان شمس الدین ایلتمش نے اسے فتح کیا ۔ اس کے بعد سے اسے شاہی قیدیوں کے محبس کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ۔ چنانچہ علاءالدین خلجی نے اپنی حکومت کے آخری ایام میں اپنے دو بیٹوں خضر خان اور شادی خان کو اسی قلعے میں قید کیا تھا ۔

اکبر کے زمانے میں اس قلعے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی کیوں کہ تمام بڑے بڑے لوگ جن سے اکبر کو ذرا بھی خدشہ ہوتا تھا ، اسی قلعے میں قید کیے جاتے تھے ۔ چنانچہ میرزا کامران کا بیٹا ابوالقاسم شوکتی ، علماے جونپور ، علماے لاہور اور جہانگیر کے زمانے میں خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش ، حضرت مجدد الف ثانی اور شہزادہ مراد بحکم عالمگیر یہاں محبوس رہے ۔ تیموریوں کی حکومت کے زوال کے بعد اس قلعے کی اہمیت گھٹ گئی ۔ یہ قلعہ انیسویں صدی کے وسط میں انگریزوں کے قبضے میں آیا ۔ لارڈ ڈفرن وایسراے ہندوستان نے جھانسی کے بدلے اسے مہاراجا سندھیا کے حوالے کر دیا ۔ (رک : گزیٹیر ریاست گوالیار ۔ (س) ۔

(۹) عبداللہ : ولد خان اعظم میرزا عزیز کوکہ جسے جہانگیر نے سردار خان کا خطاب دیا تھا ۔ مآثرالامرا میں ہے کہ جہانگیر نے اسے قلعہ رنتھنبور سے رہا کرنے کے بعد اس کے باپ کی طرح اسے بھی اپنے الطاف سے نوازا اور خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۶۹۳) ۔

(۱۰) مبارک خان : ولد مظفر خان ۔ یہ بالکل نوجوانی میں جہانگیر کے ملازموں میں شامل ہوا ۔ جلوس عالمگیری کے دوسرے سال تک زندہ تھا (مآثرالامرا ج ۳ ، ص ۵۱۳–۵۱۴) ۔

(۱۱) پرگنہ ڈاسنہ پرگنہ کاسنہ : یہ دونوں پرگنے دہلی سرکار میں تھے (رک : آئین اکبری ، ج ۲ ، ص ۲۷ (س) ۔

(۱۲) جہانگیر قلی خان : شمس الدین مشہور بہ میرزا شمسی ولد میرزا خان اعظم کوکلتاش ۔ سب سے پہلے اکبر نے از راہ نوازش اسے منصب ہزاری سے سرفراز کیا اور اکبر کے آخری عہد تک منصب دو ہزاری تک پہنچا ۔ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال اپنے باپ کی نیابت میں صوبہ گجرات کا نظم و نسق اس کے سپرد کیا گیا ۔ آخری عہد جہانگیری میں الہ آباد کا

صوبے دار مقرر ہوا ۔ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد صوبے داری الہ آباد سے معزول ہو کر سورتھ جونا گڑھ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا ۔ ۱۰۴۱ھ میں اس نے وہیں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۵۲۴—۵۲۵)

(۱۳) کرم سین راٹھور : ولد رائے مالدیو بن رائے چندر سین والیِ جودھپور ۔ ۱ جلوس جہانگیری میں بہ اضافۂ منصب ، منصب ہزاری سے سرفراز ہوا ۔ ۳ جلوس شاہجہانی میں خانجہاں لودی کی لڑائی میں مارا گیا (رک : امرائے ہنود ص ۲۹۰) ۔

(۱۴) لشکر خان : اس کا نام ابوالحسن مشہدی تھا ۔ ابتداءً شاہزادہ سلطان مراد کا ملازم تھا ۔ اس کی وفات کے بعد دکن سے آ کر شاہزادہ سلطان سلیم (جہانگیر) کی ملازمت میں منسلک ہوگیا ۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد لشکر خان کے خطاب اور عمدہ منصب سے سرفراز کرکے صوبۂ کابل کی بخشیگری پر فائز کیا ۔ جلوس شاہجہانی کے چھٹے سال مستعفی ہو کر عازم حج ہوا اور اپنے وطن واپس جا کر وفات پائی (رک : ماثرالامرا ج ۳ ص ۱۶۳—۱۶۸) ۔

(۱۵) میرک حسین : ولد میرک کابل بن میر حسن (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۲۵۹—۲۶۰) ۔

(۱۶) جلالہ (جلال الدین) : ولد پیر بایزید انصاری ، مشہور بہ پیر تاریک پیر روشان ۔ وفات : ۱۰۰۹ھ (رک : تذکرۂ صوفیائے سرحد ، مرتبہ اعجازالحق قدوسی ص ۱۶۹) ۔

(۱۷) ہوشنگ : ولد اسلام خان چشتی فاروقی ۔ علامی ابوالفضل کی بہن کا بیٹا تھا ۔ مدت تک دکن میں متعین رہا ۔ جہانگیر نے اسے اکرام خان کے خطاب سے نوازا ۔ آخر عہد جہانگیری میں اسیر کی قلعہ داری پر مامور ہوا ۔ جلوس شاہجہانی کے چوبیسویں سال اس نے وفات پائی (ماثرالامرا ، ج ۱ ، ص ۱۲۰) ۔

(۱۸) روز افزون : ولد راجا سنگرام ۔ وفات : عہد شاہجہانی ۱۰۴۴ھ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۱۸—۲۱۹) ۔

(۱۹) شیخ حسین روہیلہ (مبارز خان) : یہ عہدِ جہانگیری میں بلند مرتبت امرا کے زمرے میں شامل ہوا ۔ عہدِ جہانگیری کی ابتدا سے لشکر خان کی

صوبے داری تک کابل کی حکومت پر متعین رہا۔ آخر عمر میں دیپال پور کا فوج دار مقرر ہوا اور وہیں اس نے ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی (رک: ماثرالامرا، ج ۳، ص ۳۴۲–۳۴۴)۔

(۲۰) راجا نتھمل: مجھولی کا زمیندار تھا - ۱۱ جلوس جہانگیری میں منصب ہزار و پانصدی سے سرفراز ہوا - ۱۰ جلوس جہانگیری میں راجا کے خطاب سے سربلند ہوا۔ (رک: امرائے ہنود، ص ۲۱۹–۲۲۰)۔

(۲۱) خان جہان (لودی): ولد دولت خان لودی، شاہو خیل تھا (رک: حواشی جشن دوم، حاشیہ ۳، پیر خان)۔

(۲۲) خواجہ عاقل: (بخشی) یہ میرزا غازی بیگ ترخان کے ہمراہ قندھار کا بخشی مقرر ہوا اور قندھار ہی میں وفات پائی (رک: ذخیرۃالخوانین (قلمی)، ص ۱۵۴)۔

(۲۳) ناہر خان تنور (عرف)، شیر خان خطاب: وفات ۱۰۳۰ھ (رک: ماثرالامرا ج ۲: ص ۶۵۱–۶۵۴)۔

(۲۴) رایسال: (درباری): رک: راولسال، حواشی تخت نشینی، حاشیہ نمبر ۲۱)

(۲۵) گردھر: ولد رایسال - ۱۳ جلوس جہانگیری میں منصب ہزاری ذات و ہشت صد سوار سے سرفراز ہوا - ۱۸ جلوس جہانگیری میں دکن میں وفات پائی (رک: امرائے ہنود، ص ۳۰۶–۳۰۷)۔

(۲۶) قاسم خان (جوینی): ولد میر مراد۔ اسلام خان چشتی فاروقی صوبے دار بنگال کے زمانے میں اس صوبے کا خزانچی تھا۔ اسلام خان نے اس کی اور اس کے بھائی کی تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ جب اس کی شادی نورجہاں بیگم کی بہن منیجہ بیگم سے ہو گئی تو اس قرابت داری کی وجہ سے وہ اُمرا کے زمرے میں شامل ہو گیا۔ جہانگیر نے اُسے فدائی خان کا خطاب دیا اور بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ جہانگیر کے آخری عہد میں وہ اکبر آباد کا ناظم مقرر ہوا اور قلعے اور خزانوں کی حفاظت اس کے سپرد کی گئی۔ شاہجہان نے اُسے اپنے جلوس کے پہلے سال فدائی خان کے تبادلے کے بعد پھر بنگال کا صوبے دار مقرر کیا۔ اس نے ۱۰۴۱ھ میں وفات پائی۔ وہ شاعر تھا اور اس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا (رک: ماثرالامرا، ج ۳)، ص ۸۲–۸۷، و مرأۃالخیال سرخوش، ص ۸۳)

(۲۷) سربلند رائے (راؤ رتن هاڈا) : ولد راؤ بهوج هاڈا - ۱۰ جلوس جہانگیری میں دکن کی مہم پر متعین ہوا اور عہد شاهجہانی میں ۱۶ جمادی الاول ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی (رک : امرائے هنود ، ص ۲۱۹-۲۲۰).

(۲۸) راجا راج سنگھ کچھواهه : ولد راجا اسکرن ، برادر راجا بهارا مل ۔ اکبر نے اس کے باپ کی وفات کے بعد اسے راجا کا خطاب اور اس کے حسب حیثیت منصب عطا کر کے دکن میں متعین کیا ۔ جلوس اکبری کے چوالیسویں سال گوالیار کا قلعه دار مقرر ہوا ۔ جہانگیر نے اپنی حکومت کے تیسرے سال اسے پھر دکن بھجوا دیا ۔ اس نے دکن ہی میں ۱۰۲۳ھ میں انتقال کیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۱۷۰-۱۷۲).

(۲۹) رام داس : ولد راجا راج سنگھ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۱۷۲).

(۳۰) سیف خاں بارهه : ولد سید محمود خاں بارهه ۔ اس کا نام سید علی اصغر ہے ۔ یه جہانگیر کی شاهزادگی کے زمانے ہی سے اس کے دامن الطاف سے وابسته تھا ۔ جہانگیر نے اپنے جلوس کے پہلے سال خسرو کے فرار کے وقت شیخ فرید مرتضیٰ خاں کے ساتھ اسے خسرو کے تعاقب پر متعین کیا ۔ جلوس جہانگیری کے آٹھویں سال سلطان خرم کے همراه مہم دکن پر متعین ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے دسویں سال شاه زاده پرویز کے ساتھ دکن میں متعین کیا گیا ۔ جلوس جہانگیری کے گیارھویں سال ۱۰۲۵ھ میں اس نے دکن ہی میں هیضے میں مبتلا ہو کر انتقال کیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۴۱۰-۴۱۱).

(۳۱) صادق خاں (میر بخشی) : بن محمد شریف هروی ۔ اعتمادالدوله طهرانی کا بھتیجا تھا ۔ جہانگیر نے اسے اپنے جلوس کے آٹھویں سال خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ پھر جلوس جہانگیری کے اٹھارویں سال پنجاب کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ صادق خاں نے عہد شاهجہانی میں ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۷۲۹-۷۳۰) .

(۳۲) میرزا لاهوری : یه چین قلیچ خاں کا چھوٹا بھائی تھا جو اپنے باپ کا نہایت محبوب ترین بیٹا تھا ۔ یه نہایت ظالم طبیعت انسان تھا ۔ صاحب مآثرالامرا نے اس کے مظالم کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : ''میرزا لاهوری آیتے بود از جلال ، بل آفتے بود مالامال از وبال و نکال ، هیچ حیثیتے نداشت

پارچۂ گوشتے کرینہہ منظر بد خصال . و عیش و نشاط او منحصر بہ تازیانہ بود . تمام روز بایستے صدای تازیانہ بگوش او رسد ، یک لحظہ از سیاست خلق خدا نمی آسود . "

جب میرزا چین قلیچ ان کی لائی ہوئی مصیبت میں گرفتار ہوا تو میرزا لاہوری بھی گرفتار ہو کر جہانگیر کے حضور میں پیش ہوا . جہانگیر نے اسے قید کر دیا . آخر رہائی ملی اور یومیہ مقرر ہوا . آخر عمر میں دریائے جمنا کے کنارے ایک گھر بنا لیا تھا . اس میں رہتا تھا . بھیک پر اس کا گزر تھا . نہایت عسرت و تنگ دستی میں مرا (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۱—۳۵۴) .

(۳۳) سارنگ دیو : امرائے عہد جہانگیری میں سے تھا - ۱۴ جلوس جہانگیری میں منصب ہفت صدی سے سرفراز ہوا - ۶ جلوس شاہجہانی میں قلعہ عنبر کوٹ کا معرکہ سر کیا - ۸ جلوس شاہجہانی میں ججھار سنگھ بندیلہ کی سرکوبی کے لیے مامور ہوا (رک : امرائے ہنود ، ص ۳۶۹) .

(۳۴) شاہ نعمت‌اللہ ولی : امیر نورالدین نعمت‌اللہ بن میر عبداللہ . بقول انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۷۳۰ھ یا ۷۳۱ حلب میں پیدا ہوئے . یہ حضرت امام خامس ابو جعفر محمد الباقر بن علی بن حسین کی اولاد سے ہیں . ۲۴ سال کی عمر میں ترک وطن کر کے مکۂ معظمہ حاضر ہوئے اور سات سال وہاں رہے اور امام عارف شیخ عفیف‌الدین ابن ابی محمد عبداللہ بن اسعدالیافعی (المتوفی ۷۶۸ھ) سے خرقۂ خلافت حاصل کیا . پھر شیراز ، یزد ، مشہد ، سمرقند ، ہرات کی سیاحت کی . وہاں سے کرمان آئے اور قریہ ماہان میں سکونت اختیار کی اور اپنی زندگی کے پچیس سال گزار کر بتاریخ ۲۲ یا ۲۵ رجب ۸۳۴ھ کو ایک سو چار سال کی عمر میں وفات پائی اور قریہ ماہان ہی میں مدفون ہوئے (رک : مقالات‌الشعراء ، ص ۸۴۵ ، حاشیہ نمبر ۱ ، مرتبہ سید حسام‌الدین راشدی) .

(۳۵) پندرہ سال : یہاں اٹھارہ سال ہونا چاہیے . توزک کے بعض قلمی نسخوں میں اٹھارہ سال ہی ہے اور یہی واقعاتی طور پر درست ہے . جہانگیر جس واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ ۹۹۴ھ کا ہے کیوں کہ اکبر ، یوسف زئی افغانوں کی مہم کے سلسلے میں ملا نظام‌الدین ہروی کے قول کے مطابق

۱۵ محرم ۹۹۴ھ کو اٹک پہنچا اور کچھ مدت وہاں قیام پذیر رہا ۔ جہانگیر کی ولادت تمام معاصرین اور خود جہانگیر کے اپنے بیان کے مطابق ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو ہوئی تھی ۔ اس طرح وہ عمر کی سترہ بہاریں دیکھ کر اٹھارویں میں قدم رکھ چکا تھا ۔ جب اکبر اعظم اٹک کے قلعے میں داخل ہوا ، یہ واقعہ کچھ عرصے کے بعد ہوا ہوگا ۔ گویا اس نے اس وقت شراب پینی شروع کی جب وہ عمر کی اٹھارویں منزل میں قدم رکھ چکا تھا (س) ۔

(۳۶) ظفر خاں : ولد زین خاں کوکہ ۔ اس کا نام شکراللہ تھا - ۴۰ جلوس اکبری میں اکبر نے اسے منصب دو صدی سے سرفراز کیا ۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد منصب ہفت صدی پر ترقی کی ۔ آخر عہد اکبری میں ظفر خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد چوں کہ زین خاں کی بیٹی جہانگیر کی بیوی تھی ، اس نے اور بھی اپنے آلطاف سے اسے نوازا ۔ جلوس جہانگیری کے ساتویں سال اضافۂ منصب سے سرفراز ہو کر صوبۂ بہار کا صوبے دار مقرر ہوا - ۱۰ جلوس جہانگیری میں صوبے داری بہار سے معزول ہو کر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور مزید اضافۂ منصب سے سرفراز ہو کر مہم بنگش پر متعین ہوا (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۷۵۵-۷۵۶) ۔

گیارھواں جشن نوروز

اتوار کے روز آخر ماہ اسفندار مطابق یکم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو آفتاب کے طلوع ہونے کے پندرہ گھڑی بعد، جب کہ سورج بُرج حوت سے سرائے حمل میں پرتو افگن ہوا، میں اس مبارک گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرائض عبودیت بجالانے کے بعد دیوان خانۂ خاص و عام میں تختِ شاہی پر بیٹھا جس کے صحن کو خیموں اور شامیانوں سے سجا کر اس کے اطراف کو یورپ کے بنے ہوئے پردوں، مصوّر اور منقّش زربفت اور دوسری نفیس اور نادر اشیا سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ شاہزادے، اُمرا و ارکانِ دولت اور تمام ملازمینِ شاہی تسلیمات و مبارک باد کی رسم بجالائے۔

چوں کہ حافظ ناد علی گوینده (۱) میرے قدیم ملازموں میں ہے، میں نے حکم دیا کہ پیر کے دن جو شخص جو نقد و جنس پیش کرے، وہ تمام کا تمام بطور انعام کے اسے دے دیا جائے۔

دوسرے دن بعض اُمرا کے پیش کش نظر سے گزرے۔

چوتھے دن خواجه جہاں کا آگرے سے بھیجا ہوا پیش کش نظر سے گزرا جو چند ہیروں، چند موتیوں اور بعض مرصّع ہتھیاروں اور مختلف قسم کے کپڑوں اور ایک ہاتھی پر مشتمل تھا، جس کی مجموعی قیمت پچاس ہزار روپے ہو گی۔

پانچویں تاریخ کو کنور کرن نے، جو اپنے گھر گیا ہوا تھا، واپس ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔ اور ایک سو مُہریں، ایک ہزار روپے نذر گزرانے، اور ایک ہاتھی مع سازوسامان کے اور چار گھوڑے پیش کیے۔

ساتویں دن آصف خاں کے منصب میں، جو چہار ہزاری ذات اور دو ہزار سوار پر مشتمل تھا، ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کا اضافہ کیا اور اسے نقارہ و علم عنایت کیا۔

اسی دن میر جمال الدین حسین کا پیش کش نظر سے گزرا۔ اس نے جو کچھ پیش کیا تھا، وہ سب اچھا تھا اور مجھے پسند آیا۔ منجملہ اور چیزوں کے ایک مرصّع خنجر تھا جسے خود جمال الدین حسین نے اپنی ہنرکاری سے مکمل کیا تھا۔ اس کے دستے کے اوپر ایک زرد یاقوت (۲) بٹھایا تھا جو نہایت مصفّیٰ

تھا اور حجم میں مرغی کے نصف انڈے کے برابر تھا ۔ زرد قسم کے یاقوتوں میں ایسا مصفّٰی و مجلّٰی یاقوت [156] میرے دیکھنے میں نہیں آیا ۔ اس یاقوت کے علاوہ دوسرے پسندیدہ رنگ کے یاقوت اور پرانے زمرد ایک خاص ترتیب اور اہتمام سے اس میں جڑے گئے تھے ۔ قیمت کے اندازہ لگانے والوں نے اس کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار روپے کیا تھا ۔ میں نے میر کے منصب میں ایک ہزار سوار کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب پنج ہزاری ذات اور سہ ہزار سوار ہو گیا ۔

۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں نے صادق خاں اور ارادت خاں کے منصب میں سہ صدی ذات اور دو صد سواروں کا اضافہ کیا تاکہ ہر ایک کا منصب ہزاری اور پانصد سوار ہو جائے ۔

۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو خواجہ ابوالحسن کا پیش کش نظر سے گزرا جو مرصع آلات اور مختلف قسم کے لباسوں پر مشتمل تھا ۔ اس پیش کش سے میں نے جملہ چالیس ہزار روپے کی قیمتی اشیا کو قبول کر لیا اور باقی اشیا اس کو واپس کر دیں ۔

تاتار خاں بکاول بیگی[1] کا پیش کش ایک لعل ، ایک یاقوت ، دو انگوٹھیوں اور چند نفیس کپڑوں پر مشتمل تھا ۔ یہ میں نے قبول کر لیا ۔

۱۰ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو دکن سے راجا سہا سنگھ کے بھیجے ہوئے تین ہاتھی اور مرتضیٰ خاں کے لاہور سے بھیجے ہوئے زربفت وغیرہ کے تقریباً ایک سو تھان نظر سے گزرے ۔

اسی تاریخ میں دیانت خاں نے اپنا پیش کش ، جو مروارید کی دو تسبیحوں ، دو عدد لعل اور چھ دانے بڑے موتیوں اور ایک سونے کے طبق پر مشتمل تھا ، پیش کیا ۔ اس کی قیمت اٹھائیس ہزار روپے ہوگی ۔

۱۲ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو جمعرات کے دن کے آخری حصے میں اعتماد الدولہ کی عزت افزائی کے لیے میں اس کے گھر گیا ۔ اس نے وہیں اپنے پیش کش میرے ملاحظے میں گزرانے ۔ میں نے اس کے پیش کش کے سامان اور اشیاء کو ، جن میں سے اکثر نہایت نفیس تھیں ، تفصیل سے دیکھا ۔ جواہرات

۱- بکاول بیگی : داروغۂ مطبخ ۔

میں سے دو موتی ، جن کی قیمت تیس ہزار روپے تھی اور ایک قطبی لعل جو اس نے بائیس ہزار روپے میں خریدا تھا ، دوسرے لعل اور موتیوں کے ساتھ میں نے قبول کیا ، جن کی مجموعی قیمت ایک لاکھ اور دو ہزار روپے تھی ۔ کپڑوں میں سے بھی تقریباً پندرہ ہزار روپے کے مالیتی کپڑے میں نے پسند کیے ۔ جب میں اس پیش کش کے ملاحظے سے فارغ ہوا تو اس کے بعد تقریباً ایک پہر گئے رات تک وہیں اپنا اچھا وقت گزارا ۔ میں نے اپنے امرا اور ملازموں کی شراب کے پیالوں سے تواضع کا حکم دیا ۔ محل کی خواتین بھی میرے ساتھ تھیں ۔ بڑی اچھی محفل منعقد ہوئی ۔ محفل کے ختم ہونے پر میں اعتماد الدولہ سے معذرت کرکے اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا ۔

نور محل کو نورجہاں کا خطاب :

میں نے ان ہی ایام میں حکم دیا کہ **نور محل** کو **نور جہاں بیگم** کہا جائے ۔

۱۲ **ربیع الاول ۱۰۲۵ھ** (۱۶۱۶ع) کو **اعتبار خاں** کا پیش کش نظر سے گزرا جس میں مچھلی کی شکل کا ایک برتن ، جو نہایت نفیس جواہرات سے مرصّع تھا ، اور اس کی ساخت پُر تکلّف تھی اور اس کی ظرفیت میری معتاد شراب کے مطابق تھی ، میں نے اسے دوسرے جواہر ، مرصع آلات اور نفیس کپڑوں کے ساتھ قبول کر لیا اور بقیہ اشیا واپس کر دیں ۔

بہادر خاں[1] حاکم قندھار نے سات گھوڑے عراقی اور نو نفیس کپڑوں کے تھان بھجوائے تھے ۔

۱۳ **ربیع الاول ۱۰۲۵ھ** (۱۶۱۶ع) کو **ارادت خاں** اور **راجا سورج مل ولد راجا باسو** کا پیش کش نظر سے گزرا ۔

عبدالسبحان ، جو ہزار و دو صدی ذات اور شش صد سوار کے منصب پر سرفراز تھا ، میں نے اسے ہزار و پانصدی ذات اور ہفت صد سوار کے منصب پر ترقی دی ۔

۱۵ **ربیع الاول ۱۰۲۵ھ** (۱۶۱۶ع) کو میں نے **ٹھٹھ** اور اس علاقے کی

۱۔ بہادرخاں (اوزبک) (رک : حواشی جشن دھم ، حاشیہ ۳) ۔

صوبیداری سے شمشیر خان اوزبک (۳) کو ہٹا کر وہاں کی صوبیداری مظفر خان (۴) کو عنایت کی ۔

۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو اعتقاد خان (۵) ولد اعتماد الدولہ کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ اس میں سے میں نے بتیس ہزار روپے کی مالیتی اشیاء کو قبول کیا اور باقی سب چیزیں میں نے اُسے واپس کر دیں ۔

۱۷ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں نے تربیت خان کے پیش کش کو ملاحظہ کیا ۔ جواہر اور کپڑوں میں سے سترہ ہزار روپے مالیت کی چیزیں مجھے پسند آئیں ۔

۱۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں آصف خان کے ہاں گیا اور وہیں میں نے اُس کا پیش کش دیکھا ۔ میرے دولت خانے سے اُس کے گھر تک تقریباً ایک کوس کا فاصلہ تھا ۔ نصف راستے میں اس نے مخمل زر بفت [157] ، دارائی باف زربفت [1] اور سادہ مخمل بچھایا تھا جس کی قیمت مجھے دس ہزار روپے بتائی گئی ۔ وہ پورا دن آدھی رات تک میں نے محل والوں کے ساتھ اُس کے گھر والوں میں گزارا ۔ جو پیش کش اُس نے میرے لیے تیار کیے تھے ، تفصیل سے میری نظر سے گزرے ۔ جواہر ، مرصّع آلات ، طلائی آلات اور قیمتی سامان ، جس کی قیمت ایک لاکھ چودہ ہزار روپے تھی ، اس کے علاوہ چار گھوڑے ، ایک اونٹ مجھے پسند آیا ۔

۱۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو شرف کا دن تھا ۔ اس دن شاہی محل میں عظیم الشان مجلس منعقد ہوئی ۔ نجومیوں کے پسندیدہ وقت کے مطابق جب کہ غروب آفتاب میں نصف گھڑی باقی تھی ، میں تخت پر جلوہ افروز ہوا ۔ اس نیک ساعت میں بابا خرّم نے ایک لعل پیش کیا جو نہایت مجلیٰ و مصفّیٰ تھا اور جس کی قیمت اسّی ہزار روپے تھی ۔ میں نے اس فرزند کا منصب ، جو پانزدہ ہزاری ذات اور ہشت ہزار سوار تھا ، بیست ہزاری ذات اور دہ ہزار سوار کر دیا ۔

اسی دن قمری حساب سے میرا وزن کیا گیا ۔

۱- دارائی باف زربفت : زربفت کی وہ قسم ہے جس میں پشمینے کی ایک مشہور و معروف قسم دارائی پر زرچوبی کا عمل کیا جاتا ہے ۔

اعتماد الدولہ کی سرفرازی :

اعتماد الدولہ کا منصب شش هزاری ذات و سہ هزار سوار تھا ۔ میں نے اس کو هفت هزاری ذات و پنج هزار سوار کے منصب سے سرفراز کر کے اسے تمن و توغ[1] عنایت کیا ، اور حکم دیا کہ فرزند خرم کے نقارے کے بعد اس کا نقارہ بجایا جائے ۔

تربیت خان کے منصب میں پانصدی ذات و سوار کا اضافہ کیا ؛ اس اضافے سے اس کا منصب سہ هزار و پانصدی ذات و هزار و پانصد سوار ہو گیا ۔

اعتقاد خان بھی اضافۂ هزاری ذات و سہ صد سوار سے سرفراز ہوا ۔

نظام الدین خان اصل و اضافے کے بعد هفت صدی و سہ صد سوار کے منصب سے سربلند ہوا اور بہار کی صوبیداری پر متعین کیا گیا ۔

سلام اللہ عرب کو میں نے شجاعت خان کے خطاب سے سربلند کیا اور موتیوں کے دو حلقے عنایت کیے ۔ اس عنایت کی بدولت وہ درگاہ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا ۔

میر جمال الدین حسین انجو کو میں نے عضدالدولہ کے خطاب سے سربلند کیا ۔

خسرو کے بیٹے کی ولادت :

۲۱ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو اللہ تعالیٰ نے مقیم ولد مہتر فاضل رکابدار کی بیٹی کے بطن سے خسرو کو ایک بیٹا عنایت کیا ۔

۱- تمن توغ و چتر توغ : علم کی اقسام میں سے هیں ۔ یہ انتہائی وقیع سمجھے جانے کی وجہ سے شہزادوں اور بڑے امرا کو عطا کیے جاتے تھے ۔ یہ عام علم سے چھوٹے ہوتے تھے اور ان میں پہاڑی گائے کی دم کے کئی گچھے لگائے جاتے تھے ۔ تمن توغ اور چتر توغ میں یہ فرق ہوتا تھا کہ تمن توغ ، چتر توغ سے زیادہ اونچا ہوتا تھا ۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ ”چتر توغ از عالم علم است و کوتاہ تر ازو و قطاسی چند بر افزایند ۔ تمن توغ بسان چتر توغ لیکن ازو دراز تر ۔ در علمہا این دو را پایہ برتر نہند و آخرین بہ بزرگ نوئینان اختصاص یابد “۔

الهداد افغان ، جو اطاعت اختیار کر کے انتہائی اخلاص کے ساتھ بدطینت احداد سے علیحدہ ہو چکا ہے ، میری بارگاہ میں حاضر ہوا ۔ میں نے اسے بیس ہزار درب عنایت کیے ۔

۲۵ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو راے منوہر کی وفات کی خبر ملی جو دکن کے فتح یاب لشکر میں متعین تھا ۔ میں نے اس کے بیٹے کو پانصدی ذات و سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور اسے اس کے والد کا عہدہ اور مقام عنایت کیا ۔

۲۶ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو یاد علی میدانی کا پیش کش ، جو نو گھوڑوں اور چند ترکشوں اور چار ولایتی اونٹوں پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

۲۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ایک ہاتھی بہادر خان حاکم قندھار کو اور ایک ہاتھی میر میران ولد خلیل اللہ کو اور ایک ہاتھی سید بایزید (۶) حاکم بکھر کو عنایت کیا ۔

یکم اُردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو عبداللہ خان (۷) کی التجا پر اُس کے بھائی سردار خان (۸) کو نقارہ عنایت کیا ۔

۳ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ایک مرصّع کھپوہ الہداد افغان کو عنایت کیا ۔

ان ہی دنوں خبر ملی کہ آفریدی پٹھانوں کے قبیلے پگانہ بنکانہ کا سردار قدم ، جو ہماری سلطنت کا مطیع و بہی خواہ تھا اور جس سے درۂ خیبر کی راہ داری متعلق تھی ، کسی معمولی توہم کی بنا پر دائرۂ اطاعت سے باہر ہو گیا ہے اور فساد پر آمادہ ہو گیا ہے ۔ اور اپنے لوگوں کو ہر تھانے پر حملے کرنے کے لیے بھیجا ہے ۔ جہاں کہیں بھی وہ یا اس کے آدمی پہنچے ہیں ، وہاں کے لوگوں کے غافل ہونے کی وجہ سے انھوں نے قتل و غارت گری کر کے خدا کی بہتیری مخلوق ہلاک کر دی ہے ۔

مختصر یہ کہ اس بد عقل افغان کی حرکات شنیعہ کی وجہ سے کوہستان کابل میں ایک نئی افراتفری رونما ہوگئی ۔ مجھے جب یہ خبر ملی تو میں نے قدم کے بھائی ہارون اور اُس کے بیٹے جلال کے متعلق ، جو دربار میں حاضر تھے ، حکم دیا کہ

ان کو گرفتار کر کے آصف خان کے سپرد کیا جائے تا کہ وہ ان کو قلعۂ گوالیار [158] میں قید کر دے۔

مجھے ان ایام میں کئی مرتبہ افضال و مراحمِ الٰہی اور عنایاتِ یزدانی کی علامات کے مشاہدے کا اتفاق ہوا جو تعجب سے خالی نہیں؛ وہ یہ کہ فرزند خرّم نے رانا پر فتح حاصل کرنے کے بعد اجمیر میں ایک نہایت مجلّٰی و مصفّٰی لعل، جس کی قیمت ساٹھ ہزار بتائی جاتی ہے، مجھے پیش کیا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ اس لعل کو اپنے بازو میں باندھنا چاہیے، لیکن اس بازو بند کے لیے دو نایاب، خوش نما اور آب دار موتیوں کی ضرورت تھی جو ایک ہی وزن اور حجم کے ہوں اور اس لعل کے ساتھ سجیں۔ اتفاق سے بیس ہزار روپے قیمت کا ایک اعلیٰ درجے کا موتی مقرب خان کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے نوروز کے موقع پر مجھے پیش کر دیا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا اگر دوسرا موتی بھی اسی قسم کا میسر آئے تو یہ بازو بند مکمل ہو جائے گا۔ خرّم نے، جو بچپن ہی سے میرے والد بزرگوار کی خدمت میں رہا تھا، مجھ سے عرض کیا کہ شاہی جواہر خانے میں، جو قدیم زمانے سے موتی بند پڑے ہیں، ان میں اسی وزن و حجم کا ایک موتی اس کی نظر سے گزرا ہے۔ خرّم کی نشان دہی کرنے پر قدیم زمانے کا ایک سرپیچ پیش کیا گیا جس کو دیکھنے کے بعد اسی مقدار و وزن اور حجم کا موتی دستیاب ہو گیا جس کے وزن میں اس پہلے موتی سے ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ چنانچہ جوہریوں نے اس مماثلت کو دیکھ کر بہت تعجب کیا کہ یہ دونوں موتی قیمت، حجم اور آب و تاب میں اس قدر مطابق ہیں کہ گویا ایک ہی سانچے میں ڈھالے گئے ہیں۔ میں نے یہ موتی لعل کے دونوں طرف لگوا کر اس بازو بند کو اپنے بازو پر باندھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے اپنے سر کو زمینِ عجز و نیاز پر رکھ کر یہ الفاظ شکرانہ ادا کیے:

از دست و زبان کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

■ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو مرتضیٰ خان کے لاہور سے بھیجے ہوئے تیس گھوڑے عراقی اور ترکی میری نظر سے گزرے۔

خان دوران کا کابل سے بھیجا ہوا پیش کش نظر سے گزرا۔ اس میں تریسٹھ

گھوڑے ، پندرہ اونٹ اور اونٹنیاں اور ایک کلغیوں کا دستہ ، نو عدد عاقری[1] ، نو عدد چینی خطائی اور نو عدد دندان ماهی جواهر دار اور تین بندوقوں کے قبضے اور دوسری اشیا تھیں ۔

مقرب خان نے حبشے کے هاتھیوں میں سے ایک هاتھی[2] پیش کیا جو بحری راستے سے جہاز میں لایا گیا تھا ۔ یہ هاتھی اپنی خلقت کے لحاظ سے بعض اعضا میں هندوستانی هاتھیوں سے تفاوت رکھتا ہے ۔ منجملہ اُن کے اس کے کان یہاں کے هاتھیوں کے کانوں سے بڑے هیں اور اس کی دُم اور سونڈ بھی یہاں کے هاتھیوں سے لمبی ہے ۔

میرے والد بزرگوار کے زمانے میں اعتماد خان گجراتی (۹) نے ایک هاتھی کا بچہ بطور پیش کش بھیجا تھا ۔ یہ بہ تدریج بڑا هو کر نہایت تند و تیز اور بد مزاج نکلا ۔

۷ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو مظفر خان حاکم ٹھٹھ کو میں نے ایک مرصّع خنجر عنایت کیا ۔

عبدالسبحان کی وفات :

ان هی دنوں خبر پہنچی کہ بگانہ و بنکانہ قبیلے کے افغانوں نے خان عالم کے بھائی عبدالسبحان کا ، جو ایک تھانے پر متعین تھا ، محاصرہ کر لیا ۔ عبدالسبحان اور دوسرے منصب داروں اور ملازموں نے ، جو اس کے ساتھ متعین تھے ، اپنی قلت کی پروا نہ کی اور اپنی شجاعت کے جوهر دکھائے ۔ آخر اس مصرعے کے مقتضا کے مطابق :

پشہ چوں پر شد بزند فیل را

ان اکتّوں نے موقع پا کر عبدالسبحان کو اس کے چند آدمیوں کے ساتھ شہید کر دیا ۔ میں نے تعزیت کے طور پر ایک فرمان خلعت خاص کے ساتھ خان عالم

۱- انگریزی مترجم بیورج کے نزدیک یہ لفظ فغفوری ہے ، یعنی چین کی مصنوعات تھیں ۔

۲- یہ هاتھی جہانگیر کی پیدائش سے پہلے اکبر کی خدمت میں پیش هوا تھا ۔ (رک : اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۳۱۵) ۔

کو جو ایران کی سفارت پر متعین تھا ، ارسال کیا ۔

۱۴ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو مکرم خان ولد معظم خان کا بنگال سے بھیجا ہوا پیش کش نظر سے گزرا جو وہاں کی مختلف اجناس و اشیاء پر مشتمل تھا ۔

گجرات کے بعض جاگیرداروں کے منصب میں میں نے اضافے کا حکم دیا ۔ ان میں سے سردار خان کو ، جو ہزاری ذات و پانصد سوار [159] کے منصب پر فائز تھا ، ہزار و پانصدی ذات و سہ صد سوار کے منصب پر ترقی دی اور ایک علم عنایت کیا ۔

سید قاسم ولد سید دلاور بارھہ کو اصل و اضافے کے بعد ہشت صدی و چہار صد و پنجاہ سوار کے منصب سے اور احمد قاسم کوکہ کے بھتیجے یار بیگ کو منصب شش صدی ذات اور دو صد پچاس سوار کے منصب سے ممتاز کیا ۔

۱۷ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو رزاق مروی اوزبک کی وفات کی خبر ملی جو دکن کے لشکر میں متعین تھا اور سپہ گری کے رموز خوب جانتا تھا ، اور ماوراء النہر کے مشہور امرا کے طبقے سے تھا ۔

۲۱ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں نے الہداد افغان کو خان کے خطاب سے نواز کر اس کا منصب ، جو ہزاری ذات و شش صد سوار پر مشتمل تھا ، دو ہزاری ذات و ہزار سوار کر دیا ۔

خان دوران کو تین لاکھ روپے کا انعام :

خان دوران کے لیے ، جس نے افغانوں کی شورش میں غیر معمولی خدمات انجام دی تھیں ، میں نے لاہور کے خزانے سے تین لاکھ روپے بطور انعام و مدد خرچ مقرر کیے ۔

۲۸ اردی بہشت ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو کنور کرن اپنی شادی کے لیے اپنے وطن روانہ ہوا ۔ میں نے رخصت کے وقت اسے خلعت ، عراقی گھوڑا زین سمیت اور ہاتھی اور مرصع خنجر عنایت کیا ۔

مرتضیٰ خان کی وفات :

۳ ماہ خورداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو مرتضیٰ خان کی وفات کی خبر ملی ۔ وہ اس سلطنت کے قدیم ملازموں میں سے تھا ۔ میرے والد بزرگوار نے اس کی

پرورش کر کے اس کو معتمد اور معزز امرا کے زمرے میں شامل کیا تھا ۔ میری حکومت کے زمانے میں بھی اس نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں ۔ اسی نے خسرو کو مغلوب کیا تھا ۔ اس کا منصب شش ہزاری ذات و پنج ہزار سوار تک پہنچ گیا تھا ۔ اس زمانے میں جب کہ وہ پنجاب کا صوبے دار تھا ، اس نے قلعۂ کانگڑا کو فتح کرنے کا عہد کیا تھا جو پنجاب کے کوہستانی علاقے میں واقع ہے ، اور اس کا استحکام ایسا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مستحکم قلعے بھی اس کو نہیں پہنچتے ۔ وہ وہاں پہنچ کر اس مہم میں مشغول ہو گیا تھا ۔ اس بری خبر سے مجھے بہت صدمہ پہنچا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے ہی خواہ سلطنت کی وفات سے صدمہ ہونا ہی چاہیے ۔ چوں کہ اس نے سلطنت کی بہی خواہی میں ایک عمر گزاری تھی ، میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کے لیے دعا کی ۔

۴ خورداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں نے سید نظام کے اصل منصب میں اضافہ کر کے اس کا منصب نہ صدی ذات و شش صد و پنجاہ سوار کر دیا ۔

ایلچیوں کے استقبال کی خدمت میں نے نورالدین قلی کے سپرد کی ۔

سیف خاں بارھہ کی وفات :

۷ خورداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو سیف خاں بارھہ کی وفات کی خبر ملی ۔ وہ بڑا جواں مرد اور تجربہ کار شخص تھا ۔ خسرو کی جنگ میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیں تھیں ۔ اس نے دکن میں مرض ہیضہ سے وفات پائی ۔ میں نے اس کے بیٹوں کو کئی مراعات سے سرفراز کیا ۔ علی محمد کو جو اس کی اولاد میں بڑا تھا ، سہ صدی ذات اور چہار صد سوار کے منصب سے اور اس کے دوسرے بھائی بہادر نامی کو چہار صدی ذات اور دو صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔ اور سید علی کے منصب میں ، جو اس کا بھتیجا تھا ، اضافہ کر کے اس کا منصب پانصدی ذات و سوار کر دیا ۔

اسی زمانے میں میں نے شہباز خاں کنبوہ کے بیٹے خوب اللہ کو رنباز خاں کا خطاب دیا ۔

۸ خورداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ہاشم خاں کا منصب اصل و اضافے کے بعد دو ہزار و پانصدی ذات و یک ہزار سوار مقرر ہوا ۔

اسی تاریخ میں نے الہداد افغان کو ایک ہزار بیس درب[1] عنایت کیے ۔

راجا بکرماجیت کے قصور کی معافی :

ریاست ماندھو کا راجا بکرماجیت ، جس کے آبا و اجداد ہندوستان کے معزز زمینداروں میں ہیں ، بابا خرّم کے توسط سے حاضر ہو کر آداب کورنش بجا لایا ۔ میں نے اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا ۔

۹ خورداد ۲۵ • ۱ ھ (۱۶۱۶ ع) کو کلیان جیسلمیری (۱۰) نے ، جس کے لانے کے لیے راجا کشن داس (۱۱) بھیجا گیا تھا ، حاضری کی سعادت حاصل کی اور ایک سو اشرفیاں اور ہزار روپے بطور نذر گزرانے ۔ اس کا بڑا بھائی راول بھیم (۱۲) صاحب ریاست تھا : جب وہ فوت ہوا تو اس نے ایک لڑکا دو ماہ کا چھوڑا تھا ، وہ بھی چند روز کے بعد فوت ہو گیا ۔ میں نے اپنی شاہزادگی کے زمانے میں اپنے لیے اس کی لڑکی کی خواستگاری کی تھی اور شادی کے بعد اس کو ملکۂ جہاں [160] کا خطاب دیا تھا ۔ چوں کہ اپنے آباء و اجداد کے زمانے سے یہ لوگ اس سلطنت کے بہی خواہ رہے ہیں ، اس کے علاوہ اس خاندان میں میری شادی بھی ہوئی ہے ، اسی تعلق کی بنا پر میں نے کلیان مذکور کو جو راول بھیم کا بھائی تھا ، بلا کر اسے راجا کی جانشینی اور راول کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

مرتضیٰ خاں کی وفات کے بعد راجا مان (۱۳) سے سلطنت کی ایک خاص وفادارانہ خدمت ظہور میں آئی ؛ وہ یہ کہ اس نے قلعۂ کانگڑا کے لوگوں کو تسلی و دلاسا دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ وہاں کے راج کمار کو ، جس کی عمر انتیس سال کی ہے ، ہماری بارگاہ میں لائیں ۔ میں نے اس کی اس دلیرانہ خدمت کے صلے میں اس کا منصب ، جو ہزاری ذات و ہشت صد سوار پر مشتمل تھا ، ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار کر دیا ۔

خرّم کی لڑکی کی وفات :

اسی دن ایک خاص الم‌انگیز واقعہ رونما ہوا ؛ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اسے ضبطِ تحریر میں لاؤں مگر ہاتھ و دل کام نہیں دیتے تھے ۔ جب میں قلم

۱- درب : اس زمانے کا ایک سکہ تھا جو نصف روپے کے برابر ہوتا تھا ۔

ہاتھ میں لیتا تھا ، میری حالت متغیر ہو جاتی تھی ۔ مجبوراً میں نے اعتمادالدولہ کو حکم دیا کہ وہ لکھے ۔

اعتمادالدولہ کی تحریر :

''مرید با اخلاص اعتمادالدولہ حسب الحکم اس جریدۂ شاہی میں لکھتا ہے کہ ۱۱ خورداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو شہزادۂ بلند اقبال شاہ خرّم کی لڑکی، جس سے بندگان حضرت انتہا درجے کی محبت و الفت رکھتے تھے ، بخار میں مبتلا ہوئی اور تین روز کے بعد اس کے تمام بدن پر آبلے پڑ گئے ۔ بتاریخ ۲۶ ماہ خورداد بروز چہار شنبہ مطابق ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو اس کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کر کے جنت کی راہ لی ۔ اس تاریخ سے شاہی حکم ہوا کہ آیندہ سے چہار شنبہ کو کم شنبہ کہا جائے ۔ میں کیا لکھوں کہ حضرت ظل الٰہی پر اس جاں سوز اور روح فرسا واقعے کے پیش آنے سے کیا گزری ۔ جب جان جہان شہنشاہ کا غم و الم سے یہ حال تھا تو دوسرے لوگوں کا کہ جن کی زندگی اس قدسی صفات سے وابستہ ہے ، کیا حال ہوا ہوگا ۔ اس غم و اندوہ کی وجہ سے دو دن تک بارگاہ شاہی میں بندگان سلطنت بار نہ پا سکے اور اس گھر میں ، جہاں اس طائر بہشتی کے بیٹھنے اٹھنے کی جگہ تھی ، حکم ہوا کہ اس کے سامنے دیوار کھینچ دی جائے تاکہ وہ غم انگیز منظر دکھائی نہ دے ۔ اس کے ساتھ دو دن تک دربار کی آمد و رفت بھی موقوف رہی ۔

تیسرے روز بے تابی کے عالم میں آپ شاہزادۂ والا قدر کے محل میں تشریف لائے ۔ وہیں بندگان بارگاہ نے کورنش کی سعادت سے سرفراز ہو کر نئی زندگی حاصل کی ۔ راستے میں آتے ہوئے اعلیٰ حضرت ہرچند ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے ۔ مدت مدید تک یہ کیفیت رہی کہ کوئی ایسی بات ، جو درد آمیز ہوتی ، سنتے تو اعلیٰ حضرت کی حالت متغیر ہو جاتی ۔ آپ چند دن تک شاہزادے کے محل میں رہ کر پیر کے دن تیر ماہ الٰہی میں آصف خاں کے محل میں تشریف لائے ۔ وہاں سے چشمۂ اور

۱- اس لڑکی کا نام چمنی بیگم تھا اور اجمیر شریف میں حضرت خواجۂ بزرگ کے روضے میں دفن ہوئی ۔ چیچک سے اس کا انتقال ہوا تھا ۔

تشریف لے گئے۔ دو تین روز تک وہاں آپ نے خود کو تفریحات میں مشغول رکھا۔ لیکن جب تک اجمیر میں قیام رہا ضبط کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جب بھی کسی سخن آشنا کی بات کان میں پڑتی، بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے جنہیں دیکھ کر جاں نثاروں کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا۔ مگر جب اعلیٰ حضرت کی سواری دکن کی طرف متوجہ ہوئی تو قدرے سکون حاصل ہوا۔

اسی تاریخ کو پرتھی چند ولد رائے منوہر کو رائے کا خطاب اور منصب پانصدی ذات اور چہار صد سوار دئے۔ کر اس کے وطن میں اس کو جاگیر عطا کی۔"

۱۱ تیر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ہفتے کے روز چشمۂ نور سے واپس ہو کر اجمیر میں اپنے دولت خانے کو واپس ہوا۔

شاہ شجاع کی پیدائش:

۱۲ تیر بروز اتوار ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کی رات کے سینتیس پل گزرنے کے بعد ہندو منجموں کے حساب کے مطابق قوس طالع ستائیسویں درجے میں [161] اور یونانی نجومیوں کے حساب کے مطابق جدی کے پندرھویں درجے میں تھا کہ آصف خاں کی بیٹی کے بطن سے ایک "در گراں مایہ عالم وجود میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس عطیے کی مسرت میں نقارے بجائے گئے تا کہ عیش و مسرت کا دروازہ لوگوں پر کھل جائے۔ بغیر کسی تامل و فکر کے اس کا نام شاہ شجاع (۱۴) زبان پر آیا۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس کا قدم ہمارے اور اس کے باپ کے لیے مبارک ہوگا۔

۱۲ تیر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میں نے ایک مرصع قبضۂ شمشیر اور ایک ہاتھی راول کلیان جیسلمیری کو عنایت کیا۔

خواص خان کی وفات:

ان ہی دنوں خواص خان کی وفات کی خبر ملی جس کی جاگیر قنوج میں تھی۔

گجرات کے دیوان رائے کنور کے لیے میں نے ایک ہاتھی بھیجا۔

اسی مہینے کی بائیسویں تاریخ کو راجا سہا سنگھ کے منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کیا جس کے بعد اس کا منصب چہار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار ہو گیا۔

منصب علی خان تتاری کو، جو اس سے قبل نصرت خان کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا اور اس کا منصب دو ہزاری ذات و پانصد سوار مقرر کیا گیا تھا، علم عنایت کیا ۔

حضرت خواجہ معین الدین کے مزار پر جالی کی تنصیب :

بعض مقاصد کے پورا ہونے پر میں نے نذر مانی تھی کہ خواجۂ بزرگوار کے مزار پر سونے کی جالی چڑھاؤں گا ۔ چناں چہ یہ جالی اس ماہ کی ستائیسویں تاریخ کو تیار ہو گئی ۔ میں نے حکم دیا کہ مزار مبارک پر جالی نصب کر دیں ۔ ایک لاکھ اور دس ہزار روپے میں اس کی تکمیل ہوئی ۔

سلطان پرویز کا صوبیداریِ الہ آباد پر تعین :

چوں کہ سلطان پرویز میری منشا کے مطابق دکن کے لشکر کی سرداری و سرکردگی کے فرائض انجام نہ دے سکا تھا، اس لیے مجھے خیال ہوا کہ فرزند مذکور کو طلب کرکے اس کی بجائے بابا خرم کو ہراول کے طور پر دکن روانہ کیا جائے، کیونکہ اس کے حالات سے سعادت اور کارکردگی کے آثار نمایاں ہیں ۔ اور میں خود بھی اس کے پیچھے بنفس نفیس روانہ ہوں تاکہ یہ مہم اسی حملے میں اتمام کو پہنچ جائے ۔ اس قرار داد کے مطابق اس سے قبل پرویز کے نام فرمان صادر کیا گیا تھا کہ وہ صوبۂ الہ آباد روانہ ہو جائے چوں ممالک محروسہ کے وسط میں واقع ہے ۔ جب تک ہم اس مہم میں مصروف ہوں، وہ اس ملک کی حفاظت و نگہبانی کے فرائض انجام دے ۔

۲۹ ماہ تیر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو بہاری داس واقعہ نویس برہان پور کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ شاہزادہ پرویز ۲۰ تیر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو بہ خیر و خوبی شہر سے روانہ ہو کر صوبۂ مذکور کی طرف روانہ ہو چکا ہے ۔

یکم ماہ امرداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میرزا راجا بھاؤسنگھ (۱۵) کو ایک مرصع طرہ عنایت کیا اور پہلوان درگاہ کو ہاتھی عنایت ہوا ۔

۱۸ ماہ امرداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو لشکر خان کے بھیجے ہوئے چار گھوڑے نظر سے گزرے ۔

میر مغل ، فوجداریِ سرکار سنبھل پر مامور کیا گیا جو سید عبدالوارث کے

تبادلے کی وجہ سے خواص خاں کی جگہ پر سرکار قنوج کی حکومت پر مامور کیا گیا تھا اور اس کا منصب مذکورہ خدمت کی شرط کے ساتھ پانصدی ذات و سوار قرار پایا۔

۲۱ ماہ امرداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو راول کلیان جیسلمیری کا پیش کش نظر سے گزرا جس میں تین ہزار مُہریں، نو گھوڑے، پچیس اونٹ اور ایک ہاتھی شامل تھا۔

قزلباش خاں کا منصب اصل و اضافے کے بعد ہزار و دو صدی ذات اور ہزار سوار مقرر ہوا۔

۲۳ امرداد ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو شجاعت خاں نے اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت حاصل کی تاکہ وہ وہاں جا کر اپنی خدمت اور جاگیر کا انتظام کر کے مقررہ میعاد کے بعد لوٹ آئے۔

وبا کا پھیلنا :

اس سال بلکہ جلوس کے دسویں سال کے وسط میں ہندوستان کے بعض شہروں میں ایک عظیم وبا (۱۶) پھیلی۔ اس بلا کی ابتدا پنجاب کے بعض پرگنوں سے ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ شہر لاہور میں پھیل گئی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی کثیر آبادی اس بیماری میں ضائع ہوئی۔ اس کے بعد یہ وبا سرہند اور دوآبۂ دھلی اور دھلی کے اطراف کے پرگنوں میں پھیل گئی اور اس کی وجہ سے اس اطراف کے گاؤں اور پرگنے ویران ہو گئے۔ آج کل یہ وبا بہت کچھ کم ہو گئی ہے [162]۔ ضعیف اور عمر رسیدہ لوگوں اور عہد سلف کی تواریخ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ وبا اس ملک میں کبھی نہیں آئی۔ میرے دریافت کرنے پر بعضوں نے اس وبا کے پھیلنے کی وجہ یہ بتائی کہ متواتر دو سال تک بارش نہیں ہوئی اور موسم بالکل خشک ہو گیا۔ بعضوں نے کہا کہ خشکی اور بارش کی کمی کی وجہ سے ہوا میں عفونت پھیل گئی۔ اسی کی وجہ سے یہ وبا پیدا ہوئی۔ بعضوں نے اس وبا کے پھیلنے کے دوسرے اسباب بھی بیان کیے۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ انسان کو تقدیرِ الٰہی کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے :

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرمان را

۵ ماہ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میر میراں کی والدہ کے لیے، جو

شاہ اسماعیل ثانی کی بیٹی ہے ، پانچ ہزار روپے بطور مدد خرچ روانہ کیے ۔ یہ روپے سوداگروں کے ہاتھ عراق بھجوائے گئے ۔

۶ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو عابد خان بخشی اور واقعہ نویس احمدآباد کی عرض داشت پہنچی ۔ اس میں یہ شکایت تھی کہ عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ ان واقعات کے پرچۂ واقعہ نویسی میں اندراج کی وجہ سے جن کا اندراج وہ نہیں چاہتا تھا ، مجھ سے لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو گیا اور لوگوں کو میرے مقابلے کے لیے بھیج دیا اور مجھے بے عزت کر کے اپنے گھر لے گیا ، اور ایسی ویسی بہت سی باتیں کیں ۔ یہ بات مجھے سخت ناگوار ہوئی ۔ میں نے ارادہ کیا کہ ایک ہی بار میں اسے نظر انداز کر کے قتل کرا دوں ۔ آخرالامر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے میں دیانت خان کو احمد آباد بھیجوں تاکہ وہ وہاں پہنچ کر غیر جانب دار لوگوں سے اس معاملے کی تحقیق کرے ۔ اگر یہ امر ثابت ہو جائے جیسا کہ عابد خان نے لکھا ہے ، تو وہ عبداللہ خان کو اپنے ہمراہ میرے حضور میں لائے اور احمدآباد کا نظم و نسق اس کے بھائی سردار خان کے سپرد کرے ۔ دیانت خان کے روانہ ہونے سے قبل یہ خبر فیروز جنگ کو مل گئی اور وہ پریشان اور مضطرب ہو گیا اور خود کو مجرم اور گنہگار ٹھہرا کر میرے حضور میں حاضر ہونے کے لیے پیدل روانہ ہو گیا ۔ راستے میں دیانت خان کی اس سے ملاقات ہوئی ۔ اس وقت وہ عجیب پریشانی کے عالم میں تھا ۔ پاپیادہ چلنے کی وجہ سے اس کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے ۔ دیانت خان نے اس کے لیے سواری کا انتظام کیا اور اسے ہمراہ لے کر میری بارگاہ میں واپس آیا ۔

صوبے داری گجرات پر مقرب خان کا تقرر :

چوں کہ عبداللہ خان سے اس قسم کی حرکتیں سرزد ہو چکی تھیں مجھے ، خیال ہوا کہ کیوں نہ مقرب خان کی ، جو میرے قدیم ملازموں میں ہے اور وہ میری شاہزادگی کے زمانے ہی سے صوبے داری گجرات کی استدعا کرتا تھا ، پرانی آرزو بر لاؤں اور اس کو بجائے خان مذکور کے احمد آباد بھیج دوں ۔ چنانچہ انہی ایام کی پسندیدہ ساعت میں میں نے اسے گجرات کی حکومت اور صوبۂ مذکور کی صوبے داری سپرد کر کے ظاہری اور باطنی حیثیت سے کامیاب اور بامراد کر دیا ۔

۱۰ ماہ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو بہادر خان کے منصب میں جو

چہار ہزاری ذات و سہ ہزار سوار تھا ، پانصدی ذات کا اضافہ کیا ۔

شوقی طنبورہ نواز کو خطاب :

شوقی طنبورہ نواز کو ، جو یکتائے روزگار ہے اور جو ہندی اور فارسی کے نغمے اس طرح بجاتا ہے کہ دلوں سے فکر و غم کے زنگ دھو دیتا ہے ، آنند خاں کا خطاب دے کر اُسے خوش و خرم کر دیا ۔ آنند ہندی زبان میں راحت اور آرام کو کہتے ہیں ۔ آنند خاں ہندوستان میں تیر کے مہینے کے صرف آخری دنوں تک قیام کرتا ہے ۔

مقرب خاں نے پرگنۂ کیرانہ میں ، جو اس کے آبا و اجداد کا وطن ہے ، باغات لگائے ہیں ۔ اس مرتبہ اُس نے ان باغوں میں آموں کی حفاظت کا ایسا انتظام اور سامان کیا ہے کہ آم کی فصل گزر جانے کے بعد بھی اُن میں دو ماہ تک آم رہتے ہیں اور ہر روز وہاں سے تازہ آم سرکاری میوہ خانے کو پہنچتے ہیں ۔ چوں کہ یہ بات عجیب تھی اس لیے یہاں لکھ دی گئی ۔

۱۸ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو لعل بے بہا نامی ایک بے مثل عراقی گھوڑا شریف خدمت گار کے ذریعے فرزند پرویز کے لیے بھیجا گیا ۔

رانا اور اس کے بیٹے کے مجسمے :

میں نے چابک دست سنگ تراشوں کو حکم دیا کہ وہ رانا اور اس کے بیٹے کرن کے مجسمے سنگ مرمر سے ان کے قد اور صورت و وضع کے مطابق تراشیں ۔ اسی تاریخ میں یہ مجسمے مکمل ہوئے [163] اور میرے ملاحظے سے گزرے ۔ میں نے حکم دیا کہ انھیں آگرے لے جا کر جھروکۂ درشن کے پائیں باغ میں نصب کریں ۔

مجلس شمسی کا انعقاد :

۲۶ ماہ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو میرے وزن شمسی کی محفل مقررہ طریقے پر منعقد ہوئی ۔ پہلی مرتبہ کے تول میں چھ ہزار پانسو چودہ تولے سونا وزن میں آیا ۔ پھر مجھے بارہ مرتبہ تولا گیا اور ہر تول ایک علیحدہ جنس میں ہوتا ہے ۔ چناں چہ دوسرا وزن پارے میں ، تیسرا وزن ابریشم میں ، چوتھا وزن اقسام عطریات میں ، جس میں عنبر و مشک سے لے کر صندل ، عود ، اور پان

وغیرہ شامل ہیں ، غرض کہ اسی طریقے پر بارہ وزن پورے کیے جاتے ہیں ۔ اور سنین عمر کی تعداد کے مطابق ایک بکرا اور ایک مرغ اپنے ہاتھ سے فقرا اور درویشوں کو دیے جاتے ہیں ۔ یہ طریقہ میرے والد بزرگوار کے زمانے سے آج تک اس سلطنت میں چلا آ رہا ہے ۔ وزن کے بعد یہ تمام اجناس جن کی قیمت تقریباً ایک لاکھ روپے ہوتی ہے ، فقرا اور محتاجوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں ۔

اسی دن وہ لعل میری نظر سے گزرا جو مہابت خاں نے برہان پور میں عبداللہ خاں فیروز جنگ سے پینسٹھ ہزار روپے میں خریدا تھا ۔ یہ نہایت خوش نما لعل ہے اور مجھے بہت پسند آیا ۔

خان اعظم کا منصب خاص میری تجویز سے ہفت ہزاری ذات مقرر ہوا ۔ اور میں نے محکمہ جات دیوانیاں کو حکم دیا کہ وہ اس منصب کے مطابق اس کو جاگیر تنخواہ میں دیں ۔

بعض مقدمات کی وجہ سے دیانت خاں کے منصب میں کمی کر دی گئی تھی ۔ اعتماد الدولہ کی سفارش پر اس کا منصب بحال کر دیا گیا ۔

عضد الدولہ کو ، جسے صوبۂ مالوہ میں جاگیر ملی تھی ، میں نے گھوڑا اور خلعت عنایت کرکے رخصت کیا ۔

راول کلیان جیسلمیری کا منصب دو ہزاری ذات اور ہزار سوار مقرر ہوا اور حکم دیا کہ اس کی ریاست اس کی جاگیر اور تنخواہ میں دی جائے ۔ چوں کہ اس کے روانہ ہونے کی یہی تاریخ تھی لہٰذا میں نے اسے ایک گھوڑا ، ایک ہاتھی ، مرصع شمشیر ، مرصع کھپوہ ، خلعت اور پرم نرم خاصہ عنایت کیا ، اور وہ اس مسرت اور سرفرازی کے ساتھ اپنے وطن رخصت ہوا ۔

۳۱ ماہ شہریور ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو مقرب خاں ، احمد آباد رخصت ہوا ۔ اس کا منصب جو پنج ہزاری ذات اور دو ہزار و پانصد سوار تھا ، پنج ہزاری ذات و پنج ہزار سوار قرار پایا اور خلعت خاص نادری سے سرفراز ہوا جس کے بٹن بے نظیر موتیوں سے بنے ہوئے ہیں ۔ شاہی طویلے کے دو گھوڑے ، شاہی فیل خانے کا ایک ہاتھی اسے عنایت کیا ۔ اور اس خوشی و خرمی کے ساتھ وہ اپنے صوبے کی طرف روانہ ہوا ۔

۱۱ ماہ مہر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو جگت سنگھ ولد کنور کرن نے

اپنے وطن سے آ کر شرف باریابی حاصل کیا ۔

۱۶ ماہ مہر ۲۵ ۱۰ھ (۱۶۱۶ع) کو میرزا علی بیگ اکبر شاہی اودھ سے واپس آیا جو اس کی جاگیر میں تھا اور شرف باریابی حاصل کر کے ایک ہزار روپے بطور نذر پیش کیے ، اور ایک ہاتھی گزرانا جو اس نواح کے ایک زمین دار کے پاس تھا ، اور جس کے متعلق حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کو زمیندار سے لے کر ملاحظے میں پیش کرے ۔

۲۱ ماہ مہر ۲۵ ۱۰ھ (۱۶۱۶ع) کو حاکم گولکنڈہ قطب الملک (۱) کا پیش کش ، جو بعض مرصع آلات پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

سید قاسم بارھہ کا منصب اصل و اضافے کے بعد ہزاری ذات و شش صد سوار مقرر ہوا ۔

وفات میرزا علی بیگ :

۲۲ مہر ۲۵ ۱۰ھ (۱۶۱۶ع) کو جمعہ کی شب میں میرزا علی بیگ نے وفات پائی ۔ اس کا سن پچھتر سال سے متجاوز ہو چکا تھا ۔ اس سلطنت میں اس نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں ۔ اس کا منصب رفتہ رفتہ چار ہزاری تک پہنچ گیا تھا ۔ وہ قبیلے (تیموری) کا سربرآوردہ ، جوان ، فطرت اور شریف النفس انسان تھا ۔ اس نے کوئی آل اولاد نہیں چھوڑی ۔ موزوں طبع تھا ۔ اس زمانے میں جب کہ وہ خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا ، وہیں وفات پائی [164] اس لیے میں نے حکم دیا کہ اسے اسی متبرک مقام میں دفن کیا جائے ۔

شیر علی پہلوان کی کشتی :

میں نے جب عادل خاں بیجا پوری[1] کے ایلچیوں کو رخصت کیا تھا تو ان سے کہا تھا کہ اگر ان کے ملک میں کوئی مشہور پہلوان اور سرکردہ شمشیر باز ہو تو وہ انھیں ہمارے پاس ارسال کرنے کے لیے عادل خاں سے کہیں ۔ ایک مدت کے بعد جب وہ ایلچی بیجا پور سے واپس آئے تو اپنے ساتھ شیر علی نامی ایک

---

(۱) عادل خاں سے مراد ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے ۔

مغل زادے کو جو بیجا پور ہی میں پیدا ہوا تھا اور کشتی میں پوری مہارت رکھتا تھا ، اور چند شمشیر بازوں کو ساتھ لائے ۔ شمشیر باز تو راحت طلب اور تن آسان نکلے لیکن شیر علی کی میں نے اپنے پہلوانوں سے ، جو میری ملازمت میں تھے ، کشتی کرائی ۔ ان میں سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا ۔ میں نے اسے خلعت اور ہزار روپے اور ہاتھی عنایت کیا ۔ بہت ہی اچھی کاٹھی ، متناسب اعضا اور طاقت ور انسان ہے ۔ میں نے اسے اپنی ملازمت میں رکھ کر **پہلوان پائے تخت** (۱۸) کا خطاب دیا اور منصب و جاگیر سے نواز کر پوری پوری رعایتیں دیں ۔

۲۴ ماہ مہر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو **دیانت خان** نے جو **عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ** کے لانے کے لیے متعین کیا گیا تھا ، حاضر ہو کر شرف باریابی حاصل کیا اور ایک سو مُہریں نذر گزرانیں ۔

اسی تاریخ **رام داس ولد راجا راج سنگھ** کو ، جو راجپوت اُمرا میں سے ہے اور جس کے باپ نے **دکن** کی مہم میں خدمت کرتے ہوئے وفات پائی تھی ، میں نے منصب ہزاری ذات و پانصد سوار سے سرفراز کیا ۔

چونکہ **عبداللہ خان** سے کئی خطائیں سرزد ہوتی تھی ، اس نے **بابا خُرّم** کو اپنی سفارش کا ذریعہ بنا کر اپنے گناہوں کی معافی چاہی ۔ میں نے **بابا خُرّم** کی سفارش پر اسے **کورنش** (۱۹) بجا لانے کا حکم دیا ۔ وہ نہایت ہی شرمندگی اور خجالت کے ساتھ حاضر ہوا اور ایک سو مُہریں اور ایک ہزار روپے نذر گزرانے ۔

چوں کہ **عادل خان** کے ایلچیوں کے آنے سے پہلے میں نے طے کیا تھا کہ **بابا خُرّم** کو بطور ہراول **دکن** روانہ کر کے میں خود بھی اس مہم پر روانہ ہوں اور اس مہم میں جو بعض وجوہ سے تاخیر میں پڑ گئی تھی ، انھیں دور کر کے ایک نئی صورت دوں ، اس بنا پر میں نے حکم دیا تھا کہ حکام **دکن** کی مہم کے معاملات کو **شاهزاده خرم** کے علاوہ اور کوئی میرے سامنے پیش نہ کرے ۔ اسی دن شاهزادہ ایلچیوں کو میرے حضور میں لایا اور وہ معروضے پیش کیے جو ایلچی اپنے ساتھ لائے تھے ۔

مرتضیٰ خان کی وفات کے بعد **راجا مان سنگھ** اور دوسرے اکثر سردار ، جو اس کی کمک پر مامور تھے ، میری بارگاہ میں آئے ہوئے تھے ۔ اسی تاریخ میں نے **راجا مان سنگھ** کو **اعتماد الدولہ** کے التماس پر **قلعۂ کانگڑا** کی تسخیر کے لیے

مامور کر دیا اور ان تمام لوگوں کو جو اس کے ساتھ آئے تھے، اس کے ہمراہ کر کے ہر ایک کو اس کے مناسب حال اور مرتبے کے مطابق گھوڑے، ہاتھی، خلعت اور روپے دیے اور ان کو بہت خوش کر کے رخصت کیا۔

چند روز کے بعد عبداللہ خان کو جو نہایت دل شکستہ اور آزردہ خاطر تھا، بابا خرم کی سفارش پر میں نے مرصع خنجر عنایت کر کے حکم دیا کہ اس کا منصب حسب دستور سابق بحال کر کے شاہزادہ خرم کی ملازمت میں اس کو مہم دکن پر ناموز کیا جائے۔

۳ ماہ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو وزیر خان کا منصب، جو بابا پرویز کی ملازمت میں تھا، اصل و اضافے کے بعد دو ہزاری ذات و ہزار سوار کر دینے کا حکم دیا۔

خسرو کی حفاظت و نگرانی :

خسرو کی نگرانی و حفاظت پر انیرائے سنگھ دلن متعین تھا لیکن ۴ ماہ آبان کو بعض مصالح کی بنا پر اس کی محافظت و نگرانی آصف خاں کے سپرد کر کے اسے خاص شال عنایت کی۔

شاہ ایران کے ایلچی کی حاضری :

۷ ماہ آبان مطابق ۱۷ شوال ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو محمد رضا بیگ نے جو شاہ ایران کی طرف سے ایلچی کے طور پر بھیجا گیا تھا، شرف باریابی حاصل کیا، اور کورنش و سجدہ و تسلیم کی رسم بجا لایا اور وہ مکتوب پیش کیا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ وہ گھوڑے اور تحائف پیش کرے جو وہ اپنے ہمراہ لایا ہے۔ شاہ ایران نے جو پیغام زبانی بھیجا اور جو کچھ لکھا تھا، وہ سب کا سب صداقت، محبت اور دوستی پر مبنی تھا۔ میں نے اسی روز اس ایلچی کو مرصع تاج اور خلعت [165] عنایت کیا۔ چوں کہ شاہ ایران نے خط میں غیرمعمولی دوستی اور محبت کا اظہار کیا تھا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اسے بجنسہ جہانگیر نامہ میں نقل کر دوں۔

شاہ ایران کا خط :

''اخلاص و عقیدت کے بوستان کی شادابی اور اعتقاد و عقیدت کے بہارستان

کی تروتازگی اُس معبودِ حقیقی کی حمد و ستائش کے ساتھ وابستہ ہے جس نے برگزیدگانِ عرصۂ فرمان روائی کے افسر دولت و اقبال اور شاہ سوارانِ میدان جہاں کشائی کے تاج سلطنت کو اپنی لامتناہی تائید و توفیق کے جواہر سے آراستہ کر کے اپنے بدرقۂ توفیق کے ساتھ ان تاجداروں کو دین و دولت کی ترویج اور ملک و ملت کو نظم و نسق کی شاہراہ پر گامزن کرنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ لیکن چوں کہ ذہن و فکر انسانی اپنی تمام وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود اس ذات سبحانہ کے مراتب ستائش میں سے شمّہ بھر کا احاطہ نہیں کر سکتا ، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ قیاس و اندیشے کو اس خیرت افزا دشت سے روک کر حضرت سلطان الرسل ، ہادی سبل ، سیدالکل فی الکل ، اور حضرات ائمۂ ہدیٰ ، شفیعانِ روز جزاء خصوصاً شاہ اولیا ، سرور اصفیا علیہم من الصلواۃ ازکیھا کے دامن مقدسہ کی طرف شفاعت کا ہاتھ بڑھائے جو مکرمت ربانی کے دریاؤں کے غواص اور مرحمت یزدانی کے شہروں کے جوہری ہیں . انسان کو اپنا تعلق ان ہی نفوس سے استوار کرنا چاہیے تاکہ نسبت معنوی اور قربِ باطنی کا کچھ حصہ جو حقیقت شناسانِ دوربین اور آگاہ دلانِ حق گزین کے پیش نظر رہتا ہے ، ہمیں حاصل ہو جائے .

آپ کے روشن ضمیر اور خاطرِ فیض گستر کے آئینے میں ، جو انوار ولایت سے روشن اور ہدایت کی شعاعوں سے منور ہے ، یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس عالم میں کوئی چیز محبت سے بڑھ کر نہیں اور نہ کوئی چیز محبت کی برابری کر سکتی ہے کیوں کہ نظامِ ہستی کا مدار محبت و مودت پر ہے . خوش نصیب ہے وہ دل جو آفتاب محبت کے پرتو کو قبول کر کے عالم روح کو وحشت کی تاریکیوں سے باہر نکالتا ہے .

الحمدللہ کہ یہ پسندیدہ شیوہ اور مستحسن خصلت وراثتاً اور اکتساباً ہم دونوں عالی خاندانوں میں موجود ہے . ہمارے اتحاد و اتفاق اور محبت و خلوص کا شہرہ صبا کی روانی اور آفتاب کی روشنی کے مانند تمام زمین کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے عاقبت اندیش نیک خواہوں اور وفاکیش حقیقت گزینوں کے لیے مسرت کا باعث بنا ہوا ہے .

اس حقیقی اتحاد اور ازلی محبت کے اقتضا کی بنا پر ، جو اس اخلاص شعار اور اس برادر نامدار و کامگار کے درمیان اس قدر مستحکم ہو چکی ہے کہ :

اندر غلطم کہ من توام یا تومنی

ہماری ظاہری اور باطنی یک جہتی و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ہمارے درمیان دوئی اور جدائی کی کوئی گنجائش دنیا میں بلکہ عقبیٰ میں بھی باقی نہیں ہے ، اس خلوص و محبت کے ظہور پذیر ہونے سے دوستی کا گلزار ترو تازہ ہوا ہے اور آرزوؤں کے غنچے اس طرح کھلنے لگے ہیں کہ عندلیبِ جان اور کثیر الاشتیاق طائر روح ہزاروں پیرایوں میں اس محبت و یگانگت کے لیے جو شکریہ بھی ادا کر سکتے ہیں ، وہ بہت تھوڑا ہے ۔

میرے محبت بھرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے درباریوں میں سے ایک شخص کو بھیج کر آپ کی مجلسِ انس کا جلیس بناؤں تا کہ وہ آپ کی قابلِ احترام محفل اور آدابِ شاہی سے واقف ہو ۔

چونکہ رفعت پناہ ، عزت دستگاہ محمد حسین چلپی ، جو اس سے قبل میرے خاندان کی عقیدت و اخلاص کا خصوصی ربط و تعلق آپ کے آستانے سے پیدا کر کے خصوصی خدمت انجام دے چکا ہے اور جو عقل و فراست سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ سلاطین کی خدمت بجالانے اور شاہی آداب سے خوب واقف ہے ، نیز اپنی اچھی عادات و خصائل کی بدولت ہمیں پسند ہے ، لیکن وہ ہمارے بعض ملتویہ امور اور بعض دوسری خدمات کی سرانجام دہی میں مصروف تھا اور میں اسی کو اس امر کے قابل جانتا تھا ، اس لیے میں نے توقف مناسب سمجھا ۔ لیکن مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ ہماری تمام مملکت و سلطنت ہمارے ملازموں کی مرہون ہے [166] اور ہم میں اور آپ میں رسمی تکلفات بالکل نہیں ، اس لیے میں نے مشار الیہ (محمد رضا بیگ) کو جو بہت واقف کار اور اس بادشاہ عالی جاہ کا مزاج داں ہے ، اس خدمت پر مقرر کیا ہے کہ وہ اس دوست بے ریا کی طرف سے اس ولایت کی اشیا و امتعہ میں سے ہر چیز آپ کی نظر سے گزارے ، اور جو چیز پسند خاطر اقدس محسوس کرے وہ آپ کی خدمت میں بھجوائی جائے ۔ جب وہ آپ کے حسب دلخواہ یہ خدمات انجام دے سکے ، اور اس کا قیام مزاج اقدس کے موافق ہو ، تو اسے وہاں مملکتِ ایران کے معاملات کی انجام دہی کے لیے مقرر فرمائیں ، ورنہ کسی دوسرے شخص کو جو اس خدمت کے لیے مناسب ہو مقرر فرمائیں ۔ آپ نے جو چلپی کو جواہرِ نفیسہ خصوصاً ان چند لعلوں کے متعلق جو میرے خاندان میں ہیں اور جن میں سے ایک آپ کی ذات والا نژاد کے آبا و اجداد کے نام نامی سے مزیّن ہے ، اور اس وقت بہ موجب وقفِ شرعی

روضۂ مقدس نجف اشرف سے متعلق ہے، خریدنے کی ہدایت فرمائی تھی، میں اس خصوص میں اس بات کا متوقع ہوں کہ ہر وہ خدمت جو اس مملکت سے ہو سکتی ہے، پوری بے تکلفی اور یگانگت کے ساتھ اِس خیرخواہ کو اُس کی طرف توجہ دلائیں۔ ممکن ہے کہ آپ ولایت ایران کو ایک چھوٹا سا ملک تصور کریں اور اس قابل نہ سمجھیں کہ وہ آپ کی خدمت سے عہدہ برآ ہو سکے۔

میں نے علماء اور صدور کے مشورے سے نجف اشرف کا لعل اور دوسرے لعل حاصل کر لیے ہیں۔ ایک صندوقچہ جو یورپ سے اس خاص کے لیے لایا گیا تھا، وہ اُن کی حفاظت کے لیے مناسب ہے۔ چلپی نے اس سے پہلے حضرت شاہنشاہی کے لیے جو صندوقچہ فراہم کیا تھا، اسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کا دل ان چیزوں کی طرف مائل ہے جو نادر ہوں۔ اسی لحاظ سے میں نے اس صندوقچے کا بھی انتخاب کیا ہے۔ اور یہ صندوقچہ ماہر اور تجربہ کار لوگوں کے حوالے کیا ہے کہ اس کو ایسا بنائیں کہ اس میں یہ اشیاء سلیقے سے رکھی جا سکیں۔ انشاء اللہ کام مکمل ہونے کے بعد یہ صندوقچہ لعلوں کے ساتھ آپ کی خدمت گرامی میں روانہ کیا جائے گا۔

چوں کہ ہمارا محبت آمیز دل بے تکلفی کا عادی ہے اور آپ کی جانب سے محبت و التفات کی خوشبو ہم تک نہیں پہنچ رہی، اس لیے میں اپنے مخلص و معتمد محمد رضا بیگ کو، جو لڑکپن سے آج تک میری خدمت میں رہا ہے، اس بے التفاتی کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ بعض باتیں میں نے اس سے زبانی بھی کہی ہیں کہ وہ خلوتِ خاص میں آپ سے عرض کرے۔

اور چلپی کے بھائی سعادت آثار، اخلاص شعار، محمد قاسم بیگ کو، جو شاہی توشہ خانے کا منتظم ہے، میں نے بعض امور کی تنظیم کے لیے اس کے ساتھ روانہ کیا ہے۔

میں اس کا متوقع ہوں کہ آپ بالکلیہ دوئی اور جدائی کے پردوں کو ہٹا کر، اپنی پسندیدہ خاطر اشیاء کا بے تکلف اظہار فرمائیں گے۔ اور دونوں کو جلدی رخصت کر کے اپنے حالات اور دلی خیالات سے بے تکلف مسرور اور خوش حال بنائیں گے۔

تائیداتِ ایزدی اور توفیقاتِ سبحانی ہمیشہ آپ کی سلطنتِ قاہرہ کے شاملِ حال رہیں۔"

اتوار ۱۸ شوال مطابق ۲۰ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو فرزند بابا خرّم کا پیش خیمہ تسخیر دکن کی مہم کے لیے اجمیر سے باہر آیا. طے پایا کہ پہلے فرزند مذکور ہراول کے طور پر روانہ ہو اور اس کے بعد شاہی روانگی ہو.

۱۹ شوال مطابق ۹ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو تین گھڑی دن گزرنے کے بعد شاہی دولت خانہ اسی سمت روانہ ہوا.

۱۰ ماہ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو راجا سورج مل کا منصب جو شاہزادہ خرم کے ہمراہ بھیجا گیا تھا، اصل و اضافے کے بعد دو ہزاری ذات و ہزار سوار مقرر کیا گیا.

۱۹ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کی رات کو میں اپنی عادت کے مطابق غسل خانے میں تھا، اور بعض امرا و خدمت گار اور اتفاق سے محمد رضا بیگ شاہ ایران کا ایلچی بھی حاضر تھا. رات کے چھ گھڑی گزرنے کے بعد ایک آلو اڑتا ہوا محل کے ایک کوٹھے پر آ کر بیٹھا. چونکہ وہ پورے طور پر نظر [167] نہیں آ رہا تھا، اس لیے لوگ اسے پہچان نہ سکے. میں نے اپنی بندوق منگوائی اور اس سمت پر جہاں لوگ اسے بیٹھا ہوا بتاتے تھے، نشانہ باندھ کر بندوق چلا دی. چونکہ تقدیر آسانی سے اس کی موت آ چکی تھی اس لیے وہ پاش پاش ہو گیا. حاضرین نے کھڑے ہو کر تعریف و تحسین کے نعرے بلند کیے.

اسی تاریخ کی رات کو میں برادرم شاہ عباس کے ایلچی سے باتیں کر رہا تھا کہ شاہ ایران کے بڑے بیٹے صفی میرزا کے قتل کا تذکرہ آ گیا. چونکہ یہ عقدہ میرے دل میں جا گزیں تھا اس لیے میں نے اس سے اس واقعے کی حقیقت دریافت کی. اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر اس وقت اس کے قتل کا منصوبہ حیّز عمل میں نہ آتا تو وہ یقیناً خود شاہ عباس کو قتل کرا دیتا. چونکہ صفی میرزا کی طرف سے اس کے آثار و علامات ظاہر ہو رہے تھے اس لیے شاہ ایران نے پیش قدمی کی اور اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیا.

ان ہی ایام میں میرزا حسن (۲۰۰) ولد میرزا رستم کا منصب اصل و اضافے کے بعد ہزاری ذات و سہ صد سوار مشخص ہوا.

معتمد خان کا منصب، جو اس لشکر کی بخشیگری پر متعین ہوا تھا اور جو بابا خرّم کے ہمراہ تھا، ہزاری ذات اور دو سو پچاس سوار قرار پایا.

خرم کی مہم دکن کو روانگی :

جمعہ کے دن ۲ آبان کو دن کی بیسویں گھڑی میں بابا خرم کی روانگی مقرر تھی ۔ اس روز شام کو اس نے دیوان خانۂ خاص و عام میں اپنے لشکر کے منتخب لوگوں کو کیل کانٹے سے لیس اور سوار کرکے دروازے کے اندر لا کر میری نظر سے گزارا ۔ ان نمایاں عنایات میں سے ، جو اس فرزند کے حق میں ہوئیں ، ایک نمایاں عنایت یہ تھی کہ میں نے اسے شاہ کا خطاب دیا تھا جو اس کے نام کا جزو بن گیا تھا ۔ میں نے حکم دیا کہ آج سے اس کو شاہ سلطان خرم کہا جائے ۔ اور خلعت اور چار قب مرصّع ، جس کے دامن کے اطراف و گریبان پُر موتی ٹکے ہوئے تھے ، ایک عراقی گھوڑا مع مرصع زین ایک ترکی گھوڑا ، بنسی بدن نامی ایک خاص ہاتھی اور یورپ کے طرز کا ایک رتھ عنایت کیا تاکہ وہ اس میں بیٹھ کر روانہ ہو ۔ اور شمشیر مرصع پرتلۂ خاص کے ساتھ اور مرصع خنجر عنایت کیا ۔ یہ پرتلہ اولاً قلعۂ احمد نگر کی فتح کے موقع پر حاصل ہوا تھا ۔ اور بہت نامی گرامی اور مشہور ہے ۔ خرم پوری تیاریوں کے ساتھ روانہ ہوا ۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ اس مہم میں کامیاب ہوگا ۔ اور امرا و منصب داروں میں سے ہر ایک کو اس کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق گھوڑے اور خلعت عنایت کیے ۔

اور میں نے شمشیر خاص کمر سے کھول کر عبداللہ خاں فیروز جنگ کو عنایت کی ۔ چونکہ دیانت خاں شاہزادہ خرم کی ہمراہی میں متعین کیا گیا تھا ، اس لیے عرض مکرر[1] کی خدمت پر میں نے خواجہ قاسم قلیچ خان کو مامور کر دیا ۔

چوروں کو سزا :

کچھ دن پہلے چوروں کے ایک گروہ نے ایک شاہی خزانے پر ، جو چبوترۂ کوتوالی کے قریب تھا ، چھاپہ مار کر کچھ روپے لوٹ لیے تھے ۔ چند روز کے بعد اس گروہ کے سات افراد اپنے سردار نول نامی کے ساتھ گرفتار ہوئے اور جو روپیہ وہ لوٹ کر لے گئے تھے ، وہ بھی برآمد ہوا ۔ چوں کہ انھوں نے

۱- عرض مکرر : معروضات پیش کرنے کا عہدہ ۔

اتنی بڑی جرأت کی تھی ، اس لیے میں نے خیال کیا کہ ان کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں ۔ پس میں نے ان میں سے ہر ایک کو خاص سزائیں دیں ۔ میں نے حکم دیا کہ نول کو ، جو اس گروہ کے تمام چوروں کا سردار تھا ، ہاتھی کے پاؤں میں ڈالا جائے ۔ اس نے یہ سن کر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں ہاتھی سے لڑوں ؟ میں نے اجازت دی کہ وہ ہاتھی سے لڑے ۔ ایک مست ہاتھی اس کے روندنے کے لیے لایا گیا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر دے کر اسے ہاتھی کے روبرو کھڑا کریں ۔ چند مرتبہ ہاتھی نے اسے نیچے گرایا مگر ہر مرتبہ وہ دلیر اور بیباک بنا رہا ۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی عبرت ناک سزاؤں کو دیکھ چکا تھا ، اس قدر مردانہ وار ہاتھی کی سونڈ پر خنجر مارنے کہ ہاتھی پیچھے ہٹ گیا ۔ جب اس کی جرأت اور دلیری دیکھی گئی تو میں نے حکم دیا کہ اس کے حالات معلوم کیے جائیں ۔ چند دن کے بعد [168] اپنی فطری بدذاتی اور کمینگی سے مجبور ہو کر اور ڈاکا ڈالنے کی خواہش میں وہ اپنے علاقے میں بھاگ گیا ۔ اس کا یہ طرز عمل مجھے سخت ناگوار ہوا ۔ میں نے اس نواح کے جاگیرداروں کو حکم دیا کہ وہ اسے تلاش کر کے گرفتار کریں ۔ اتفاقاً وہ دوسری بار گرفتار ہو گیا ۔ اس مرتبہ میں نے حکم دیا کہ اس ناشکر و ناقدر شناس کو دار پر چڑھا دیں ۔ شیخ مصلح الدین سعدی (۲) کا قول اس پر صادق آتا ہے :

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

جہانگیر کی دکن کو روانگی :

یکم ذی‌قعدہ مطابق ۲۱ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو منگل کے دن دوپہر اور پانچ گھڑی گزرنے کے بعد خیریت اور مصمم ارادے کے ساتھ میں فرنگی رتھ پر سوار ہو کر ، جس میں چار گھوڑے جتے ہوئے تھے ، شہر اجمیر سے روانہ ہوا ۔ میں نے حکم دیا کہ اکثر امرا رتھوں پر سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں ۔ سورج غروب ہونے کے قریب میں نے موضع دیورائی میں قیام کیا جس کا فاصلہ پونے دو کوس ہے ۔

اہل ہند کا قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ اور سردار ملک گیری کے ارادے سے

مشرق کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو دانت والے ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں ۔ اگر مغرب کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو ایک رنگ کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں ۔ اگر شمال کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو پالکی اور سنگھاسن (تخت) پر روانہ ہوتے رہیں ۔ اگر جانب جنوب روانہ ہوتے ہیں جو دکن کی سمت ہے تو رتھ پر سوار ہوتے ہیں جو گاڑیوں کی قسموں میں سے ہے اور بہلی پر سواری کرتے ہیں ۔

اجمیر کی مدت قیام :

میرا پانچ روز کم تین سال اجمیر میں قیام رہا تھا ۔ شہر اجمیر کو، جہاں خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین کا مزار متبرک واقع ہے ، اقلیم دوم میں شمار کرتے ہیں ۔ اس کی آب و ہوا تقریباً معتدل ہے ۔ اس کے مشرق میں دارالخلافہ آگرہ ہے اور شمال میں قصبات دھلی اور جنوب میں صوبۂ گجرات ہے اور اس کے مغرب میں ملتان اور دیپال پور واقع ہے ۔ یہ تمام علاقہ پورے کا پورا ریگستانی ہے ۔ یہاں کی زمین میں مشکل سے پانی نکلتا ہے ۔ اس صوبے کی زراعت تر زمینوں اور بارش پر موقوف ہے ۔ یہاں کا موسم سرما معتدل ہوتا ہے اور موسم گرما آگرے سے کسی قدر ھلکا ۔ لڑائی کے وقت اس صوبے سے چھیاسی ہزار سوار اور تین لاکھ چار ہزار پیادے حاصل ہوتے ہیں ۔ اس شہر میں دو بڑے تالاب ہیں ۔ ایک کو لیل تال اور دوسرے کو انا ساگر کہتے ہیں ۔ لیل تال خراب حالت میں ہے ، اس کا بند ٹوٹا ھوا ہے ۔ میں نے اپنے قیام کے زمانے میں حکم دیا کہ اس بند کو دوبارہ باندھیں ۔ انا ساگر میرے قیام کے زمانے میں ہمیشہ پانی سے بھرپور اور موجیں مارتا رہا ۔ تالاب مذکور کا عرض و طول ڈیڑھ کوس اور پانچ طناب ہے ۔ میں نے دوران قیام اجمیر میں نو مرتبہ حضرت خواجہ بزرگوار کے روضۂ منورہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور پندرہ مرتبہ پشکر تال کے نظارے کے لیے گیا اور اڑتیس مرتبہ چشمۂ نور پر گیا اور پچاس مرتبہ شیر وغیرہ کے شکار کے لیے گیا ۔ مجموعی طور پر میں نے پندرہ شیر ، ایک چیتا ، ایک گیدڑ ، تین نیل گائیں ، تینتیس بارہ سنگھے ، نوے ھرن ، اسی سؤر اور تین سو چالیس مرغابیاں شکار کیں ۔

موضع دیورائی میں قیام :

موضع دیورائی میں سات روز قیام رہا ۔ اس مقام پر میں نے پانچ نیل گائیں

اور بارہ مرغابیاں شکار کیں۔

موضع داسہ والی میں قیام:

۲۹ آبان ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع دیورائی سے روانہ ہو کر موضع داسہ والی میں ٹھہرا۔ یہ موضع دیورائی سے سوا تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ اس دن میں نے معتمد خاں کو ہاتھی عنایت کیا۔ دوسرے روز بھی اس موضع میں قیام رہا۔ ان دنوں ایک نیل گائے شکار کی اور دو باز خرّم کو بھجوائے۔

بموضع ماوھل میں قیام:

۳ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع داسہ والی سے روانہ ہو کر موضع ماوھل میں ٹھہرا جو موضع داسہ والی سے سوا دو کوس پر واقع ہے۔ راستے میں چھ [169] مرغابیوں وغیرہ کا شکار کیا۔

رامسر میں قیام:

۴ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ڈیڑھ کوس چل کر حوالی رامسر میں، جو نور جہاں کی جاگیر میں ہے، قیام کیا۔ اس منزل میں آٹھ روز قیام رہا۔ میر توزکی کا عہدہ خدمتگار خاں کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے ہدایت اللہ کو عطا کیا۔

پانچویں روز سات ہرن، ایک کلنگ اور پندرہ مچھلیاں شکار کیں۔

دوسرے روز جگت سنگھ ولد کرن سنگھ گھوڑا اور خلعت حاصل کر کے اپنے وطن روانہ ہوا۔

کیشو داس کو نو گھوڑے عنایت ہوئے اور ایک ہاتھی الہداد افغان کو عنایت ہوا۔

اسی دن ایک بارہ سنگھا، تین ہرن، سات مچھلیاں اور دو مرغابیاں شکار کیں۔

ان ہی دنوں میں راجا سیام سنگھ (۲۲) کے فوت ہو جانے کی خبر ملی۔

۷ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو تین ہرن، پانچ مرغابیاں اور ایک جل کوا شکار کیا۔

جشن بسہانی:

جمعرات کے دن شب جمعہ کو رامسر میں نور جہاں کی طرف سے مجلس جشن و

مہمانی مرتب ہوا کیونکہ یہ موضع نورجہان کی جاگیر میں تھا ۔ یہاں جو پیش کش میری نظر سے گزرا وہ جواہر سے مرصع آلات ، نفیس اور منقش کپڑے اور ہر جنس اور ہر قسم کی اشیاء پر مشتمل تھا ۔ رات کو تالاب کے اطراف اور وسط میں جو نہایت وسیع ہے ، چراغاں کیا گیا ۔ نہایت خوب مجلس منعقد ہوئی ۔ جمعرات کے دن شام کو امرا کو طلب کرکے میں نے پینے پلانے کا حکم دیا ۔

خشکی کے سفر میں ہمیشہ چند منزل کشتیاں میرے لشکر کے ہمراہ رہتی ہیں ۔ ملاح ان کشتیوں کو گاڑیوں پر سوار کرکے چلتے ہیں ۔ اس جشن کے دوسرے روز میں کشتی میں بیٹھ کر شکار کے لیے گیا ۔ تھوڑی سی مدت میں دو سو آٹھ بڑی مچھلیاں ایک ہی جال میں شکار ہوئیں جن میں نصف روہو کی قسم سے تھیں ۔ یہ مچھلیاں رات کو میں نے اپنے سامنے ملازموں میں تقسیم کر دیں ۔

موضع بلودہ میں نزول :

۱۳ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو رامسر سے کوچ کیا اور شکار کھیلتے ہوئے چار کوس کا فاصلہ طے کرکے موضع بلودہ میں لشکر کے ساتھ اترا ۔ اس دن کے علاوہ دو روز اور اس منزل میں قیام رہا ۔

موضع نہال میں نزول :

۱۶ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو سوا تین کوس کا راستہ طے کرکے موضع نہال میں منزل کی ۔

موضع چونسہ میں نزول :

۱۸ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع نہال سے کوچ کرکے سوا دو کوس کا فاصلہ طے کیا ۔ اسی دن شاہ ایران کے ایلچی محمد رضا بیگ کو ایک ہاتھی عنایت کیا اور موضع چونسہ میں شاہی خیمے نصب ہوئے ۔

دیوگاؤں میں نزول :

۲۰ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو کوچ کرکے موضع دیوگاؤں میں مقام ہوا ۔ تین کوس کی مسافت تھی جو شکار کرتے ہوئے طے ہوئی اور اس منزل میں دو روز قیام رہا ۔ ان دونوں ایام میں شام کو میں شکار کے لیے گیا ۔

ایک عجیب مشاہدہ :

اس منزل میں ایک عجیب بات مشاہدے میں آئی : قبل اس کے کہ اس منزل میں پڑاو ہو ، ایک خواجہ سرا اس بڑے تالاب کے کنارے گیا جو اس موضع کے قریب واقع ہے اور سارس کے دو بچوں کو ، جو کلنگ کی طرح کے پرندے ہیں ، پکڑ لایا ۔ رات کو جب اس منزل میں قیام ہوا تو دو بڑے سارس فریاد کرتے ہوئے اس غسل خانے کے قریب آئے جو اس تالاب کے کنارے لگایا گیا تھا ، اور انصاف طلب مظلوموں کی طرح بغیر کسی خوف اور وحشت کے فریاد کرتے ہوئے آگے بڑھے ۔ انھیں دیکھ کر میرے دل میں خیال ہوا کہ ضرور ان پر کسی نے ظلم کیا ہے ، اور اغلب یہ ہے کہ کوئی ان کے بچے پکڑ لایا ہے ۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خواجہ سرا ان کے بچوں کو پکڑ لایا ہے ۔ یہ بچے میرے سامنے پیش کیے گئے ۔ جب سارسوں نے اپنے بچوں کی آواز سنی تو بے تاب ہو کر اپنے بچوں کے قریب پہنچے ، اور اس خیال سے کہ شاید انھیں کھانے کو نہ ملا ہو ، دونوں سارس ان بچوں کو چوگا دینے لگے ، اور طرح طرح سے اظہار غم خواری کرنے لگے ۔ پھر وہ دونوں بچوں کو جوش و خروش کے ساتھ اپنے پروں میں دبا کر [170] اپنے آشیانے کی طرف اڑ گئے ۔

موضع بھاسو میں نزول :

۲۳ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو دیوگاؤں سے روانہ ہوا اور پونے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع بھاسو میں نزول اجلال ہوا ۔ یہاں دو روز قیام رہا اور ہر روز شکار کے لیے موقع میسر آیا ۔

موضع کاکل میں نزول :

۲۶ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع بھاسو سے روانہ ہوا اور دو کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع کاکل میں قیام کیا ۔

۲۷ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو بدیع الزمان ولد میرزا شاہرخ کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات و ہفت صد و پنجاہ سوار مقرر کیا ۔

موضع لاسا میں نزول :

۲۹ ماہ آذر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو کاکل سے کوچ کرکے پونے تین کوس کا فاصلہ طے کیا اور موضع لاسا میں ، جو پرگنۂ بود کے قریب واقع ہے ، پڑاؤ کیا۔ یہ عید قربان کا دن تھا۔ میں نے حکم دیا کہ عید کے مراسم بجا لائے جائیں۔

اجمیر سے روانہ ہونے کی تاریخ سے اس ماہ کے آخر یعنی ۳۰ آذر تک سڑسٹھ نیل گائیں اور ہرن وغیرہ اور سینتیس مرغابیاں وغیرہ شکار کیں۔

موضع کانرہ میں نزول :

۲ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو لاسہ سے روانہ ہوا اور تین کوس اور دس جریب کا فاصلہ شکار کرتے ہوئے طے کرکے موضع کانرہ کے نزدیک قیام کیا۔

موضع سورتھ میں نزول :

۴ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو سوا تین کوس کا فاصلہ طے کرکے موضع سورتھ میں پڑاؤ ڈالا۔

موضع بردرا میں نزول :

۶ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ساڑھے چار کوس کا فاصلہ طے کرکے موضع بردرا کے باہر مقام کیا۔

۷ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ، جب کہ موضع بردرا کے باہر قیام تھا ، پچاس مرغابیاں اور چودہ جل کوے شکار کیے۔ آٹھ تاریخ کو بھی شکار کا موقع میسر آیا اور ستائیس مرغابیاں شکار کیں۔

خوش تال میں نزول :

۹ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو کوچ کرکے سوا چار کوس کا راستہ شکار کرتے ہوئے طے کیا اور خوش تال میں مقام کیا۔ اسی منزل میں معتمد خاں کی عرضداشت ملی کہ رانا کی ریاست کے قریب جب شاہزادہ خرم کا نزول ہوا تو شاہزادے کی زبردست فوج کی شان و شوکت کو دیکھ کر رانا کا صبر

و استقلال متزلزل ہو گیا ، اور اس نے اودے پور میں ، جو رانا کی ریاست کی سرحد ہے ، حاضر ہو کر بندگی کے تمام آداب بجا لانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ، حالانکہ ان آداب کی پہلے سے کوئی قرارداد نہ تھی ۔ شاہ خرم نے بھی اس کی دل داری کرتے ہوئے خلعت چار قب ، مرصع تلوار ، مرصع کھپوہ ، عراقی اور ترکی گھوڑے اور ہاتھی عنایت کیے اور نہایت عزت و احترام اور خوشی کے ساتھ رخصت کیا ۔ اور اس کے لڑکوں اور عزیزوں کو بھی خلعت سے نوازا ۔ اس کے پیش کش میں سے ، جو پانچ ہاتھیوں ، ستائیس گھوڑوں اور مرصع آلات اور جواہر سے پر خوان پر مشتمل تھا ، صرف تین گھوڑے لے کر باقی سامان اس کو واپس کر دیا ، اور طے کیا کہ رانا کا بیٹا کرن ایک ہزار پانسو سوار لے کر اس مہم میں بابا خرم کے ہم رکاب ہو ۔

رنتھنبور کے قریب نزول :

۱۰ ماہ دے ۲۵ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو راجا مہا سنگھ کے بیٹے ، جو اپنے وطن سے آئے تھے ، رنتھنبور کے قریب میری خدمت میں حاضر ہوئے ، اور تین ہاتھی اور نو گھوڑے بطور پیش کش گزرانے ۔ ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق منصب سے سرفرازی حاصل کی ۔ جب میں نے رنتھنبور کے قلعے کے قریب خوش تال میں قیام کیا تو جو قیدی اس قلعے میں قید تھے ، ان میں سے بعض کو آزاد کر دیا ۔ اس منزل میں دو روز قیام رہا اور ہر روز شکار کے لیے گیا ۔ اڑتیس مرغابیاں اور تجل کونے شکار ہوئے ۔

موضع کویلہ میں نزول :

۱۲ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو خوش تال سے روانہ ہو کر چار کوس کا راستہ طے کر کے موضع کویلہ میں نزول اجلال ہوا ۔ راستے میں چار مرغابیاں ، ایک ہرن شکار کیا ۔

موضع ایکتورہ میں نزول :

۱۴ ماہ دے ۲۵ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو پونے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع ایکتورہ کے قریب منزل کی ۔ راستے میں ایک نیل گائے اور بارہ بگلے وغیرہ شکار کیے ۔

آغا فاضل کو خطاب :

اسی دن میں نے آغا فاضل (۲۳) کو جو اعتماد الدولہ کا لاہور میں نائب ہے ، فاضل خان کے خطاب سے سر فراز کیا . اس منزل میں شاہی خیمے ایک صاف شفاف تالاب کے کنارے [171] نصب کیے گئے تھے . اس منزل کی لطافت و نزہت کی وجہ سے یہاں دو روز مقام رہا اور ہر دن شام کو میں مرغابی کا شکار کھیلتا رہا .

اسی منزل میں مہابت خان کا چھوٹا لڑکا بہرہ ور (۲۴) نامی قلعۂ رنتھنبور سے ، جو اس کے باپ کی جاگیر میں ہے ، یہاں آیا اور حاضر خدمت ہوا . دو ہاتھی بطور پیش کش ساتھ لایا جنھیں شاہی فیل خانے میں داخل کیا گیا .

صفی کو خطاب :

امانت خان کے بیٹے صفی کو خان کا خطاب دے کر اضافۂ منصب سے سرفراز کیا اور اسے صوبۂ گجرات کا بخشی اور واقعہ نویس مقرر کیا .

موضع لسایہ میں نزول :

۱۷ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو ساڑھے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع لسایہ میں پڑاؤ کیا . راستے میں ایک مرغابی اور تیئیس تیتر شکار کیے .

چوں کہ لشکر خان اور خان دوراں کے درمیان ناچاقی پیدا ہو گئی تھی ، اس لیے اسی منزل میں میں نے بجائے اس کے عابد خان کو بخشی اور واقعہ نویس مقرر کیا .

موضع کورا کے قریب قیام :

۱۹ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع لسایہ سے کوچ کر کے سوا دو کوس کا فاصلہ طے کیا اور موضع کورا کے متصل ، جو دریائے چنبل کے کنارے واقع ہے ، مقام کیا . اس جگہ کی خوبی اور آب و ہوا کی لطافت کی وجہ سے اس منزل میں تین روز مقام رہا . ہر روز کشتی میں سوار ہو کر مرغابیوں کے شکار اور دریا کی سیر و تفریح کے لیے جاتا تھا .

چیله سله میں نزول :

۲۲ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو وہاں سے کوچ ہوا ۔ ساڑھے چار کوس کا فاصلہ شکار کرتے ہوئے طے کیا اور شاہی لشکر نے موضع سلطان پور اور چیله سله میں پڑاؤ کیا ۔ اسی روز میران صدر جہان کو پانچ ہزار روپے دیے اور اُس مقام پر جہاں اس کی جاگیر تھی ، رخصت کر دیا ۔ اس کے علاوہ ہزار روپے شیخ پیر کو عنایت کیے ۔

موضع ساہپور میں نزول :

۲۵ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو چیله سله سے روانہ ہو کر شکار کھیلتے ہوئے ساڑھے تین کوس کا فاصلہ طے کیا اور موضع ساہپور میں نزول اجلال کیا ۔ بقرارہ قاعدے کے مطابق ایک دن قیام اور ایک دن کوچ کا فیصلہ کیا ۔

موضع ردوہا میں نزول :

۲۷ ماہ دے ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) کو یہاں سے کوچ کر کے ساڑھے چار کوس کا فاصلہ شکار کھیلتے ہوئے طے کر کے موضع ردوہا میں دو روز قیام کیا ۔ ماہ دے میں مجموعی طور پر چار سو سوله جانور شکار کیے جن کی تفصیل یہ ہے : ستانوے تیتر ، ایک سو بانوے جل کتورے ، ایک سارس ، سات بگلے ، ایک سو اٹھارہ مرغابیاں اور ایک خرگوش ۔

موضع روپاہیرہ میں نزول :

یکم بہمن مطابق ۲۰ محرم ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو بیگمات کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا ۔ آفتاب کے غروب ہونے سے ایک گھڑی پہلے موضع روپاہیرہ میں ، جہاں مجھے ٹھہرنا تھا ، پہنچا ۔ یہ فاصلہ چار کوس اور پندرہ جریب کا تھا ۔ اس راستے میں پانچ تیتر شکار کیے ۔

ان ہی ایام میں کیغ کنہ کے ہاتھ اکیس امرا کو ، جو دکن میں متعین تھے ، موسم سرما کے خلعت روانہ کیے اور حکم دیا کہ وہ مبلغ دس ہزار روپے بطور شکرانہ ان امیروں سے حاصل کرے ۔

یہ منزل بہت پُر لطف اور بڑی خوش گوار تھی ۔

موضع کا کھا داس میں نزول :

۳ ماہ بہمن ۲۶ھ۱۰ (۱۶۱۹ع) کو یہاں سے روانہ ہوا اور پہلے روز کی طرح کشتی میں سوار ہو کر ساڑھے تین کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع کا کھا داس میں شاہی لشکر کا پڑاؤ ہوا۔

تقدیر کے کرشمے :

اثنائے راہ میں، جب میں شکار کھیلتے ہوئے آ رہا تھا، ایک تیتر اُڑ کر جھاڑی میں گھس گیا۔ بڑی تلاش کے بعد میں نے ایک قراول کو حکم دیا کہ جھاڑی کا گھیرا ڈال کر اس تیتر کو پکڑے، اور خود روانہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا تیتر اُڑتا ہوا نظر آیا۔ اُسے میں نے باز کے ذریعے سے پکڑا۔ اسی واقعے کے ساتھ ہی وہ قراول آیا جسے میں نے جھاڑی کا گھیرا ڈال کر اُس تیتر کے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ اُس نے وہ تیتر میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس تیتر کو باز کو کھلا دیا جائے، اور وہ تیتر جو ہم نے پکڑا ہے، وہ جوان ہے، اسے حفاظت سے رکھا جائے۔ لیکن میرے حکم سے پیشتر ہی میرشکار وہ تیتر باز کو کھلا چکا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد قراول نے عرض کیا کہ اگر تیتر کو ذبح نہ کیا گیا تو وہ اُڑ جائے گا۔ میں نے حکم دیا اگر ایسا [172] ہے تو اسے ذبح کر دیا جائے۔ جب چھری اُس کے گلے پر رکھی گئی تو وہ پھڑ پھڑا کر چھری کے نیچے سے نکل کر اُڑ گیا۔ اس کے بعد جب میں کشتی کی سواری کے بعد گھوڑے پر سوار ہوا، اچانک ایک چڑیا ہوا کی تکلیف سے تنگ آ کر ایک قراول کے تیر سے، جو اُس کے ہاتھ میں تھا اور وہ میرے سامنے چل رہا تھا، ٹکرائی اور اُسی وقت اُس نے زخمی ہو کر جان دے دی۔ مجھے زمانے کی نیرنگی پر حیرت ہوئی کہ وہاں تیتر کی قضا نہیں آئی تھی تو اُسے تھوڑی دیر میں تین خطروں سے نکال کر اُس کی حفاظت کی گئی اور یہاں اس چڑیا کو، جس کی تقدیر میں موت لکھی تھی، پیکانِ تقدیر سے پنجۂ ہلاکت میں اسیر کیا گیا۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جای
نہ برّد رگی تا نخواہد خدای

. کابل کے امرا کے لیے بھی سرما کے خلعت قرا یساول کی ہاتھ روانہ کیے گئے .
البتہ اس جگہ کی آب و ہوا بہتر ہونے کی وجہ سے یہاں کچھ دن قیام کیا .
انہیں دنوں کابل سے نادعلی خان میدانی (۲۵) کی وفات کی خبر پہنچی . اس کے
لڑکوں کو میں نے منصب سے سرفراز کیا .

راوت شنکر کے منصب میں ابراہیم خاں فیروز جنگ کے التماس پر میں نے
پانصدی ذات و ہزار کا اضافہ کیا .

موضع امجار میں نزول:

۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ء) کو موضع کا کہا داس سے روانہ ہوا
اور پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کرکے اس درے سے گزر کر، جو چاند گھاٹی
کے نام سے مشہور ہے، موضع امجار میں شاہی لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا . یہ درہ
درختوں کی وجہ سے نہایت سرسبز و شاداب نظر آیا . اس منزل تک جو صوبۂ اجمیر
کی آخری سرحد ہے، چوراسی کوس کا راستہ طے ہوا . یہ منزل بھی عمدہ منزلوں
میں سے تھی .

نورجہاں بیگم کا شکار:

یہاں نور جہاں بیگم نے بندوق سے ایک قریشہ مارا . اتنا بڑا اور خوش رنگ
قریشہ آج تک دیکھا نہیں گیا تھا . میرے حکم سے اس کا وزن کیا گیا تو اس کا
وزن انیس تولے اور پانچ ماشے نکلا .

اس موضع سے ولایت مالوہ کی سرحد شروع ہوتی ہے . مالوہ اقلیم دوم سے
ہے . اس صوبے کا طول ولایت کرنہ کی انتہائی سرحد سے ولایت بانسوالہ تک
دو سو پینتالیس کوس ہے اور عرض موضع چندیری سے پرگنۂ ندرپار تک دو
سو تیس کوس ہے . اس کے مشرق میں ولایت مانڈھو واقع ہے اور شمال میں
قلعۂ نرور اور جنوب میں کلانہ اور مغرب میں صوبۂ گجرات اور اجمیر ہے .
اس ملک کی آب و ہوا اچھی ہے . اس میں یہ پانچ دریا، علاوہ نہروں، ندیوں اور
چشموں کے جاری ہیں : گوداوری (۲۶) بھیما، کالی سندھ، نیرا اور نربدا . اس کی
آب و ہوا تقریباً معتدل ہے . اس ولایت کی زمین بنسبت اطراف کی زمین کے کچھ
بلند ہے . قصبۂ دھار میں، جو مالوے کے قصبوں میں مشہور ہے، انگور سال

میں دو مرتبہ پھلتا ہے۔ ایک ابتدائے جوت میں، دوسرے ابتدائے اسپند میں۔ لیکن جوت میں انگور زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ یہاں کے کاشتکار اور صناع بغیر ہتھیار کے نہیں رہتے۔ اس ولایت کا مالیہ چار کروڑ سات لاکھ ستر ہزار تین سو دام ہے! جنگ کے موقع پر ضرورت پڑنے پر نو ہزار تین سو کچھ سوار، چار لاکھ ستر ہزار تین سو پیادے، ایک سو ہاتھی اس ولایت سے حاصل ہوتے ہیں۔

خیر آباد کے قریب نزول :

۸ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو سوا تین کوس کا فاصلہ طے کر کے خیر آباد کے نزدیک مقام ہوا۔ راستے میں تین تیتر اور تین بگلے شکار کیے۔

موضع سندھارا میں نزول :

یہاں سے تین کوس کا فاصلہ شکار کھیلتے ہوئے طے کر کے موضع سندھارا کے قریب منزل کی۔

۱۱ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو جب موضع سندھارا میں مقام تھا، دن کے آخری حصے میں شکار کے لیے گیا اور ایک نیل گائے شکار کی۔

موضع بچھیاری میں نزول :

۱۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو سوا چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع بچھیاری کے باہر مقام کیا۔ اسی روز رانا امر سنگھ نے چند ٹوکرے انجیر کے بھجوائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انجیر بہت اچھا میوہ ہے۔ میں نے اتنے اچھے انجیر ہندوستان میں آج تک نہ دیکھے تھے۔ لیکن انجیر کم کھایا جاتا ہے، اس کا زیادہ کھانا نقصان رساں ہے۔

موضع بلبلی میں نزول :

۱۴ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو کوچ [173] کیا اور سوا چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع بلبلی میں پڑاؤ کیا۔ راجا جانبا نے جو اس علاقے کے معتبر زمینداروں میں ہے، دو ہاتھی بطور پیش کش بھیجے تھے، وہ نظر سے گزرے۔ اسی منزل میں بہت سے خربوزے کاریز سے، جو نواح ہرات میں واقع ہے، لائے گئے۔ خان عالم نے بھی پچاس اونٹ بھجوائے۔ مختصر یہ کہ اس سے پہلے

گزشتہ سنین میں خربوزے اس فراوانی کے ساتھ نہیں لائے گئے تھے۔ ایک خوان میں، کئی قسم کے میوے چن کر لائے گئے کاریز، بدخشاں اور کابل کے خربوزے، سمرقند اور بدخشاں کے انگور؛ سمرقند کشمیر، کابل اور جلال آباد کے سیب، جو کابل کے تحت ہے؛ یورپ کے ساحلی علاقوں کے اناناس، جس کے پودے آگرے کے شاہی باغات میں لگائے گئے تھے، یہ پودے وہاں خوب پھلے پھولے اور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں یہ پودے آگرے کے باغات میں جو خالصہ سے متعلق ہے، بار آور ہوتے ہیں۔ اور نارنگی جو شکل اور حجم میں سنگترے سے چھوٹی ہے، اور اس کی چاشنی شیرینی پر غالب ہے، صوبۂ بنگال میں خوب پیدا ہوتی ہے۔ اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے۔ میرے والد بزرگ وار کو پھلوں سے بالخصوص خربوزہ، انار اور انگور سے بہت رغبت تھی۔ ان کے عہد حکومت میں کاریز کے خربوزے، جو بہترین قسم کے خربوزے ہوتے ہیں، اور سمرقند کے انگور ہندوستان میں نہیں لائے گئے تھے۔ مجھے اب افسوس ہوتا ہے، کاش یہ میوے ان کے عہد اور زمانے میں آتے تو وہ ان کا لطف اور لذت حاصل کر سکتے۔

۱۵ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع بلبلی میں میر علی (۲۷) ولد فریدون برلاس کی وفات کی خبر ملی جو برلاس خاندان کے معتبر امیر زادوں میں تھا۔

موضع گری کے قریب قیام:

۱۶ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع بلبلی سے روانہ ہوا اور سوا چار کوس کا فاصلہ طے کر کے فلک شکوہ لشکر موضع گری کے قریب ٹھہرا۔ قراولوں نے خبر دی کہ اس نواح میں ایک شیر ببر رہتا ہے۔ میں اس کے شکار کے لیے گیا اور بندوق سے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ چونکہ شیر کی بہادری عام طور پر مسلّمہ ہے، اس لیے میری خواہش ہوئی کہ اس کے پیٹ کو چاک کر کے اس کے دل و جگر، پتّے، معدے، انتڑیوں وغیرہ کو دیکھوں۔ ان سب کے نکالنے کے بعد یہ بات ظاہر ہوئی کہ دوسرے حیوانات کے بر خلاف جن کا پتّا جگر کے باہر ہوتا ہے، شیر کا پتّا جگر کے اندر ہوتا ہے۔ مجھے خیال ہوا غالباً شیر ببر کی بہادری اسی وجہ سے ہوگی۔

موضع امریا میں نزول :

۱۸ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو موضع گری سے روانہ ہوا اور دو کوس ساڑے تین پاؤ کا فاصلہ طے کرکے موضع امریا میں اترا۔

۱۹ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۶ع) کو جب کہ موضع امریا میں قیام تھا ، شکار کھیلنے کے لیے روانہ ہوا ۔ دو کوس کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک موضع نظر آیا جو نہایت لطیف اور پر فضا تھا جس کے ایک باغ میں سو کے قریب آم کے درخت دکھائی دیے ۔ اتنے بڑے سرسبز ، شاداب اور بڑے درخت بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں ۔ اسی باغ میں ایک بڑ کا بہت لمبا چوڑا اور بڑا درخت دیکھنے میں آیا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کے طول اور گھیر کو ناپا جائے ۔ یہ زمین سے لے کر سب سے اونچی شاخ کے سرے تک چوہتر گز لمبا تھا ۔ اس کے تنے کا گھیر ساڑھے چوالیس گز اور اس کا عرض ایک سو ساڑھے چھہتر گز نکلا ۔ چوں کہ یہ غیر معمولی درخت تھا اس لیے اس کے متعلق یہاں لکھا گیا ۔ راستے میں ایک نیل گائے بندوق سے شکار کی ۔

۲۱ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں اقامت گزیں تھا اس لیے شام کو شکار کے لیے سوار ہو کر نکلا ۔ واپسی میں خواجہ خضر کے جشن میں شریک ہونے کے لیے ، جسے خضری بھی کہتے ہیں ، اعتماد الدولہ کے گھر گیا اور ایک پہر رات وہاں گزاری ۔ رات کا کھانا کھا کر شاہی محل میں واپس آیا ۔ اسی روز اعتماد الدولہ کو عزت محرمیت سے نوازتے ہوئے [174] شاہی حرم سرا کی خواتین سے کہہ دیا گیا کہ اس سے منہ نہ چھپائیں اور نہ پردہ کریں کیوں کہ اس کو میں نے اس عزت سے ہمیشہ کے لیے سربلند کیا ہے ۔

موضع بول گھری میں نزول :

۲۲ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے کوچ کا حکم دیا اور سوا تین کوس کا فاصلہ طے کرکے موضع بول گھری میں قیام کیا ۔ راستے میں دو نیل گائیں شکار کیں ۔

موضع تیرکہ میں بقام :

۲۳ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جب کہ موضع تیراکہ میں مقام تھا ،

میں نے ایک نیل گائے بندوق سے ماری۔

موضع قاسم کھیڑہ میں نزول :

۲۴ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پانچ کوس کا سفر کر کے موضع قاسم کھیڑا کے باہر قیام کیا۔ راستے میں ایک سفید جانور شکار کیا جو پاڑہ ہرن کی قسموں میں سے تھا۔ اس کے چار سینگ تھے۔ اس کے دو سینگ سامنے کی طرف گوشۂ چشم کی جانب تھے اور دو انگل کے برابر بلند تھے۔ دوسرے دو سینگ، جو چار انگل کے برابر تھے، اس کی گُدی کی جانب چار انگل نکلے ہوئے تھے۔ اہلِ ہند اس جانور کو **دو دھاریہ** کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اس کے نر کے چار سینگ ہوتے ہیں اور مادہ کے سینگ نہیں ہوتے۔ اسی طرح بیان کیا گیا کہ اس قسم کے ہرن کا پتّا نہیں ہوتا۔ جب اس کے اندرونی اعضا انتڑیوں وغیرہ کو دیکھا گیا تو پتّا موجود تھا۔ معلوم ہوا کہ اس بات کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

۲۵ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اسی موضع میں قیام تھا، اس لیے شام کو سوار ہو کر شکار کے لیے نکلا۔ بندوق سے ایک نیل گائے شکار کی۔

قلیج خاں کے بھتیجے مالجو (۲۸) کو، جو منصب ہزاری ذات و ہفت صد و پنجاہ سوار سے سرفراز تھا اور صوبۂ اودھ کا جاگیردار تھا، منصب دو ہزاری ذات و دو ہزار دو سو سوار پر ترقی دی اور **قلیج خاں** کا خطاب دے کر صوبۂ بنگال پر متعین کیا۔

موضع قاضیان میں نزول :

۲۶ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو موضع قاسم کھیڑہ سے روانہ ہوا اور پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے **دہ قاضیان** میں، جو اُجین کے قریب واقع ہے، مقام کیا۔ اس منزل میں اکثر آموں کے درخت پر بُور آیا ہوا تھا۔ شاہی ڈیرا دریا کے کنارے ایک دل نشین جگہ پر لگایا گیا تھا۔

اسی منزل میں پہاڑ ولد غزنین خاں (۲۹) کو قتل کی سزا دی گئی۔ میں نے اس بدنصیب کو اس کے باپ کی وفات کے بعد نوازتے ہوئے جالور اور قلعۂ جالور عنایت کیا تھا جو اس کے آبا و اجداد کا مقام تھا۔ چونکہ یہ کم عمر اور ناتجربہ کار

تھا ، اس کی ماں اس کو بعض بری باتوں کے مرتکب ہونے پر ٹوکتی تھی ۔ یہ ابدی و ازلی روسیاہ ایک رات اپنے چند ملازمین کو ساتھ لے کر اپنی والدہ کے گھر آیا اور اپنی حقیقی ماں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا ۔ جب مجھے یہ خبر ملی تو میں نے حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے ۔ تحقیق کے بعد جب اس کا جرم ثبوت کو پہنچ گیا تو اس کو قتل کی سزا دی گئی ۔

اس منزل میں کھجور کا ایک درخت دیکھنے میں آیا ، جس کی وضع اور ہیئت عجیب و غریب تھی ۔ عام کھجور کے درخت کا صرف ایک تنہ ہوتا ہے ، لیکن اس درخت کا تنہ چھ گز کی بلندی پر پہنچ کر دو شاخہ ہو گیا ہے ۔ اس کی ایک شاخ دس گز کی اور دوسری شاخ ساڑھے نو گز کی ہے ۔ ان دونوں شاخوں کے درمیان ساڑھے چار گز کا فاصلہ ہے ۔ زمین سے لے کر تنے کے اس حصے تک جہاں شاخ اور پتے پھوٹتے ہیں ، اس کے ایک طرف کی بڑی شاخ سولہ گز ہے ، اور دوسری طرف کی شاخ ساڑھے پندرہ گز ہے ۔ اس جگہ سے جہاں شاخ اور پتے سبز ہوتے ہیں ، درخت کی چوٹی تک ڈھائی گز کا فاصلہ ہے ۔ اس کا گھیر سوا دو گز ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ تین گز بلند چبوترہ اس کے اردگرد بنایا جائے ، جو نہایت خوبصورت اور بموزوں ہو ، اور مصوروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی تصویر جہانگیر نامہ کی مجالس میں شامل کرنے کے لیے کھینچیں ۔

موضع ھندوال میں نزول :

۲۷ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو دہ قاضیان سے روانہ ہوا اور سوا دو کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع ھندوال کے باہر قیام کیا ۔ راستے میں ایک نیل گائے شکار کی ۔

موضع کالیادہ میں نزول :

۲۸ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو یہاں سے روانہ ہوا اور دو کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع کالیادہ میں قیام کیا ۔

سلطان ناصرالدین کے زمانے کی ایک عمارت

کالیادہ میں سلطان ناصرالدین (۳۰) ابن سلطان غیاث الدین (۳۱) بن

سلطان محمود خلجی (۳۲) حاکم مالوہ کی بنوائی ہوئی ایک عمارت ہے جو اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں صوبۂ مالوہ کے مشہور شہر اُجین کے نواح میں بنوائی تھی۔ کہتے ہیں کہ حرارت اس کے مزاج پر اس قدر غالب تھی کہ وہ پانی میں اپنے اوقات گزارتا تھا ، اسی لیے [175] یہ عمارت اس نے نالے کے درمیان بنوائی تھی اور اس نالے کے پانی کو تقسیم کر کے نہریں نکلوائی تھیں ۔ ان نہروں سے اس عمارت کے اطراف و جوانب میں اور عمارت کے اندر اور باہر پانی آتا ہے۔ پانی کو جمع رکھنے کے لیے چھوٹے چھوٹے حوض اور پانی کے ذخیرہ کرنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں ، بہت ہی دل آویز اور فرحت افزا جگہ ہے اور ہندوستان کی مشہور عمارتوں اور منزلوں میں سے ہے ۔

قبل اس کے کہ اس منزل میں قیام ہو ، میں نے معماروں کو حکم دیا کہ وہ وہاں جا کر از سر نو اس عمارت کی مرمت اور صفائی کریں ۔ تین روز یہاں کی آب و ہوا کی خوبی اور لطافت کی وجہ سے اس منزل میں قیام رہا ۔

شجاعت خاں اپنی جاگیر سے پیش حاضر ہوا اور شرف حضوری حاصل کیا ۔

شہر اُجین ایک پرانا شہر ہے اور ہندوؤں کے سات مقامات مقدسہ میں شامل ہے ۔

راجا بکرماجیت ، جس نے ہندوستان میں افلاک اور ستارے دیکھنے کے لیے رصدگاہ بنوائی تھی ، اسی شہر اور ولایت کا رہنے والا تھا ۔ اس رصدگاہ کی تعمیر سے لے کر آج تک ، جب کہ ۱۰۲۶ھ اور میری تخت نشینی کا گیارھواں سال ہے ، ایک ہزار چھ سو پچھتر سال گزر چکے ہیں ۔ منجمین کے حساب جوتش نکالنے کا دار و مدار اسی رصدگاہ پر ہے ۔ یہ شہر دریائے سپرا کے کنارے پر واقع ہے ۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس دریا کا پانی سال بھر میں ایک مرتبہ کسی بھی غیر معین وقت میں دودھ ہو جاتا ہے ۔

میرے والد بزرگوار کے زمانے میں ، جب کہ انھوں نے میرے بھائی شاہ مراد کی اصلاح حالات کے لیے شیخ ابوالفضل کو بھیجا تھا ، اس نے اس شہر سے ان کی خدمت میں عرضداشت بھیجی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ چند روز قبل ایک رات اس دریا کا پانی دودھ ہو گیا تھا ، چنانچہ جن لوگوں نے اس رات کو اس دریا سے پانی بھرا تھا ، صبح کو ان کے برتن دودھ سے بھرے ہوئے تھے ۔ چوں کہ یہ بات بہت مشہور ہے اس لیے

میں نے یہاں لکھ دی ورنہ میری عقل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ۔ اس بات کی واقعیت کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے ۔

۲ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو موضع کالیادہ سے کشتی پر سوار ہو کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا ۔

جدروپ سنیاسی سے ملاقات :

میں نے متعدد مرتبہ سنا تھا کہ جدروپ[1] نامی ایک مرتاض سنیاسی کئی سال سے شہر اُجین کے قریب بستی سے دور ایک گوشۂ صحرا میں معبود حقیقی کی پرستش میں مشغول رہتا ہے ۔ مجھے اس سے ملنے کی بڑی خواہش تھی ۔ جب میں دارالخلافۂ آگرہ میں تھا ، میں چاہتا تھا کہ اس کو بلا کر دیکھوں لیکن اس کے روحانی مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے اسے تکلیف نہیں دی ۔ جب میں اس شہر اُجین کے قریب پہنچا تو کشتی سے اُتر کر آدھ پاؤ کوس کا راستہ پیدل طے کر کے اس کے دیکھنے کے لیے گیا ۔ وہ جگہ جو اس نے اپنے رہنے کے لیے پسند کی ہے ، ایک پشتہ ہے ۔ اس پشتے میں ایک سوراخ کر کے دروازہ بنا لیا ہے ۔ پہلے ایک محرابی شکل کا دروازہ واقع ہے جس کا طول ایک گز اور عرض دس گرہ ہے ۔ اس دروازے سے اس سوراخ تک کا فاصلہ ، جہاں وہ بیٹھتا ہے ، دو گز پانچ گرہ اور عرض سوا گیارہ گرہ ہے ۔ اس کی بلندی زمین سے چھت تک ایک گز تین گرہ ہے ۔ اس سوراخ کا جس کے اندر اس کا نشیمن ہے ، طول ساڑھے پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ ہے ۔ ضعیف و لاغر جثّے کا انسان بڑی بمشکل سے اس میں داخل ہو سکتا ہے ۔ اس سوراخ کا طول و عرض اسی قدر ہی ہوگا ۔ اس کے ہاں نہ چٹائی ہے نہ پیال ۔ تنہا اس تنگ و تاریک سوراخ میں رہتا ہے ۔ موسم سرما میں بھی جب کہ انتہائی سرد ہوائیں چلتی ہیں ، بالکل برہنہ ہی رہتا ہے اور سوائے اس کپڑے کے جس سے وہ اپنے ستر کو چھپاتا ہے ، اپنے پاس رکوئی کپڑا نہیں رکھتا ۔ اس کے باوجود بھی وہ آگ نہیں جلاتا ۔ گویا مولانا روم

۱- اقبالنامۂ جہانگیری میں اس سادھو کا نام اجھدروپ اشرم مندرج ہے (اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۱۰۱ ، مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد)

نے ایک درویش کی زبان سے اسی کا حال نظم کیا ہے کہ:

پوشش ما روز تاب آفتاب

شب نہالی و لحاف از ماہتاب

دریا کے اس حصے میں جو اس کے رہنے کی جگہ سے قریب ہے، دن میں دو بار غسل کرتا ہے۔ روزانہ ایک دفعہ [176] شہر اُجین میں آتا ہے اور ان سات اشخاص میں سے جو بیوی بچوں والے ہیں، اس نے تین اشخاص کا انتخاب کر رکھا ہے جو اس کی درویشی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن کے کھانے میں سے جسے وہ اپنے لیے پکاتے ہیں، پانچ لقمے بھیک کے طور پر مانگ لیتا ہے اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر بغیر چبائے اور مزہ معلوم کیے نگل لیتا ہے تاکہ اس کا ذائقہ اور لذت محسوس نہ کرے۔ اس کے آنے کی شرط یہ ہے کہ ان تینوں گھروں میں کوئی مصیبت یا ولادت واقع نہ ہوئی ہو اور اس گھر میں حائضہ عورت نہ ہو۔ اس کی زندگی کا طور و طریق اسی نہج پر ہے جو میں نے تحریر کر دیا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنے کا خواہش مند نہیں لیکن چوں کہ وہ لوگوں میں خوب مشہور ہو چکا ہے، لوگ خود بخود اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ علم و دانش سے خالی نہیں ہے۔ علم ویدانت جو (ہندوؤں میں) علم تصوف ہے، خوب جانتا ہے۔ میں چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا۔ وہ بہت اچھی باتیں کرتا رہا۔ چنانچہ اس کی بعض باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا اور اسے بھی مجھ سے محبت ہو گئی۔ میرے والد بزرگوار نے بھی قلعہ اسیر اور ولایت خاندیس کو فتح کرنے کے بعد دارالخلافہ آگرہ کو واپس لوٹتے ہوئے اسی جگہ اور اسی مقام پر اس سے ملاقات کی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔

برہمنوں کی زندگی بسر کرنے کے طریقے:

ہند کے داناؤں نے برہمنوں کی زندگی بسر کرنے کے، جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ شریف طبقہ سمجھا جاتا ہے، چار طریقے مقرر کیے ہیں اور مدت عمر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان چار حصوں کو چار آشرم کہتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ جب برہمن کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو وہ سات سال تک، جو لڑکپن کا زمانہ ہے، اسے برہمن نہیں کہتے اور نہ وہ کسی بات کا مکلّف ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ عمر کے آٹھویں سال میں داخل ہوتا ہے تو ایک

مجلس ترتیب دے کر برھمنوں کو جمع کرتے ہیں اور ایک ڈوری پر، جو مونج کی گھاس کی ہوتی ہے ، جسے موبخی کہتے ہیں اور جو سوا دو گز کی ہوتی ہے ، دعا اور منتر جپتے ہیں اور اس میں تین گرہیں اپنے ان تین بزرگوں کے نام پر ، جنھیں وہ اپنے اعتقاد میں مقدس اور پاک نہاد سمجھتے ہیں ، ڈالتے ہیں ، اور ایک زنّار جو کچے دھاگے اسے بٹا جاتا ہے ، حمائل وار اس کے داھنے کاندھے پر ڈالتے ہیں ، اور ایک گز سے کچھ لمبی لکڑی آسیب اور بلاؤں سے اس کو محفوظ رکھنے کے لیے اور ایک پیتل کا برتن پانی پینے کے لیے اس کے ھاتھ میں دے کر اسے کسی دانا برھمن کے سپرد کرتے ہیں تا کہ وہ بارہ سال اس کے گھر میں رہ کر وید کی تعلیم میں مشغول رہے ، جس کو وہ اپنے عقیدے کے مطابق کتاب الٰہی مانتے ہیں ۔ پھر وہ اس دن سے اس لڑکے کو برھمن کہتے ہیں ۔ اس مدت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ لذات جسمانی کے قریب مطلقاً نہ پھٹکے ۔ جب آدھا دن گزر جائے تو وہ گدائی کے لیے دوسرے برھمن کے گھر جائے اور جو کچھ وہاں ملے اس کو اپنے استاد کے پاس لا کر اس کی اجازت سے کھائے ، اور پہننے کے لیے سوائے کھدر کی لنگی کے ، جو صرف ستر عورت کے لیے کافی ہو ، اور دو تین گز کھدر کا انگوچھا ، جو کاندھے پر ڈالا جاتا ہے ، کوئی اور لباس اختیار نہ کرے ۔ اس حالت کو برھما چاریہ کہتے ہیں ، جس کا مطلب کتاب الٰہی میں مشغولی ہے ۔ اس مدت مذکور کے گزرنے کے بعد اس کو اپنے استاد اور والد کی اجازت سے شادی کرنے کا اختیار ہوتا ہے ۔ اس منزل میں اس کو اس بات کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حواس پنجگانہ کی تمام لذتوں سے بہرہ اندوز ہو ، یہاں تک کہ اس کا لڑکا تولد ہو کر سولہ سال کی عمر کو پہنچ جائے ۔ اور اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہو تو وہ خود اڑتالیس سال کی عمر تک پہنچ جائے ۔ دنیاوی تعلقات میں زندگی بسر کرنے کے اس زمانے کو گرھست کہتے ہیں جس کے معنی صاحب خاندان کے ہیں ۔ اس کے بعد اپنے خویش و اعزہ اور بیگانہ و آشنا سے جدائی اختیار کرے اور اسباب عیش و عشرت ترک کر کے آبادی سے دور کسی جنگل کے گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کرے ۔ اس حالت کو بان پرست کہتے ہیں جس کے معنی ہیں جنگل کی سکونت ۔ چوں کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کسی اہل تعلق کا عمل خیر بیوی کی شرکت و موجودگی کے بغیر [177] ، جو مرد کا نصف حصہ ہوتی ہے ، مکمل نہیں ہوتا اور تارک دنیا کو بعض اعمال اور عبادات کی تکمیل درپیش ہوتی ہے لہذا

اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی اپنے ہمراہ جنگل میں لے جائے ۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اُس وقت تک وہ اپنے جانے کو ملتوی رکھے کہ جب تک اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو اور وہ بچہ پانچ سال کا نہ ہو جائے ۔ جب وہ پانچ سال کا ہو جائے تو اُسے اپنے بڑے بیٹے یا اپنے کسی دوسرے رشتہ دار کے سپرد کرکے اپنے ارادے کو عمل میں لائے ۔ اسی طرح اگر اس کی بیوی حائضہ ہو تو اُس وقت تک توقف کرے جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے ۔ اس کے بعد اس سے جماع نہ کرے اور اس کی خلوتوں سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کرے اور راتوں کو اس کے اندام نہانی میں کوئی کپڑا رکھ کر سوئے ، یہاں تک کہ بارہ سال اسی طرح اس مقام پر گزارے ۔ اس زمانے میں اس کی خوراک وہ نباتات ہونی چاہئیں جو جنگلوں اور صحراؤں میں خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور آگ کی پرستش کرے اور اپنے اوقات کو ناخن تراشنے ، حجامت بنوانے اور داڑھی مونچھ کی اصلاح بنانے میں ضائع نہ کرے ۔ جب یہ مدت اس مذکورہ طریقے پر گزر جائے تو پھر اپنے گھر کو لوٹ کر آئے اور بیوی کو اپنے بیٹوں ، بھائیوں اور رشتے داروں کے سپرد کر کے اپنے گرو کی خدمت میں جائے اور اپنے جنیو اور سر کے بال وغیرہ اس کے حضور میں جلا کر کہے کہ جس جس چیز سے مجھے تعلق تھا یہاں تک کہ ریاضت و عبادت اور تمام خواہش نفس کو اپنے دل سے نکال دیا ۔ اور اس کے بعد خواہشات کی راہوں کو اپنے دل پر بند کر لے اور حق کے مراقبے میں ہمیشہ مشغول ہو جائے اور موجود حقیقی (ذات الٰہی) کے علاوہ ہر چیز کو بے حقیقت سمجھے ۔ اگر وہ علمی گفتگو کرنا چاہے تو سوائے علم ویدانت کے کسی اور موضوع پر گفتگو نہ کرے ۔ چنانچہ بابا فغانی نے اس حقیقت کو اس شعر میں نظم کیا ہے :

یک چراغ است درین خانہ کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگرم انجمنی ساختہ اند

اس حالت کو سرب بیاس کہتے ہیں ۔ یعنی سب کچھ چھوڑ دینا ، اور اس منزل سے گزرنے والے کو سرب بیاسی کہتے ہیں ۔

جدروپ کی اس ملاقات کے بعد میں ہاتھی پر سوار ہو کر اُجین کی آبادی میں سے گزرا ، اور تین ہزار پانسو روپے کی ریزگاری گزرتے وقت میں نے اپنے دائیں اور بائیں جانب نچھاور کی اور پونے دو کوس کا فاصلہ طے کرکے دادو کھیڑے کے باہر جہاں شاہی لشکر نے پڑاؤ کیا تھا ، اترا ۔

۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو جب کہ اس منزل میں قیام تھا، جد روپ سے دوبارہ اشتیاقِ ملاقات کی بنا پر دوپہر کے بعد میں اُس سے ملنے کے لیے روانہ ہوا اور چھ گھڑی تک اُس کی ملاقات سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس دن بھی خوب باتیں رہیں، شام کے قریب دولت سرائے خاص کو واپس لوٹا۔

باغ پرانیہ میں قیام :

۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو داذو کھیڑہ سے روانہ ہو کر سوا تین کوس کا فاصلہ طے کیا اور موضع جراو کے نزدیک باغ پرانیہ میں قیام کیا۔ یہ منزل بھی سرسبزی اور شادابی اور درختوں کی کثرت کی وجہ سے نہایت خوش منظر تھی۔

دیپال پور کے تالاب کے کنارے قیام :

۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو باغ پرانیہ سے روانہ ہوا اور پونے پانچ کوس کی مسافت طے کر کے دیپال پور بھریہ کے تالاب کے کنارے اترا۔ اس جگہ اور مقام کی خوبی اور تالاب کی لطافت کی وجہ سے یہاں چار روز قیام رہا۔ ہر روز شام کو کشتی پر سوار ہو کر مرغابی اور دوسرے آبی جانوروں کے شکار کے لیے جاتا تھا۔

اس منزل میں احمد نگر سے فخری انگور لائے گئے تھے، اگرچہ یہ انگور بڑے ہوتے ہیں مگر بڑے ہونے میں کابل کے فخری انگوروں کی برابری نہیں کرتے، گو لطافت میں اُن سے کسی طرح کم نہیں۔

بابا خرم کی التجا پر میرزا شاہ رخ کے بیٹے بدیع الزمان کا منصب ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کر دیا۔

دولت آباد میں قیام :

۱۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو دیپال پور بھریہ کے تالاب کے کنارے سے روانہ ہوا اور سوا تین کوس کا راستہ طے کر کے پرگنہ دولت آباد کے نزدیک قیام کیا۔

بڑ کا ایک درخت :

۱۲ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جب کہ اس منزل میں قیام تھا، شکار کھیلنے کا موقع ملا۔ دوران شکار میں موضع شیخوپور میں ، جو اس پرگنے کے مضافات میں ہے ، بڑ کا ایک درخت دیکھنے میں آیا جو نہایت ہی بڑا [178] اور تناور تھا۔ اس کے تنے کا گھیر ساڑھے اٹھارہ گز اور بلندی جڑ سے لے کر سب سے اونچی شاخ تک ایک سو سوا اٹھائیس گز ، اور جٹائیں جو تنے سے جدا ہو کر خود سایہ گستر ہو گئی ہیں ، دو سو ساڑھے تین گز ہیں ۔ اس کی ایک شاخ جو ہاتھی کے دانت کی طرح سامنے نکلی ہوئی ہے ، اس کی لمبائی چالیس گز ہے ۔ جس زمانے میں والد بزرگوار یہاں سے گزرے تھے تو انھوں نے اس کی ایک ڈاڑھ پر جو زمین سے جا ملی تھی ، پونے چار گز کی بلندی پر اپنی نشانی کے طور پر اپنا پنجہ کندہ کرایا تھا۔ میں نے بھی حکم دیا کہ اس کی دوسری ڈاڑھ پر آٹھ گز کی بلندی پر میرا پنجہ بھی منقوش کریں ، اور اس خیال سے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے یہ نقش مٹ نہ جائیں ، حکم دیا ان دونوں پنجوں کے نشانات کو سنگ مرمر پر کندہ کروا کر درخت کے انھیں تنوں پر نصب کریں ۔ اور اس کے ارد گرد ایک صاف ستھرا چبوترہ بنانے کا حکم دیا ۔

میں نے اپنی شاہزادگی کے زمانے میں میں ضیاء الدین قزوینی سے ، جو سیفی سادات میں سے ہے ، اور میرے عہد حکومت میں مصطفیٰ خان کے خطاب سے سرفراز ہوا ہے ، وعدہ کیا تھا کہ پرگنہ مالدہ کو ، جو صوبہ بنگال کے مشہور پرگنات میں سے ہے ، بطور ال تمغا اس کو اور اس کی اولاد کو دے دوں گا۔ اس منزل میں اس عطیۂ عظمیٰ کے دینے کا وعدہ عمل میں آیا۔

موضع سانگور میں قیام :

۱۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو روانہ ہوا اور سیر و شکار کے ارادے سے بعض شاہی خواتین اور چند مصاحبوں اور خدمت گاروں کو لے کر اور لشکر سے جدا ہو کر حاصل پور کی طرف متوجہ ہوا۔ چناں چہ لشکر نے اتنو بالچھ کے نزدیک پڑاؤ کیا اور میں موضع سانگور میں مقیم ہوا ۔ اس موضع کی عمدہ آب و ہوا اور دوسری خوبیاں کیا لکھوں ؛ یہاں آموں کی کثرت ہے اور تمام

زمین سرسبز ہے ۔ مختصر یہ ہے کہ اس منزل کی سرسبزی اور شادابی کی وجہ سے یہاں تین روز قیام رہا ۔ یہ موضع کیشو مارو سے سلب کر کے کمال خان قراول کو عنایت کیا اور حکم دیا کہ آج سے اس موضع کو کمال پور کے نام سے پکارا جائے ۔

اسی منزل میں قیام کے زمانے میں شورات (شوراتری) کا تہوار آ گیا جس کی رسوم ادا کرنے کے لیے بہت سے جوگی جمع ہوئے اور اس رات کے مراسم بجا لائے ۔ جوگیوں کی اس جماعت کے داناؤں کے ساتھ ملاقات رہی ۔

یہاں کے قیام کے زمانے میں شکار بھی کھیلا ، اور ان دنوں میں تین نیل گائیں شکار کیں ۔

اسی منزل میں راجا مان کے مارے جانے کی خبر ملی ۔ اسے میں نے اس لشکر کا سردار بنا کر بھیجا تھا جو کانگڑا کی تسخیر کے لیے متعین کیا گیا تھا ۔ جب وہ لاہور پہنچا تو اس کو وہاں یہ خبر ملی کہ کوہستان پنجاب کے ایک زمیندار نے ، جس کا نام سنگرام ہے ، اس کی ریاست میں داخل ہو کر اس کے علاقے کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا ہے ۔ وہ اس کی مدافعت کو مقدم جان کر اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا ۔ چوں کہ سنگرام مذکور میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی ، اس لیے وہ ان علاقوں کو چھوڑ کر جن پر اس نے قبضہ کر لیا تھا ، دشوار گزار سنگلاخ اور محکم اور سخت ترین پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گیا ۔ راجا مان بھی اس کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے پندار میں مست ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ ان دشوار گزار پہاڑوں میں گھس گیا اور نشیب و فراز اور آمد و رفت کا اندازہ لگائے بغیر اس کے سر پر پہنچ گیا ۔ سنگرام نے جب دیکھا کہ فرار ہونے کا راستہ بند ہو چکا ہے تو اس شعر کے مطابق :

وقت ضرورت چوں نماند گریز
دست بگیرد سر شمشیر تیز

لڑنے اور مدافعت کے لیے آمادہ ہو گیا ۔ اس لڑائی میں تقدیر سے ایک پتھر راجا مان کے لگا جس کے لگتے ہی اس نے وفات پائی ، اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی ، اور اس کے بہت سے لوگ مارے گئے ۔ بچے کھچے زخمی حالت میں اپنے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ چھوڑ کر نہایت پریشانی و نیم جانی

کے عالم میں اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے ۔

موضع حاصل پور میں مقام :

۱۷ ماہ اسفندار ۱۰۲٦ھ (۱٦۱۷ع) کو موضع ساسکپور سے روانہ ہوا، اور تین کوس کا فاصلہ طے کرکے موضع حاصل پور میں پہنچا ۔ راستے میں ایک نیل گائے شکار کی ۔ موضع مذکور صوبہ مالوہ کے مشہور مقامات میں سے ہے ۔ یہاں انگوروں کی [179] کثرت ہے اور آم کے درخت بھی بے شمار ہیں جن کے اطراف میں ندیاں بہتی ہیں ۔ جب میں پہنچا تو یہاں ولایت کے انگوروں کے موسم کے برعکس انگوروں کا موسم شروع ہو چکا تھا اور انگور اس قدر ارزاں اور فراواں تھے کہ ادنی سے ادنی آدمی جس مقدر میں چاہتا ان کو خرید سکتا تھا ۔ خشخاش کے پھول بھی کھلے ہوئے تھے ۔ ان کے تختے کے تختے مختلف رنگوں کے نظر کو بھلے معلوم ہوتے تھے ۔ مختصر یہ کہ ایسے لطیف اور خوش منظر گاؤں بہت کم ہوں گے ۔ مزید تین روز تک اس گاؤں میں قیام رہا ۔ تین نیل گائیں بندوق سے ماریں ۔

۲۱ ماہ اسفندار ۱۰۲٦ھ (۱٦۱۷ع) کو حاصل پور سے روانہ ہوا اور دو مرتبہ قیام و کوچ کے بعد اپنے لشکر سے جا ملا ۔ راستے میں ایک نیل گائے شکار ہوئی ۔

لعلچہ سے روانگی :

۲۲ ماہ اسفندار ۱۰۲٦ھ (۱٦۱۷ع) کو اتوار کے روز لعلچہ سے کوچ کر کے اس تالاب کے کنارے، جو قلعہ مالدو کی انتہا پر واقع ہے، مقام کیا ۔

اسی دن قراولوں نے اطلاع دی کہ تین کوس کے فاصلے پر انھوں نے ایک شیر کو گھیرے میں لے رکھا ہے ۔ باوجود اس کے کہ اتوار کا دن تھا اور ان دو دنوں، یعنی اتوار اور جمعرات کے دن میں بندوق کا شکار نہیں کھیلتا، لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ چوں کہ یہ جانور موذی ہے، اسے مارنا چاہیے، اس لیے میں روانہ ہو گیا ۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا جہاں وہ شیر تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ شیر ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے ۔ ہاتھی پر بیٹھے ہوئے میں نے اس کے منہ کو نشانہ بنایا جو نصف کھلا ہوا تھا اور بندوق چلا دی ۔ اتفاق سے گولی اس کے منہ کے اندر گئی اور اس کی کھوپڑی

اور مغز کے اندر گھس گئی ، اور ایک وار میں میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد ان لوگوں نے ، جو میرے ساتھ تھے ، ہر چند کوشش کی کہ وہ معلوم کریں کہ اس کے گولی کہاں لگی ہے لیکن کہیں بھی اس کے گولی لگنے کا نشان نہ تھا ۔ بالآخر میں نے حکم دیا کہ وہ اس کے منہ کے اندر دیکھیں ، تب انہیں معلوم ہوا کہ گولی اس کے منہ کے اندر لگی ہے ، اور اسی زخم سے وہ مر گیا ۔

شیر اور بھیڑیے کے پتوں میں فرق کی تلاش :

میرزا رستم نے ایک بھیڑیا شکار کیا تھا ، وہ اسے لے کر آیا ۔ مجھے خیال ہوا کہ اس کا پتا دیکھنا چاہیے ؛ آیا شیر کی طرح اس کا پتا بھی جگر کے اندر واقع ہے یا دوسرے جانوروں کی طرح جگر کے باہر ہے ؟ چنانچہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا پتا بھی دوسرے جانوروں کے برخلاف جگر کے اندر واقع ہے ۔

قلعۂ مانڈو میں داخلہ :

۲۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن ایک پہر گزرنے کے بعد نیک طالع اور مبارک وقت میں ، میں قلعۂ مانڈو کی طرف روانہ ہوا اور ایک پہر اور تین گھڑی گزرنے کے بعد اس محل میں داخل ہوا جو میرے ٹھہرنے کے لیے سجایا گیا تھا ۔ راستے میں میں نے ایک ہزار پانسو روپے لٹائے ۔ اجمیر سے مانڈو کا فاصلہ ایک سو انسٹھ کوس ہے جو چار ماہ دو روز کی مدت میں طے ہوا جس میں چھیالیس دن سفر میں اور اٹھتر دن قیام میں گزرے ۔ سفر کے ان چھیالیس دنوں میں اتفاق سے دل کش مقامات ، تالابوں ، ندیوں اور بڑی نہروں کے کنارے سبزہ زاروں ، گھنے درختوں اور ایسے مقامات پر جہاں خشخاش کے پھولوں کی کثرت ہوتی تھی ، ٹھہرنے کا اتفاق ہوا ۔ کوئی روز ایسا نہ تھا کہ سفر و حضر کی حالت میں شکار نہ کیا ہو ، تمام راستہ گھوڑے یا ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و تفریح کرتے ہوئے اور شکار کرتے ہوئے طے کیا ۔ سفر کی تکلیف اور مشقت بالکل معلوم نہیں ہوئی ۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک باغ سے دوسرے باغ میں منتقل ہو رہا ہوں ۔ راہ سفر کے شکار میں

آصف خان ، میرزا رستم ، میر میراں ، انیرائے ، ہدایت اللہ ، راجا سارنگ دیو ، سید کاسو اور خواص خان ہمیشہ میرے حضور میں حاضر رہے ۔

قبل اس کے کہ شاہی لشکر مانڈو کے حدود میں داخل ہو ، میں نے عبدالکریم معموری کو وہاں کے قدیم حکام کی بنائی ہوئی عمارتوں کو درست کرانے کے لیے مانڈو بھیجا تھا ۔ اس نے اس مدت میں ، جب کہ میں اجمیر میں مقیم تھا ، بعض قدیم عمارتوں کی مرمت کرائی اور بعض کو از سر نو تعمیر کروایا اور بالکل نئی حالت میں کر دیا ۔ مختصر یہ کہ [180] میرے پہنچنے سے قبل میرے ٹھہرنے کی جگہ اس سلیقے سے تعمیر کی اور سجائی کہ میرے علم میں لطافت و نفاست کے اعتبار سے کوئی ایسی عمارت نہیں ہے جو اس کی ہمسری کرے ۔ تقریباً تین لاکھ روپے جو ولایت کے دو ہزار تومان ہوتے ہیں ، اس پر خرچ ہوئے ۔ ایسی عالی شان عمارت کسی بڑے شہر میں ہونی چاہیے تھی جو میرے ٹھہرنے کے قابل ہو ۔ یہ قلعہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے جس کا گھیر ناپنے کے بعد دس کوس نکلا ۔ برسات کے موسم میں آب و ہوا کی عمدگی اور لطافت میں کوئی جگہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ سخت موسم گرما میں بھی یہاں کی راتیں اس قدر سرد ہوتی ہیں کہ بغیر لحاف کے گزارا نہیں ہوتا اور دن میں پنکھے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

کہتے ہیں کہ راجا بکرماجیت کے زمانے سے پہلے جے سنگھ دیو نامی ایک راجا تھا ۔ اس کے زمانے میں ایک شخص گھاس کاٹنے کے لیے جنگل میں گیا تھا ۔ گھاس کاٹنے کے دوران میں وہ درانتی جو اس کے ہاتھ میں تھی ، سنہری ہوگئی ۔ جب اس نے اپنی درانتی کا رنگ بدلا ہوا دیکھا تو وہ اسے مادن نامی لوہار کے پاس لے کر آیا کہ وہ اسے ٹھیک کر دے ۔ لوہار سمجھ گیا کہ یہ لوہا سونا ہو گیا ہے ۔ وہ اس سے قبل سن چکا تھا کہ اس علاقے میں سنگ پارس ہے جس کے لگتے ہی لوہا سونا ہو جاتا ہے ۔ وہ اسی وقت گھسیارے کو ساتھ لے کر اس مقام پر آیا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور تلاش و جستجو کے بعد اس پتھر کو حاصل کر لیا ۔ اس کے بعد اس نے وہ گوہر بے بہا بطور نذر کے موجودالوقت راجا کی خدمت میں پیش کیا ۔ راجا نے اس پتھر کے ذریعے سے بہت سا سونا بنایا ، کچھ حصہ اس سونے کا اس قلعے کی عمارتوں کی تعمیر میں صرف کیا اور بارہ سال میں ان عمارتوں کی تکمیل کرائی ۔ راجا نے اس لوہار کی خواہش پر بہت سے پتھر اہرن کی شکل میں ترشوا کر اس قلعے کی دیوار میں چنوائے ۔

راجا نے آخر عمر میں، جب اس کا دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا، دریائے نربدا کے کنارے، جو ہندوؤں کے مشہور معابد میں سے ہے، ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس میں برہمنوں کو بلایا اور اُن کے ساتھ لطف و شفقت کا برتاؤ کرتے ہوئے نقد و جنس سے سلوک کیا۔ جب ایک ایسے برہمن کی باری آئی جس سے اس کے پرانے تعلقات تھے تو اس نے وہ سنگ پارس اس کو دیا، چوں کہ وہ اس پتھر کی قدر و قیمت نہیں جانتا تھا، اس لیے وہ راجا کے عطیے سے نہایت غضب‌ناک ہوا اور غصے میں آکر اس گوہر بے بہا کو اس نے دریا میں ڈال دیا، لیکن اس کے بعد جب وہ حقیقت حال سے آگاہ ہوا تو عمر بھر کی حسرت اور غم میں مبتلا ہو گیا۔ دریا میں پتھر کی بہت تلاش و جستجو کی لیکن اس کا کچھ پتا نہ چلا۔ یہ باتیں کتابی نہیں ہیں بلکہ میں نے لوگوں کی زبانی سنی ہیں لیکن مجھے یہ ایک من گھڑت افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

مانڈو صوبہ مالوہ کی مشہور سرکاروں میں سے ہے۔ اس کے محاصل سے ایک کروڑ انتالیس لاکھ دام آمدنی ہوتی ہے۔ یہ شہر ایک طویل عرصے تک اس ملک کے بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا۔ ان حکمرانوں کی بنائی ہوئی بے شمار عمارتیں اور آثار ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہیں اور انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا ہے۔

مانڈو کی عمارتوں کی سیر

جامع مسجد :

۲۴ ماہ اسفندار کو میں سوار ہو کر سابق سلاطین کی عمارتوں کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے جامع مسجد میں آیا جو **سلطان ہوشنگ غوری**(۴۳) کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ عمارت نہایت عالی شان ہے۔ پوری عمارت تراشیدہ پتھر سے بنائی گئی ہے۔ اگرچہ اس عمارت کی تعمیر پر ایک سو اسی سال کا زمانہ گزر چکا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ آج ہی بنائی گئی ہے۔

خلجی سلاطین کے مقبرے :

اس کے بعد میں خلجی سلاطین کے مقبروں میں آیا۔ ازلی و ابدی روسیاہ **سلطان نصیر الدین بن سلطان غیاث الدین** کی قبر بھی ان ہی مقبروں میں واقع ہے۔

مشہور ہے کہ اس بدنصیب نے اپنے باپ سلطان غیاث الدین کے، جس کی عمر اسی سال کی تھی، قتل کا ارادہ کیا۔ دو مرتبہ اس کو زہر دیا۔ لیکن اس نے اس زہر مہرے سے، جو وہ اپنے بازو پر باندھے رہتا تھا، اس کی مدافعت کی۔ پھر اس نے تیسری مرتبہ اپنے باپ کو شربت کے پیالے میں زہر ملا کر دیا کہ اسے پی لیجیے۔ باپ شربت کے اس اہتمام کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ اس نے سب سے پہلے زہر مہرہ اپنے بازو سے کھول کر [181] اس کے سامنے ڈال دیا۔ پھر نہایت عجز و زاری سے اپنے خالق کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے خدا وندا! میری عمر اسی سال کو پہنچ چکی ہے۔ میں نے یہ زمانہ ایسی حکومت و عشرت و کامرانی میں گزارا ہے جو دوسرے بادشاہوں کو میسر نہیں ہوئی۔ اب کہ زمانہ میری موت کا ہے، تجھ سے امیدوار ہوں کہ نصیر کو میرے قتل کے گناہ میں نہ پکڑیو اور میری موت کو طبعی موت قرار دے کر اس سے مواخذہ نہ کیجیو۔ ان کلمات کے ادا کرنے کے بعد اس نے وہ شربت کا پیالہ جس میں زہر ملا ہوا تھا، ایک گھونٹ میں پی لیا اور مر گیا۔

سلطان غیاث الدین کا مقصد ان الفاظ سے کہ میں نے حکومت کا زمانہ ایسے عیش و عشرت میں گزارا ہے جو کسی دوسرے بادشاہ کو میسر نہیں ہوا، یہ تھا کہ جب وہ اڑتالیس سال کی عمر میں تخت شاہی پر بیٹھا تو اس نے اپنے مقربوں اور مصاحبوں سے کہا کہ میں تیس سال سے اپنے والد بزرگوار کے زمانے میں لشکر کشی کرتا رہا ہوں اور میں نے سپاہ گری اور شجاعت کے لوازم میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ اب یہ میری بادشاہت کا زمانہ ہے۔ میں ملک گیری کا ارادہ نہیں رکھتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی بقیہ عمر عیش و عشرت میں گزاروں۔ کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار عورتیں اس نے اپنے محل میں جمع کی تھیں اور ان عورتوں سے ایک شہر آباد کیا تھا، جس میں اقسام و اصناف کے ہنرمند، حاکم، قاضی، کوتوال اور ایسے عہدہ دار جن کی شہر کے انتظام کے لیے ضرورت ہوتی ہے، ان سب عہدوں پر عورتوں کو مقرر کیا تھا۔ جہاں کہیں اسے کسی خوبصورت لونڈی کی خبر معلوم ہوتی تو جب تک وہ اس کو حاصل نہ کر لیتا، چین سے نہ بیٹھتا۔ اس نے مختلف قسم کے علوم و فنون لونڈیوں کو سکھائے تھے۔ شکار سے اسے بے حد رغبت تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک "آہو خانہ" بھی بنوایا تھا اور اس میں قسم قسم کے جانور

جمع کیے تھے ۔ اکثر اوقات عورتوں کے ساتھ اس آھو خانے میں شکار
کھیلتا تھا ۔ مختصر یہ کہ اس نے اپنی بتیس سالہ حکومت کے دوران میں اپنے
فیصلے کے مطابق کسی دشمن پر چڑھائی نہیں کی ، اور اپنی حکومت کے اس
زمانے کو نہایت عیش و عشرت میں گزارا ۔ اسی طرح کسی دوسرے نے بھی
اس کے ملک پر حملہ نہیں کیا ۔ مشہور ہے کہ جب شیر خان افغان اپنی
حکومت کے زمانے میں نصیر الدین کی قبر پر سے گزرا تو اس نے اپنی حیوان صفتی
کے باوجود نصیر الدین کے اس عمل شنیع کی وجہ سے اپنے ہمراہیوں سے اس کی
قبر پر ڈنڈے برسوائے تھے کہ اس نے اپنے باپ کو زہر دیا تھا ۔

چناں چہ میں بھی جب اس کی قبر پر پہنچا تو میں نے بھی چند ٹھوکریں
اس کی قبر پر ماریں ، اور میرے حضور میں اس وقت جو لوگ موجود تھے ان کو بھی
حکم دیا کہ اس کی قبر پر خوب ٹھوکریں لگائیں ۔ مجھے جب اس سے بھی تسلی
نہ ہوئی تو میں نے حکم دیا کہ اس کی قبر کھود کر اس کے جسم کے ناپاک
اجزا کو آگ میں جلا دیں ۔ پھر مجھے خیال آیا کہ آگ انوار الٰہی کا ایک نور
ہے ، اس کثیف جسم کے جلانے سے وہ جوہر لطیف مکدر ہو گا ۔ علاوہ ازیں
کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے جلانے سے قیامت کے دن اس کے عذاب میں تخفیف
ہو جائے ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو اس کے جسم
کے ساتھ ، جو خاک ہو چکی ہیں ، دریائے نربدا میں پھینک دیں کہ وہ اپنی زندگی میں
بھی اس حرارت کی وجہ سے جو اس کی طبیعت پر غالب تھی ، ہمیشہ پانی میں
گزارتا تھا ۔ چناں چہ مشہور ہے کہ اس نے ایک مرتبہ حالت مستی میں اپنے
آپ کو کالیادہ کے ایک گہرے حوض میں گرا دیا تھا ۔ محل کے چند خدمتگاروں
نے بڑی مشکل سے اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اس کو حوض میں سے نکالا ۔
جب وہ ہوش میں آیا تو ان خدمت گاروں نے یہ واقعہ بتایا کہ اس کو کس
طرح نکالا گیا تھا ۔ جب اس نے یہ بات سنی کہ اس کے سر کے بالوں کو
پکڑ کر اسے حوض سے نکالا گیا تھا تو نہایت غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ اس
خدمتگار کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں ۔ دوسری دفعہ پھر اسی قسم کا واقعہ پیش آیا مگر
کسی نے اس کے نکالنے کی جرأت نہ کی ، یہاں تک کہ پانی میں غوطے کھا کر
مر گیا ۔ اتفاق سے اس کی وفات کے ایک سو دس سال کے بعد یہ واقعہ [182]

پیش آیا کہ رہتیں جنے قبر جتنے اس رکے جسم کے اجزا کو نکلوا کر دریا میں پھنکوا دیا۔

۲۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اس خدمت کے صلے میں کہ عبدالکریم نے مانڈو کی عمارتوں کی نہایت حسن و خوبی سے مرمت کروائی تھی، اس کو اصل و اضافے کے ساتھ ہشت صدی ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور معمور خان کے خطاب سے نوازا۔

اسی تاریخ میں جب کہ میں لشکر کے ساتھ قلعۂ مانڈو میں داخل ہوا، فرزند بلند اقبال سلطان خرّم بھی شاہی لشکر کے ساتھ برہان پور میں داخل ہوا جو ولایت خاندیس کا صدر مقام ہے۔ چند روز کے بعد افضل خان اور رائے رایان کی عرضداشتیں جنھیں بابا خرّم نے اجمیر سے عادل خان کے ایلچی کے ساتھ روانہ کیا تھا، پہنچیں۔ ان میں لکھا تھا کہ جب ہمارے آنے کی خبر عادل خان کو ملی تو اس نے شاہزادۂ بلند اقبال کے فرمان اور نشان کو حاصل کرنے کے لیے سات کوس تک آگے بڑھ کر استقبال کیا اور تسلیم اور سجدے کے آداب بجا لانے میں، جو بارگاہ شاہی کا معمول ہے، سرمو کمی نہیں کی۔ اس ملاقات میں اس نے سلطنت کی خیرخواہی اور وفاداری کا زیادہ سے زیادہ اظہار کر کے عہد کیا کہ جتنے علاقے شاہی سلطنت کے حاکموں کے ہاتھوں سے نکل کر عنبر کے پاس چلے گئے ہیں، وہ ان سب کو عنبر بدنصیب سے چھین کر شاہی حکام کو واپس کرے گا۔ اور اس کا بھی اقرار کیا کہ مناسب پیش کش ایلچیوں کے ہمراہ تمام آداب شاہی کے ساتھ بارگاہ شاہی میں روانہ کرے گا۔ ان مراسم کے بعد اس نے ایلچیوں کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ اس مقام پر ٹھہرایا جو ان کے قیام کے لیے سجایا گیا تھا۔ اسی دن اس نے عنبر کے پاس آدمی بھیجا اور اس خصوص میں تمام ضروری امور اس قاصد کے ذریعے سے اس کو کہلائے۔ یہ خبریں افضل خان اور رائے رایان کی عرض داشتوں سے حاصل ہوئیں۔

اجمیر سے روانہ ہونے کے دن سے لے کر ۳۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) تک اس چار ماہ کی مدت میں دو شیر، ستائیس نیل گائیں، چھ چیتل، ساٹھ ہرن، تیئیس خرگوش اور لومڑیاں، بارہ سو مرغابیاں اور دوسرے جانور شکار کیے۔

جہانگیر کے بارہ سال سے پچاس سال کی عمر تک کے شکار کی تعداد :

اپنے گزشتہ زمانے کے شکار کھیلنے کے واقعات اور اس ذوق و شوق کی کیفیات کو، جو مجھے شکار کے متعلق ہیں، میں رات کے اوقات میں اپنے امرا اور اہل دربار کو سناتا رہا ہوں ۔ مجھے خیال آیا کہ سن شعور سے لے کر اب تک جتنے شکار میں نے کیے ہیں ان کی تعداد حاصل کی جائے ۔ چناں چہ میں نے یہ خدمت واقعہ نویسوں ، مشرفوں ، قراولوں اور دوسرے شاہی خدام اور عملے کے سپرد کر کے حکم دیا کہ ہر قسم کے شکار شدہ جانوروں کی الگ الگ فہرست مرتب کر کے مجھے ان کی مجموعی تعداد بتائیں ۔ ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ بارہ سال کی عمر سے یعنی کہ ۹۸۸ھ سے اس سال یعنی ۱۰۲۵ھ تک جو کہ میری تخت نشینی کا گیارھواں سال اور میری عمر کا قمری حساب سے پچاسواں سال ہے ، اٹھائیس ہزار پانچ سو بتیس (۲۸۵۳۲) جانور میرے حضور میں شکار کیے گئے ۔ اس مجموعی تعداد میں سے سترہ ہزار ایک سو سڑسٹھ جانور بندوق وغیرہ سے شکار کیے گئے اور ان کی وضاحت یہ ہے : چرندے جانور تین ہزار دو سو تین ، یعنی شیر چھیاسی ؛ ریچھ چیتے ، لومڑیاں ، اود بلاؤ اور بجو نو ؛ نیل گائیں آٹھ سو نواسی ، نہا کہ نو راس جو بارہ سنگھے کی قسم ہے اور اڑائی اور جثے میں نیل گائے کے برابر ہوتا ہے ، اور ہرن اور ہرنیاں ، چکارے ، چیتل اور پہاڑی بکرے وغیرہ ایک ہزار چھ سو ستر ؛ مینڈھے اور سرخہ ہرن دو سو پندرہ ؛ بھیڑیے چونسٹھ ؛ جنگلی بھینسے چھتیس ؛ سور نوے ؛ پہاڑی ہرن چھبیس ؛ پہاڑی مینڈھے بائیس ؛ [183] ارغلی بتیس ؛ گورخر چھ اور خرگوش تیئیس ۔

شکار کیے ہوئے پرندوں کی تعداد :

شکار کیے ہوئے پرند جانوروں کی تعداد دس ہزار تین سو اڑتالیس ہے ، جن کی تفصیل یہ ہے : کبوتر دس ہزار تین سو اڑتالیس ، لکڑ جکڑ تین ؛ عقاب دو ؛ چیلیں اٹھائیس ؛ چغد انتالیس ؛ بڑی قوطان بارہ ؛ موش مور پانچ ؛ چڑیاں اکتالیس ؛ فاختائیں پچیس ؛ الو تیس ؛ مرغابیاں ، قاز اور بگلے وغیرہ ایک سو پچاس ؛ کوے تین ہزار دو سو چھہتر ؛ آبی جانوروں میں سے مگرمچھ جسے نہنگ بھی کہتے ہیں ، دس عدد شکار کیے ۔

حواشی جشن یازدہم

(۱) حافظ ناد علی گوینده : اقبال نامۂ جہانگیری مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد ، ص ۲۳۷ میں حافظ ناد علی کا تذکرہ عہد جہانگیری کے قوال اور سازندوں میں کیا گیا ہے ، یہ قرآن پاک کا حافظ اور اچھا قاری تھا .

(۲) زرد یاقوت : عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یاقوت سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اسی بنا پر اکثر شعرا سرخ چیزوں کو یاقوت سے تشبیہ دیتے ہیں ، حالاں کہ تین رنگوں کے یاقوت ملتے ہیں : (۱) سرخ (۲) نیلا (۳) زرد . چناں چہ برہان قاطع میں ہے کہ : ''یاقوت بر وزن ہاروت نام جوہریست ، سرخ و کبود و زرد می باشد ، گرم و خشک است در چہارم و قائم النار یعنی آتش او را ضائع نمی سازد ، و خود داشتن آن رفع علت طاعون کند''.

(۳) شمشیر خان (ارسلان بے اوزبک) : جہانگیر کے امرا میں تھا . یہ جلوس جہانگیری کے تیسرے سال جہانگیر کی ملازمت میں منسلک ہوا اور منصب و خلعت سے سرفراز کرکے جہانگیر نے سیوستان اس کی جاگیر میں دے کر اُسے ٹھٹھ کا صوبے دار مقرر کیا . جلوس جہانگیری کے دسویں سال مظفر خان معموری کے صوبے دار مقرر ہونے کے بعد یہ معزول ہو کر جہانگیر کے حضور میں آیا اور سلطان خرم کے ساتھ مہم رانا پر متعین کیا گیا اور اپنے مقررہ وقت پر لاہور میں وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۳۳۲ ، و تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۲۹۶ - ۲۹۷ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی) .

(۴) مظفر خان معموری : میر عبدالرزاق معموری مظفر خان صحیح النسب سادات معمور آباد سے ہے ، جو نجف اشرف میں ایک موضع ہے . یہ عہد اکبری میں بنگال کے عہدۂ بخشی گری سپاہ پر مقرر ہوا . میرزا غازی بیگ کی وفات کے بعد میرزا رستم صفوی ٹھٹھ کی صوبے داری پر متعین ہوا اور

مظفر خاں کو اس صوبے کی جمع بندی کی تشخیص کے لیے بھیجا گیا. شمشیر خاں اوزبک کی معزولی کے بعد مظفر خاں ٹھٹہ کا صوبے دار مقرر ہوا . آخر میں مظفر خاں مالوہ کا صوبے دار مقرر ہوا . (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۷۶-۳۷۹ . و تعلیقات مظہرشاہجہانی ، ص ۳۰۶-۳۰۸ مرتبہ سید حسام الدین راشدی)

(۵) اعتقاد خاں : (میرزا شاپور) (رک حواشی جشن ہفتم حاشیہ نمبر ۱۷)

(۶) سید بایزید بخاری : قطب الاقطاب حضرت دندبہ (؟) کی اولاد سے تھا ، جو پٹنہ میں محو استراحت ہیں . مرتضیٰ خاں نے اس کی تربیت میں بہت زیادہ سعی کی . کچھ عرصے تک وہ اکبر کے زمانے میں داروغہ داغ بھی تھا . عہد جہانگیری میں وہ مصطفیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا اور ۱۰۲۵ھ میں بکھر کا صوبے دار مقرر ہوا ، اور ۱۵ جلوس جہانگیری ۵ ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ میں بکھر سے تبدیل ہو کر ٹھٹے کا صوبے دار مقرر ہوا ، اور یا تو ذی الحجہ کے آخر میں ۱۰۳۴ھ کو یا ۱۰ محرم ۱۰۳۵ھ کو اس نے وفات پائی ، اور اُچ میں مدفون ہوا . (رک : تعلیقات مظہر شاہجہانی ، ص ۳۱۰-۳۱۳ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی)

(۷) عبداللہ خاں (عبداللہ خاں فیروز جنگ) (رک : حواشی جشن چہارم حاشیہ نمبر ۲)

(۸) سردار خاں (خواجہ یادگار بیگ) (رک : حواشی جشن ششم ، حاشیہ نمبر ۱۱)

(۹) اعتماد خاں گجراتی : سلطان محمود والی گجرات کا غلام تھا . ۱۸ جلوس اکبری میں جانپانیر اور سورت اس کی اور دوسرے امرا کی جاگیر میں دیا گیا . آخر میں یہ مدتوں پٹن کا حاکم رہا . اس نے ۹۹۵ھ میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۹۳-۱۰۰)

(۱۰) کلیان جیسلمیری (راول) : راول بھیم کا چھوٹا بھائی تھا . راول بھیم کے انتقال کے بعد ۱۰ جلوس جہانگیری میں جہانگیر نے راجا کشن داس کو جیسلمیر بھیج کر کلیان کو دربار میں طلب کر کے ٹیکۂ راجگی اور خطاب راولی سے سرفراز کیا . یہ عہد شاہجہانی تک زندہ رہا . (رک : امرائے ہنود ، ص ۲۸۵-۲۸۶) .

(۱۱) راجا کشن داس : اکبر کے عہد میں منصب سہ صدی سے سرفراز ہوا .
۷ جلوس جہانگیری میں جہانگیر نے اُسے راجا کے خطاب سے سربلند کیا
۱۷ جلوس جہانگیری میں منصب دو ہزاری سے سرفراز ہو کر فوج داری
دھلی پر متعین ہوا . (رک : اُمرائے ہنود ، ص ۲۸۴-۲۸۵) .

(۱۲) راول بھیم : جیسلمیر کا راجا تھا . عہد اکبری میں منصب پانصدی سے
سرفراز ہوا . اس کی بیٹی کی شادی شاہزادہ سلیم (جہانگیر) سے ہوئی .
جہانگیر کے عہد حکومت میں اس نے انتقال کیا . (رک : اُمرائے ہنود .
ص ۲۸۵) .

(۱۳) راجا مان سنگھ : جہانگیر کے عہد میں منصب ہزاری ذات و ہشت صد سوار
سے سرفراز اور خطاب راجگی سے مفتخر ہوا . جہانگیر نے اسے شیخ فرید
کے ساتھ مہم کانگڑہ پر متعین کیا . شیخ فرید کے انتقال کے بعد اُس نے
فوج کے نظم و نسق کو برقرار رکھا اور فوج کو منتشر نہیں ہونے
دیا . جب وہ لاھور واپس آیا تو اُس نے سنا کہ سنگرام پہاڑی راجا نے
اس کی جاگیر کے کچھ دیہات پر قبضہ کر لیا ہے . یہ اس کے مقابلے کے لیے
روانہ ہو گیا ، اور اس سے بہادرانہ لڑتا ہوا مارا گیا . توزک جہانگیری میں
صفحہ ۱۷۸ پر خود جہانگیر نے اس کے مارے جانے کی تفصیلات بیان
کی ہیں . (رک : اُمرائے ہنود ، ص ۳۳۷-۳۳۸) .

(۱۴) شاہ شجاع : شاہجہان کا دوسرا بیٹا تھا . نور جہان کو اس سے بہت اُنس
تھا . وہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھی . شاہجہان نے بھی تخت نشین ہونے
کے بعد شاہ شجاع کی طرف خاص توجہ کی . دکن اور قندھار کی مہموں میں
اُسے شریک کیا . ۱۰۴۸ھ میں اُسے بنگال کا صوبے دار مقرر کیا . تین سال
بعد اس کے سپرد اڑیسہ بھی کر دیا . وہ برابر بیس سال تک بنگال کا ناظم
رہا . بنگال کی آب و ہوا نے اسے آرام طلب اور کاہل بنا دیا . آخر میں
تخت نشینی کی جنگ میں عالمگیر سے شکست کھا کر ارکان کی جانب
چلا گیا ، جہاں وہ اور اس کا خاندان گم نامی کی موت مر گیا (س) .

(۱۵) میرزا راجا بھاؤ سنگھ ولد راجا مان سنگھ عہد اکبری میں دو ہزاری کے
منصب سے سرفراز ہوا - ۱ جلوس جہانگیری میں اس کا منصب ہزار و

پانصدی ہو گیا . راجا مان سنگھ کی وفات کے بعد راجپوتوں کے ضابطے کے مطابق یہ باپ کی جانشینی کا حق دار تھا ، کیوں کہ یہ راجا مان سنگھ کے موجودہ لڑکوں میں سب سے بڑا لڑکا تھا ، لیکن جہانگیر نے اس کے دوسرے بھائی بہادر سنگھ کو طلب کر کے اسے میرزا راجا کا خطاب دے کر راجا مان سنگھ کا جانشین قرار دیا . راجا بھاؤ سنگھ نے ۱۶ جلوس جہانگیری ، ۱۰۳۰ھ میں انتقال کیا ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۶۰–۳۶۱) .

(۱۶) وبا : توزک میں اس بیماری کا نام ظاہر نہیں کیا گیا . اقبال نامۂ جہانگیری میں اس وبا کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وبا پلیگ (طاعون) تھی ؛ معتمد خان بخشی نے اس وبا کا مفصل حال بیان کیا ہے ۔ (رک : اقبال نامۂ جہانگیری ، ص ۹۳–۹۶ ، شانتی پریس الہ آباد) .

(۱۷) قطب الملک : والیِ گولکنڈہ سلطان محمد قطب شاہ ، جو اپنے چچا محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) میں تخت نشین ہوا ، اور ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ع) میں اس نے وفات پائی .

(۱۸) پائے تخت (پہلوان) : اس پائے تخت پہلوان کے متعلق رسالۃ الاعجاز مصنفہ میرزا احمد بیگ لاہوری ، اور تذکرۂ نوشاہیہ مصنفہ حافظ محمد حیات اور کنزالرحمت مصنفہ مولانا محمد اشرف فاروقی میں لکھا ہے کہ یہ حضرت گنج بخش قادری قدس سرہ بانی سلسلہ نوشاہیہ کا مرید تھا ۔

(۱۹) کورنش کا طریقہ اکبر نے یہ جاری کیا تھا کہ سلطنت کے ہوا خواہ اور وفا دار جب آداب بجا لائیں تو ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں ؛ ان میں سے جو بھی بادشاہ کے حضور میں آئے بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ آہستہ سے بیٹھے ، سیدھے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے پشت دست کو زمین پر ٹیکے ، اور پھر بڑے آرام و آہستگی سے سیدھا اٹھے . دائیں ہاتھ کو سر پر رکھے اور اتنا جھکے کہ وہ برابر ہو جائے اور پھر ایک خوش نما ادا کے ساتھ داہنی طرف کو جھوک دیتا ہوا اٹھے ، اسے کورنش کہتے تھے . یہ رسم جہانگیر کے زمانے میں بھی اسی پابندی کے ساتھ جاری رہی (رک : آئین اکبری ۱ ، آئین ۷۴ (س) .

(۲۰) میرزا حسن (صفوی) میرزا رستم قندھاری کا تیسرا بیٹا تھا . عہدِ جہانگیری میں

منصب ہزار و پانصدی ذات و ہفت صد سوار سے سرفراز ہوا۔ ۲ جلوس شاہجہانی میں خان کے خطاب سے سرفراز ہوا اور کسی وجہ سے بعد میں منصب سے معزول کر دیا گیا۔ ۱۳ جلوس شاہجہانی میں پھر اس کا منصب بحال ہوا۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۳ : ص ۳۷۷-۳۸۹)۔

(۲۱) شیخ مصلح الدین سعدی : وفات : شوال ۶۹۱ھ مدفن : شیراز۔

(۲۲) راجا سیام سنگھ : اکبر کے عہد کا منصب دار تھا۔ ۱ جلوس جہانگیری میں منصب سے سرفراز ہو کر مہم بنگش پر متعین ہوا۔ ۱۱ جلوس جہانگیری میں بمقام بنگش انتقال کیا۔ (رک : امرائے ہنود، ص ۲۸۳)۔

(۲۳) آغا فاضل : جب ہندوستان آیا تو شیخ فرید مرتضیٰ کے ملازموں میں منسلک ہو گیا۔ شیخ فرید مرتضیٰ نے اس کا ایک لاکھ روپے سالیانہ مقرر کیا۔ جب صوبہ پنجاب کا نظم و نسق شیخ فرید مرتضیٰ کے سپرد ہوا تو اس نے لاہور کی نائب صوبے داری پر آغا فاضل کو مقرر کیا۔ شیخ فرید مرتضیٰ کے بعد اعتمادالدولہ پنجاب کا صوبے دار مقرر ہوا تو اس نے بھی اپنی صوبے داری کے زمانے میں اس کی نیابت کو بحال رکھا۔ اس کے بعد یہ شاہزادہ سلطان پرویز کا دیوان مقرر ہوا۔ ۲ جلوس جہانگیری میں دیوانی دکن سے سرفراز ہوا۔ شاہجہان کے زمانے میں ایک عرصے تک معتوب رہا۔ پھر شاہجہان نے بڑودہ اس کی جاگیر میں دے کر اسے صوبے داری گجرات پر مقرر کیا۔ ۱۵ جلوس شاہجہانی میں شاہجہان نے اسے اعتماد خاں کا خطاب دے کر بنگال کا صوبے دار بنایا۔ جلوس شاہجہانی کے اکیسویں سال اس نے بنگال ہی میں وفات پائی۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۳ : ص ۱۸-۲۱)۔

(۲۴) بہرہ ور : زمانہ بیگ مہابت خاں خانخانان سپہ سالار کا چوتھا بیٹا تھا۔ صاحب ماثرالامرا نے اس کا نام بہروز تحریر کیا ہے۔ بہرہ ور نے کسی قسم کی ترقی نہیں کی اور گوشۂ گم نامی میں مر گیا۔ (رک : ماثرالامرا، ج ۳ : ص ۴۰۹)۔

(۲۵) ناد علی میدانی : سر سید ایڈیشن میں یہ نام یاد علی میدانی ہے، لیکن صحیح نام ناد علی میدانی ہے، جو اکبر کے دربار سے وابستہ رہا، اور کابل اور بنگش کی مہمات میں شریک رہا اور ۱۱ جلوس جہانگیری میں

وفات پائی (س) ۔

(۲۶) گوداوری : مالوے کی ندیوں میں جہانگیر نے گوداوری کو شامل کر دیا ہے ، جو صحیح نہیں ہے ۔ مالوے کی ندیوں میں نربدا ، سپرا ، کالی سندھ ، بیٹوا اور گودی ہیں ۔ گوداوری کی غلطی آئین اکبری میں ابوالفضل سے بھی ہوئی ہے ۔ جہانگیر نے اس کا تتبع کیا ہے ۔ (رک : بیورج ۱ ، ص ۳۴۹ ، حاشیہ نمبر ۱) ۔

(۲۷) میر علی برلاس : ماثرالامرا میں یہ نام میر علی برلاس ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۳۵۴) ۔

(۲۸) مالجو : ماثرالامرا میں یہ نام بالجو قلیچ ہے (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۳۵۳) ۔

(۲۹) غزنین خاں : ملک خان جی جالوری کا بیٹا تھا ۔ ملک خان جی سلطان مظفر والی گجرات کے امیروں میں سے تھا ۔ جب ۹ محرم ۹۹۸ھ کو عبدالرحیم خانخاناں نے جالور کی جانب پیش قدمی کی تو ملک خان جی اس وقت جالور ہی میں تھا ۔ اس نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور خانخاناں کی اطاعت قبول کر لی ۔ خانخاناں نے اسے اکبر کے حضور میں بھجوا دیا ۔ اکبر نے اسے اس کا موروثی علاقہ بخش دیا جس کی دس لاکھ آمدنی تھی ۔ ملک خان جی کا بیٹا غزنین خاں بھی اکبر کے منصب داروں میں تھا ۔ (رک : تاریخ گجرات ، انگریزی : مولفہ برڈ کتاب ۔ س) ۔

(۳۰) سلطان ناصرالدین : مدت حکومت ۹۰۶ھ تا ۹۱۶ھ (۱۵۰۰ع—۱۵۱۰ع) (رک : مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے ، ترجمہ عبدالرحمان خان مطبوعہ رزاقی مشین پریس ، حیدر آباد دکن ، ص ۳۳۵) ۔

(۳۱) سلطان غیاث‌الدین خلجی : مدت حکومت : ۸۸۰ تا ۹۰۶ھ (۱۴۷۵ع—۱۵۰۰ع (رک : مسلمان شاہی خاندان ، ص ۳۳۵) ۔

(۳۲) سلطان محمود شاہ خلجی : مدت حکومت ۸۳۹ تا ۸۸۰ھ (۱۴۳۵ تا ۱۴۷۵ع) (رک : مسلمان شاہی خاندان ، ص ۳۳۵) ۔

(۳۳) سلطان ہوشنگ غوری ولد دلاور خان غوری : مدت حکومت ۸۰۸ھ تا ۸۳۸ھ (رک : مسلمان شاہی خاندان ، ص ۳۳۵) ۔

بارھواں جشنِ نوروز

پیر ۱۲ ماہ ربیع الاولیٰ ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کے تیسرے ماہ کو سورج ایک گھڑی قبل برج حوت سے اپنے خانۂ شرف برج حمل میں منتقل ہوا ۔ اسی تحویل کے دوران میں جو بہت مبارک گھڑی تھی ، میں نے تخت نشینی کی رسم ادا کی ۔ سابق دستور کے مطابق دیوان خانۂ خاص و عام کو نفیس کپڑوں اور نادر اشیا سے آراستہ کیا گیا ۔ باوجود اس کے کہ اکثر اُمرا اور اراکینِ دولت دکن کی مہم پر فرزند خرم کی خدمت میں تھے ، پھر بھی جشن کی محفل بہ دستور سابق منعقد ہوئی جو سال ہائے ماسبق کے جشنوں سے کسی طرح کم نہ تھی ۔ منگل کے روز جو پیش کش گزرانے گئے ، وہ سب میں نے آنند خاں[1] کو عنایت کر دیے ۔

اسی دن جب کہ فروردیں کی پہلی تاریخ اور میرے جلوس کا بارھواں سال ہے ، شاہزادہ خرم کی عرضداشت پہنچی ، جس کا مضمون یہ تھا کہ حسب دستور جشن نوروز منایا گیا ۔ لیکن چوں کہ سفر اور جنگی مہم درپیش ھے اس لیے اس سال اُمرا اور اراکین سلطنت کے پیش کش معاف کیے جائیں ۔ مجھے اُس کی یہ بات بہت پسند آئی ، میں نے اپنے فرزند دل بند کے لیے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کی خیریت اور دین و دنیا کی بھلائی کے لیے دعا کی ۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اس جشن میں کوئی آدمی پیش کش نہ گزرانے ۔

تمباکو کے استعمال کی ممانعت :

تمباکو کے مضر اثرات کی وجہ سے ، جو اکثر مزاجوں اور طبیعتوں پر اثر انداز ہوتے ھیں ، میں نے اپنے حدودِ سلطنت میں حکم دیا تھا کہ کوئی شخص تمباکو استعمال نہ کرے ۔ برادرم شاہ عباس نے بھی تمباکو کے ضرر اور نقصانات سے مطلع ہو کر ایران میں حکم دیا کہ کوئی شخص اس کے پینے کا مرتکب

۱۔ آنند خاں کا نام شرقی تھا ۔ یہ بہترین طنبورہ نواز اور مغنّی تھا ۔ اسے جہانگیر نے آنند خاں کا خطاب دیا تھا ، جس کا تذکرہ گیارھویں جشن میں گزر چکا ھے ۔

نہ ہو ۔ چوں کہ خان عالم ایک طویل مدت سے متواتر تمباکو پینے کی وجہ سے اپنی عادت سے مجبور تھا ، اور اکثر اوقات اس امر کا اقدام کرتا رہتا تھا اس وجہ سے شاہ ایران کے ایلچی یادگار علی سلطان نے شاہ عباس کو ایک عرضداشت میں لکھا کہ خان عالم ایک لمحہ بھی بغیر تمباکو کے نہیں رہ سکتا ۔ اس عرضداشت کے جواب میں شاہ ایران نے اس کو یہ شعر لکھ کر بھیج دیا :

رسول یار می خواهد کند اظهار تنباکو
من از شمع وفا روشن کنم بازار تنباکو

خان عالم نے بھی اس شعر کے جواب میں جو شعر کہا ہے ، اس نے مجھے بھجوایا :

من بی چاره عاجز بودم از اظهار تنباکو
ز لطف شاهِ عادل گرم شد بازارِ تنباکو

۳ ماہ فروردیں ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو صوبۂ بنگال کے دیوان حسین بیگ نے آستان بوسی کی سعادت حاصل کرکے بارہ ہاتھی اور ہتھنیاں بطور پیش کش گزرانے ۔ بنگال کا بخشی طاہر بھی ، جو بعض تقصیرات کی وجہ سے عتاب اور باز پرس میں تھا ، سعادت کورنش بجالایا اور اکیس ہاتھی بطور پیش کش نظر سے [184] گزرانے ۔ مجھے ان میں سے بارہ ہاتھی پسند آئے ، بقیہ میں نے اسے واپس کر دیے ۔

اسی دن شراب کی مجلس منعقد ہوئی ۔ اکثر درباریوں میں سے جو حاضر خدمت تھے ، میں نے انھیں شراب پلا کر ہر شخص کو بادۂ اخلاص سے سر مست و شاد کام کیا ۔

۴ ماہ فروردیں ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو قراولوں نے خبر دی کہ سکر تالاب کے قریب قلعے کے اندر جو مالوے کے فرماں رواؤں کی ایک مشہور عمارت ہے ، وہاں ہم نے ایک شیر ببر کو گھیرے میں لے رکھا ہے ۔ یہ سن کر میں اسی وقت سوار ہو کر شکار کے لیے روانہ ہوا ۔ جب وہ شیر ببر نظر آیا ، تو اس نے احدیوں اور ان لوگوں پر ، جو میرے جلو میں چل رہے تھے ، حملہ کرکے ان میں سے دس بارہ کو مجروح اور زخمی کر دیا ۔ آخر کار میں نے بندوق کی تین گولیوں سے اس کا کام تمام کیا اور خدا کے بندوں کو اس کے شر سے نجات دلائی ۔

۸ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میر میران (۱) کے منصب میں جو ہزاری ذات و چہار صد سوار تھا ، ہزار و پانصدی ذات و پانصد سوار کا اضافہ کیا۔

۹ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو فرزند خرم کی التجا پر خانجہاں کے منصب میں ہزاری ذات و سوار کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب شش ہزاری ذات و سوار ہو گیا ۔

یعقوب خان کو ، جو ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کے منصب سے سرفراز تھا ، دو ہزاری ذات و یک ہزار و پانصد سوار سے سر بلند کر دیا ۔

بہلول خان بیانہ کے منصب میں پانصدی ذات و سہ صدی سوار کا اضافہ ہوا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب ہزار و پانصدی ذات اور ہزار سوار ہو گیا ۔

میرزا شرف الدین حسین کاشغری اور اس کے بیٹے نے صوبۂ دکن میں شجاعت و بہادری کے نمایاں کارنامے انجام دیے تھے ، اس کا منصب اصل و اضافے کو ملا کر ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کر دیا ۔

۱۰ ماہ فروردین مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میرے قمری وزن کی محفل منعقد ہوئی ۔

اسی دن شاہی اصطبل کے دو عراقی گھوڑے اور خلعت ، بہرام بیگ کے ذریعے فرزند خرم کو بھجوائے ۔

اعتبار خان کے منصب میں ہزار سوار کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب پنج ہزاری ذات و سہ ہزار سوار ہو گیا ۔

۱۱ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو حسین بیگ تبریزی ، جسے شاہ ایران نے بطور ایلچی کے حاکم گولکنڈہ کے پاس بھیجا تھا ، ایران جاتے ہوئے حاکم گولکنڈہ کے ایلچی کے ساتھ حاضر خدمت ہوا ۔ اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ قزلباشیوں اور فرنگیوں میں لڑائی ہو گئی تھی اور بحری راستہ بند ہو گیا تھا ۔ اس نے دو گھوڑے اور دکن اور گجرات کے بنے ہوئے کپڑوں کے کچھ تھان بطور پیش کش نذر گزرانے ۔

اسی تاریخ کو میں نے خانجہاں کو شاہی اصطبل سے ایک عراقی گھوڑا عنایت کیا ۔

۱۵ فروردین ۱۰۲٦ھ (۱۶۱۷ع) کو میرزا راجا بھاؤ سنگھ کے منصب میں هزاری ذات کا اضافه کیا . اس اضافے سے اس کا منصب پنج هزاری ذات و سه هزار سوار هو گیا .

۱۷ ماه فروردین ۱۰۲٦ھ (۱۶۱۷ع) کو میرزا رستم کے منصب میں مزید اضافه کیا . اس اضافے سے اس کا منصب پنج هزاری ذات و یک هزار سوار هوگیا .

صادق خاں کا منصب اصل و اضافے کے بعد هزار و پانصدی ذات و هفت صد سوار مقرر کیا گیا .

اسی اصول کے مطابق ارادت خاں بھی منصب هزار و پانصدی و شش صد سوار سے سرفراز هوا .

الیراے کے منصب میں پانصدی ذات و یک صد سوار کا اضافه کیا گیا .

۱۹ ماه فروردین ۱۰۲٦ھ (۱۶۱۷ع) کو هفتے کے دن طلوع آفتاب سے دو گھڑی قبل شرف کا آغاز هوا . میں نے دستور کے مطابق مجدداً تخت پر جلوس کیا .

بدنصیب عنبر سے شاه نواز خاں کی جو جنگ هوئی تھی اس میں عنبر کو شاهی فوجوں کے هاتھوں شکست هوگئی اور اس کا نتیجه یه هوا که اس کے بتیس آدمی گرفتار هو گئے . ان میں سے میں نے ایک قیدی کو اعتقاد خاں کے سپرد کیا تھا . اس کی حفاظت کے لیے اس نے جو محافظ مقرر کیے تھے ، اُن کی غفلت کی وجه سے وه بھاگ گیا . یه بات مجھے بہت ناگوار گزری . میں نے اعتقاد خاں کو تین ماه کے لیے کورنش سے منع کر دیا . چوں که مذکوره قیدی ایک بے نام و نشان انسان تھا اس لیے وه پوری کوشش کے باوجود هاتھ نه آیا . [185] آخرالامر میرے حکم کی بنا پر محافظ دستے کے افسر کو غفلت کی پاداش میں قتل کی سزا دی گئی .

آج کے دن اعتقاد خاں نے اعتمادالدوله کی التجا پر کورنش بجا لانے کی سعادت حاصل کی .

ایک عرصے سے بنگال اور وهاں کے صوبیدار قاسم خاں کی کارگزاری کے متعلق خبریں نہیں مل رهی تھیں ، اس لیے مجھے خیال هوا که ابراهیم خاں فتح جنگ کو جس نے ایک حد تک صوبۂ بہار کے اهم امور میں ایک ڈھنگ پیدا کیا ہے اور هیرے کی کان پر قبضه کرکے اسے سلطنت کے زیر تصرف لے آیا ہے ،

صوبہ بنگال بھیج کر اُن کی جگہ جہانگیر قلی خاں کو ، جس کی جاگیر صوبۂ الہ آباد میں ہے ، بہار روانہ کروں اور قاسم خاں کو اپنے حضور میں طلب کر لوں ۔

اسی نیک ساعت اور مبارک دن میں میں نے حکم دیا کہ فرمانِ واجب التعمیل تحریر کریں اور سزاول[1] مقرر کریں تاکہ وہ جہانگیر قلی خاں کو بہار لے جائیں اور ابراہیم خاں فتح جنگ کو بنگال روانہ کریں ۔

سکندر جوہری کو میں نے ہزاری ذات و سہ صد سوا کے منصب سے سرفراز کیا ۔

۲۱ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے محمد رضا ، شاہِ ایران کے ایلچی کو رخصت کیا اور ساٹھ ہزار درب جس کے تیس ہزار روپے ہوتے ہیں ، خلعت کے ساتھ اُسے عنایت کیے ۔ ان تحفوں کے مطابق جو برادرم شاہ عباس نے میرے لیے بھجوائے تھے اور وہ میرے حافظے میں تھے ، میں نے بھی نفیس کپڑے اور ہر جنس اور ہر قسم کی نفیس اشیا ، جو تحفے کے شایانِ شان تھیں ، اور دنیاداران دکن[2] کے فرستادہ تحائف میں سے چند مرصّع آلات ، جن کی مالیت ایک لاکھ روپے کے برابر تھی ، مذکورہ ایلچی کے ہمراہ روانہ کر دیں ۔ ان اشیا میں ایک بلوری پیالہ بھی تھا جو محمد حسین چلپی نے مجھے عراق سے بھیجا تھا ۔ یہ پیالہ شاہ ایران کا دیکھا ہوا تھا ۔ شاہ ایران نے ایلچی سے کہلایا تھا کہ اگر برادرم (جہانگیر) اس پیالے میں شراب پی کر مجھے واپس بھیج دیں تو بڑی مہربانی ہوگی ۔ جب ایلچی نے مجھ سے یہ بات کہی تو میں نے اس ایلچی کے سامنے کئی مرتبہ اس میں شراب پی کر حکم دیا کہ اس کے لیے عمدہ سرپوش اور رکابی تیار کی جائے ۔ چنان چہ میں نے یہ دونوں چیزیں بھی تحائف میں شامل کرکے بھجوا دیں ۔ سرپوش پر میناکاری کا کام تھا ۔ میں نے عطارد رقم منشیوں کو حکم

۱۔ سزاول : بفتح اول و ضم واؤ بمعنی حاصل کننده ۔ یہ ترکی لفظ ہے اور اُن لشکریوں کو کہا جاتا تھا جو کسی شے کے حصول یا کسی شخص کو حسب الحکم دربار میں لانے کے لیے بھیجے جاتے تھے ۔

۲۔ دنیا داران دکن سے مراد شاہانِ دکن ابراہیم عادل شاہ ثانی والیِ بیجا پور اور سلطان محمد قطب شاہ والیِ گولکنڈہ ہیں ۔

دیا کہ شاہ عباس کا جو خط ایلچی لے کر آیا ہے ، اس کا جواب نہایت عمدہ طریقے پر تحریر کریں ۔

۲۲ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو قراولوں نے ایک شیر کی اطلاع دی ۔ میں اسی وقت سوار ہو کر شیر کے سر پر جا پہنچا اور بندوق کی تین گولیوں سے میں نے خدا کی مخلوق کو اس کے شر سے اور خود شیر کو اس کے نفس خسیس سے نجات دے دی ۔

خُنثیٰ بِلّی کے بچے :

حکیم مسیح الزماں نے ایک بلّی لا کر میرے سامنے پیش کی اور بیان کیا کہ اگرچہ یہ بلّی خنثیٰ ہے مگر میرے گھر میں اس نے بچے دیے ہیں اور ایک دوسری بلّی سے جفتی کھائی ہے جس سے اس کے بچے پیدا ہوئے ۔

۲۵ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اعتمادالدولہ نے اپنی فوج کو آراستہ کر کے جھروکۂ درشن کے سامنے میرے روبرو پیش کیا ۔ دو ہزار خوش اسپہ سوار ، جن میں اکثر مغل تھے ، پانسو پیادے تیرانداز و توپچی اور چودہ ہاتھی تھے ۔ بخشیوں نے فوج کو شمار کر کے مجھے بتایا کہ فوج مذکورہ نہایت آراستہ و پیراستہ اور مرتّب نظر آتی ہے ۔

۲۶ ماہ فروردین ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ایک شیرنی شکار کی ۔

یکم ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعرات کے دن مقرب خان نے جو ہیرا مجھے قاصدوں کے ذریعے سے بھیجا تھا ، وہ نظر سے گزرا ۔ اس کا وزن تیئیس سرخ تھا ۔ جوہریوں نے اس کی قیمت تیس ہزار روپے آنکی ۔ یہ اعلیٰ قسم کا ہیرا تھا جو مجھے نہایت پسند آیا ۔ میں نے اس کی ایک انگوٹھی بنانے کا حکم دیا ۔

۳ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو بابا خرّم کے التماس پر یوسف خاں کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار مقرر کیا گیا ۔ اور اسی طرح چند دوسرے اُمرا اور منصب داروں کے منصب میں بھی بابا خرّم کے التماس پر اضافے کا حکم دیا گیا ۔

نورجہاں کا شیر مارنا :

۷ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو چوں کہ قراول چار شیروں کو

گھیرے میں لیے ہوئے تھے ، دوپہر کے تین گھڑی بعد میں محل کی خواتین کے ساتھ ان کے شکار کے لیے روانہ ہوا ۔ جیسے ہی شیر دکھائی دیے نورجہاں بیگم نے گزارش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں [186] ان شیروں کو بندوق سے ماروں ؟ میں نے کہا مناسب ہے ۔ اس نے دو شیروں کو بندوق کی ایک ایک گولی سے اور دو کو دو دو گولیوں سے ڈھیر کر دیا ۔ پلک جھپکنے میں یہ چاروں شیر چت ہو چکے تھے ۔ بندوق کا اتنا بہترین نشانہ میرے دیکھنے میں نہیں آیا تھا کہ ہاتھی پر بیٹھ کر عماری کے اندر سے چھ گولیاں چلائی جائیں اور ایک بھی خطا نہ کرے اور چاروں درندوں کو ہلنے جلنے اور جست لگانے کی بھی مہلت نہ ملے ۔ میں نے اس نشانہ بازی پر تین ہزار اشرفیاں نچھاور کیں اور ہیرے کی پہنچیوں کی ایک جوڑی ، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی ، نورجہاں کو عنایت کی[1] ۔

اسی دن معمور خاں شاہی محلات کی تعمیر کی تکمیل کے لیے لاہور روانہ ہوا ۔

۱۰ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اودھ کے فوج دار سید وارث کی وفات کی خبر ملی ۔

۱۲ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میر محمود ، جو ایک عرصے سے عہدۂ فوج داری کی استدعا کر رہا تھا ، اسے میں نے تہوّر خاں (۲) کے خطاب اور اضافۂ منصب سے سرفراز کر کے صوبۂ ملتان کے بعض پرگنات کی فوج داری پر متعین کیا ۔

۲۲ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو بنگال کے بخشی طاہر نے جسے کورنش سے منع کر دیا گیا تھا ، حاضر ہو کر اپنا پیش کش نظر سے گزرانا ۔

۱- کہتے ہیں کہ ایک شاعر نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا :

نورجہان گرچہ بصورت زن است

در صفِ مردان زنِ شیرافگن است

اس شعر کا ادبی لطف یہ ہے کہ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ نورجہاں جہانگیر کی بیوی بننے سے پہلے شیر افگن کی بیوی تھی ۔ (حاشیہ سرسید ایڈیشن)

بنگال کے حاکم قاسم خان کے آٹھ ہاتھی ، شیخ مودھو کے دو ہاتھیوں کے ساتھ نظر سے گزرے ۔

۲۸ ماہ اُردی بہشت ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو خان دوران کے التماس پر عبدالعزیز خان کے منصب میں پانصدی کے اضافے کا حکم دیا ۔

۵ ماہ خورداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو صوبۂ گجرات کی دیوانی پر کیشو کے تبادلے کی وجہ سے میرزا حسین کو مقرر کیا اور اس کو کفایت خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

۸ ماہ خورداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو لشکر خان (۳) نے جو بنگش کی سہم پر بہ حیثیت بخشی گری کے متعین ہے ، (مانڈو) حاضر ہو کر ایک سو اشرفیاں اور پانسو روپے نذر گزرانے ۔

اُستاد محمد نائی (بانسری نواز) پر نوازشیں :

اُستاد محمد نائی سے ، جو اپنے فن میں بے نظیر تھا اور جسے فرزند خرم نے میرے طلب کرنے پر بھجوایا تھا ، میں نے بانسری کے چند سنگیت سنے ۔ اس نے اُس دھن میں ایک غزل سنائی جو اُس نے میرے نام سے موزوں کی تھی ۔

۱۲ ماہ خورداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے حکم دیا کہ اُستاد محمد نائی کو روپیوں سے تولا جائے ۔ تول میں چھ ہزار تین سو روپے اس کے ہم وزن ہوئے ۔ میں نے یہ روپے اور ایک ہاتھی ہودے سمیت عنایت کر کے مکرر حکم دیا کہ وہ اس ہاتھی پر سوار ہو کر اور روپیوں کو اپنے اطراف و جوانب میں رکھ کر نچھاور کرتا ہوا اپنے گھر لے جائے ۔

مُلا اسد داستان گو پر نوازشیں :

ان ہی دنوں مُلا" اسد قصہ خوان (۴) جو میرزا غازی کے ملازموں میں سے تھا ، ٹھٹے سے (مانڈو) آیا ، اور شرفِ حضوری حاصل کیا ۔ چوں کہ بہترین نقال ، عمدہ داستان گو اور خوش بیان انسان ہے ، مجھے اس کی صحبت پسند آئی ۔ میں نے اُسے محظوظ خان کا خطاب دے کر خوش کر دیا ۔ اس کے علاوہ ایک ہزار روپے ، خلعت ، گھوڑا ، ہاتھی اور پالکی بھی اُسے عنایت کی ۔ چند دن کے بعد میں نے حکم دیا کہ اسے روپیوں سے تولا جائے ۔ چار ہزار چار سو روپے تول

میں اس کے ہم وزن ہوئے ۔ اس کے علاوہ اُسے دو صدی ذات و بیست سوار کے منصب سے بھی نوازا گیا ۔ پھر میں نے حکم دیا کہ وہ ہمیشہ گپ شپ کی محفلوں میں حاضر رہا کرے ۔

اسی تاریخ کو لشکر خاں نے اپنی فوج کو جھروکۂ درشن کے سامنے میرے ملاحظے میں پیش کیا ۔ یہ فوج پانسو سواروں ، چودہ ہاتھیوں اور ایک سو بندوقچیوں پر مشتمل تھی ۔

مہا سنگھ کی وفات :

۲۴ ماہ خورداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو خبر ملی کہ راجا مان سنگھ کا پوتا مہاسنگھ ، جو بڑے اُمرا میں شامل تھا ، بالاپور علاقۂ برار میں کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے انتقال کر گیا ۔ اس کا باپ بھی بتیس سال کی عمر میں بے حد شراب نوشی سے مرا تھا ۔

ان ہی دنوں [187] اطراف دکن ، برہان پور ، گجرات اور پرگنجاتِ مالوہ کے کثیر آم شاہی میوہ خانے میں لائے گئے ۔ باوجودیکہ یہ علاقہ بہترین آموں کی پیداوار میں مشہور ہے ، بہت کم علاقوں کے آم یہاں کے شیرینی ، کم ریشگی اور بڑے ہونے کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ چناں چہ کئی بار میں نے اپنے سامنے حکم دیا کہ اُن کا وزن کیا جائے ؛ ایک ایک آم وزن میں سوا سیر سے کچھ زیادہ نکلا ، لیکن آب و رنگ ، مٹھاس ، لذت ، چاشنی اور زود ہضم ہونے میں چھپرا مئو کے آم ، جو آگرے کے مضافات میں واقع ہے ، یہاں کے تمام آموں پر بلکہ ہندوستان کے تمام علاقوں کے آموں پر فوقیت رکھتے ہیں ۔

خرم کے لیے ایک خاص نادری :

۲۸ ماہ خورداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے بابا خرّم کے لیے ایک نادری[1] بھجوائی ۔ آج تک اس پائے کی اور اتنی نفس زردوز نادری میری سرکار میں نہیں سی گئی تھی ۔ میں نے نادری لے جانے والے کو حکم دیا کہ وہ فرزند خرّم سے اس نادری کی یہ خصوصیت بھی بیان کرے کہ میں نے اجمیر سے تسخیرِ دکن کے لیے روانہ ہونے کے دن اس نادری کو پہنا تھا ۔

۱۔ نادری ایک قسم کا خاص لباس تھا جو مغل پہنتے تھے ۔

اعتماد الدولہ پر نوازش :

اسی تاریخ کو میں نے اپنی دستار، جو میرے سر پر بندھی ہوئی تھی، اُتار کر اسی بندش کے ساتھ اعتماد الدولہ کے سر پر رکھ کر اُسے نوازشِ شاہانہ سے سر بلند کر دیا۔

تین عدد ہیرے، ایک عدد اوربسی مرصع[1]، ایک انگشتری جس کا نگین یاقوت کا تھا، یہ سب چیزیں مہابت خاں نے بطور پیش کش بھجوائی تھیں۔ اس کا یہ پیش کش میری نظر سے گزرا۔ اس مجموعی پیش کش کی مالیت کا اندازہ بیس ہزار روپے لگایا گیا۔

اسی روز بارش ہوئی۔ مانڈو میں پانی کی بہت کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے مخلوقِ خدا سخت پریشان تھی۔ چناں چہ بارش کی کمی کی وجہ سے میں نے اکثر لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ دریائے نربدا کے کنارے چلے جائیں، کیوں کہ ان دنوں بارش کے ہونے کی توقع نہ تھی۔ خدا کی مخلوق کی پریشانی کو دیکھ کر میں نے انتہائی نیاز مندی کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں بارش کے لیے دعا کی تھی۔ اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے بارش برسائی۔ ایک رات اور دن کی بارش میں تالاب اور ندی نالے پانی سے بھر گئے، اور لوگوں کی پریشانی آرام و اطمینان سے بدل گئی۔ خدا کے اس کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔

یکم ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ ع) کو وزیر خاں کو علَم عنایت کیا۔ اور رانا کا پیش کش جو دو گھوڑوں، کچھ گجراتی کپڑوں اور چند اچار اور مربّوں کے مرتبانوں پر مشتمل تھا، نظر سے گزرا۔

۳ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مغرا[2]، عبداللطیف نامی مفسد کی گرفتاری کی خبر لایا جو اس صوبے میں فتنہ و فساد کا سبب بنا ہوا تھا۔

۱- اوربسی : ہار کی ایک قسم جس کا زیادہ تر رواج دکن میں تھا۔

۲- ہرکارے کا نام معلوم ہوتا ہے۔ بعض نسخوں میں مغزا لکھا ہے اور عربی میں سغر تیز رفتار کو کہتے ہیں۔ اس طرح یہ لفظ مغرا ہی ہو سکتا ہے، یعنی تیز رو۔

چون کہ اس کی گرفتاری مخلوق خدا کی بھلائی کا باعث تھی ، اس لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور میں نے حکم بھیجا کہ مقرب خاں اُسے کسی ایک منصب دار کے ساتھ جو گجرات میں متعین ہیں ، بھجوائے۔

مانڈو کے قرب و جوار کے اکثر زمین داروں نے حاضر ہو کر اپنے اپنے پیش کش گزرانے ۔

۸ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو راج سنگھ کچھواھہ کے بیٹے رام داس کو راجگی کا ٹیکہ لگا کر میں نے اُسے بھی راجا کے خطاب سے سرفراز کر دیا ۔

یادگار بیگ جو ماوراءالنہر میں یادگار قورچی کے نام سے مشہور ہے ، اور وہاں کے حکام کے نزدیک اس کو کافی عزت حاصل ہے ، حاضر ہوا ۔ اس کے تمام پیش کش میں سے مجھے ایک خطائی سفید پیالہ اپنی پائیداری کی وجہ سے پسند آیا ۔

قندھار کے حاکم بہادر خاں کا پیش کش نظر سے گزرا ۔ اس میں نو گھوڑے ، نو نفیس کپڑوں کے تھان اور لوسڑی کی دو سیاہ کھالیں اور کچھ دوسری چیزیں تھیں ۔

اسی تاریخ کو گدھیہ[1] کے راجا بھیم (بیم نراین) نے حاضر ہو کر آستان بوسی کا شرف حاصل کیا اور سات ہاتھی اور ہتھنیاں بطور پیش کش گزرانیں ۔

۱۰ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ایک گھوڑا اور خلعت یادگار قورچی کو عنایت ہوا ۔

۱۳ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو عید گلاب پاشان تھی اس لیے اس جشن کے تمام لوازم پورے کیے گئے اور شیخ سودود چشتی کو ، جو صوبۂ بنگال میں متعین ہے ، چشتی خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے اُسے گھوڑا عنایت کیا گیا ۔ [188]

۱۴ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو راول سرسی ولد راول اودے سنگھ زمیندار بانسوالہ نے حاضر ہو کر تیس ہزار روپے ، تین ہاتھی ، ایک پاندان مرصع ، اور ایک مرصع کمر بند بطور پیش کش گزرانا ۔

۱۵ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو صوبہ دار بہار ، ابراہیم خاں فتح جنگ

۱۔ غالباً یہ گدھئی ہے جو خاندیس میں واقع ہے ۔

کے بھیجے ہوئے نو ہیرے ، جو اس نے محمد بیگ کے ہاتھ بھجوائے تھے ، نظر سے گزرے . یہ ہیرے ابراہیم خان نے وہاں کے زمین دار اور سابقہ کان کے مالک کے اندوختے میں سے بطور مالِ غنیمت کے حاصل کیئے تھے . ان میں سے ایک ہیرا ساڑھے چودہ ٹانک کا ہے جس کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ روپے کیا گیا .

اسی دن یادگار قورچی کو چودہ ہزار درب بطور انعام عنایت کیے اور اسے پانصدی ذات و سہ صد سوار کے منصب سے سرفراز کیا .

تاتارخان بکاول بیگی کا منصب اصل و اضافے کے بعد دو ہزاری ذات و سہ صد سوار مقرر ہوا ، اور اس کے بیٹے بھی علٰحدہ علٰحدہ اضافۂ منصب سے سرفراز ہوئے .

شاہزادہ سلطان پرویز کے التماس پر وزیر خان کے منصب میں پانصدی کا اضافہ کیا گیا .

۲۹ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو جمعرات کے مبارک دن فرزند بلند اقبال بابا خرّم کا بھیجا ہوا قاصد سید عبداللہ بازھہ حاضر دربار ہوا اور اس نے خرّم کے عرائض پیش کیے جن میں فتوحات دکن کی خبریں تھیں . ان میں لکھا تھا کہ یہاں کے تمام دنیا داروں نے سرِ اطاعت خم کرکے بندگی اور فرماں برداری قبول کر لی ہے اور قلعوں اور شہر پناہوں کی کنجیاں ، خصوصاً قلعۂ احمد نگر کی کنجیاں میرے حضور میں پیش کر دی ہیں . اس نعمت عظمٰی اور عطیۂ کبریٰ پر میں نے سر نیازمندی بارگاہ بے نیاز میں جھکا کر اس کا شکر ادا کیا اور حکم دیا کہ خدائے تعالٰی کے اس لطف و کرم پر مسرت کے شادیانے بجائے جائیں . خدا کا شکر ہے کہ کھویا ہوا ملک دوبارہ امرا کے قبضے میں آ گیا اور وہ مفسد و فتنہ پرداز جو سرکشی اور عناد اختیار کیے ہوئے تھے ، اپنے عجز و ناتوانی کو مان کر مال گزار اور باج گزار بن گئے .

چوں کہ یہ خبر نورجہاں کے توسط سے میرے کانوں میں پہنچی تھی ، اس لیے بودھ کا پرگنہ ، جس کے محاصل دو لاکھ روپے ہیں ، میں نے نور جہاں کو عنایت کیا . ان شاء اللہ تعالٰی جیب شاہی فوجیں دکن کے علاقوں اور وہاں کے قلعوں میں داخل ہو جائیں گی اور فرزند ارجمند بابا خرّم ان فتوحات سے پورے طور پر مطمئن ہو جائے گا تو دنیاداران دکن کے پیش کشوں کو لے کر ان کے ایلچیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوگا . یہ پیش کش ایسی ہے کہ کسی

بادشاہ نے اپنے زمانے میں نہیں گزرانی تھی ۔ جن امرا کو اس صوبے میں جاگیریں دی جائیں گی ان کے متعلق طے ہو چکا ہے کہ خرم ان کو اپنے ساتھ لائے گا تاکہ وہ آستان بوسی کا شرف حاصل کر کے یہاں سے رخصت ہوں ۔ اس کے بعد فتح و فیروزی کے ساتھ شاہی سواری دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوگی ۔

دیوان حافظ سے فال :

دکن کی فتح کی خبر ملنے سے چند روز پہلے میں نے ایک رات خواجہ حافظ کے دیوان (۵) سے فال نکالی تھی کہ مہم دکن کا کیا انجام ہوگا ۔ اس وقت یہ غزل نکلی تھی :

روز ہجران و شب فرقت یار آخر شد
زدم این فال گزشت اختر و کار آخر شد

لسان الغیب حافظ کے اس شعر سے مجھے فتح و کامرانی کی پوری امید ہو گئی ۔ چنانچہ اس فال نکالنے کے پچیس روز بعد فتح و فیروزی کی خبر پہنچ گئی ۔ میں نے اپنے اکثر مطالب کے لیے دیوان خواجہ حافظ سے فال نکالی ہے اور فال سے جو چیز برآمد ہوئی ، اسی کے مطابق وہ کام بھی ہوا ۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ نتیجہ اس کے خلاف نکلا ہو ۔

اسی دن آصف خاں کے منصب میں ہزار سوار کا اضافہ کر کے اسے پنج ہزاری ذات و سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

شام کو محل کے لوگوں کے ساتھ عمارت ہفت منظر دیکھنے کے لیے گیا اور شام ہوتے ہی دولت خانے کو لوٹ آیا ۔ یہ عمارت سلطان محمود خلجی کی ، جو مالوے کے فرماں رواؤں میں سے ہے ، بنوائی ہوئی ہے ۔ اس نے اس عمارت میں سات منزلیں ، اور ہر منزل میں چار چبوترے [189] بنائے ہیں جو چار چار دریچوں پر مشتمل ہیں ۔ اس کے مینار کی بلندی ساڑھے چون گز ہے اور زینے کی سیڑھیاں زمین کی سطح سے لے کر ساتویں منزل تک ایک سو اکہتر ہیں ۔ میں نے اس عمارت کے چڑھنے اور اترنے کے دوران میں ایک ہزار چار سو روپے نچھاور کیے ۔

۳۱ ماہ تیر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے سید عبداللہ کو سیف خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے خلعت ، گھوڑے ، ہاتھی اور مرصع خنجر سے نوازا

اور اُسے فرزند بلند اقبال خرّم کی خدمت میں روانہ کیا ۔ اور اس کے ہاتھ ایک لعل جس کی قیمت تیس ہزار روپے سے زیادہ تھی ، فرزند بلند اقبال خرّم کے لیے بھجوایا ۔ مذکورہ لعل کی قیمت کوئی اھمیت نہیں رکھتی لیکن اس کی خصوصیت یہ تھی کہ میں نے اُسے ایک طویل مدت تک اپنی دستار میں باندھا تھا ، اس لیے میں نے اُسے مبارک جان کر شگون کے طور پر خرّم کو بھیج دیا ۔

خواجه ابوالحسن بخشی کے عزیز سلطان محمود کو صوبۂ بہار کی بخشی گری اور واقعہ نویسی کی خدمت پر متعین کیا ۔ اور اُسے رخصت کرتے وقت ایک ھاتھی عنایت کیا ۔

۔ امرداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعرات کی شام کو محل کے لوگوں کے ساتھ میں نیل کنڈ[1] کی سیر کے لیے روانہ ھوا ۔ یہ عمارت قلعۂ مانڈو کے دلکش مقامات میں سے ھے ۔ یہ عمارت شاہ بداغ خان (۶) نے جو میرے والد بزرگوار کے معتمد اُمرا میں سے تھا ، اُس زمانے میں تعمیر کرائی تھی جب کہ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں تھا ۔ نہایت دل نشین اور فرحت بخش عمارت ھے ۔ رات کے دو تین گھڑی تک وھاں ٹھہرنے کے بعد میں اپنے دولت خانۂ مبارک کو واپس لوٹا ۔

چوں کہ مخلص خان دیوان و بخشی صوبۂ بنگال کے بارے میں بعض چھچھوری اور نامناسب حرکات کی شکایات مجھ تک پہنچی تھیں اس لیے میں نے اس کے منصب میں ایک ھزار ذات و دو صد سواروں کی کمی کر دی ۔

۷ امرداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو گجراج نامی ایک بست ھاتھی جو عادل خان کی جانب سے دوسرے ھاتھیوں کے ساتھ بطور پیش کش آیا تھا ، رانا امر سنگھ کے لیے بھیجا گیا ۔

۱۱ امرداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں شکار کے لیے روانہ ھوا اور قلعے سے ایک منزل نیچے کی طرف گیا ۔ بارش کی کثرت اور کیچڑ اس قدر تھا کہ آگے بڑھنا اور شکار کھیلنا ممکن نہ تھا لہذا لوگوں کی بھلائی اور جانوروں کے نقصان کے خیال سے میں نے شکار کا ارادہ فسخ کر دیا اور جمعرات کا دن قلعے سے باھر گزار کر جمعہ کو واپس لوٹ آیا ۔

---

۱ - اس کو آج کل مقامی لوگ نیل کنتھ کہتے ھیں ۔

ہدایت اللہ کو فدائی خاں کا خطاب :

اسی دن میں نے ہدایت اللہ (۲) کو ، جو میرے سفر و حضر کی خدمات میں نہایت موزوں اور چست و چالاک ہے ، فدائی خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

اس موسم برسات میں بارش اس قدر شدید ہوئی کہ یہاں کے پرانے بوڑھے کہتے تھے کہ اس قسم کی شدید بارش ہمیں اپنی عمر میں کبھی یاد نہیں پڑتی ۔ تقریباً چالیس روز تک بارش اور طوفان کا زور تھا ۔ کبھی کبھی سورج نکل آتا تھا ۔ ہوا اور بارش کی اس قدر شدت تھی کہ اکثر قدیم اور جدید عمارتیں اس طوفانِ باد و باران سے گر پڑیں ۔ پہلی رات بارش ، بجلی اور کڑک کا یہ عالم تھا کہ بجلی کی ایسی کڑک ہوئی کہ ایسی آواز میں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی ۔ بجلی کے صدمے سے تقریباً بیس مرد اور عورتیں ہلاک ہوگئیں اور پتھر کی بعض مضبوط عمارتوں کی بنیادوں میں شگاف پڑ گئے ۔ کڑک سے زیادہ دل دہلا دینے والی کوئی آواز نہیں ۔ اس مہینے کے وسط تک بارش اور طوفان کا زور رہا ، پھر رفتہ رفتہ یہ زور گھٹنا شروع ہوا ۔ یہاں کے دشت و صحرا میں سبزے اور خود رو پھولوں کی کثرت کی وجہ سے وہ دل فریب منظر پیدا ہوا کہ تحریر میں نہیں آسکتا ۔ مجھے معلوم نہیں کہ کوئی سر زمین آب و ہوا کی خوبی اور وادی و صحرا کے دلکش مناظر میں مانڈو کا مقابلہ کر سکتی ہے ، خصوصاً موسمِ برسات میں ۔ برسات کا موسم گرمیوں کے مہینوں میں شمار ہوتا ہے مگر اس موسم میں بھی راتوں کو گھروں میں بغیر لحاف کے سونا ممکن نہیں ۔ دن کے وقت بھی پنکھا جھلنے یا جگہ بدلنے کی مطلقاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔ میں نے یہاں کے دلکش مناظر اور خوبیِ آب و ہوا کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے ، وہ ان خوبیوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے جو میرے مشاہدے میں آئی ہیں ۔ میں نے مانڈو میں دو ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو ہندوستان کے کسی خطّے میں میرے مشاہدے میں نہیں آئیں ؛ ان میں سے ایک تو جنگلی کیلے کا درخت ہے جو اس قلعے کے اکثر جنگلوں میں اگا ہوا ہے ۔ دوسرے ممولے کا آشیانہ ہے جسے فارسی میں دم سیچہ [190] کہتے ہیں ۔ آج تک کسی شکاری نے مجھے اس کے آشیانے کا پتا نہیں بتایا تھا ۔ حسنِ اتفاق سے میں جس عمارت میں ٹھہرا ہوا تھا

وھیں اُس کا آشیانہ نظر آیا ۔ اس میں مولے نے دو بچے دیئے تھے۔

۱۹ امرداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعرات کے دن میں اہل محل کے ساتھ سکر تالاب کے محلوں اور عمارتوں کی سیر کے لیے روانہ ہوا جو تالوے کے سابق حکم رانوں کی بنائی ہوئی ہیں ۔

چوں کہ میں نے اعتمادالدولہ کو صوبۂ پنجاب کی حکومت دینے کے بعد ہاتھی عنایت نہیں کیا تھا ، راستے میں شاہی فیل خانے کے ہاتھیوں میں سے جگت جوت نامی ایک ہاتھی اُسے عنایت کیا ، اور شام تک اُس دلکش عمارت میں ٹھہرا رہا اور وہاں کے اطراف و جوانب کے صحرا کی سرسبزی و شادابی سے لطف اٹھا کر مغرب کی نماز ادا کرنے اور تسبیح سے فارغ ہونے کے بعد شاہی سنیتقر کی طرف لوٹ آیا ۔

جمعہ کے دن جہانگیر قلی خاں کا رن بادل نامی ہاتھی ، جو اس نے بطور پیش کش بھیجا تھا ، نظر سے گزرا ۔

عوام کو شاہی لباس پہننے کی ممانعت :

میں نے بعض ملبوسات اور اُن کی وضع و قطع کو اپنے پہننے کے لیے مخصوص کر کے عام حکم دیا کہ آیندہ یہ لباس کوئی نہ پہنے الا" یہ کہ یہ لباس میں اُسے عنایت کروں ۔

اول ، دگلۂ نادری جو قبا کے اوپر پہنا جاتا ہے ۔ اس کی لمبائی کمر سے لے کر سُرین کے نیچے تک ہوتی ہے ۔ اس میں آستینیں نہیں ہوتیں ۔ سامنے سے اسے تکمے سے بند کیا جاتا ہے ۔ ولایت کے لوگ اسے کُردی[1] کہتے ہیں اور میں نے اس کا نام نادری رکھا ہے ۔

دوسرے ، شالِ طوس جیسے میرے والد بزرگوار نے خاص لباس قرار دیا تھا ۔

تیسرے ، وہ قبا جس کے گریبان اور سر آستین میں چکن دوزی کی جاتی ہے اور جس کے پہننے کو میرے والد بزرگوار نے اپنے لیے مختص کر دیا تھا ۔

چوتھے ، حاشیہ دار قبا جس کے دامن ، گریبان اور سر آستین کے اِردگرد مشجّر اور زربفت کے بیل بوٹے کاٹ کر سیے جاتے ہیں ۔

۱۔ اس کو کردی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ کُردستان کی ایجاد ہے اور کُرد لوگ پہنتے تھے ۔

پانچویں ، گجراتی اطاس کی قبا ۔ ان کے علاوہ دستار اور ریشمی کمر بند جس میں سونے اور چاندی کے کلابتون سے زردوزی کی گئی ہو۔

چوں کہ دکن کی مہم کو سرانجام کرنے کے لیے مہابت خاں کے سواروں میں بعض کو سہ اسپہ اور بعض کو دو اسپہ[1] قرار دے کر اُسی تناسب سے ان کے ماہانہ میں اضافہ کر دیا گیا تھا ، لیکن وہ خوش اسلوبی سے یہ خدمت انجام نہیں دے سکا اس لیے میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ اُس تفاوت کے مطابق جو ماہیانوں میں اضافہ کیا گیا ہے ، اس کی جاگیر کی آمدنی سے اُتنی رقم وضع کر لیں۔

۲۶ ماہ امرداد مطابق ۱۴ شعبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) جمعرات کو کہ شب برات تھی ، اُن عمارتوں میں جن میں نور جہاں بیگم ٹھہری ہوئی تھی اور جو قلعے کے بڑے تالابوں کے درمیان واقع ہیں ، میں نے محفل جشن منعقد کی ۔ اس مجلس میں جو بیگم کی جانب سے ترتیب دی گئی تھی ، میں نے اُمرا اور مصاحبوں کو طلب کر کے حکم دیا کہ حاضرین مجلس کو ہر شخص کی خواہش کے مطابق شراب اور دوسرے منشیات کیف آور دیے جائیں ۔ اُن میں سے بہت سوں نے شراب کو پسند کیا ۔ میں نے حکم دیا کہ جو کوئی شراب پیے اپنے منصب اور حیثیت کی جگہ پر بیٹھ جائے ۔ اور میرے حکم سے قسم قسم کے کباب اور میوے بطور گزک ہر ایک کے سامنے رکھے گئے ۔ عجیب پُر لطف جشن تھا ، سرِ شام ہی تالاب اور عمارتوں کے اطراف میں فانوس اور چراغ روشن کیے گئے ۔ ایسا شاندار چراغاں ہوا کہ رسم چراغاں کی ابتدا سے لے کر آج تک کسی جگہ ایسا چراغاں نہ ہوا ہوگا ۔ تمام چراغوں اور فانوسوں کی روشنیوں کے عکس سے

۱۔ عمدہ سواروں کو ایک سے زیادہ گھوڑے رکھنے کی اجازت دی جاتی تھی اور اُن کا خرچ سرکاری خزانے سے دیا جاتا تھا ۔ چناں چہ جن سواروں کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہوتی تھی دو اسپہ اور جن کے پاس تین گھوڑے ہوتے تھے سہ اسپہ ، اور جن کے پاس چار گھوڑے ہوتے چہار اسپہ کہلاتے تھے ۔ اس سے زیادہ کا رواج نہیں تھا ۔ سات قسم کے گھوڑے کام میں لائے جاتے تھے اور ہر قسم کے گھوڑے کا جداگانہ خرچ مقرر تھا جو سوار کو سرکاری خزانے سے ادا کیا جاتا تھا ۔ ان گھوڑوں کے نام یہ ہیں : عربی ، عراقی ، مجنس ، ترکی ، یابو ، تازی ، جنگلا ۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے تمام تالاب ایک میدان آتش زار بنا ہوا ہے ۔ نہایت شگفتہ مجلس رہی اور بادہ نوشوں نے اپنے حوصلے اور طاقت سے زیادہ بڑھ کر شراب پی ۔

دل افروز بزمی شد آراسته
بخوبی بدانسان که دل خواسته

فگندند در پیش این سبز کاخ
بساطی چو میدان همت فراخ

ز بس نکهت بزم می رفت دور
فلک نافهٔ مشک برد از بخور

شده جلوه گر نازنینانِ باغ
رخ افروخته هر یکی چون چراغ

[191] رات کے تین چار گھڑی گزرنے کے بعد لوگوں کو رخصت کرکے میں نے اہل محل کو طلب کیا ۔ ایک پہر رات تک اس پُر لطف مقام پر عیش و عشرت کی خوب داد دی ۔

مبارک شنبہ :

اس جمعرات میں بعض عجیب و غریب خصوصیتیں جمع ہوگئی تھیں : اول یہ کہ جمعرات میری تخت نشینی کا دن ہے ۔ دوسرے یہ کہ اسی دن شب برات واقع ہوئی تھی ۔ تیسرے یہ کہ ہندوؤں کی راکھی کا دن تھا جس کی تشریح میں پہلے کر چکا ہوں کہ یہ ہندوؤں کا متبرک دن ہے ۔ ان تینوں مبارک خصوصیات کی بنا پر میں نے اس کا نام مبارک شنبہ رکھا ۔

۲۷ ماہ امرداد ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو سید کاسو (۸) کو پرورش خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

کم شنبہ :

جس طرح مبارک شنبہ میرے لیے مبارک ثابت ہوا ہے ، اس کے بالکل برعکس چہار شنبہ (بدھ) میرے لیے منحوس ثابت ہوا ہے ۔ اس بنا پر میں نے اس منحوس دن کا نام کم شنبہ رکھا ہے تا کہ یہ دن ہمیشہ کے لیے جہان سے ملیامیٹ ہو جائے ۔

دوسرے دن یادگار قورچی کو ایک مرصّع خنجر عنایت کیا اور حکم دیا کہ آج سے اسے یادگار بیگ کے نام سے پکارا جائے۔

راجا مہاسنگھ کے بیٹے جے سنگھ کو، جو بیس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے، میں نے طلب کیا تھا۔ وہ ان ہی ایام میں حاضر ہوا اور ایک ہاتھی بطور پیش کش گزرانا۔

۲ ماہ شہریوز ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) مبارک شنبہ کے دن ایک پہر اور تین گھڑی گزرنے کے بعد نیل کنڈ اور اس کے اطراف کی سیر کرنے کا موقع ملا اور وہاں سے عیدگاہ کے جنگل میں جو پشتے کے بالائی حصے پر واقع ہے، اور نہایت سرسبز و شاداب ہے، جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں گل چنیا اور دوسرے صحرائی پھول اس کثرت سے کھلے ہوئے تھے کہ جس طرف بھی نظر جاتی تھی چپّے چپّے پر پھول اور سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد دولت سرائے ہمایوں میں واپس آیا۔

چوں کہ مجھ سے یہ بارہا کہا گیا ہے کہ جنگلی کیلے سے ایک قسم کا میٹھا رس نکلتا ہے جسے اکثر درویش اور غریب لوگ اپنی غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لیے میں اس کی تحقیق کے درپے ہوا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے پھل کا گودا تو بے مزہ ہوتا ہے، البتہ اس کے درخت کے زیریں تنے سے صنوبری شکل میں رس بہہ کر آتا ہے، اور مصری کی شکل میں جم جاتا ہے۔ وہ بعینہ ذائقے اور مزے میں فالودے کی طرح ہوتا ہے۔ وہی در اصل اس درخت کا میوہ ہوتا ہے اور لوگ اسی کو کھاتے ہیں اور اس کے ذائقے اور لذت سے بہت لطف اٹھاتے ہیں۔

نامہ بر کبوتر:

میں نے نامہ بر کبوتروں کے متعلق بھی بہت سی باتیں سنی تھیں کہ خلفائے بنی عباس کے زمانے میں بغدادی کبوتروں کو، جنھیں نامہ بر کہتے تھے، اور بلاشبہ جنگلی کبوتروں سے ان کے دس پندرہ پر بڑے ہوتے تھے، نامہ بری سکھائی جاتی تھی۔ میں نے کبوتر بازوں سے کہا کہ ان صحرائی کبوتروں کو بھی نامہ بری کے لیے سدھائیں۔ چناں چہ انھوں نے کبوتروں کے چند جوڑوں کو اس طرح سدھایا کہ دن کے اول حصے میں ہم ان کو مانڈو سے اڑاتے تھے، اگر کثرت سے بارش ہوتی تھی، تب بھی وہ زیادہ سے

زیادہ ڈھائی پہر میں ورنہ ڈیڑھ پہر میں برہان پور پہنچ جاتے تھے ۔ اگر ہوا صاف ہوتی تھی اور بارش وغیرہ نہیں ہوتی تھی تو ان میں سے اکثر ایک پہر میں برہان پور پہنچتے تھے ، اور بعض کبوتر چار گھڑی میں بھی پہنچتے تھے ۔

۳ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو بابا خرّم کی عرض داشت پہنچی ، جس میں افضل خاں اور رائے رایاں اور عادل خاں کے ایلچیوں کے آنے ، اور مناسب پیش کش لانے کی اطلاع تھی جو جواہر ، مرصّع آلات اور ہاتھی گھوڑوں پر مشتمل تھا ، اور اس پیش کش کی مثال کسی عہد اور زمانے میں نہیں ملتی تھی ۔

اس عرض داشت میں خرّم نے عادل خاں کی اعلیٰ خدمات ، بہی خواہی اور ایفائے عہد کو سراہتے ہوئے اس کی سفارش کی تھی کہ اسے فرزلدی کے خطاب اور دوسری ایسی عنایتوں سے ، جو ابھی تک اُس کے حق میں صادر نہیں ہوئیں ، سرفراز کیا جائے ۔ چوں کہ میں فرزند مذکور کی دل جوئی کو نہایت عزیز رکھتا ہوں اور یوں بھی اس کی یہ سفارش بجا تھی اس لیے میں نے عطارد رقم منشیوں کو حکم دیا کہ وہ عادل خاں کے نام ایک فرمان جاری کریں جو گونا گوں [192] شفقتوں اور مرحمتوں پر مبنی ہو ۔ اور اس کی تعریف و القاب میں جو الفاظ سابق میں لکھے جاتے تھے ، ان میں دس بارہ لفظ اور بڑھا دیے جائیں ۔ اور منشیوں کو یہ بھی تاکید کی کہ آیندہ سے عادل خاں کو فرامین میں فرزلد سطاعہ لکھا جائے ۔ اس فرمان کے شروع میں یہ شعر میں نے اپنے قلم خاص سے تحریر کیا :

شدی از التماس شاہ خرّم
بہ فرزندیِ ما مشہور عالم

۴ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو یہ فرمان اس کی نقل کے ساتھ خرّم کو بھیج دیا گیا تاکہ فرزند شاہ خرّم نقل کو ملاحظہ کرکے اصل کو عادل خاں کے پاس روانہ کر دے ۔

۹ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ کے دن شاہی خواتین کے ساتھ آصف خاں کے گھر گیا ۔ اس کا قیام درّے کے قریب تھا جو نہایت پر لطف اور پر فضا جگہ ہے ۔ اس کے اردگرد چند دوسرے درّے ہیں اور کئی جگہ آبشاریں جاری ہیں ۔ اور آم وغیرہ کے نہایت سرسبز و شاداب درخت

سایہ فگن ہیں ۔ دو تین سو کے قریب گل کیوڑہ ایک درے میں اُگے ہوئے ہیں ۔
مختصر یہ کہ یہ دن نہایت لطف اور مسرتوں میں گزرا ۔ شراب کی محفل جمی ،
امرا اور مصاحبین کو پیالے عنایت کیے گئے ۔

آصف خان کا پیش کش بھی ملاحظے میں آیا جو نہایت نفیس چیزوں پر مشتمل تھا ۔ اس میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں وہ میں نے لے لیں ، بقیہ اس کو واپس کر دیں ۔

اسی دن خواجہ میر ولد سلطان خواجہ جو سہم بنگش سے میرے طلب کرنے پر آیا تھا ، حاضر خدمت ہوا اور اس نے ایک قطعہ لعل ، دو موتی اور ایک ہاتھی بطور پیش کش گزرانا ۔

راجا بھیم نراین زمین دار ولایت گدھیہ کو ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا اور حکم دیا کہ اس کے وطن کو بطور تنخواہ کے اس کی جاگیر میں دیا جائے ۔

۱۲ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو فرزند خرم کی عرض داشت پہنچی کہ راجا باسو کا بیٹا راجا سورج مل جس کی ریاست قلعۂ کانگڑہ سے متصل ہے ، اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ ایک سال کی مدت میں اس قلعے کو شاہی امرا کے قبضے میں لے آئے گا ۔ شاہزادہ خرم نے اس عرض داشت کے ساتھ اس کا تحریری معاہدہ بھی روانہ کیا تھا ۔ میں نے جواباً حکم بھیجا کہ وہ اس کے مطالب و مدعا کو اچھی طرح سمجھ کر راجا سورج مل کو شاہی دربار میں روانہ کرے تاکہ وہ اپنی مشکلات پر قابو پا کر مذکورہ خدمت پر روانہ ہو جائے ۔

روشن آرا بیگم کی ولادت :

یکم رمضان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو چار گھڑی اور سات پل گزرنے کے بعد فرزند خرم کے گھر میں آصف خان کی لڑکی کے بطن سے ، جو دوسرے شہزادوں کی ماں ہے ، ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام روشن آرا بیگم رکھا گیا ۔

چیت پور[1] کے راجا نے ، جو مانڈو کے قرب و جوار میں واقع ہے ، اپنی

۱- چیت پور کاٹھیاواڑ میں واقع ہے ، مالوے میں نہیں ہے ۔ البتہ مالوے میں چیت گڈھ ہے ۔ ممکن ہے یہاں چیت گڈھ ہی مراد ہو ۔

بے سعادتی کے باعث آستان بوسی کی عزت حاصل نہیں کی تھی اس لیے میں نے فدائی خان کو حکم دیا کہ چند منصب داروں اور چار پانسو برق اندازوں کو ساتھ لے کر اس کے سر پر پہنچ جائے اور اس کی ریاست کو تاخت و تاراج کر دے ۔

۱۳ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ایک ہاتھی فدائی خان کو اور ایک ہاتھی میر قاسم ولد سید مراد کو عنایت کیا ۔

۱۶ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو راجا سہا سنگھ کے بیٹے جے سنگھ کو جس کی عمر بارہ سال[1] کی ہو گئی تھی ، ہزاری ذات و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا ۔

میر خلیل اللہ کے بیٹے میر میران کو ایک ہاتھی عنایت کیا جو خود اس نے پسند کیا تھا ۔

ایک ہاتھی "ملا" عبدالستار کو عنایت کیا ۔

راجا بکرماجیت بھدریہ کے بیٹے بھوج نے صوبۂ دکن سے آ کر حاضری کا شرف حاصل کیا اور ایک سو اشرفیاں نذر گزرانیں ۔

۱۷ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو خبر ملی کہ راجا کلیان اوڑیسہ سے آ کر آستان بوسی کا ارادہ رکھتا ہے ۔ چوں کہ میں اس کے بارے میں بعض ناخوش گوار باتیں سن چکا تھا ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ آسے اور اس کے بیٹے کو آصف خان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے ان واقعات کی تحقیقات کرے جو اس کے بارے میں سنے جا رہے ہیں [193] ۔

۱۹ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں نے ایک ہاتھی جے سنگھ کو عنایت کیا ۔

۲۰ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کیشو مارو کے منصب میں دو سو سواروں کا اضافہ کیا ۔ اس اضافے سے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ

۱- سابق میں تزک سر سید ایڈیشن ص ۱۹۱ پر اس کی عمر بیس سال بتائی گئی ہے ۔ یہاں ص ۱۹۲ پر بارہ سال درج ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ بیس سال ہی درست ہے ، کیوں کہ ۱۲ برس کی عمر میں اتنا بڑا منصب ملنا ممکن نہیں ۔

دو ہزاری ذات و ہزار و دویست سوار ہو گیا ۔

الہداد افغان کو خطاب :

۲۳ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو الہداد افغان (۹) کو رشید خان کے خطاب سے ممتاز کر کے ایک پرم نرم (پشمینہ) خاصہ عنایت کیا ۔

راجا کلیان سنگھ کا پیش کش جو اٹھارہ ہاتھیوں پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا جس میں سولہ ہاتھی شاہی فیل خانے میں داخل کیے گئے اور دو اسی کو بخش دیے گئے ۔

چوں کہ میر میراں کی والدہ کی وفات کی خبر عراق سے آئی تھی جو شاہ اسماعیل ثانی کی بیٹی اور سلاطین صفویہ کے خاندان سے تھی ، میں نے میر میراں کو ماتمی لباس اتارنے کے لیے خلعت بھیجا ۔

۲۵ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو فدائی خان خلعت حاصل کر کے اپنے بھائی روح اللہ (۱۰) اور دوسرے منصب داروں کے ساتھ چیت پور کے راجا کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا ۔

۲۸ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو میں محل والوں کے ساتھ دریائے نربدا کا نظارہ کرنے اور اس علاقے میں شکار کھیلنے کے لیے قلعے سے نیچے آیا اور دو منزل کے بعد ٹھہرا ۔ چوں کہ یہاں مچھر اور پسو زیادہ تھے ، میں ایک شب سے زیادہ نہ ٹھہر سکا ۔ دوسرے دن تارا پور آیا اور بروز جمعہ ۳۱ ماہ شہریور ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو واپس لوٹ آیا ۔

یکم ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو محسن خواجہ کو جو اسی زمانے میں ماوراءالنہر سے آیا ہے ، خلعت اور پانچ ہزار روپے عنایت کیے ۔

۲ ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو راجا کلیان نے آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اس کے متعلق میں نے جو باتیں سنی تھیں اور جن کی تحقیقات کے لیے آصف خان مامور کیا گیا تھا ، وہ تحقیقات کے بعد بے گناہ ثابت ہوا ۔ اس نے ایک سو مُہر اور ایک ہزار روپے نذر گزرانے ۔ اس کا پیش کش ایک موتیوں کی لڑی ، جو اسی دانوں کی تھی ، دو قطعۂ لعل اور ایک پونہچی جس میں ایک لعل اور دو موتی لگے تھے اور جواہر دار طلائی گھوڑے پر مشتمل تھا ، نظر سے گزرا ۔

فدائی خان کی عرض داشت پہنچی کہ جب شاہی فوجیں چیت پور میں

داخل ہوئیں تو وہاں کے راجا نے مقابلے کی طاقت نہ پاکر راہ فرار اختیار کی اور اس کی ریاست کو تاخت و تاراج کر دیا گیا اور اب وہ اپنے کیے پر پشیمان ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ وہ بارگاہ جہاں پناہ میں بندگی اور اطاعت کا شیوہ اختیار کرے۔ روح اللہ کو فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں بھیجا گیا ہے کہ وہ اس کو گرفتار کر کے حضور کی بارگاہ میں لائے یا اسے وادی ادبار میں آوارہ کر کے اس کے بیوی بچوں اور متعلقین کو جو ہمسایہ ریاستوں میں پناہ گزین ہو گئے ہیں، قید کر لے۔

۸ ماہ سہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو خواجہ نظام نے چار انار جو بندرگاہ موخا[1] (سوچا) سے لائے گئے تھے، پیش کیے۔ یہ انار بندرگاہ موخا سے سورت تک چودہ دن میں اور سورت سے مانڈو تک آٹھ روز میں آئے تھے۔ موخا کے انار حجم میں ٹھٹے کے اناروں کے برابر ہوتے ہیں۔ ٹھٹے کے انار بے دانہ اور یہ انار بادانہ اور نازک ہوتے ہیں۔ شادابی اور مٹھاس میں موخا کے انار ٹھٹے کے اناروں سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

روح اللہ کی وفات:

۹ ماہ سہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو خبر ملی کہ روح اللہ جو چیت پور کے راجا کے تعاقب میں گیا ہوا تھا، وہ وہاں ایک قریب کے گاؤں میں پہنچا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ راجۂ چیت پور کے بیوی بچے اور متعلقین اسی گاؤں میں ہیں۔ وہ ان کی تلاش میں اس گاؤں میں آیا اور گاؤں کے باہر ٹھہر کر اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ جو لوگ اس گاؤں میں ہوں انھیں حاضر کریں۔ جب گاؤں کے لوگ اس کے سامنے حاضر کیے گئے تو ابھی تلاش و تحقیق کے دوران میں جب کہ لشکری اپنی سواریوں سے اتر کر اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے تھے، اور روح اللہ بھی اپنا سامان سفر اتروا کر ایک غالیچہ بچھوا کر بیٹھ گیا تھا، تو راجا کے ایک فدائی نے جو گاؤں کے لوگوں میں ملا ہوا تھا، پیچھے سے آکر روح اللہ کے ایک برچھا مارا۔ برچھے کا وار اس قدر کاری تھا کہ روح اللہ کا سر کٹ کر سینے سے جدا ہو گیا۔ یہ حملہ اس قدر فوری، شدید اور کارگر تھا

۱- یہ بندرگاہ سوچا ہے۔

کہ برچھے کے لگنے اور روح اللہ کے بارے جانے میں [194] ذرا بھی فرق واقع نہ ہوا[۱]۔ لشکری جو وہاں موجود تھے ، انھوں نے فوراً ہی اس مرد کو جہنم واصل کر دیا اور دوسرے لشکری جو متفرق جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے ، ہتھیار لگا کر گاؤں میں گئے اور تمام گاؤں والوں کو اس خون کا بدلہ لینے اور مخالفوں اور باغیوں کو پناہ دینے کی پاداش میں ایک گھنٹے کے اندر اندر قتل کر دیا ، اور گاؤں کو اس طرح جلا دیا کہ وہاں اب سوائے راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ پھر تمام لشکری روح اللہ کی نعش کو اٹھا کر فدائی خاں کے پاس پہنچے ۔ روح اللہ کی شجاعت اور بہادری میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ تھی لیکن اُس کی غفلت نے یہ شعبدہ دکھایا ۔

جب اس ریاست میں آبادی کے آثار باقی نہ رہے اور وہاں کا راجا کوہ و صحرا میں آوارہ گردی کرنے لگا اور روپوش ہو گیا ، تو فدائی خاں کے پاس اپنا قاصد بھیج کر التجا کی کہ اُس کو معافی دی جائے ۔ میں نے اس بات سے مطلع ہونے کے بعد فدائی خاں کو حکم بھیجا کہ معافی کا اطمینان دلا کر اس کو ہماری بارگاہ میں حاضر کرے ۔

مروت خاں (۱۱) کے منصب کو اس شرط کے ساتھ دو ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار تک بڑھا دیا کہ وہ چندر کوٹہ کے راجا ہری بھان کا قلع قمع کر دے ، جس سے مسافروں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے ۔

۱۳ ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو راجا سورج مل (۱۲) بابا خرّم کے ملازم تقی بخشی کے ہمراہ آ کر حاضر خدمت ہوا ۔ اُس نے اپنے تمام مطالبات پیش کیے ۔ اُس کے تمام مطالبات مہم کانگڑہ کی خدمت سرانجام دینے کے وعدے کی بنا پر قبول کر لیے گئے اور فرزند خرّم کے التماس پر اُسے علَم اور نقارے سے بھی نوازا گیا ، اور تقی کو بھی جو اُس کی ہمراہی میں متعین تھا ، جڑاؤ کھپوہ عنایت کیا ، اور حکم دیا کہ وہ جملہ ضروری انتظامات کر کے اپنے کام کو انجام دینے کے لیے فوراً روانہ ہو جائے ۔

خواجہ علی بیگ میرزا کا منصب جو احمد نگر کی حفاظت و انتظام کے لیے

۱۔ ماثرالامرا ، جلد ۲ ، ص ۱۰۳ میں روح اللہ خاں کے قتل کا واقعہ مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے (رک : حاشیہ نمبر ۸)

متعین کیا گیا تھا ، پنج ہزاری ذات و سوار کر دیا ۔

نورالدین قلی ، خواجگی طاہر ، سید خان محمد ، مرتضیٰ خان اور ولی بیگ کو ایک ایک ہاتھی عنایت کیا ۔

۱۷ ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو حاکم بیگ (۱۳) کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و دویست سوار مقرر ہوا ۔

اُسی دن راجا سورج مل کو خلعت ، ہاتھی اور کھپوۂ مرصّع دے کر اور تقی کو خلعت عنایت کر کے کانگڑے کی مہم پر روانہ کیا ۔

فتح دکن کے بعد خرّم کی واپسی :

فرزند بلند اقبال شاہ خرّم کے فرستادہ ایلچی ، عادل خان کے ایلچیوں کے ہمراہ پیش کشوں کے ساتھ واپس برہان پور پہنچ گئے اور فرزند بلند اقبال بالکلیہ صوبۂ دکن کی مہمات سے مطمئن ہو گیا ۔ خانخانان کو برار و خاندیس اور احمد نگر کا صوبے دار مقرر کر دیا اور اُس کی طرف سے اس کے بیٹے شاہنواز خان کو ، جو در حقیقت نوجوان خانخانان ہے ، بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اس مفتوحہ ملک کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے روانہ کر دیا گیا ۔ اس کے علاوہ تمام علاقے اور جاگیریں ان قابل اعتماد اُمرا کو دے دیے جنھیں وہ ان کے لیے موزوں و مناسب سمجھتا تھا ، اور اس تمام لشکر میں سے جو اس کے ہمراہ متعین تھا ، تقریباً تیس ہزار سوار ، سات ہزار پیادے برقنداز وہاں چھوڑ دیے اور بقیہ لشکریوں کو ہمراہ لے کر جو پچیس ہزار سوار اور دو ہزار توپچی تھے ، حضور خدمت کے لیے روانہ ہو گیا ۔

۱۸ ماہ مہر ۱۲ جلوس مطابق ۱۱ شوال ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ، تین پہر اور ایک گھڑی گزرنے کے بعد خرّم تہنیتوں اور مسرتوں کے ساتھ قلعہ مانڈو میں داخل ہوا اور میرے حضور خدمت کی سعادت حاصل کی ۔ یہ پندرہ ماہ اور گیارہ دن[1] مجھ سے جدا رہا ۔ آداب کورنش اور زمین بوسی

۱- پندرہ ماہ اور گیارہ دن کتابت کی غلطی ہے ، کیوں کہ خرّم آخر شوال ۱۰۲۵ھ کو اپنے باپ سے رخصت لے کر عازم دکن ہوا تھا ۔ اس وقت جہانگیر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مراسم بجا لانے کے بعد میں نے اسے اوپر جھروکے میں طلب کیا اور محبت و شوق کے غلبے سے میں ایسا بے اختیار ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے آغوش عاطفت میں لے لیا ۔ آداب و انکسار [195] میں اس نے جس قدر مبالغہ کیا ، میں نے بھی اس سے بڑھ کر اس سے محبت و شفقت کا برتاؤ کیا اور اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا ۔ اس نے ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار روپے بطور نذر پیش کیے ، اور ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار روپے بطور صدقے کے نچھاور کیے ۔ چوں کہ اس وقت اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اپنے تمام پیش کش ، جو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا ، میری نظر سے گزارے ، اس لیے اس نے اس وقت صرف عادل خاں کے فرستادہ و پیش کردہ ہاتھیوں میں سے سرناک نامی ہاتھی ، جو ان میں سب سے بہتر تھا ، اور نفیس قسم کے جواہرات سے بھرا ہوا ایک صندوقچہ پیش کیا ۔

اس کے بعد میں نے بخشیوں کو حکم دیا کہ وہ امرا جو فرزند خرّم کے ساتھ دکن سے واپس آئے ہیں ، انھیں ان کے منصب کے مطابق ترتیب سے پیش کیا جائے ۔ سب سے پہلے خان جہاں نے حاضری کی سعادت حاصل کی ۔ میں نے اسے اوپر طلب کر کے قدم بوسی کی عزت بخشی ۔ اس نے ہزار مہریں اور ہزار روپے اور ایک صندوقچہ جو جواہرات اور مرصّع ہتھیاروں سے بھرا ہوا تھا بطور پیش کش گزرانا ۔ اس کے پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں ، ان کی قیمت پینتالیس ہزار روپے تھی ۔

اس کے بعد عبداللہ خاں نے آستاں بوسی کی عزت حاصل کی اور سو اشرفیاں نذر گزرانیں ۔

مہابت خاں کا پیش کش :

پھر مہابت خاں نے زمیں بوس ہو کر سر بلندی حاصل کی اور سو اشرفیاں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اجمیر میں مقیم تھا ۔ دکن کے حالات پر وہ قابو پانے کے بعد ۱۱ شوال ۱۰۲۶ھ کو مانڈو کے قلعے میں اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس طرح یہ غیر حاضری ۱۱ ماہ ۱۱ دن کی تھی ۔

اور ہزار روپے نذر گزرانے ۔ اس کے علاوہ جواہر کا ایک ڈبہ اور مرصّع ہتھیار پیش کیے ۔ ان میں ایک ایسا لعل بھی تھا جس کا وزن گیارہ مثقال تھا اور جسے گزشتہ سال ایک فرنگی اجمیر میں فروخت کرنے کے لیے لایا تھا ۔ وہ اس کی قیمت دو لاکھ روپے مانگتا تھا مگر جوہری اس کی قیمت اسّی ہزار روپے لگاتے تھے ، اس لیے وہاں اس کا سودا نہ پٹ سکا ۔ جب وہ اس لعل کو لے کر برہان پور پہنچا تو مہابت خاں نے اسے ایک لاکھ روپے میں خرید لیا ۔

اس کے بعد راجا بھاؤ سنگھ نے حاضری کی عزت حاصل کی اور کچھ ہیرے اور جڑاو ہتھیار پیش کش کے طور پر گزرانے ۔

اسی طرح داراب خاں ولد خان خاناں ، عبداللہ خاں کے بھائی سردار خاں ، شجاعت خاں عرب ، دیانت خاں ، شہباز خاں ، معتمد خاں بخشی اور اودے رام جو نظام الملک کے عمدہ سرداروں میں تھے ، فرزند شاہ خرم کے پاس قول و قرار کرکے ہماری سلطنت کے بہی خواہوں کی زمرے میں شامل ہو گئے [1] اور دوسرے امرا بھی اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق باریاب ہوئے ۔ ان لوگوں کے بعد عادل خاں کے وکیلوں نے بھی زمیں بوسی کی عزت حاصل کرکے عادل خاں کی عرض داشت پیش کی ۔

شاہزادہ خرّم کو شاہجہاں کا خطاب :۔

اس سے قبل رانا کی مہم میں شجاعت و بہادری دکھانے کے صلے میں میں نے اقبال مند فرزند خرّم کو بست ہزاری و دہ ہزار سوار کا منصب عنایت کیا تھا ۔ جب وہ تسخیر دکن کے لیے روانہ ہوا تو میں نے اسے شاہ کے خطاب سے ممتاز کیا تھا ۔ اب اس فتح دکن کی لائق اور شایستہ خدمت سرانجام دینے پر میں نے اسے سی ہزاری و بست ہزار سوار کا منصب عطا کرکے شاہجہاں کا خطاب عنایت کیا اور حکم دیا کہ آج سے اس کی کرسی میرے تخت کے پاس رکھی جائے جس پر یہ فرزند بیٹھا کرے ۔ یہ عنایت اس فرزند کے ساتھ خاص ہے ۔ اس سے پہلے

۱- صرف اودے رام نظام الملکی ہے ، دوسروں کو نظام الملک سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔

ہمارے خاندان میں یہ رسم نہ تھی ۔ پھر اُسے خلعت خاص اور زربفت کا چار قب جس کے گریبان ، سر آستین اور حاشیے کے دامن میں موتی ٹکے ہوئے تھے ، عنایت کیا جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی ۔ اور مرصّع تلوار مرصّع پرتلے کے ساتھ اور مرصّع خنجر بھی اُسے عنایت کیا ۔ اس سر فرازی کے لیے میں خود جھروکے سے نیچے آیا اور جواہر سے بھرا ہوا ایک خوانچہ اور اشرفیوں سے پُر ایک خوان اُس پر نچھاور کیا ۔ پھر سرناک ہاتھی کو میں نے اپنے قریب طلب کرکے دیکھا ، وہ تعریف اور خوبیاں جو میں نے اُس کے متعلق سنی تھیں ، بغیر کسی مبالغے کے میں نے اس میں پائیں ۔ مجھے وہ بے حد پسند آیا ۔ کلانی ، آراستگی ، چال اور خوش فعلی میں وہ آپ اپنی مثال ہے ۔ ان خوبیوں کا ہاتھی بہت کم دیکھنے میں آیا ہے ۔ چوں کہ یہ ہاتھی مجھے بے حد پسند آیا تھا ، میں اُسی وقت اُس پر سوار ہو کر اور اس کے سر پر زر نثار کرتے ہوئے اُسے دولت خانۂ خاص کے اندر لے گیا اور حکم دیا کہ اسے دولت خانۂ خاص کے اندر [196] باندھا جایا کرے ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام نور بخت رکھا ۔

۲۳ ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعے کے دن ریاست بکلانہ کا راجا بھرجو حاضر خدمت ہوا ، اس کا نام پرتاب ہے ۔ اس ریاست کا جو کوئی راجا ہوتا ہے اُسے پرتاب کہتے ہیں ۔ اس کی فوج تقریباً ایک ہزار پانسو تنخواہ یاب سواروں پر مشتمل ہے ۔ ضرورت آ پڑے تو وہ اس فوج کو ساز و سامان کے ساتھ تین ہزار تک بڑھا سکتا ہے ۔ ریاست بکلانہ ، گجرات ، خاندیس اور دکن کے درمیان واقع ہے ۔ اس ریاست میں سالیر اور مالیر نام کے دو قلعے موجود ہیں ۔ چوں کہ قلعۂ مالیر آبادی کے درمیان ہے ، اس لیے راجا خود اس میں رہتا ہے ۔ ریاست بکلانہ میں صاف و شفاف چشمے اور بہتی ہوئی ندیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں ۔ یہاں کے آم نہایت مزیدار اور شاداب ہوتے ہیں ۔ آم پکنے کی ابتدائی فصل سے لے کر آخر فصل تک نو مہینے یہاں آم کا موسم رہتا ہے ۔ یہاں انگور بھی کثرت سے ہوتے ہیں ، لیکن انگور کی اعلیٰ قسم یہاں نہیں پائی جاتی ۔ مذکورہ راجا (قدیم زمانے میں) گجرات ، دکن اور خاندیس کے حکم رانوں سے بہت اچھے تعلقات رکھتا تھا اور کسی وقت بھی رشتۂ دوستی اور مروت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا ۔ اگرچہ کبھی کسی سے ملنے کے لیے نہیں گیا ، لیکن جب کبھی اُن میں سے کوئی حکم ران اُس کے ملک پر دست درازی کرنا چاہتا

تو یہ دوسرے پڑوسیوں کی حمایت حاصل کرکے اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا . جب گجرات ، دکن اور خاندیس کے علاقے حضرت عرش آشیانی کے تصرف میں آ گئے تو اس نے ان کی بارگاہ میں برہان پور میں حاضر ہو کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی اور امرائے سلطنت کے زمرے میں منسلک ہو کر ہزاری منصب سے سرفراز ہوا . اس زمانے میں جب شاہجہان برہان پور پہنچا تو یہ گیارہ ہاتھی بطور پیش کش لے کر اس فرزند کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنے اخلاص و بندگی کے لحاظ سے الطاف و مراحم خسروانہ سے سرفراز ہوا . میں نے اُسے از راہ عنایت مرصّع تلوار ، ہاتھی ، گھوڑے اور خلعت سے ممتاز کیا . چند دن کے بعد میں نے اُسے یاقوت کی تین انگوٹھیاں اور کچھ ہیرے اور لعل عنایت کیے .

نورجہاں کا شاہجہان کی فتح یابی پر جشن :

۲۷ ماہ مہر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) مبارک شنبہ (جمعرات) کو نور جہان بیگم نے فرزند شاہجہان کی فتح و کامیابی کی مسرت میں ایک جشن منعقد کیا اور بیش قیمت خلعت ، ہیرے اور جواہرات سے گل کاری کی ہوئی اور موتیوں سے ٹکی ہوئی نادری ، نادر جواہر سے مرصّع سرپیچ ، دستار مع طرۂ مروارید ، کمربند جو سارے کا سارا موتیوں سے ڈھکا ہوا تھا ، تلوار مرصّع پرتلے اور پھول کٹارے کے ساتھ ، موتیوں کی لڑی ، دو گھوڑے جن میں سے ایک کی زین مرصّع تھی ، ایک خاص ہاتھی اور دو ہتھنیاں اُسے عنایت کیں .

اسی طرح شاہجہان کے بچوں اور اس کے اہل حرم کو بھی خلعتوں اور زریں پارچہ جات اور قسم قسم کے زریں کپڑے تحفے میں دیے ، اور اُس کے عمدہ ملازموں کو بھی گھوڑے ، خلعت ، مرصّع خنجر انعام کے طور پر دیے - اس تمام جشن پر بہ ہمہ جہت تین لاکھ روپے صرف ہوئے .

اسی دن عبداللہ خان اور اس کے بھائی سردار خان کو گھوڑے اور خلعت عنایت کیے .

اسی روز شجاعت خان کو بھی اس کی جاگیر میں جانے کے لیے ، جو صوبۂ گجرات میں بطور تنخواہ تھی ، رخصت کرتے ہوئے خلعت اور ہاتھی عنایت کیا . سید حاجی کو جو بہار کا جاگیردار تھا ، گھوڑا بخش کر رخصت کیا .

مہابت خان کا صوبیداری کابل پر تقرر :

جب یہ بات بار بار میرے کان میں پڑی کہ خان دوراں بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہے ، اور ضعیف و ناتواں ہونے کی وجہ سے دوڑ دھوپ کی طاقت نہیں رکھتا اور کابل و بنگش کی سر زمین نہایت ہی فتنہ خیز واقع ہوئی ہے ، افغانوں کے قلع قمع کرنے کے لیے ہمیشہ نقل و حرکت لازمی ہے ، میں نے اُصول حکم رانی کے تقاضے کی بنا پر مہابت خان کو صوبۂ کابل اور بنگش کی حکومت سپرد کر کے اُسے خلعت عنایت کیا اور خان دوراں کو حکومت ولایت ٹھٹھہ سے سرفراز کیا ۔

ابراہیم خان فتح جنگ نے انتچاس ہاتھی بطور پیش کش بہار سے بھجوائے تھے ، یہ ہاتھی میری نظر سے گزرے ۔

ان ہی دنوں میرے لیے سون کیلے لائے گئے ۔ میں نے آج تک اس قسم کے کیلے [197] نہیں کھائے تھے ۔ یہ لمبائی میں ایک انگلی کے برابر تھے ، نہایت ذائقہ دار اور بے حد شیریں ۔ کیلے کی کوئی دوسری قسم خوش ذائقگی اور شیرینی میں ان سے کوئی نسبت نہیں رکھتی ۔ مگر ان میں ثقالت بہت ہے ۔ میں نے ان میں سے دو کیلے کھائے اور اپنے میں گرانی کا اثر محسوس کیا ۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیلے آٹھ دس سے زیادہ نہیں کھائے جا سکتے ۔ اگرچہ فی نفسہ کیلا کھانے کی چیز نہیں ، لیکن اس کی قسموں میں سے اگر کوئی قسم کھائی جا سکتی ہے تو وہ بس یہی ہے ۔

اسی سال ۲۳ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مقرب خان نے گجرات کے آم بذریعۂ ڈاک چوکی بھجوائے ۔

اسی دن یہ خبر آئی کہ برادرم شاہ عباس کا ایلچی آگرے میں مرض اسہال میں مبتلا ہوا اور وفات پا گیا ۔ اس نے انتقال سے قبل محمد قاسم سوداگر کو ، جو شاہ عباس کا فرستادہ اس سے پہلے میرے پاس آیا تھا ، اپنا وصی بنایا ۔ میں نے محمد قاسم کو حکم دیا کہ اس کی وصیت کے مطابق اس کے تمام سامان اور اشیا کو شاہ عباس کی خدمت میں پہنچا دے ، تاکہ وہ اس کے وارثوں کو اپنے سامنے بلا کر انہیں یہ سامان اور اشیا دے دیں ۔

عادل خان کے وکیل سید کبیر اور بختر خاں کو خلعت اور ہاتھی عنایت کیا ۔

۳ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمرات) کے دن جہانگیر بیگ خان ترکمان نے جو جان سپار خان کے خطاب سے سرفراز ہے ، دکن سے آکر شرف آستاں بوسی حاصل کیا . اس کا باپ شاہ ایران کے امرا کے زمرے میں منسلک تھا جو حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں ہندوستان آکر اُن کے ملازموں میں منسلک ہو گیا اور حضرت عرش آشیانی نے اسے منصب عنایت کر کے صوبۂ دکن بھیج دیا تھا . جہانگیر قلی خان نے صوبۂ دکن میں ہی نشو و نما پائی . اگرچہ کئی مرتبہ اس کی خدمات کا تذکرہ آ چکا تھا ، پھر گزشتہ دنوں جب فرزند شاہ جہاں دکن سے میری خدمت میں حاضر ہوا ، اس نے بھی جہانگیر قلی کے اخلاص اور جان نثاری کا تذکرہ کیا تو میں نے حکم دیا کہ جلد از جلد ہماری بارگاہ میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کرے اور پھر لوٹ جائے .

اسی دن اودے رام کو سہ ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کے منصب سے سرفراز کیا . یہ ذات کا برہمن ہے اور عنبر اسے اپنے نہایت قابل اعتبار درباریوں میں شمار کرتا تھا . جس زمانے میں شاہ نواز خان عنبر کے مقابلے کے لیے جا رہا تھا تو اس وقت آدم خان حبشی ، جادو راے ، بابو راے کایستھ ، اودے رام اور چند دوسرے سردار ، نظام الملکی سردار عنبر سے جدا ہو کر شاہ نواز خان کے پاس آ گئے تھے . لیکن عنبر کے شکست کھانے کے بعد عادل خان کی چکنی چپڑی باتوں اور عنبر کے فریب میں آ کر انھوں نے بے راہ روی اختیار کی اور اطاعت اور سلطنت کی بہی خواہی ترک کر دی . اگرچہ عنبر نے آدم خان کو قرآن کی قسم کھا کر اطمینان دلایا تھا اور اپنی چالاکیوں سے غافل بنایا تھا لیکن بالآخر اسے قلعۂ دولت آباد میں محبوس کر دیا اور مار ڈالا . بابو راے کایستھ اور اودے رام کسی طرح بھاگ نکلے اور عادل خان کی سرحد پر پہنچ گئے ؛ لیکن عادل خان نے انھیں اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا . اُن ہی دنوں بابو راے کایستھ نے اپنے ایک شناسا کے فریب اور غدّاری سے جان گنوائی . اُدھر عنبر نے اودے رام کے مقابلے کے لیے فوج بھیجی ، لیکن اودے رام نے ڈٹ کر مقابلہ کر کے عنبر کی اس فوج کو شکست دے دی . چونکہ اس کے بعد وہ اس ملک میں نہیں رہ سکتا تھا اس لیے وہ شاہی علاقے کی سرحد میں داخل ہو گیا ، اور اپنی سلامتی کا قول و قرار لے کر اپنے اہل و عیال اور

متعلقین کے ساتھ فرزند شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ فرزند مذکور نے اُسے طرح طرح کی عنایتوں اور مختلف قسم کی رعایتوں سے سرفراز کیا اور سہ ہزاری ذات اور ایک ہزار سوار کے منصب کا امیدوار بنا کر اپنے ساتھ میرے حضور میں لایا ۔ چونکہ یہ آدمی نہایت مفید اور کارآمد تھا ، میں نے فرزند شاہجہان کے تجویز کردہ منصب میں مزید پانصدی کا اضافہ کرکے اس کا منصب مقرر کر دیا ۔

شہباز خان جس کا منصب دو ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار تھا ، اس کے منصب میں مزید پانصد سوار کا اضافہ کرکے اسے سارنگ پور اور صوبۂ مالوہ کے بعض علاقوں کا فوج دار مقرر کیا ۔

خانجہاں کو خاص گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیا ۔

شاہجہان کا پیش کش :

۱۰ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن شاہجہان نے اپنا پیش کش میری نظر سے گزارا ۔ یہ پیش کش جواہرات ، مرصّع ہتھیاروں ، نفیس کپڑوں اور دوسری عمدہ اور اعلیٰ ترین اشیا پر مشتمل تھا اور یہ صحن جھروکہ میں نہایت ترتیب و سلیقے [198] سے لگایا گیا تھا ، اور ہاتھی اور گھوڑوں کو سونے اور چاندی کے ساز و سامان کے ساتھ آراستہ کرکے ان اشیا کے برابر کھڑا کیا گیا تھا ۔ میں نے فرزند شاہجہان کی دل داری اور دل جوئی کی خاطر خود بنفس نفیس جھروکے سے نیچے اُتر کر تفصیل سے ان تمام اشیا کو دیکھا ۔

اس پیش کش میں من جملہ دوسری اشیا کے وہ لعل بھی تھا جو گووہ[1] کی بندرگاہ سے مبلغ دو لاکھ روپے میں خریدا گیا تھا ۔ اس کا وزن آنیس ٹانک[2] تھا جس کے سترہ مثقال اور ساڑھے پانچ سرخ ہوتے ہیں ۔ میرے جواہر خانے میں بارہ ٹانک وزن سے زیادہ کا کوئی لعل نہیں ۔ جوہریوں نے بھی اس کی قیمت کا اندازہ وہی دو لاکھ روپے لگایا ۔

۱- گووہ : موجودہ نام گوا ہے ۔
۲- ٹانک یا دانگ : چار ماشے کا وزن ۔

اس پیش کش میں ان کے علاوہ ایک نیلم بھی تھا جو عادل خان کی جانب سے شاہجہان کے لیے پیش کش میں آیا تھا ۔ یہ وزن میں چھ ٹانک اور نبات سرخ تھا جس کی قیمت ایک لاکھ روپے قرار دی گئی ۔ میں نے اب تک اتنا بڑا ، ایسا خوش رنگ اور اتنا آب دار نیلم نہیں دیکھا تھا ۔

اس پیش کش میں ایک چمکورہ نام ہیرا بھی تھا جو عادل خان نے شاہجہان کو پیش کیا تھا ۔ اس کا وزن ایک ٹانک اور چھ سرخ تھا جس کی قیمت کا تخمینہ چالیس ہزار روپے کیا گیا ۔ اس ہیرے کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دکن میں ایک سبزی ہوتی ہے جسے چمکورہ کہتے ہیں ۔ جس زمانے میں مرتضیٰ نظام الملک نے برار کو فتح کیا تھا تو وہ ایک دن اپنے اہل حرم کے ساتھ باغ کی سیر کو گیا ۔ اُن کی عورتوں میں سے ایک عورت کو چمکورہ کے ساگ میں یہ ہیرا پڑا ہوا ملا ۔ اس نے یہ ہیرا نظام الملک کو پیش کیا ۔ اس وقت سے یہ ہیرا چمکورہ کے نام سے مشہور ہوا ۔ احمد نگر کی لڑائیوں میں یہ ہیرا ابراہیم عادل خان کے ہاتھ لگا جو اس وقت تک اس کے قبضے میں تھا اور اب ہمارے قبضے آیا ہے ۔

اس کے علاوہ اس پیش کش میں عادل خان کی جانب سے شاہجہان کو پیش کیا ہوا ایک زمرد بھی ہے ۔ اگرچہ یہ کان سے نیا نیا نکلا ہوا ہے لیکن نہایت خوش رنگ اور نفیس ہے ۔ اس قسم کا زمرد ابھی تک دیکھنے میں نہیں آیا ۔

اس کے علاوہ اس پیش کش میں دو موتی بھی ہیں ، اُن میں سے ایک کا وزن چونسٹھ سرخ ہے جس کے دو مثقال[1] اور گیارہ سرخ ہوتے ہیں ۔ اس کی قیمت کا تخمینہ پچیس ہزار روپے لگایا گیا ۔ دوسرے موتی کا وزن سولہ سرخ ہے جو نہایت نفیس اور گول ہے ۔ اس کی قیمت کا اندازہ بارہ ہزار روپے کیا گیا ۔

اس کے علاوہ ایک ہیرا قطب الملک کا ہے ۔ اس کا وزن ایک ٹانک ہے ۔ اس کی قیمت کا تخمینہ تیس ہزار روپے لگایا گیا ۔

۱- مثقال : ایک وزن کا نام ہے جو ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے اور ایک ماشہ آٹھ رتی کا ہوتا ہے ۔

اس پیش کش میں ایک سو پچاس ہاتھی بھی تھے جن میں سے تین ہاتھی سونے کے سازوں اور سونے کی زنجیر وغیرہ کے ساتھ ، اور نو ہاتھی چاندی کے سازوں کے ساتھ مرصّع تھے ۔ اگرچہ ان تمام ہاتھیوں میں سے بیس ہاتھی شاہی ہاتھیوں میں داخل کیے گئے ، مگر ان میں سے بھی پانچ ہاتھی نہایت بڑے اور نامی گرامی ہیں ۔ اول نور بخت ہاتھی ، جس کو فرزند شاہجہان نے میرے سامنے اپنی حاضری کے موقع پر پیش کیا تھا ، اور جس کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ پچیس ہزار روپے لگایا گیا ہے ۔ دوسرے تمہویت جو عادل خاں کی طرف سے شاہجہاں کے لیے آیا تھا اور جس کی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ روپے لگایا گیا ہے ، اور جس کا نام میں نے درجن سال رکھا ہے ۔ تیسرے بخت بلند بھی اُس کی پیش کش میں تھا ۔ اس کی قیمت کا اندازہ بھی ایک لاکھ روپے کیا جاتا ہے ۔ اس کا نام میں نے گرانبار رکھا ہے ۔ اس کے علاوہ اس پیش کش میں قدوس خان ہاتھی اور فیل امام رضا بھی شامل تھے ، جو قطب الملک کی طرف سے آئے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ایک لاکھ روپے تھی ۔

اس کے ماسوا اس پیش کش میں ایک سو عربی اور عراقی گھوڑے بھی شامل تھے ۔ ان میں سے اکثر گھوڑے بہت عمدہ تھے ۔ منجملہ اُن کے تین گھوڑے مرصّع سازوں کے ساتھ آراستہ تھے ۔ تین گھوڑوں کی زینیں مرصّع تھیں ۔ اگر اس پیش کش کی فہرست ، جو اس نے اپنی ذات سے اور دکن کے دنیا دار حکم رانوں سے حاصل کرکے پیش کی تھی ، تفصیل سے لکھی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی ۔ مختصر یہ کہ اس کے پیش کش میں سے جو چیزیں مجھے پسند آئیں اُن کی مجموعی قیمت کا اندازہ بیس لاکھ روپے ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ اُس نے تقریباً دو لاکھ روپے کے تحائف اپنی ماں نورجہاں بیگم کی خدمت میں پیش کیے ۔ مزید ساٹھ ہزار روپے کی مالیت کی اشیا اپنی ماؤں اور دوسری بیگموں کو پیش کیں ۔ فرزند شاہجہاں کی ان تمام مجموعی پیش کشوں کی مالیت بائیس لاکھ ساٹھ ہزار روپے ہوتی ہے جو پچھتر ہزار ایرانی تومان اور سڑسٹھ لاکھ اسّی ہزار تورانی خانی کے برابر ہوتے ہیں ۔ ایسا شان دار پیش کش اس سلطنت ابد پیوند میں میری نظر سے کبھی نہیں گزرا ۔ میں نے فرزند شاہجہاں سے غیر معمولی التفات اور شفقت کا برتاؤ کیا ۔ فی الحقیقت وہی میرے فرزندوں میں نہایت ہی

شفقت و محبت کا مستحق ہے ۔ میں اس کی رضامندی اور خوش نودی کو بہت عزیز رکھتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اس کو عمر و دولت سے فیض یاب کرے ۔

گجرات کی طرف روانگی :

[199] چوں کہ میں نے ساری عمر کبھی ہاتھی کا شکار نہیں کیا تھا ، اس کے ساتھ گجرات کے دیکھنے اور دریائے شور کے نظارے کا بھی شائق تھا ، اس کے علاوہ قراولوں نے بھی جنگلی ہاتھیوں کے ٹھکانے معلوم کر کے شکار کا انتظام کر دیا تھا ، مجھے خیال ہوا کہ پہلے احمد آباد کی سیر اور دریا کا نظارہ کیا جائے ، اور لوٹتے وقت جب کہ ہوا میں گرمی آ جاتی ہے اور ہاتھی کے شکار کا موسم بھی شروع ہو جاتا ہے ، میں شکار کر کے دارالخلافہ آگرہ واپس ہو جاؤں ۔ اس ارادے کے بعد میں نے حضرت زمانی اور دوسری بیگموں اور اہل محل کو ساز و سامان اور بہت سے کارخانہ جات کے ساتھ آگرے روانہ کر کے خود ایک جمعیت کے ساتھ ، جن کو ساتھ رکھنا بے حد ضروری تھا ، سیر و شکار کے لیے صوبۂ گجرات کی طرف روانہ ہوا ۔

تالاب لعلچہ کے کنارے مقام :

ماہ آبان[1] ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کی رات میں تبریک اور تہنیتوں کے ساتھ مانڈو سے روانہ ہو کر تالاب لعلچہ کے کنارے مقیم ہوا ۔ دوسرے دن صبح کو شکار کے لیے روانہ ہوا ؛ ایک نیل گاے بندوق سے ماری ۔

مہابت خاں کی کابل کو روانگی :

ہفتے کی رات میں مہابت خاں کو گھوڑا اور خاص ہاتھی عنایت کر کے صوبۂ کابل اور بنگش کی صوبہ داری پر رخصت کیا ، اور اس کی سفارش پر رشید خاں کو خلعت ، گھوڑا ، ہاتھی اور مرصع خنجر عنایت کر کے اسے مہابت خاں کی مدد کے لیے متعین کیا ۔

ابراہیم حسین کو صوبۂ دکن کی بخشی گری پر اور میرک حسین کو وہاں کی واقعہ نویسی پر متعین کیا ۔

۱۔ یہاں کوئی تاریخ نہیں دی گئی ہے لیکن یہ آبان کی ۱۱ تاریخ ہونی چاہیے ۔

راجا ٹودرمل کا بیٹا راجا کلیان جو صوبۂ اوڑیسہ سے آیا تھا ، اُن خطاؤں کی بنا پر جو اُس کے متعلق بیان کی جاتی ہیں ، میں نے اسے کورنش کی سعادت بجا لانے سے محروم کر دیا تھا ۔ جب تحقیقات کے بعد اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو میں نے اسے گھوڑا اور خلعت عنایت کر کے مہابت خاں کے ساتھ مہم بنگش پر متعین کر دیا ۔

پیر کے دن[1] آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو وکلائے عادل خاں کو مرصع طرے عنایت کیے جو دکن کے طرز پر بنے ہوئے تھے ، جن میں سے ایک کی قیمت پانچ ہزار روپے اور دوسرے کی قیمت چار ہزار روپے تھی ۔

شاہجہان کے وکیل رائے رایان کو خطاب :

چونکہ فرزند شاہجہان کے وکیلوں افضل خاں اور رائے رایان نے شرط بندگی اور خدمت گاری نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دی تھی ، میں نے دونوں کو اضافۂ منصب سے سرفراز کر کے ، رائے رایان کو ہندوؤں کے سب سے اعلیٰ خطاب بکرماجیت سے نوازا ۔ بلا شبہ یہ نہایت شائستہ اور قابل تربیت انسان ہے ۔

۱۲ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو شکار کے لیے گیا ۔ دو مادہ نیل گایوں کو بندوق سے مارا ۔

موضع کید حسن میں مقام :

چونکہ اس منزل (تالاب لعلچہ) سے شکار بہت دور ملتا تھا اس لیے پیر کے دن ساڑھے چار کوس کی مسافت طے کر کے موضع کید حسن میں مقیم ہوا ۔

۱۵ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو سنگل کے دن تین نیل گائیں شکار کیں ۔ ان میں ایک جو سب سے بڑی تھی ، اس کا وزن بارہ من نکلا ۔

میرزا رستم سے غیر معمولی غلطی کا صدور :

اسی روز غریب میرزا رستم سے ایک عجیب غلطی سرزد ہو گئی ؛ وہ یہ کہ اس نے اول شست قائم کر کے بندوق چلا دی ، پھر جب وہ دوبارہ بندوق بھرنے لگا ، تو نالی کے چکنے پن کی وجہ سے اس نے بندوق کو اپنے

۱- یہاں کوئی تاریخ درج نہیں ہے ۔

سینے کا سہارا دے کر اور گولی کو دانتوں سے کاٹ کر اس میں بھرنا چاہا تاکہ وہ اپنی جگہ سے پھسلنے نہ پائے، اور اس کی گرفت مضبوط رہے۔ اتفاق سے اسی وقت فتیلے میں آگ لگی اور بندوق چل گئی، اور اس کے سینے کا بالائی حصہ جہاں بندوق کی نال کا منہ تھا ہتھیلی کے برابر جل گیا۔ چنانچہ بارود کے ریزوں نے اس کی کھال اور گوشت کو بری طرح جلا کر مجروح کر دیا، جس سے اس کو بہت تکلیف پہنچی۔

۱۶ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) یکشنبہ[۱] کو تین مادہ نیل گائیں اور ایک بوکرہ نیل گائے (روجھ) کا شکار کیا۔

(۱۷ آبان) مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ایک پہاڑی درّے کی سیر کے لیے گیا جس میں آبشار جاری تھی، اور لشکر کے پڑاؤ کے نزدیک واقع تھا۔ اگرچہ اس آبشار میں پانی کم تھا، لیکن چونکہ دو تین روز پہلے پانی کے منبع کو اوپر سے بند باندھ کر روک دیا گیا، اور میرے وہاں پہنچنے پر کھول دیا گیا، جس کے بعد پانی خوب بہنے لگا۔ اس آبشار کی بلندی تقریباً بیس گز ہوگی۔ پہاڑ کے بالائی حصے سے پانی آ کر نیچے گرتا ہے، سر راہ ایسے آبشار کا ہونا بڑی عمدہ بات ہے۔ میں نے شراب کے پیالے اپنی عادت کے مطابق اس پہاڑ کے دامن میں [200] آبشار کے کنارے پیے، اور رات کو لشکر میں واپس آیا۔

اسی دن چیت پوری راجا نے، جس کی خطائیں میں نے فرزند شاہجہان کی سفارش پر معاف کر دی تھیں، حاضر ہو کر شرف آستاں بوسی حاصل کیا۔

۱۸ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) جمعہ کے دن ایک بڑی نیل گائے اور ایک بوکرہ (روجھ) اور شنبہ کے دن ۱۹ ماہ آبان کو ایک مادین نیل گائے شکار کی۔ چونکہ قراولوں نے خبر دی تھی کہ پرگنۂ حاصل پور میں شکار کثرت سے ہے، میں لشکر کے بڑے حصے کو اسی منزل پر چھوڑ کر اتوار کے دن ۲۰ ماہ آبان کو اپنے مقرب امرا کے ساتھ حاصل پور کی طرف روانہ ہوا، جس کا فاصلہ یہاں سے تین کوس ہے۔

۱- یہاں یکشنبہ غلط چھپ گیا ہے۔ یہ چہار شنبہ ہونا چاہیے کیونکہ ۱۵ آبان کو سہ شنبہ تھا۔ دوسرے نسخوں میں چہار شنبہ درج ہے۔ یکشنبہ کو جہانگیر شکار نہیں کھیلتا تھا۔

میر جمال الدین حسین انجو کے بیٹے میر حسام الدین (۱۴) کو جس کا خطاب عضد الدولہ ہے ، اصل و اضافے کے ساتھ منصب ہزاری ذات و سہ صد سوار سے سرفراز کیا ۔

یادگار حسین قوش بیگی اور یادگار قورچی بیگی کو جو مہم بنگش میں متعین ہیں ، ہر ایک کو ایک ایک ہاتھی عنایت کیا ۔

اسی تاریخ میں حسینی بیدانہ انگور جو نہایت تر و تازہ حالت میں تھے ، کابل سے پہنچے ۔ میری زبان ان نعمتوں پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے ۔ باوجود اس کے کہ یہ انگور تین ماہ کی مسافت سے آئے تھے مگر وہ اسی تر و تازہ حالت میں کابل سے دکن پہنچ گئے ۔

۲۱ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن تین چھوٹی نیل گائیں شکار کیں ۔

۲۲ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے روز ایک نر نیل گائے اور تین مادین نیل گائیں شکار کیں ۔

۲۳ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کم شنبہ (بدھ) کے دن ایک نیل گائے شکار کی ۔

۲۴ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن حاصل پور کے تالاب کے کنارے محفل نا و نوش منعقد کی ۔ فرزند شاہجہان ، امرائے عظام اور خاص مصاحبوں کو جام عنایت کیے ۔

حسین خان کے بیٹے یوسف خان کو جو لائق پرورش خانزادوں میں ہے ، اصل و اضافے کے ساتھ سہ ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار کا منصب عنایت کیا اور خلعت اور ہاتھی انعام میں دیے اور فوج داری گونڈوانہ پر مقرر کرکے رخصت کیا ۔

رائے بہاری داس دیوان صوبۂ دکن نے آستان بوسی کا شرف حاصل کیا ۔

۲۵ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن جان سپار خان (۱۵) کو علم عنایت کرکے اور گھوڑا اور خلعت مرحمت کرکے صوبۂ دکن کی طرف روانہ کیا ۔

اسی دن میں نے بندوق سے نشانہ لگایا ۔ ہوا یہ کہ دولت خانے کے اندر

کھرنی کا ایک درخت ہے۔ اتفاق سے اس کی سب سے اونچی شاخ پر ایک قریشہ ۱ آ کر بیٹھ گیا، اس وقت صرف اس کا سینہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے بندوق سے نشانہ لے کر اس کے سینے پر مارا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے شاخ کی بلندی بائیس گز تھی۔

موضع کمال پور میں نزول:

۲۶ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو روانہ ہو کر اور تقریباً دو کوس کی مسافت طے کر کے میں کمال پور میں فروکش ہوا۔ اس دن ایک نیل گائے بندوق سے ماری۔

اسی تاریخ میں رستم خان؛ جو فرزند شاہجہان کے عمدہ ملازموں میں سے ہے، اور جسے اس نے شاہی آمرا کی ایک جمعیت کے ساتھ برہان پور سے گونڈوانہ کے راجاؤں کی سرکوبی کے لیے متعین کیا تھا، ایک سو دو ہاتھی اور ایک لاکھ بیس ہزار روپے بطور پیش کش لے کر آستاں بوسی کی عزت حاصل کرنے کے لیے پہنچا۔

شجاعت خان کا بیٹا زاہد اصل و اضافے کے ساتھ ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب سے سرفراز ہوا۔

۲۷ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے دن میں نے باز اور بہری کے ذریعے شکار کیا۔

۲۸ ماہ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ایک بڑی نیل گائے اور ایک بوکرہ (روجھ) شکار کیا۔ نیل گائے کا وزن ساڑھے بارہ من نکلا۔

۲۹ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن بہلول میانہ اور اللہ یار کوکہ نے گونڈوانہ سے آ کر، جہاں وہ متعین تھے، میری بارگاہ میں حاضری کی عزت حاصل کی۔ بہلول خان، حسن میانہ کا بیٹا ہے، اور میانہ افغانوں کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ حسن خان شروع زمانے میں صادق خان کا نوکر تھا لیکن

۱- قریشہ: سرسید ایڈیشن میں یہ لفظ قریشہ ہے جو یہاں بے معنی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ لفظ "کریسہ" ہے جس کے معنی آفتاب پرست گرگٹ کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چوں کہ یہ آداب شاہی سے واقف تھا اس لیے آخر میں شاہی ملازموں کے زمرے میں داخل ہو گیا ، اس نے مہم دکن میں وفات پائی ۔ [201] اگرچہ اس کے آٹھ بیٹے تھے لیکن اس کے دو بیٹے منصب شاہی سے سرفراز ہوئے ، اس لیے کہ یہ دونوں شمشیر کے جوہر سے آشنا تھے ۔ ان دونوں میں سے بڑا بھائی تو جوانی ہی میں وفات پا گیا ، بہلول نے رفتہ رفتہ منصب ہزاری تک ترقی کی ۔ جس زمانے میں فرزند شاہجہان برہان پور پہنچا تو اس نے اس کو قابل تربیت سمجھ کر ہزار و پانصدی ذات و ہزار سوار کا امیدوار بنایا ، چوں کہ وہ اب تک کبھی میری خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا اور اسے میری آستاں بوسی کی بڑی تمنا تھی ، اس لیے میں نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا تھا ۔ بلاشبہ وہ بہترین خانزادہ ہے ۔ جیسا کہ اس کا باطن شجاعت کے حسن سے آراستہ ہے ، اسی طرح وہ اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے بھی وجیہہ ہے ؛ اس لیے جو منصب فرزند شاہجہاں نے اس کے لیے تجویز کیا تھا ، میں نے اس کی سفارش پر اسے عنایت کر دیا اور اسے سر بلند خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

اللہ یار کوکہ بھی ایک جوان مرد اور لائق تربیت ملازم ہے ۔ اسے میں نے خدمت پیشی کے لیے مناسب و موزوں سمجھ کر دربار میں بلایا تھا ۔

یکم ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو اشنبہ (بدھ) کے دن شکار کے لیے نکلا اور ایک نیل گائے بندوق سے شکار کی ۔

اسی تاریخ کو کشمیر کے واقعات میرے علم میں لائے گئے ، جن سے معلوم ہوا کہ ایک ابریشم فروش کے گھر میں دو لڑکیاں جڑواں پیدا ہوئیں ، جن کی پشت کمر تک ایک دوسری سے چسپاں اور ملی ہوئی تھی لیکن سر اور ہاتھ پاؤں ہر ایک کے جدا جدا تھے ۔ یہ دونوں لڑکیاں تھوڑی دیر زندہ رہ کر مر گئیں ۔

۲ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن تالاب کے کنارے جہاں میرا قیام تھا ، شراب کی محفل منعقد کی گئی ۔ لشکر خاں کو خلعت اور ہاتھی عنایت کرکے صوبۂ دکن کی دیوانی سے سرفراز کیا اور اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و پانصد سوار کر دیا ، اور عادل خاں کے وکلا میں سے ہر ایک کو کوکب طالع مُہر العام میں دی گئی جو وزن میں عام رائج مُہروں سے پانسو گنی ہوتی ہے ۔

سر بلند خاں کو بھی گھوڑا اور خلعت عنایت کیا۔

اللہ یار کوکہ کو خطاب :

چوں کہ اللہ یار کوکہ نے بھی نہایت پسندیدہ اور جاں نثارانہ خدمات انجام دی تھیں ، میں نے اسے ہمت خاں کے خطاب سے سر بلند کرکے خلعت مرحمت کیا۔

پرگنہ دکنان میں نزول :

۳ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن سوا چار کوس کا فاصلہ طے کرکے پرگنہ دکنان[1] میں مقام کیا۔

قصبہ دھار میں نزول :

۴ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ہفتے کے دن سوا چار کوس کی مسافت طے کرکے قصبہ دھار میں اترا۔

دھار کے حالات :

دھار ایک قدیم شہر ہے۔ راجا بھوج (۱۶) ، جو ہندوستان کے مشہور راجاؤں میں تھا ، اسی شہر میں رہتا تھا اور یہ شہر اس کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے زمانے کو ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ بعد میں یہ شہر مدتوں سلاطین مالوہ کا بھی دارالسلطنت رہا ہے۔ جس زمانے میں سلطان محمد تغلق (۱۷) دکن کی تسخیر کے لیے جا رہا تھا تو اس نے یہاں ایک ٹیکری پر تراشیدہ پتھروں سے ایک قلعہ بنوایا تھا اور اس کی بلندیوں کو پشتے سے مضبوط کیا تھا۔ قلعے کا بیرونی حصہ نہایت صاف و ستھرا ہے اور قلعے کے اندر کوئی عمارت نہیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس کے طول و عرض اور اس کی بلندی کی پیمائش کی جائے۔ جب اس کو ناپا گیا تو اس قلعے کا طول اندر سے بارہ طناب اور سات گز اور عرض سات طناب اور تیرہ گز ، اور قلعے کی دیوار کا عرض ساڑھے انیس گز اور

۱- دکنان : یہ جگہ سرکار مانڈو میں ہے۔ دیبی پرشاد کے ہندی ترجمے میں یہ دکنا ہے (رک : آئین اکبری ، ج ۲ ، ص ۲۱۱ - م)

اس کی بلندی کنگرے تک ساڑھے سترہ گز نکلی ، اور باہر سے قلعے کا گھیر پچپن طناب ہوا ۔

عمید شاہ غوری کی تعمیر کردہ مسجد :

عمید شاہ غوری المخاطب بہ دلاور خان (١٨) نے ، جو سلطان فیروز شاہ بادشاہ دھلی کے بیٹے سلطان محمد کے زمانے میں مالوے کا خود مختار حاکم تھا ، قلعے کے باھر آبادی میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی تھی ۔ اس مسجد کے مقابل لوھے کا ایک چوکور مینار نصب کیا تھا ۔ جب سلطان بہادر گجراتی (١٩) نے مالوے پر قبضہ کیا تو اس نے چاھا کہ اس مینار کو گجرات لے جائے ۔ لیکن اسے اٹھاتے وقت کارندوں نے احتیاط نہیں برتی جس کی وجہ سے یہ زمین پر گرکر دو ٹکڑے ہو گیا ۔ ان میں ایک ٹکڑا ساڑھے سات گز کا اور دوسرا سوا چار گز کا اور ان کا گھیر سوا گز کا ھے ۔ چوں کہ یہ دونوں ٹکڑے خراب حالت میں پڑے ہوئے ضائع ہو رہے تھے اس لیے میں نے حکم دیا کہ بڑے ٹکڑے [202] کو آگرے لے جایا جائے اور حضرت عرش آشیانی کے روضے کے صحن میں نصب کیا جائے[1] تاکہ راتوں میں اس کی بلندی پر چراغ روشن کیے جا سکیں ۔

مسجد کے کتبے :

اس مسجد کے دروازے کے ایک طاق کے اوپر نثر میں ایک عبارت پتھر کی تختی پر کندہ کی گئی ھے جس کا مضمون یہ ھے کہ عمید شاہ غوری نے ٨٧٠ھ میں اس مسجد کی بنیاد رکھی ۔ اور دوسرے پیش طاق میں ایک قصیدہ کندہ ھے جس کے چند شعر یہ ھیں :

خدایگانِ زمان کوکبِ سپہرِ جلال
مدارِ اھلِ زمین آفتابِ اوجِ کمال

١۔ اب یہ آھنی مینار آگرے میں شہنشاہ اکبر کے روضے میں ، جو سکندرہ میں واقع ھے ، موجود نہیں ھے (سرسید) ۔ اس مینار کے ٹکڑے دھار میں مسجد کے باھر پڑے ہوئے ھیں ۔

پناہ و پشتِ شریعت عمیدِ شہ داؤد
که افتخار کند غور ازان حمیده خصال
بشهر دهار بنا کرد مسجدِ جامع
بوقت سعد خجسته بروز فرخ فال
گذشته بود ز تاریخ هشت صد و هفتاد
که شد تمام ز اقبال درگهٔ آمال

جب دلاور خان نے وفات پائی تو اس وقت ہندوستان میں کوئی مستقل بادشاہ نہ تھا اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ دلاور خان کا بیٹا ہوشنگ (۲۰) جو نیک طینت اور صاحب ہمت تھا ، حالات پر قابو پا کر مالوے کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس کی وفات کے بعد تقدیر سے سلطنت خانجہان کے بیٹے محمود خلجی (۲۱) کے ہاتھ میں آئی جو ہوشنگ کا وزیر تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے غیاث الدین (۲۲) کو ملی۔ اس کے بعد غیاث الدین کا بیٹا ناصر الدین (۲۳) جس نے اپنے باپ کو زہر دیا تھا ، بدنامی کی مسند پر بیٹھا۔ اس کے بعد سلطنت اس کے بیٹے محمود کے ہاتھ میں آئی اور سلطان محمود گجراتی نے یہ سلطنت محمود سے لے لی (۲۴)۔ اور اسی محمود پر مالوے کے سلاطین کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

۶ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) پیر کے دن شکار کے لیے نکلا اور ایک پیادہ نیل گائے بندوق سے شکار کی۔

میرزا شرف الدین کاشغری کو ایک ہاتھی عنایت کر کے صوبۂ بنگش کی خدمت پر روانہ کیا۔

اودے رام کو ایک مرصع خنجر اور سو تولے کی ایک مُہر اور بیس ہزار درب بطور انعام دیے۔

۷ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن میں نے دھار کے تالاب میں ایک مگر مچھ بندوق سے مارا۔ باوجود اس کے کہ اس کی ناک کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا تھا اور باقی اس کا تمام بدن پانی میں تھا ، میں نے صرف قیاس اور قرینے سے نشانہ لگایا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔ مگرمچھ گھڑیال کی ایک قسم ہے جو اکثر ہندوستان کے تالابوں میں ہوتا ہے ، اور بہت بڑا ہوتا ہے ، لیکن یہ مگر مچھ جسے میں نے مارا ، بہت بڑا نہ تھا۔ میں نے

جو بڑے سے بڑا مگرمچھ دیکھا ہے، اس کا طول آٹھ گز اور عرض ایک گز تھا۔

سعدل پور میں قیام :

اتوار کے دن دھار سے روانہ ہو کر اور ساڑھے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے سعدل پور میں مقام ہوا۔ اس موضع میں ایک ندی ہے، **سلطان ناصر الدین** نے اس ندی پر پل تعمیر کر کے قیام گاہیں بنوائیں تھیں۔ یہ عمارتیں بالکل کالیادہ کی عمارت کی طرز کی ہیں، اور یہ دونوں عمارتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں، لیکن عمارتوں کی تعمیر قابل تعریف نہیں کیونکہ ندی کے بیچ میں تعمیر کی گئی ہیں جس میں سے چھوٹی نہریں اور حوض نکالے گئے ہیں، جو سب کے سب ایک ہی انداز کے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ رات کو ان ندیوں اور حوضوں کے ارد گرد چراغاں کیا جائے۔

شاہجہان کو انعام :

۹ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) مبارک شنبہ (**جمعرات**) کے دن نا و نوش کی ایک محفل منعقد کی۔ اس روز فرزند **شاہجہان** کو ایک یک رنگ لعل جس کا وزن نو ٹانک اور پانچ سرخ تھا، اور جس کی قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار روپے تھی، مع دو موتیوں کے انعام میں دیا۔ یہ وہ لعل تھا جو میری پیدائش کے وقت **حضرت عرش آشیانی** کی والدہ **حضرت مریم مکانی** نے رسم رونمائی کے موقع پر دیا تھا۔ یہ سالہاسال تک **حضرت عرش آشیانی** کے سرپیچ کی زینت رہا اور ان کے بعد میں بھی تبرکاً [203] اس کو اپنے سرپیچ میں لگاتا رہا۔ اس کی نفاست اور مالیت سے قطع نظر، شگون کے اعتبار سے بھی یہ اس سلطنت کے لیے برابر مبارک و مسعود چلا آ رہا ہے، اس لیے میں نے اسے اپنے فرزند کو عطا کر دیا۔

مبارز خان (۲۵) کو اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات کے منصب پر ترقی دے کر سرکار **میوات** کی فوجداری پر متعین کیا اور خلعت و شمشیر اور ہاتھی کے انعام سے بھی نوازا۔

رستم خان کے بیٹے **ہمت خان** کو بھی تلوار عنایت کی۔

کمال خان قراول کو، جو میرے قدیم خدمتگاروں میں سے ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ شکار میں رہتا ہے، **شکار خان** کا خطاب عنایت کیا۔

اودے رام کو صوبۂ دکن کی خدمت پر متعین کیا اور اسے خلعت، ہاتھی اور تیز رفتار عراقی گھوڑے کے انعام سے نوازا اور اس کے ہاتھ ایک خنجر زر نشان ، سپہ سالار خانخانان اتالیق کے لیے روانہ کیا ۔

۱۰ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن سعدل پور میں قیام رہا ۔

موضع حلوت میں قیام :

۱۱ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) ہفتے کے روز پونے چار کوس کی مسافت طے کر کے موضع حلوت[1] میں مقام کیا ۔

۱۲ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے دن موضع حلوت[1] سے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے پرگنۂ حلوت میں مقام کیا ۔ یہ پرگنہ میرے والد کے زمانے سے کیشو داس مارو کی جاگیر میں ہے اور حقیقت میں یہ پرگنہ بالکل اس کا وطن بن گیا ہے ۔ یہاں اس نے بہت سے باغات لگائے ہیں اور عمارتیں بنوائی ہیں ۔ منجملہ ان کے وہ نہایت مناسب اور خوش نما باولی بھی ہے جو اس نے سرراہ بنوائی ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ آئندہ کوئی باولی اگر سرراہ بنائی جائے تو اسی طرح کی بنوائی جائے لیکن کم از کم اس سے دوگنی ہونی چاہیے ۔

۱۳ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن شکار کے لیے گیا اور ایک نیل گائے بندوق سے ماری ۔

جس تاریخ سے نور بخت ہاتھی شاہی فیل خانے میں آیا ہے ، میں نے اسی تاریخ سے حکم دے رکھا ہے کہ اسے دولت خانۂ خاص و عام میں باندھا جائے ۔ تمام حیوانات میں ہاتھی کو پانی سے زیادہ محبت ہے ۔ باوجود سردیوں اور ٹھنڈی ہوا کے پانی کے آنے سے وہ بہت خوش ہوتا ہے ۔ اگر کہیں پانی نہیں ملتا تو اس کے لیے مشک میں پانی لایا جاتا ہے اور وہ سونڈ میں بھر کر اپنے جسم پر چھڑک لیتا ہے ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگرچہ ہاتھی پانی سے محظوظ ہوتا ہے اور بالطبع اس کے لیے مجبور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ سردی میں ٹھنڈے پانی سے ضرور متاثر ہوتا ہوگا ، اس لیے میں نے حکم دیا کہ

---

۱ - دوسرے نسخوں میں حلوت کی جگہ جالوت لکھا ہے ۔

پانی کو ہلکا کُنکُنا کر کے اس کی سونڈ میں چڑھائیں ۔ جب وہ اپنی سونڈ سے ٹھنڈا پانی اپنے جسم پر ڈالتا تھا تو رعشے اور لرزے کا اثر اس کے جسم سے ظاہر ہوتا تھا ، بخلاف اس کے اب وہ کُنکُنے اور نیم گرم پانی سے آسودہ اور محظوظ نظر آتا ہے ، یہ تصرف خاص میرا ہے ۔

سیل گڑھ میں مقام :

۱۴ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن چھ کوس کا راستہ طے کر کے میں سیل گڑھ میں مقیم ہوا ۔

۱۵ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن سیل گڑھ سے کوچ کر کے دریائے سہی سے گزر کر رام گڑھ کے قریب قیام کیا ۔ یہ سفر چھ کوس کا تھا ۔

۱۶ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کو رام گڑھ کے قریب مقام کیا اور ایک آبشار کے پاس ، جو لشکر کے پڑاؤ کے قریب واقع ہے ، بزم شراب نوشی منعقد کی ۔

سر بلند خاں کو علَم اور ہاتھی عنایت کر کے اور اس کے منصب کو اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی ذات اور ہزار و دو صد سوار تک ترقی دے کر صوبۂ دکن میں خدمات انجام دینے کے لیے رخصت کیا ۔

راجا بھیم نراین جو ریاست کرھہ کا راجا ہے اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہے ، اُس نے اپنے وطن جانے کی رخصت حاصل کی ۔

ریاست بکلانہ کے راجا بھرجو کو منصب چار ہزاری سے سرفراز کر کے میں نے اسے اس کے وطن جانے کی اجازت دی ۔ اور حکم دیا کہ جب وہ اپنے ملک میں پہنچے تو اپنے بڑے بیٹے کو ، جو اس کا ولی عہد ہے ، میری بارگاہ میں بھیج دے تاکہ وہ کچھ عرصہ میرے حضور میں رہے ۔

حاجی بلوچ جو قراولوں کا سردار ہے اور جو میرے اولین اور قدیم خدمت گاروں میں سے ہے ، میں نے اسے بلوچ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

موضع دھاولہ میں نزول :

۱۷ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن پانچ کوس کا سفر طے کر کے موضع دھاولہ میں مقام کیا ۔

موضع ناگور میں قیام :

۱۸ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) ہفتے کو عید قربان کا دن تھا ۔ عید کے لوازم اور قربانی سے فراغت پا کر سوا تین کوس کی مسافت طے کر کے موضع ناگور کے تالاب کے کنارے ٹھہرا ۔

موضع سمریہ کے تالاب کے کنارے قیام :

۱۹ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے [204] دن پانچ کوس کی مسافت طے کر کے موضع سمریہ کے تالاب کے کنارے ٹھہرا ۔

پرگنۂ دوحد میں قیام :

۲۰ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن موضع سمریہ سے روانہ ہو کر اور سوا چار کوس کا فاصلہ طے کر کے پرگنۂ دو حد میں ٹھہرا ۔ یہ پرگنہ مالوے اور گجرات کے درمیان سرحد ہے ۔ جب میں ہدنور سے آگے بڑھا تو یہ تمام راستہ جھاڑیوں ، گھنے درختوں اور پتھریلی زمینوں سے بھرپور تھا ۔

۲۱ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن دوحد میں ہی قیام رہا ۔

موضع ریناؤ میں قیام :

۲۲ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن سوا پانچ کوس کی مسافت طے کر کے موضع ریناؤ میں آترا ۔

۲۳ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) مبارک شنبہ (جمعرات) کو موضع مذکور کے تالاب کے کنارے محفل مینوشی منعقد کی ۔

موضع جالوت میں نزول :

۲۴ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن موضع ریناؤ سے کوچ کیا اور ڈھائی کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع جالوت میں ٹھہرا ۔ اس منزل

۱- یہاں مالوے اور گجرات کی سرحد ملتی ہے ، اس لیے اس کو دوحد کہتے ہیں ۔ اسی قصبے میں ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ (۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ع) کو اورنگ زیب عالمگیر پیدا ہوا ۔

میں کرناٹک کے بازی گروں نے آکر اپنے کرتب دکھائے ۔ ان میں سے ایک نے لوہے کی زنجیر کو، جس کا طول ساڑھے پانچ گز اور وزن ایک سیر دو تولے تھا ، اس کا ایک سرا اپنے منہ میں رکھ کر پانی کی مدد سے آہستہ آہستہ اس پوری زنجیر کو اپنے پیٹ میں اتار لیا اور ایک گھنٹے کے بعد اُسے اگل دیا ۔

۲۵ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ہفتے کے دن موضع چالوت میں قیام رہا ۔

موضع نیمدہ میں نزول :

۲۶ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے دن موضع چالوت سے روانہ ہوا اور پانچ کوس کی مسافت طے کر کے موضع نیمدہ میں ٹھہرا ۔

ایک تالاب کے کنارے نزول :

۲۷ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن بھی پانچ کوس کا راستہ طے کر کے ایک تالاب کے کنارے ٹھہرا ۔

قصبۂ صحرا میں نزول :

۲۸ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن پونے چار کوس کا فاصلہ طے کر کے قصبۂ صحرا کے نزدیک ایک تالاب کے کنارے ٹھہرنے کا اتفاق ہوا ۔

گلِ نیلوفر اور کنول میں فرق :

گل نیلوفر جسے ہندی زبان میں کمودنی کہتے ہیں ، تین رنگ کا ہوتا ہے : ایک سفید ، دوسرا نیلا ، تیسرا سرخ ۔ میں نے اس سے پہلے سفید اور نیلا دیکھا تھا لیکن سرخ ابھی تک میرے دیکھنے میں نہیں آیا تھا ۔ اس تالاب میں سرخ گل نیلوفر تازہ اور سبز رنگ کا دیکھنے میں آیا ۔ یہ شگفتہ اور خوبصورت پھول ہے ، نہایت ہی نادر اور لطیف ، جیسا کہ کہا گیا ہے :

ز سرخی و تری خواهد چکیدن

کنول کا پھول کمودنی سے بڑا ہوتا ہے ۔ اس کی پتیاں سرخ رنگ کی ہوتی ہیں ۔ میں نے کشمیر میں سو پتیوں کا کنول بہت دیکھا ہے ۔ مشہور ہے کہ کنول کا پھول دن میں کھلتا ہے اور رات کو مثل کلی کے سُکڑ جاتا ہے ، اور اس کے برخلاف کمودنی دن میں سکڑ جاتا ہے اور رات کو کھلتا ہے ۔ زنبور سیاہ

جسے ہندوستان کے لوگ بھونرا کہتے ہیں ، ہمیشہ اس کے پھولوں پر بیٹھا رہتا ہے اور ان کا رس چوسنے کے لیے ، جو ان دونوں پھولوں میں ہوتا ہے ، ان کے اندرونی حصوں میں گھس جاتا ہے ۔ اکثر مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنول کا پھول سکڑ جاتا ہے اور تمام رات بھونرا اس سکڑے ہوئے پھول میں بند رہتا ہے ۔ اسی طرح گل کمودنی میں بھی دن کے وقت اس کے سکڑنے کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے اور رات کے وقت اس کے کھلنے کی وجہ سے پرواز کر جاتا ہے ۔ چوں کہ بھونرا ان دونوں پھولوں پر ہمیشہ منڈلاتا رہتا ہے ، اس لیے ہندوستان کے شعرا نے اس کو بلبل کی طرح ان پھولوں کا عاشق قرار دے کر اس پر نہایت شاندار شعر نظم کیے ہیں ۔

منجملہ ان کے تان سین کلاونت (۲۶) نے ، جو میرے والد کا درباری اور اپنے زمانے کا بے نظیر گویّا تھا ، بلکہ کسی زمانے اور عہد میں بھی اس مغنّی کی مثال نہیں ملتی ، اپنے ایک نقش[۱] (راگ) میں محبوب کے چہرے کو آفتاب سے اور اس کے آنکھ کھولنے اور بند کرنے کو کنول کے پھول کے کھلنے اور اس میں سے بھونرے کے برآمد ہونے سے تشبیہ دی ہے ۔ اور دوسرے راگ میں اس نے محبوب کے کن انکھیوں سے دیکھنے کو اس تھرتھراہٹ سے تشبیہ دی ہے جو کنول پر بھونرے کے بیٹھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے ۔

اسی منزل میں احمد آباد سے انجیر پہنچے ۔ اگرچہ برہان پور کے انجیر بھی بہت شیریں اور بڑے ہوتے ہیں ، لیکن یہ انجیر ان سے زیادہ شیریں اور کم دانے کے ہیں ۔ انھیں برہان پور کے انجیروں سے دس بارہ درجے زیادہ بہتر کہنا چاہیے ۔

۲۹ ، ۳۰ ماہ آذر ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) اور مبارک شنبہ (جمعرات) دو دن اسی منزل میں قیام رہا ۔

سرفراز خاں کا حسب و نسب :

اسی منزل میں سرفراز خاں (۲۷) نے احمد آباد سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اس کے پیش کش [205] میں سے موتیوں کی ایک تسبیح ، جو اس نے گیارہ ہزار روپے میں خریدی تھی ، دو ہاتھی ، دو گھوڑے ،

۱- نقش : قوّالوں کے ایک راگ کا نام ہے جسے خراسانیوں نے ایجاد کیا تھا ۔

سات بیل اور چند گجراتی کپڑے کے تھان مجھے پسند آئے ۔ باقی میں نے اُس کو بخش دیا ۔

سرفراز خان، **مصاحب بیگ** (۲۸) کا پوتا ہے جو **جنت آشیانی (ہمایوں)** کے اُمرا میں شامل تھا ۔ **حضرت عرش آشیانی (اکبر)** اُسے اُس کے دادا کے نام پر مصاحب بیگ کے نام سے پکارتے تھے ۔ میں نے اپنی بادشاہت کے شروع میں اُس کا منصب بڑھا کر اُسے صوبۂ **گجرات** میں متعین کر دیا ۔ چوں کہ وہ اس سلطنت کا خانہ زاد ملازم اور موروثی خادم تھا اس لیے اُس نے صوبہ **گجرات** کی خدمت پر اپنے آپ کو اہل ثابت کیا ۔ میں نے اُسے اپنی تربیت و پرورش کے قابل سمجھتے ہوئے **سرفراز خان** کا خطاب دے کر دنیا میں سرخ رو کر دیا ۔ اب تک اُس کا منصب دو ہزاری ذات و ہزار سوار تک پہنچ چکا ہے ۔

موضع جھسود کے تالاب کے کنارے قیام :

یکم ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن **قصبۂ صحرا** سے روانہ ہوا اور پونے چار کوس کا فاصلہ طے کرکے **موضع جھسود** کے تالاب کے کنارے مقام کیا ۔ اس منزل میں **رائے مان** نے جو خدمتی پیادوں کا سردار ہے ، روہو مچھلی شکار کرکے پیش کی ۔ چوں کہ مچھلی کا گوشت مجھے بے حد پسند ہے ، خصوصاً روہو مچھلی کا ، جو مچھلیوں کی بہترین قسم ہے اور اس سفر کی شروع تاریخ سے لے کر اب تک ، جس کے گیارہ مہینے ہوتے ہیں ، تلاش کے باوجود یہ مچھلی نہ مل سکی تھی ، آج ہاتھ لگی ۔ میں نہایت خوش ہوا اور اس خوشی میں ایک گھوڑا **رائے مان** کو عنایت کیا ۔

پرگنۂ دوحد کے متعلق اظہارِ خیال :

اگرچہ پرگنۂ **دوحد** **گجرات** کی سرحد میں داخل ہے لیکن اس منزل سے تمام چیزوں میں نمایاں اختلاف نظر آتا ہے ۔ یہاں کے جنگل اور زمین دوسرے ہی قسم کے ہیں ۔ یہاں کے لوگ بھی اپنی وضع اور طرز کے اعتبار سے مختلف ہیں ۔ زبان بھی دوسری بولی جاتی ہے ۔ یہاں کے راستے میں جو جنگل نظر آتے ہیں وہ میوہ دار درختوں ، مثلاً آم ، کھرنی اور املی سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ کھیتوں کی محافظت کا مدار **تھوہر** کے خار دار درختوں پر ہے ۔

کسان اپنے کھیتوں کی حفاظت اور حد بندی کے لیے اُن کے اردگرد تھوہر کی باڑ لگاتے ہیں اور اس طرح ہر ایک اپنی زمین کی حد بندی کر کے دوسروں کے قطعۂ زمین سے اپنے قطعے کو علاحدہ کر لیتا ہے ۔ اور اُن کھیتوں کے درمیان آمد و رفت کے لیے پگڈنڈیاں بنی ہوئی ہیں ۔ چوں کہ یہ تمام ملک ریگستانی ہے اس لیے ذرا سی بھی نقل و حرکت اور ہجوم کے چلنے سے اس قدر گرد و غبار اُڑتا ہے کہ آدمی کا چہرہ مشکل سے نظر آتا ہے ۔ مجھے خیال آیا کہ آج سے احمدآباد کو بجائے احمد آباد کے گرد آباد کہنا چاہیے ۔

دریائے سہی کے کنارے نزول :

۲ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو ہفتے کے دن تالاب جھسود کے کنارے سے روانہ ہو کر پونے چار کوس کا سفر طے کیا اور دریائے سہی کے کنارے ٹھہرا ۔

موضع بردلہ میں نزول :

۳ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو اتوار کے دن پھر پونے چار کوس کی مسافت طے کی اور موضع بردلہ میں ٹھہرا ۔ اس منزل میں اُن تمام منصب داروں نے ، جو صوبۂ گجرات کی خدمت بجالانے پر مامور تھے ، حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ۔

موضع چترسیا میں نزول :

۴ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو پیر کے دن موضع بردلہ سے روانہ ہوا اور پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع چترسیا میں نزول اجلال کیا ۔

موضع سوندہ میں نزول :

۵ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو منگل کے دن موضع چترسیا سے کوچ کیا اور ساڑھے پانچ کوس کی مسافت طے کر کے پرگنۂ سوندہ میں ٹھہرا ۔

اس دن تین نیل گائیں شکار کیں ۔ ایک اُن میں سب سے بڑی تھی ۔ اُسے تولا گیا تو اُس کا وزن تیرہ مَن دس سیر نکلا ۔

پرگنۂ نیلاؤ میں نزول :

۶ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) روز کم شنبہ (بدھ) کو چھ کوس کی مسافت طے کرکے پرگنۂ نیلاؤ میں مقام کیا ۔ اس قصبے کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ہزار پانسو روپے نچھاور کیے ۔

پرگنۂ نیلاب میں قیام :

۷ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) روز مبارک شنبہ (جمعرات) کو پرگنہ نیلاؤ[1] سے کوچ کیا اور ساڑھے چھ کوس کی مسافت طے کرکے پرگنۂ نیلاب میں ٹھہرا ۔ گجرات میں اس سے بڑا کوئی پرگنہ نہیں ۔ اس کے محاصل سات لاکھ روپے ہیں جو عراق کے رائج سکے تومان کے مطابق تیئیس ہزار تومان کے برابر ہوتے ہیں ۔ اس قصبے کی آبادی بھی بڑی ہے ۔ اس میں سے گزرتے ہوئے میں نے ہزار روپے نچھاور کیے ۔ میری تمام تر توجہ اس پر مرکوز ہے کہ کسی بہانے سے بھی ہو ، خدا کی مخلوق کو فیض پہنچنا چاہیے ۔

چوں کہ اس علاقے کے لوگوں کی آمد و رفت کا انحصار گاڑی پر ہے ، مجھے بھی گاڑی میں بیٹھنے کا شوق پیدا ہوا ۔ میں دو کوس تک گاڑی میں بیٹھا ، لیکن گرد و غبار کی وجہ سے نہایت تکلیف اٹھائی ۔ اس کے بعد آخر منزل تک گھوڑے پر سوار [206] ہو کر گیا ۔

راستے میں مقرب خان نے احمد آباد سے آ کر شرف باریابی حاصل کیا اور ایک موتی جو اس نے تیس ہزار روپے میں خریدا تھا ، بطور پیش کش گزرانا ۔

دریائے شور کے کنارے نزول :

۸ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن ساڑھے چھ کوس کا فاصلہ طے کرکے دریائے شور کے کنارے ٹھہرا ۔

---

۱ - بعض نسخوں میں اس کو نرباد لکھا ہے ۔ آئین اکبری میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔

بندر کھنبایت کی وجہ تسمیہ اور حالات :

کھنبایت ایک قدیم بندرگاہ ہے ۔ برھمنوں کے قول کے مطابق اس کو بنے ہوئے کئی ہزار سال گزر چکے ہیں ۔ شروع میں اس بندرگاہ کا نام ترلباوتی تھا اور اس ملک پر راجا ترنبک کنوار حکومت کرتا تھا ۔ اگر اس راجا کے حالات اس تفصیل سے لکھے جائیں جو برھمن اس کے متعلق بیان کرتے ہیں تو یہ ذکر طویل ہو جائے گا ۔ مختصر یہ کہ جب یہاں ابھی کمار راج کرنے لگا ، جو اس کے پوتوں میں سے تھا ، تو اس شہر پر گردش آسمانی سے گردو خاک کی صورت میں ایک بلائے عظیم نازل ہوئی ۔ اس آندھی سے اس شہر کی تمام منزلیں اور عمارتیں مٹی میں دفن ہو گئیں اور گرد و خاک کے اس طوفان میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے ۔ اس آسمانی بلا کے نازل ہونے سے پہلے اس بت نے ، جس کی راجا پرستش کرتا تھا ، خواب میں آ کر راجا کو اس حادثے سے مطلع کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ راجا اپنے اہل و عیال کو لے کر ایک جہاز میں منتقل ہو گیا ، اور اس نے اس بت کو بھی اس ستون کے ساتھ جو بطور تکیے کے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا ، اپنے ساتھ لے لیا ۔ اتفاق سے راجا کا جہاز بھی اس طوفان سے دو چار ہوا لیکن چوں کہ راجا کی زندگی ابھی باقی تھی ، اسی ستون کے سہارے وہ ساحل تک صحیح سالم پہنچ گیا اور اس تباہ شدہ شہر کو از سر نو بنانے کا ارادہ کرنے لگا ، اور اس ستون کو اس شہر کے آباد کرنے اور لوگوں کو جمع کرنے کی علامت قرار دے کر نصب کیا ۔ چوں کہ ہندی زبان میں ستون کو استھنب اور کھنب دونوں کہتے ہیں ، اس نسبت سے لوگ اس شہر کو استھنب نگری اور کھنباوتی کہنے لگے ۔ اور کبھی اس راجا کے نام کی مناسبت کے اعتبار سے اس شہر کو ترنباوتی بھی کہتے تھے ۔ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے کھنباوتی ، کھنبایت ہو گیا ۔ یہ بندرگاہ ہندوستان کی عظیم بندرگاھوں میں سے ہے ۔ اس کی گودی دریائے عمان کی گودیوں سے ملتی ہے ۔ اس گودی کا عرض سات کوس اور طول تقریباً چالیس کوس کا اندازہ کیا گیا ہے ۔ جہاز اس کی گودی میں داخل نہیں ہوتا بلکہ بندرگاہ کوکہ میں ، جو کھنبایت کے ملحقہ علاقے میں ہے اور دریا کے قریب واقع ہے ، لنگر انداز ہوتا اور وہاں سے سامان کشتیوں میں ڈال کر بندرگاہ کھنبایت میں لاتے ہیں ۔ اسی طرح سامان کو

لادتے وقت کشتیوں میں بندرگاہ کو کہ لے جاتے ہیں اور جہاز میں بھرتے ہیں۔ میرے یہاں پہنچنے سے قبل بعض فرنگی تاجروں کی چند کشتیاں فرنگ کے سواحل سے آئی ہوئی تھیں اور یہ لوگ خرید و فروخت کرکے واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے۔

۱۰ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے دن ان فرنگی تاجروں نے اپنی کشتیوں کو سجا کر مجھے دکھایا اور پھر اجازت حاصل کرکے اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گئے۔

۱۱ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن میں کشتی پر سوار ہو کر تقریباً ایک کوس تک سمندر کی سیر کے لیے گیا۔

۱۲ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن چیتے کے ذریعے سے شکار کے لیے نکلا اور دو ہرن شکار کیے۔

۱۳ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن تارلگ سر تالاب کی سیر کے لیے گیا۔ شہر کے راستے اور بازار سے گزرتے ہوئے تقریباً پانچ ہزار روپے نچھاور کیے۔

حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ کے زمانے میں اس بندرگاہ کے متصدی کلیان رائے نے اُن کے حکم سے اس شہر کے ازدگرد ایک پختہ فصیل اینٹ اور چونے سے بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر کے بعد اکثر سوداگر اطراف و جوانب سے آ کر اس شہر میں متوطن ہو گئے۔ وہ نہایت صاف ستھرے گھر اور عمدہ عمارتیں بنا کر آن میں آسودہ اور آرام دہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کا بازار چھوٹا سا ہے لیکن صاف ستھرا اور پُر رونق اور لوگوں سے بھرا رہتا ہے۔ سلاطین گجرات کے زمانے میں اس بندرگاہ میں تاجروں سے بہت زیادہ محصول لیا جاتا تھا۔ اب ہمارے دور حکمرانی میں یہ حکم ہے کہ تاجروں کے سامان تجارت کے چالیسویں حصے سے زیادہ محصول نہ لیں۔ دوسری بندرگاہوں میں عشور کے نام سے گیارھواں اور نواں حصہ [207] وصول کیا جاتا ہے۔ یہ محصّل تاجروں کو نہایت زحمت اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ جدہ میں جو مکۂ معظمہ کی بندرگاہ ہے تاجروں سے پانچواں حصہ بلکہ اس سے بھی زیادہ لیتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ گجرات کی بندرگاہوں کا محصول سابق سلاطین کے زمانے میں کس قدر زیادہ ہوگا۔ شکر ہے کہ خدائے تعالی نے اس نیاز مند بارگاہ الٰہی کو اپنے

زمانے میں کل ممالک محروسہ میں اس محصول کو جس سے بے حد و حساب آمدنی ہوتی تھی، معاف کر دینے کی توفیق عطا فرمائی اور اس محصول کا نام و نشان میری سلطنت کی سرزمین سے مٹ گیا۔

کھنبایت میں نئے طرز کے سکے ڈھالنے کا حکم :

اُن ہی دنوں میں نے سونے اور چاندی کے نئے سکے ڈھالنے کا حکم دیا، جن کا وزن مروّجہ مُہر اور روپے سے دس اور بیس گنا زیادہ مقرر کیا، اور حکم دیا کہ سونے کے ٹنکے کے ایک طرف ''جہانگیر شاہی ۱۰۲۷ھ'' اور دوسری طرف ''ضرب کھنبایت ۱۲ سنہ جلوس'' کندہ کیا جائے۔ اسی طرح چاندی کے ایک طرف ٹنکے کے درمیان لفظ ''جہانگیر شاہی سنہ ۱۰۲۷ھ'' اور اس کے اردگرد یہ مصرع کندہ کیا جائے:

''بزر این سکہ زد شاہ جہانگیر ظفر پرتو''

اور دوسری طرف ٹنکے کے درمیان ''ضرب کھنبایت سنہ ۱۲ جلوس'' اور اس کے اردگرد دوسرا مصرع :

''پس از فتح دکن آمد چو در گجرات از ماندو''

منقش کیا جائے۔

میرے زمانے کے سوا کسی عہد میں بھی ٹنکا نہیں ڈھالا گیا۔ سونے اور چاندی کا ٹنکہ صرف میری ایجاد اور اختراع ہے۔ اس کا نام میں نے ٹنکۂ جہانگیری رکھا۔

۱۴ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن بندرگاہ کھنبایت کے متصدّی امانت خاں کا پیش کش میری قیام گاہ پر نظر سے گزرا۔ میں نے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و پانصدی و چہار صد سوار تک بڑھا دیا۔

نور الدین قلی کو اصل و اضافے کے ساتھ منصب سہ ہزاری ذات و شش صد سوار سے سرفراز کیا۔

۱۵ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے روز نور بخت ہاتھی پر سوار ہو کر گھوڑے کے ساتھ اس کی دوڑ کرائی۔ وہ نہایت اچھا دوڑا اور روکتے وقت فوراً ٹھہر گیا۔ یہ تیسری مرتبہ ہے کہ میں خود اس پر سوار ہوا ہوں۔

۱۹ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو ہفتے کے روز میں نے رام داس ولد جے سنگھ[۱] کو اصل و اضافے کے ساتھ منصب ہزار و پانصدی ذات و ہفت صد سوار سے سرفراز کیا۔

۱۷ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو اتوار کے دن داراب خاں، امانت خاں اور سید بایزید بارھہ کو ہاتھی عنایت کیا۔

ان چند دنوں میں جب کہ شاہی لشکر دریاے شوز کے ساحل پر ٹھہرا ہؤا تھا، سوداگر، اہل حرفہ، مستحقین اور بندرگاہ کھنبایت کے دوسرے باشندوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا، میں نے ہر ایک کو حسب حیثیت خلعت، گھوڑے، روپے اور مدد معاش سے نوازا۔

اسی تاریخ میں سید محمد صاحب سجادہ نشین شاہ عالم (۲۹) اور آن کے فرزند شیخ محمد غوث اور شیخ حیدر جو میاں وجیہ الدین کے پوتے ہیں، اور دوسرے مشائخ جو احمد آباد میں رہتے ہیں، میرے استقبال کے لیے حاضر ہو کر باریابی سے مشرف ہوئے۔

چونکہ میرا مقصد دریا کی سیر اور پانی کے مد و جزر کا نظارہ کرنا تھا، یہاں دس دن قیام کر کے منگل کے روز ۱۹ آبان ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو احمد آباد کی طرف روانہ ہؤا۔ بہترین قسم کی مچھلی جو یہاں دستیاب ہوتی ہے، اس کا نام عربیت ہے جو کئی مرتبہ مچھیرے میرے لیے پکڑ کر لائے۔ بلاشبہ دوسرے اقسام کی مچھلیوں کے بہ‌نسبت، جو اس علاقے میں ملتی ہیں، یہ مچھلی نہایت لذیذ اور مزے دار ہوتی ہے، لیکن روہو کے برابر نہیں ہوتی۔ اس میں اور روہو کے ذائقے میں انیس بیس کا فرق ہے۔

باجرے کی کھچڑی :

اہل گجرات کی غذاؤں میں باجرے کی کھچڑی مخصوص غذا ہے۔ اسے لذیذہ بھی کہتے ہیں۔ باجرہ غلے کے چھوٹے دانے والی قسموں میں سے ہے؛ یہ غلہ سوائے ہندوستان کے دوسرے ملکوں میں پیدا نہیں ہوتا اور ہندوستان میں بھی دوسرے علاقوں کی بہ‌نسبت گجرات میں سب سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تمام

۱۔ یہ نام راج سنگھ ہونا چاہیے، جے سنگھ اس کے باپ کا نام تھا۔

غلوں میں سب سے زیادہ سستا ہے ۔ چونکہ میں نے اب تک باجرہ بالکل نہیں کھایا تھا ، میں نے حکم دیا کہ اس کی کھچڑی تیار کر کے لائی جائے ۔ چنانچہ اس کی کھچڑی تیار کر کے لائی گئی ۔ واقعی وہ بہت خوش ذائقہ تھی ، مجھے بہت پسند آئی ۔ میں نے حکم دیا کہ آن صوفیانہ دنوں میں [208] جب کہ میں حیوانات کے گوشت کو ترک کر کے بغیر گوشت کے کھانے کھاتا ہوں ، میرے لیے زیادہ تر باجرے کی کھچڑی پکائی جایا کرے ۔

موضع کوسالہ میں نزول :

۱۹ دے منگل کے دن پرگنۂ نیلاب سے روانہ ہوا اور سوا کوس کی مسافت طے کر کے موضع کوسالہ میں ٹھہرا ۔

بابرہ کے تالاب کے کنارے قیام :

۲۰ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن پرگنۂ بابرہ سے گزر کر دریا کے کنارے ٹھہرا ۔ یہ سفر چھ کوس کا تھا ۔

۲۱ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن مذکورہ منزل میں قیام رہا اور محفل مینوشی منعقد کی ۔ اسی تالاب سے بہت سی مچھلیاں شکار کیں اور آن مصاحبین اور امرا میں تقسیم کیں جو اس محفل میں حاضر تھے ۔

موضع باریچہ میں نزول :

۲۲ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو جمعہ کے دن یہاں سے روانہ ہوا ، اور چار کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع باریچہ میں قیام کیا ۔ اس راستے میں ڈھائی گز اور تین تین گز کی کئی دیواریں جا بجا نظر آئیں ۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دیواریں لوگوں نے بہ غرض ثواب اس لیے بنائی ہیں کہ بوجھ اٹھانے والے مسافر جب راستے میں تھک جائیں تو ان دیواروں پر تھوڑی دیر اپنا بوجھ رکھ کر آرام لے سکیں ، اور چلتے وقت بغیر کسی کی مدد کے اپنا بوجھ اٹھا کر اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں ۔ یہ طریقہ خاص اہل گجرات کی ایجاد ہے ۔ مجھے ان دیواروں کا بنانا بہت پسند آیا ۔ میں نے حکم دیا کہ تمام بڑے شہروں میں اسی طرح کی دیواریں حکومت کی جانب سے بنائی جائیں ۔

تالاب کاکریہ کے کنارے قیام :

۲۳ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو ہفتے کے دن موضع باریجہ سے روانہ ہوا اور پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے کاکریہ کے تالاب کے کنارے قیام کیا ۔ یہ تالاب شہر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا ۔ اس کے اردگرد پتھر اور چونے کی پختہ سیڑھیاں بنائی گئیں ہیں ، اور تالاب کے درمیان ایک مختصر سا باغیچہ اور مکان بنا ہوا ہے ۔ تالاب کے کنارے سے مکان تک ایک پل ہے تاکہ آمد و رفت کا راستہ ہو سکے ۔ چونکہ اس عمارت کی تعمیر پر ایک عرصۂ گزر چکا ہے ، اس لیے جا بجا سے یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی ہے ، اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی ہے کہ جہاں انسان بیٹھ سکے ۔ اس زمانے میں جب کہ میں نے احمد آباد آنے کا ارادہ کیا ، تو گجرات کے بخشی صفی خان نے شاہی خزانے سے اس کی شکست و ریخت کی مرمت کرائی اور باغیچے کو بھی صاف کرایا ۔ اس طرح اس نے اس عمارت اور باغیچے کو نیا رنگ و روپ بخشا ۔ بلاشبہ یہ قیام گاہ نہایت پر فضا اور دلکش ہے ۔ مجھے اس کی وضع بہت پسند آئی ۔ اس حصے میں جس میں پل واقع ہے ، نظام الدین احمد (۳۰) نے جو میرے والد کے زمانے میں کچھ عرصے گجرات کا بخشی رہا تھا ، اس تالاب کے کنارے ایک باغ لگوایا تھا ۔

عبداللہ خان کے خلاف شکایت :

اس باغ کی سیر کے دوران میں مجھ سے کہا گیا کہ عبداللہ خان نے جو نظام الدین احمد کے بیٹے عابد سے پرخاش رکھتا ہے ، اس باغ کے بہت سے درخت کٹوا دیے ہیں ۔ اور یہ بات بھی سننے میں آئی کہ اس نے گجرات کی حکومت کے زمانے میں اپنی مینوشی کی محفل میں ایک آدمی کو جو ظریف الطبع اور خوش مزاج انسان تھا ، محض اس بنا پر کہ اس نے عالم سرمستی و مدھوشی میں بعض نامناسب باتیں خوش طبعی کے طور پر کہی تھیں ، عبداللہ خان نے بگڑ کر اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ وہ اسی مجلس میں اس کی گردن اڑا دے ۔ ان دونوں باتوں کو سن کر میری انصاف پسند طبیعت نہایت برہم ہوئی اور میں نے دیوانیوں کو حکم دیا کہ اس کے ایک ہزار سوار جو دواسپہ و سہ اسپہ ہیں ، ان

کو ایک اسپہ کر دیا جائے ، اور اس طرح جو ستر لاکھ دام کا فرق پڑے گا وہ اس کی جاگیر میں سے وضع کر لیا جائے ۔

شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی :

چونکہ اس منزل میں شاہ عالم کا مزار سرراہ پڑتا تھا ، میں وہاں فاتحہ پڑھ کر آگے بڑھا ۔ اس مقبرے پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا ۔

شاہ عالم ، قطب عالم (۳۱) کے بیٹے ہیں ۔ ان کا سلسلہ مخدوم جہانیاں (۳۲) پر منتہی ہوتا ہے ۔ اس ملک کے عوام و خواص کو ان سے عقیدت ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ عالم مُردوں کو زندہ کرتے تھے ۔ جب وہ کئی مُردوں کو زندہ کر چکے تو ان کے والد کو اس کی اطلاع ہوئی اور انھوں نے ان کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کے کارخانۂ قدرت میں مداخلت کرنا گستاخی اور طریقۂ بندگی کے خلاف ہے ۔ اتفاقاً شاہ عالم کے [209] ایک خادم کے لڑکا نہیں ہوتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا سے اس کو ایک لڑکا عنایت کیا ۔ جب اس لڑکے کی عمر ستائیس[1] سال کی ہوئی تو اس نے وفات پائی ۔ وہ خادم آہ و فغاں کرتا اور روتا ہوا شاہ عالم کی خدمت میں آیا اور بیان کیا کہ میرا لڑکا فوت ہو گیا ہے ۔ میرے صرف یہی ایک لڑکا تھا ، میں امیدوار ہوں کہ وہ آپ کی دعا سے زندہ ہو جائے گا ۔ شاہ عالم تھوڑی دیر تک متفکر ہوئے اور حجرے میں گئے ، اور وہ خادم اُن کے بیٹے کے پاس گیا جسے وہ بہت عزیز رکھتے تھے ، اور اُن سے نہایت الحاح و زاری سے کہنے لگا کہ آپ حضرت شاہ عالم سے استدعا کیجیے کہ وہ میرے فرزند کو زندہ کر دیں ۔ چونکہ اُن کا لڑکا کم عمر تھا ، وہ حجرے میں آ کر اس بارے میں بہت اصرار کرنے لگا ۔ شاہ عالم نے فرمایا کہ اگر تم اس پر راضی ہو کہ وہ زندہ ہو جائے اور تم مر جاؤ تو شاید میری دعا قبول ہو جائے ۔ اس لڑکے نے کہا کہ جس میں آپ کی مرضی اور خدا کی رضا ہو ، وہ میری عین رضا ہے ۔ شاہ عالم نے اپنے لڑکے کے دونوں ہاتھ پکڑ کر زمین سے اٹھایا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا " بار خدایا ! اس بکری کے بچے کے عوض اس بکری کے بچے (بزغالہ) کو لے لے ۔ اسی

---

۱ - خزینۃ الاصفیا میں مذکور ہے کہ اس بچے کی عمر ۷ یا ۸ سال کی تھی ۔

وقت شاہ عالم کے صاحبزادے نے وفات پائی ۔ شاہ عالم نے اس کو اپنے پلنگ پر لٹا دیا اور اس کے منہ پر چادر ڈال دی ، اور خود گھر سے باہر آ کر اس خادم سے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور اپنے لڑکے کی خبر لو ۔ شاید اسے سکتہ ہو گیا ہو اور وہ نہ مرا ہو ۔ جب وہ خادم گھر میں آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو زندہ دیکھا ۔

مختصر یہ کہ علاقۂ گجرات میں حضرت شاہ عالم کے متعلق اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور ہیں ۔ میں نے خود سید محمد سے جو حضرت شاہ عالم کے سجادہ نشین اور صاحبِ علم و فضل اور معقول انسان ہیں ، پوچھا کہ ان باتوں کی کیا حقیقت ہے ؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد اور اپنے دادا سے بھی یہی باتیں سنی ہیں اور مجھے یہ باتیں تواتر سے پہنچی ہیں ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے ۔ اگرچہ یہ باتیں عقل سے بعید ہیں لیکن چوں کہ لوگوں میں انتہائی شہرت رکھتی ہیں لہٰذا ان کے عجیب و غریب ہونے کی بنا پر میں نے یہاں لکھ دیں ۔ ان کی رحلت سلطان محمود بیگرہ کے زمانے میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف ۸۸۰ھ میں ہوئی ۔ ان کے مقبرے کی عمارت تاج خاں تریانی[1] کی بنوائی ہوئی ہے جو سلطان مظفر بن محمود کے امرا میں سے تھا ۔

چوں کہ پیر کے دن شہر میں داخل ہونے کی تاریخ منتخب کی گئی تھی ، اس لیے اتوار ۲۴ دے کو موضع باریچہ ہی میں قیام رہا ۔

اسی منزل میں کاریز کے خربوزے لائے گئے ۔ کاریز ہرات کے مضافات میں سے ایک قصبہ ہے ۔ مشہور ہے کہ خراسان میں کسی جگہ کا خربوزہ خوبی میں کاریز کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ باوجود اس کے کہ یہاں سے اس کی مسافت ایک ہزار چار سو کوس ہے اور وہاں سے قافلہ یہاں تک پانچ ماہ میں پہنچتا ہے ، لیکن یہ خربوزے نہایت تر و تازہ حالت میں پہنچے ۔ اور اتنی زیادہ مقدار میں تھے کہ تمام ملازمین شاہی کے لیے کافی ہوئے ۔ ان کے ساتھ ہی بنگال کے سنگترے بھی پہنچے ۔ باوجود ایک ہزار کوس کی مسافت طے کرنے کے ان میں سے اکثر تر و تازہ تھے ۔ چوں کہ یہ نہایت نفیس اور لطیف پھل ہے ، اس لیے صرف شاہی استعمال کے لیے ڈاک چوکی کے ذریعے دست بدست پہنچایا جاتا ہے ۔ زبان ان نعمتوں پر

---

[1] تاریخ گجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تریالی ہے ۔

شکر الٰہی سے قاصر ہے۔

شکر نعمت ہای تو چندانکہ نعمت ہای تو

اسی دن ۲۴ ماہ دے کو امانت خاں نے دو بڑے بڑے ہاتھی کے دانت پیش کیے۔ ایک ان میں سے تین گز اور آٹھ طسو (انگل) لمبا ، اور ضخامت میں سولہ طسو، اور وزن میں تین من دو سیر نکلا جو عراق کے وزن کے مطابق ساڑھے چوبیس من ہوتا ہے۔

احمد آباد میں ورود :

۲۵ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن چھ گھڑی گزرنے کے بعد نیک گھڑی میں مبارکیوں اور سلامتیوں کے ساتھ صورت گج ہاتھی [210] پر جو میرے پسندیدہ ہاتھیوں میں ہے ، اور صورت و سیرت کے اعتبار سے ایک مثالی ہاتھی ہے ، سوار ہو کر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا ۔ اگرچہ وہ مستی میں تھا مگر چوں کہ میں اپنی سواری کی مہارت اور اس کی خوش رفتاری پر اعتماد رکھتا ہوں اس لیے سوار ہو گیا ۔ میرے دیکھنے کے لیے انتظار میں گلی کوچوں ، بازاروں اور در و دیوار پر مردوں اور عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے ۔ شہر احمد آباد کی جس قدر تعریف میں نے سنی تھی ، میں نے اسے ویسا نہیں پایا ۔ اگرچہ اس کے بازار کے درمیانی راستے چوڑے چکلے بنائے گئے ہیں لیکن دکانیں اس وسعت کے اعتبار سے تعمیر نہیں کی گئیں ۔ عمارتیں سب لکڑی کی ہیں ، دکانوں کے ستون باریک اور کمزور ہیں ۔ یہاں کے کوچہ و بازار گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں ۔ کاکریہ تالاب سے لے کر قلعے تک جسے گجراتی زبان میں بدر کہتے ہیں ، میں روپے نچھاور کرتا ہوا گیا ۔ بدر کے معنی مبارک کے ہیں ۔ سلاطین گجرات کے محل جو ارک (بدر) کے اندر واقع تھے ، اس پچاس ساٹھ سال کے اندر اس قدر خراب و خستہ ہو چکے تھے کہ ان کے نشانات تک مٹ چکے تھے ۔ اس کے بعد ہمارے شاہی ملازمین و امرا نے جو وقتاً فوقتاً اس صوبے کی حکومت پر متعین رہے ہیں ، یہاں عمارتیں بنوائی ہیں ۔ میرے مانڈو سے احمد آباد روانہ ہونے کے دوران میں مقرب خان نے پرانی عمارتوں کی نئے سرے سے تعمیر کی اور دوسری آرام گاہیں مثلاً جھروکہ اور دیوان خانۂ خاص و عام وغیرہ بنوائے جن کی ضرورت تھی ۔۔۔۔۔۔

چوں کہ آج فرزند شاہجہان کے وزن کا مبارک دن تھا ، اس لیے

سابقہ رسم کے مطابق میں نے اسے سونے اور دوسری اجناس سے تلوایا ۔ اُس کی عمر کا ستائیسواں سال خیر و خوبی، خوشی و خرّمی سے شروع ہوا ۔ امید ہے کہ حضرت واہب العطایا (خدائے تعالیٰ) اس کو اپنی بارگاہ کے اس ناچیز بندے پر مہربانی فرماتے ہوئے طویل عمر اور سلطنت سے بہرہ ور کرے گا ۔

صوبۂ گجرات شاہ جہان کی جاگیر میں :

اسی دن ۲۵ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو میں نے صوبۂ گجرات فرزند شاہجہان کو بطور جاگیر عنایت کیا ۔

سفر اور منزلوں کی تعداد :

جس راستے سے ہم آئے تھے، قلعۂ مانڈو سے بندرگاہ کھنبایت تک کا فاصلہ ایک سو چوبیس کوس کا ہے ۔ یہاں تک پہنچتے ہوئے اٹھائیس مرتبہ کوچ اور تیس جگہ قیام کیا ۔ کھنبایت میں دس روز قیام رہا اور کھنبایت سے شہر احمد آباد کا فاصلہ اکیس کوس ہے ۔ اس راستے میں پانچ مرتبہ کوچ اور دو جگہ قیام کیا ۔ مختصر یہ کہ مانڈو سے کھنبایت تک اور کھنبایت سے احمد آباد تک اُس شرح سے جو اوپر لکھی گئی، ایک سو پینتالیس کوس کی مسافت دو ماہ پندرہ روز میں طے کی ۔ اس پورے عرصے میں تینتیس سفر اور بیالیس مقامات پر منزل کی گئی ۔

احمد آباد کی جامع مسجد :

۲۶ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) منگل کے دن جامع مسجد دیکھنے کے لیے گیا جو بازار میں واقع ہے ۔ ان فقرا میں سے چند کو جو وہاں موجود تھے تقریباً پان سو روپے اپنے ہاتھ سے خیرات کیے ۔ یہ مسجد سلطان احمد بانیِ شہر احمد آباد کی بنوائی ہوئی ہے جو تین دروازوں پر مشتمل ہے ۔ ہر دروازے کے رخ پر ایک بازار ہے اور اس دروازے پر، جو مشرقی جانب واقع ہے، سلطان احمد کا مقبرہ ہے ۔ اس کے گنبد میں سلطان احمد اور اس کا بیٹا محمد اور اس کا پوتا قطب الدین محو استراحت ہیں ۔ مقصورہ کو چھوڑ کر صحن مسجد کا طول ایک سو تین گز اور عرض نواسی گز ہے ۔ صحن کے اردگرد پونے پانچ گز عرض کے ایوان بنائے گئے ہیں ۔ صحن کا فرش ترشی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے اور ایوان کے ستون سنگ سرخ کے ہیں ۔ مقصورے کے تین سو چون ستون ہیں ۔ ان ستونوں کے اوپر گنبد بنایا

گیا ہے ۔ مقصورے کا طول پچھتر گز اور عرض سینتیس گز ہے ۔ مقصورے کا فرش اور محراب و ممبر سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں اور پیش طاق کے دونوں بازوؤں پر تراشیدہ پتھر کے دو گول مینار ہیں ، جو تین نشست گاہوں پر مشتمل ہیں ، جن میں نہایت نازک نقش و نگاری کی گئی ہے اور داہنی جانب ممبر کے متصل مقصورہ کے کونے میں علیحدہ شاہ نشین بنایا گیا ہے ، جس کے ستونوں کے درمیان سنگین تختے نصب کیے گئے ہیں اور شاہ نشین کے اطراف چھت تک سنگین جالیاں کھڑی کی گئی ہیں ۔ اس تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ جب بادشاہ نماز جمعہ اور عیدین کے لیے مسجد میں حاضر ہو [211] تو وہ اپنے مقربوں اور مصاحبوں کے ساتھ اسی اونچی نشست میں ، جسے اس علاقے کے لوگوں کی اصطلاح میں ملوک خانہ کہتے ہیں ، نماز ادا کرے ۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف و احتیاط اس بنا پر کیا گیا ہو کہ بادشاہ عام ہجوم سے محفوظ رہے[1] ۔

شیخ وجیہ الدین کے روضے کی زیارت :

۲۷ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو بدھ[2] کے دن شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں حاضر ہوا ، جو میرے دولت خانے کے نزدیک ہے ۔ ان کے مزار پر جو خانقاہ کے صحن میں واقع ہے ، فاتحہ پڑھی ۔ یہ خانقاہ صادق خان نے تعمیر کرائی ہے جو میرے والد کے عمدہ امیروں میں سے تھا ۔

شیخ وجیہ الدین ، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں ، لیکن وہ ایسے خلیفہ ہیں جن کی خلافت پر خود مرشد کو فخر تھا اور جن کی مریدی خود شیخ محمد غوث کی بزرگی پر روشن دلیل ہے ۔ شیخ محمد غوث اور شیخ وجیہ الدین دونوں کے دونوں ظاہری فضائل اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے ۔ آج سے تیس سال پہلے شیخ وجیہ الدین نے اسی شہر میں وفات پائی ۔ ان کے بعد ان کے بیٹے

۱- مقصورہ امیر معاویہ رض کی ایجاد ہے ۔ ان پر مسجد میں ایک مرتبہ حملہ ہوا تھا ۔ اس کے بعد انھوں نے آیندہ حفاظت کے لیے ایک علیحدہ حجرہ بنایا تھا ۔

۲- سرسید ایڈیشن میں یہاں پیر کا دن مندرج ہے ، حالانکہ پہلے گزر چکا ہے کہ پیر کے دن ۲۵ دے تھی ۔ اس لحاظ سے یہاں بدھ کا دن ہونا چاہیے یک شنبہ سہو کتابت ہے ۔

شیخ عبداللہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ان کی مسندِ رشد و ہدایت پر بیٹھے جو بڑے درویش اور صاحبِ ریاضت انسان تھے ۔ جب شیخ عبداللہ جنت کو سدھارے تو اُن کے بیٹے شیخ امداللہ اُن کے جانشین ہوئے ۔ انھوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی ۔ اُن کے بعد اُن کے بھائی شیخ حیدر صاحبِ سجادہ ہوئے جو اب تک زندہ ہیں اور اپنے باپ دادا کے مزار پر درویشوں کی خدمت اور اُن کی خبر گیری میں مصروف ہیں اور صلاح و تقویٰ کا اثر ان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے ۔

شیخ وجیہ‌الدین کے عرس کے لیے امداد :

چوں کہ شیخ وجیہ الدین کا عرس قریب تھا ، میں نے ایک ہزار روپے ان کے عرس کے لیے شیخ حیدر کو عنایت کیے ۔ اس کے علاوہ مزید پانسو روپے اپنے ہاتھ سے اُن درویشوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کیے جو اُن کی خانقاہ میں حاضر تھے ۔ اور پانسو روپے شیخ وجیہ الدین کے بھائی کو دیے ؛ اسی طرح اُن کے رشتے داروں اور متعلقین کو اُن کی حیثیت کے مطابق روپے اور زمینیں عنایت کیں ۔ اور شیخ حیدر سے کہا کہ اُن درویشوں اور مستحقوں کو میرے حضور میں پیش کریں اور ان کے لیے زر نقد اور زمینوں کی سفارش کریں جن کے حالات سے وہ باخبر ہوں تاکہ میں ان کی سفارش پر ان کو نقد روپے اور زمینیں عنایت کروں ۔

مؤلف مرآۃ سکندری کے باغ کی سیر :

۲۸ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن رستم خاں باڑی کی سیر کے لیے گیا اور راستے میں ایک ہزار روپے نچھاور کیے ۔ باڑی اہلِ ہند کی اصطلاح میں باغ کو کہتے ہیں ۔ یہ باغ میرے بھائی شاہ مراد نے اپنے بیٹے رستم خاں کے نام پر بنوایا تھا ۔ مبارک شنبہ کے دن اس باغ میں مینوشی کا ایک جشن منعقد کیا ۔ اور چند مصاحبین و مقربین کو جام شراب عنایت کیے ۔ دن کے آخری حصے میں شیخ سکندر کے باغ میں گیا جو اس کی حویلی میں واقع اور رستم باڑی سے قریب ہے ۔ انجیر خوب پکے ہوئے تھے ؛ اپنے ہاتھ سے توڑ کر خوب کھائے ۔ میوے اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھانے

کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے ۔ میں نے زندگی میں اب تک اپنے ہاتھ سے انجیر توڑ کر نہیں کھائے تھے ۔ اس کے علاوہ شیخ سکندر کی سرفرازی بھی مقصود تھی اس لیے میں اس کے باغ میں بلا تکلف چلا گیا ۔ شیخ سکندر گجراتی الاصل اور معقول انسان ہے ، اور سلاطین گجرات کے حالات اسے خوب یاد ہیں ۔ تقریباً آٹھ نو سال سے وہ سلطنت کے امرا کے زمرے میں منسلک ہے ۔

چوں کہ فرزند شاہجہان نے رستم خاں (۳۳) کو ، جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے ، احمد آباد کی حکومت پر مقرر کیا تھا لہٰذا میں نے اس فرزند کی سفارش پر رستم باڑی کو رستم کے نام کی مناسبت سے اس کو بخش دیا ۔

راجا کلیان کی حاضری :

اسی روز ریاست ایدر کے راجا کلیان نے اپنی ریاست سے آ کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی اور ایک ہاتھی اور نو گھوڑے بطور پیش کش گزرانے ۔ میں نے ہاتھی اسی کو بخش دیا ۔ راجا کلیان سرحد گجرات کے معتبر راجاؤں میں سے ہے ۔ اس کا علاقہ رانا کے پہاڑی علاقے سے ملا ہوا ہے ۔ ہمیشہ سلاطین گجرات نے ایدر کے راجا پر فوج کشی کی ہے ۔ اگرچہ اس ریاست کے بعض راجاؤں نے فوج کشیوں سے تنگ آ کر بظاہر ایک گونہ ان کی اطاعت قبول کی تھی ، [212] انھیں پیش کش بھی دیے تھے مگر اس خاندان کا کوئی راجا کبھی بادشاہ گجرات کی ملاقات کے لیے نہیں گیا ۔ جب حضرت عرش آشیانی نے گجرات کو فتح کیا اور یہاں کے راجا کو مطیع کرنے کے لیے انھوں نے فوجیں متعین کیں تو اس راجا نے محسوس کیا کہ اس کی خیریت و عافیت کا انحصار اطاعت و فرماں برداری پر موقوف ہے ، لہٰذا مجبوراً اس نے اطاعت اور سلطنت کی بہی خواہی اختیار کرلی اور ان کی بارگاہ میں آستاں بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ۔ اس تاریخ سے لے کر آج تک وہ سلطنت کے امرا کے زمرے میں منسلک چلا آتا ہے ، اور جب کبھی سلطنت کی طرف سے حکومت احمد آباد پر کوئی حاکم متعین ہوتا ہے تو وہ اس سے ملنے کے لیے آتا ہے ۔ اور ضرورت و خدمت کے موقع پر اپنے لشکر کے ساتھ حاضر رہتا ہے ۔

یکم ماہ بہمن ، ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) سنہ ۱۲ جلوس کو ہفتے کے دن چندر سین نے ، جو اس علاقے کے اعلیٰ راجاؤں میں ہے ، حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت

حاصل کی اور نو گھوڑے بطور پیش کش گزرانے۔

۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو اتوار کے دن ریاست ایدر کے راجا کلیان، سید مصطفیٰ اور میر فاضل کو ایک ایک ہاتھی عنایت کیا۔

۳ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو پیر کے دن باز اور بہری سے شکار کے لیے سوار ہو کر گیا۔ راستے میں پانسو روپے نچھاور کیے۔ اسی تاریخ میں بدخشان سے لاشپاتیاں پہنچیں۔

شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری:

۶ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ جمعرات کے دن باغ فتح کی سیر کے لیے گیا جو موضع سرخیز میں واقع ہے۔ راستے میں ایک ہزار پانسو روپے نچھاور کیے۔ چوں کہ شیخ احمد کھٹو (۳۴) کا مزار سر راہ واقع تھا اس لیے وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ کھٹو ایک قصبے کا نام ہے جو سرکار ناگور میں واقع ہے۔ یہی قصبہ شیخ احمد کھٹو کی پیدائش گاہ ہے۔ شیخ، سلطان احمد کے زمانے میں تھے۔ جس نے شہر احمد آباد (۳۵) کی بنیاد رکھی تھی۔ سلطان احمد، شیخ سے نہایت عقیدت و اخلاص رکھتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ بھی ان سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں اور انھیں اکابر اولیا میں شمار کرتے ہیں۔ ہر جمعہ کی شب میں ان کے مزار پر شریف و ذلیل ہر قسم کے لوگ کثرت سے ان کے مزار کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ سلطان محمد کے بیٹے سلطان احمد نے شیخ کے مقبرے و مسجد اور خانقاہ کی عالی شان عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی اور مقبرے کے متصل جنوبی حصے میں ایک بڑا تالاب بنوایا تھا۔ تالاب کے گرد و پیش کو پتھر اور چونے سے پختہ کیا تھا۔ یہ عمارتیں محمود کے بیٹے قطب الدین کے زمانے میں مکمل ہوئیں۔ تالاب کے کنارے شیخ کے مزار کی پائنتی میں گجرات کے سابقہ بادشاہوں کے مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر سلطان محمود بیکرہ (۳۶) اور اس کا بیٹا سلطان مظفر اور اس کا پوتا محمود شہید، جو سلاطین گجرات کا آخری فرمانروا تھا، ابدی نیند سو رہے ہیں۔ بیکرہ گجراتی زبان میں بل کھائی ہوئی مونچھوں کو کہتے ہیں۔ چوں کہ سلطان محمود مونچھیں بڑی اور بل دار

رکھتا تھا ، اس اعتبار سے اس کو بیگرہ کہتے تھے[1] . سلاطین گجرات کے مقبرے کے قریب اُن کے اُمرا کے گنبد ہیں . بلاشبہ شیخ احمد کھٹو کے مقبرے کی عمارت نہایت عالی شان اور اس کا محل وقوع نہایت نفیس ہے . تقریباً پانچ لاکھ روپے اس عمارت پر صرف ہوئے ہوں گے ، واللہ اعلم بالصواب .

سلطان مظفر :

شیخ احمد کھٹو کے مزار کی زیارت سے فارغ ہو کر میں فتح باغ پہنچا . یہ باغ اُس زمین پر واقع ہے کہ جہاں سپہ سالار خانخاناں اتالیق نے نبّو کو شکست دی تھی جس نے اپنے آپ کو مظفر خاں کا لقب دے رکھا تھا . اسی وجہ سے اس کا نام باغ فتح رکھا گیا . فتح باغ کو اہل گجرات فتح باڑی کہتے ہیں .

نبو اور خانخاناں کی جنگ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عرش آشیانی نے گجرات کو فتح کر لیا اور [213] نبو گرفتار ہوا تو اعتماد خاں نے اُن سے عرض کیا کہ نبو ایک بہلبان کا بیٹا ہے . چونکہ سلطان محمود کے کوئی بیٹا نہ تھا اور سلاطین گجرات کے گھرانے میں سے بھی کوئی باقی نہ تھا جسے تخت سلطنت پر بٹھایا جائے ، اس لیے سلطان محمود نے مجبوراً وقت کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر عوام پر یہ ظاہر کیا کہ یہ اُس کا لڑکا ہے ، اور اُس کو سلطان مظفر کا لقب دے کر تخت پر بٹھا دیا . لوگوں نے ایک بادشاہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسے بادشاہ تسلیم بھی کر لیا . چونکہ حضرت عرش آشیانی اس علاقے کے بارے میں اعتماد خاں کے قول کو معتبر سمجھتے تھے ، اس لیے انھوں نے اس کے وجود کو کوئی اہمیت نہیں دی . نبو ایک مدت تک خواص کے زمرے میں شامل ہو کر خدمت بجا لاتا رہا ، لیکن حضرت عرش آشیانی کوئی توجہ اس کی طرف نہ کرتے تھے . اس بنا پر نبو فتح پور سے بھاگ کر گجرات آیا . کئی سال تک وہ اس علاقے کے مختلف راجاؤں کی پناہ میں زندگی بسر کرتا رہا ، یہاں تک کہ حضرت عرش آشیانی نے شہاب الدین احمد خاں (۳ے) کو حکومت گجرات سے معزول کر کے اعتماد خاں کو اس کی جگہ متعین کر دیا . شہاب الدین خاں

۱- بعض مورخوں کا خیال یہ ہے کہ یہ بیگڑہ ہے یعنی دو قلعوں کا فاتح ; گجراتی میں 'بے' کے معنی دو اور 'گڑھ' کے معنی قلعے کے ہیں.

کے نوکروں میں سے بعض لوگ ، جو گجرات کے دل دادہ تھے ، اس سے کنارہ کش ہو گئے اور اعتاد خاں کے ہاں نوکری حاصل کرنے کی امید میں احمد آباد ہی میں رہ گئے ۔ جب اعتاد خاں احمد آباد آیا تو یہ لوگ اس کی طرف رجوع ہو گئے ، لیکن اعتاد خاں نے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی ۔ اس کے بعد اب نہ وہ شہاب الدین کے پاس جا سکتے تھے اور نہ احمد آباد میں رہنے کی کوئی سبیل باقی تھی ۔ جب وہ لوگ ہر طرف سے نا امید ہو گئے تو انھوں نے اپنا چارۂ کار اس میں دیکھا کہ کسی طرح وہ نبو کے پاس پہنچ کر اُسے آمادۂ شر و فساد کریں ۔ اس ارادے سے اس جماعت کے چھ سات سو سوار نبو کے پاس پہنچ گئے ، اور اسے احمد آباد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا ۔ اس زمانے میں نبو ، لونبا کاتھی کے ہاں پناہ لیے ہوئے تھا ۔ انھوں نے لونبا کاتھی کو بھی اس پر ابھارا ۔ اس طرح یہ سب کے سب احمد آباد پر حملے کے لیے روانہ ہوئے ۔ احمد آباد پہنچنے تک راستے میں سلطنت کے اکثر بدخواہ ، جو کسی فتنے کی گھات میں لگے ہوئے تھے ، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اُن کے ساتھ مل گئے اور تقریباً ایک ہزار سوار مغل اور گجراتیوں میں سے بھی ان کے گرد جمع ہو گئے ۔ جب اعتاد خاں کو اس واقعے کی خبر ملی تو وہ اپنے بیٹے شیر خاں کو شہر میں متعین کر کے شہاب الدین خاں کو واپس لانے کے لیے جلدی سے روانۃ ہوا جو اس وقت دربار میں حاضری کے لیے چل چکا تھا ، تا کہ وہ صبح کو واپس آ کر اس شورش کو رفع کرے ۔ شہاب الدین خاں ، اعتاد خاں کو راستے ہی میں مل گیا ۔ اس نے یہ جانتے ہوئے کہ اس کے اکثر بہترین ملازم نبو سے جا ملے ہیں اور جو اس کے ساتھ موجود ہیں ان کی پیشانیوں سے بھی بے وفائی کے آثار پائے جاتے ہیں ، لیکن اس کے باوجود وہ اعتاد خاں کے ساتھ واپس آ گیا ۔ بدقسمتی سے نبو ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے احمد آباد کے قلعے میں داخل ہو چکا تھا ، اس لیے انھوں نے نبو سے لڑنے کے لیے سلطنت کے بہی خواہوں کے ساتھ مل کر شہر سے باہر صف بندی کی ۔ یہ دیکھ کر وہ فتنہ پرداز بھی قلعہ سے نکل کر میدان جنگ کی طرف بڑھے ۔ جب ان بدبختوں کی فوج نمودار ہوئی تو وہ نوکر جو شہاب الدین خاں کے پاس رہ گئے تھے ، بے راہ روی اختیار کر کے یک دم دشمنوں سے جا ملے اور شہاب الدین خاں شکست کھا کر پٹن کی طرف بھاگا جو اس وقت شاہی ملازموں کے تصرف میں تھا ۔ اس طرح نبو نے اس کا تمام حشم و خدم اور

ساز و سامان لوٹ لیا ۔ اس کے بعد نبو نے ان تمام شر انگیزوں کو منصب اور خطابات دیے ۔ پھر وہ قطب الدین محمد خاں کی طرف بڑھا جو پرگنۂ بڑودہ میں متعین تھا ۔ قطب الدین محمد خاں کے نوکروں نے بھی شہاب خاں کے ملازموں کی طرح بے وفائی اختیار کی اور اس سے جدا ہو گئے ۔ چنانچہ اس واقعے کی تفصیل اکبر نامے میں موجود ہے ۔ آخر قطب الدین محمد خاں ، نبو سے قول قرار کر کے اس سے مل گیا لیکن نبو نے اسے (دھوکے سے) شہید کر دیا اور اس کا مال و دولت اور خزانہ لوٹ لیا ۔ تھوڑی سی مدت میں اس کے گرد پنتالیس ہزار سوار جمع ہو گئے ۔ جب اس واقعے کی اطلاع حضرت عرش آشیانی کو ملی تو انھوں نے بیرم خاں کے بیٹے میرزا خاں کو جنگجو بہادروں کی ایک جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے متعین کیا ۔ جس وقت میرزا خاں نے شہر کے قریب پہنچ کر صف بندی کی تو اس کے پاس تقریباً آٹھ نو ہزار سوار تھے اور نبو ان کے مقابلے کے لیے تیس ہزار سوار لے کر نکلا تھا ۔ بدبختوں کے لشکر [214] نے صف بندی کر کے جنگ شروع کی ۔ سخت کشت و خون کے بعد شاہی فوجوں کو فتح حاصل ہوئی اور نبو شکست کھا کر بحال تباہ فرار ہو گیا ۔ میرے والد نے اس فتح کے صلے میں میرزا خاں کو پنج ہزاری منصب ، خانخاناں کا خطاب اور صوبۂ گجرات کی حکومت عنایت کی ۔

باغ فتح :

اس میدان جنگ میں خانخاناں نے جو باغ لگایا ہے ، وہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع ہے ۔ اس باغ میں اس نے ایک عالی شان عمارت کے ساتھ اس کے مطابق ایک چبوترہ بھی دریا کے کنارے تعمیر کرایا ہے ۔ باغ کے اردگرد چونے اور پتھر کی نہایت مضبوط دیوار کھینچی گئی ہے ۔ اس باغ کا رقبہ ایک سو بیس جریب ہے اور بلا شبہ یہ ایک بہترین سیرگاہ ہے ۔ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں ۔ مجھے یہ باغ بہت پسند آیا ۔ کہا جا سکتا ہے کہ تمام صوبۂ گجرت میں اس جیسا کوئی باغ نہیں ہوگا ۔

مبارک شنبہ (جمعرات) کی خوشی میں جشن مینوشی منعقد کر کے میں نے خاص امرا اور مصاحبین کو جام شراب عنایت کیے ، اور رات وہیں گزار کر جمعہ کے دن شہر واپس آیا ۔ تقریباً ہزار روپے راستے میں نچھاور کیے ۔

چنپا کے درخت کاٹنے پر سزا :

اس موقع پر باغبان نے عرض کیا کہ گل چنپا کے کچھ درخت ، جو دریا کے کنارے چبوترے پر لگے ہوئے تھے ، انھیں مقرب خان کے ایک ملازم نے کاٹ ڈالا ہے ۔ یہ بات سن کر مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے خود اس کی تحقیق کی ۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ برا فعل اس کے نوکر سے صادر ہوا ہے ، تو میں نے حکم دیا کہ اس نوکر کے دونوں انگوٹھے کاٹ دیے جائیں ، تاکہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کی اطلاع مقرب خان کو نہ تھی ورنہ وہ اسی وقت اس ملازم کو سزا دیتا ۔

ایک عجیب و غریب چور :

۱۱ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو منگل کے دن کوتوال شہر ایک چور کو پکڑ کر لایا ، جس نے اس سے پہلے کئی مرتبہ چوری کی تھی ، اور چوری کے جرم میں پکڑا جا چکا تھا ۔ اور جتنی مرتبہ بھی وہ پکڑا گیا تھا ہر مرتبہ چوری کے جرم میں اس کا ایک عضو کاٹا گیا تھا ۔ ایک دفعہ داھنا ھاتھ ، دوسری بار بائیں ھاتھ کا انگوٹھا ، تیسری دفعہ بایاں کان ، چوتھی دفعہ دونوں پاؤں ، آخر میں اس کی ناک کاٹی گئی تھی ۔ لیکن اس پر بھی اس نے چوری نہیں چھوڑی تھی ۔ گزشتہ رات کو وہ ایک گھاس بیچنے والے کے گھر میں چوری کی نیت سے گھس گیا ۔ اتفاق سے گھر کا مالک بیدار ہو گیا اور اس کو پکڑ لیا ۔ اس چور نے چاقو سے کئی زخم اس گھاس بیچنے والے کے لگائے جن کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا ۔ شور و غل سے اس کے عزیزوں نے ھجوم کرکے اس چور کو پکڑ لیا ۔ میں نے حکم دیا کہ اس کو مقتول کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ اپنا قصاص لیں ۔

هم در سراں روی که در سر داری

۱۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن میں نے مبلغ تین ھزار روپے عظمت خان اور معتقد خان کو دیے کہ وہ کل شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضر ہو کر یہ روپیہ وھاں کے ان فقرا اور مستحقین میں تقسیم کریں جو وھاں رھتے ھیں ۔

شاہجہاں کی قیام گاہ پر تشریف آوری :

۱۳ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن میں شاہجہاں کی قیام گاہ پر گیا۔ مبارک شنبہ کا جشن مینوشی وہیں منعقد ہوا، اور خاص مصاحبوں اور امرا کو جام شراب عنایت کیے۔

سندر ستھن ہاتھی جو شاہی فیل خانے کے ہاتھیوں میں اپنی سبک روی اور خوش رفتاری میں سب سے ممتاز ہے، اور گھوڑے کے ساتھ بہت خوب دوڑتا ہے، اور تمام ہاتھیوں میں سب سے اول تھا، حضرت عرش آشیانی بھی اسے بہت پسند کرتے تھے، چونکہ شاہجہاں اس ہاتھی کی طرف بہت مائل تھا، اور کئی مرتبہ اس کے لیے التجا کرکے خاموش ہو چکا تھا، میں نے یہ ہاتھی اسے طلائی زنجیر اور ساز و سامان کے ساتھ ایک ہتھنی سمیت عنایت کیا۔

عادل خاں کے وکلا کو ایک لاکھ درب عنایت کیے۔

ریاست خوردہ کی فتح :

اسی زمانے میں اطلاع ملی کہ معظم خاں کے بیٹے مکرم خاں نے، جو اوڑیسہ کا صوبیدار ہے، ریاست خوردہ پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں کا راجا فرار [215] ہو کر راج سہندرہ کی طرف چلا گیا ہے۔ چوں کہ مکرم خاں لائق تربیت خان زادوں میں سے ہے، میں نے اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کرکے اسے نقارے، گھوڑے اور خلعت سے بھی سرفراز کیا۔

اوڑیسہ اور گولکنڈہ کی سرحد کے درمیان دو ریاستوں کے راجا — ایک راجا خوردہ اور دوسرے راجا سہندرہ — واسطہ بنے ہوئے تھے۔ ریاست خوردہ تو سلطنت شاہی کے قبضے میں آ چکی ہے۔ اس کے بعد ریاست سہندرہ کی باری ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اس کی طرف بھی قدم ہمت جلد آگے بڑھے گا۔

اسی زمانے میں قطب الملک کی عرضداشت فرزند شاہجہاں کے پاس بدیں مضمون پہنچی کہ میرا ملک اس فتح کے بعد شاہی سرحد سے بالکل قریب ہو گیا ہے، اور مجھے بھی اس بارگاہ سے بندگی کی نسبت حاصل ہے۔ میں امیدوار ہوں کہ مکرم خاں کے نام فرمان صادر کیا جائے گا کہ وہ میرے ملک پر قبضے کے لیے

ہاتھ نہ بڑھائے ۔ قطب الملک کی یہ عرضداشت مکرم خان کی بہادری اور شجاعت پر دلالت کرتی ہے کہ قطب الملک جیسا ہمسایہ اُس سے گھبراتا ہے ۔

اسی تاریخ کو اکرام خان (۳۸) ولد اسلام خان کو فتح پور اور اس کے نواح کا فوجدار مقرر کر کے خلعت اور ہاتھی عنایت کیا ۔

ریاست ہالود کے راجا چندرسین کو خلعت ، گھوڑا اور ہاتھی عنایت کیا اور لاچین قاقشال کو ہاتھی عنایت کیا ۔

اسی وقت میرزا باقی ترخان (۳۹) کے بیٹے مظفر (۴۰) نے حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اس کی والدہ کچھ کے زمیندار بارھہ (بھارا) کی بیٹی تھی ۔ جب میرزا باقی نے وفات پائی تو ٹھٹہ کی ریاست میرزا جانی کو ملی ۔ مظفر نے میرزا جانی کے گزند سے پریشان ہو کر اپنے نانا ، کچھ کے حکمران کے پاس پناہ لی تھی ، اور بچپن سے لے کر اب تک وہ اسی کے حدود میں رہا ۔ اس زمانے میں میری احمد آباد میں آمد کی خبر سن کر حاضر ہوا ۔ اگرچہ اس نے صحرائی لوگوں میں پرورش پائی ہے اور شاہی رسوم و آداب سے بیگانہ ہے ، لیکن چونکہ اس کے آبا و اجداد حضرت صاحبقران ثانی (بابر) کے زمانے سے میرے عالی شان خاندان سے نسبت خدمت گاری رکھتے ہیں ، اور حقوق خدمت بجا لاتے رہے ہیں ، اس لیے میں نے اس کے قدیمی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے بالفعل دو ہزار روپے بطور خرچ کے اور خلعت عنایت کیا ۔ اور آیندہ منصب بھی جو اس کے مناسب حال ہوگا اسے عنایت کروں گا ۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو سپہ گری میں بہتر ثابت کر سکے ۔

۲۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باغ فتح میں گلاب کے پھولوں کی سیر کے لیے گیا ۔ پھولوں کا ایک تختہ خوب کھلا ہوا تھا ۔ اس ملک میں گلاب بہت کم ہوتا ہے ۔ اس قدر پھولوں کا ایک جگہ دکھائی دینا بہت غنیمت ہے ۔ گل لالہ کا لالہ زار بھی برا نہ تھا ۔ باغ کے انجیر کے درختوں پر پکے ہوئے انجیر لگے ہوئے تھے ۔ میں نے چند انجیر اپنے ہاتھ سے توڑے ۔ ان میں سے جو بڑا تھا ، اسے تلوایا ، اس کا وزن ساڑھے سات تولے نکلا ۔

اسی تاریخ میں کاریز کے ایک ہزار پانسو خربوزے ، جو خان اعظم نے بطور پیش کش کے بھیجے تھے ، پہنچے ۔ ایک ہزار خربوزے ہم رکاب ملازمین میں

بطور انعام تقسیم کیے اور پانسو خربوزے اہل محل کو دیے ۔ چار روز اس باغ میں عیش و مسرت کے ساتھ گزار کر ۲۴ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کی رات میں شہر واپس آیا ۔

کاریز سے آئے ہوئے خربوزوں میں سے میں نے چند خربوزے احمد آباد کے مشائخ کو عنایت کیے تو انہیں اس پر تعجب ہوا کہ گجرات میں تو خربوزے نہایت ادنٰی درجے کے ہوتے ہیں ، ایسے عمدہ خربوزے کہاں سے آ گئے ۔ وہ ان خربوزوں کو کھا کر بہت حیران ہوئے کہ دنیا میں ایسی نعمتیں بھی ہوتی ہیں ۔

۲۷ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن یکینہ نامی باغیچے میں جو دولت خانے کے اندر واقع ہے ، اور جسے سلاطین گجرات میں سے کسی بادشاہ نے بنوایا تھا ، محفل مے نوشی منعقد کی ، اور خاص مقربین و امرا لبریز ساغروں کی عنایت سے سرشار ہوئے ۔ اس باغیچے میں انگوروں کا ایک تختہ بالکل پک چکا تھا ۔ میں نے حکم دیا [216] کہ جن ملازموں نے شراب پی ہے ، وہ اپنے ہاتھ سے انگور توڑ کر نقل کے طور پر کھائیں ۔

احمد آباد سے کوچ اور تالاب کاکریہ کے کنارے قیام :

یکم ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو پیر کے دن احمد آباد سے مالوے کی طرف روانہ ہوا ، اور اپنے دولت خانے تک جو تالاب کاکریہ کے کنارے ترتیب دیا گیا تھا ، روپے نچھاور کرتا ہوا گیا ۔ اس منزل گاہ میں تین روز تک قیام رہا ۔

۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن مقرب خاں کا پیش کش نظر سے گزرا ، لیکن اس میں کوئی ایسا نفیس تحفہ نہ تھا جو مجھے پسند آتا ، اور میری طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ۔ شاید اسی شرمندگی سے اس نے یہ پیش کش اپنے بیٹوں کو دے کر انہیں ہدایت کی کہ وہ محل کے اندر پیش کریں ۔ اس میں سے جواہر ، مرصع ہتھیار اور کپڑے جو ایک لاکھ روپے کے مالیتی تھے ، قبول کر کے بقیہ اس کو بخش دیا ۔ کچھی گھوڑوں میں سے بھی تقریباً سو گھوڑے قبول کیے گئے ، لیکن کوئی گھوڑا ان میں سے ایسا نہ تھا جس کی تعریف کی جا سکے ۔

دریاے احمد آباد کے کنارے قیام :

۵ ماہ اسفندار ۲۶ - ۱۰ھ (۱۶۱۷ع) کو جمعہ کے دن چھ کوس کی مسافت طے کر کے دریاے احمد آباد کے کنارے قیام کیا ۔ چونکہ فرزند شاھجہاں نے رستم خاں کو، جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے ، اپنی جگہ گجرات کی حکومت پر متعین کیا تھا ، میں نے شاھجہاں کی سفارش پر اسے علَم ، نقارہ ، خلعت اور مرصّع خنجر عنایت کیا ۔ ابھی تک اس سلطنت میں یہ دستور نہ تھا کہ شہزادے کے نوکروں کو علَم اور نقارہ عنایت کیا جائے ۔ چنانچہ حضرت عرش آشیانی نے باوجود اس کے کہ وہ مجھ پر کمال شفقت و مہربانی رکھتے تھے ، کبھی میرے اُمرا کو خطاب ، علَم اور نقارہ عنایت نہیں کیا تھا ، لیکن میری توجہ اور التفات شاھجہاں پر اس قدر زیادہ ہے کہ میں کسی صورت میں بھی اس کی دل جوئی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ نہایت لائق فرزند اور تمام عنایتوں کا سزاوار ہے ۔ اس نے اس عنفوانِ جوانی میں بھی جس مہم کی طرف رخ کیا ، اس مہم کو میرے حسبِ دل خواہ انجام دیا ۔

اسی دن مقرب خاں نے اپنے وطن جانے کی اجازت حاصل کی ۔

مزار قطب عالم پر حاضری :

چونکہ حضرت شاہ عالم بخاری کے صاحب زادے قطب عالم کا مزار ، جو موضع پٹوہ[1] میں واقع ہے ، سر راہ تھا ، میں نے وہاں حاضر ہو کر پانچ سو روپے وہاں کے رہنے والے مستحقین اور درویشوں میں تقسیم کیے ۔

سید مبارک بخاری کا مقبرہ :

۶ ماہ اسفندار ۲۶ - ۱۰ھ (۱۶۱۷ع) کو ہفتے کے دن کشتی میں بیٹھ کر دریاے محمود آباد میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لیے گیا ۔ دریاے محمود آباد کے کنارے سید مبارک[2] گجراتی کا مقبرہ واقع ہے جو گجرات کے عمدہ اُمرا میں سے تھا ، اور اس عمارت کو اس کے بعد اُس کے فرزند سید میراں نے بنوایا تھا ۔

۱- پٹوہ : یہ مقام احمد آباد سے جنوب کی جانب تین فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے ۔ (آئین اکبری)

۲- مرآۃ سکندری اسی کی سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی ۔

اس کا نہایت بڑا اور عالی شان گنبد ہے اور اس کے ارد گرد چونے اور پتھر سے نہایت مضبوط چار دیواری بنائی گئی ہے ۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں گے ۔ سلاطین گجرات کے جو مقبرے میری نظر سے گزرے ہیں ، اُن میں سے کوئی اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتا ۔ اگرچہ وہ سلطنت کے مالک تھے اور یہ ملازم تھا ، لیکن ہمت اور توفیق خدا کی دین ہے ۔ ہزار آفرین و شاباش اس کے فرزند پر جس نے ایسا شاندار مقبرہ اپنے باپ کی قبر پر بنوایا :

کزو ماندہ بگیتی یادگاری

۷ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱٦۱۷ع) کو اتوار کے دن قیام رہا اور مچھلی کا شکار کھیلا ؛ چار سو مچھلیاں شکار کیں ۔ اُن میں سے ایک مچھلی بغیر فلوس (چھلکے) کے نظر آئی ۔ اسے سنگ ماھی کہتے ہیں ۔ اُس کا پیٹ بہت بڑا تھا ؛ میں نے حکم دیا کہ اس کا پیٹ میرے سامنے چاک کیا جائے ۔ چنانچہ اس کے پیٹ سے ایک مچھلی فلوس دار (چھلکے والی) نکلی جسے اُس نے اُسی وقت نگلا تھا ، اور جس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی ۔ میں نے حکم دیا کہ ان دونوں کا وزن کیا جائے ۔ سنگ ماھی ساڑھے چھ سیر کی اور نگلی ہوئی مچھلی دو سیر کی نکلی ۔

موضع سودہ میں نزول :

۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱٦۱۷ع) کو پیر کے دن سوا پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے موضع سودہ میں قیام کیا ۔ یہاں کے لوگ گجرات کی برسات کی بہت تعریف کرتے ہیں ۔ اتفاق سے گزشتہ رات اور آج کے دن چاشت کے وقت تک بہت بارش [217] ہوتی رہی جس کی وجہ سے گرد و غبار بیٹھ گیا ۔ چونکہ یہ ملک ریگستانی ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ برسات کے موسم میں نہ صرف اس کی فضا گرد و غبار سے پاک و صاف رہتی ہوگی بلکہ کیچڑ بھی نہ ہوتا ہوگا ، اور دشت و صحرا سرسبز و شاداب ہو جاتے ہوں گے ۔ یہاں کی برسات کا موسم نہایت خوش گوار ہوتا ہوگا ۔ بہرحال اس بارش سے گجرات کی بارش کا نمونہ سامنے آ گیا ۔

موضع جرسیا میں نزول :

۹ ماہ اسفندار ۲۶ ، ۱ ھ (۱۶۱۷ ع) کو منگل کے دن ساڑھے پانچ کوس کی مسافت طے کر کے موضع جرسیا میں ایک تالاب کے کنارے قیام کیا ۔

مان سنگھ سیوڑہ کے جہنم رسید ہونے کی اطلاع :

اسی منزل میں خبر ملی کہ مان سنگھ سیوڑہ جہنم رسید ہوا ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سیوڑہ ہندو ملاحدہ میں سے ایک گروہ ہے جو ہمیشہ ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتا ہے ۔ اس گروہ کے بہت سے لوگ اپنے سر ، داڑھی اور مونچھوں کے بال اکھاڑتے اور بعض منڈواتے ہیں ۔ یہ لوگ سلا ہوا لباس نہیں پہنتے ۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ کسی جان دار کو تکلیف نہیں دینی چاہیے ۔ ہندوؤں میں سے بنیے ان کو اپنا پیرومرشد جانتے ہیں ، بلکہ انھیں سجدہ کرتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں ۔

سیوڑھوں کے دو[۱] فرقے ہیں : ایک کو پتا اور دوسرے کو کرتھل کہتے ہیں ۔ مان سنگھ مذکور کرتھل گروہ کا سردار تھا اور بال چند ، پتا گروہ کا سرگروہ تھا ۔ یہ دونوں ہمیشہ حضرت عرش آشیانی کی خدمت میں رہتے تھے ۔ جب حضرت عرش آشیانی نے وفات پائی اور خسرو بھاگ گیا اور میں اس کے تعاقب میں یلغار کرتا ہوا روانہ ہوا ؛ اسی زمانے میں زمیندار بیکانیر رائے سنگھ برنیہ[۲] نے جو میرے والد کی تربیت اور نوازش سے امارت کے مرتبے تک پہنچا تھا ، مان سنگھ سے نجوم کے حساب کے مطابق میری مدت حکومت اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق دریافت کیا ۔ اس کالی زبان والے نے ، جو اپنے آپ کو علم نجوم اور علم تسخیر کا ماہر کہتا تھا ، رائے سنگھ کو بتایا کہ جہانگیر کی مدت سلطنت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے ۔ یہ سن کر یہ بوڑھا اپنے بڑھاپے کی بدحواسی سے اس کی بات پر بھروسا کر کے بغیر اجازت اپنے وطن چلا گیا ۔ اس کے بعد جب حق جلّ سبحانہ نے اس نیاز مند کو اپنے لطف و کرم سے نوازا اور میں فتح و فیروزی سے ہم عنان ہو کر دارالخلافہ میں آ کر مقیم ہوا

۱- ان فرقوں کے اصل نام تاپا اور کیرتارا ہیں اور مان سنگھ کا مذہبی نام جے سمہا ہے ۔

۲- برنیہ سہو کتابت ہے ۔ صحیح بھرتیا ہے ۔

تو یہ اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہوا اور سر جھکائے ہوئے ہماری بارگاہ میں حاضر ہوا ۔ اس کے بقیہ حالات اپنی جگہ لکھے جا چکے ہیں ۔ القصہ مان سنگھ اس واقعے کے تین چار ماہ بعد جزام کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اس کے اعضا جھڑنے لگے ۔ یہاں تک کہ وہ بیکانیر میں اس بری حالت میں زندگی گزار رہا تھا کہ موت اس سے کئی درجہ بہتر ہے ۔ گزشتہ دنوں مجھے اس کا خیال آیا اور میں نے اسے طلب کرنے کا حکم دیا ۔ راستے میں جب لوگ اسے لا رہے تھے تو اس نے اپنے متوہانہ خدشات کی بنا پر زہر کھا کر اپنی جان جہنم کے فرشتوں کے سپرد کر دی ۔ چونکہ اس نیازمند درگاہ الٰہی کی نیت بخیر اور انصاف سے سرشار ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ جو میرے حق میں برا سوچے گا ، اپنی نیت کے مطابق پھل پائے گا ۔

سیوڑہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں پائے جاتے ہیں ، خاص کر گجرات میں زیادہ ہیں اس لیے کہ گجرات میں خرید و فروخت کا زیادہ تر دار و مدار بنیوں پر ہے ۔

گجرات اور ہندوستان سے سیوڑھوں کے اخراج کا حکم :

ہندوؤں نے بت خانوں کے علاوہ ان (سیوڑھوں) کے رہنے اور عبادت کرنے کے لیے بہت سی عمارتیں تعمیر کی ہیں جو در حقیقت فساد کے گھر ہیں اور اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو ان کے پاس بھیجنے میں ذرا بھی حیا و شرم محسوس نہیں کرتے ۔ قسم قسم کے فساد اور بدکاریاں ان سے سر زد ہوتی ہیں ، اس لیے میں نے سیوڑھوں کے نکال دیے جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی تمام اطراف میں فرامین بھیجے کہ جہاں کہیں سیوڑھے ہوں انہیں میرے حدود سلطنت سے نکال دیا جائے ۔

۱۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن شکار کے لیے گیا ۔ دو نیل گائیں ، ایک نر اور ایک مادہ بندوق سے شکار کیں ۔

اسی دن دلاور خاں کے بیٹے نے پٹن سے ، جو اس کے باپ کی جاگیر میں بطور تنخواہ تھا ، حاضر ہو کر زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور کچھی گھوڑا بطور پیش کش گزرانا ، جو نہایت خوش شکل اور خوش رفتار ہے ۔ جب سے میں گجرات کے علاقے میں آیا ہوں ، کسی نے بھی اتنا اچھا گھوڑا پیش نہیں کیا ۔ اس کی قیمت کا اندازہ ہزار روپے لگایا گیا ۔

۱۱ ماہ اسفندار ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن موضع جرسیا کے تالاب کے کنارے میں نے محفل مینوشی منعقد کی [218] ۔ بہت سے ملازمین کو ، جو اس صوبے کی خدمت پر متعین ہوئے تھے ، اپنے الطاف و نوازش شاہانہ سے نواز کر رخصت کیا ۔ منجملہ ان کے شجاعت خان عرب کو اصل و اضافے کے ساتھ دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار سے سرفراز کر کے اسے نقارہ ، گھوڑا اور خلعت عنایت کیا ۔

ہمت خان کو منصب ہزار و پانصدی ذات وہشت صد سوار سے سرفراز کر کے خلعت اور ہاتھی عنایت کیا ۔

کفایت خان ، جو اس صوبے کی دیوانی پر فائز ہے ، اس کا منصب اصل و اضافے کے ساتھ ہزار و دو صدی ذات و سہ صد سوار کر دیا ۔

صفی خان بخشی کو گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کیا ۔

خواجہ عاقل کو (۱۳) منصب ہزار و پانصدی ذات و شش صد و پنجاہ سوار سے نواز کر احدیوں کی بخشی گری پر متعین کیا اور عاقل خان کے خطاب سے نوازا ۔

قطب الملک کے وکیل کو ، جو اس کی طرف سے پیش کش لے کر آیا تھا ، تیس ہزار درب انعام مرحمت کیا ۔

اسی تاریخ کو فرزند شاہ جہاں نے انار اور بہی ، جو اس کے لیے فراہ سے لائے گئے تھے ، پیش کیے ۔ اتنے بڑے انار اور بہی میں نے آج تک نہیں دیکھے تھے ۔ میں نے حکم دیا کہ ان کا وزن کیا جائے ۔ بہی کا وزن انتیس تولے نو ماشے اور انار کا وزن ساڑھے چالیس تولے نکلا ۔

۱۲ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن شکار کے لیے گیا اور دو نیل گائیں ، ایک نر اور دوسری مادہ شکار کیں ۔

۱۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن شیخ اسماعیل کے بیٹے شیخ محمد غوث کو خلعت اور پانسو روپے خرچ کے لیے عنایت کیے ۔

۱۵ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن شکار کے لیے گیا ، اور دو مادہ نیل گائیں بندوق سے شکار کیں ۔

مشائخ گجرات پر نوازش :

۱۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو گجرات کے مشائخ جو میرے ساتھ

اس مقام (جرسیا) تک آئے تھے ، میں نے انھیں دوسری مرتبہ خلعت اور خرچ اور مدد معاش کے طور پر زمین دے کر رخصت کیا ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے کتب خانۂ خاص سے ایک ایک کتاب مثل تفسیر کشاف (۴۲) تفسیر حسینی (۴۳) اور روضۃ الاحباب عنایت کی ۔ اور ان کتابوں کی پشت پر میں نے اپنے گجرات میں آنے کی تاریخ اور کتاب کے عطا کر دینے کی تاریخ لکھ دی ۔

احمد آباد میں داد و دہش :

احمد آباد کے قیام کے زمانے میں رات دن میرا مشغلہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مستحقوں اور ضرورت مندوں پر نظر رکھوں اور انھیں زر و زمین عنایت کروں ۔ اس کام غرض کے لیے شیخ احمد صدر اور دوسرے چند مزاج داں ملازموں کو اس کام پر متعین کیا تھا کہ وہ درویشوں اور مستحقوں کو میری بارگاہ میں لائیں ۔ ان کے علاوہ شیخ محمد غوث اور شیخ وجیہ الدین کے پوتے اور دوسرے مشائخ کو بھی حکم دیا تھا کہ جہاں بھی انھیں مستحقوں اور ضرورت مندوں کا گمان ہو ، انھیں میری خدمت میں حاضر کریں ۔ اسی طرح محل میں چند عورتیں اسی خدمت پر مقرر کی گئی تھیں کہ وہ ضعیفوں پر نظر رکھیں ۔ میری تمام تر توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ سال ہا سال کے بعد ان فقرا کی خوش نصیبی سے مجھ جیسا بادشاہ اس ملک میں آیا ہے ، اس لیے کوئی بھی ضرورت مند میری داد و دہش سے محروم نہ رہے ۔ حق تعالیٰ گواہ ہے کہ میں نے اپنے اس ارادے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور کسی وقت بھی میں اس مشغلے سے فارغ نہیں رہا ۔ اگرچہ میں احمد آباد آنے سے قطعاً محظوظ نہیں ہوا لیکن میرا حقیقت شناس دل اس بات سے خوش ہے کہ میرا یہاں آنا بہت سے درویشوں کی بھلائی کا سبب بن گیا اور خدا کی مخلوق اپنی فریاد کو پہنچی ۔

کوکب ولد قمرخاں کی گرفتاری :

۱۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن قمر خاں کے بیٹے کوکب کو ، جو برہان پور میں درویشانہ لباس اختیار کر کے غریب الوطن ہو کر بھٹکتا پھرتا تھا ، لوگ گرفتار کر کے لائے ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کوکب ، میر عبداللطیف قزوینی کا پوتا ہے ، جو [219] سادات سیفی میں سے تھا اور ہماری سلطنت کا موروثی خانہ زاد ہے ۔ یہ

دکن کے لشکر میں متعین تھا ۔ اپنے منصب میں کمی کی وجہ سے اس نے کچھ دن اس لشکر میں تنگ دستی اور پریشانی کے عالم میں گزارے ۔ جب کچھ زمانے تک اس کے منصب میں اضافہ نہ ہوا تو اسے وہم ہوا کہ میں اس پر نظرِ عنایت نہیں رکھتا ہوں ، اس لیے وہ اپنی تنگ حوصلگی اور آشفتہ خاطری کی بنا پر ترک دنیا کر کے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا ۔ چھ ماہ کے عرصے میں اس نے تمام ممالک دکن ؛ مثلاً دولت آباد ، بیدر ، بیجاپور ، کرناٹک اور گولکنڈے کو چھان ڈالا ، پھر بندر دابل (دبیل) پہنچا ، وہاں سے کشتی میں بندر گووہ آیا ، پھر بندر سورت ، بروچ اور دوسرے قصبات ، جو سر راہ واقع تھے ، ان کی سیر کرتا ہوا احمد آباد پہنچا ۔ یہاں اسے فرزند شاہجہان کا ایک نوکر زاھد نامی گرفتار کر کے میرے دربار میں لایا ۔ میں نے حکم دیا کہ اسے اسی طرح ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا میرے سامنے پیش کیا جائے ۔ جب وہ میرے سامنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تیرے باپ دادا کی خدمات کے بہت سے حقوق ہیں اور تعلق خانہ زادی ہے ، اس خانہ زادی کی نسبت کے با وصف تیری اس بے راہ روی کی کیا وجہ تھی ؟ اس نے جواب میں عرض کیا کہ قبلہ و مرشدِ حقیقی کی خدمت میں جھوٹ نہیں بولا جا سکتا ، سچی بات تو یہ ہے کہ میں شاہی لطف و کرم کا امیدوار تھا ، لیکن جب میری تقدیر نے یاوری نہ کی تو میں نے ترکِ تعلقات کر کے عالم حیرانی و پریشانی میں دشت و صحرا کا رخ اختیار کیا ۔ چوں کہ اس کی باتوں میں سچائی کے آثار پائے جاتے تھے ، اس لیے میرے دل پر اس کی باتوں کا اثر ہوا اور میرے سخت رویے میں نرمی آ گئی ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس جہاں گردی کے زمانے میں تو نے عادل خاں ، قطب الملک اور عنبر میں سے کسی کو دیکھا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ جب میری قسمت نے آپ جیسی بارگاہ میں یاوری نہ کی اور میرے لب آپ کی سلطنت سے ، جو فیض و کرم کا دریائے بیکراں ہے ، تشنہ رہے ، تو حیف ہے مجھ پر کہ میں اپنی تشنہ امیدوں کی سیرابی کے لیے ان لوگوں کی طرف رخ کروں ۔ خدا کرے کہ وہ سر ، جو اس بارگاہ میں جھکنے کے بعد دوسروں کے سامنے جھکے ، کٹ جائے ۔ پھر اس نے کہا کہ جس روز سے میں نے وادیِ غربت میں قدم رکھا تھا ، اس دن سے لے کر آج تک کے واقعات میں نے ایک بیاض میں بطور روزنامچے کے لکھے ہیں ، اسے دیکھنے کے بعد صحیح حقیقت واضح ہو

جائے گی ۔ یہ بات سن کر مجھے اس پر اور بھی رحم آیا ۔ میں نے اس کے لکھے ہوئے مسودات طلب کیے ۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس نے اس سرگشتگی اور غریب الوطنی کے زمانے میں بہت دکھ اٹھائے اور بڑی ریاضتیں کی ہیں اور اکثر پیدل چلا ہے اور کئی مرتبہ قوت لایموت سے بھی محروم رہا ہے ۔ ان حالات کے دیکھنے کے بعد میں اس پر اور بھی مہربان ہو گیا ۔

دوسرے دن میں نے اسے طلب کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کھلوائیں اور خلعت ، گھوڑا اور ہزار روپے بطور خرچ کے عنایت کر کے اس کے سابقہ منصب میں دس پندرہ گنا اضافہ کر دیا اور اس قدر لطف و کرم سے نوازا جو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا ۔ وہ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہا تھا :

این که می بینم به بیداریست یا رب یا بخواب

خویشتن را درچنین نعمت پس از چندین عذاب !

بارہ سینور میں نزول :

۱۷ ماہ اسفندار ۲۷ ۱۰ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن موضع جرسیا کے تالاب کے کنارے سے کوچ کر کے بارہ سینور میں ٹھہرا ۔ اس سے قبل اس بات کا چرچا سنا کہ کشمیر میں وبا پھیلی ہوئی ہے ۔

کشمیر میں وبا :

اسی تاریخ کو کشمیر کے واقعہ نویس کی عرض داشت پہنچی جس میں تحریر تھا کہ کشمیر میں بہت سخت وبا پھیلی ہوئی ہے ، اور اس وبا میں بہت سی جانیں ضائع ہو چکی ہیں ۔ اس وبا کی صورت یہ ہے کہ پہلے دن درد سر اور بخار ہوتا ہے جس کے ساتھ بے تحاشا نکسیر پھوٹتی ہے اور دوسرے دن آدمی مر جاتا ہے ۔ جس گھر میں ایک آدمی اس بیماری میں فوت ہوتا ہے ، اس گھر کے تمام آدمیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں ۔ جو کوئی اس بیماری سے مرے ہوئے شخص کے نزدیک جاتا ہے ، وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ اسی مرض کی ایک مبتلا میت [220] کو گھاس پر لٹا کر نہلایا گیا ۔ اتفاق سے ایک گائے نے آ کر اس گھاس میں سے کچھ حصہ کھا لیا ، گائے اس گھاس کے کھانے کے بعد فوراً مر گئی ۔ بعد میں کچھ کتوں نے اس گائے کا گوشت کھا لیا ،

اور وہ سب کے سب مر گئے ۔ نوبت اس حد تک پہنچی ہے کہ باپ وہم سے مُردہ بیٹے کے اور بیٹا مُردہ باپ کے پاس نہیں پھٹکتا ۔
عجیب تر بات یہ ہے کہ جس محلے میں اس بیماری کی ابتدا ہوئی ، اس میں آگ لگ کر تین ہزار گھر جل گئے ۔ آتش زدگی کی شدت کے دوران میں ایک دن صبح کے وقت جب کہ شہر اور اطراف و اکناف کے مواضعات کے لوگ بیدار ہوے تو انھوں نے اپنے گھروں کے دروازوں پر ایک گول شکل دیکھی ۔ یہ شکلیں کئی کئی دائروں پر مشتمل تھیں ، جو ایک دوسری پر چڑھی ہوئیں تھیں ۔ تین بڑے دائرے ، دو متوسط اور ایک چھوٹا سفید دائرہ تھا اور بعض دائرے ایسے تھے جن میں سفیدی نہ تھی ۔ یہ شکلیں تمام گھروں کے دروازوں اور مسجدوں کے دزوازوں پر بنی ہوئی تھیں ۔ اور یہ شکلیں اسی دن سے ظاہر ہوئیں جب کہ آگ لگی تھی اور اس کے بعد سے وبا میں تخفیف ہونی شروع ہو گئی ۔ چوں کہ یہ باتیں عجیب و غریب تھیں ، اس لیے میں نے یہاں لکھ دیں ۔ لیکن فہم و قیاس سے باہر ہونے کی وجہ سے عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں اور عقل ان کے ماننے سے انکار کرتی ہے ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے ، امید ہے کہ حق جلّ سبحانہ و تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں پر رحم فرمائے گا اور اس بلا سے پوری طرح نجات دے گا ۔

دریاے سہی کے کنارے قیام :

۱۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن ڈھائی کوس کی مسافت طے کر کے دریاے سہی کے کنارے ٹھہرا ۔ اسی دن جام کے راجا نے زمیں بوسی کی سعادت حاصل کی ، اور پچاس گھوڑے بطور پیش کش ، اور سو مُہریں اور سو روپے بطور نذر گزرانے ۔ اس راجا کا نام جسا اور اس کا لقب جام ہے ۔ جو بھی اس ریاست کی گدی پر بیٹھتا ہے ، اُسے جام کہتے ہیں ۔ جام گجرات کے نہ صرف عمدہ راجاؤں میں ہے بلکہ ہندوستان کے نامور راجاؤں میں شمار ہوتا ہے ۔ اس کی ریاست دریاے شور کے متصل واقع ہے ۔ اس کے پاس پانچ ہزار سوار ہمیشہ موجود رہتے ہیں ، اور ضرورت کے موقع پر دس بارہ ہزار سوار مع ساز و سامان کے فراہم کر سکتا ہے ۔ اس کی ریاست میں گھوڑے بکثرت ہوتے ہیں ۔ چنانچہ دو ہزار روپے تک کچھی گھوڑا فروخت ہوتا ہے ۔ میں

نے مذکورہ راجا کو خلعت عنایت کیا۔

اسی دن ریاست کوچ بہار کے راجا لچھمی نراین نے، جس کی ریاست بنگال کے متصل واقع ہے، آستان بوسی کا شرف حاصل کر کے پانسو مہریں نذر گزرانیں۔ میں نے اسے خلعت اور جڑاؤ خنجر عنایت کیا۔

سعید خاں کے بیٹے نواز خان نے جو جونا گڑھ کی حکومت پر متعین ہے، حاضر ہو کر آستان بوسی کی سعادت حاصل کی۔

۱۹ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱٦۱۸ع) کو جمعہ کے دن دریائے سہی کے کنارے قیام رہا۔

تالاب جھنود کے کنارے قیام :

۲۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱٦۱۸ع) کو ہفتے کے دن دریائے سہی کے کنارے سے کوچ کیا، اور پونے چار کوس کی مسافت طے کر کے تالاب جھنود کے کنارے قیام کیا۔

تالاب بدرواله کے کنارے قیام :

۲۱ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱٦۱۸ع) کو اتوار کے دن ساڑھے چار کوس کی مسافت طے کر کے تال بدرواله کے کنارے قیام کیا۔

عظمت خاں گجراتی کی وفات :

اسی دن عظمت خاں گجراتی کی وفات کی خبر ملی، جو بیماری کی وجہ سے احمد آباد میں رہ گیا تھا۔ وہ میرے مزاج داں ملازموں میں سے تھا اور عمدہ طریقے سے خدمات انجام دیتا تھا۔ دکن اور گجرات کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ میرا حق شناس دل اس کی وفات سے بہت متاثر ہوا۔

چھوئی موئی کا پودا :

تال بدرواله کے کنارے ایک ایسا پودا دیکھنے میں آیا جس کے پتے انگلی یا لکڑی کے سرے کے چھونے سے فوراً سکڑ جاتے ہیں اور پھر فوراً ہی کھل جاتے ہیں۔ اس کے پتے املی جیسے ہیں۔ عربی میں اس کا نام شجر الحیا ہے اور ہندی میں اسے لجونتی کہتے ہیں۔ لاج کے معنی حیا کے ہیں۔ چونکہ اس

کے پتّے انگلی اور لکڑی کے چھونے سے سکڑ جاتے ہیں اور اس کا پودا جھک جاتا ہے ، اسی وجہ سے اسے حیا سے منسوب کیا گیا ہے ۔ بلا شبہ یہ پودا ندرت سے خالی نہیں اور اس کا نام خوب رکھا گیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ یہ پودا خشکی میں پیدا ہوتا ہے ۔

۲۲ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن تال بدر والہ کے کنارے قیام رہا ۔

شیر کا شکار :

قراولوں نے خبر دی [221] کہ اسی تالاب کے نزدیک ایک شیر ہے جو مسافروں کے لیے رکاوٹ اور تکلیف کا سبب بنا ہوا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جس جنگل میں یہ شیر رہتا ہے وہاں انہوں نے آدمیوں کی کچھ تازہ کھوپڑیاں اور ہڈیاں دیکھی ہیں جنہیں اس نے ابھی کھایا ہے ۔ دوپہر کے بعد دن ڈھلے اس شیر کے شکار کے لیے سوار ہو کر گیا اور بندوق کی ایک ہی گولی سے اس کا کام تمام کر دیا ۔ یہ شیر اگرچہ خاصا بڑا تھا لیکن میں نے اس سے بھی بڑے شیر بازہا مارے ہیں ۔ اور ان تمام شیروں میں سے وہ شیر جو میں نے قلعۂ مانڈو کے قیام کے دوران میں مارا تھا ، وزن میں ساڑھے آٹھ من کا تھا ۔ یہ شیر ساڑھے سات من کا نکلا ، یعنی مانڈو والے شیر سے ایک من کم ۔

دریائے بایب کے کنارے قیام :

۲۳ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن تال بدروالہ کے کنارے سے کوچ کیا ، اور ساڑھے تین کوس سے کچھ زیادہ کی مسافت طے کر کے دریائے بایب[1] کے کنارے ٹھہرا ۔

دریائے ہمدہ کے کنارے قیام :

۲۴ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو کم شنبہ (بدھ) کے دن تقریباً چھ کوس کا فاصلہ طے کر کے تالاب ہمدہ کے کنارے قیام کیا ۔

۲۵ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن

۱۔ اس کا نام منیب بھی لکھا ہے ۔

تالاب ہمدہ[1] کے کنارے قیام رہا اور محفل مینوشی منعقد کی ، اور خاص خاص درباریوں کو ساغر شراب عنایت کرکے انھیں سرشار کیا ۔

نوازش خان کا منصب سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار تھا ۔ اس کے منصب میں پانصدی ذات کا اضافہ کیا اور خلعت اور ہاتھی عنایت کرکے اس کی جاگیر کی طرف رخصت کیا ۔

اسی تاریخ میں محمد حسین سبزک نے ، جسے راہوار گھوڑوں کی خریداری کے لیے بلخ بھیجا گیا تھا ، واپس آ کر شرف آستان بوسی حاصل کیا ۔ اس کے لائے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک ابرش گھوڑا[2] نہایت خوش رنگ و خوش اندام تھا ۔ میں نے آج تک اس رنگ کا ابرش گھوڑا نہ دیکھا تھا ۔ دوسرے چند راہوار گھوڑے بھی اچھے لایا تھا ۔ اس بنا پر میں نے اسے تجارت خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

موضع جالودہ میں قیام :

۲۶ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو جمعہ کے دن تال ہمدہ کے کنارے سے کوچ کرکے سوا پانچ کوس کی مسافت طے کی اور موضع جالودہ میں قیام کیا ۔

راجا لچھمی نرائن کو ، جو ریاست کوچ کے راجا کا چچا ہے اور جسے میں نے حال ہی میں گجرات کا حاکم مقرر کیا ہے ، ایک گھوڑا عنایت کیا ۔

موضع بودہ میں قیام :

۲۷ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو ہفتے کے دن تین کوس کی مسافت طے کرکے موضع بودہ میں قیام کیا ۔

دوحد کے قریب قیام :

۲۸ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو اتوار کے دن موضع بودہ سے کوچ کیا ، اور پانچ کوس کا فاصلہ طے کرکے قصبۂ دوحد کے نزدیک ، جو گجرات اور مالوے کی سرحد پر واقع ہے ، ٹھہرا ۔

۱- اصل نام نمدہ ہے ۔

۲- ابرش : وہ گھوڑا جس کے اعضا پر اس کے رنگ کے مخالف نکتے ہوں ۔ (فرہنگ آنندراج)

لنگور اور بکری کے بچے کا ایک عجیب واقعہ :

پہلوان بہاء الدین برق انداز ایک لنگور کا بچہ اور ایک بکری کا بچہ میرے حضور میں لے کر آیا اور اس نے عرض کیا کہ راستے میں میرے ماتحت کے ایک توپچی نے لنگور کی ایک مادہ کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے درخت پر بیٹھی ہے ۔ اس سنگ دل نے اس پر رحم نہیں کیا اور بندوق چلا دی ۔ گولی کے لگتے ہی اس لنگورنی نے اپنے بچے کو سینے سے علیحدہ کر کے ایک شاخ پر رکھا اور خود نیچے گر کر مر گئی ۔ اسی اثنا میں میں وہاں پہنچ گیا اور لنگور کے بچے کو درخت کی شاخ سے نیچے لا کر دودھ پلانے کے لیے اس بکری کے پاس لے گیا ۔ خدائے تعالیٰ نے اس بکری کو اس لنگور کے بچے پر اس قدر مہربان کر دیا کہ ابتدا ہی سے اس نے اس بچے کو چاٹنا اور پیار کرنا شروع کر دیا ، اور باوجود اس کے کہ وہ ایک جنس کے حیوان نہیں ، ان دونوں میں اس قدر محبت اور موانست ہے کہ گویا یہ لنگور کا بچہ اسی بکری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۔ میں نے حکم دیا کہ اس لنگور کے بچے کو اس بکری سے جدا کریں ۔ جیسے ہی بکری سے اس بچے کو علیحدہ کیا گیا ، بکری نے اس کی جدائی سے بے قرار ہو کر فریاد کرتے ہوئے طرح طرح کی آوازیں نکالنی شروع کر دیں اور لنگور کا بچہ بھی اس کی جدائی سے بہت بے تاب ہو گیا ۔ لیکن اس لنگور کے بچے کی محبت اس بکری سے اتنی تعجب خیز نہیں کیوں کہ اس نے اسے دودھ پلایا ہے مگر اس سے بکری کی محبت اور الفت بہت تعجب انگیز ہے ۔

لنگور بندر کی قسم کا ایک جانور ہے ، لیکن فرق یہ ہے کہ بندر کے بال زردی مائل اور اس کا منہ سرخ ہوتا ہے ۔ اور لنگور کے بال سفید اور منہ سیاہ ہوتا ہے ، اور لنگور کی دم بندر کی دم سے دگنی ہوتی ہے ۔ یہ واقعہ میں نے عجیب ہونے کی بنا پر لکھ دیا ۔

۲۹ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو پیر کے دن قصبۂ دوحد میں قیام رہا اور نیل گائے کے شکار کے لیے گیا ۔ دو نیل گائیں ایک نر اور دوسری مادہ بندوق سے ماریں ۔

۳۰ ماہ اسفندار ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ع) کو منگل کے دن بھی یہیں قیام کیا ۔

تمام شد جلد اول توزک جہانگیری

حکم جہانگیر

میں نے اپنے خاص خدمت گزاروں کو حکم دیا کہ ان بارہ سالہ حالات کی جلد بندی کر کے اس کی متعدد نقلیں ترتیب دی جائیں ، تاکہ میں اپنے خاص ملازموں کو عطا کروں ، اور اس کے نسخے تمام شہروں میں بھیجے جائیں ، تاکہ اربابِ حل و عقد اور اصحابِ سعادت اس کتاب کو اپنا دستور العمل بنائیں (۴۴) ۔

حواشی جشن دوازدهم

(۱) میرمیران : میر خلیل اللہ یزدی کا بڑا بیٹا تھا جس کی شادی آصف خاں یمین الدولہ کی بیٹی صالحہ بانو بیگم سے ہوئی تھی (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ : ص ۳۴۱) ۔

(۲) تہور خاں : (میرزا محمود) مشہد کے سادات سے تھا ۔ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آیا اور منصب پانصدی پر فائز ہوا ۔ جہانگیر نے اسے اپنے عہد حکومت میں پنجاب کی سرحدات کا فوجدار مقرر کیا اور تہور خاں کے خطاب سے نوازا ۔ اس نے شاہجہاں کے عہد میں خلل دماغ میں مبتلا ہوکر لاہور میں وفات پائی ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۴۸۴ - ۴۸۵)

(۳) لشکر خاں (ابوالحسن مشہدی) (رک : حواشی جشن دھم ، حاشیہ نمبر ۱۴) ۔

(۴) ملا اسد قصہ خواں : (رک تاریخ طاہری ، ص ۲۷۸ - ۳۴۶) ۔

(۵) بانکی پور پٹنہ کے مشہور عالم کتب خانے خدا بخش لائبریری میں وہ نسخہ موجود ہے جو ہمایوں اور جہانگیر کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے ۔ یہ دونوں فرمانروا دیوان حافظ سے فال لیا کرتے تھے اور اس کے حاشیے پر لکھ دیا کرتے تھے کہ انھوں نے کس موقع پر فال لی اور کون سا شعر برآمد ہوا اور اس فال سے کیا نتیجہ نکلا ۔ ان میں سے جہانگیر کی چند فالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں ۔

۱۔ شاہزادہ خرم کئی مرتبہ بعض مہمات کے لیے نامزد ہوا ۔ ۱۰۲۵ھ میں وہ دکن کی مہم کے لیے نامزد ہوا اور ڈیڑھ برس تک باپ کی خدمت سے دور رہا ۔ جہانگیر اس کے دیدار کے لیے بہت بے قرار تھا ۔ اسی عالم میں اس نے دیوان حافظ کھولا تو مندرجۂ ذیل شعر نکلا جس سے جہانگیر کو تسکین حاصل ہوئی :

چشم بد دور کزاں تفرقہ خوش باز آورد
طالع نامور و دولت مادر زادت (ص ۳۰)

چنانچہ اس شعر کے مقابل ورق ۴۲ ب پر شہنشاہ کا یہ نوٹ درج ہے۔

''برای نور چشمی شاہ خرّم کشادیم ، امید که از تفرقه امان آید۔''

۲ - جن دنوں رانا کے سلسلے میں جہانگیر اجمیر میں مقیم تھا ، ایک دن وہ شکار کے لیے گیا۔ شکار کے دوران میں جہانگیر کا تعویذ گم ہو گیا ، اس نے دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر برآمد ہوا :

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد

ولی رمیدۂ مارا رفیق و مونس شد

چنانچہ دیوان مذکور کے ورق ۹۲ ب پر حاشیے میں اس نے لکھا :

''در اجمیر بر سر رانا رفته بودم - در شکار تعویذ الماس نتراشیده از سر من فتاده . شگون این را خوب ندانسته تفاولی بدیوان خواجه نمودم ، این غزل برآمد .'' (س)

(۹) شاہ بداغ : سمرقند کا رہنے والا تھا۔ اس نے ہمایوں کے زمانے میں نمایاں کام انجام دیے۔ اکبر کی تخت نشینی کے بعد وہ اکبر کے وفادار منصب داروں میں شامل ہوا۔ اکبر نے اسے مالوے کا ناظم مقرر کیا۔ اس نے مانڈو (شادی آباد) میں قلعے کے اندر ، قلعے کی جنوبی دیوار کے متصل نہایت خوبصورت محل تعمیر کرایا تھا ، جسے نیل کنٹھ کہتے تھے۔ خاص بیٹھنے کے کمروں کی دیواروں پر اکبر کے حکم سے کچھ کتبے کندہ کیے گئے ہیں ، جن میں اس کے دکن اور خاندیس کے حملوں کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اشعار بھی ہیں جن میں دنیاوی جاہ و جلال کی بے اعتباری کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔

کتبۂ دیوار شرق :

''در تاریخ ۴۴ سنه الٰہی موافق سنه ۱۰۰۸ھ بندگان اعلیٰ حضرت جہان پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ بتوجه فتح دکن بودند - بدیں جا عبور افتادہ :

تا کی گوئی بچرخ شد خانۂ ما

خندند همه بر دل دیوانۂ ما

زافسانۂ دیگران بیا عبرت گیر
زآن پیش کہ بشنوند افسانۂ ما''

دیوار غربی پر :

۱- بتاریخ ۱۰۰۹ھ حضرت اکبر بادشاہ فتح خاندیس و دکن نمودہ عازم هند شدند ــ حررہ محمد معصوم

۲- حضرت ظل اللہ اکبر بادشاہ فتح دکن و خاندیس نمودہ در سنہ ۱۰۰۹ھ عازم هند شدند ــ قائلہ نامی

دیدم چغدیٰ نشستہ در صبح و پگاہ
بر کنگرۂ مقبرۂ شروان شاہ
فریاد کنان ز روی عبرت میگفت
کو آن حشمت و کجا آن همہ جاہ

کتبۂ محراب بیرونی جانب :

امر بنای هذا العمارۃ الدلکشا بعهد السلطان الاعظم الخاقان العادل الاکرم مولیٰ ملوک العرب و العجم ظل اللہ فی الارضین قهرمان الماء والطین رافع رایات المجاهدات و المغازی ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ــ کتبہ فریدوں حسین ابن حاتمی ۹۸۲ هجری

کتبۂ محراب اندرونی جانب :

توان کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل
کہ شاید یک دمی صاحب دلی ایں جا کند منزل

کتبہ شاہ بداغ خاں سنہ ۹۸۲ هجری''

سارا محل سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے اور مغلیہ فن تعمیر کی بہت سی خصوصیات کا حامل ہے ۔

شاہ بداغ نے مانڈو (شادی آباد) میں ہی وفات پائی (رک : ہندوستانی اسلامی کتبات ۱۹۰۹ تا ۱۹۱۵ع ، غلام یزدانی ۔ مانڈو شادی آباد و ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۵۳۷ - ۵۳۹ (س))

(۷) هدایت اللہ (فدائی خاں) : یہ چار بھائی تھے ۔ ان میں سب سے چھوٹا بھائی هدایت اللہ تھا ۔ ابتداءً میر بحر مقرر ہوا ۔ جلوس جہانگیری کے بائیسویں

سال مکرم خان حاکم بنگال کی وفات کے بعد فدائی خان بنگال کا حاکم مقرر ہوا ۔ شاہجہان نے اپنے جلوس کے تیرھویں سال جب ظریف کو فدائی خان کا خطاب دیا تو اسے جاں نثار خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ جب اسی سال ظریف نے وفات پائی تو پھر شاہجہان نے فدائی خان کا خطاب اسی کو دے دیا ۔ جلوس شاہجہانی کے انیسویں سال میں کسی وقت اس نے وفات پائی (رک ، ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۱۲ -- ۱۸) ۔

(۸) سید کاسو : جہانگیر کے خدمت گاروں میں تھا ۔ ابتداء شیخ فرید مرتضیٰ خان اس کے مربیوں میں تھا ۔ لیکن ناتجربہ کاری کی بنا پر اس نے مرتضیٰ خان سے تعلق قطع کر کے مہابت خاں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا ۔ سید کاسو خوش رو اور خوش قد جوان تھا ۔ جہانگیر اسے بہت عزیز رکھتا تھا ۔ اس نے عہد جہانگیری ہی میں وفات پائی (رک : ذخیرۃ الخوانین قلمی ، مملوکہ سید حسام الدین راشدی ، ص ۲۰۶) ۔

(۹) الٰہداد افغان (رشید خان) : بن جلال الدین روشنائی ۔ یہ جلال الدین کی وفات کے بعد ، جو مغلوں کا سخت مخالف تھا ، اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ اپنی کمزوری کی بنا پر ہندوستان آ کر جہانگیر کے ملازموں میں منسلک ہو گیا ۔ جہانگیر نے اسے رشید خان کے خطاب سے نوازا اور دکن کی مہم میں بحیثیت مددگار کے مقرر کیا ۔ ۴ جلوس شاہجہانی میں یہ اعظم خان صوبےدار دکن کے ہمراہ مانجرا ندی کے کنارے عادل شاہیہ اور نظام الملکیہ کی فوج سے لڑتے ہوئے زخمی ہوا لیکن اچھا ہو گیا ۔ مہابت خاں کے لکھنے پر برہان پور کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ آخر عمر میں تلنگانے کے انتظام پر مقرر کیا گیا ۔ ۱۰۵۸ھ میں جب کہ وہ نالدیڑ کا صوبےدار تھا اس نے وفات پائی ۔ اس نے ایک گاؤں شمس آباد مئو کے نام سے آباد کیا تھا ۔ اپنے اسی گاؤں میں مدفون ہوا ۔ (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۲۴۲ -- ۲۵۰ و تذکرۂ صوفیائے سرحد ، مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی ، ص ۱۷۹) ۔

(۱۰) روح اللہ خان : (برادر ہدایت اللہ فدائی خان) یہ ہدایت اللہ فدائی خان کا تیسرا بھائی تھا ۔ نہایت خوبصورت اور چوگان بازی میں نہایت ماہر تھا ۔ جہانگیر کے مقربوں میں تھا ۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ جس وقت جہانگیر قلعۂ ماںڈو میں ٹھہرا ہوا تھا ، تو اس نے روح اللہ کو اس نواح کے

مفسدین کی سرکوبی کے لیے متعین کیا ۔ جب وہ چیت پور میں پہنچا تو اس نے وہاں کے راجا کی پذیرائی کرتے ہوئے بیرون شہر ایک درخت کے نیچے بلایا اور دعوت کا سامان طلب کیا ۔ ناگہاں درخت کے پاس سے ایک سانپ نکلا ۔ روح اللہ سانپ کو دیکھتے ہی چلّایا " مار مار " (سانپ سانپ) ۔ روح اللہ کے ساتھیوں میں سے ایک نے سمجھا کہ وہ راجا کو مارنے کے لیے کہہ رہا ہے ۔ اس نے یہ سمجھ کر راجا پر وار کیا ۔ راجا نے پھرتی سے اپنے آپ کو بچا کر روح اللہ کے دو ٹکڑے کر دیے ۔ (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۱۳ - ۱۴ ؛ و ذخیرة الخوانین قلمی ، ص ۳۹۳ - ۳۹۴) ۔

(۱۱) مروت خان (ترکمان) : صاحب قران ثانی کے عہد میں متھرا کا صوبے دار تھا (رک : ، ذخیرة الخوانین قلمی ، ۴۰۴) ۔

(۱۲) راجا سورج مل : ولد راجا باسو ، (رک : مآثرالامرا ، ج ۳ : ص ۱۷۹) ۔

(۱۳) حاکم بیگ : اعتمادالدولہ کا داماد تھا ۔ جہانگیر کے عہد میں جب اعتماد الدولہ کے خاندان والے خانی اور ترخانی کے مراتب کو پہنچے تو جہانگیر نے حاکم بیگ کو بھی امارت کے بلند درجے پر فائز کیا ۔ اس کی بیوی خدیجہ بیگم تھی جو نورجہاں بیگم کی ہمشیرہ ہونے کی وجہ سے نہایت اعزاز و احترام سے زندگی بسر کرتی تھی ۔ حاکم بیگ صاحب علم و فضل تھا ۔ جہانگیر اوجین میں اچھد روپ سنیاسی (جند روپ) کا معتقد ہو گیا ۔ پھر کشمیر جاتے ہوئے جب کہ متھرا میں جہانگیر کا قیام تھا تو وہ معتقدانہ اسی کی خدمت میں حاضر ہوا ، جیسا کہ توزک کے گیارھویں اور اسی جشن میں خود جہانگیر نے تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ خان اعظم کی سفارش پر اسی سنیاسی نے جہانگیر سے سفارش کر کے خسرو کی خطائیں معاف کروائیں جس کی وجہ سے اس سنیاسی کے پاس اور بھی لوگوں کا غیرمعمولی ہجوم رہنے لگا ۔ اس سے حاکم بیگ کی رگ حمیت اسلام جوش میں آئی ۔ چونکہ وہ اپنی رائے میں اس سنیاسی کے پاس لوگوں کے اجتماع کو مخل حکومت سمجھتا تھا ، اس لیے اس نے اس سنیاسی کے کوڑے لگوائے ۔ جہانگیر کو جب معلوم ہوا تو بے حد غصے میں آیا ۔ اس نے حاکم بیگ کو اس کی خدمت سے نہ صرف معزول کر دیا بلکہ اس کی جاگیر بھی ضبط کر لی ۔ حاکم بیگ اکبر آباد میں

گوشہ نشین ہو کر علم کی خدمت میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۵۷۳—۵۷۷ - ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ص ۳۴۶)

(۱۴) میر حسام الدین انجو : (ولد میر جمال الدین حسین انجو) اس کے نکاح میں ابراهیم خاں فتح جنگ کے بھتیجے احمد بیگ خاں کی لڑکی تھی ۔ اس رشتے کی وجہ سے وہ بلند مراتب کو پہنچا ۔ ۱۷ جلوس جہانگیری میں مرتضیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ میر حسام الدین نے جلوس شاہجہانی کے دوسرے سال ۱۰۳۹ھ کے آخر میں وفات پائی ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۳ : ص ۳۸۲ - ۳۸۴)

(۱۵) جاں سپار خاں : (ترکمان) اس کا نام جہانگیر بیگ تھا ۔ یہ طویل عرصے تک صوبۂ دکن میں متعین رہا اور ۱۰ جلوس شاہجہانی میں دکن میں وفات پائی ۔ (رک : ماثر الامرا ، ج ۱ : ص ۵۱۶—۵۱۹) ۔

(۱۶) راجا بھوج : اس کا زمانہ ۱۰۶۷ع ہے ۔ یہ ٹاڈ کا اندازہ ہے (رک : ترجمہ آئین اکبری ، ج ۲ : ص ۲۱۱ (س)) ۔

(۱۷) سلطان محمد تغلق : اس سے مراد سلطان محمد بن فیروز شاہ ہے ۔ اسے محمد بن شاہ تغلق خیال کرنا بڑی غلطی ہوگی ۔ آیندہ سطور سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے (س) ۔

(۱۸) عمید شاہ غوری ، المخاطب بہ دلاور خاں : اس کا نام حسین تھا ۔ اس کے آبا و اجداد غور سے آئے اور سلاطین دہلی کے ملازم ہو کر بہت شائستہ خدمات بجا لائے ۔ حسین ، سلطان شہاب الدین غوری سام کے نواسوں میں تھا ۔ اس کی شہرت فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہوئی اور اُسی نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اُسے دلاور خاں کا خطاب دیا ۔ فیروز تغلق کے بیٹے محمود نے اسے صوبۂ مالوہ کی حکومت کے لیے نامزد کیا ۔ دلاور خاں نے دھار کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا ۔
پتھورا کے ہاتھوں جب دہلی برباد ہوئی اور مرکزی قوت کا خاتمہ ہو گیا تو دلاور خاں نے چتر اور سرخ پردہ استعمال کرنا شروع کیا جو بادشاہی کی علامات تھیں ۔ دلاور خاں نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی (رک : ترجمۂ تاریخ فرشتہ ، ج ۲ : ص ۲۸۶ - ۲۸۷ ، مطبوعہ نولکشور) ۔

(١٩) سلطان بہادر گجراتی : تخت نشینی : یکم شوال ۹۳۲ھ ۔ مالوے پر قبضہ : ۹۳۷ھ ۔ وفات : ۹۴۳ھ (رک : ترجمہ تاریخ فرشتہ ، ج ۲ : ص ۲۵۸–۲۷۴)

(۲۰) ہوشنگ : بن دلاور خان کا نام الپ خان تھا ۔ وہ ۸۰۸ھ میں ہوشنگ کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا اور ۹ ذی الحجہ ۸۳۵ھ (۷ اگست ۱۴۳۲ع) کو وفات پائی ۔ مدت حکومت ۳۰ سال ۔ مدفن شہر مانڈو ۔ تاریخ وفات ''آہ شاہ ہوشنگ نماند'' سے نکلتی ہے (رک : ترجمہ تاریخ فرشتہ ، ج ۲ : ص : ۲۸۷–۲۹۹)

(۲۱) محمود خلجی : تخت نشینی : ۸۴۰ھ (۱۴۳۶ع) ، وفات : ۸۷۳ھ (۱۴۶۹ع) ، (رک : ترجمہ تاریخ فرشتہ ، ج ۲ : ص ۳۰۱–۳۲۰)

(۲۲) غیاث الدین : بن سلطان محمود خلجی ۔ تخت نشینی ۸۷۳ھ (۱۴۶۹ع) ، مدت حکومت ۳۳ سال چند ماہ ۔

(۲۳) ناصر الدین : تخت نشینی : ۲۷ ربیع الثانی ۹۰۶ھ (۲۰ نومبر ۱۵۰۰ع) ، وفات : ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ع) ۔ (رک : ترجمہ تاریخ فرشتہ ، ج ۲ : ص ۳۲۶–۳۳۳) ۔

(۲۴) یہ واقعہ ۱۴ شعبان ۹۳۳ھ (۲۶ مئی ۱۵۲۶ع) کو ظہور پذیر ہوا ۔ اس کے بعد سلطنت مالوہ گجرات کا حصہ بن گئی ۔ (س)

(۲۵) مبارز خان (روہیلہ) عہد جہانگیری میں اس نے غیر معمولی ترقی کی ۔ اس کا زیادہ وقت تعیناتی کابل میں گزرا ۔ ۱۰۵۹ھ میں جب کہ دیپال پور اس کی جاگیر میں تھا ، اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۳ : ص ۴۴۲–۴۴۴)

(۲۶) تان سین کلانونت : اس کا نام ترلوچن داس اور باپ کا نام مکرلد پالدی تھا جو قبیلۂ گور برہمن سے تعلق رکھتا تھا ۔ تان سین موضع بھینٹ میں پیدا ہوا جو نواح گوالیار میں ایک موضع ہے ۔ فن موسیقی میں کمال حاصل کرنے کے بعد اس کا لقب تان سین ہوا ۔ کہتے ہیں کہ تان سین حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری (متوفی ۱۴ محرم ۹۷۰ھ) کی دعا کے اثر سے ۹۳۱ھ میں اور بعض روایات کے مطابق ۹۳۸ھ میں پیدا ہوا اور اس نے شیخ محمد غوث گوالیاری ہی کے پاس نشو و نما پائی ، اور فن موسیقی اس دور کے

یگانۂ روزگار استادان فن سے حاصل کیا۔ وہ اس فن میں اس قدر صاحب کمال ہوا کہ بقول ابوالفضل کے دو ہزار سال پہلے تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

تان سین ابتداء راجا رام چندر والی باندھو (ریوان) کے دربار میں ملازم ہوا، جو اس فن کا بے حد قدردان تھا۔ کچھ دن یہ اسی کے دربار میں رہا، یہاں تک کہ راجا بیربر اور زین خاں کی تحریک پر ۹۷۰ھ میں اکبر نے اسے راجا سے اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ اس نے اپنے فن کے ایسے شان دار کارنامے انجام دیے کہ اب تک اس کا نام زندہ و پائندہ ہے۔ آخر ۹۹۸ھ (۲۶ اپریل ۱۵۸۹ء) کو تان سین نے وفات پائی اور حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے مزار کے پائین مدفون ہوا۔ (رک: مقالات الشعراء، حاشیہ نمبر ۳ - ص ۱۴۱-۱۴۲، بحوالہ رسالہ 'آج کل' دھلی، موسیقی نمبر، اگست ۱۹۵۶ء)۔

(۲۷) سرفراز خاں (چغتا) مصاحب بیگ کا پوتا تھا، جو ھمایوں کے امرا میں تھا۔ اکبر سرفراز خاں کو ھمیشہ اس کے دادا کے نام سے پکارتا تھا۔ جہانگیر نے اسے اپنے ابتدائی عہد حکومت میں سرفراز خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔ سرفراز خاں نے ۱۲ جلوس شاھجہانی میں وفات پائی۔ (رک: مآثر الامرا، ج ۲ : ص ۴۲۱-۴۲۲)

(۲۸) مصاحب بیگ: ولد خواجہ کلاں بن مولانا صدرا۔ یہ خواجہ کلاں کی وفات کے بعد ھمایوں کے ملازموں میں منسلک ہوا۔ چوں کہ بدسرشت اور بد فطرت انسان تھا، اس لیے ھمایوں اس کو "مصاحب منافق" کہتا تھا۔ جلوس اکبری کے تیسرے سال یہ دھلی میں خراب ارادے سے آیا لیکن بیرم خاں نے اسے قید کر لیا اور بعد میں قتل کیا گیا۔ (رک: مآثرالامرا، ج ۳ : ص ۱۷۹-۱۸۱)۔

(۲۹) شاہ عالم: آپ کا اسم گرامی سید محمد سراج الدین شاہ عالم تھا۔ یہ حضرت قطب عالم سید برھان الدین کے صاحب زادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی آمنہ تھا۔ حضرت شاہ عالم کی ولادت ۱۷ ذیقعدہ ۸۱۷ھ شب دوشنبہ کو ہوئی۔ تاریخ ولادت کلمۂ "وارث علی" سے نکلتی ہے۔ آپ نے سترہ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت گجرات کے مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو

سے حاصل کیا ۔ آپ نے ۲۰ جمادی الثانی ۸۸۰ھ میں وفات پائی ۔ (رک: تحفة الکرام ، ج ۱ ، ص ۲۴—۲۵ ۔ و سفینة الاولیا ، و اخبار الاخیار ، ص ۱۶۱ - ۱۶۲) ۔

(۳۰) نظام الدین احمد : بن خواجہ مقیم ۔ جب ۹۸۱ھ میں اعتماد خان گجراتی کھنبایت کا ناظم مقرر ہوا تو اکبر نے نظام الدین کو اُس کا بخشی مقرر کیا ۔ اس نے ۴۵ سال کی عمر میں ۱۰۰۳ھ میں لاهور میں وفات پائی اور اپنے باغ میں مدفون ہوا ۔ نظام الدین کی مشہور تصنیف تاریخ نظامی یا طبقات اکبری ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے ۔ طبقات اکبری کو هندوستان کی معتبر تاریخوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔

(۳۱) قطب عالم : سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری کے پوتے ہیں ۔ آپ کا اسم گرامی سید برھان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری تھا ۔ آپ قطب عالم کے لقب سے مشہور تھے ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی ناصر الدین محمود تھا جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے تھے ۔ آپ کی ولادت ۱۴ رجب ۷۹۰ھ میں ہوئی ۔ آٹھویں صدی هجری میں آپ پٹن تشریف لائے ۔ آپ نے اسی شہر میں مولانا علی شیر سے علوم کی تحصیل کی ۔ بعد میں آپ احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے ۔ حضرت قطب عالم نے ۸ ذی الحجہ ۸۵۷ھ میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار مبارک موضع بٹوہ میں مرجع خاص و عام ہے (رک : تحفة الکرام ، ج ۱ : ص ۲۴ ، ۲۵ ۔ و اخبار الاخیار ، ص ۱۶۱) ۔

(۳۲) مخدوم جہانیاں (جلال الدین) : سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور بزرگ ہیں ۔ آپ کا نام جلال الدین اور لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہے ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ (۱۹ جنوری ۱۳۰۸ع) کو اُچ میں ہوئی ۔ آپ کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جا ملتا ہے ۔ ابتداءً آپ نے سلوک کی تعلیم اپنے والد احمد کبیر اور اپنے چچا محمد بخاری سے حاصل کی ، پھر اس دور کے سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور بزرگ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ آپ نے اٹھتر سال کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ (۳ فروری ۱۳۸۴ع) کو عید اضحیٰ کے روز وفات پائی ۔ آپ کا مزار

مبارک اُچ میں مرجع خاص و عام ہے (رک : اخبار الاخیار ، ص ۱۴۳) .

(۳۳) رستم خاں : اس کا نام یوسف بیگ تھا جو شاہزادہ شاہجہان کے التفات سے امارت کے مرتبے کو پہنچا اور منصب سہ بستی سے ترقی کر کے منصب پنج ہزاری تک پہنچا ، صاحب علم و نقارہ ہوا . شاہجہان کی شاہزادگی کے زمانے میں گجرات کا نائب صوبیدار مقرر ہوا . اس نے عہد شاہجہانی میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ : ص ۱۹۹ تا ۲۰۱) .

(۳۴) شیخ احمد کھٹو : گجرات کے عظیم المرتبت مشائخ میں ہیں . آپ کا لقب جمال الدین ہے . کھٹو ایک گاؤں کا نام ہے جو اجمیر کے قریب ہے . آپ کے آبا و اجداد کا وطن شہر دھلی ہے . یہ اپنے وطن سے نکل کر بابا اسحاق مغربی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد ان سے اجازت و خلافت حاصل کی . آپ کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی تک پہنچتا ہے . زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر گجرات پہنچے . ظفر خاں جو سلطان فیروز کی جانب سے نہروالہ کا حاکم تھا اور آپ کو دھلی سے جانتا تھا ، اس نے آپ کے گجرات میں متوطن ہونے پر اصرار کیا . اس کے اصرار پر آپ قصبہ سرکچ میں مقیم ہو گئے . حضرت شیخ احمد کھٹو نے ۸۰۰ھ میں وفات پائی (رک : اخبار الاخیار ، ص ۱۵۶ - ۱۶۱) .

(۳۵) احمد آباد شہر کی بنیاد ۸۱۰ھ میں پڑی (رک : اخبارالاخیار ، ص ۱۶۱) .

(۳۶) سلطان محمود بیگرہ : فتح خاں المخاطب بہ سلطان محمود شاہ گجراتی ، بمشہور بسلطان محمود بیگڑہ . داؤد شاہ کے بعد ۸۶۳ھ (۱۴۵۹ع) میں تخت پر بیٹھا ، اور ۲ رمضان ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ع) میں وفات پائی (رک : تاریخ ھندوستان ، مصنفہ ذکاء اللہ ، ج ۴ : ص ۲۰۴-۲۲۹) .

(۳۷) شہاب الدین احمد خاں : نیشاپور کے سادات میں سے تھا . اکبر نے اپنے ابتدائی عہد سلطنت میں دھلی کی حکومت اس کے سپرد کی . ۱۲ جلوس اکبری میں جب کہ اکبر چیت پور روانہ ہو رہا تھا تو اس نے اسے مالوے کی حکومت سے سرفراز کیا - ۲۲ جلوس اکبری میں اکبر نے وزیر خاں کو گجرات کی حکومت سے ہٹا کر وھاں کی حکومت پر شہاب الدین کو مقرر کیا - ۲۸ جلوس اکبری میں اکبر نے شہاب الدین کو گجرات کی حکومت سے ہٹا کر اعتماد خاں کو وھاں کی حکومت پر مقرر کیا .

۳۴ جلوس اکبری میں اعظم خان کوکہ کے حکومت مالوہ سے معزول ہونے کے بعد یہ مالوے کی حکومت پر مامور ہوا۔ ۹۹۹ھ میں شہاب الدین نے مالوے ہی میں وفات پائی (رک : مآثرالامرا ، ج ۲ : ص ۵٦٧–۵۷۷) ۔

(۳۸) اکرام خان : ولد اسلام خان چشتی فاروقی ۔ اس کا نام ہوشنگ تھا ۔ یہ شیخ ابوالفضل کا بھانجا تھا ۔ ایک مدت تک دکن میں متعین رہا ۔ جہانگیر کے آخری عہد میں اسیر کا قلعہ دار مقرر ہوا۔ شیر خان تونور کی بیٹی اس کے گھر میں تھی، لیکن اس سے اس کی نہ بنتی تھی ، لہذا اس کے بھائی اسے لے گئے ۔ اکرام خان باوجود حضرت سلیم چشتی کے گھرانے سے تعلق رکھنے کے بہت ظالم انسان تھا۔ اسی بنا پر عہد شاہجہانی میں اس کا منصب دو ہزاری و ہزار سوار بند ہوا اور جاگیر ضبط ہو کر اس کے لیے نقد رقم مقرر ہوئی ۔ جس کے بعد وہ فتح پور میں گوشہ نشین ہو گیا ۔ عہد شاہجہانی کے چوبیسویں سال اس نے وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۱ : ص ۱۲۰) ۔

(۳۹) میرزا محمد باقی ترخان : ولد میرزا عیسیٰ ترخان اول (حاکم سندھ) ۔ مدت حکومت : ۹۷۳ھ تا ۹۹۳ھ ۔ وفات : ۸ شوال ۹۹۳ھ ۔ مدفن : کوہ مکلی نزد مدفن عیسیٰ اول (ترخان نامہ ، شجرہ H میرزا عیسیٰ ترخان اول ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی)

(۴۰) میرزا مظفر اول : بن میرزا محمد باقی ۔ یہ میرزا محمد باقی کا تیسرا بیٹا تھا جسے اس نے بدین اور چاچکان کا حاکم مقرر کیا تھا ۔ اس کی ماں قوم جاریجہ سے تھی (میرزا عیسیٰ ترخان اول شجرہ H مشمولہ ترخان نامہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی)

(۴۱) خواجہ عاقل خان کا نام عنایت اللہ بن عبدالحق تھا اور اس کا خطاب عاقل خان تھا ۔ یہ ملا شکراللہ افضل خان کا بھتیجا اور متبنّی تھا ۔ خواجہ عاقل نے ۱۰۵۹ھ میں وفات پائی (رک : ماثرالامرا ، ج ۲ ، ص ۷۹۰ - ۷۹۱)

(۴۲) تفسیر کشاف : عربی زبان میں قرآن پاک کی نہایت عمدہ تفسیر ہے ۔ اس کے مؤلف علامہ زمخشری ہیں ۔

(۴۳) تفسیر حسینی : یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے ۔ اس کے مؤلف ملا حسین

واعظ کا شفی ہیں ۔ یہ تفسیر انہوں نے اپنے مربی امیر علی شیرنوائی کی خاطر تیار کی تھی ۔ انہوں نے یہ تفسیر اپنی وفات سے گیارہ سال پہلے ۸۹۹ھ (۹۴ - ۱۴۹۳ع) میں مکمل کی ، جو ایک مرتبہ مطبع نول کشور سے بھی طبع ہوئی تھی ۔ اس کا ترجمہ اردو زبان میں تفسیر قادری کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا (س)

(۴۴) ملتان کے مشہور گردیزی خاندان کے ایک معزز رکن سید رمضان علی شاہ گردیزی کی لائبریری میں تزک جہانگیری کا وہی نسخہ موجود ہے جو جہانگیر نے شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو عطا کیا تھا ۔ کتاب کے بیرونی صفحے پر جہانگیر کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت ہے ، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب وہی ہے جو جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو عطا کی تھی ۔ کتاب کے بہت سے مقامات جلد بندی کے وقت بے احتیاطی کے باعث کٹ گئے ہیں ۔ کچھ اوراق ایسے ہیں جن کی مرمت اس طرح ہوئی ہے کہ الفاظ خراب ہو گئے ہیں اور پڑھے نہیں جاتے ۔ یہ شروع کے اوراق ہیں ۔ جہانگیر کی خود نوشتہ تحریر یہ ہے :

"اللہ اکبر

بعد از جلوس ہمایوں بخاطر رسید کہ واقعات زمان دولت ابد پیوند بدستوریکہ حضرت فردوس مکانی بزبان ترکی در قید تحریر آوردہ ، واقعات بابری نام نہادہ ، بزبان فارسی کہ عام فہم باشد ، در . . . آرم . چون دوازدہ سالہ احوالاش بہ بیاض رفتہ بود ، در روز مبارک ہفتہ شہریور سنہ ۱۳ جلوس مطابق ہشتم رمضان سنہ ۱۰۲۷ھ دریں روز . . از احمد آباد گجرات . توجہ دارالخلافہ آگرہ بود ایں نسخہ شریف بفرزند سعادت مند . . . . . دوحہ شجرۂ جود . . مخصوص بعنایت فلک مکان . . . "

حاشیے کے ایک جانب شاہ جہان کی یہ تحریر ہے :

"این دفتر اول جہانگیر نامہ را پدر بزرگ وار بمن عنایت فرمودند . حررہ شاہ جہان" (س)

اشاریہ

مرتّبہ : احمد رضا

اشخاص

چ

ح

خ

ش

غ

ف

ن

ی

مقامات

چ

ش

ص

ض

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ن

ی

کتب

ج

ح

خ

متفرقات

نور شاہی ، سہر : ۶۰ -
نور ، سہر : ۶۰ -

و

وبا : ۵۲۵ ، ۵۷۲ -
ورزا : ۳۵۷ -

ہ

ہولی : ۳۰۲ -

ی

یاقوت : ۵۱۱ ، ۵۶۹ -
یک رنگی : ۳۰۹ -
یوز باشی : ۲۸۷ -

صحت نامۂ اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰	۲۳	شهرپور	شهریور
۳۶	۴	صدره	صدرا
۱۰۸	۲۲	داور	دادر
۱۱۵	۲۷	جاگر	جاگیر
۱۲۲	۱۰	قیا خاں	قبا خاں
۱۶۲	۲۱	در گز کیا	در گزر کیا
۱۶۶	۱۷	رائے سنکھ	راے سنگھ
۱۷۰	۲۰	حسن بیگ	حسین بیگ
۱۷۰	۲۳	حسن بیگ	حسین بیگ
۱۷۰	۲۶	حسن بیگ	حسین بیگ
۱۷۴	۲۴	جهانگیر	جهانگیری
۱۷۵	۱۰	بهکر	بکهر
۱۷۵	۱۱	بهکر	بکهر
۱۷۵	۱۲	بهکر	بکهر
۱۷۷	۳	اوڑیسیه	اوڑیسه
۲۰۳	۱۴	چکری گاؤں	چکری گاؤں
۲۲۵	۱۰	تیره	تیراه
۲۳۹	۸	حکیم حام	حکیم همام
۲۴۳	۸	حکیم حام	حکیم همام
۲۴۶	۵	ابنیر	انبیر
۲۴۶	۷	ابنیر	انبیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۹	۲۸	منگلی خان	سنگلی خان
۲۶۱	۲۰	ابنیر	انبیر
۲۸۷	۸ حاشیہ	امیر	امیروں
۲۹۰	۲۵	التوایچ	التواریخ
۲۹۹	۱۱	مُلا احمد علی	مُلا علی احمد
۳۰۱	۱۹	عبداللطف	عبداللطیف خان
۳۰۱	۲۳	عبداللطف	عبداللطیف خان
۳۰۲	۲۵	دوسرے جواہر دن	دوسرے دن جواہر
۳۱۱	۱۱	انھیں غیر مناسب	غیر مناسب
۳۲۰	۱۵	اسفندار تک مذ	اسفندار مذ تک
۳۲۷	۵	شعر العحجم	شعرالعجم
۳۶۵	۶	علی مراد خان	علی مردان خان بہادر
۴۱۶	۱۰	صالح بیگم	صالحہ بیگم
۴۳۸	۱۷	بھر	بھرا
۴۳۹	۱۷	کو	و
۴۵۶	۱۱	جنشن	جشن
۴۶۱	۱	فرودری	فروردی
۴۶۱	۲۰	نرسگنھ	نرسنگھ
۴۷۳	۱۷	گوبال داس	گوپال داس
۴۸۰	۱۴	ابنیر	انبیر
۴۹۳	۲۰	تسیخر	تسخیر
۴۹۴	۴	افعان	افغان
۵۷۰	۴	مظھ	مظھر
۵۷۰	۲۱	جانپانیر	جاپانیر